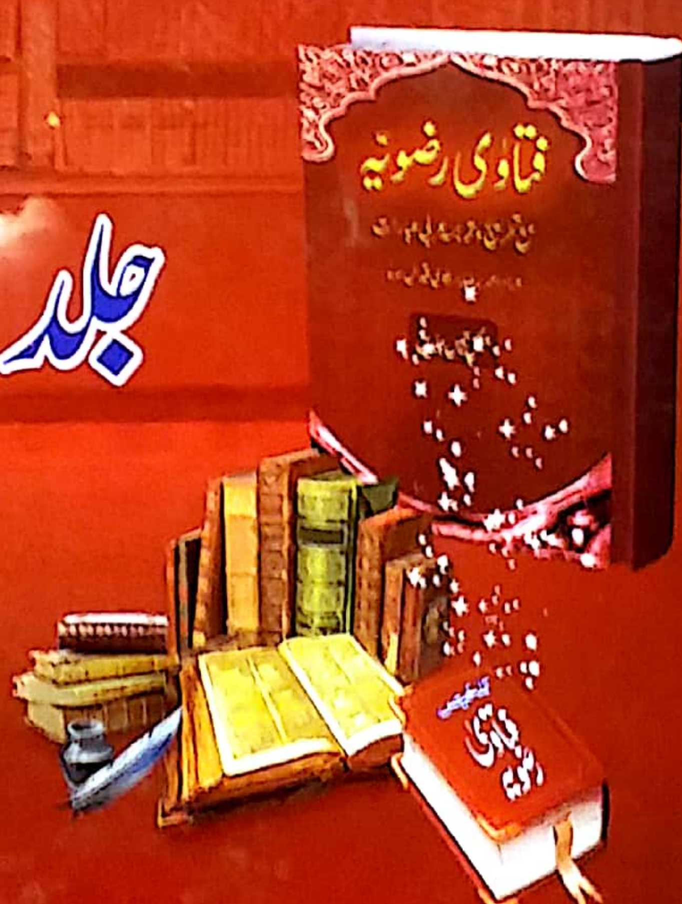
تلخیص فتاوی رضویہ

جلد 10 9 8



مصنف
مفتی محمد ہاشم خان العطاری المدنی

مکتبہ امام اہلسنت
0301-7104143,0310-4085638
0332-1632626

علماء اہلسنت کی کتب Pdf فائیل میں فری

حاصل کرنے کے لیئے

ٹیلیگرام چینل لنک

https://t.me/tehqiqat

آرکاریو لنک

https://archive.org/details

/@zohaibhasanattari

بلوگسپوٹ لنک

https://ataunnabi.blogspot

.com/?m=1

طالب دعا۔ زوہیب حسن عطاری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

وعلیٰ الک واصحابک یا حبیب اللہ

نام کتاب۔۔۔۔۔۔۔۔تلخیص فتاوی رضویہ (جلد 8,9,10)

مصنف۔۔۔۔۔۔۔۔حضرت علامہ مفتی محمد ہاشم خان العطاری المدنی مدظلہ العالی

ناشر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مکتبہ امام اہلسنت، لاہور

اول اشاعت۔۔۔۔۔۔۔محرم الحرام 1439ھ بمطابق اکتوبر 2017ء

صفحات۔۔۔۔۔۔۔۔472

قیمت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔500

ملنے کے پتے:

مکتبہ قادریہ، داتا دربار مارکیٹ، لاہور

مکتبہ اعلیٰ حضرت، داتا دربار مارکیٹ، لاہور

حسان پرفیومرز، کراچی

مکتبہ فیضان مدینہ، جوہر ٹاؤن، لاہور

مکتبہ غوثیہ، کراچی

مکتبہ فیضان سنت، ملتان

فیضان اسلام، فیصل آباد

فیضان زم زم، حیدر آباد

مکتبہ فیضان اسلام، فیصل آباد

کتب خانہ امام احمد رضا، لاہور

مکتبہ نوریہ رضویہ، لاہور

مکتبہ قادریہ، کراچی

مکتبہ غوثیہ، راولپنڈی

فیضان رضا، راولپنڈی

فیضان زم زم، فیصل آباد

اسلامک کارپوریشن، راولپنڈی

کتاب کی خصوصیات

(1) یہ تمام سوالات جوابات فتاوی رضویہ رضا فاؤنڈیشن لاہور کی جلد نمبر 8,9,10 سے لئے گئے ہیں، جواب کے آخر میں جلد نمبر اور صفحہ نمبر درج کر دیا گیا ہے۔

(2) حتی الامکان دلائل سے صرف نظر کیا گیا ہے تاکہ قارئین مختصر الفاظ میں رضوی موقف جان سکیں، دلائل کے لئے فتاوی رضویہ کی طرف رجوع کیا جائے۔

(3) بعض جگہ سوال طویل اور الجھا ہوا ہونے کی وجہ سے اپنے الفاظ میں مختصر ذکر کیا گیا ہے تاکہ سمجھنے میں دقت نہ ہو۔

(4) بعض جگہوں پر سائل ایک سوال کے اندر کئی سوالات کر جاتا ہے اور امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ اس کا بالترتیب جواب دیتے ہیں، وہاں سوال کو تقسیم کر دیا ہے، اسی طرح اس کے جواب کو بھی تقسیم کر دیا ہے، تاکہ سوال جواب کے ربط کو سمجھنے میں آسانی رہے۔

(5) بعض جگہوں پر اپنی طرف سے سوال بنایا گیا ہے تاکہ امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ جو مسائل ضمنی طور پر ذکر کرتے ہیں ان کا احاطہ کیا جا سکے۔

(6) جواب میں حتی الامکان بعینہ فتاوی رضویہ ہی کی عبارت نقل کی گئی ہے، ہاں بعض مقامات پر کچھ تبدیلیاں کی گئی ہیں مثلاً جہاں امام اہلسنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "قال اللہ تعالیٰ" وہاں "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" لکھ دیا ہے، اسی طرح "قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" کی جگہ "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں" لکھ دیا ہے، وعلیٰ ھذا القیاس۔

(7) بعض جگہ پر قوسین کے اندر مشکل مقامات کی وضاحت وتشریح کی گئی ہے۔

(8) جس عربی وفارسی عبارت کا ترجمہ امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے نہیں ہے اس کو یا تو قوسین میں کیا ہے یا پھر شروع میں لفظ ترجمہ لکھ دیا ہے۔

(9) جو فتاوی مکمل عربی کا فارسی میں ہیں ان کا صرف ترجمہ ہی لکھا ہے۔

(10) حتی الامکان مسائل میں تکرار سے بچنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اجمالی فہرست

جلد:8

جلد:9

جلد:10

فہرست

جلد نمبر 8

جلد 9

تلخیص فتاوی رضویہ

(جلد8)

مؤلف

استاذ الفقہ والحدیث حضرت علامہ مفتی محمد ہاشم خان العطاری المدنی مدظلہ العالی

احکام مسجد

مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے

سوال: گرمی کی وجہ سے مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: مکروہ ہے کہ مسجد کی بے ادبی ہے ہاں اگر مسجد جماعت پر تنگی کرے نیچے جگہ نہ رہے تو باقی ماندہ لوگ چھت پر صف بندی کرلیں یہ بلا کراہت جائز ہے کہ اس میں ضرورت ہے، بشرطیکہ حالِ امام مشتبہ نہ ہو۔ (ص57)

صحنِ مسجد مسجد کا جزء ہے

سوال: صحنِ مسجد مسجد کا جز ہوتا ہے یا خارجِ مسجد ہوتا ہے؟

جواب: صحنِ مسجد قطعاً جزءِ مسجد ہے جس طرح صحنِ دار (گھر کا صحن) جزءِ دار (گھر کا جز ہوتا ہے)، یہاں تک کہ اگر قسم کھائی زید کے گھر نہ جاؤں گا، اور صحن میں گیا بیشک حانث ہوگا۔۔اسی طرح اگر قسم کھائی مسجد سے باہر نہ جاؤں گا اور صحن میں آیا ہرگز حانث نہ ہوا، ولہذا معتکف کو صحن میں آنا جانا بیٹھنا رہنا یقیناً روا (جائز ہے)، یہ مسئلہ اپنی نہایت وضاحت وغایت شہرت سے قریب ہے کہ بدیہیات اولیہ (فوراً سمجھ آجانے والی چیزوں) سے ملتحق ہو، جس پر تمام بلاد (شہروں) میں عام مسلمین کے تعامل وافعال شاہد عدل، جن کے بعد اصلاً احتیاج دلیل نہیں، ہاں جو دعوٰی خلاف کرے اپنے دعوے پر دلیل لائے، اور ہر گز نہ لاسکے گا حتی یلج الجمل فی سم الخیاط (یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے سوراخ میں داخل ہوجائے)۔ (ص60)

سوال: زید کہتا ہے کہ صرف وہ حصہ مسجد ہوتا ہے جو چھت والا ہے اور صحنِ مسجد مسجد کا حصہ نہیں ہوتا، خارجِ مسجد اور فناءِ مسجد ہوتا ہے۔

جواب: (امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے صحنِ مسجد کے جزءِ مسجد ہونے پر متعدد دلائل ذکر کئے، فرماتے ہیں)

اوّلاً: مسجد اس بُقعہ (قطعۂ زمین) کا نام ہے جو بغرض نمازِ پنجگانہ وقف خالص کیا گیا۔۔۔یہ تعریف بالیقین صحن کو بھی شامل، اور عمارات و بنا یا سقف وغیرہ ہرگز اس کی ماہیت میں داخل نہیں یہاں تک کہ اگر عمارت اصلاً نہ ہو صرف ایک چبوترہ یا محدود میدان نماز کے لئے وقف کردیں قطعاً مسجد ہوجائے گا اور تمام احکامِ مسجد کا استحقاق پائے گا۔۔۔۔

پھر مسقّف (چھت والے) وغیر مسقّف (غیر چھت والے) میں فرق کرنا اسے مسجد اسے فناءِ مسجد ٹھہرانا محض بے معنی۔

ثانیا: ہر عاقل جانتا ہے کہ مسجد و معبد ہو یا مسکن و منزل ہر مکان کو بلحاظ اختلافِ موسم دو حصوں پر تقسیم کرنا عادات مطردۂ بنی نوع انسان سے ہے جس پر۔۔تمام اعصار (زمانوں) وامصار (شہروں) کے لوگ اتفاق کئے ہوئے ہیں ایک پارہ (حصہ) مسقف

(چھت والا) کرتے ہیں کہ برف وبارش وآفتاب سے بچائے، دوسرا کُھلا رکھتے ہیں کہ دھوپ میں بیٹھنے، ہوا لینے، گرمی سے بچنے کے کام آئے، زبانِ عرب میں اوّل کو شتوی (سردیوں والا حصہ) کہتے ہیں اور دوم کو صیفی (گرمیوں والا حصہ)۔

یہ دونوں ٹکڑے قطعاً اس معبد (عبادت گاہ) یا منزل کے یکساں دو جزء ہوتے ہیں جن کے باعث وہ مکان ہر موسم میں کام کا ہوتا ہے اور بالیقین مساجد میں صحن رکھنے سے بھی واقفین کی یہی غرض ہوتی ہے ورنہ اگر صرف شتوی یعنی مسقف کو مسجد اور صیفی یعنی صحن کو خارج از مسجد ٹھہرایئے تو کیا واقفین (وقف کرنے والوں) نے مسجد صرف موسم سرما وعصرین گرما (گرمیوں کی ظہر وعصر) کے لئے بنائی تھی کہ ان اوقات میں تو نماز مسجد میں ہو باقی زمانوں میں نماز واعتکاف کے لئے مسجد نہ ملے یا ان کا مقصود یہ جبر کرنا تھا کیسی ہی حبس و حرارت کی شدت ہو مگر ہمیشہ مسلمان اسی بند مکان میں نماز پڑھیں، معتکف رہیں، ہوا اور راحت کا نام نہ لیں۔

یا انھیں دُنیا کا حال معلوم نہ تھا کہ سال میں بہت اوقات ایسے آتے ہیں جن میں آدمی کو درجۂ اندرونی میں مشغولِ نماز و تراویح واعتکاف ہونا درکنار دم بھر کو جانا ناگوار ہوتا ہے، اور جب کچھ نہیں تو بالجزم (یقیناً) ثابت کہ جس طرح انھوں نے اپنے چین کے لئے مکانِ سکونت میں صحن ودالان دونوں درجے رکھے ہیں یونہی عام مسلمان کی عام اوقات میں آسائش وآرام کے لئے مسجد کو بھی انہی دوحصّوں پر تقسیم کیا۔

ثالثاً: اب نمازیوں سے پوچھئے آپ اذان سن کر گھر سے کس ارادہ پر چلتے ہیں، یہی کہ مسجد میں نماز پڑھیں گے یا کچھ اور، قطعاً یہی جواب دیں گے کہ مسجد میں نماز پڑھنے آتے ہیں، اب دیکھئے کہ وہ موسم گرما میں فجر ومغرب وعشاء کی نمازیں کہاں پڑھتے ہیں اور اُن کے حفاظ قرآن مجید کہاں سناتے ہیں اور اُن کے معتکف کہاں بیٹھتے اور ذکر وعبادت میں مشغول رہتے ہیں، خود ہی کُھل جائے گا کہ مسلمانوں نے صحن کو بھی مسجد سمجھا ہے یا نہیں، تو مسجدیتِ صحن سے انکار اجماع کے خلاف۔

رابعاً: بلکہ غور کیجئے تو جو صاحب انکار رکھتے ہیں خود اُنہی کے افعال اُن کی خطا پر دال (دلالت کررہے ہیں)، اگر وہ مسجد میں نماز پڑھنے آتے ہوں تو لاجرم موسمِ گرما میں عام مسلمانوں کی طرح صحن ہی پر پڑھتے ہوں گے پھر ان سے پوچھئے آپ گھر چھوڑ کر غیرِ مسجد میں نماز پڑھنے کیوں آئے، اور جب یہ مسجد نہیں تو یہاں نماز پڑھنے میں کیا فضیلت سمجھی، فضیلت درکنار داعی الی اللہ (اللہ کی طرف دعوت دینے والے) کی اجابت کب کی، اور حدیث "لا صلوٰۃ لجار المسجد الافی المسجد" ترجمہ: مسجد کے پڑوسی کی نماز، مسجد کے علاوہ نہیں ہوسکتی۔ (مستدرک حاکم، ج1، ص246، دارالفکر، بیروت) کی تعمیل کہاں ہوئی اور سنتِ عظیمہ جلیلہ کس واسطے چھوڑی۔

کیا کوئی ذی عقل مسلمان گوارا کرے گا کہ مکان چھوڑ کر آوازِ اذان سُن کر نماز کو جائے اور مسجد ہوتے ساتے مسجد میں نہ پڑھے بلکہ اس کے حریم وحوالی میں نماز پڑھ کر چلا آئے، کیا اہلِ عقل ایسے شخص کو مجنون نہ کہیں گے، تو انکار والوں کا قول وفعل قطعاً متناقض (آپس میں ٹکرا رہا ہے)، اگر یہ عذر کریں کہ جہاں امام نے پڑھی بجبوری ہمیں پڑھنی ہوئی ہے تو محض بیجا ونا معقول وناقابل قبول، آپ صاحبوں پر حقِ مسجد کی

رعایت اتباعِ جماعت سے اہم واقدم تھی، جب آپ نے دیکھا کہ سب اہلِ جماعت مسجد چھوڑ کر غیرِ مسجد میں نماز پڑھتے ہیں آپ کو چاہئے تھا خود مسجد میں جا کر پڑھتے، اگر کوئی مسلمان آپ کا ساتھ دیتا جماعت کرتے ورنہ تنہا ہی پڑھتے کہ حقِ مسجد سے ادا ہوتے، یہاں تک کہ علما اس تنہا پڑھنے کو دوسری مسجد میں باجماعت پڑھنے سے افضل بتاتے ہیں نہ کہ غیر مسجد میں۔

خامساً: اگر وہ اپنے قولِ باطل پر اصرار کر کے اسی فکر میں پڑیں کہ نمازِ صحن مطلقاً بند کر دی جائے اور ہمیشہ ہر موسم، ہر وقت کی جماعت اندر ہی ہوا کرے، اور بالفرض اُن کی یہ بات خلق کو نمازِ صحن سے مانع آئے تو دیکھئے موسمِ گرما میں کتنی مسجدیں نماز و جماعت و تراویح و اعتکاف سے معطل محض ہوئی جاتی ہیں کہ لوگ جب صحن سے روکے جائیں گے اور اندر ان افعال کی بجا آوری سے بالطبع گھبرائیں گے، لاجرم مسجد کے آنے سے باز رہیں گے اور اگر ایک دو نے یہ ناحق و بے سبب کی سخت مصیبت گوارا بھی کر لی تو عام خلائق کا تنفر قطعی یقینی، تو اس نزاع بیجا کا انجام معاذ اللہ مساجد کا ویران کرنا اور اُن میں ذکر و نماز سے بندگانِ خدا کو روکنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ومن اظلم ممن منع مسٰجداللّٰہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعٰی فی خرابھا﴾ ترجمہ: اس سے بڑھ کر ظالم کون جو خدا کی مسجدوں کو اُن میں نامِ خدا یاد کئے جانے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے۔ (پ1، سورۃ البقرۃ، آیت114)

اب صحن کو مسجد نہ ماننے والے غور کریں کہ کس کا قول افساد فی الدین تھا و لاحول و لاقوۃ الّا باللّٰہ العلی العظیم۔

سادساً: علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ مسجد میں پیڑ بونا ممنوع ہے کہ اُس سے نماز کی جگہ رُکے گی مگر جبکہ اس میں منفعتِ مسجد ہو اس طرح کہ زمین مسجد اس قدر رگل (تر) ہو کہ ستون بوجہ شدتِ رطوبت نہ ٹھہرتے ہوں تو جذب تری کیلئے پیڑ بوئے جائیں کہ جڑیں پھیل کر زمین کی نم کھینچ لیں۔۔۔۔

ظاہر ہے کہ ستونِ مسجد مسقّف ہی میں ہوتے ہیں اور پیڑ درجہ اندرونی میں نہیں بوئے جاتے بلکہ سائے میں پرورش نہیں ہوتے معہذا جب تری کی وہ بیشتری کہ ستون نہیں ٹھہرتے تو ایسی رطوبت پھلواری وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے پودوں سے دفع نہیں ہوسکتی، نہ ان کی جڑیں اتنی پھیلیں کہ اطراف سے جذب کر لیں اور بڑے پیڑ اندر بوئے جانا معقول نہیں تو واجب کہ اس سے مراد صحن مسجد میں بونا ہے اور اسے انھوں نے مسجد میں بونا قرار دیا، جب تو غرس فی المسجد کی صورت جواز میں رکھا، اور مثالِ ظہیریہ نے تو اس معنٰی کو خوب واضح کر دیا، قطعاً معلوم کہ جامع بخارا نا مسقّف نہیں (بغیر چھت والی نہیں)، نہ زنہار اُس کے درخت زیرِ سقف (چھت کے نیچے) ہیں بلکہ یقیناً صحن میں بوئے گئے، اور اسی کو علمائے کرام نے غرس فی المسجد (مسجد میں درخت بونا) جانا۔

سابعاً: علماء فرماتے ہیں دروازہ مسجد پر جو دُکانیں ہیں فنائے مسجد ہیں کہ مسجد سے متصل ہیں۔۔۔۔

ظاہر ہے کہ جو دُکانیں دروازہ پر ہیں صحنِ مسجد سے متصل ہیں نہ درجۂ مسقفہ سے، تو لاجرم صحنِ مسجد مسجد ہے، اور یہیں سے ظاہر کہ صحن کو فنا کہنا محض غلط ہے اگر وہ فنائے مسجد ہوتا تو دکانیں کہ اس سے متصل ہیں متصل بہ فنا ہوتیں، نہ متصل بہ مسجد، پھر

ان دکانوں کے فنا ٹھہرنے میں کلام ہوتا کہ فناوہ ہے جو متصل بہ مسجد ہو نہ وہ کہ متصل بہ فنا ہو، ورنہ اس تعریف پر لزوم دَور کے علاوہ متصل بالفنا بھی فنا ٹھہرے تو سارا شہر یا لااقل تمام محلّہ فنائے مسجد قرار پائے کما لا یخفی (جیسا کہ مخفی نہیں)۔

اور یہ ادعا کہ صحن وفنا کا مفہوم واحد جہلِ شدید ہے کہ کسی عاقل سے معقول نہیں، شاید یہ قائل اُن دکانوں کو بھی صحن مسجد کہے گا۔

ثامناً: انصاف کیجئے تو یہ خاص جزئیہ بھی یعنی صحنِ مسجد میں جنب کا جانا ناجائز ہونا کلماتِ علماء سے مستفاد ہوسکتا ہے، ائمہ فرماتے ہیں جنب کو مسجد میں جانا جائز نہیں مگر جبکہ پانی کا چشمہ مسجد میں ہو اور اس کے سوا کہیں پانی نہ ملے تو تیمّم کرکے لے آئے۔۔۔ظاہر ہے کہ عامۂ بلاد میں عامہ مُساجِد جماعات مسقّف ہوتی ہیں اور چشمۂ آب عادۃً صحن ہی میں ہوتا ہے اور کلماتِ فقہاء امورِ عادیہ غالبہ ہی پر مبتنی ہوتے ہیں، بہت نادر ہے کہ حصّہ اندرونی میں چشمہ آب ہو، تو انھوں نے صحن ہی میں جنب کو جانے پر یہ احکام فرمائے، ان کے سوا اور بہت وجوہ کثیرہ سے استنباط ممکن مگر بعد اُن دلائل قاہرہ کے جو ابتداءً زیرِ گوش سامعین ہوئے حاجتِ تطویل نہیں۔

تاسعاً: یاھذا (اے شخص) اُن براہین ساطعہ کے بعد صحنِ مسجد کا جزءِ مسجد ہونا اجلیٰ بدیہیات تھا جس پر اصلاً تصریحِ کتب کی احتیاج نہ تھی بلکہ جو اسے مسجد نہیں مانتا وہی محتاجِ تصریح وقطعی تھا اور ہرگز نہ دکھا سکتا نہ کبھی دکھا سکے، تاہم فقیر نے بطورِ تبرع یہ چار استنباط بھی کلماتِ ائمہ سے ذکر کئے کہ یہ بدیہی مسئلہ اپنے غایت وضوح واشتہار کے باعث اس قبیل سے تھا جس پر خادمِ فقہ کو کتبِ ائمہ میں تصریحِ جزئیہ ملنے کی امید نہ ہوتی کہ ایسی روشن ومشہور باتوں پر فقہائے کرام کم توجہ فرماتے ہیں۔۔۔مگر بحمداللہ تعالیٰ جب فقیر یہاں تک لکھ چکا مسئلہ کا خاص جزئیہ کلمات علماء میں یاد آیا جس میں ائمہ دین نے صاف تصریحیں فرمائی ہیں کہ مسجد کے صیفی وشتوی یعنی صحن ومسقّف دونوں درجے یقیناً مسجد ہیں۔۔۔(کتب فقہ سے جزئیات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں) دیکھو اول کی سات کتابوں میں صیفی وشتوی دونوں کو مسجد فرمایا اور آٹھ سے گیارہ تک چار کتابوں میں انھیں مسجد داخل ومسجد خارج سے تعبیر کیا۔ صغیری نے ان عباراتِ شتّی کا مصداق واحد ہونا ظاہر کر دیا، اور حلیہ میں تصریح فرمادی کہ مسجد بیرونی صحنِ مسجد کا نام ہے، تو صاف واضح ہوگیا کہ صحنِ مسجد قطعاً مسجد ہے جسے علماء کبھی مسجد صیفی اور کبھی مسجد الخارج سے تعبیر فرماتے ہیں والحمدللہ علیٰ وضوح الحق (حق کے واضح ہوجانے پر اللہ کی حمد ہے)۔

ان نصوص صریحہ کے بعد اُن استنباطوں کی حاجت نہ تھی مگر کیا کیجئے کہ فقیر انھیں پہلے ذکر کر چکا تھا معہذا اُن کے ابقا میں طالبان علم وخادمانِ فقہ کی منفعت کہ اقوال علماء سے استنباطِ مسائل کا طریقہ دیکھیں وباللہ التوفیق اب کہ بحمداللہ کالشمس علیٰ نصف النہار واضح وآشکار ہوگیا کہ صحنِ مسجد بالیقین جزءِ مسجد ہے تو اس کے لئے تمام احکامِ مسجد آپ ہی ثابت۔ (ص60تا70)

موذی، بدمذہب اور بدبودار کو مسجد میں آنے سے روک سکتے ہیں

سوال: ایک مسجد مدت سے قائم ہے اور ایک شخص اس کا متولی ہے اور جمعہ کی نماز بھی ہمیشہ پڑھی جاتی ہے ابھی متولی مسجد نے ایک شخص کو کسی وجہ سے منع کیا کہ وہ اس مسجد میں نہ آئے جب اُس کو منع کیا تو وہ شخص اور چند نمازیوں نے مجتمع ہوکر دوسری

جگہ پر ایک مسجد نئی بنا کر لی اس قدر فاصلہ پر ہے کہ اگر بلند آواز سے اذان کہے تو احتمال کہ سنائی دے، اس صورت میں دونوں مسجدوں میں جمعہ کی نماز جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جو شخص موذی ہو کہ نمازیوں کو تکلیف دیتا ہے برا بھلا کہتا ہے شریر ہے اُس سے اندیشہ رہتا ہے ایسے شخص کو مسجد میں آنے سے منع کرنا جائز ہے، اور اگر بد مذہب گمراہ مثلاً وہابی یا رافضی یا غیر مقلد یا نیچری یا تفضیلی وغیرہا ہے اور مسجد میں آ کر نمازیوں کو بہکاتا ہے اپنے مذہب ناپاک کی طرف بلاتا ہے تو اسے منع کرنا اور مسجد میں نہ آنے دینا ضرور واجب ہے۔

یونہی جس کے بدن میں بدبو ہو کہ اس سے نمازیوں کو ایذا ہو مثلاً معاذ اللہ گندا دہن یا گندا بغل یا جس نے خارش وغیرہ کے باعث گندھک ملی ہوا سے بھی مسجد میں نہ آنے دیا جائے لقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ((فلا یقربن مصلانا)) ترجمہ: کیونکہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ وہ ہرگز ہماری نماز گاہ کے قریب نہ آئے۔ (مجمع الزوائد، ج2، ص17، دار الکتاب، بیروت)

اور بلا وجہ شرعی اپنی کسی رنجش دنیوی کے باعث مسجد سے کسی مسلمان کو روکنا سخت گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ و سعیٰ فی خرابہا﴾ ترجمہ: اور کون اس سے بڑھ کر ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ کے نام کے ذکر سے روکے اور ان کی بربادی میں کوشاں ہو۔ (پ1، سورۃ البقرۃ، آیت 114)

اور مسجد جبکہ بہ نیت خالصہ بنائی جائے تو پہلی مسجد کے کسی قدر قریب ہو کچھ حرج نہیں۔

مگر جمعہ قائم کرنے کے لئے ضرور ہے کہ امامِ جمعہ وہ ہو جسے بادشاہِ اسلام نے امامِ جمعہ مقرر کیا یا وہ جسے اس نے اپنا نائب کیا اور یہ نہ ہو تو وہ جسے اہل اسلام جمع ہو کر امامِ جمعہ مقرر و معین کریں، ہر شخص جمعہ و عیدین کی امامت نہیں کر سکتا۔ اس طرح کا امام اگر اس دوسری مسجد کو میسر ہو گا تو اس میں بھی جمعہ جائز ہو گا ورنہ نہیں۔ (ص72)

<u>مسجد کے صحن میں اذانِ ثانی اور جنازہ پڑھنا منع ہے</u>

سوال: (۱) صحن مسجد داخل مسجد ہے یا خارج مسجد ہے؟ (۲) اذان ثانی جمعہ جو صحن مسجد میں پڑھی جائے تو داخل مسجد قرار پائے گی یا نہ؟ (۳) کوئی شخص باوجود داخل مسجد ہونے کے صحن مسجد میں نماز پڑھے تو اُس کو مسجد کا پورا ثواب ملے گا یا کم؟ (۴) جنازہ مسجد میں یا صحن مسجد میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: صحنِ مسجد جزءِ مسجد ہے۔۔۔ اُس میں نماز مسجد ہی میں نماز ہے، پٹے ہوئے (چھت والے) درجے کو مسجدِ شتوی کہتے ہیں یعنی موسم سرما کی مسجد اور صحن کو مسجد صیفی یعنی موسم گرما کی مسجد۔ اذان مسجد میں منع ہے، نہ دالان میں اجازت ہے نہ صحن میں۔ مسجد میں جنازے کے لئے اجازت نہیں ھو الصحیح (یہی صحیح ہے)، صحن کسی حکم میں مسجد سے جدا نہیں۔ (ص73)

فنائے مسجد میں اذان دینا جائز ہے

سوال: حوض کی فصیل فنائے مسجد ہے یا عینِ مسجد؟ اور اس پر کھڑے ہو کر اذان دینے کا کیا حکم ہے؟

جواب : حوض قدیم کی فصیل فنائے مسجد ہے، نہ عینِ مسجد، ورنہ اس پر وضو نا جائز ہوتا، اور فنائے مسجد میں اذان جائز ہے۔ (ص73)

مسجد سے منع کرنے کی بلا وجہ اجازت نہیں ہے

سوال : ایک بستی میں بستی کے سارے مسلمانوں نے مل کر کے مسجد بنوائی لیکن زمین ایک آدمی کے نام ہے وہ دعوٰی کرتا ہے کہ وہ مسجد ہماری ہے ہم جس کو حکم دیں گے وہ نماز پڑھے گا اور ہم جس کو حکم دیں گے وہ امامت کریگا۔ وہ جسے روک دیتا ہے اس مسجد میں اس کی نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ اور کیا اُس کو مسجد کو کیا کہا جائے گا؟

جواب: اللہ عزوجل فرماتا ہے﴿ان المسٰجد للہ﴾ مساجد خاص اللہ کی ہیں۔ (پ29، سورۃ الجن، آیت18)

ان میں کسی کا کوئی دعوٰی نہ زمین والے کو نہ عملے والوں کا، اور بلا وجہ شرعی کسی سنی مسلمان کو مسجد سے منع کرنا حرام ہے۔۔۔ مگر اُس کے منع کرنے سے نہ مسجِد میں کوئی نقصان آئے گا نہ وہ جسے منع کیا اُسے مسجد میں نماز پڑھنا منع ہو جائیگا۔ (ص74)

سوال : جو شخص تقلید کو بدعت کہے، ائمہ مجتہدین پر طعن کرے، ختم نبوت اور کرامات اولیا کا قائل نہ ہو، غوث الاعظم پر طعن کرے، انعقادِ مجلس میلاد اور یا رسول اللہ کہنے کو بدعت کہے، آمین بالجہر ورفع الیدین کرے وغیرہ وغیرہ، ایسے شخص کی اقتداء اور اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور تعلقات رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ ایسے عقیدہ والوں کو دفعِ فتنہ کے لئے مسجد سے روکنا کیسا؟

جواب : ایسا شخص کافر و مرتد ہے، اس کے مرتد ہونے کے لئے صرف انکارِ خاتمیت ہی کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے﴿ ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین ﴾ترجمہ: اور لیکن اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں۔

تقلید کو بدعت کہنا، ائمہ مجتہدین پر طعن کرنا اور بے تقلیدِ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رفع یدین اور جہر سے آمین کہنا خباثات وعلاماتِ غیر مقلدی ہیں، اور کراماتِ اولیاء سے انکار اور حضور سیّد الاولیا پر طعن گمراہی و بدنصیبی، اور مجلس میلاد پاک اور یا رسول اللہ کہنے کو بدعت کہنا شعارِ وہابیت ہے اور وہابی لوگ وغیر مقلدینِ زمانہ پر حکمِ کفر ہے جس کی تفصیل الکوکبۃ الشہابیۃ اور سل السیوف الھندیۃ اور حسام الحرمین سے روشن۔

شخص مذکور کے پیچھے نماز باطل محض ہے، اور اس سے مجالست وموانست (یعنی اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور محبت بھرے تعلقات رکھنا) حرام (ہے)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے﴿واما ینسینک الشیطٰن فلا تقعد بعدالذکرٰی مع القوم الظا

لمین﴾ ترجمہ: اور جو کہیں تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ (پ6، سورۃ الانعام، آیت 68)

دفع فتنہ ولساد بقدر قدرت فرض ہے، اور مفسدوں موذیوں کو بشرطِ استطاعت مسجد سے روکا جائے گا۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری شریف میں ہے پھر در مختار میں ہے "ویمنع منه کل موذ و لو بلسانه" ترجمہ: اور ہر ایذا دینے والے کو مسجد سے روکا جائے گا اگر چہ اس کی اذیت زبان سے ہو۔ (در مختار، ج1، ص94، مطبوعہ مطبع مجتبائی، دہلی) (ص74)

امام مقرر کرنے کا حق کس کو ہے

سوال: ہمارے شہر کی عیدگاہ پر پانچ چھ اشخاص بلا اجازتِ بانی مسجد اور بلا اجازتِ مسلمانانِ شہر ایسے قابض و متصرف ہو گئے ہیں کہ گویا وہ مالک ہی ہیں، چنانچہ علی الاعلان اس امر کا اظہار کرتے رہتے ہیں کہ اس مسجد میں سوائے ہمارے دوسرے کا حق نہیں جس کو ہم چاہیں گے امام بنائیں گے، اور امام جو بناتے ہیں تو ایسا کہ جس کے پیچھے نماز پڑھنے میں تمام مسلمانانِ شہر اور اہلِ علم حضرات کراہت کرتے ہیں اور یہ کراہت شرعی ہوتی ہے، اور ان پانچ چھ آدمیوں کے عقائد کی یہ کیفیت ہے کہ نکاحِ ثانی کو حرامِ قطعی سمجھتے ہیں، اور مسجد پر تصرفات میں سے یہ بھی ہے کہ اہل شہر کے ساتھ نماز پڑھنے میں مزاحمت کرتے ہیں، آیا اہل شہر کو اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور دوسری عیدگاہ قرار دیکر اہلِ شہر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: اہلِ شہر کو اُس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے، اور اُن لوگوں کو مزاحمت کا کوئی حق نہیں، اگر وہ مانع آئیں گے سخت ظالم ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے﴿ومن اظلم ممن منع مسجد الله ان يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها﴾ ترجمہ: اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی مساجد میں اللہ کے نام کے ذکر سے روکے اور ان کی ویرانی کی کوشش کرے۔ (پ1، سورۃ البقرۃ، آیت 114)

اور ایسا امام کہ وہ مقرر کریں معتبر نہ ہوگا، امام وہی مانا جائے گا جسے عام مسلمانانِ شہر حسبِ شرائطِ شرعیہ مقرر کریں گے، اس کے سوا وہ امام جسے وہ پانچ چھ برخلافِ شہر مقرر کریں نمازِ عید باطل محض ہوگی، اہل شہر اگر کسی وجہ سے اس عیدگاہ میں نماز نہ پڑھ سکیں دوسری جگہ پڑھیں اگر چہ کسی میدان میں کہ عیدگاہ میں، عمارت کی حاجت نہیں، اور اگر دوسری عیدگاہ ہی تعمیر کرنی مناسب ہو تو انھیں اس کا بھی اختیار ہے۔ (ص76)

سوال: اگر امام بعدِ فراغتِ نمازِ جمعہ خود اذکار وغیرہ میں مشغول رہے اور مصلّٰی سے لے کر مسجد کے دروازے تک سیدھ میں کوئی نمازی نماز نہ پڑھنے پائے بلکہ اگر کسی نے نیّت بھی باندھ لی تو وہ نیت جبراً تڑوا دے اس لئے کہ اس کے نکلنے میں حرج ہوگا کیونکہ اس کی عادت ہے بعد فراغت جمعہ بہت دیر کے بعد وہ اپنے حجرہ میں جاتا ہے، تو اتنی دیر تک کوئی مصلی اس کے محاذ اور عقب میں نماز نہ پڑھے، اگر کسی ناواقف نے ایسا کر بھی لیا تو اس پر نہایت تشدد کرتا ہے، یہ کہاں تک روا ہے؟

جواب: اللہ عزوجل فرماتا ہے﴿وان المسجد لله﴾ مسجدیں خالص اللہ کیلئے ہیں۔ (پ29، سورۃ الجن، آیت 18)

اُن میں کسی کا ذاتی دعویٰ نہیں پہنچتا۔اور فرماتا ہے﴿ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ﴾اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو اُن میں نام الٰہی لیئے جانے سے روکے۔ (پ1،سورۃ البقرۃ،آیت114)
یہ سب ظلم شدید ہے اور بندھی ہوئی نیت محو وادینا اشد ظلم،﴿ولا تبطلوا اعمالکم﴾ترجمہ:اور اپنے اعمال باطل نہ کرو۔ (پ26،سورۃ محمد،آیت33)(ص76)

اہلِ سنت کی مسجد میں بد مذہبوں کا کوئی حق نہیں ہے

سوال:ایک مسجد جو قدیمی تعمیر کردہ اہلسنت و جماعت کی ہے اور زمانہ قدیم سے آج تک مسجد مذکورہ پر قبضہ بھی اہلسنت والجماعت کا رہا ہے،ایسی مسجد میں رافضی وسُنّی ہر دو فریق کا با ہم نماز پڑھنا اور اذان و اقامت بھی ہر دو فریق کی ہونا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:اہلِ سنّت کی مسجد میں روافض کا کوئی حق نہیں،اہل سنت کی معتمد کتابوں خلاصہ و فتح القدیر و عالمگیری و تنویر الابصار و درمختار میں تصریح ہے کہ روافض کافر ہیں اور کافر کا مسجد میں کوئی حق نہیں۔

مسجدِ ضرار کی تعریف

سوال:کچھ لوگ بڑے فتنہ باز و مفسد ہیں،مسلمانوں میں ان کی وجہ سے افتراق ہو گیا ہے،وہ مسجد کہنہ میں نماز پڑھتے ہیں،لوگ ان کی وجہ سے دُوسری مسجد میں نماز پڑھتے ہیں،اس صورت میں اس مسجد کہنہ کو مسجدِ ضرار کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ مسجد کا امام بھی انہی لوگوں سے تعلق رکھتا ہے۔

جواب:مسجد کُہنہ اُن کے جانے اور نماز پڑھنے پڑھانے سے مسجدِ ضرار نہیں ہوسکتی ضرار وہ مسجد ہے جو ابتداءً افسادفی الدین (دین میں فساد ڈالنے)وتفریق بین المؤمنین کے لئے بنائی گئی ہو۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے﴿والذین اتخذوا مسجدا ضرارا و کفرا و تفریقا بین المؤمنین﴾الی قولہ تعالیٰ﴿ام من اسس بنیانہ علی شفا جرف ھار﴾ترجمہ:وہ لوگ جنھوں نے مسجد بنائی نقصان پہنچانے کو،اور کفر کے سبب،اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو۔۔۔یا وہ جس نے اپنی نیو چُنی ایک گراؤ گڑھے کے کنارے۔ (پ11،سورۃ التوبۃ،آیت107)
تعمیر شدہ مسجد میں مفسدین کا جانا خواہ ان کا قبضہ وتسلط ہو جانا اُسے مسجدِ ضرار نہیں کرسکتا،جیسے واقعہ حرہ میں لشکریان یزید یا حادثہ نجد میں متبعان نجدی بلید کا مساجد طیبہ حرمین محترمین میں مفسدانہ دخل،والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ (ص77)

سوال:ایک بستی میں مسلمانان ہم قوم ہم مذہب قریب دواڑھائی سو گھر کے رہتے ہیں اور ایک مسجد پختہ عرصہ دس بارہ برس سے ہے،کچھ عرصہ ہوا دو مسلمان رئیس میں جو اسی بستی کے رہنے والے ہیں کسی دنیاوی جھگڑے کی وجہ سے چالیس پچاس گھر کے مسلمانوں کو ساتھ ملا کر اپنی مسجد بنا ڈالی،پہلی مسجد اور اس مسجد کے درمیان دوسو قدم کا فاصلہ ہے،اس نئی مسجد میں نماز پنج وقتی ادا ہوسکتی ہے کہ نہیں؟اور جو نمازیں ادا کی ہیں وہ ہوئی یا نہیں؟جن لوگوں نے نئی مسجد بنائی ہے ان کے لئے کیا حکم ہے؟کیا

ان لوگوں کو جماعت میں پھوٹ ڈالنے والا کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: جتنی نمازیں ان لوگوں نے اس نئی مسجد میں پڑھیں ان کی صحت اوران سے ادائے فرض میں تو اصلاً شبہہ نہیں اگر چہ یہ مسجد انھوں نے کسی نیت سے بنائی ہو، لقول رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ((جعلت لی الارض مسجدا وطھورا فایما رجل من امتی ادرکتہ الصلوٰۃ فلیصل)) ترجمہ: کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میری خاطر ساری زمین مسجد اور پاک کردی گئی ہے، میرا امتی جہاں نماز کا وقت پائے وہاں ہی ادا کرلے۔ (صحیح البخاری، ج1، ص62، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

ہاں یہ کہ وہ مسجد شرعاً مسجد ہوئی یا نہیں، اوراس میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے یا نہیں اور یہ لوگ جماعت میں پھوٹ ڈالنے والے ہوئے یا نہیں۔ یہ امور اُن لوگوں کی نیت پر موقوف ہیں، اگر یہ مسجد انھوں نے بغرض نماز خالص اللہ عزوجل ہی کے لئے بنائی اگر چہ اس پر باعث باہمی رنجش ہوئی کہ بسبب رنج ایک جگہ جمع ہونا مناسب نہ جانا اور نماز بے مسجد ادا کرنی نہ چاہی، لہٰذا یہ مسجد بہ نیت بجاآوری نماز ہی بنائی تو اس کے مسجد ہونے اور اس میں نماز جائز و ثواب ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

اوراس نیت کی حالت میں یہ لوگ جماعت میں پھوٹ ڈالنے والے بھی نہیں ٹھہر سکتے کہ اُن کا مقصود اپنی نماز با جماعت ادا کرنا ہے، نہ دوسروں کی جماعت میں تفرقہ ڈالنا، یہاں تک کہ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اہل محلّہ کو جائز ہے کہ بغرضِ نماز ایک مسجد کی دو مسجدیں کرلیں۔

اوراگر یہ نیت نہ تھی مسجد اللہ کے لئے نہ بنائی بلکہ اس سے مقصود اگلی مسجد کو ضرر پہنچانا اوراس کی جماعت کا متفرق کردینا تھا تو بیشک یہ مسجد نہ ہوئی، نہ اس میں نماز کی اجازت بلکہ نہ اس کے قائم رکھنے کی اجازت، اوراس صورت میں یہ لوگ ضرور تفریق جماعت مومنین کے وبال میں مبتلا ہوئے کہ حرام قطعی و گناہ عظیم ہے۔

مگر نیت امر باطن ہے اور مسلمان پر بدگمانی حرام وکبیرہ، اور ہرگز مسلمان سے متوقع نہیں کہ اس نے ایسی فاسد ملعون نیت سے مسجد بنائی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ولا تقف مالیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفؤاد کل اولٰئک کان عنہ مسئولا﴾ ترجمہ: نہ پیچھے لگ اس چیز کے جس کا تجھے علم نہیں کیونکہ سمع، بصر اور دل ہر ایک کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ (پ15، سورۃ بنی اسرائیل، آیت36)

تو بے ثبوت کافی شرعی ہرگز اس بُری نیت کا گمان کرنا جائز نہیں بلکہ اسی پہلی نیت پر محمول کریں گے اور مسجد کو مسجد اوراس میں نماز کو جائز ثواب اوراس کی آبادی کو بھی ضرور سمجھیں گے۔ (ص78)

<u>علماء دو مسئلوں میں مسجد کبیر کا ہونا ضروری فرماتے ہیں</u>

سوال: علماء کتنے مسئلوں میں مسجدِ صغیر وکبیر کے بارے میں فرماتے ہیں؟ نیز مسجد صغیر وکبیر میں کیا فرق ہے؟

جواب: تحقیق یہ ہے کہ علمائے کرام دو مسئلوں میں مسجد صغیر وکبیر میں فرماتے ہیں:

ایک مسئلہ صحتِ اقتدا واتصالِ صفوف کہ مسجد بقعہ واحدہ (ایک قطعۂ زمین) ہے اس میں امام ومقتدی کا فصل (فاصلہ) مانعِ صحتِ اقتدا نہیں اگرچہ امام محراب میں اور مقتدی یا صف قریب باب (دروازے کے قریب) ہو مگر مسجد کبیر میں حکم مثلِ صحرا ہے کہ اگر امام وصف میں اتنا فاصلہ ہو جس میں دو صفیں ہو سکتیں تو اقتدا صحیح نہ ہوگی۔

دوسرے مسئلہ اثمِ مرور پیشِ مصلی (نمازی کے آگے سے گزرنے کا گناہ ہونا) کہ مسجد میں دیوار قبلہ تک جائز نہیں جب تک بیچ میں (کوئی چیز سترے کی مقدار) حائل نہ ہو ہاں مسجد کبیر مثلِ صحرا ہے کہ مصلی (نمازی) جب خاشعین کی سی نماز پڑھے کہ نگاہ موضع سجود پر جمائے رہے تو اس حالت میں جہاں تک اس کی نظر پہنچے کہ نظر کا قاعدہ ہے جہاں جمائی جائے اس سے کچھ آگے بڑھتی ہے وہاں تک گزرنا ممنوع وناجائز ہے اس سے آگے روا (جائز ہے)۔

ان دونوں مسئلوں میں مسجد کبیر سے ایک ہی مراد ہے یعنی نہایت درجہ عظیم ووسیع مسجد جیسی جامع خوارزم کہ سولہ ہزار ستون پر تھی یا جامع قدس شریف کہ تین مسجدوں کا مجموعہ ہے، باقی عام مساجد جس طرح عامہ بلاد میں ہوتی ہیں سب ان دونوں حکموں میں متحد ہیں (یعنی صغیر ہیں) اگرچہ طول وعرض میں سوسو گز ہوں۔ (ص80)

سوال: زید کا مکان مسجد کے پیچھے مسجد کے بالکل قریب ہے اور مسجد کی عمارت سے اس کی عمارت جداگانہ ہے، اُس مکان پر زید نے ایک بالاخانہ بنایا اور زید کے نیچے مکان کا چھت مسجد کی چھت کے برابر ہے صرف بالاخانہ مسجد سے اونچا ہے، زید بالاخانہ بنانے کے بعد دل میں نادم ہوا، اور چونکہ روپیہ خرچ ہو چکا تھا اس وجہ سے اس نے بالاخانے کو اکھیڑا نہیں لیکن مسجد کی عزت کی وجہ سے زید مع عیال بالاخانہ میں نہیں رہتا نیچے مکان میں رہتا ہے اب اس بالاخانے کو اکھیڑنا چاہیے یا نہیں؟

جواب: جبکہ مسجد کی کسی چیز میں تصرف نہ ہو تو اس کا اکھیڑنا کچھ ضرور نہیں۔ (ص84)

<u>ایک مسجد کی موجودگی میں بلاوجہ دوسری مسجد بنانا درست نہیں</u>

سوال: ایک مسجد پہلے سے ہے اور نماز پنجگانہ ہوا کرتی ہے اور متولی مسجد کا تین منزلہ مکان مسجد کے متصل ہے متولی کے انتقال کے بعد لوگوں نے مسجد میں نماز پڑھنا چھوڑ دی اور عذر یہ کیا کہ جس مسجد کے قریب کوئی اونچی عمارت ہو اس مسجد میں نماز جائز نہیں، لہٰذا لوگوں نے دوسری مسجد پہلی مسجد کے پندرہ قدم کے فاصلے پر بنائی ہے، منع کرنے سے نہیں مانتے حالانکہ اس مسجد کے بنانے سے سابق مسجد کے ویران ہونے کا احتمال ہے لہٰذا حکم خدا اور رسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا ہے؟

جواب: یہ محض جاہلانہ باطل خیال ہے شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں، کعبہ معظّمہ کے گرد مکہ مکرمہ میں بہت بلند بلند کئی کئی منزل کے مکان ہیں کہ بظاہر کعبہ معظّمہ سے اونچے معلوم ہوتے ہیں حالانکہ نہ کوئی مکان کعبہ معظّمہ سے اونچا ہو سکتا ہے نہ کسی مسجد سے، کعبہ ومسجد ان ظاہری دیواروں کا نام نہیں بلکہ اتنی جگہ کے محاذی ساتوں آسمان تک سب مسجد ہے، اس سے اونچا

کیا اُس کے کروڑویں حصے برابر کوئی مکان بلند نہیں ہوسکتا اگر چہ سومنزلہ ہو۔۔۔۔

اس بیہودہ خیال کی بنا پر دوسری مسجد پندرہ بیس قدم کے فاصلہ پر بنانا جس سے پہلی مسجد کی جماعت کو نقصان پہنچے خود ہی ممنوع تھا، ایک تو وہ خیال باطل، دوسرے جماعت میں تفریق کہ مسجدِ ضرار کے اغراضِ فاسدہ سے ایک غرض ہے۔

یہاں تک کہ اس سے مقصود مسجد اول کا باطل و معطل کردینا ہے یہ سخت حرام اشد ظلم ہے۔ (ص85)

سوال: گاؤں میں ایک قدیم مسجد ہے، اب کچھ نمازی اپنے دنیاوی جھگڑے کی وجہ سے پانچ سو ہاتھ کے فاصلہ پر مسجد بناتے ہیں، حالانکہ پہلی مسجد میں نماز پڑھنے سے ان کو کوئی منع نہیں کرتا، اور اس قدیم مسجد کے کچھ نمازیوں کو بھی بھگانے کی کوشش کررہے ہیں، کیا یہ مسجد جو کہ محض نفسانیت اور مسجد قدیم کی جماعت میں تفریق کے لئے بنائی جارہی ہے اس کو مسجدِ ضرار کہہ سکتے ہیں، اور اس کو مسجد ضرار کہنے والوں کو گالیاں دینا کیسا؟

جواب: اگر واقع میں ایسا ہی ہے کہ یہ لوگ یہ مسجد اللہ کیلئے نہیں بناتے محض ضد اور نفسانیت اور مسجد قدیم کی جماعت متفرق کرنے کے لیے بناتے ہیں تو ضرور وہ مسجدِ ضرار کے حکم میں ہے اور اس حالت میں ان لوگوں کو جو اسے مسجدِ ضرار کہتے ہیں برا کہنا اور گالی دینا سخت حرام اور موجبِ عذابِ شدید ہے اور اگر واقعی کسی جھگڑے کے سبب وہ مسجد قدیم میں نہیں آسکتے اور وہاں نماز پڑھنے میں صحیح اندیشہ اپنی آبرو وغیرہ کا رکھتے ہیں اس مجبوری سے اس میں آنا ترک کرکے اور اپنی جماعت کے لئے دوسری مسجد لوجہ اللہ بناتے ہیں تو وہ ہرگز مسجد ضرار نہیں ہوسکتی، جو اسے ضرار کہتے ہیں برا کرتے ہیں۔ (ص86)

مسجد بوجہ

سوال: میرے گاؤں کی مسجد پرانی کچی ہے اور شکستہ بھی ہے، آبادی کم ہوجانے کی وجہ سے آبادی کے ایک کنارے پر ہوگئی ہے جو بہت بے موقع ہے، اس لئے آبادی کے اندر جدید مسجد تعمیر کرانے کی خواہش ہے، اس واسطے کیا حکم ہے؟

جواب: مسجد بیچ آبادی میں تعمیر کریں ثوابِ عظیم پائیں گے، اور اُس پہلی مسجد کا بھی آباد رکھنا فرض ہے، اس کنارے والے پانچوں وقت اس میں نماز پڑھیں۔ (ص87)

مسجد کی جگہ دکانیں بنانا حرام ہے

سوال: مسجدِ قدیم چھوٹی تھی، اس کی توسیع کے بجائے اس کے قریب ہی ایک بڑی مسجد بنائی گئی اور پہلی مسجد کو ختم کرکے دکانیں وغیرہ بنالی ہیں، اب شرعاً کیا حکم ہے دونوں کو مسجد باقی رکھیں یا قدیم کو یا جدید کو؟

جواب: جبکہ اس مسجدِ جدید کو مسلمانوں نے مسجد کرلیا یہ بھی مسجد ہوگئی، مسجدِ اول کی اور اس کی دونوں کی حفاظت و آبادی فرض ہے، مسجدِ اول کو منہدم کرکے تعمیرِ دنیاوی نہیں تعمیرِ دینی میں بھی شامل کردینا حرام حرام سخت حرام ہے، جنھوں نے ایسا کیا ہو اور جو اس میں مشیر ہوں اور جو اسے جائز رکھیں سب اس آیہ کریمہ کے تحت میں ہیں ﴿ومن اظلم ممن منع مسٰجد

اللہ ان یذکر فیہا اسمہ وسعٰی فی خرابہا اولٰئک ماکان لہم ان یدخلوہا الا خائفین لہم فی الدنیا خزی ولہم فی الاٰخرۃ عذاب عظیم﴾ اُن سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو اُن میں اللہ کا نام لئے جانے سے روکیں اور اُن کی ویرانی میں کوشاں ہو انھیں تو مسجدوں میں قدم رکھنا روا نہ تھا مگر ڈرتے ہوئے ان کے لئے دنیا میں رسوائی اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ (پ1، سورۃ البقرۃ، آیت114)

فرض فرض فرض قطعی فرض ہے کہ مسجدِ اول کو بھی بدستور مسجد رکھیں، اور اگر اُس کی دکانیں کرلی گئی ہوں فرضِ قطعی ہے کہ فوراً فوراً اُن دکانوں کو منہدم کرکے بدستور مسجد کا اعادہ کریں ورنہ عذاب عظیم کے مستحق ہوں گے، جو نہ مانیں اور قرآن عظیم کی مخالفت پر اڑے رہیں مسلمانوں کو ان سے اجتناب لازم ہے، ان کے پاس بیٹھنا منع ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے﴿وامّا ینسینک الشیطان فلا تقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظالمین﴾ اگر کبھی شیطان بھلا دے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔ (پ6، سورۃ الانعام، آیت68)

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو مسجد ویران کرکے اس کا دکانیں کرلے وہ لوگ اگر مخالف خدا سے باز نہ آئیں تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ کوشش کرکے مسجد منہدم کو پھر مسجد کرلیں۔ (ص87)

سوال: ایک شخص کہتا ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں چند آدمی حاضر ہوئے عرض کیا، یا امام! ہم ایک مسجد بنواتے ہیں کچھ آپ عنایت فرمایئے، امام صاحب نے پہلے چہرہ پھیرلیا اور پھر ایک درہم نکال کر دے دیا، دوسرے روز وہ لوگ آئے اور درہم واپس دے کر کہنے لگے کہ حضرت! لیجئے یہ درہم کھوٹا ہے اس کو بازار قبول نہیں کرتا، امام صاحب نے خوشی خوشی وہ درہم لے کر رکھ لیا اور فرمایا: خراب ہے وہ پیسہ جو گارے پتھر میں خرچ ہو۔ کیا امامِ اعظم کی اس طرح کی کوئی حکایت ہے؟

جواب: یہ شیطانی خیال ہیں اور سیّدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو حکایت نقل کی وہ محض کذب، دروغ اور شیطانی گھڑت ہے، ہر شہر میں ایک مسجد جامع بنانا واجب ہے اور ہر محلّہ میں ایک مسجد بنانے کا حکم ہے۔ حدیث شریف میں ہے ((امر رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ببناء المساجد فی الدور و ان تنظف)) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر محلے میں مسجدیں بنوائی جائیں اور یہ کہ وہ ستھری رکھی جائیں۔ (سنن ابوداؤد، ج1، ص66، آفتاب عالم پریس، لاہور)

بنائے مسجد میں جو مال صرف ہوتا ہے وہ گارے پتھر میں صرف نہیں ہوتا بلکہ رضائے ربِ اکبر میں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے﴿فی بیوت اذن اللہ ان ترفع﴾ محلوں میں مسجدیں بلند کرنے کا اللہ نے اذن دیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں" ((من بنی للہ مسجدا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ زاد فی روایۃ من در و یاقوت)) جو اللہ کے لئے مسجد بنائے اللہ اس کے لئے جنت میں موتیوں اور یاقوت کا گھر بنائے۔ (الصحیح للمسلم، ج1، ص601، نور محمد اصح المطابع، کراچی)(ص88)

مسجد میں حرام مال خرچ کرنا مسجد ہونے کو باطل نہیں کرے گا

سوال: ایک مسجدِ قدیم کو حلال مال سے تیار کیا گیا تھا، اب ایک سود خور کے سود کا مال اور حلال مال دونوں مال مل گئے اس مال سے مسجد کو ٹین دیا، فرشِ مسجد کو پختہ کیا اور نمازیوں کے وضو کے واسطے کنواں بنوا دیا، اب عرض یہ ہے کہ ایسی مسجد میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: صورتِ مذکور میں اُس مسجد میں نماز پڑھنا فقط جائز نہیں بلکہ اس کا آباد رکھنا فرض ہے اور سود کی مخلوط آمدنی سے ٹین اور فرش اور کنواں بنانے میں مسجد میں کوئی حرج نہیں آتا بلکہ اس فرش پر نماز جائز ہے اور اس کنویں سے پینا اور وضو کرنا حلال۔ امام محمد فرماتے ہیں "به ناخذ مالم نعرف شيأ حراما بعينه" ترجمہ: اسی پر ہمارا عمل ہے جب تک ہم کسی شے کو حرام نہ جان لیں۔ (فتاوٰی ہندیہ، ج5، ص342، نورانی کتب خانہ، پشاور) (ص89)

مسجد میں استعمال شدہ پاک اینٹیں لگانا درست ہے

سوال: ہمارا ارادہ مسجد بنانے کا ہے، ہمارے ہاں صرف پرانی استعمال شدہ اینٹ ملتی ہے، کیا اس کو مسجد میں لگا سکتے ہیں؟

جواب: ایسے سوالوں کا خیال ادب والے دلوں میں پیدا ہوتا ہے، مولیٰ تعالیٰ توفیق و برکات زائد دے، اینٹ اگرچہ پرانی استعمال شدہ ہے مگر جبکہ پاک ہے مسجد میں لگا سکتے ہیں جیسے زمینِ مسجد کہ اصل مسجد وہی ہے، پہلے کوئی مکان معبد کفار ہو اور اسے توڑ کر مسجد کیا جاتا ہے، مسجد اقدس مدینہ طیبہ کی زمین میں مشرکین کا قبرستان تھا ان کی قبریں کھدوا کر ان کی ہڈیوں وغیرہا کی نجاستوں سے صاف فرما کر حضورِ انور علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے اُسے مسجد فرمایا۔ (ص90)

مسجد ہونے کے بعد مسجد کی جگہ کو بیچنا جائز نہیں

سوال: ایک جگہ مسجد تھی، گورنمنٹ نے وہاں مسجد ختم کر کے اس کے بدلے دوسری جگہ زمین دے دی، جو زمین مکان کے عوض میں ملی تھی چند آدمیوں نے مل کر اسے بیچ دیا تاکہ دوسری جگہ مسجد کے لئے زمین لے لیں، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: وہ زمین اگر مسلمان نے مسجد کر دی تو اسے بیچنا جائز نہیں، اور اگر ہنوز ابھی مسجد نہ کی تھی اور وہ (جگہ) مناسب نہیں اسے بیچ کر دوسری مناسب جگہ مسجد بنانا چاہتے ہیں تو حرج نہیں۔ (ص90)

سوال: ایک جگہ عیدگاہ ہے، ریلوے کو بڑھانے کے لئے حکومت اس عیدگاہ کو گرا دینا چاہتی ہے اور اس کی جگہ دوسری زمین دے رہی ہے، اگر نہیں دیں گے تو اندیشہ ہے کہ حکومت زبردستی گرا دے گی، اس صورت حال میں کیا حکم ہے؟

جواب: محض اندیشہ کا لحاظ نہیں، واقعی جبر ہو تو اس کے عوض دوسری زمین لے کر چھوڑ سکتے ہیں۔ (ص91)

ضرورت ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد میں لگا سکتے ہیں

سوال: ہمارے ہاں جنگل میں ایک مسجد قدیم شاہی زمانے کی بنی ہوئی ہے، اس وقت مسمار حالت میں ہے، اس مسجد میں چند قیمتی

پتھر، محرابیں، کھمبے وغیرہ جو نقشی کام کئے ہوئے ہیں زمین پر گرے ہوئے ہیں، اس جگہ کے ہندو وغیرہ جن کی حالت اچھی ہے اٹھا کر لے جاتے ہیں اور اس جگہ کے مسلمانوں کی حالت ایسی نہیں کہ اس مسجد کو پھر تعمیر کر سکیں، لہٰذا ان پتھروں کو لے جا کر کسی اور قصبہ کی مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر مسلمان ان پتھروں کو نہ لے جائیں گے تو ہندو لوگوں کا ان پتھروں کو اٹھا کر لے جانے کا اندیشہ ہے۔

جواب: صورتِ مستفسرہ واقعی ہے تو مسلمان ان پتھروں کو دوسری مسجد میں لگا سکتے ہیں۔ (ص91)

مسجد میں صرف معتکف کو سونے کی اجازت ہے

سوال: مسجد میں سونا کیسا ہے؟

جواب: مسجد میں معتکف کو سونا تو بالاتفاق بلا کراہت جائز ہے اور اس کے غیر کے لئے ہمارے علماء کے تین قول ہیں:

اول یہ کہ مطلقاً صرف خلاف اولیٰ ہے۔ **دوم** مسافر کو جائز ہے اس کے غیر کو منع۔ **سوم** معتکف کے سوا کسی کو جائز نہیں۔ اور یہ کراہت (منع ہونا اور جائز نہ ہونا اس سے مراد) کراہتِ تحریم ہے۔

اقول تحقیق امر یہ ہے کہ مرخص (اجازت دینے والا) وحاظر (منع کرنے والا) جب جمع ہوں حاظر کو ترجیح ہوگی اور احکام تبدلِ زمان سے متبدل ہوتے ہیں ومن لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل (جو شخص اپنے زمانے کو لوگوں کے احوال سے آگاہ نہیں وہ جاہل ہے)۔

اور ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ایک ضابطہ کلیہ فرمایا ہے جس سے ان سب جزئیات کا حکم صاف ہو جاتا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ((من سمع رجلا ینشد ضالۃ فی المسجد فلیقل لاردھا اللہ علیک فان المساجد لم تبن لھٰذا)) ترجمہ: جو کسی شخص کو سنے کہ مسجد میں اپنی گم شدہ چیز دریافت کرتا ہے تو اس پر واجب ہے کہ اس سے کہے اللہ تیری گمی چیز تجھے نہ ملائے مسجدیں اس لئے نہیں بنیں۔ (صحیح مسلم، ج، ص210، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

اسی حدیث کی دوسری روایت میں ہے ((اذا رأیتم من یتباع فی المسجد فقولوا لااربح اللہ تجارتک)) ترجمہ: جب تم کسی کو مسجد میں خرید و فروخت کرتے دیکھو تو کہو اللہ تیرے سودے میں فائدہ نہ دے۔ (جامع الترمذی، ج1، ص158، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی)

اور ظاہر ہے کہ مسجدیں سونے، کھانے پینے کو نہیں بنیں تو غیر معتکف کو اُن میں ان افعال کی اجازت نہیں اور بلاشبہ اگر ان افعال کا دروازہ کھولا جائے تو زمانہ فاسد ہے اور قلوب ادب وہیبت سے عاری، مسجدیں چوپال ہو جائیں گی اور ان کی بے حرمتی ہوگی وکل ماادی الی محظور محظور (ہر وہ شے جو ممنوع تک پہنچائے ممنوع ہو جاتی ہے)۔ (ص92)

سوال: اگر کوئی شخص تہجد پانے کے لئے یا نمازِ فجر کی جماعت پانے کے لئے مسجد ہی میں سو جائے تو اس کے لئے حکم ہے؟

جواب: جو بخیالِ تہجد یا جماعتِ صبح مسجد میں سونا چاہے تو اسے کیا مشکل ہے اعتکاف کی نیت کر لے کچھ حرج نہیں، کچھ تکلیف نہیں

،ایک عبادت بڑھتی ہے اور سونا بالاتفاق جائز ہوجاتا ہے۔ ردالمحتار میں ہے "واذا اراد ذلك ينبغي ان ينوي الاعتكاف فيدخل فيذكر اللّٰہ تعالیٰ بقدر مانوی اویصلی ثم یفعل ماشاء" ترجمہ: جب ارادہ کرے کھانے پینے کا تو اعتکاف کی نیت کرے، پھر مسجد میں داخل ہوجائے، پس اللہ تعالیٰ کا ذکر نیت کے مطابق کرے یا نماز پڑھے، پھر وہاں جو چاہے کرے۔ (ردالمحتار، ج2، ص246، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)(ص94)

مسجد میں کھانے پینے کے احکام

سوال: مسجد میں کھانا کھانا کیسا ہے؟

جواب: مسجد میں ایسا اکل وشُرب (کھانا پینا) جس سے اس کی تلویث (مسجد آلودہ ہو) ہو مطلقاً ناجائز ہے اگرچہ معتکف ہو۔

اسی طرح اتنا کثیر کھانا مسجد میں لانا کہ نماز کی جگہ گھیرے مطلقاً ممنوع ہے، اور جب ان دونوں باتوں سے خالی ہو تو معتکف کو بالاتفاق بلاکراہت جائز ہے اور غیر معتکف میں وہی مباحث واختلاف عائد ہوں گے (جو مسجد میں سونے کے بارے میں ماقبل بیان ہوئے) اور ہمیں ارشادِ اقدس کا وہ ضابطہ کلیہ کافی ہے کہ ((ان المساجد لم تبن لهذا)) (مساجد اس خاطر نہیں بنائی جاتیں)۔ (صحیح مسلم، ج1، ص210، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

اعتکاف نفل کے لئے نہ روزہ شرط ہے نہ طول مدت درکار، صرف نیت کافی ہے، جتنی دیر بھی ٹھہرے بہ یفتی (اسی پر فتوی ہے)، تو اختلاف میں پڑنے کی کیا حاجت، وما کان اقرب الی الادب فھو الاحب الاوجب نسأل اللّٰہ حسن التوفیق
ترجمہ: جو ادب کے زیادہ قریب ہو وہی زیادہ پسندیدہ اور واجب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ سے حسنِ توفیق کا سوال ہے۔ (ص94)

سوال: سنن ابن ماجہ میں حدیث پاک ہے ((اکلنا مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم طعاماً فی المسجد قد شوی فمسحنا ایدینا بالحصباء ثم نصلی ولم یتوضأ)) راوی کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بھنا ہوا کھانا کھایا اور ہم نے اپنے ہاتھ پتھروں سے پونچھ لیئے پھر نماز پڑھی اور ہم نے وضو نہیں کیا۔

(سنن ابن ماجہ، ص246، مطبوعہ ایچ ایم کمپنی، کراچی)

اس حدیث سے بظاہر مسجد میں کھانے کا مطلقاً جواز سمجھ آتا ہے۔

جواب: رہی حدیث ابن ماجہ وہ ایک واقعہ عین (معینہ) ہے اور علماء بالاتفاق تصریح فرماتے ہیں کہ وقائعِ عین کے لئے عموم (عام حکم) نہیں ہوتا ممکن کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم اس وقت معتکف ہوں اور صحابی کو یہاں مسئلۂ اکل (کھانے کا مسئلہ) بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ یہ کہ ماامسّتہ النار (وہ چیز جسے آگ چھولے) سے وضو نہیں، علاوہ بریں (مزید یہ کہ) فعل وتقریر سے قول اور مبیح (مباح کرنے والے) سے حاظر (منع کرنے والا) ارجح ہے۔ (ص94)

مسجد کو چوپال بنانا جائز نہیں

سوال: جو لوگ عرس میں آئیں وہ مسجد ہی میں قیام کریں اور جائے نماز وغیرہ استعمال کریں، کھانا وہاں کھائیں، دنیا کی بات کریں، اشعار پڑھیں، جائز ہے؟

جواب: مسجد کو چوپال بنانا جائز نہیں۔ (ص95)

سوال: امام مسجد اور عوام مسلمین جن کے پاس رہنے سونے کو مکان ہیں وہ مسجد میں کسی وقت سو سکتے ہیں یا نہیں نیز ایسے مسلمان مسافر جو آج کل شہروں میں آیا جایا کرتے ہیں اور چندے لے کر گزارہ کرتے ہیں انھیں مسجدوں میں رکھنا اور وہ وہاں پر بطور گھروں کے رہیں، سوئیں، کھائیں پئیں، کیا جائز ہے؟

جواب: صحیح و معتمد یہ ہے کہ مسجد میں کھانا پینا، سونا سوا معتکف کے کسی کو جائز نہیں، مسافر یا حضری اگر چاہتا ہے تو اعتکاف کی نیت کیا دشوار ہے، اور اس کے لئے نہ روزہ شرط نہ کوئی مدت مقرر ہے، اعتکاف نفل ایک ساعت کا ہو سکتا ہے، مسجد کو گھر بنانا کسی کے لئے جائز نہیں، وہ لوگ بھی بہ نیت اعتکاف رہ سکتے ہیں۔ (ص95)

جو مسجد میں گالی گلوچ دیں ان کو مسجد سے باہر نکال دیں

سوال: جو لوگ مسجد خاص میں یا صحن میں اگر واہیات لغویات اور گالی گلوچ کریں تو ان لوگوں کے لئے کیا حکم ہے؟

جواب: ایسے لوگ گنہگار ہیں اور شرعاً مستحقِ تعزیز، مگر تعزیر یہاں کون دے سکتا ہے، اتنا کریں کہ انھیں مسجد سے باہر کر دیں۔ (ص95)

مسجد و فنائے مسجد میں بیع و شراء ناجائز ہے

سوال: مسجد کا امام مسجد کے حجرے میں تعویذات بیچتا ہے، ایسا کرنا شرعاً کیسا ہے؟

جواب: عوضِ مالی پر تعویز دینا بیع ہے اور مسجد میں بیع و شرا ناجائز ہے، اور حجرہ فنائے مسجد ہے اور فنائے مسجد کے لئے حکمِ مسجد۔ (ص95)

سوال: ایک شخص کچہری میں ملازم ہے فرصت کے وقت دن و رات میں مسجد میں قیام کر کے سوتا ہے اور کھانا وغیرہ کھاتا ہے، منع کرنے پر جواب دیا کہ میں نیتِ اعتکاف کر لیتا ہوں لہذا میرے قیام اور کھانے سونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

جواب: اگر واقعی وہ ہر بار نیت اعتکاف کرتا اور کچھ دیر ذکر الٰہی کر کے کھاتا سوتا ہے تو حرج نہیں۔ (ص96)

بلا وجہ شرعی مسجد میں تکیے کے ساتھ ٹیک لگانا منع ہے

سوال: اگر کوئی عالم مسجد میں سوئے اور مسند تکیہ مسجد میں اندر لگائے اور کھانا مسجد میں ایک جماعت کے ساتھ کھائے اور اگالدان مسجد میں رکھے اور گھوڑے کی زین اور اور اسباب وغیرہ مسجد میں رکھے یہ سب شرع سے درست ہے یا نہیں؟

جواب: مسجد میں سونا کھانا بحالتِ اعتکاف جائز ہے، اگر جماعت معتکف ہوتو مل کر کھا سکتے ہیں، بہر حال یہ لازم ہے کہ کوئی چیز، شوربا یا شیر وغیرہ کی چھینٹ مسجد مین نہ گرے، اور سوائے حالتِ اعتکاف مسجد میں سونا یا کھانا دونوں مکروہ ہیں خاص کر ایک جماعت کے ساتھ کہ مکروہ فعل کا اور لوگوں کو بھی اس میں مرتکب بنا تا ہے۔

مسند لگانا اگر براہ تکبر ہے تو یہ خارج مسجد بھی حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿الیس فی جھنم مثوی للمتکبرین﴾ ترجمہ: کیا نہیں ہے جہنم میں ٹھکانہ متکبرین کا۔

اور اگر براہِ تکبر نہیں کسی دوسرے نے اس کے لئے رکھ دی یہ اس کی خاطر سے بدیں لحاظ کہ امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم فرمائے ہیں ((لایابی الکرامۃ الاحمار)) ترجمہ: عزت واحترام کا انکار کوئی گدھا ہی کرسکتا ہے۔

(کنز العمال، ج9، ص155، موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تو بھی یہ مسجد میں نہ ہونا چاہئے کہ ادب مسجد کے خلاف ہے، ہاں ضعف یا درد کے سبب مجبور ہو تو معذور ہے۔

اگالدان اگر پیک کے لئے رکھا ہے تو غیر معتکف کو مسجد میں پان کھانا خود مکروہ ہے، اور اگر کھانسی ہے بلغم بار بار آتا ہے اس غرض کے لئے رکھا تو حرج نہیں۔

اور گھوڑے کا زین وغیرہ اسباب بھی بلاضرورت شرعیہ مسجد میں رکھنا نہ چاہئے، مسجد کو گھر کے مشابہ بھی کرنا نہ چاہئے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں ((ان المساجد لم تبن لھذا)) ترجمہ: مساجد ان چیزوں کی خاطر نہیں بنائی جاتی

(صحیح مسلم، ج1، ص210، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

خصوصاً اگر چیزیں رکھے جن سے نماز کی جگہ رکے تو سخت ناجائز وگناہ ہے۔

بااین ہمہ یہ بھی یاد رکھنا فرض ہے کہ حقیقۃً عالمِ دین ہادیٔ خلق سُنّی صحیح العقیدہ ہو عوام کو اُس پر اعتراض اُس کے افعال میں نکتہ چینی اس کی عیب بینی حرام حرام اور باعث سخت محرومی اور بدنصیبی ہے، اول تو لاکھوں مسائل واحکام فرق نیت سے متبدل ہوجاتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں ((انما الاعمال بالنیات وانما لکل امری مانوی)) ترجمہ: اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔

(صحیح البخاری، ج1، ص2، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

علم نیت ایک عظیم واسع علم ہے جسے علمائے ماہرین ہی جانتے ہیں، عوام بیچارے فرق پر مطلع نہ ہوکر ان کے افعال کو اپنی حرکات پر قیاس کرتے اور حکم لگادیتے اور ''کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر'' کے، مورد بنتے ہیں۔

اسی مسئلہ میں دیکھئے شرعاً اعتکاف کے لئے نہ روزہ شرط ہے نہ کسی قدر مدت کی خصوصیت، ولہذا مستحب ہے کہ آدمی جب مسجد میں جائے اعتکاف کی نیت کرلے، جب تک مسجد میں رہے گا اعتکاف کا ثواب بھی پائے گا، علما اعتکاف ہی کی نیت

سے مسجد میں داخل ہوتے ہیں اور اب اُن کو سونا، کھانا، پیک کیلئے اگالدان رکھنا روا ہوگا۔

اور اس سے قطع نظر بھی ہو تو جاہل کو سُنی عالم پر اعتراض نہیں پہنچتا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث میں عالم بے علم کی مثال شمع سے دی ہے کہ آپ جلے اور تمھیں روشنی و نفع پہنچائے، احمق وہ جو اس کے جلنے کے باعث اسے بجھا دینا چاہے اس سے یہ خود ہی اندھیرے میں رہ جائیگا۔

علماء کو چاہئے کہ اگرچہ خود نیت صحیحہ رکھتے ہوں عوام کے سامنے ایسے افعال جن سے ان کا خیال پریشان ہو نہ کریں کہ اس سے دو فتنے ہیں جو معتقد نہیں ان کا معترض ہونا غیبت کی بلا میں پڑنا عالم کے فیض سے محروم رہنا، اور جو معتقد ہیں اُن کا اس کے افعال کو دستاویز بنا کر بے علم نیت خود مرتکب ہونا، عالم فرقہ ملامتیہ سے نہیں کہ عوام کو نفرت دلانے میں اُس کا فائدہ ہو مسندِ ہدایت پر ہے، عوام کو اپنی طرف رغبت دلانے میں اُن کا نفع ہے، حدیث میں ہے ((راس العقل بعد الایمان باللہ التودد الی الناس)) ترجمہ: ایمان باللہ کے بعد سب سے بڑی عقلمندی لوگوں کے ساتھ محبت کرنا ہے۔ (شعب الایمان، ج6، ص255، دار الکتب العربیہ، بیروت)

دوسری حدیث صحیح میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((بشروا ولا تنفروا)) ترجمہ: محبت پھیلاؤ نفرت نہ پھیلاؤ۔ (صحیح البخاری، ج1، ص16، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

احیاناً ایسے افعال کی حاجت ہو تو اعلان کے ساتھ اپنی نیت اور مسئلہ شریعت عوام کو بتا دے۔ (ص97، 98)

<u>جہاں لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں وہاں قرآن پڑھنا دوہرے وبال کا سبب ہے</u>

سوال: اگر کوئی مسجد میں بآواز بلند درود وظائف خواہ تلاوت کر رہا ہو اس سے علیحدہ ہو کر نماز پڑھنے میں بھی آواز کانوں میں پہنچتی ہے لوگ بھول جاتے ہیں خیال بہک جاتا ہے، ایسے موقع پر بلند آواز سے ذکر و تلاوت کرنے والے کو آواز بلند کرنے سے منع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہ مانے تو کہاں تک منع کرنا جائز ہے؟

جواب: بیشک ایسی صورت میں اسے جہر سے منع کرنا فقط جائز نہیں بلکہ واجب ہے کہ نہی عن المنکر ہے اور کہاں تک کا جواب یہ (ہے) کہ تاحدِ قدرت جس کا بیان اس ارشاد اقدسِ حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ہے ((من رأی منکم منکر افلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان)) جو تم میں کوئی ناجائز بات دیکھے اس پر لازم ہے کہ اپنے ہاتھ سے اسے مٹا دے بند کر دے، اور اس کی طاقت نہ پائے تو زبان سے منع کرے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے اسے بُرا جانے، اور یہ سب میں کمتر درجہ ایمان کا ہے۔ (صحیح مسلم، ج1، ص51، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی)

اور جہاں لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں اور قرآن عظیم کے استماع کے لئے کوئی فارغ نہ ہو وہاں جہراً تلاوت کرنے والے پر اس صورت میں دوہرا وبال ہے، ایک تو وہی خلل اندازیِ نماز وغیرہ کہ ذکر جہر میں تھا، دوسرے قرآن عظیم کو بے حرمتی کے لئے پیش کرنا۔ (ص99)

جہاں کوئی نماز پڑھ رہا ہو یا سو رہا ہو وہاں قرآن پڑھنا منع ہے

سوال: جہاں کوئی شخص نماز پڑھتا ہو یا سو رہا ہو وہاں بلند آواز سے قرآن کی تلاوت یا وظیفہ کرنا کیسا ہے؟

جواب: جہاں کوئی نماز پڑھتا ہو یا سوتا ہو کہ بآواز پڑھنے سے اس کی نماز یا نیند میں خلل آئے گا وہاں قرآن مجید و وظیفہ ایسی آواز سے پڑھنا منع ہے، مسجد میں جب اکیلا تھا اور بآواز پڑھ رہا تھا جس وقت کوئی شخص نماز کے لئے آئے فوراً آہستہ ہو جائے۔ (ص100)

سوال: زید اگر مسافرانہ طور پر کسی مقام پر وارد ہوا اور وہاں اس کا کوئی ایسا شخص شناسا نہ ہو کہ جس کے مکان میں قیام کر سکے اور پابندی جماعتِ نماز و وضو وغیرہ کسی مسجد میں ٹھہر جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ اور جو شخص زید کو بصورت مذکورہ جبراً مسجد سے نکالے اور کہے کہ یہ مسجد خالد کی ملک ہے اور میں چونکہ ملازمِ خالد ہوں لہٰذا مجھے حکمِ خالد ہے کہ ہماری اجازت کے بغیر کسی کو ہماری مسجد میں نہ رہنے دو، اس صورتِ حال میں مسجدِ مذکورہ میں نماز کا کیا حکم ہے؟ اور ایسی مسجد پر مسجد ضرار کی تعریف صادق ہے یا نہیں؟

جواب: ایسے مسافر کو مسجد میں ٹھہرنا بیشک جائز ہے، خود مسجد اقدس میں حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہدِ اقدس میں حکمِ انور سے اصحابِ صفّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم قیام پذیر تھے مسجد سے بالجبر اس کا اخراج ظلم ہے۔۔ ہاں نظر بحالاتِ زمانہ بعض مساجد میں اجنبی غیر معروف کا قیام نامناسب و وجہِ اندیشہ ہوتا ہے جیسے صدہا سال مسجد مدینہ طیبہ کے دروازے بعدِ عشا بند کر دیتے ہیں اور سوا خدام کے سب لوگ باہر کر دیئے جاتے ہیں، اگر واقعی ایسی صورت تھی تو بنرمی (نرمی سے) کہنا چاہئے تھا اور مسجد کو خالد کی ملک کہنا ظلم ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے ﴿وان المسٰجد للہ﴾ مسجدیں خالص اللہ کے لئے ہیں۔ (پ29، سورۃ الجن، آیت 18)

بہر حال اُس مسجد میں نماز ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں، نہ وہ مسجد ضرار ہو سکتی ہے، یہ جہل محض ہے۔

پھر اگر یہ مسجد اموال وغیرہ سے محلِ احتیاط مذکور نہیں یا زید مشتبہ نہیں، تو اسے جبراً نکال دینے والے پر لازم ہے کہ اُس سے معافی چاہے کہ مسلمان کو بلا وجہ شرعی ایذا دینا بہت سخت ہے ((من اذی مسلماً فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ))

ترجمہ: جس نے کسی مسلمان کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو اذیت دی۔ (الجامع الصغیر، ج6، ص9، دار المعرفۃ، بیروت)

زید کو چاہئے کہ اگر مسجد میں قیام کرے سونے اور کھانے سے کچھ پہلے اعتکاف کی نیت کر کے کچھ ذکرِ الٰہی کر کے کھائے سوئے کہ مسجد میں کھانا سونا معتکف کو بلا خلاف جائز ہے۔ (ص101)

مسجد میں بدبو کا لے کر جانا جائز نہیں

سوال: مٹی کا تیل مسجد میں جلانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مٹی کے تیل میں سخت بدبو ہے اور مسجد میں بدبو کا لے جانا کسی طرح جائز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

فرماتے ہیں((من اکل من ھذہ الشجرۃ المنتنۃ فلا یقربن مسجد نا فان الملئکۃ تتاذی ممایتاذی منہ الانس))
ترجمہ: جس شخصؐ نے اس بدبودار پودے کو کھایا وہ ہماری مساجد کے قریب نہ آئے کیونکہ ملائکہ کو بھی ہر اس شئی سے تکلیف ہوتی ہے جس سے انسانوں کو ہوتی ہے۔ (صحیح البخاری، ج1،ص118،مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی)

امام عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری پھر علامہ سید شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں''ویلحق بما نص علیہ فی الحدیث کل مالہ رائحۃ کریھۃ ماکولا اوغیرہ''ترجمہ: حدیث کے مطابق ہر اس شی کا یہی حکم ہے جس کی بو اچھی نہ خواہ وہ شی کھائی جاتی ہو یا نہ۔ (ردالمحتار، ج1،ص489،مطبوعہ مصطفےٰ البابی، مصر)

ہاں مٹی کے تیل میں بعض انگریزی عطر جن کو لونڈر کہتے ہیں ملانے سے اس کی بدبو جاتی رہتی ہے اس صورت میں جائز ہوجائے گا بشرطیکہ اس لونڈر میں اسپرٹ وغیرہ کوئی ناپاک شئی نہ ہو ورنہ ناپاک تیل کا بھی مسجد میں جلانا جائز نہیں ہے۔(ص102)

بلاوجہ نماز کے وقت مسجد کا دروازہ بند کرنا منع ہے

سوال: ایک مسجد ہے جس میں تین دروازے لگے ہیں، صبح کی نماز میں بوجہ سردی کے تینوں دروازے بند کرکے اور چراغ جلا کر لوگ نماز پڑھا کرتے ہیں، دریافت طلب ہے کہ ایسا کرنے میں شرعاً کوئی قباحت ہے یا نہیں؟

جواب: وقتِ حاجت چراغ جلا کر نماز پڑھنے میں تو کوئی حرج نہیں، وفیہ حدیث تمیم الداری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ((وایقادہ القنادیل فی المجسد الشریف و استحسانہ من النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم)) وحدیث علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لما رأی المسجدین ھو قال ((نوراللہ قبر عمر کما نور مساجدنا)) ترجمہ: اس بارے میں حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے، مسجد نبوی میں قندیلوں کا جلانا اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انھیں پسند کرنا ثابت ہے، اور وہ حدیث جس میں منقول ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں مساجد کو روشن دیکھا تو کہا: اللہ تعالیٰ عمر رضی اللہ عنہ کی قبر کو اسی طرح روشن کرے جیسے انھوں نے مساجد کو روشن کیا۔ (تاریخ الخلفاء، ص97،مطبوعہ مطبع مجتبائی، دہلی)

مگر نماز کے وقت مسجد کے کواڑ بند کرنا ضرور ممنوع و بدعت سیئہ ہے۔

اس وقت چراغ روشن کرنا بھی اگر اسی کواڑ بند کرنے کی بنا پر ہو اگر بند نہ کریں چراغ کی حاجت نہ ہو تو یہ چراغ بھی بے حاجت کہ وہ حاجت بروجہِ باطل ہے اور اگر اتنے اندھیرے سے پڑھتے ہیں کہ کھلے کواڑوں میں بھی حاجت چراغ ہو تو یہ خلاف افضل ہے، مذہب حنفی میں نمازِ فجر جس قدر وقت روشن کرکے پڑھی جائے زیادہ اجر ہے۔ (ص103)

سوال: اندرونِ مسجد ٹین کے دالان کے دروں میں بغرض زیبائش مسجد گملے درختاں پھول وغیرہ لٹکائے جانے کیلئے تیار کیے گئے ہیں جن میں کھاد وغیرہ پاک مٹی کی دی گئی ہے۔ از رُوئے شرع شریف کیا حکم ہے؟

جواب: اگر نمازی نگاہ کے سامنے ہوں تو مکروہ ہیں اور زیادہ بلند ہوں تو حرج نہیں۔ (ص104)

دیوارِ قبلہ پر عربی عبارات لکھنے کا طریقہ

سوال: منبر کے قریب دیوار پر عربی مناجات لکھ کر نصب کرنا کیسا ہے؟

جواب: ایسی چیزوں کا دیوارِ قبلہ میں نصب کرنا نہ چاہئے جس سے لوگوں کا نماز میں دھیان بٹے اور اتنی نیچی ہونا کہ خطبہ میں امام کی پشت اس کی طرف ہو، یہ اور بھی نامناسب ہے، ہاں اگر اس سے بلند رہے تو یہ حرج اس میں نہ ہوگا۔ (ص104)

مسجد کو نقش و نگار سے مزین کرنے کی صورتیں

سوال: مسجد میں نقش و نگار جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مساجد میں زینتِ ظاہری زمانہ سلف صالحین میں فضول و ناپسند تھی کہ اُن کے قلوب تعظیم شعائر اللہ سے مملو (بھرے ہوئے) تھے ولہٰذا حدیث میں مباہاۃ فی المساجد کو اشراط ساعت (قیامت کی نشانیوں) سے شمار فرمایا، اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ((لتزخر فنّها کما زخرفت الیهود والنصاریٰ)) ترجمہ: تم مساجد کو اسی طرح مزیّن کرو گے جس طرح یہود و نصاریٰ نے مزیّن کیں۔ (الصحیح البخاری، ج1، ص64، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

تبدلِ زمان سے علماء نے تزیینِ مساجد کی اجازت فرمائی کہ اب تعظیمِ ظاہر (ظاہری عظمت) مورثِ عظمت فی العیون و وقعت فی القلوب (آنکھوں میں عظمت اور دل میں وقعت پیدا ہونے کا سبب) ہوتی ہے فکان کتحلیة المصحف فیه من تعظیمه (یہ ایسے ہی ہے جیسے تعظیم کی خاطر قرآن حکیم کو طلا کی صورت میں لکھا جائے)۔

مگر اب بھی دیوارِ قبلہ عموماً اور محراب کو خصوصاً شاغلاتِ قلوب سے بچانے کا حکم ہے بلکہ اولیٰ یہ ہے کہ دیوارِ یمین و شمال (دائیں بائیں کی دیوار) بھی ملہیات سے خالی رہے کہ اُس کے پاس جو مصلّی (نمازی) ہو اُس کی نظر کو پریشان نہ کرے۔

ہاں گنبدوں، میناروں، سقف (چھت) اور دیواروں کی سطح کہ مصلیوں (نمازیوں) کے پس پشت رہے گی ان میں مضائقہ نہیں اگرچہ سونے کے پانی سے نقش و نگار ہوں بشرطیکہ اپنے مال حلال سے ہوں، مسجد کا مال اُس میں صرف نہ کیا جائے، مگر جبکہ اصل بانیِ مسجد نے نقش و نگار کئے ہوں یا واقف نے اس کی اجازت دی ہو یا مالِ مسجد کا فاضل بچا ہو اور اگر صرف نہ کیا جائے تو ظالموں کے خورد بُرد میں جائے گا۔

پھر جہاں جہاں نقش و نگار اپنے مال سے کر سکتا ہے اس میں بھی دقائق نقوش سے تکلف مکروہ ہے سادگی و میانہ رَوی کا پہلو ملحوظ رہے۔ (ص105)

سوال: مسجد کے کنارے کسی بزرگ کی قبر ہو اور وہاں گانا مع آلات ڈھولکی وغیرہ ہو اور تماشائی لوگ مسجد کے

اندر بلا لحاظ پاکی آئیں اور گاگر کے وقت ہجوم ہو لوگ اندر مسجد داخل ہوں جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مزامیر کے ساتھ گانا اور اُس کا سننا دونوں حرام ہیں اور حرام فعل کا مسجد میں کرنا اور سخت، اور گاگر کا ہجوم اگر کسی منکر شرعی پر مشتمل نہیں، نہ یہ وقت نماز کا ہو جس سے نمازیوں پر تنگی ہو، نہ یہ لوگ مسجد کی بے حرمتی کریں تو حرج نہیں، اور بے ثبوت شرعی مسلمانوں کو سمجھ لینا کہ ناپاکی کی حالت میں مسجد میں داخل ہوئے بدگمانی ہے اور بدگمانی حرام۔ (ص107)

مقرر کا کرسی پر بیٹھ کر مسجد میں تقریر کرنا جائز ہے

سوال: مسجد کے اندر کرسی پر بیٹھ کر وعظ کہنا کیسا ہے؟ کیا سنت ہے؟

جواب: واعظ کا کرسی پر مسجد میں بیٹھنا جائز ہے جبکہ نماز اور نمازیوں کا حرج نہ ہو، ایک آدھ بار حدیث سے یہ ثابت ہے مگر ایک آدھ بار سے فعل سنت نہیں بن جاتا۔ (ص108)

سوال: ایک کتاب میں مسجد میں چارپائی پر سونا جائز لکھا ہے اور دلیل کے طور پر حدیث پیش کی ہے کہ آنحضرت اعتکاف کے موقع میں سریر (چارپائی) پر سوئے تھے۔

جواب: حدیث قولی اور فعلی جب متعارض ہوں تو عمل حدیث قولی پر ہے ((ان المسٰجد لم تبن لھذا)) ترجمہ: مساجد کی بنا ان چیزوں کے لئے نہیں۔ (صحیح مسلم، ج1، ص210، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اونٹ پر سوار مسجد الحرام شریف میں داخل ہوئے اور یونہی کعبہ معظمہ کا طواف فرمایا، سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زخمی ہوئے خون ان کے زخموں سے جاری تھا اُن کے لئے مسجد اقدس میں خیمہ نصب فرمایا کہ قریب سے عیادت فرمائیں کہ سوا مسجد شریف کے کوئی مکانِ نشست کا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس نہ تھا، کیا ان احادیث سے استناد کر کے کوئی ایسی جرأت کر سکتا ہے؟ (ص108)

مسجد میں استعمالی جوتا رکھنے کا حکم وطریقہ

سوال: مسجد میں استعمالی جوتا رکھنا چاہئے یا نہیں؟

جواب: اگر مسجد سے باہر کوئی جگہ جوتا رکھنے کی ہو تو وہیں رکھے جائیں مسجد میں نہ رکھیں اور اگر باہر کوئی جگہ نہیں تو باہر جھاڑ کر تلے ملا کر ایسی جگہ رکھیں کہ نماز میں نہ اپنے سجدے کے سامنے ہو نہ دوسرے نمازی کے، نہ اپنے دہنے ہاتھ کو ہوں نہ دوسرے نمازی کے، نہ ان سے قطعِ صف ہو، اور ان سب پر قادر نہ ہوں تو سامنے رکھ کر رومال ڈال دیں۔ (ص109)

سوال: اگر غسل خانہ مسجد کے فرش سے جدا ہے اور غسل خانہ اتنا تر رہتا ہے کہ پاؤں پر تری لگ جاتی ہے تو جوتا پہن کر جانا چاہئے یا ویسے ہی؟

جواب: جوتا پہن کر جانا چاہئے۔ (ص109)

سوال: مسجد کے کنواں سے اپنے گھروں کے لئے پانی بھرنا اور ننگے پیروں سے آنا، اور رسی سے بھی وہ خراب پیر لگتے ہیں پھر اس کی چھینٹیں کنویں میں ضرور جاتی ہیں، منع کرنے پر کہتے ہیں کہ پہلے سے یونہی بھرتے آتے ہیں، ان کا کیا حکم ہے؟

جواب: کنویں کی ممانعت نہیں ہوسکتی رسی ڈول اگر مسجد کا ہے اس کی حفاظت کریں، غیر نمازی کے لئے اُس سے نہ بھرنے دیں، دربارۂ طہارت اوہام کو شریعت نے دخل نہیں دیا ورنہ عافیت تنگ ہو جائے۔ (ص110)

سوال: مسجد میں پھلدار درخت ہے یا پھولوں کا پودا ہے تو ایسی صورت میں وہ پھل یا پھول نمازی یا غیر نمازی بلا کچھ قیمت ادا کئے ہوئے لے سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: مسجد میں بے ضرورت شدید درخت بونا منع ہے اور اس کے پھل پھول بے قیمت نہیں لے سکتے۔ (ص111)

<u>مسجد میں دنیا کی باتوں کے لئے بیٹھنا حرام ہے</u>

سوال: مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا کیسا ہے؟

جواب: دنیا کی باتوں کے لئے مسجد میں جا کر بیٹھنا حرام ہے۔ اشباہ ونظائر میں فتح القدیر سے نقل فرمایا "مسجد میں دنیا کی کلام نیکیوں کو ایسا کھاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو"

یہ مباح باتوں کا حکم ہے پھر اگر باتیں خود بری ہوئیں تو اس کا کیا ذکر ہے، دونوں سخت حرام در حرام، موجب عذاب شدید ہے۔ (ص112)

<u>وضو میں بلا ضرورت دنیوی کلام نہیں کرنا چاہئے</u>

سوال: مسجد میں شور وشر کرنا اور دنیا کی باتیں کرنا اور اسی طرح وضو میں درست ہے یا نہیں؟ اور اپنے پاس سے غیبت کرنے والوں اور تہمت رکھنے والوں اور جن میں شیوہ منافقت ہو ان کو نکلوا دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مسجد میں شور وشر کرنا حرام ہے، اور دنیوی بات کے لئے مسجد میں بیٹھنا حرام، اور نماز کے لئے جا کر دنیوی تذکرہ مسجد میں مکروہ اور وضو میں بے ضرورت دنیوی کلام نہ چاہئے۔

اور غیبت کرنے والوں اور تہمت اٹھانے والوں منافقوں مفسدوں کو نکلوا دینے پر قادر ہو تو نکلوا دے جبکہ فتنہ نہ اُٹھے ورنہ خود اُن کے پاس سے اٹھ جائے۔ (ص112)

سوال: مسجد ویران شدہ یعنی چھت وغیرہ اُس کا گر گیا صرف دیواریں وغیرہ ہیں، اُس مسجد کے متعلق جو دُکان ہو اُس کا کرایہ دوسری مسجد پر خرچ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: نہیں جائز، بلکہ اس کے کرایہ سے اُسی مسجد کی تعمیر کریں۔ (ص113)

سوال: صحنِ مسجد میں کچھ قبریں آ گئی ہیں اوران قبروں میں فرش پختہ بنا دیا گیا ہے اب کوئی نشان قبر کا صحنِ مسجد میں معلوم نہیں ہوتا البتہ یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ یہاں فلاں فلاں کی قبریں ہیں للہذا یہ معلوم کرنا ہے کہ اس صحن مسجد میں کہ جہاں قبریں تھیں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مسلمانوں کی قبریں ہموار کر کے صحن مسجد میں شامل کر لینا حرام ہوا اوران قبروں پر نماز حرام ہے اوران کی طرف نماز حرام ہے، قبر اوپر کے نشان کا نام نہیں کہ اس کے مٹنے سے قبر جاتی رہے بلکہ اس جگہ کا نام ہے جہاں میت دفن ہے، جتنی نمازیں اس طرح پڑھی گئیں سب پھیری جائیں اور قبروں کے نشان بدستور بنا دیے جائیں کہ مسلمان ان پر پاؤں رکھنے اور چلنے اوران پر اوران کی طرف نماز پڑھنے کی آفتوں سے محفوظ رہیں۔ (ص113)

مسلمان کی قبر پر پاؤں رکھنا اور نماز پڑھنا حرام ہے

سوال: جامع مسجد کے دائیں بائیں کچا قبرستان ہے نشانِ قبور موجود ہیں، اگر مسجد کا فرش بڑھا لیا جائے ایسا کہ نشانِ قبر بالکل ظاہر نہ رہے تو اس پر نماز پڑھنا درست ہے یا ناجائز؟

جواب: ناجائز و حرام ہے مسلمان کی قبر پر پاؤں رکھنا بھی حرام، اور قبر پر نماز پڑھنی حرام، اور حرام تو اس ناجائز فعل میں قبروں کی بھی بے عزتی ہے اور نماز کا بھی نقصان۔ (ص113)

سوال: مسجد کا عرض میں بہت کم ہے جو کہ جمعہ کو نمازیوں کے لئے کافی نہیں ہوتا للہذا اس کے فرش بڑھانے کی تدبیر درپیش ہے، فرش بڑھانے کی صورت میں ایک قبر پختہ بیچ فرش میں پڑ گئی، صاحبِ قبر کے انتقال کو قریب سو سال کے گزری ہوں گی للہذا علمائے دین کی خدمت میں التماس ہے کہ اس قبر کو کیا کیا جائے تا کہ نماز میں کچھ حرج نہ ہو؟ قبر کو برابر کر دیا جائے تو کیا حکم ہے؟

جواب: صورتِ مستفسرہ میں قبر مسلمان کو برابر کر دینا کہ لوگ اس پر چلیں پھریں، اٹھیں بیٹھیں، نماز پڑھیں، محض حرام ہے۔

پھر اس برابر کرنے سے نماز کا بھی کچھ آرام نہیں بلکہ نقصان ہے کہ قبر پر نماز پڑھنا حرام، اور قبر کی طرف بے حائل نماز پڑھنا بھی مسجد صغیر میں مطلقاً حرام اور کبیر میں اتنے فاصلے تک حرام کہ جب نماز خاشعین کی پڑھی اور قیام میں موضع سجود پر نظر جمائے تو قبر تک نگاہ پہنچے، اور عام مساجد صغیر ہیں، مسجد کبیر ایسی ہے جیسے جامع خوارزم کہ سولہ ہزار ستون پر ہے، اور قبر اس جگہ کا نام ہے جہاں میت دفن ہے، اوپر کا بلند نشان حقیقت قبر میں داخل نہیں تو اس کے برابر کر دینے سے قبر قبر ہی رہے گی غیر قبر نہ ہو جائے گی۔

بلکہ اس کا طریق یہ ہے کہ قبر کو فرش کے برابر کریں اور اگر فرش اونچا ہو کر آئے گا تو قبر جس قدر نیچی ہو رہنے دیں اور اس کے گرداگرد ایک ایک بالشت کے فاصلے سے ایک چار دیواری اٹھائیں کہ سطح قبر سے پاؤ گز یا زیادہ اونچی ہو، ان دیواروں پر پتھر ڈال دیں یا

لکڑیاں چن کر پاٹ دیں کہ چھت ہو جائے، اب یہ ایک مکان ہو گیا جس کے اندر قبر ہے، اب اس کی چھت پر اور اسی کی دیوار کی طرف ہر طرح نماز جائز ہو گئی کہ یہ نماز قبر پر یا قبر کی طرف نہ رہی بلکہ ایک مکان کی چھت پر یا اس کی دیوار کی جانب ہوئی اور اس میں حرج نہیں۔

اور بہتر یہ ہے کہ ان مختصر دیواروں میں جنوباً شمالاً دیوار جانب قبلہ میں بھی باریک جالیاں رکھیں، اس سے دو فائدے ہوں گے:

اوّلاً میت کی قبر تک ہواؤں کا آنا جانا کہ بحکمِ حدیث موجبِ نزول رحمت ہے۔

دوم جالیاں دیکھ کر ہر شخص سمجھ لے گا کہ یہ قبر نہیں اور اس پر یا اس کی طرف نماز پڑھنے میں اندیشہ نہ کرے گا ورنہ ناواقف اُسے بھی قبر جان کر احتراز کرے گا اور صحن مسجد کے اندر اتنی جگہ تین چار گرہ بلندی رہنے کو جاہل نادانوں کی طرح ناگوار نہ جائیں کہ اس میں میت و احیاء مسجد و قبر کی بھلائی ہے۔ (ص114)

<u>مسجد میں تعلیم کی شرائط</u>

سوال: مسجد میں تعلیم کا کیا حکم ہے؟

جواب: مسجد میں تعلیم بشرائط جائز ہے:

(۱) تعلیم دین ہو۔ (۲) معلم سنی صحیح العقیدہ ہو، نہ وہابی وغیرہ بددین کہ وہ تعلیم کفر و ضلال کریگا۔ (۳) معلم بلا اُجرت تعلیم کرے کہ اجرت سے کار دنیا ہو جائے گی۔ (۴) ناسمجھ بچے نہ ہوں کہ مسجد کی بے ادبی کریں۔ (۵) جماعت پر جگہ تنگ نہ ہو کہ اصل مقصد مسجد جماعت ہے۔ (۶) غل شور سے نمازی کو ایذا نہ پہنچے۔ (۷) معلم خواہ طالب علم کسی کے بیٹھنے سے قطعِ صف نہ ہو۔

گرمی کی شدت وغیرہ کے وقت جبکہ اور جگہ نہ ہو بضرورت معلم با اجرت کو اجازت ہے مگر نہ مطلقاً، یونہی سلائی پر سینے والا درزی اگر حفاظت اور اس میں بچوں کو نہ آنے دینے کے لئے مسجد میں بیٹھے اور اپنا سیتا بھی رہے تو اجازت دی ہے یوں ہی غیر نماز کے وقت متعلمانِ علمِ دین کو تکرارِ علم میں رفع صوت کی۔ (ص116)

سوال: ان شرائط کا اگر وثیقہ لکھوا لیا جائے تو کیسا ہے؟

جواب: ان شرائط کا اگر وثیقہ لکھا لیا جائے تو کیا مضائقہ ہے بلکہ بہتر ہے۔ (ص116)

سوال: زید کہتا ہے کہ نمازی کے سامنے دیوارِ قبلہ پر لکھائی وغیرہ کوئی چیز نہیں ہونی چاہئے کیونکہ اس سے نمازی کا دل بٹتا ہے، کیا یہ درست ہے؟

جواب: بیشک دیوار قبلہ میں عام مصلیوں (نمازیوں) کے موضع نظر تک کوئی ایسی چیز نہ چاہئے جس سے دل بٹے اور ہو تو کپڑے سے چھپا دی جائے۔ احمد و ابوداؤد عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ((ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعاہ بعد دخولہ الکعبۃ فقال انی کنت رأیت قرنی الکبش حین دخلت البیت فنسیت ان آمرك ان تخمرھا فخمرھما فانہ

لاینبغی ان یکون فی قبلۃ البیت شیٔ یلھی المصلی)) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کعبہ معظمہ میں تشریف فرما ہوئے عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کلید بردار کعبہ کو طلب فرما کر ارشاد فرمایا: ہم نے کعبہ میں دنبے کے سینگ ملاحظہ فرمائے تھے (دنبہ کہ سیدنا سمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فدیہ ہوا اس کے سینگ کعبہ معظمہ کی دیوار غربی میں لگے ہوئے تھے) ہمیں تم سے یہ فرمانا یاد نہ رہا کہ ان کو ڈھانک دو اب ڈھانکو کہ نمازی کے سامنے کوئی چیز ایسی نہ چاہئے جس سے دل بٹے۔ (مسند امام احمد بن حنبل، ج5، ص380، مطبوعہ دارالفکر، بیروت)

ہاں اگر اتنی بلندی پر ہو کہ سر اٹھا کر دیکھنے سے نظر آئے تو یہ نمازی کا قصور ہے، اسے آسمان کی طرف نگاہ اٹھانا کب جائز ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((لینتھین اقوام یرفعون ابصارھم الی السماء فی الصلوٰۃ اولتخطفن ابصارھم)) ترجمہ: وہ جو نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتے ہیں یا تو اس سے باز آئیں گے یا ان کی نگاہ اچک لی جائیگی یعنی واپس نہ آئے گی اندھے ہو جائیں گے۔ (صحیح مسلم، ج1، ص681، نور محمد اصح المطابع، کراچی) (ص121)

سوال: بکر نے مسجد تعمیر کی اور اپنے نام کا کتبہ مسجد کے باہر نصب کروادیا تاکہ لوگ دعا کرتے رہیں، زید کہتا ہے کہ یہ ریا کاری ہے، دعا مبہم طریقے سے بھی ہو سکتی ہے کہ نام نہ لکھا جائے یوں لکھ دیا جائے کہ "دعاؤں کا طالب تعمیر کنندہ"

جواب: نام کندہ کرانا نیت پر ہے، اگر بہ نیت دعا ہے بے شبہہ روا ہے اور مبہم دعا کافی ہونا بالتعیین دعا چاہنے کا نافی نہیں، اور اگر مقصود نام ہے بیشک حرام ہے، مگر مسلمان پر بدگمانی کس نے جائز کی، یہ امر قلب ہے وہ جانے اور اس کا رب۔ (ص122)

سوال: مساجد کی چھت پر بخیالِ شوکتِ اسلام اسلامی سیاہ جھنڈا یعنی لوائے اسلام نصب کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: شوکتِ اسلام اطاعتِ اسلام میں ہے، مسجد پر جھنڈا ایک نئی بات ہے، اور کوئی مزاحمت ہو تو سبکی و خفت، اور اس کا اندیشہ نہ ہو تو فی نفسہٖ کوئی حرج نہیں۔ (ص122)

سوال: مولود خوانی مسجد میں جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ مرزائی وغیرہ اعتراض کرتے ہیں۔

جواب: مجلسِ میلاد مبارک کہ روایات صحیحہ سے ہو اور اشعار کہ پڑھے جائیں مطابق شرع مطہر ہوں اور الحان سے پڑھنے والے مرد غیر امرد ہوں، مسجد میں بھی جائز ہے کہ مساجد ذکر الٰہی کے لئے بنیں اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر بھی ذکر الٰہی ہے، حدیث میں ہے رب عزوجل نے کریمہ ﴿ورفعنا لک ذکرک﴾ کے نزول کے بعد کہ ہم نے بلند کیا تمھارے لئے تمھارا ذکر، جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بھیج کر ارشاد فرمایا ((اتدری کیف رفعت لك ذکرك)) جانتے ہو میں نے تمھارا ذکر تمھارے لئے کیونکر بلند فرمایا؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عرض کی: تو خوب جانتا ہے۔ فرمایا ((جعلتك ذکرا من ذکری فمن ذکرك فقد ذکرنی)) میں نے تمھیں اپنے ذکر میں سے ایک ذکر بنایا تو جو نے تمھارا ذکر کیا اس نے میرا ذکر کیا۔ (کتاب الشفاء، ج1، ص15، شرکت صحافیہ فی البلاد العثمانیہ، ترکی)

قادیانی مرتدین ہیں ان کی بات پر کان لگانا جائز نہیں۔ (ص123)

سوال: مسجد میں نماز سے پہلے مسائل بیان کرنا کیسا ہے؟

جواب: مسائل قبلِ نماز خواہ بعدِ نماز ایسے وقت بیان کئے جائے کہ لوگ سننے کے لئے فارغ ہو، نمازیوں کی نماز میں خلل نہ آئے۔ (ص123)

دینی فضیلت کی بنا پر کسی کے لئے قیام کرنا جائز ہے اگر چہ نماز و خطبہ کے انتظار میں ہوں

سوال: لوگ جماعت یا خطبہ کے انتظار میں بیٹھے ہوں اور مشغول ذکر الٰہی ہوں، اس صورت میں کسی حاکم یا شیخ یا رئیس یا بادشاہ یا خود امام مسجد کے آجانے پر کسی شخص کو یا عام لوگوں کو تعظیم کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جبکہ لوگ جماعت یا خطبہ کے انتظار میں ہوں اور ابھی امام خطبہ کے لئے نہیں گیا تو باپ یا پیر یا استاذ علم دین کے لئے ہر شخص قیام کر سکتا ہے، اور اگر عالم دین کا تشریف لانا ہو تو تمام مسجد قیام کرے، ان کی تعظیم بعینہ اللہ و رسول کی تعظیم ہے جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، باقی صرف دینوی عزت یا تونگری رکھنے والے کے لئے بلا ضرورت و مجبوری جائز نہیں۔ (ص124)

سوال: بعض لوگوں نے عام مسلمانوں کے قبرستان میں خاص قبور پر مٹی ڈال کر چبوترہ بنا کر اس کے اوپر مسجد بنائی، یہ کیسا ہے اور اس میں نماز پڑھنے کا حکم کیا ہے؟

جواب: یہ قطعاً ناجائز و باطل ہے، نہ وہ مسجد مسجد ہو سکتی ہے۔۔۔ نہ اس میں نماز مباح۔ (ص124)

سوال: ہمارے ادھر ایک قوم ہے جس کا پیشہ شراب بنانے کا ہے اور مذہباً مسلمان ہے اس قوم میں کچھ آدمیوں نے دو چار پشت سے شراب کی کشید موقوف کر دی ہے اور دوسرے پیشے مثلاً معماری وغیرہ اختیار کر لئے ہیں ان لوگوں نے ایک مسجد بنائی ہے اس میں ہم لوگوں کی نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور ان لوگوں کی دعوت قبول کرنا کیسا ہے؟

جواب: وہ مسجد کہ ان لوگوں نے بعد توبہ مال حلال سے بنائی ہے بیشک مسجد شرعی ہے اور اس میں نماز فقط ہو سکتی ہی نہیں بلکہ اس کے قرب و جوار والوں اہل محلّہ پر اس کا آباد رکھنا واجب ہے، اس میں اذان و اقامت و جماعت و امامت کرنا ضرور ہے اگر ایسا نہ کریں گے گنہگار رہوں گے، اور جو اس میں نماز سے روکے گا وہ ان سخت ظالموں میں داخل ہوگا جن کی نسبت اللہ عزوجل فرماتا ہے ﴿ومن اظلم ممن منع مسٰجداللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعٰی فی خرابھا﴾ اس سے بڑھ کر کون ظالم جو اللہ کی مسجدوں سے روکے ان میں خدا کا ذکر ہونے سے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے۔ (پ1، سورۃ البقرۃ، آیت114)

اور ان تائبوں کی دعوت بھی قبول کی جائے کہ اب اس کا مال بھی حلال ہے اور توبہ سے گناہ بھی زائل، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہے ((التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ)) جس نے گناہ سے توبہ کر لی وہ ایسے ہے جیسے گناہ کیا ہی

نہیں۔ (سنن ابن ماجہ، ص323، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی) (ص125)

عورتوں کا مسجد میں آنا منع ہے

سوال: مذکورہ بالا قوم کے بعض مسلمان ابھی تک شراب کشید کرتے ہیں مگر وہ نماز اور روزہ کے پابند ہیں، یہ لوگ اس مسجد میں نماز پڑھنے آتے ہیں اسی میں وضو بناتے ہیں مگر مسجد میں جب داخل ہوتے ہیں اس وقت شراب سے بدن کو ملوث نہیں رکھتے بلکہ کپڑوں سے اور بدن کی طہارت سے داخل ہوتے ہیں اس صورت میں ان کو مسجد میں آنے دینا چاہئے یا نہیں اور وضو کرنے دیں یا منع کیا جائے؟ اس کے علاوہ یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ قوال اور طوائف کو مسجد میں آنے دینا چاہئے یا نہیں اور ان کے جنازہ کی نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں؟

جواب: ان میں جو لوگ اب تک اس فسق عظیم میں مبتلا ہیں اگرچہ مستحق لعنت خدا ہیں مگر جبکہ پاک بدن پاک کپڑوں سے مسجد میں آتے ہیں تو انھیں وضو و مسجد و جماعت سے نہیں روک سکتے، اگر ان کے آنے سے فتنہ نہ ہو۔ یونہی قوال کو بھی (مسجد سے نہیں روک سکتے)، اور عورتیں اگرچہ پارسا اور بڑھیا ہوں مسجد سے ممنوع ہیں خصوصاً زنا پیشہ فاحشات کہ ان کے باہمی وہ رسوم سنے گئے ہیں جن کا بعد ایمان قائم رہنا سخت دشوار ہے، قوال وغیرہ جو مسلمان مرے کہ زمین میں فساد نہ پھیلاتا ہو چند صور استثنائی مذکورہ فقہیہ کے سوا سب جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((الصلوٰۃ واجبۃ علیکم علی کل مسلم یموت برا کان او فاجر و ان ھو عمل الکبائر)) ہر مسلمان کے جنازہ کی نماز تم پر فرض ہے وہ نیک ہو یا بد، اگرچہ اس نے کبیرہ گناہ کئے ہوں۔ (سنن ابو داؤد، ج1، ص343، آفتاب عالم پریس، لاہور) (ص126)

سوال: ایک شخص نے ایک مسجد میں جمعہ کی نماز کے واسطے دریاں وغیرہ بنوائیں مگر کچھ دنوں وہاں جمعہ ہو کر رہ گیا، اب وہ چاہتا ہے کہ یہ دریاں کسی دوسری مسجد میں دے دوں، پس یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جب دریاں سپرد کر دیں ملک مسجد ہو گئیں، جب تک نا قابل استعمال نہ ہو جائیں واپس نہیں لے سکتا نہ دوسری مسجد میں دے سکتا ہے۔

(ص127)

باب ادراک الفریضة

(نماز فرض کو پانے کا بیان)

جماعت کھڑی ہو جائے سنت غیر مؤکدہ والا دو پر سلام پھیر دے

سوال: ایک شخص نے چار رکعت نماز نفل یا سنت غیر مؤکدہ کی نیت کر کے شروع کی ابھی دوسری رکعت کی طرف اٹھا تھا کہ نماز فرض

کی جماعت کے لئے تکبیر ہوگئی نفل وسنت غیر مؤکدہ ادا کرنے والا چار رکعت پوری کرے یا دو پر اکتفاء کر لے باقی دو رکعات ادا کرے یا نہ کرے؟

جواب: نفل ادا کرنے والا نمازی ثناء سے تشہد کے آخر تک جو پہلی دو رکعت میں ہے ابھی تیسری رکعت کی طرف اس نے قیام نہیں کیا تھا کہ جماعت فرض کھڑی ہوگئی تو ایسے شخص پر لازم ہے کہ وہ انھیں دو رکعات پر اکتفا کرے اور جماعت میں شریک ہو جائے۔

اور جو دو رکعات باقی تھیں ان کی قضا اس کے ذمہ نہیں کیونکہ نوافل کی ہر دو رکعت الگ نماز ہے جب تک دوسرے شفع کا آغاز نہیں کیا جاتا وہ لازم نہیں ہوگا۔

اور غیر مؤکدہ سنن کا حکم بھی یہی ہے مثلاً عصر اور عشاء کی پہلی سنتیں، ان کا درجہ بھی نوافل کا ہے۔ (ص129)

جماعت کھڑی ہو جائے سنت مؤکدہ والا سنتوں کو مکمل کرے

سوال: اگر ظہر سے پہلے کی چار سنتیں مؤکدہ ادا کر رہا ہو اور فرض نماز کی جماعت کھڑی ہو جائے یا جمعہ سے پہلے کی چار سنتیں ادا کر رہا ہو اور امام خطبہ شروع کر دے تو کیا دو پر سلام پھیر دے یا چار پوری کرے؟

جواب: اس جگہ علماء کا بہت زیادہ اختلاف ہے اکثر نے ان سنن مؤکدہ کو نوافل کا درجہ دیا ہے اب اگر جماعت ظہر کھڑی ہوگئی یا امام نے خطبہ شروع کر دیا تو جو شخص سنن کی پہلی دو رکعات میں ہے وہ دو رکعت پر سلام کہہ دے۔ (پھر امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے اس کے کثیر حوالہ جات ارشاد فرمائے اور اس قول کی قوت کو بیان فرمایا)۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ان دونوں سنتوں (قبل از ظہر و جمعہ) کی چار چار رکعت پوری کرلے اگر چہ خطبہ جمعہ یا ظہر کی جماعت کھڑی ہو جائے کیونکہ یہ تمام نماز واحد کی طرح ہیں یہی وجہ ہے کہ پہلے قعدہ میں درود اور تیسری رکعت میں ثنا اور تعوذ نہیں پڑھا جاتا۔ (پھر امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے اس قول کے بھی کے کثیر حوالہ جات ارشاد فرمائے اور اس کی قوت کو بھی بیان فرما کر آخر میں ارشاد فرماتے ہیں:) غرضیکہ یہ مسئلہ اس قبیل سے ہے کہ اس کے دونوں اقوال میں سے جس پر انسان چاہے عمل کرے تو کوئی اعتراض نہیں ہے اور میں خود دوسرے قول کی طرف اپنے آپ کو مائل پاتا ہوں۔ (ص130)

سوال: اس مسئلہ میں کیا حکم ہے کہ بکر وضو نماز فجر کا کر کے ایسے وقت میں آیا کہ امام قعدۂ اخیرہ میں ہے، جو سنت پڑھتا ہے تو جماعت جاتی ہے اور جماعت میں ملتا ہے تو سنتیں فوت ہوتی ہے، اس صورت میں سنتیں پڑھے یا قعدہ میں مل جائے؟

جواب: اس صورت میں بالاتفاق جماعت میں شریک ہو جائے کہ جماعت میں ملنا سنتیں پڑھنے سے اہم وآکد ہے، جب یہ جانے کہ سنتیں پڑھوں گا تو جماعت ہو چکے گی بالاتفاق جماعت میں مل جانے کا حکم ہے اگر چہ ابھی امام رکعت ثانیہ کے شروع میں ہو، قعدہ تو ختم نماز ہے اس میں کیونکہ امید ہو سکتی ہے کہ امام کے سلام سے پہلے یہ سنتیں پڑھ کر جماعت میں مل سکے گا۔ (ص136)

سوال: ایک شخص فرض تنہا پڑھ چکا تھا اب مسجد میں جماعت قائم ہوئی اور یہ اس وقت مسجد میں موجود ہے تو اب اسے

کیا حکم ہے؟

جواب: ظہر وعشاء میں ضرور شریک ہو جائے کہ اگر تکبیر سن کر باہر چلا گیا یا وہیں بیٹھا رہا تو دونوں صورت میں مبتلائے کراہت وتہمتِ ترکِ جماعت ہوا اور فجر وعصر ومغرب میں شریک نہ ہو کہ قولِ جمہور پر تین رکعت نفل نہیں ہوتے اور چوتھی ملائے گا تو بسبب مخالفت امام کراہت لازم آئے گی اور فجر وعصر کے بعد تو نوافل مکروہ ہی ہیں اور ویسے بیٹھا رہے گا تو کراہت اور اشد ہوگی لہٰذا ان نمازوں میں ضرور ہوا کہ باہر چلا جائے۔ (ص137)

جماعت کھڑی ہو تو فجر کی سنتیں ادا کرنے کا طریقہ

سوال: اگر فرض جماعت سے ہوتے ہوں تو سنتِ فجر پڑھے یا نہیں؟ ایک شخص کہتا ہے کہ اگر فرض نماز کی دوسری رکعت کا رکوع بھی مل جانے کا یقین ہو تو سنتیں پڑھ لے ورنہ سورج نکلنے پر ادا کرے، دوسرا شخص کہتا ہے کہ قعدۂ اخیرہ کی شرکت بھی کافی ہے سنت کو پہلے پڑھے، تیسرا شخص کہتا ہے کہ جس وقت تکبیر اولیٰ فرضوں کی ہو ترکِ سنت کرے فرضوں میں فوراً شریک ہو جائے۔ ان میں سے کس کا قول صحیح ہے؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ سنتیں چھوٹ جانے کی صورت میں کب ادا کرے گا؟

جواب: تیسرے شخص کا قول محض باطل ہے اور پہلے دو قول صحیح ہیں اور ان میں دوسرا اصح ہے اگر تشہد تک بھی جماعت میں ملنا دیکھے تو صبح کی سنتیں صف سے دور ادا کر کے شامل ہو جائے، اور جو یہ سمجھتا ہے کہ سنتیں پڑھنے میں جماعت بالکل فوت ہو جائے گی تو اس وقت نہ پڑھے اور جماعت میں شریک ہو جائے پھر بعدِ فرض نہیں پڑھ سکتا جب تک آفتاب بلند نہ ہو، اگر پڑھے گا گنہ گار ہوگا، ہاں بعدِ بلندی پڑھے تو مستحب ہے۔ (ص139)

فوت شدہ نمازوں کی قضاء کا بیان

فجر کی سنتیں اگر قضا ہو جائیں تو سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھنی چاہیے

سوال: ایک شخص نے فوت جماعت کے خوف سے سنتیں فجر کی ترک کیں اور جماعت میں شامل ہو گیا اب وہ ان سنتوں کو فرضوں کے بعد سورج نکلنے سے پیشتر پڑھے یا بعد؟

جواب: جبکہ فرض فجر پڑھ چکا تو سنتیں سورج بلند ہونے سے پہلے ہرگز نہ پڑھے، ہمارے سب ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اس پر اجماع ہے بلکہ پڑھے تو سورج بلند ہونے کے بعد دوپہر سے پہلے پڑھ لے، نہ اس کے بعد پڑھے نہ اس سے پہلے۔

اور یہ خیال کہ اس میں قصداً وقت قضا کر دینا ہے ناواقفی سے ناشی، یہ سنتیں جب فرضوں سے پہلے نہ پڑھی گئیں خود ہی قضاء ہو گئیں کہ ان کا وقت یہی تھا کہ فرضوں سے پیشتر پڑھی جائیں، اب اگر فرضوں کے بعد سورج نکلنے سے پیشتر پڑھے گا جب

بھی قضا ہی ہوں گی ادا ہرگز نہ ہوں گی۔۔۔لیکن طلوع سے پہلے قضا کرنے میں فرض فجر کے بعد نوافل کا پڑھنا ہے اور جائز نہیں، لہٰذا ہمارے اماموں نے اس سے منع فرمایا اور بعد طلوع وہ حرج نہ رہا لہٰذا اجازت دی۔ (ص141)

متعدد قضاء نمازیں ادا کرنے کے لئے نیت کا طریقہ

سوال : زید کی پہلے کسی عذر سے پندرہ دن کی نماز قضا ہوئی، اس نے ادا کرلی، پھر پانچ دن کی نماز قضا ہوئی، دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا ان نمازوں کے قضا کرنے میں اسے ترتیب کا لحاظ ضروری ہے یا نہیں؟

جواب : زید پر نہ ان پندرہ دن کی قضا میں ترتیب ضرور تھی نہ ان پانچ دن کی قضا میں ضرور ہے، اسے اختیار ہے ان میں جو نماز چاہے پہلے ادا کرے جو چاہے پیچھے، کہ قضا نمازیں جب پانچ فرضوں سے زائد ہو جاتی ہیں ترتیب ساقط ہو جاتی ہے یعنی باہم ان میں بھی ہر ایک کی تقدیم وتاخیر کا اختیار ہوتا ہے اور ان میں اور وقتی نماز میں بھی رعایتِ ترتیب کی حاجت نہیں رہتی پھر ان نمازوں کے حق میں ترتیب نہ باہمی نہ بلحاظِ وقتی کوئی کبھی عود نہیں کرتی اگرچہ ادا کرتے کرتے چھ سے کم رہ جائیں مثلاً اب اسی صورت میں زید پر پانچ دن کی پچیس نمازیں ہیں جب دو ہی رہ جائیں گی تو بھی اسے اختیار ہے کہ اس کی ادا سے پہلے وقتیہ نماز پڑھ لے۔

ہاں اصح مذہب پر اتنا لحاظ ضرور ہے کہ نماز نیت میں معین مشخص ہو جائے هوا لاحوط من تصحیحین (دونوں تصحیحوں میں احوط یہ ہے) مثلاً دس فجریں قضا ہیں تو یوں گول نیت نہ کرے کہ فجر کی نماز کہ اس پر ایک فجر تو نہیں جو اسی قدر بس ہو بلکہ تعیین کرے کہ فلاں تاریخ کی فجر، مگر یہ کیسے یاد رہتا ہے اور ہو بھی تو اس کا خیال حرج سے خالی نہیں لہٰذا اس کی سہل تدبیر یہ نیت ہے کہ پہلی فجر جس کی قضا مجھ پر ہے، جب ایک پڑھ چکے پھر یوں ہی پہلی فجر کی نیت کرے کہ ایک تو پڑھ لی اس کی قضا اس پر نہ رہی نو کی ہے اب ان میں کی پہلی نیت میں آئے گی، یونہی اخیر تک نیت کی جائے، اسی طرح باقی سب نمازوں میں کہے اور جس سے ترتیب ساقط ہو جیسے یہی دس یا چھ فجر کی قضا والا پہلی کی جگہ پچھلی بھی کہہ سکتا ہے نیچے سے اوپر کو ادا ہوتی چلی جائے گی۔ (ص142)

صاحبِ ترتیب کو وقتی نماز سے پہلے قضا کا ادا کرنا ضروری ہے

سوال : زید کہتا ہے کہ صبح کی نماز اگر ادا نہ کی ہو تو بوقت خطبہ کے جائز ہے، اور عمرو کہتا ہے بوقت خطبہ کے جائز نہیں۔ ان دونوں میں کون حق پر ہے؟

جواب : جو صاحبِ ترتیب نہیں اسے قضا نماز بھی خطبہ کے وقت ادا کرنی جائز نہیں کہ بعد کو بھی پڑھ سکتا ہے اور صاحبِ ترتیب کو وقتی نماز سے پہلے قضا کا ادا کرنا ضرور، ورنہ وقتی بھی نہ ہوگی، ایسے شخص نے اگر ابھی قضائے فجر ادا نہ کی اور خطبہ شروع ہو گیا تو اسے قضا پڑھنے سے ممانعت نہیں بلکہ ضرور ولازم ہے ورنہ جمعہ بھی نہ ہوگا، ہاں بلا عذر شرعی اتنی دیر لگائی کہ خاص خطبہ کے وقت پڑھنی پڑے اسے بھی جائز نہیں۔ (ص144)

سوال: کیا فجر کی سنتیں بیٹھ کر پڑھ سکتے ہیں؟

جواب: سنتِ فجر بلا مجبوری ومعذوری بیٹھ کرنہیں ہوسکتیں۔ (ص145)

سوال: فجر کی سنتیں قضا ہوجائیں تو کس وقت ادا کرے؟

جواب: اگر مع فرض قضا ہوئی ہوں تو ضحوہ کبریٰ آنے تک ان کی قضا ہے اس کے بعد نہیں، اور اگر فرض پڑھ لئے سنتیں رہ گئی ہیں تو بعد بلندی آفتاب ان کا پڑھ لینا مستحب ہے قبل طلوع روا نہیں۔ (ص145)

<u>عشاء کی سنتیں اگر فوت ہوجائیں تو ان کی قضا نہیں</u>

سوال: عشاء سے پہلے کی چار سنتیں رہ جائیں تو کیا فرضوں کے بعد ان کی قضا ہے؟

جواب: قول فیصل اس مسئلہ میں یہ ہے کہ یہ سنتیں اگر فوت ہوجائیں تو ان کی قضا نہیں۔۔۔لیکن اگر کوئی بعدِ دو سنتِ بعد یہ کے پڑھے تو کچھ ممانعت نہیں۔۔۔ہاں اس شخص سے وہ سنن مستحبہ ادا نہ ہوں گی جو عشا سے پہلے پڑھی جاتی تھیں بلکہ ایک نفل نماز مستحب ہوگی جیسے تراویح وسنت مغرب ودو سنت عشا کہ ان کی قضا نہیں، پھر اگر کوئی آج کی فوت شدہ تراویح کل پڑھے تو نفل ہوں گے نہ سنن وتراویح نہ شرعاً مکروہ وقبیح۔ (ص146)

<u>ظہر سے پہلے کی چار سنتیں رہ جائیں تو سنت بعد یہ کے بعد پڑھے</u>

سوال: ظہر سے پہلے کی چار سنتیں رہ جائیں تو کیا بعد میں پڑھی جائیں گی؟

جواب: ظہر کی پہلی چار سنتیں جو فرض سے پہلے نہ پڑھی ہوتو بعدِ فرض بلکہ مذہبِ ارجح پر بعدِ سنتِ بعد یہ کے پڑھیں بشرطیکہ ہنوز وقت ظہر باقی ہو۔ (ص148)

سوال: زید کہتا ہے کہ صبح کی سنتوں کی قضا طلوعِ شمس سے پہلے بہتر ہے اور دلیل کے طور پر ابوداؤد، ابن ماجہ اور ترمذی کی روایت پیش کرتا ہے کہ ایک شخص کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فجر کے فرضوں کے فوراً بعد سنتیں پڑھتے دیکھا تو خاموشی اختیار فرمائی اور عمرو کہتا ہے طلوعِ شمس کے بعد بہتر ہے۔حق کیا ہے؟

جواب: اگر صبح کی نماز اور سنتیں بسبب خوف جماعت خواہ کسی اور وجہ سے رہ گئیں تو ان کی قضا اگر کرے تو بعد بلندئ آفتاب پڑھے قبلِ طلوع نہ صرف خلاف اولیٰ بلکہ ناجائز وگناہ وممنوع ہے۔صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہما صحاح وسنن ومسانید میں امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے ((نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن الصلوٰۃ بعد الصبح حتی تطلع الشمس وبعد العصر حتی تغرب)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طلوع سحر کے بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کے بعد غروب آفتاب تک نماز سے منع کیا ہے۔

(صحیح البخاری، ج1، ص82، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

(مزید احادیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:) علماء فرماتے ہیں اس مضمون کی حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر ہیں ذکرہ المناوی فی التیسیر فی شرح الجامع الصغیر (اسے امام مناوی نے التیسیر فی شرح الجامع الصغیر میں ذکر کیا ہے)۔

(ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ والی روایت کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ حدیث ان احادیثِ جلیلہ صحیحہ کے مقابل لانے کے قابل نہیں۔

اوّلاً: اس کی سند منقطع ہے خود امام ترمذی نے بعد روایت حدیث فرمایا "اسناد ھذا الحدیث لیس بمتصل محمد بن ابراھیم التیمی لم یسمع من قیس" ترجمہ: اس حدیث کی سند متصل نہیں کیونکہ محمد بن ابراہیم التیمی نے حضرت قیس سے سماع نہیں کیا۔

(جامع الترمذی، ج1، ص57، امین کمپنی، کراچی)

ثانیاً: خود سعد بن سعید پر اس کی سند میں اختلاف کیا گیا، بعض نے صحابی کو ذکر ہی نہ کیا۔

ثالثاً: عامہ رواۃ نے اسے مرسلاً روایت کیا خود انھیں سعد کے دونوں بھائی عبدربہ بن سعید و یحییٰ بن سعید کہ دونوں سعد (بن سعید) سے اوثق واحفظ ہیں مرسلاً روایت کرتے۔ جامع ترمذی میں ہے "انما یروی ھذا الحدیث مرسلاً" (یہ حدیث مرسلاً مروی ہے)۔

(جامع الترمذی، ج1، ص57، امین کمپنی، دہلی)

رابعاً: مدار اس روایت کا سعد بن سعید پر ہے جامع ترمذی میں ہے "حدیث محمد بن ابرھیم لانعرفه مثل ھذا الامن حدیث سعد بن سعید" ترجمہ: ہم محمد بن ابرہیم سے مروی اس حدیث کو سعد بن سعید کے علاوہ کسی سے نہیں جانتے۔

(جامع الترمذی، ج1، ص57، امین کمپنی، دہلی)

اور سعد باوصف توثیق مقال سے خالی نہیں، ان کا حافظہ ناقص تھا، امام احمد نے انھیں ضعیف کہا، امام نسائی نے فرمایا قوی نہیں، امام ترمذی نے فرمایا "تکلموا فیه من قبل حفظه" یعنی ائمہ حدیث نے ان سعد میں انؓ کے حافظہ کی طرف سے کلام فرمایا۔

(تہذیب التہذیب، ج3، ص471، دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن، ہند)

لاجرم تقریب میں ہے "صدوق سیء الحفظ" آدمی سچے ہیں حافظہ برا ہے۔

(تقریب التہذیب، ج1، ص343، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ان وجوہ کی نظر سے یہ حدیث واحد خود ان احادیث صحیحہ کثیرہ کے مقابل نہ ہو سکتی خصوصاً اس حالت میں کہ وہ مثبتِ ممانعت (منع کو ثابت کر رہی) ہیں اور یہ ناقلِ اجازت (یہ حدیث اجازت کو نقل کر رہی ہے)، اور قاعدہ مسلمہ ہے کہ جب دلائل حلت و حرمت متعارض ہوں حرمت و ممانعت کو ترجیح دی جائے گی۔ (ص148 تا 153)

جمعہ کی سنتیں قبلیہ اگر رہ جائیں تو بعد فرضِ جمعہ ادا کر سکتے ہیں

سوال: سنن اربعہ جو بروز جمعہ قبل از خطبہ پڑھی جاتی ہیں اگر وہ کسی عذر سے ترک ہو جائیں تو بعد خطبہ اور فرضوں کے ان کی ادا ہے یا نہیں؟ اور اس میں نیت کیا کرے؟

جواب: ہے اور سنتوں ہی کی نیت کرے وہ سنت ہی واقع ہوں گی۔۔۔ہاں اگر وقت ظہر نکل گیا تو اب قضا نہیں۔ (ص153)

کسی مرد یا عورت نے پوری عمر نماز نہ پڑھی ہو تو ان کی نمازوں کا حساب کر کے ہر نماز کے بدلے ایک صدقہ فطر کی مقدار صدقہ کریں

سوال: ایک شخص جس نے عمر بھر نماز کبھی نہیں پڑھی اب یہ مر گیا تو اس کا اگر کوئی تدارک ہو سکے تو کیا ہے؟

جواب: اگر وقتِ بلوغ معلوم نہ ہو تو مرد کے لئے اس عمر سے بارہ برس اور عورت کے لئے برس کم کریں اور باقی تمام برسوں کے دن کر کے ہر دن کی نماز کے لئے (صدقۂ فطر کی مقدار گندم یا اس کی قیمت) ادا کریں، کل کے ادا کی طاقت نہ ہو تو جس قدر پر قدرت ہو محتاج کو دے کر قابض کر دیں محتاج اپنی طرف سے پھر ان کو ہبہ کر دے یہ قبضہ کر کے پھر کفارہ میں محتاج کو دیں وہ بعد قبضہ پھر ان کو ہبہ کر دے، یہ پھر قبضہ کر کے کفارہ میں دیں، یونہی دور کرتے رہیں یہاں تک کہ ادا ہو جائے۔

عورت کی عادت حیض اگر معلوم ہو تو اس قدر دن اور نہ معلوم ہو تو ہر مہینے سے تین دن نو برس کی عمر سے پچاس برس کی عمر تک مستثنٰی کریں مگر جتنی بار حمل رہا ہو مدتِ حمل کے مہینوں سے ایام حیض کا استثناء نہ کریں، عورت کی عادت در بارۂ نفاس اگر معلوم ہو تو ہر حمل کے بعد اتنے دن مستثنٰی کرے اور نہ معلوم ہو تو کچھ نہیں کہ نفاس کے لئے جانبِ اقل میں شرعاً کچھ تقدیر نہیں ممکن ہے کہ ایک ہی منٹ آ کر فوراً پاک ہو جائے۔ (ص154)

موجودہ زمانے میں جمعۃ الوداع کے موقع پر ادا کی جانے والی قضاءِ عمری کا طریقہ بدعتِ سیئہ ہے اور اس کا درست طریقہ

سوال: رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں عوام الناس امام کی اقتداء میں پانچ وقتی نماز قضاء عمری پڑھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے تمام عمر کی قضا نمازیں ادا ہو گئیں، یہ درست ہے یا ممنوع؟

جواب: فوت شدہ نمازوں کے کفارہ کے طور پر یہ جو طریقہ (قضائے عمری) ایجاد کر لیا گیا ہے یہ بدترین بدعت ہے اس بارے میں جو روایت ہے وہ موضوع (گھڑی ہوئی) ہے یہ عمل سخت ممنوع ہے، ایسی نیت و اعتقاد باطل و مردود، اس جہالت قبیحہ اور واضح گمراہی کے بطلان پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے، حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ((من نسی صلوٰۃ فلیصلها اذا ذکرها لا کفارۃ لها الا ذلك)) ترجمہ: جو شخص نماز بھول گیا تو جب اسے یاد آئے اسے ادا کر لے، اس کا کفارہ سوائے اس کی ادائیگی کے کچھ نہیں۔ (صحیح البخاری، ج1، ص84، قدیمی کتب خانہ، کراچی) (ص155)

سوال : آج کی عصر قضا کرنے والے کی اقتداء میں کل کی عصر قضا کرنے والا نماز ادا کرسکتا ہے؟ نیز کیا فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کی اقتداء کرسکتا ہے؟

جواب : آج کی عصر قضا کرنے والے کی اقتداء میں کل کی عصر قضا کرنے والا نماز ادا نہیں کرسکتا کیونکہ اقتداء کے لئے نماز کا ایک ہونا شرط ہے اور اسی طرح فرض پڑھنے والے کا نفل پڑھنے والے کی اقتداء کرنا ہرگز درست نہیں۔ (ص156)

<u>روزانہ کی قضا نمازوں کی تعداد اور انکے ادا کرنے میں تخفیف کا بیان</u>

سوال : جس پر قضا نمازیں زیادہ ہوں وہ ان کی نیت کیونکر کرے اور قضا میں کیا کیا نماز پھیری جاتی ہے اور جس کے ذمہ قضائیں بہت کثیر ہیں جن کی ادا سخت دشوار ہے تو آیا اس کے لئے کوئی تخفیف نکل سکتی ہے جس سے ادا میں آسانی ہو جائے کہ ادا میں جلدی منظور ہے کہ موت کا وقت معلوم نہیں۔

جواب : قضا ہر روز کی نماز کی فقط بیس رکعتوں کی ہوتی ہے دو فرض فجر کے، چار ظہر، چار عصر، تین مغرب، چار عشاء کے، تین وتر۔ اور قضا میں یوں نیت کرنی ضرور ہے کہ نیت کی میں نے پہلی فجر جو مجھ سے قضا ہوئی یا پہلی ظہر جو مجھ سے قضا ہوئی، اسی طرح ہمیشہ ہر نماز میں کیا کرے۔

اور جس پر قضا نماز میں بہت کثرت سے ہیں وہ آسانی کے لئے اگر یوں بھی ادا کرے تو جائز ہے کہ ہر رکوع اور ہر سجدہ میں تین تین بار سبحان ربی العظیم، سبحان ربی الاعلی کی جگہ صرف ایک بار کہے، مگر یہ ہمیشہ ہر طرح کی نماز میں یاد رکھنا چاہئے کہ جب آدمی رکوع میں پورا پہنچ جائے اس وقت سبحان کا سین شروع کرے اور جب عظیم کا میم ختم کرے اس وقت رکوع سے سر اٹھائے، اسی طرح جب سجدوں میں پورا پہنچ لے اس وقت تسبیح شروع کرے اور جب پوری تسبیح ختم کر لے اس وقت سجدہ سے سر اٹھائے۔ بہت سے لوگ جو رکوع سجدہ میں آتے جاتے یہ تسبیح پڑھتے ہیں بہت غلطی کرتے ہیں۔ ایک تخفیف کثرت قضا والوں کی یہ ہوسکتی ہے۔

دوسری تخفیف یہ کہ فرضوں کی تیسری اور چوتھی رکعت میں الحمد شریف کی جگہ سبحان اللہ، سبحان اللہ، سبحان اللہ تین بار کہہ کر رکوع میں چلے جائیں مگر وہی خیال یہاں بھی ضرور ہے کہ سیدھے کھڑے ہو کر سبحان اللہ شروع کریں اور سبحان اللہ پورے کھڑے کھڑے کہہ کر رکوع کے لئے سر جھکائیں، یہ تخفیف فقط فرضوں کی تیسری چوتھی رکعت میں ہے وتروں کی تینوں رکعتوں میں الحمد اور سورت دونوں ضرور پڑھی جائیں۔

تیسری تخفیف پچھلی التحیات کے بعد دونوں درودوں اور دعا کی جگہ صرف اللھم صل علی محمد و الہ کہہ کر سلام پھیر دیں۔

چوتھی تخفیف وتروں کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت کی جگہ اللہ اکبر کہہ کر فقط ایک یا تین بار رب اغفر لی کہے۔ (ص157)

سوال : جو عام نوافل نمازوں کے بعد پڑھے جاتے ہیں، وہ پڑھے جائیں یا ان کی جگہ قضائے عمری پڑھی جائے؟

جواب: خالی نفلوں کی جگہ بھی قضائے عمری پڑھے۔ (ص158)

سوال: کتاب "ترکیب الصلوٰۃ" میں لکھا ہے کہ ایک شخص تین بجے رات سے جاگتا رہا اور وقتِ نماز سو گیا اور آفتاب نکل آیا تو وہ فجر کی نماز پڑھے ثواب اس کو ادا کا ملے گا اور وقت میں قضا کا لفظ نہ کہے۔ کیا یہ درست ہے؟

جواب: اس نماز کے قضا ہو جانے میں شک نہیں کہ نماز کے لئے شرعاً اوقات معین ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ **ان الصلوٰۃ كانت على المومنين كتابا موقوتا** ﴾ ترجمہ: بیشک نماز مسلمانوں پر وقت باندھا ہوا فرض ہے۔ (پ5، سورۃ النساء، آیت 103)

اور قضا ہو جانے کے یہی معنی ہیں کہ شرعاً جو وقت مقرر فرمایا گیا تھا وہ جاتا رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((ان للصلوٰۃ اولا واخرا و ان اول وقت الفجر حين يطلع الفجروان اخروقتهاحين تطلع الشمس)) ترجمہ: بیشک ہر نماز کے لئے اول و آخر ہے اور بیشک نماز صبح کا اول وقت طلوع فجر کے وقت ہے اور اس کا آخر طلوع شمس پر ہے۔ (جامع الترمذی، ج1، ص22، امین کمپنی، دہلی)

وقت میں قضا کا لفظ کہنے کی تو کوئی حاجت اس میں بھی نہیں جبکہ جیتے جاگتے قصداً معاذ اللہ قضا کر دی ہو بلکہ ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ قضا بہ نیت ادا اور ادا بہ نیت قضا دونوں صحیح ہیں مگر اس سے ممانعت کی کوئی وجہ نہیں جبکہ وہ یقیناً قضا ہے تو قضا کہنے میں کیا مضائقہ رکھا ہے، رہا ادا کا ثواب ملنا یہ اللہ عزوجل کے اختیار میں ہے اگر وہ جانے گا کہ اس نے اپنی جانب سے کوئی تقصیر نہ کی صبح تک جاگنے کے قصد سے بیٹھا تھا اور بے اختیار آنکھ لگ گئی تو ضرور اس پر گناہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((**اما انه ليس في النوم تفريط انما التفريط على من لم يصل الصلوٰة حتى يجيء وقت الصلوٰة الاخرى**)) ترجمہ: سو جانے کی وجہ سے نماز رہ گئی تو گناہ نہیں لیکن جس شخص نے جان بوجھ کر نماز نہ پڑھی حتی کہ دوسری نماز کا وقت آ گیا تو یقیناً گنہگار ہوگا۔ (صحیح مسلم، ج1، ص239، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

اور جب اس کی جانب سے کوئی تقصیر نہیں تو امید یہی ہے کہ ثواب نماز کامل عطا ہو مگر اس سے وہ نماز قضا سے خارج نہ ہو جائے گی ثواب کا مدار نیت پر ہے، بے کئے ثواب محض نیت پر مل جاتا ہے۔ صحیح حدیث میں ارشاد ہے کہ جو نماز کے قصد پر چلا اور جماعت ہو چکی جماعت کا ثواب پائے گا لیکن اس سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ جماعت فوت نہ ہوئی وھذا ظاھر جدا (یہ بالکل واضح ہے)۔ (ص158 تا 162)

<u>کسی امر عام کی وجہ سے اگر جماعت بھر کی نماز قضا ہو گئی تو جماعت سے پڑھنا افضل ہے</u>

سوال: قضا نماز کی جماعت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ تنہا پڑھنا افضل ہے یا با جماعت؟ اور مسجد میں یا مکان پر؟ اگر جماعت ہو سکتی ہے تو صبح وعشاء و مغرب کی نماز آہستہ قرأت کرنی چاہئے یا با آواز؟

جواب: اگر کسی امرِ عام کی وجہ سے جماعت بھر کی نماز قضا ہو گئی تو جماعت سے پڑھیں، یہی افضل و مسنون ہے اور مسجد میں بھی پڑھ سکتے ہیں، اور جہری نمازوں میں امام پر جہر واجب ہے اگرچہ قضا ہو۔ اور اگر بوجہ خاص بعض اشخاص کی نماز جاتی

رہی تو گھر میں تنہا پڑھیں کہ معصیت کا اظہار بھی معصیت ہے۔ (ص162)

قضا نماز کس وقت پڑھی جائے

سوال: قضا نماز کس وقت پڑھی جائے؟ اور کیا ایک وقت کی نماز دوسرے وقت میں قضا کر سکتے ہیں؟

جواب: قضا حتی الامکان جلد ہو، تعیین وقت کچھ نہیں ایک وقت میں سب وقتوں کی پڑھ سکتا ہے۔ (ص162)

سوال: اگر کسی شخص کی بہت نمازیں قضا ہوگئی ہیں یا اس نے دیر سے نماز شروع کی تو اس کو کیا کرنا چاہئے کہ اس کی پچھلی نمازیں پوری ہوجائیں؟

جواب: ان نمازوں کی قضا کرے جس قدر روز پڑھ سکے اسی قدر بہتر ہے مثلاً دس دن کی روز پڑھے یا آٹھ کی یا سات کی اور چاہے ایک وقت میں پڑھے یا متفرق اوقات میں، اور ہر بار یوں نیت کرے کہ سب میں پہلی وہ نماز مجھ سے قضا ہوئی، جب ایک پڑھ لی پھر یوں نیت کرے یعنی اب جو باقیوں میں پہلی ہے، اخیر تک اتنی پڑھے کہ اب اس پر قضا باقی رہنے کا گمان نہ رہے، قضا ہر روز کی صرف بیس رکعت ہے۔ (ص163)

سوال: ایک شخص جس نے اپنی چالیس سال کی عمر تک باوجود مسلمان کہلانے کے نماز روزہ حج زکوٰۃ ادا نہ کی ہو یا کبھی کچھ کرلیا اور کبھی کچھ نہیں اور بعدازاں وہ تائب ہوا اور تجدید ایمان کی اور کسی اہل اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ اس شخص کو بھی ان عبادات کا اعادہ فرض ہوگا یا تجدید ایمان کی کافی ہوگی کیونکہ اسلام قبول کرنے سے پہلے تمام نقائص کو رفع کر دیتا ہے اور کسی کبائر وغیرہ کا بھی وہ جواب دہ نہیں رہتا۔

جواب: نماز روزہ و حج زکوٰۃ ادا نہ کرنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا جتنے دنوں ادا نہ کرے گا اس کی قضا اس پر فرض رہے گی کافر کا اسلام لانا اس کے اگلے کبائر کو محو کر دیتا ہے، مسلمان صرف تجدید اسلام سے اپنے گناہوں عہدہ برآ نہیں ہوسکتا جب تک توبہ نہ کرے، فرائض ترک کیے ہیں اس سے توبہ میں یہ بھی شرط ہے کہ ان کی قضا کرے صرف زبانی توبہ توبہ نہیں ہے۔ (ص163)

سوال: ایک شخص کی بہت ساری نماز قضا ہیں اور اس کی عمر ایسی مدت تک پہنچ گئی ہے کہ وہ سب قضا نمازیں کھڑے ہوکر ادا نہیں کرسکتا تو بیٹھ کر ادا کرنے سے ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

جواب: جب تک کھڑے ہونے کی طاقت ہے کھڑا ہونا فرض ہے اگرچہ لکڑی یا آدمی یا دیوار کے سہارے سے جتنی اس طور سے پڑھ سکے کھڑے ہوکر پڑھے، جب تک تھک جائے تھم جائے، اس طرح ادا میں اگر قصور کرے گا (یعنی اس طرح ادا کرنے کی وجہ سے اگر کم نمازوں کی ادائیگی ہوگی) اور موت آگئی تو امید ہے کہ مولیٰ تعالیٰ باقی نمازیں معاف فرمائے گا۔ (ص164)

فجر نہ پڑھی ہو تو کیا عید کی نماز ہوجائے گی

سوال: جس شخص نے نماز صبح نہ پڑھی ہو تو اس کی جمعہ اور عید کی نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

جواب: عید کی نماز تو مطلقاً ہو جائے گی اور جمعہ کی بھی اگر صاحب ترتیب نہ ہو یعنی اس کے ذمہ پانچ نمازوں سے زیادہ قضا جمع ہو گئی ہوں اگرچہ ادا کرتے کرتے اب کم باقی ہوں، اگر صاحب ترتیب ہے تو جب تک صبح کی نماز نہ پڑھ لے جمعہ نہ ہوگا، (ہاں) اگر صبح کی نماز اسے یاد ہے اور وقت اتنا تنگ ہو گیا کہ صبح کی نماز پڑھے تو ظہر کا وقت ہی نکل جائے (تو فجر چھوڑ کر جمعہ پڑھے گا) اور یہ جمعہ میں ہونا متوقع نہیں۔ (ص164)

نمازوں کے فدیہ میں مصحف شریف دینا

سوال: زید نے انتقال کیا اس پر نمازیں اور روزوں کی قضا واجب تھی، اس کے وارثوں نے قرض لے کر اس کی جانب سے ایک قرآن شریف ہدیہ مسکین کو دے دیا اس صورت میں نماز اور روزوں کا کفارہ ذمہ زید سے ساقط ہوا یا نہیں۔

جواب: بازار کے بھاؤ سے وہ نسخہ مصحف شریف جس قیمت کا تھا بقدر اس کے کفارہ ادا ہونے کی امید ہے مثلاً دو روپیہ ہدیہ کا تھا تو دو روپے کے گیہوں (گندم) جتنے کفارے کو کافی ہوں وہی ادا ہو سکتا ہے، باقی نماز روزے زید کے ذمے بدستور رہے، قرآن مجید بیشک بے بہا ہے اس کے ایک کلمے ایک حرف کی برابر ساتوں آسماں و زمین اور جو کچھ ان میں ہے برابر نہیں ہو سکتے، مگر ان امور میں اعتبار مالیت کا ہے، قرآن عظیم مال نہیں۔ ہاں یہ کاغذ و جلد جو متضمن نقوش ہیں یہ مال انھیں کی قیمت ملحوظ ہوگی وبس، ورنہ یوں تو جس پر دس کروڑ روپے کسی کے قرض آتے ہوں ایک کلمہ اللہ پرچہ پر لکھ کر دے دے اور دین سے ادا ہو کر بے شمار اس کا اس پر فاضل رہے و ھذا کلہ ظاھر جدا (اور یہ سارا اچھی طرح واضح ہے)۔ (ص164)

نمازوں اور روزوں کا فدیہ سادات کو نہیں دے سکتے

سوال: نمازوں اور روزوں کا فدیہ سادات کو دے سکتے ہیں؟ یہ فدیہ اہل ہنود کو دینا کیسا ہے؟

جواب: یہ صدقہ حضرات سادات کرام کے لائق نہیں اور ہنود وغیرہم کفار ہند اس صدقے کے لائق نہیں ان دونوں کو دینے کی اصلاً اجازت نہیں، نہ ان کے دیے ادا ہوں۔ (ص166)

سوال: یہ فدیہ اپنے رشتہ داروں کو دینا افضل ہے یا دوسرے شہر میں موجود دینی طلبہ کو بھیجوانا افضل ہے؟

جواب: مسلمین مساکین ذوالقربی غیر ہاشمین کو دینا دونا اجر ہے، مدرسہ دینیہ کے طلبہ علم دین کے صحیح العقیدہ کو بھیجنے کی اجازت ہے اگرچہ وہ دوسرے شہر میں ہوں حتی کہ زکوۃ بھی۔۔۔ اقارب و جیران (رشتہ اور پڑوسی) اور دور کے طلبہ علم دونوں میں ایک ایک وجہ اولیت کی ہے جو اسے انفع معلوم ہو اس پر عمل کرے۔ (ص166)

فدیہ کے بارے میں چند مسائل

سوال: فدیہ میں اناج دے یا اس کی قیمت؟

جواب: چاہے اناج دے یا اس کی قیمت۔ (ص166)

سوال: کیا ایک فقیر کو زیادہ روزوں اور نمازوں کا فدیہ دے سکتے ہیں؟

جواب: ایک فقیر کو متعدد نمازوں روزوں کا فدیہ دے سکتا ہے جب تک وہ اس کے دینے سے مالک نصاب نہ ہو جائے، ہاں مدیون ہو تو بقدر دین ہزار نصابوں کی مقدار ایک کو دے سکتا ہے۔ (ص166)

سوال: کیا ایک فقیر کو ایک کفارہ سے کم دے سکتے ہیں؟

جواب: کسی فقیر کو ایک کفارہ کی مقدار سے کم نہ دے بلکہ پوری مقدار یا مقادیر یا اس کی یا ان کی پوری قیمت ہو احتیاط اس میں ہے خروجا عن الخلاف (اختلاف سے بچنے کے لئے)۔ (ص166)

__فتاوی سمرقندیہ کی طرف منسوب ایک عبارت کے بارے میں سوال__

سوال: کیا یہ عبارت فتاوی سمرقندیہ میں ہے "لما صنف الامام الربانی محمد بن حسن الشیبانی فی کتاب الحیل فی کل باب انکر علیہ علماء البغداد بلغوا تلك القصة الی خلیفة البغداد فقال الخلیفة ارسل الی ذلك فان کان موافقا للاصول فبها والا فنخرقه فقال ان العلماء احساد واوانکروا حسدا فجاء الامام بذلك الکتاب الی الخلیفة فنظر فیه فتعجبَ فطلب العلماء وقال انظروا فیه بدقة النظر من غیر حسد فلما رأوه قالوا فقد احسن محمد ضاعف اللّٰہ اجرہ الی الابد ثم سئل الخلیفة عن الامام ای اصل اخرجت تلك المسائل قال اخرجت من قصة ایوب ویوسف وسنة حیلة الرباء والحد فقال الخلیفة للعلماء من انکر الحیلة فقد انکر القراٰن والحدیث واجماع العلماء فالتعزیز واجب علیه فلما حول ورقة وقع النظر علی حیلة الاسقاط فقال الامام اسھل طریقته ان یبیع الوارث علی الفقیر مصحفا قابل القراءة ثم یھب الفقیر للوارث ثم فثم حتی یتم لعل اللّٰہ یجعل فدیة الصوم والصلوٰة والزکوٰة وغیرھا فقال العلماء قلت قولا حسنا بارك اللّٰہ فی عمرك فاکتب فی کتابك فکتب الامام تلك الحیلة فی کتابه فشاع فی زمان الخلیفة (الدرالبرر للامام الغزالی) قال الشارح السمرقندی حدثنا عباس بن سفیان عن ابن عتبه عن ابن عوف عن محمد عن عبداللّٰہ قال قال عمر ایھا المؤمنون اجعلوا القراٰن وسیلة لنجاة الموتی فتحلقوا وقولوا اللھم اغفر لھذا المیت بعزة القراٰن وتناولوا بایدیکم وفعل عمر فی اخر خلافته فی وفاة امرأة ملقبة الحبیبة بنت عربد زوجة ملاب لجزء من القراٰن فمالوا الی عمر ولم یشتھر فی خلافة عثمان ثم اشتھر فی خلافة ھارون الرشید من غیر انکار دوران القراٰن بحیلة الاسقاط فاصله ثابت عن عمر وھذا وان لم یذکر فی کتب المشھورة من الاحادیث ولکنه مشھور فی

بعض الکتب من التواریخ بسند قوی کما قال المورخ اللهب صاحب الفتوح اخبرنا ابو عاصم عن ابن جریج عن ابن شهاب عن ابن سلمة عن ابن موسٰی قال فعل عمر دوران القرآن لجزء منه بحلقة عشرین رجلا بعد صلوٰة الجنازہ لامرأة ملقبه بحبیبة بنت عربد زوجة ملاب لرجل من الانصار ما حفظنا اسمه فانکار مطلقة الحیلة کفر وعن حیلة الاسقاط فسق لانه ثبت عن عمر، اخبرنا سعید بن ایوب عن جمیع عن عبداللہ بن ابی بکر انه اوجد عمر بدور القرآن بعد صلوٰة الجنازہ انتهی فتاوی سمر قندی من عتبه ''ترجمہ: جب امام ربانی محمد بن حسن الشیبانی نے ہر معاملہ کے بارے میں کتاب الحیل لکھی تو اس پر علماءِ بغداد نے اعتراض کیا یہ بات خلیفہ بغداد کو پہنچی تو اس نے کہا وہ کتاب مجھے لا کر دو اگر اس کی عبارات اصول کے موافق ہیں تو ٹھیک ورنہ ہم اسے جلا دیں گے اور علماء نے اعتراض حسداً کیا تھا، امام نے کتاب خلیفہ وقت کو دی اس نے جب اسے پڑھا تو بہت متعجب ہوا، علماء کو طلب کیا اور کہا حسد سے بالاتر ہو کر دقّتِ نظر سے اس کا مطالعہ کرو، جب انھوں نے اس کتاب کو پڑھا تو سب کہنے لگے کہ امام محمد نے بہت خوب کام کیا ہے اللہ تعالیٰ تا قیامت ان کو اجر عطا فرمائے، پھر خلیفہ نے امام سے پوچھا ان مسائل کا استنباط کرتے وقت کونسی اصل آپ کے پیش نظر تھی، تو انہوں نے فرمایا میں نے حضرت ایوب اور حضرت یوسف علیہما السلام کے واقعات اور حیلہ ربا کی سنت اور حد سے انہیں مستنبط کیا ہے۔ خلیفہ نے علماء سے کہا جو شخص حیلہ کا انکار کرتا ہے اس نے تو قرآن، حدیث اور اجماع کا انکار کیا تو اس پر تعزیر لازم ہے۔ جب خلیفہ نے کتاب کا ایک ورق اٹھایا تو اس کی نظر حیلہ اسقاط پر پڑی، تو امام نے کہا کہ حیلہ کا آسان طریقہ یہ ہے کہ وارث محتاج کو قابل قرأت قرآن بیچ دے پھر وہ فقیر اس وارث کو ہبہ کر دے، پھر اسی طرح مسلسل کیا جائے حتی کہ پورا ہو جائے شایدہ اللہ تعالیٰ اسے روزہ، نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کا فدیہ بنا دے۔ علماء نے کہا کہ آپ نے بہت خوب بات فرمائی ہے اللہ تعالیٰ تمھاری عمر میں برکت دے پس اسے اپنی کتاب میں تحریر فرما دو اور یہ طریقہ خلیفہ کے دور میں مروج رہا الدر البر رلا امام غزالی۔ شارح سمرقندی نے فرمایا، ہمیں عباس بن سفیان نے ابن عتبہ سے انہوں نے ابن عوف سے انہوں نے محمد انہوں نے عبداللہ بن عمر سے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے اہل ایمان! قرآن کو مردوں کی نجات کے لئے وسیلہ بناؤ اور حلقہ بنا کر یوں عرض کرو! اے اللہ! اس میت کو عزّت قرآن کی برکت سے بخش دے اور اسے ایک دوسرے کے ہاتھ میں دو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کے آخری دور میں حبیبہ بنت عربد زوجہ ملاب کی وفات کے موقعہ پر قرآن کے ایک حصہ سے ایسا کیا، لیکن یہ عمل خلافت عثمان میں مشہور نہ ہوا پھر ہارون الرشید کے زمانہ میں قرآن کا دور حیلہ اسقاط کے لئے بغیر کسی اعتراض کے مشہور ہوا تو اس حیلہ کی اصل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت اور یہ بات اگرچہ مشہور کتب احادیث میں نہیں لیکن کتب تاریخ میں سند قوی کے ساتھ مشہور ہے جیسا کہ عظیم مورّخ صاحب الفتوح نے بیان کیا کہ ہمیں ابو عاصم نے ابن جریج سے انہوں نے ابن شہاب، انہوں نے ابن سلمہ، انہوں نے ابن موسٰی سے بتایا کہ حضرت عمر نے بیس آدمیوں کے حلقہ میں قران کے ایک جز کو لیا دیا اور یہ اس خاتون کے جنازہ کے بعد کیا جو ملاب

انصاری کی بیوی اور حبیبہ بنت عربد کے لقب سے مشہور تھی اس کا نام محفوظ نہیں، تو مطلقاً حیلہ کا انکار کفر اور حیلہ اسقاط کا انکار فسق ہے کیونکہ یہ حضرت عمر سے ثابت ہے، ہمیں سعید نے ایوب سے انہوں نے جمیع سے انہوں نے عبداللہ بن ابی بکر سے بتایا کہ نماز جنازہ کے بعد قرآن کا دور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایجاد کیا انتہی، فتاوی سمرقندی میں عتبہ کے حوالے سے منقول ہے۔

جواب: امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے سوا اور حضرات سے جو کچھ روایات بے سروپا اس عبارت میں مذکور ہیں سب باطل وافتراء ہیں، نہ یہ عبارت فتاوی سمرقندیہ میں ہے، اس پر بھی افترا ہے، اور بے چارہ افتراء کرنے والا عربی عبارت بھی باقاعدہ نہ بناسکا اپنی ٹوٹی پھوٹی جاہلانہ خرافات کو صحابہ وائمہ کی طرف منسوب کیا۔ (ص175)

<u>حیلۂ اسقاط میں دور کرنا</u>

سوال: حیلۂ اسقاط کے لئے دور کرنا (یعنی بار بار فقیر کو دینا اور پھر فقیر کا لوٹانا) کہاں موجود ہے؟

جواب: مسئلہ دور عامہ کتب متداولہ مذہب میں مصرح ہے خود مصحف شریف سے ہو یا کسی مال سے۔ (ص175)

سوال: کیا مصحف شریف (قرآن پاک) حیلۂ اسقاط میں دینے سے میت کی ساری نمازوں اور روزوں کا فدیہ ادا ہو جاتا ہے؟

جواب: ہر بار کے دینے میں اتنا ہی مجرا ہوگا کہ بازاری نرخ سے وہ مصحف شریف جتنے ہدیہ کا ہے یہ جاہلانہ خیال کہ یہ تو بے بہا ہے ایک ہی دفعہ میں اگلے پچھلے بلکہ سات پشت کے سب کفارے ادا ہو جائیں گے محض جاہلانہ خیال باطل ہے۔ (ص175)

<u>نمازوں کے فدیہ پر نص مجتہد موجود ہے</u>

سوال: زید کہتا ہے کہ نماز کے فدیہ دینے پر نص شارع موجود نہیں۔

جواب: فدیہ صلوٰۃ پر اگر چہ نصِ شارع علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نہ آیا نص مجتہد مذہب ہے و کفی بہ حجۃ (یہ دلیل کے لئے کافی ہے)۔ (ص175)

سجدہ سہو کا بیان

<u>نماز میں ایک رکن یعنی تین بار سبحان اللہ کہنے کی مقدار خاموش رہنے سے سجدہ سہو لازم ہو جائے گا</u>

سوال: ایک شخص الحمد شریف پڑھ کر سوچتا رہا کہ کون سی سورت پڑھوں اور اس میں کچھ دیر لگ گئی تو کیا حکم ہے؟

جواب: اگر بقدر ادائے رکن ای مع سنتہ کما فی الغنیۃ (یعنی سنت کے مطابق جیسے غنیہ میں ہے) یعنی مثلاً جتنی دیر میں تین بار سبحان اللہ کہہ لیتا اتنے وقت تک سوچتا رہا تو سجدہ سہو لازم ہے ورنہ نہیں۔ (ص177)

سوال: امام جمعہ کی نماز میں دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد ﴿واذکر فی الکتٰب موسیٰ﴾ سے ﴿ووھبنا لہ

5/5

﴿ تک کہ تین آیات پڑھ کر رک ہوگیا، کسی قدر تامل کر کے پھر دوبارہ ﴿ واذکر ﴾ سے ﴿ووھبنالہ﴾ تک پڑھا پھر سہ بارہ یہی تک پڑھ کر کچھ تامل کیا جب آگے نہ چلا رکوع کر دیا، اس صورت میں امام پر سجدہ سہو آیا یا نہیں؟ اگر آیا اور نہ کیا تو کیا حکم ہے؟

جواب: اگر ایک بار بھی بقدر ادائے رکن مع سنت یعنی تین بار سبحان اللہ کہنے کی مقدار تک تامل کیا سجدہ سہو واجب ہوا۔ اگر نہ کیا نماز مکروہ تحریمی ہوئی جس کا اعادہ واجب۔ اصل حکم یہ ہے مگر علماء نے جمعہ وعیدین میں جبکہ جمع عظیم کے ساتھ ادا کئے جائیں، بخوف فتنہ سجدہ سہو کا ترک اولیٰ رکھا ہے۔

بس جہاں جمعہ بھی جماعت عظیم سے نہ ہوتا ہو بلا شبہ سجدہ کرے، اگر نہ کیا اعادہ کرے، اگر وقت نکل گیا ظہر پڑھ لیں۔ (ص178)

سوال: زید نماز جمعہ رکعت اول میں بقدرِ ما یجوز بہ الصلوٰۃ کے پڑھ کر ایک منٹ سے زیادہ ساکت رہا اور بعد تمام کرنے نماز کے سجدہ بھی نہ کیا جب لوگوں نے کہا تم نے سجدہ سہو نہیں کیا تو جواب دیا کہ مسئلہ اسی طرح ہے جیسا کہ میں نے کیا، آیا یہ قولِ زید صحیح ہے یا غلط؟ اور وہ نماز کامل ہوئی یا ناقص؟

جواب: ایک منٹ تو بہت ہوتا ہے اگر بقدر تین تسبیح کے بھی ساکت رہا تو سجدہ سہو لازم ہے، اصل حکم یہی ہے، ردالمحتار میں خاص اس کی تصریح ہے مگر نماز جمعہ میں جبکہ ہجوم نمازیاں کثیر ہو سجدہ سہو ساقط کر دیا گیا ہے، پس اس نماز میں ہجوم کثیر تھا زید نے سجدہ سہو کا ترک بجا (درست) کیا اور اگر تھوڑے آدمی تھے تو بے جا اور سخت بے جا، اور وہ ناقص نماز ہوئی (نماز کا وقت کیونکہ گذر چکا ہے لہذا) ظہر کا اعادہ کریں۔ (ص179)

سوال: دو رکعت تراویح کی نیت کی قعدۂ اولیٰ بھول گیا تین رکعت پڑھ کر بیٹھا اور سجدہ کیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟ اور ان رکعتوں میں جو قرآن شریف پڑھا اس کا اعادہ ہوا یا نہیں؟ اور چار پڑھ لیں تو یہ چاروں تراویح ہوئیں یا نہیں؟

جواب: صورت اولیٰ میں مذہبِ اصح پر نماز نہ ہوئی، اور قرآن عظیم جس قدر اس میں پڑھا گیا اعادہ کیا جائے۔ اور چار پڑھ لیں اور قعدۂ اولیٰ نہ کیا تو مذہب مفتی بہ پر یہ چاروں دو ہی رکعت کے قائم مقام گنی جائیں گی باقی اور پڑھ لے۔ اور دونوں قعدے کئے تو قطعاً چاروں رکعتیں ہوگئیں۔ (ص180)

امام پر سجدہ سہو واجب ہوا اور وہ نہ کرے تو مقتدی کو جب پتہ چلے نماز دہرا لے

سوال: اگر امام پر سہو ہوا اور سجدہ نہ کرے تو مقتدیوں کی نماز صحیح اور ان پر سے سجدہ سہو ساقط ہو جائیگا یا نہیں؟

جواب: بیشک۔۔۔ ہاں نقص باقی رہ جائے گا، اور اگر امام کی غلطی پر مطلع ہو جائے تو کمی کے ازالے کی خاطر نماز لوٹا لی جائے۔ (ص180)

سوال: ایک شخص نماز فرض یا وتر میں پہلا قعدہ بھول کر کھڑا ہو گیا یا کھڑا ہونے لگا اور یاد آگیا تو اس صورت میں کیا حکم ہے لوٹ آئے یا نہ لوٹے؟

جواب: اگر ابھی قعود (بیٹھنے) سے قریب ہے کہ نیچے کا آدھا بدن ہنوز سیدھا نہ ہونے پایا جب تو بالاتفاق لوٹ آئے اور مذہبِ اصح میں اس پر سجدۂ سہو نہیں اور اگر قیام سے قریب ہو گیا یعنی بدن کا نصف زیریں (نیچے والا) سیدھا اور پیٹھ میں خم باقی ہے تو بھی مذہبِ اصح وارجح میں پلٹ آنے ہی کا حکم ہے مگر اب اس پر سجدہ سہو واجب، اور اگر سیدھا کھڑا ہو گیا تو پلٹنے کا اصلاً حکم نہیں بلکہ ختمِ نماز پر سجدہ سہو کرلے پھر بھی اگر پلٹ آیا بہت برا کیا گناہگار ہوا، یہاں تک کہ حکم ہے کہ فوراً کھڑا ہو جائے، اور امام ایسا کرے تو مقتدی اس کی پیروی نہ کریں کھڑے رہیں یہاں تک کہ وہ پھر قیام میں آئے، مگر مذہب اصح میں نماز یوں بھی نہ جائے گی صرف سجدہ سہو لازم رہے گا۔ (ص181)

<u>اگر بھول کر قعدہ اخیرہ کے بعد کھڑا ہو جائے اور سجدہ کرنے سے پہلے یاد آجائے تو فوراً سجدہ سہو کرے تشہد پڑھنے کی حاجت نہیں</u>

سوال: قعدۂ اخیرہ کے بعد گمان ہوا کہ یہ قعدۂ اولیٰ تھا کھڑا ہو گیا اور قبل سجدہ کے یاد آ گیا تو اب عود کر کے دوبارہ التحیات پڑھ کر سجدہ سہو میں جائے یا ویسے سجدہ کو چلا جائے؟

جواب: عود کر کے (لوٹ کر) بیٹھنا چاہیئے اور معاً سجدۂ سہو میں چلا جائے دوبارہ التحیات نہ پڑھے۔ (ص183)

سوال: امام پر سجدۂ سہو نہیں تھا اس نے بھول کر سجدہ سہو کر لیا تو اس صورت میں نماز امام ومقتدین اور بعد سجدہ سہو کے جو مقتدی ملے ان سب کی نماز کیسی ہوگی؟

جواب: امام ومقتدیانِ سابق کی نماز ہو گئی جو مقتدی اس سجدہ سہو میں جانے کے بعد ملے ان کی نماز نہیں ہوئی کہ جب واقع میں سہو نہ تھا دہنا سلام کہ امام نے پھیرا ختمِ نماز کا موجب (سبب) ہوا، یہ سجدہ بلا سبب لغو تھا تو اس سے تحریمہ نماز کی طرف عود نہ ہوا اور مقتدیان مابعد کو کسی جزء امام میں شرکت امام نہ ملی لہٰذا ان کی نماز نہ ہوئی ولہٰذا اگر سجدہ سہو میں مسبوق اتباع امام کے بعد کو معلوم ہو کہ یہ سجدہ بے سبب تھا اس کی نماز فاسد ہو جائے گی کہ ظاہر ہوا کہ محلِ انفراد میں اقتدا کیا تھا، ہاں اگر معلوم نہ ہوا تو اس کیلئے حکم فساد نہیں کہ وہ حال امام کو صلاح وصواب پر حمل کرنا ہی چاہیئے۔ (ص185)

<u>مسبوق اگر امام کے ساتھ جان بوجھ کر سلام پھیر دے تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی</u>

سوال: مسبوق (جس کی کوئی رکعت رہ گئی ہو) امام کے ساتھ سجدۂ سہو کرنے کے لئے سلام پھیرے گا یا بغیر پھیرے ہی سجدۂ سہو کرے گا؟ زید کہتا ہے کہ سلام پھیرنا اس کو منع ہے۔

جواب: فی الواقع مسبوق سلام سے مطلقاً ممنوع وعاجز ہے جب تک فوت شدہ رکعات ادا نہ کرلے امام سجدۂ سہو سے قبل یا بعد سلام پھیرتا ہے اس میں اگر قصداً اس نے شرکت کی تو اس کی نماز جاتی رہے گی کہ یہ سلام عمدی اس کے خلال نماز میں واقع ہوا، ہاں اگر سہواً پھیرا تو نماز نہ جائے گی۔ (ص187)

سوال: چار رکعت نماز میں درمیانی قعدے میں تشہد کے بعد سہو ہے اللھم صل کہاں تک پڑھے کہ سجدہ سہو واجب ہو جائے۔

جواب: اللھم صل علی محمد وبہ یفتی(اللھم صل علی محمد اور اس پر ہی فتوی ہے)۔ (ص191)

سوال: جس شخص کی دو رکعتیں باقی ہوں، اس کو امام کے ساتھ سجدۂ سہو کا سلام پھیرنا کیسا ہے؟

جواب: جائز نہیں، اور اگر قصداً پھیرے گا تو نماز جاتی رہے گی۔ (ص191)

سوال: قعدہ اولیٰ میں شک ہوا مگر یقین نہیں اور سجدہ سہو کا کیا، اب نماز جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے۔ (ص192)

سوال: امام نے جہری نماز میں بعد الحمد قبل سورۃ اتنی دیر سکوت کیا کہ چھوٹی سورت پڑھ لیتا، اس صورت میں کیا حکم ہے؟

جواب: الحمد شریف کے بعد امام نے سانس لیا اور آمین کہی اور شروع سورت کے لئے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی اور بسم اللہ کو خوب ترتیل سے ادا کیا تو اس قدر میں ایک سورت چھوٹی پڑھنے کی ضرور دیر ہو جائے گی مگر اس میں حرج نہیں بلکہ یہ سب باتیں مطابق سنت ہیں، ہاں اگر ان کے علاوہ محض سکوت اتنی دیر کیا کہ تین بار سبحان اللہ کہہ لیتا تو یہ سکوت اگر بربنائے تفکر تھا کہ سوچتا رہا کہ کیا پڑھوں، تو سجدہ سہو واجب ہے اگر نہ کیا تو اعادہ نماز کا واجب ہے، اور اگر وہ سکوت عمداً بلا وجہ تھا جب بھی اعادہ واجب۔ (ص192)

سوال: ایک شخص نماز فرض پڑھتا ہے اور اس نے سہواً پچھلی دو رکعت میں بھی بعد الحمد کے ایک ایک سورت پڑھی، اب اس کی نماز فرض ہوئی یا سنت؟ نیز اس پر سجدۂ سہو لازم ہے یا نہیں؟

جواب: فرض ہوئی اور نماز میں کچھ خلل نہ آیا، نہ اس پر سجدہ سہو تھا بلکہ اگر قصداً بھی فرض کی پچھلی رکعتوں میں سورت ملائی تو کچھ مضائقہ نہیں صرف خلاف اولیٰ ہے، بلکہ بعض ائمہ نے اس کے مستحب ہونے کی تصریح فرمائی۔ فقیر کے نزدیک ظاہراً یہ استحباب تنہا پڑھنے والے کے حق میں ہے امام کے لئے ضرور مکروہ ہے بلکہ مقتدیوں پر گراں گذرے تو حرام۔ (ص192)

سوال: سہو کے سجدے ایک طرف سلام پھیر کر کرنے چاہئیں یا دونوں طرف پھیرنے کے بعد؟

جواب: ایک سلام کے بعد چاہئے، دوسرا سلام پھیرنا منع ہے، یہاں تک کہ اگر دونوں قصداً پھیر دے گا سجدہ سہو نہ ہو سکے گا اور نماز پھیرنا واجب رہے گا۔ (ص196)

<u>جو سورت ملانا بھول گیا اگر اسے رکوع میں یاد آیا تو فوراً کھڑے ہو کر سورت پڑھے پھر رکوع دوبارہ کرے اور نماز مکمل کر لے</u>

سوال: نمازی کسی رکعت میں صرف الحمد پڑھے اور سہواً سورت نہ ملائے اور پھر سہو کا سجدہ کرے تو نماز ہو جائیگی یا نہیں؟

جواب: جو سورت ملانا بھول گیا اگر اسے رکوع میں یاد آیا تو فوراً کھڑے ہو کر سورت پڑھے پھر رکوع دوبارہ کرے پھر نماز تمام کرے اور اگر رکوع کے بعد سجدہ میں یاد آیا تو صرف اخیر میں سجدہ سہو کر لے نماز ہو جائے گی اور پھیرنی نہ ہوگی۔ (ص196)

سوال: اگر امام پر سہو واجب ہو تو امام کے ساتھ لاحق کو سجدہ کرنا چاہئے یا نہیں؟

جواب: امام کے سہو سے لاحق پر بھی سجدہ سہو واجب ہوتا ہے مگر امام کے ساتھ نہ کرے بلکہ نماز پوری کر کے۔ ہاں اگر سلام امام سے پہلے فوت شدہ نماز پوری کر کے پھر شامل ہو گیا کہ امام کے ساتھ سلام پھیرا تو امام کے ساتھ ہی سجدہ سہو کرے ورنہ بعدِ اتمام۔ اگر قبل اتمام کے سجدہ سہو کرلے گا نماز تو نہ جائے گی مگر یہ سجدہ بیکار جائے گا اور خلاف حکم کا مرتکب ہوگا اور بعد اتمام پھر سجدہ سہو کرنا ہوگا۔ (ص211)

سوال: جو مصلی (نمازی) سجدہ سہو کے بعد قعدہ میں شریکِ امام ہوئے شریکِ جماعت ہوگئے یا نہیں؟

جواب: جو مصلی سجدہ سہو کے بعد قعدہ میں شریکِ امام ہوئے شریکِ جماعت ہوگئے ان کی بنا صحیح ہے باتفاقِ ائمہ۔ (ص211)

قعدۂ اولیٰ میں مقتدی کب لقمہ دے سکتا ہے

سوال: چار رکعت والی نماز میں امام دو رکعات کے بعد بیٹھا اور التحیات کے بعد درود شریف شروع کر دیا مقتدی کو معلوم ہو گیا، ایسی حالت میں مقتدی امام کو لقمہ دے سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: اُس کا معلوم ہونا دشوار ہے کہ امام آہستہ پڑھے گا، ہاں اگر یہ اتنا قریب ہے کہ اس کی آواز اس نے سنی کہ التحیات کے بعد اس نے درود شریف شروع کیا تو جب تک امام اللھم صل علی سے آگے نہیں بڑھا ہے یہ سبحان اللہ کہہ کر بتائے اور اگر اللھم صل علی سیدنا یا صل علی محمد کہہ لیا ہے تو اب بتانا جائز نہیں بلکہ انتظار کرے، اگر امام کو خود یاد آئے اور کھڑا ہو جائے فبہا اور اگر سلام پھیرنے لگے تو اس وقت بتائے، اس سے پہلے بتائے گا تو بتانے والے کی نماز جاتی رہے گی اور اس کے بتانے سے امام لے گا تو اس کی اور سب کی جائے گی۔ (ص212)

اگر دعائے قنوت چھوڑ کر رکوع میں چلا جائے تو اب واپس نہیں آسکتا

سوال: وتر میں دعائے قنوت بھول کر رکوع کر دیا اور دو ایک تسبیح بھی پڑھ چکا، اب خیال ہوا کھڑے ہو کر قنوت پڑھی تو اس صورت میں سجدہ سہو لازم ہے یا نہیں؟

جواب: تسبیح پڑھ چکا ہو یا ابھی کچھ نہ پڑھنے پایا ہو اسے قنوت پڑھنے کے لئے رکوع چھوڑنے کی اجازت نہیں، اگر قنوت کے لئے قیام کی طرف عود کیا گناہ کیا پھر قنوت پڑھے یا نہ پڑھے اس پر سجدہ سہو ہے۔ (ص212)

سوال: چار رکعت فرضوں میں درمیانی قعدہ بھول کر امام کھڑا ہو گیا، مقتدی نے لقمہ دیا وہ بیٹھ گیا، نماز ہوئی یا نہیں؟

جواب: اگر امام ابھی پورا سیدھا کھڑا نہ ہونے پایا تھا کہ مقتدی نے بتایا اور وہ بیٹھ گیا تو سب کی نماز ہو گئی اور سجدہ سہو کی حاجت نہ تھی اور اگر امام پورا کھڑا ہو گیا تھا اس کے بعد مقتدی نے بتایا تو مقتدی کی نماز اسی وقت جاتی رہی اور جب اس کے

کہنے سے امام لوٹا تو اس کی بھی گئی اور سب کی گئی اور اگر مقتدی نے اس وقت بتایا تھا کہ امام ابھی پورا سیدھا نہ کھڑا ہوا تھا کہ اتنے میں پورا سیدھا ہوگیا اس کے بعد لوٹا تو مذہب اصح میں نماز ہو تو سب کی گئی مگر مخالف حکم کے سبب مکروہ ہوئی کہ سیدھا کھڑا ہونے کے بعد قعدہ اولیٰ کے لئے لوٹنا جائز نہیں، نماز کا اعادہ کریں خصوصاً ایک مذہب قوی پر نماز ہوئی ہی نہیں، تو اعادہ فرض ہے، اسی کی امام زیلعی نے تصریح کی ہے اور یہی مشاہیر کتب میں ہے۔ (ص213)

ایک رات میں دو دفعہ وتر پڑھنا گناہ ہے

سوال :ایک شخص وتر پڑھ رہا تھا تیسری رکعت میں دعائے قنوت پڑھنا بھول گیا، آخر میں سجدہ سہو کرلیا، پھر اس شخص نے دوبارہ وتر پڑھے، اس کا یہ فعل کیسا ہے؟

جواب: پہلی بار کہ دعا قنوت پڑھنا بھول گیا تھا اور سجدہ سہو کرلیا وتر ہو گئے، دوبارہ پڑھنا گناہ ہوا۔ حدیث میں ہے ((**لاوتران فی لیلة**)) ترجمہ: ایک رات میں دو وتر نہیں۔ (مسند احمد بن حنبل، ج4، ص23، دار الفکر، بیروت)

لقمہ دینے کے لئے سبحان اللہ کہنا سنت ہے

سوال :امام کو سہو ہوا یعنی کھڑا ہونا تھا بیٹھ گیا یا برعکس اس کے، تو کوئی مقتدی بجائے تسبیح (سبحان اللہ) کے تکبیر (اللہ اکبر) کہہ دے تو نماز میں اس کی کچھ قباحت وخرابی تو نہیں آئے گی؟ اور جو شخص یہ کہے کہ امام کو اگر قعدہ کرنا ہے تو لفظ التحیات کہنا چاہئے اور جو قیام کرنا ہے تو اللہ اکبر، یعنی جو نسا رکن کرنا ہے اس میں کا پہلا لفظ کہنا چاہئے، اس کی یہ بات صحیح ہے یا غلط؟

جواب: نماز میں اللہ اکبر یا التحیات کہنے سے خرابی نہیں، اور سنت سبحان اللہ کہنا ہے۔ (ص214)

سوال :ایک شخص انتہائی سہو ونسیان کی وجہ سے کوئی بات ٹھکانے سے یاد نہیں رکھتا ہے یہاں تک کہ نماز کے لئے جب وضو کرتا ہے تو ایک ایک اعضاء کو دس دس مرتبہ دھوتا ہے اور پھر بھی اس کو خیال ہوتا ہے کہ دو ہی مرتبہ یا ایک مرتبہ دھویا ہے نماز کے لئے کھڑا ہوا تو تکبیر تحریمہ پانچ پانچ مرتبہ کہی چار رکعت پڑھیں دو رکعت خیال کیں علیٰ ھذا القیاس تسبیح رکوع وسجود میں غرضیکہ دنیوی کاموں میں بھی مثلاً کوئی چیز کہیں رکھ دی یا کسی کو دے دی پھر خیال جو کیا اس کے خلاف ہوا، ایسی حالت میں اس شخص نے ایک آدمی اس کے ارکان وتسبیح ورکعت وغیرہ شمار کرنے کے لئے مقرر کیا تا کہ وہ گن کر بتا دے آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: آدمی مقرر کرنا جائز نہیں۔ (ص215)

سوال :اگر امام نے رکعت ثانیہ میں سہو سے تین سجدے کئے، مقتدیان بہت تھے یعنی تین صف میں سے ہر صف میں ۲۵ یا ۲۶ اشخاص تھے لیکن امام کو کسی نے یاد نہیں کرایا، نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب :فرض ادا ہوگیا، واجب ترک ہوا، سجدہ سہو لازم تھا، نمازیں پھیریں اتنے آدمی، ایسی کثیر جماعت نہیں جس

کے سبب سجدہ سہو ساقط ہو۔ (ص215)

سوال:ایک شخص پر نماز مغرب میں سجدہ سہو لازم ہو گیا مگر اس نے نہ کیا اب نقصان کا ازالہ کرے یا نہ؟ اور کیسے کرے؟

جواب :نقصان کا ازالہ لازم ہے،(ازالہ اس طرح کرے کہ)دوبارہ تین رکعت اس نیت سے ادا کرے کہ میں کمی کا ازالہ کر رہا ہوں۔ (ص215)

سوال:کیا درج ذیل صورتوں میں سجدۂ سہو ہے:

(۱)فرضوں کی تیسری یا چوتھی رکعت میں بعد الحمد شریف کے کسی آیت کا پورا یا نصف لفظ زبان سے نکل گیا۔(۲)رکوع میں سہواً ایک بار سبحان ربی الاعلیٰ کہہ دیا۔(۳)اسی طرح سجدہ میں سبحان ربی العظیم کہہ دیا۔(۴)فرضوں کی پہلی رکعت میں جبکہ مقتدی ہے سبحنک کے بعد اعوذ باللہ شریف پڑھ لی۔

جواب:ان میں سے کسی صورت میں سجدہ سہو نہیں۔ (ص216)

مقتدی کو الحمد شریف پڑھنا حرام ہے

سوال:کیا مقتدی کو بھی الحمد شریف کا پڑھنا ضروری ہے؟

جواب:مقتدی کو الحمد شریف پڑھنا حرام ہے۔ (ص216)

امام نے قومہ میں اللہ اکبر کہہ دیا تو کیا حکم ہے

سوال:جماعت میں امام نے سمع اللہ لمن حمدہ کی جگہ اللہ اکبر کہا اور سجدہ سہو نہیں کیا،کیا نماز ہوگئی؟

جواب:نماز ہوگئی اور سجدہ سہو کی اصلاً حاجت نہیں۔ (ص216)

سوال :فجر کے فرضوں میں دوسری رکعت کے بعد اور دیگر وقتوں میں چوتھی رکعت کے بعد امام یا منفرد التحیات پڑھنی بھول کر کھڑا ہو گیا،اب اس کو کیا کرنا چاہئے؟

جواب :جبکہ قعدہ اخیرہ بھول کر زائد رکعت کے لئے کھڑا ہوا تو جب تک اس رکعت زائدہ کا سجدہ نہیں کیا ہے بیٹھ جائے اور التحیات پڑھ کر سجدہ سہو کرے،اور اگر اس نے رکعتِ زائدہ کا سجدہ کر لیا تو اب فرض باطل ہو گئے پھر سے پڑھے۔ (ص216)

سوال:ایک شخص کمال درجہ کا بھول رکھتا ہے،تکبیر و رکوع و سجود و قیام بلکہ ہر رکعت میں بھول جاتا ہے،بھول کے خوف سے بلند قرأت کے ساتھ پڑھتا ہے تاکہ ہم بھول نہ جائیں،کتنا ہی وہ شخص دل میں خیال و غور کر کے پڑھتا ہے تاہم بھول جاتا ہے کچھ بھی خیال نہیں رہتا ہے اور وہ شخص جب نماز پڑھنے لگتا ہے تو ایک شخص کو اس غرض سے بٹھاتا ہے کہ جو کچھ سہو واقع ہو اس کو بتلاتا جائے اس شخص کو نماز کے اندر بہت پریشانی ہوتی ہے،ایسی حالت میں اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب : کسی شخص کو پاس بٹھالینا اور اس کے بتانے پر نماز پڑھنا نماز باطل کرے گا، فجر و مغرب وعشاء میں منفرد کو آواز پڑھنے کی اجازت ہے، ظہر و عصر میں صحیح مذہب پر اجازت نہیں، چارہ کار یہ ہے کہ وہ شخص جماعت میں مقتدی ہو کر پڑھے تو مقتدی کو قرات کرنی نہ ہوگی اور امام کے افعال اسے بتانے اور یاد دلانے والے ہوں گے، جماعت ویسے بھی واجب ہے، اور ایسے شخص پر تو نہایت اہم واجب ہے کہ بغیر اس کے اس کی نماز ٹھیک ہی نہیں، سنتیں اور نفل جو پڑھے ان میں کسی شخص کو امام کرلے کہ نفل محض میں تین تک جماعت جائز ہے، اور جب کوئی شخص امامت کو نہ ملے اپنی یاد پر پڑھے رکعتوں میں اگر شبہہ ہو تو کم سمجھے، مثلاً ایک اور دو میں شبہہ ہو تو ایک سمجھے اور دو اور تین میں ہو تو دو، اور جہاں جہاں قعدۂ اخیرہ کا شبہہ ہو تو وہاں بیٹھتا جائے اور اخیر میں سجدہ سہو کرے اور اگر کسی طرح اپنی یاد سے نماز ادا کرنے پر قادر ہی نہ ہو تو معاف ہے۔ (ص217)

سوال : وتروں میں رکعتِ ثالث میں امام بجائے قنوت پڑھنے کے تکبیر قنوت کہہ کر رکوع کو چلا گیا اور مقتدیوں کی تکبیر کہنے سے واپس ہو کر قنوت پڑھا اور پھر دوبارہ رکوع کیا اور سجدہ سہو کیا نماز ادا ہوگئی یا وتر فاسد ہوئے؟

جواب : جو شخص قنوت بھول کر رکوع میں چلا جائے اسے جائز نہیں کہ پھر قنوت کی طرف پلٹے بلکہ حکم ہے کہ نماز ختم کرکے اخیر میں سجدہ سہو کرلے پھر اگر کسی نے اس حکم کا خلاف کیا تو بعض ائمہ کے نزدیک اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور اصح یہ ہے کہ برا کیا گنہگار ہوا مگر نماز نہ جائے گی۔

بہر حال اس عود کو جائز کوئی نہیں بتاتا تو جن مقتدیوں نے اسے اس عودِ ناجائز کی طرف بلانے کے لئے تکبیر کہی ان کی نماز فاسد ہوئی امام ان کے کہنے کی بنا پر نہ لوٹتا نہ ان کے بتائے سے اسے یاد آتا بلکہ اسے خود ہی یاد آتا اور لوٹتا اگرچہ اس کا یاد کرنا اور ان کا تکبیر کہنا برابر واقع ہوتا تو اس صورت میں مذہب اصح پر امام اور باقی مقتدیوں کی نماز ہو جاتی یعنی واجب اتر جاتا اگرچہ اس کراہت تحریم کے باعث اعادہ واجب ہوتا اب کہ وہ ان مقتدیوں کے بتانے سے پلٹا اور یہ نماز سے خارج تھے تو خود اس کی بھی نماز جاتی رہی اور اس کے سبب سب کی گئی۔ (ص219)

سوال : اگر پہلا قعدہ ترک کرکے تیسری رکعت کے لئے نمازی سیدھا کھڑا ہو گیا پھر واپس لوٹا اور باقی نماز ادا کی اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟

جواب : جو شخص فرض یا وتر میں پہلا قعدہ بھول کر کھڑا ہونے لگے اگر وہ سیدھا کھڑا نہیں ہوا تو واپس لوٹ آئے اب اگر وہ قعود کے قریب تھا تو سجدہ سہو لازم نہ ہوگا اور اگر قیام کے قریب تھا تو سجدہ سہو لازم ہوگا کہ جب تک انسان کا نیچے والا حصہ سیدھا نہ ہو وہ بیٹھنے کے قریب ہوتا ہے اور اگر نیچے والا نصف حصہ سیدھا ہو جائے خواہ ابھی پشت ٹیڑھی ہو وہ کھڑا ہونے کے قریب ہوگا، اگر سیدھا کھڑا ہو گیا تو اب بیٹھنا جائز نہیں، اب اگر پہلے قعدے کی طرف لوٹ آتا ہے تو گنہگار رہوگا، اور راجح یہ ہے کہ اس کی نماز ختم نہ ہوئی اس پر سجدہ سہو لازم ہوگا۔ (ص220)

سجدہ تلاوت کا بیان

آیتِ سجدہ میں سے کتنے الفاظ پڑھنے سے سجدہ واجب ہوجائے گا

سوال: اکثر کتب نظم ونثر میں آیات سجدہ لکھی ہوتی ہے ان کا کیا حکم ہے؟ آیا سجدہ کرنا چاہئے یا نہیں؟ جیسے منقبت میں جناب مولوی عبدالقادر صاحب کا شعر ہے

راہ حق میں کر دیا سجدہ میں قربان اپنا سر
ایسی واسجد واقترب کی کس نے کی تفسیر ہے

جواب: وجوبِ سجدۂ تلاوت، تلاوتِ کلماتِ معینہ قرآن مجید سے منوط ہے۔ وہ کلمات جب تلاوت کئے جائیں گے سجدہ تالی (قاری) وسامع پر واجب ہوگا۔ کسی نظم یا نثر کے ضمن میں آنے سے غایت یہ ہے کہ اول وآخر کچھ غیر عبارت مذکور ہوئی جسے ایجابِ سجدہ میں دخل نہ تھا، نہ یہ کہ حکمِ سجدہ کی رافع ومزیل ہو اُس کا ہونا نہ ہونا برابر ہوا، جس طرح حرف اسی قدر کلمات تلاوت کریں اور اول وآخر کچھ نہ کہیں سجدہ تلاوت واجب ہوگا، ایسے ہی یہاں بھی کہ جس عبارت کا عدم وجود یکساں ہے وہ نظر سے ساقط اور حکم سکوت میں ہے۔

ہاں قابلِ غور یہ بات ہے کہ سجدۂ تلاوت کس قدر قرأت سے ہوتا ہے اصل مذہب وظاہر الروایہ میں ہے کہ ساری آیت بتمامہا اس کا سبب ہے یہاں تک کہ اگر ایک حرف باقی رہ جائے گا سجدہ نہ آئے گا مثلاً اگر حج میں الم تر ان اللہ سے ان اللہ یفعل ما تک پڑھ گیا سجدہ نہ ہوا جب تک یشاء بھی نہ پڑھے، اور یہی مذہب آثار صحابہ عظام وتابعین کرام سے مستفاد اور ایسا ہی امام مالک وامام شافعی وغیرہما ائمہ کا ارشاد بلکہ ائمہ متقدین سے اس بارے میں اصلاً خلاف معلوم نہیں کتب اصحاب سے متون کہ نقل مذہب کے لئے موضوع ہیں قاطبۃً اسی طرف گئے اور دلائل وکلمات عامہ شروح کہ تحقیق وتنقیح کی متکفل ہیں اسی پر مبنی ومتبنی ہوئے اور اکابر اصحاب فتاوٰی بھی ان کے ساتھ ہیں۔

اس مذہب جلیل الشان مشید الارکان پر شعر مذکور کے پڑھنے سننے سے سجدہ نہیں آسکتا کہ اس میں آیت سجدہ بتمامہا نہیں، اسی طرح ہر وہ نظم جس میں پوری آیت سجدہ نہ ہو، اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ قرأت وسماعتِ نظم مطلقاً موجب سجدہ نہیں کہ آیات چاردوگانہ (سجدے والے چودہ آیات) سے کوئی آیت وزن عروضی کی مساعدت نہیں فرماتی جسے نظم میں لانا چاہیں گے یا پوری نہ آئے گی یا ترتیب کلمات بدل جائے گی بہرحال آیت بحالہا باقی نہ رہے گی۔

ہاں بعض علمائے متاخرین کا یہ مذہب ہے کہ آیت سجدہ سے صرف دو کلمے پڑھنا موجب سجدہ ہے جن میں ایک وہ لفظ جس میں ذکر سجود ہے جیسے آیت سوال میں لفظ واسجد اور دوسرا اُس کے قبل یا بعد کا جیسے اُس میں واقترب ٥ یہ مذہب اگرچہ ظاہر الروایہ بلکہ روایات نوادر سے بھی جدا، اور مسلک ائمہ سلف وتصریح وتلویح متون وشروح کے بالکل خلاف ہے مگر سراج وہاج

وجوہرہ نیرہ ومراقی الفلاح میں اس کی تصحیح واقع ہوئی۔

بالجملہ اصلِ مذہب معلوم ہے تاہم محل وہ ہے کہ سجود میں ضرر نہیں اور بر تقدیرِ وجوب ترک معیوب اور صریح تصحیح جاذبِ قلوب (دلوں کو کھینچنے والی)، لہذا انسب یہی ہے کہ اسی مذہب مصحح پر کاربند ہو کر شعر مذکور کی سماعت وقرأت پر سجدہ کرلیں اسی طرح ہر نظم ونثر میں جہاں آیت سجدہ سے صرف سجدہ مع کلمہ مقارنہ پڑھا جائے سجدہ بجالائیں۔ (ص223)

<u>سجدہ تلاوت فوراً ادا کرنا چاہیے</u>

سوال: سجدہ تلاوت وقت تلاوت معاً ادا کرے یا جس وقت چاہے؟ نماز میں اور نماز کے علاوہ دونوں کا حکم ارشاد فرمادیں؟

جواب: سجدہ صلوتیہ جس کا ادا کرنا نماز میں واجب ہو اس کا وجوب علی الفور ہے، یہاں تک کہ دو تین آیت سے زیادہ تاخیر گناہ ہے اور غیر صلوتیہ میں بھی افضل واسلم یہی ہے کہ فوراً ادا کرے جبکہ کوئی عذر نہ ہو کہ اٹھا رکھنے میں بھول پڑتی ہے وفی التاخیر افات (دیر کرنے میں آفات ہیں) ولہذا علماء نے اس کی تاخیر کو مکروہِ تنزیہی فرمایا مگر ناجائز نہیں۔ (ص233)

سوال: جو شخص فرضوں میں سورۂ اقرأ پڑھے اور اس سورت کے آخر میں سجدہ ہے، امام اگر رکوع میں نیت کرے تو مقتدی کا سجدہ تلاوت ادا نہ ہوگا، آیا یوں جائز ہوگا کہ سورت ختم کرکے سجدہ کرے؟ پھر کھڑا ہو کر رکوع کرے یا تین سجدے کرے؟

جواب: فی الواقع اگر صورتِ مستفسرہ میں امام نے فوراً رکوع کیا اور رکوع میں نیتِ سجدہ تلاوت کرلی تو اس کا سجدہ تو ادا ہو گیا مگر جن مقتدیوں نے نیت نہ کی ان کا سجدہ ایک مذہب علماء پر ادا نہ ہوگا۔

نہ وہ آپ جداگانہ سجدہ کرسکیں گے للزوم خلاف الامام (کیونکہ اس میں امام کی مخالفت لازم آرہی ہے) نہ سجدۂ نماز انہیں سجدۂ تلاوت سے کافی ہوگا اگرچہ وہ اس میں سجدۂ تلاوت کی نیت بھی کرلیں لانہ لما نواھا الامام فی رکوعہ تعین لھا (کیونکہ جب امام نے اس کی ادائیگی کی رکوع میں نیت کی تو وہی اس کے لئے متعین ہو گیا) بلکہ اس کی سبیل (یہ) ہوگی کہ بعدِ سلامِ امام سجدۂ تلاوت کریں پھر یہ سجدہ رافع قعدہ ہوگا تو فرض ہوگا کہ قعدہ کا اعادہ کریں، نہ کریں گے تو نماز جاتی رہے گی۔

جب یہ دقتیں ہیں تو ایسی حالت خصوصاً اس زمانہ جہالت میں رکوعِ نماز سے سجدہ تلاوت ادا کرلینا مقتدیوں کو فتنے میں ڈالنا ہے لہذا امام کو اس سے بچنا چاہئے۔

اور اگر یہ کرتا ہے کہ سورت ختم کرکے فوراً سجدہ تلاوت کرے اور اس کے بعد کھڑا ہو کر معاً رکوع میں سجدہ چلا جائے تو سجدہ تو سب کا ادا ہو جائے گا مگر یہ فعل مکروہ ہوگا کہ سجود تلاوت ورکوع میں فصل نہ کیا۔

بس اگر تلاوت کے لئے سجدۂ مستقلہ ہی کرنا چاہے تو اس کا یہ طریقہ اسلم کہ سجدہ سے اٹھ کر دوسری سورت مثلاً صورت مستفسرہ میں سورہ قدر یا تلاوت والنجم میں سورۂ قمر کے اول سے تین آیتیں خواہ زیادہ پڑھ کر رکوع کرے اس میں اگر چہ ایک رکعت میں دو سورتوں سے پڑھنا ہوگا اور فرضوں میں اِس کا ترک اولیٰ، مگر سورتوں میں فصل نہ ہو تو مکروہ نہیں۔

بخلاف بعد سجود تلاوت بلا فصل رکوع میں جانے کے کہ یہ مکروہ ہے تو اس کے دفع کو اُسے گوارا کیا جائے گا۔

ایک طریقہ تو یہ تھا اور ان سب سے بہتر وخوش تر اور ہر خدشہ سے سالم ومحفوظ تر یہ ہے کہ صورتِ مستفسرہ میں تلاوت کے لئے مستقل سجدہ اصلاً نہ کرے بلکہ آیت سجدہ پڑھتے ہی معاً نماز کا رکوع بجالائے اور اس میں نیتِ سجدہ نہ کرے پھر قومہ کے بعد فوراً نماز کے سجدہ اولیٰ میں جائے اور اس میں نیت سجدہ کرے اب نہ کوئی قباحت یا کراہت یا تفویتِ فضیلت لازم ہوئی نہ مقتدیوں پر کچھ دقت آئی اگر چہ انھوں نے کہیں نیت سجدہ تلاوت کی نہ کی ہو کہ سجدہ نماز جب فی الفور کیا جائے تو اس سے سجدہ تلاوت خود بخود ادا ہو جاتا ہے اگر چہ نیت نہ ہو۔

اور یہیں سے ظاہر کہ اس محمود ومحفوظ صورت میں اگر خود امام بھی اصلاً نیت سجدہ تلاوت نہ کرے تا ہم سب کا سجدہ ادا ہو جائے گا اور امام ومقتدی ہر وقت سے امان میں رہیں گے بلکہ ہمارے علماء بحالت کثرت جماعت یا اخفائے قرأت اسی طریقہ کو مطلقاً افضل ٹھہراتے ہیں کہ آیت سجدہ پڑھ کر فوراً نماز کے رکوع وسجود کرلے تا کہ تلاوت کے لئے جدا سجدے کی حاجت نہ پڑے جس کے باعث جہال کو اکثر التباس ہو جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں کثرتِ جماعت کی قید اس نظر سے ہے کہ جب ہجوم ہوگا تو عوام بھی ضرور ہوں گے، اب ہمارے زمانہ میں کہ عام لوگ عوام ہی عوام ہیں کثرت وقلت سب یکساں، تو سجود مستقل سے مطلقاً یہی صورت انسب واولیٰ، مگر یہ کہ امام جانتا ہو کہ اس وقت میرے پیچھے صرف وہی لوگ ہیں جو دینی مسائل کا علم رکھتے ہیں لیکن اس قدر ضرور یاد رکھنا چاہئے کہ یہ صورت اسی حالت میں بن پڑے گی کہ آیت سجدہ کے بعد رکوع وسجود نماز میں دیر نہ کی فوراً بجالا یا ورنہ اگر آیت سجدہ پڑھ کر تین چار آیتیں اور پڑھ لیں تو اب سجدہ تلاوت ہرگز بے خاص مستقل سجدے ہی کے ادا نہ ہوگا اور تاخیر کا گناہ ہوا وہ علاوہ۔ (ص234)

اشعار میں سوال وجواب

سوال:

عالمانِ شرح سے ہے اس طرح میرا سوال — دیں جواب اس کا برائے حق مجھے وہ خوشحال
گرکسی نے ترجمہ سجدہ آیت کی پڑھا — تب بھی سجدہ کرنا کیا اُس شخص پر واجب ہوا
او ر ہوں سجدے تلاوت کے ادا کرنے جسے — پھر ادا کرنے سے ان سجدوں کے پہلے وہ مرے
پس سبکدوشی کی اس کے شکل کیا ہوگی جناب! — چاہیئے ہے آپ کو دینا جواب باصواب

جواب:

ترجمہ بھی اصلی یہاں ہے وجہ سجدہ بالیقین — فرق یہ ہے فہم معنی اس میں شرط اس میں نہیں
آیت سجدہ سنی جاناکہ ہے سجدہ کی جا — اب زباں سمجھے نہ سمجھے سجدہ واجب ہوگیا
ترجمہ میں اس زباں کا جاننا بھی چاہئے — نظم ومعنی دوہیں ان میں ایک تو باقی رہے
تاکہ من وجہٍ تو صادق ہو سنا قرآن کو — ورنہ اک موجِ ہوا تھی چھو گئی جو کان کو
ہے یہی مذہب بہٖ یفتٰی علیہ الاعتماد — شامی ازفیض ونہر واللہ اعلم بالرشاد
سجدہ کا فدیہ نہیں اشباہ میں تصریح کی — صیرفیہ میں اسی انکار کی تصحیح کی
کہتے ہیں واجب نہیں اس پر وصیت وقت موت — فدیہ گرہوتا تو کیوں واجب نہ ہوتا جبر فوت
یعنی اس کا شرع میں کوئی بدل ٹھہرا نہیں — جز ادایا توبہ وقتِ عجز کچھ چارہ نہیں
یہ نہیں معنی کہ جائز ہے یا بیکار ہے — آخراک نیکی ہے نیکی ماحی اوزار ہے
قُلتُہ، اَخذاً مِنَ التَّعلِیلِ فِی اَمرِ الصَّلٰوۃ — وَھُوَ بَحثٌ ظَاھِرٌ وَالعِلمُ حَقاً لِلاِلٰہ

(ص238)

<u>سجدہ تلاوت کا طریقہ</u>

سوال: اگر بے وضو تلاوت میں لفظ سجدہ آ جائے تو بعد کو سجدہ کس طرح کرے؟ کیا بعد کو سجدہ کی نیت کرنا ہوگی یا اور کسی طرح سے؟

جواب: بعد کو بھی سجدہ اُسی طرح کرنا ہوگا جیسا اُس وقت کیا جاتا، یہ نیت ہر وقت کرنی ہوتی ہے کہ تلاوت کے سبب جو سجدہ مجھ پر واجب ہوا اُسے ادا کرتا ہوں، یہ سمجھ کر اللہ اکبر کہتا ہوا کھڑے سے سجدہ میں جائے پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ سے سر اٹھائے، اس کے سوا اور کوئی نیت زبان سے نہیں کہی جاتی۔ (ص239)

سوال: اگر باوضو مصلے پر تلاوت کرتا ہو اور کلام مجید سامنے رکھا ہو اُس وقت لفظ سجدہ آئے تو کلام مجید علیحدہ رکھ کر سجدہ کرنا چاہئے یا اور کسی طرح سے، اور اگر علیحدہ رکھا جائے تو بند کر کے یا کھلا ہوا؟

جواب: اس کے لئے کوئی خاص حکم نہیں جو آسان ہو اور قرآن عظیم کے ادب کا لحاظ ضرور رہے اور سجدہ میں اس کا سامنے ہونا کوئی حرج نہیں۔ (ص239)

سوال: اگر تراویح پڑھنے میں مقام سجدہ آ گیا تو کیا امام سجدہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: تراویح خواہ کسی نماز میں اگر آیت سجدہ پڑھے تو فوراً سجدہ واجب ہے تین آیت سے زیادہ دیر لگانہ گناہ ہے۔ (ص239)

مسافر کی نماز کا بیان

دورے کی صورت میں نماز قصر

سوال: ایک آفیسر کئی شہروں کے دورہ کے لئے نکلا، وہ جاتے ہوئے اور واپسی پر پوری نماز پڑھے گا یا قصر کرے گا؟

جواب: دورہ غالباً جس طور پر ہوتا ہے کہ آٹھ آٹھ دس دس کوس نیت سے چلتے اور ایک جگہ پہنچ کر پھر دوسرے کو روانہ ہوتے ہیں یہ حالتِ سفر نہیں اگرچہ اس میں سو کوس کا فاصلہ ہو جائے، یونہی اگر اُس موضع بعید سے واپسی بھی اسی طریق دورہ ہو کہ یکے بعد دیگرے قریب قریب مقامات کے قصد سے چلتے ہوئے محل اقامت کے نزدیک آ کر پلٹ آئیں تو اس رجوع میں بھی قصر نہیں، ہاں اگر جانے خواہ آنے کیسی محل اقامت بالخصوص ایسی جگہ کے عزم پر چلیں جو وہاں سے مدّت سفر پر ہو تو سفر متحقق اور قصر واجب ہوگا، اسی طرح اگر دورہ کسی ایسے مقام پر ختم ہوا جہاں سے محلِ اقامت تین منزل ہے اب بخطِ مستقیم وہاں کو پلٹے تو بھی وہاں سے یہاں تک حالتِ سفر ہے۔

فتح القدیر میں ہے ''الخلیفة ان کان انما قصدالطواف فی ولایته فالاظهرانه حینئذ غیر مسافرحتی لایقصر الصلوة فی طوافه کالسائح'' حاکمِ وقت اپنی مملکت میں دورہ کرنے کی نیت سے سفر کرے تو وہ مسافر نہ ہوگا حتی کہ وہ سیاحت کرنے والے کی طرح نماز میں قصر نہیں کرسکتا۔ (فتح القدیر، ج2، ص26، مطبوعہ نوریہ رضویہ، سکھر) (ص241)

شرعی سفر کے لئے سفر کی نیت اور سفر دونوں کا ہونا ضروری ہے

سوال: جو شخص بغیر شرعی مسافت کے قصد سے نکلا کیا وہ مسافر ہے؟ اسی طرح وہ شخص جس نے شرعی مسافت کا ارادہ کیا ہے مگر ابھی سفر شروع نہیں کیا، کیا وہ مسافر ہے؟

جواب: تحقیقِ مقام یہ ہے کہ تحقیقِ سفرِ شرعی کے لئے نہ مجرد سیر (چلنا) بے قصد کافی نہ تنہا قصد بے سیر بلکہ دونوں کا اجتماع ضرور۔ اور قصد سے مراد قصد فی الحال مستتبع فعل مقارن سیر ہے جسے عزم کہتے ہیں کما یدل علیه تعبیرهم جیمعا بلفظة الحال فی حد المسافر بمن جاوز عمران موطنه قاصدا مسیرة ثلاثة ایام۔ ترجمہ: جیسے کہ تمام فقہاء کا لفظ حال سے تعبیر کرنا اس پر دال ہے لہٰذا مسافر کی تعریف یوں کی گئی ہے ہر وہ شخص جو تین دن کے سفر کے ارادے سے اپنی آبادی سے نکل جائے۔

نہ قصد فی الاستقبال کہ بالاجماع کافی نہیں۔ کمن خرج قاصدا قریة قریبة و من بیته ان ینشئی بعدها سفرا الی بعید فانه لایکون فی مسیره الیها مسافرا قطعاً۔ ترجمہ: مثلاً وہ شخص جو کسی قریبی قریہ کے ارادے سے نکلا اور اس کی نیت یہ تھی کہ اس قریہ کے بعد وہ کسی بعید شہر کا سفر کرے گا تو اب وہ اس نکلنے میں قطعاً مسافر نہ ہوگا۔ (ص243)

سوال : آپ نے جو یہ فرمایا کہ مسافر بننے کے لئے یک مشت مسافتِ شرعی کا ارادے سے نکلنا شرط ہے، اس کا مطلب ہے کہ سیر سیاحت کرنے والے اور واعظین جو جگہ جگہ رک کر سفر کرتے ہیں، وہ مسافر نہیں بنیں گے؟

جواب : یہاں سے سیاحین و واعظین کا حکم بھی واضح ہو گیا جنھیں کوئی مقام محل اقامت سے مدت سفر پر خاص مقصود بالذات نہیں بلکہ شہر قریہ بہ قریہ چند چند کوس کے فاصلوں پر گشت کرنا سیر دیکھنا یا ہر جگہ وعظ وغیرہ کے ذریعہ سے کمانا مقصود ہے جب تک کسی محل اقامت سے مسیر [illegible] کا قصد اولیٰ نہ ہو مسافر نہ ہوں گے اگرچہ سارے ملک میں پھر آئیں جس طرح سیاح کی نسبت خود فتح القدیر میں مصرحا ارشاد ہوا یہ مسئلہ کثیر الوقوع ہے اور لوگ اس سے غافل۔ (ص250)

سوال : میں آج کل نوکری کے سلسلے میں الہ آباد میں ہوں تو الہ آباد [illegible] ے واسطے سفر خیال کیا جائے گا یا نہیں؟ لیکن جنٹ صاحب کی کوٹھی میں رہتا ہوں اور الہ آباد ایک ہفتہ سے زیادہ رہنا نہیں ہوتا لیکن پھر اسی روز واپس آنا پڑتا ہے، الہ آباد میں نماز سفر کی پڑھی جائے گی یا نہیں؟ اور الہ آباد سے ''کرنا'' ایک مقام ہے جو قریب دس میل کے ہے وہاں پر بھی سفر کی نماز پڑھی جائے گی یا نہیں؟ وہ الہ آباد ہی کے ضلع میں ہے جواب جلد مرحمت فرمائے۔

جواب : الہ آباد تمھارا وطن اصلی نہیں، نہ جنٹ صاحب کی کوٹھی ٹھہرنا اسے کسی کا وطن کردے گا جبکہ جنٹ خود آج کل وہاں نہیں بلکہ پندرہ دن قیام کی نیت دیکھی جائے گی اگر اس سے کم مدت قیام کی نیت ہے یا مقدارِ قیام کچھ معلوم نہیں کسی کام کیلئے گئے ہوں اس کے ہو جانے کا انتظار ہو جائے تو آج چلے جاؤ، بیس دن بعد ہو تو اس صورت میں الہ آباد کا رہنا تمھارے لئے سفر ہی سمجھا جائے گا نماز سفر کی پڑھو اگرچہ انتظار انتظار میں مہینے گزر جائیں، یونہی اطراف میں جہاں جاؤ چار رکعت کی دو ہی پڑھو جب تک کسی خاص جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت الہ آباد میں کر لی ہے تو اب الہ آباد وطن اقامت ہو گیا نماز پوری پڑھی جائے گی جب تک وہاں سے تین منزل (۹۲ کلومیٹر یعنی شرعی مسافت) کے ارادہ پر نہ جاؤ اگرچہ ہر ہفتہ پر بلکہ ہر روز الہ آباد سے کہیں تھوڑی تھوڑی دور یعنی چھتیس کوس (۹۲ کلومیٹر یعنی شرعی مسافت) سے کم باہر جانا اور دن کے دن واپس آنا ہو جبکہ نیت کرتے وقت اس پندرہ دن میں کسی رات دوسری جگہ شب باشی کا ارادہ نہ ہو ورنہ وہ نیت پورے پندرہ دن کی نہ ہوگی مثلاً الہ آباد میں پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت کی اور ساتھ ہی یہ معلوم تھا کہ ان میں ایک شب دوسری جگہ ٹھہرنا ہوگا تو یہ پورے پندرہ دن کی نیت نہ ہوئی اور سفر ہی رہا اگرچہ دوسری جگہ الہ آباد کے ضلع میں بلکہ اس سے تین چار ہی کوس کے فاصلہ پر ہو، اور اگر پندرہ راتوں کی نیت پوری یہیں ٹھہرنے کی تھی اگرچہ دن میں کہیں اور جانے اور واپس آنے کا خیال تھا تو اقامت صحیح ہو گئی نماز پوری پڑھی جائے گی جبکہ وہ دوسری جگہ الہ آباد سے چھتیس کوس یعنی ستاون اٹھاون میل (۹۲ کلومیٹر) کے فاصلے پر نہ ہو، غرض قیام کی نیت کرتے وقت ان خیالوں کا اعتبار ہے بعد کو جو پیش آئے اُس کا لحاظ نہیں مثلاً پندرہ رات پورے کا قیام ٹھہرا لیا اور اس کے بعد اتفاقاً چند راتوں کے لئے اور جگہ جانا ہوا جو الہ آباد سے تین منزل کے فاصلہ پر نہیں اگرچہ دس بیس بلکہ چھپن میل تک ہو سفر نہ ہوگا اس مقامِ دیگر میں

بھی نماز پری پڑھنی ہوگی اور الہ آباد میں بھی ان سب صورتوں کو خوب غور سے سمجھ لو۔ (ص251)

ایک جگہ کے لیے دو راستے ہیں، ایک میں مسافت سفر بنتی ہے جبکہ دوسرے سے نہیں، جس راستے سے سفر کرے گا اسی کا اعتبار ہے

سوال: زید کے وطن سے ایک مقام تیس ۳۰ کوس کے فاصلے پر واقع ہے اور زید نے ایسی راہ سے سفر کیا کہ اس مقام تک چالیس ۴۰ کوس مسافت طے کرنی ہوئی تو زید پر نماز کا قصر ہے یا نہیں؟ (شرعی مسافت سفر ۳۶ کوس ہے یعنی ۹۲ کلو میٹر)

جواب: ہے جبکہ قصداً دو جگہ پر منقسم نہ ہو مثلاً اس راہ میں بیس ۲۰ کوس پر ایک شہر ہے، ارادہ یوں کیا کہ پہلے وہاں جاؤں گا وہاں سے فارغ ہو کر دوسرے مقام پر کہ وہاں سے بیس ۲۰ کوس ہے جاؤں گا یوں چالیس کوس ہوں جائیں گے تو قصر نہیں، (کیونکہ وہ مکان سے بیس ۲۰ ہی کوس کے مقصد کو چلا ہے اگر چہ وہاں سے دوسرا قصد دوسری جگہ کا ہونے والا ہے۔ (ص254)

سوال: منزل کتنے فرسنگ کی ہوتی ہے؟

جواب: عرف میں منزل بارہ کوس ہے اور ان بلاد میں ہر کوس ۵/ ۸ میل یعنی ایک میل اور میل کے تین خمس، اور تین میل کا ایک فرسنگ، تو ایک منزل چھ فرسنگ اور دو خمس فرسنگ کی ہوئی۔ (ص255)

سوال: کتنے منزل پر قصر ہوگا؟

جواب: تین منزل پر قصر ہے۔ (یعنی ۳۶ کوس یا ستاون میل تین فرلانگ یا ۹۲ کلو میٹر پر قصر ہے) (ص255)

سوال: طے منزل میں راہ راست کا اعتبار ہے یا جس راستے پر چلے؟

جواب: جس راستے سے جائے اس کا اعتبار ہے۔ (ص255)

سوال: یہاں سے بیسلپور گاڑی پر جائیں تو ۱۸ کوس بنتا ہے اور ریل گاڑی پر جائیں تو چھتیس ۳۶ کوس بنتا ہے، وہاں جانے میں قصر کب ہوگا؟

جواب: ریل میں جائے تو قصر کرے ورنہ نہیں۔ (ص255)

سوال: ایک شخص نے ایک مسجد میں جمعہ کی نماز کے واسطے دریاں وغیرہ بنوائیں مگر کچھ دنوں وہاں جمعہ ہو کر رہ گیا اب وہ چاہتا ہے کہ یہ دریاں کسی دوسری مسجد میں دے دوں پس یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جب دریاں سپرد مسجد کر دیں ملک مسجد ہو گئیں، جب تک نا قابل استعمال نہ ہو جائیں واپس نہیں لے سکتا نہ دوسری مسجد میں دے سکتا ہے۔ (ص255)

سوال: ایک شخص دو آدمیوں کا غلام تھا دونوں غلام کے ساتھ سفر کو گئے راستے مین دونوں نے قیام کیا، ایک نے نیت اقامت کی دوسری نے نہ کی، اب وہ عبد مشترک نماز قصری ادا کرے یا پوری؟

جواب :اگر وہ ان دونوں سے صرف ایک کے قبضہ میں ہے تو جس کے قبضہ میں ہے اسی کی نیت کا اعتبار ہے۔اور اگر دونوں کے قبضہ میں ہے تو اگر ان میں اس کی خدمت نوبت بہ نوبت قرار پائی ہے مثلاً ایک دن اس کی خدمت کرے اور دوسرے دن اُس کی،تو ہر ایک کی نوبت میں اس کی نیت پر عمل کرے یعنی جس دن خدمت کی باری ہو غلام بھی اپنے آپ کو مقیم سمجھے اور جس دن خدمت مسافر کی باری ہوا پنے آپ کو مسافر جانے،اور اگر باہم نوبت نہ قرار دی بلکہ یوں ہی دونوں کی خدمت میں ہے وہ من وجہ مقیم اور من وجہ مسافر ہے قصر اصلاً نہ کرے اس لحاظ سے کہ اس کے ایک مولیٰ نے نیت اقامت کی اور قعدہ اولیٰ بھی اپنے اوپر فرض جانے اس نظر سے کہ دوسرے مولیٰ کی نیت سفر ہے اور اس کے حق میں افضل یہ ہے کہ جہاں تک مل سکے کسی مقیم کی اقتداء وقت میں کرے۔ (ص255)

سوال : زید اپنے وطن سے ستر یا اسی کوس کے فاصلے پر کسی شہر میں ملازم ہے وہاں سے سال دو سال کے بعد آٹھ دس روز کے واسطے اپنے مکان پر آیا اور پھر چلا گیا اس آمد و رفت میں اس کو نماز قصر پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

جواب :جب وہاں سے بقصد وطن چلے اور وہاں کی آبادی سے باہر نکل آئے اس وقت سے جب تک اپنے شہر کی آبادی میں داخل نہ ہو قصر کرے گا جب اپنے وطن کی آبادی میں آ گیا قصر جاتا رہا،جب تک یہاں رہے گا اگر چہ ایک ہی ساعت،قصر نہ کر سکے گا کہ وطن میں کچھ پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت ضرور نہیں،پھر جب وطن سے اُس شہر کے قصد پر چلا اور وطن کی آبادی سے باہر نکل گیا اس وقت سے قصر واجب ہو گیا راستے بھر تو قصر کرے گا ہی اور اگر اُس شہر میں پہنچ کر اس بار پندرہ روز یا زیادہ قیام کا ارادہ نہیں بلکہ پندرہ دن سے کم میں واپس آنے یا وہاں سے اور کہیں جانے کا قصہ ہے تو وہاں جب تک ٹھہرے گا اس قیام میں بھی قصر ہی کرے گا اور اگر وہاں اقامت کا ارادہ ہے تو صرف راستہ بھر قصر کرے جب اس شہر کی آبادی میں داخل ہو گا قصر جاتا رہے گا۔ (ص258)

ملازم کا جنگل یا جنگل میں واقع اسٹیشن پر ایک مہینے کے لیے جانا

سوال :ایک شخص جنگل یا اسٹیشن پر جو جنگل میں واقع ہے ملازم ہے اور اس کو اس کے آفیسر جب بھیجتے ہیں تو کم از کم ایک ماہ کے ارادہ سے بھیجتے ہیں تو اس ملازم پر نماز قصر ہے یا پوری؟ زید کہتا ہے کہ ملازم کو ہر حالت میں نماز قصر پڑھنا چاہئے اگر چہ آقا ایک ماہ کے ارادے سے بھیجے کیونکہ اگر آقا چاہے تو آٹھ روز میں دُوسری جگہ منتقل کر دے،دوسری وجہ یہ ہے کہ جنگل ہونے کی وجہ سے ہر حالت میں قصر واجب ہے کیونکہ وہاں آبادی نہیں ہے جو اقامت کی جگہ ہے،عمرو کی دلیل ہے کہ کام ارادے کے لحاظ پر ہوتے ہیں یعنی جس وقت آقا بھیجتا ہے تو ایک ماہ کے ارادے سے بھیجتا ہے پر وہ چاہے ایک روز میں بلا لے اس حالت میں ارادے کی وجہ سے نماز قصر نہیں ہوئی،دوسرے جس جنگل میں اقامت نہیں ہوتی وُہ دوسرے جنگل ہیں اور ایسے جنگل یا اسٹیشن جو جنگل میں ہوں جہاں بیس پچیس انسان ہر وقت ہوں نیز ریلوے کے ملازم بھی اسٹیشن پر کام کرتے ہوں اقامت کو باطل نہیں کرتی۔ان میں قول کس کا درست ہے؟

جواب: یہاں چند امور پر اطلاع لازم جن سے بعونہ تعالیٰ انکشاف حکم ہو:

اول :اسٹیشن اگر چہ آبادی سے کچھ فاصلے پر ہوں وہاں عمارت ہوتی ہے سامان اقامت مہیا ہوتا ہے، ہاں اگر آبادی سے کوسوں دوری ہے جنگل میں متعین ہوں جیسے بن کی لکڑی لینے والے، تو وہ محلِ اقامت نہیں اگر چہ خیمے ڈیرے ساتھ ہوں مگر ان کے لئے جن کی طرز معیشت ہی یہ ہو جیسے سانسیے۔

دوم: نرے جنگل میں کہ نیت اقامت صحیح نہیں، مدت سفر چل لینے کے بعد ہے کہ تین منزل (۹۲ کلومیٹر) قطع کر چکا ہو، اب کسی جنگل میں دن یا زائد قیام کی نیت کرے تو مسافر رہے گا لیکن مدت سفر پوری ہونے سے پہلے جنگل میں بھی نیت اقامت صحیح ہے، مثلاً تین منزل کے ارادے پر چلا تھا ایک یا دو منزل چل کر نیت سفر قطع کی اور وہاں اقامت کی نیت کر لی مسافر نہ رہا نماز پوری پڑھے گا اگر چہ بن میں ہو۔

سوم: نوکر کی اپنی نیت معتبر نہ ہوئی بلکہ نیت آقا کا تابع ہونا اُس حالت میں ہے کہ آقا کے ساتھ ہو ورنہ خود اس کی نیت معتبر ہے۔

چہارم: مجرد احتمال کہ شاید آج چلا جانا ہو منافی اقامت نہیں اور اپنے وطن کے سوا آدمی کبھی کہیں مقیم نہ ہوا گر چہ سال بھر اقامت کی نیت کرے کہ کیا معلوم شاید آج ہی کوئی ضرورت سفر کی پیش آئے بلکہ اس کے لئے غالب گمان درکار ہے یقین کی حاجت نہیں کہ بے اعلامِ نبی غیب پر یقین کی کوئی صورت نہیں۔

پنجم: نیت سچے عزم قلب کا نام ہے، پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ کر لے، اور جانتا ہے کہ اس سے پہلے چلے جانا ہے تو یہ نیت نہ ہوئی محض تخیل ہوا، یوں ہی دل میں عزم دو ہی منزل کا ہے اور گھر سے تین منزل کا ارادہ کر لیا کہ آبادی سے نکل کر راہ میں قصر کی اجازت مل جائے ہرگز اجازت نہ ہوگی کہ یہ نیت نہیں وہی خیال بندی ہے، البتہ اگر دو ہی منزل پر جاتا ہے اور سچا ارادہ تین منزل کا کر لیا اور تین منزل جا کر ایک منزل اپنے محل مقصود کو واپس آیا اور یہاں پندرہ دن سے کم ٹھہرنا ہے تو جانے اور آنے اور ٹھہرتے قصر کرے گا کہ یہ سچی نیت ہوئی اگر چہ وہاں جانے سے کوئی کام نہ تھا۔

ششم: وطنِ اقامت یعنی جہاں پندرہ دن یا زیادہ قیام کی نیت صحیحہ کر لی ہو آدمی کو مقیم کر دیتا ہے اور اقامت وسفر میں واسطہ نہیں تو وہاں سے بے ارادہ مدت سفر اگر ہزار کوس دورہ کرے مثلاً دس کوس کے ارادے پر وہاں سے چلے پھر وہاں سے پندرہ کوس کا ارادہ کرے وہاں سے بیس کوس کا قصد ہو مسافر نہ ہوگا اور قصد نہ کر سکے گا جیسے وطن اصلی سے یوں دورہ کرنے میں حکم ہے یہاں تک کہ اگر مثلاً وطنِ اقامت سے بیس (۲۰) کوس گیا اور وہاں سے وہاں سے چھتیس (۳۶) کوس کا ارادہ کر کے چلا اور بیچ میں وطن اقامت آ کر پڑے گا تو سفر جاتا رہے گا، ہاں اگر تین منزل چلنے کے بعد یہ وطن بیچ میں نہ آئے گا تو قصد کرے گا اور یہ وطن وطن اقامت نہ رہے گا۔

ہفتم: نوکری ملازمت ہے اس میں قصد استدامت (ہمیشگی کا ارادہ) ہوتا ہے تو جو جہاں نوکر ہو کر رہنا اختیار کرے مقیم ہو جائیگا اگر چہ بالخصوص پندرہ دن کی نیت نہ ہو لان نیته الاستدامة فوق ذلك (کیونکہ دوام کی نیت اقامت کی نیت سے فائق ہے)

6/6 ہاں اگر مدّت سفر سے یہاں نوکر ہو کر آیا اور معلوم ہے کہ پندرہ دن ٹھہرنا نہ ہوگا تو البتہ مقیم نہ ہوگا، جب اس دوسری جگہ سے فارغ ہو کر آئے گا اور یہاں ملازمانہ قیام کرے گا اس وقت سے مقیم ہوگا۔

اور جبکہ ایک جگہ نوکر ہو کر رہے اور پندرہ دن کے اندر وہاں سے دوسری جگہ جانا معلوم نہ ہو تو صرف احتمال قاطعِ اقامت نہ ہوگا ورنہ کوئی وطن اقامت نہ ہو سکے اور اپنے وطن سے مدت سفر پر جو لاکھوں آدمی نوکر ہوتے اور برسوں وہاں رہتے ہیں کبھی مقیم نہ ہوں کہ بدلی یا کسی کام پر بھیجے جانے کا احتمال ہر وقت ہے ھذا ما عندی واللّٰہ تعالیٰ اعلم (یہ تو میرے نزدیک ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جاننے والا ہے)

جب یہ امورِ سبعہ معلوم ہو لئے اب مسئلہ مسئولہ کی طرف چلئے:

فاقول وباللہ التوفیق (پس میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں) اوپر معلوم ہوا کہ یہاں دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ جہاں متعین ہوا وہ نرا جنگل ہے جائے اقامت نہیں، دوسرے یہ کہ محلِ اقامت ہے جیسے اسٹیشن۔ اور ہر تقدیر پر دو صورتوں ہیں: ایک یہ کہ یہ شخص متعین ہوتے وقت مسافر ہے یعنی تین منزل چل کر آیا اور ہنوز کہیں مقیم نہ ہوا، دوسرے یہ کہ مقیم ہے مثلاً اُسی شہر یا اور قریب جگہ کا ساکن ہے اور یہاں شہر سے دو چار کوس کے فاصلے پر متعین ہو آیا یا تو تین منزل طے کر کے مگر شہر میں پندرہ دن کی نیت کے ساتھ ٹھہرا کہ مقیم ہو گیا۔ اور اب یہاں متعین ہو تو چار صورتیں آ گئیں:

صورت اُولیٰ: مسافر بمعنی مذکور ہے اور یہ جگہ محلِ اقامت نہیں، اس میں:

(1) ابتدائے تعیّن سے بلا فصل جب تک یہاں رہے گا قصر کرے گا اگرچہ دس برس یہی رہنے کی نسبت اس کے آقا نے کہہ دیا اور اس نے بھی ارادہ کر لیا کہ جب وہ مدت سفر سے آیا اور کہیں مقیم نہ ہوا اور یہ محلِ اقامت نہیں تو جب تک بھی یہاں رہے گا مسافر ہی رہے گا۔

(2) اگر یہاں سے حکماً خواہ صرف بارادہ خود کسی دوسری جگہ جائے گا راہ میں قصر ہی کرے گا اگرچہ وہ جگہ یہاں سے مدت سفر پر نہ ہو۔

(3) اُس دوسری جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ ہو تو وہاں بھی قصر ہی پڑھے اور وہاں سے واپسی میں اور اس مقام پر واپس آ کر بھی، اگرچہ یہاں کتنا ہی ٹھہرنے کا ارادہ ہو کہ ہنوز اس کا سفر بوجہ عدم اقامت ختم نہ ہوا۔

(4) اگر وہاں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت حکماً خواہ فقط اپنے ارادے سے کی تو وہاں پوری پڑھے گا۔

(5) جب وہاں سے واپس ہوگا اگر اس جگہ اور مقامِ تعیّن میں تین منزل کا فاصلہ ہے تو واپسی میں بھی قصر کرے گا اور یہاں پہنچ کر بھی، اگرچہ یہاں کتنے ہی دن ٹھہرنے کا ارادہ ہو کہ مدت سفر سے یہاں پہنچ کر اُس کی پھر حالت اولیٰ عود کر آئی اور

انشائے سفر کے سبب اُس اقامت جائے دیگر کا کوئی اثر نہ رہا۔

(6) اگر بعد اقامت پانزدہ (پندرہ) روزہ وہاں سے واپس ہوا اور بیچ میں مدت سفر نہیں تو اب راہ میں بھی پوری پڑھے گا اور یہاں پہنچ کر بھی کہ قبل سیر سہ روزہ جنگل میں نیتِ اقامت صحیح ہے اور بوجہ عدم انشائے سفر اُس کی وہ اقامت باطل نہ ہوئی نہ وہ وطن اقامت باطل ہوا، اس صورتِ ششم میں اُس کا حکم شقوق صورتِ ثانیہ آئندہ کی طرف عود کا جائے گا۔

صورت ثانیہ: مقیم ہے اور یہ جگہ محل اقامت نہیں، اس میں:

(1) جب تک بعد تعین بلا فصل یہاں رہے گا پوری پڑھے گا کہ مقیم کا بَن میں ٹھہرنا سفر نہیں۔

(2) اگر یہاں سے کہیں مدت سفر سے کم کی نیت سے جائے گا جاتے اور آتے اور وہاں ٹھہرتے ہر حال میں اتمام کرے گا اگرچہ وہاں ایک ہی دن ٹھہرے کہ ہنوز سفر متحقق نہ ہوا۔

(3) اگر مدّت سفر کی نیّت سے جائے گا راہ میں قصر کرے گا اور وہاں بھی اگر پندرہ دن نیت نہ کرے ورنہ وہاں پوری پڑھے گا۔

(4) یہی واپسی میں جب وہاں سے اُس مقام کو بقصدِ واحد واپس آئے گا راہ میں قصر کرے گا۔

(5) جب یہاں پہنچے گا از انجا کہ مدتِ سفر سے آیا ہے اور یہ محل اقامت نہیں، اب اس کا حکم شقوق صورت اولیٰ گزشتہ کی طرف عائد ہوگا کہ ابتدائے واپسی سے بلا فصل جب تک یہاں رہے گا قصر کرے گا اس آخرہ کہ اب یہاں مسافر بمعنی مذکور ہو کر آیا، بالجملہ جب یہاں بعد سفر آئے گا صورتِ اولیٰ ہوگی اور مقیم ہو کر صورت ثانیہ یہی دورہ رہے گا۔

صورت ثالثہ: مسافر بمعنی مذکور ہے اور یہ جگہ محلِ اقامت جیسے اسٹیشن، اس میں:

(1) اگر ابتدائے تعین میں معلوم تھا کہ پندرہ دن کے اندر یہاں سے جانا ہے تو مقیم نہ ہوگا قصر ہی پڑھے گا،

(2) یہاں سے کہیں قبل اقامت جائے راہ میں قصر ہی کرے اور واپسی میں بھی۔

(3) جب وہاں سے واپس آئے اور اب بھی پندرہ دن کے اندر کہیں جانے کا ارادہ ہے تو یہی شقوق واحکام ہیں۔

(4) اب وہ ارادہ نہیں یا ابتدائے تعین ہی میں روز کے اندر کہیں جانے کی نیت نہ تھی تو جبھی سے یا اب یہاں آ کر مقیم ہو جائے گا پوری پڑھے، اس صورت چہارم میں اس کا حکم شقوق اربعہ آئندہ کی طرف رجوع کرے گا۔

صورت رابعہ: مقیم ہے اور یہ جگہ محلِ اقامت، اس میں:

(1) جب تک یہاں رہے گا اتمام کرے گا اگرچہ ایک ہی دن ٹھہرنے کا ارادہ ہو۔

(2) یہاں سے کہیں جائے اور جاتے اور آتے اور ٹھہرتے اور واپس آ کر ہمیشہ پوری پڑھے گا جبکہ وہ جگہ مدت سفر پر نہ ہو۔

(3) اگر مدّت سفر پر جائے راہ میں قصر کرے اور وہاں پوری پڑھے، اگر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت ہو، ورنہ وہاں بھی قصر کرے۔

(4) جب وہاں سے واپس آئے راہ میں قصر کرے یہاں پہنچ کر یہی شقوق و احکام ہیں جبکہ پندرہ دن کے اندر جانے کا ارادہ نہ ہو۔

(5) اگر بعد واپسی یہاں پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کا اردہ ہے تو یہاں آ کر بھی مقیم نہ ہوگا کہ یہ وطن اقامت بوجہ سفر باطل ہو گیا اور اب قصداً اقامت نہیں، اس صورت پنجم میں اس کا حکم شقوق صورتِ ثالثہ کی طرف راجع ہوگا۔ (ص259تا267)

سوال: اسٹیشن ''دودھوا گھاٹ'' ایک جنگل کا مقام ہے اور یہاں پر نہ آبادی ہے نہ زراعت ہوتی ہے اور میں ایک ٹھیکہ دار کا ملازم ہوں اور بظاہر مجھ کو امید ہے کہ اس جگہ میرا قیام جب تک کہ ملازمت قائم ہے برابر رہے گا، اسی خیال سے میں پوری نماز ادا کرتا تھا، اب ایک شخص نے کہا کہ تم کو یہاں پر قصر پڑھنا چاہئے خواہ تم ایک سال رہو یا زائد رہو۔ آپ ارشاد فرمائیں شریعت کا حکم کیا ہے؟

جواب: جبکہ وہاں نہ آبادی ہے نہ جائے قیام ہے تو اگر یہ وہاں مسافر ہو کر پہنچا یعنی تین منزل سے ارادہ کر کے بیچ میں بغیر سفر توڑے وہاں پہنچا تو جب تک وہاں رہے گا قصر کرے گا اگرچہ کتنی ہی مدت گزرے اور اگر وہاں مقیم ہو کر پہنچا یعنی تین دن کی راہ سے کم فاصلہ وہاں تک تھا یا زیادہ تھا مگر بیچ میں دوسری جگہ ٹھہرتا ہوا آیا کہ پچھلے قصد سے یہاں تک مدت سفر نہ تھی تو جب تک رہے گا پوری پڑھے گا اگرچہ ایک ہی دن رہے قیام کا اصلاً قصد نہ ہو۔ (ص267)

قصر نماز کو جان بوجھ کر پوری پڑھنا گناہ و عذاب کا سبب ہے

سوال: جس پر نماز قصر ہو وہ سفر میں اگر جان بوجھ کر بہ نیتِ زیادہ ثواب پوری نماز پڑھے گا تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟

جواب: بیشک گنہگار و مستحق عذاب ہوگا۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((صدقة تصدق الله بها علیکم فاقبلوا صدقته)) ترجمہ: یہ قصر صدقہ ہے اللہ تعالیٰ نے تم پر صدقہ کیا ہے اسکے صدقہ کو قبول کرو۔ (سنن ابی داؤد، ج1، ص170، آفتاب عالم پریس، لاہور) (ص268)

سوال: میں اپنے شہر سے دو سو میل دور مقام جھانسی کے تھانہ میں ملازم ہوں، پندرہ روز تک کبھی تھانہ میں ٹھہرنا نہیں ہوتا، علاقے کے دیہات میں برابر بسلسلہ تفتیش وغیرہ کے گشت رہتا ہے لہذا التماس ہے کہ ایسی صورت میں نماز قصر پڑھنا چاہئے یا پوری؟

جواب: جو مقیم ہوا اور وہ دس دس پانچ پانچ بیس بیس تیس تیس کوس کے ارادے پر جائے کبھی مسافر نہ ہوگا ہمیشہ پوری نماز پڑھے گا اگرچہ اس طرح دنیا بھر کا گشت کر آئے جب تک ایک نیت سے پورے چھتیس کوس یعنی ساڑھے ستاون میل انگریزی کے ارادے سے نہ چلے یعنی نہ بیچ میں کہیں ٹھہرنے کی نیت ہو اور اگر دو سو میل کے ارادے پر چلا مگر ٹکڑے کر کے یعنی بیس میل جا کر یہ کام کروں گا وہاں سے تیس میل جاؤں گا وہاں سے پچیس میل، وعلی ھذا القیاس مجموعہ دو سو میل تو وہ مسافر نہ ہوا کہ ایک لخت ارادہ ساڑھے ستاون میل کا نہ ہوا، ہاں جو مسافر ہے مقیم نہیں وہ جہاں ہے وہاں بھی قصر پڑھے گا اور وہاں سے ایک ہی میل یا کم کو جائے خواہ زیادہ کو، وہاں بھی قصر ہی کرے گا اور وہاں سے ایک ہی میل یا کم کو جائے خواہ زیادہ کو، وہاں بھی قصر

ہی کرے گا جب پورے پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کسی محل اقامت میں نہ کرے۔ (ص268)

سوال: ایک شخص علاقہ نیپال کے جنگل میں ملازم ہے اور ایسی جگہ رہتا ہے جہاں سے ایک یا دو میل یا کم و زیادہ کے فاصلے پر آبادی اور زراعت ہوتی ہے اور آقا جب بھیجتا ہے تو کچھ مدت مقرر نہیں کرتا تو ان صورتوں میں ملازم کو نمازِ قصر ادا کرنا واجب ہے یا پوری؟ اور اگر خود مختار ہے تو اس کو قصر پڑھنا چاہئے یا پوری؟ زید کا قول کہ نمازِ قصر ادا کرنا واجب ہے کیونکہ اول عملداری ہندو کی ہے یعنی نیپال، دوسرے جگہِ اقامت پر نہ آبادی ہے نہ زراعت ہوتی ہے یعنی کچھ فاصلے پر ہے، تیسرے یہ صورت اوّل میں خود مختار نہیں، آقا جب چاہے منتقل یا علیحدہ کر سکتا ہے۔ کیا اس کا قول درست ہے؟

جواب: جو مسافر نہ تھا اور اُس جنگل تک جانے میں بھی اُسے سفر کرنا نہ پڑا کہ فاصلہ تین منزل سے کم تھا، وہ تو ظاہر ہے کہ مقیم تھا اور مقیم رہا اسے قصر حرام ہے اور پوری پڑھنی فرض ہے اگرچہ وہ جگہ نرا بَن (جنگل) ہو۔

اور جو مسافر تھا یا وہاں تک جانے سے مسافر ہوا کہ فاصلہ تین منزل یا زائد کا تھا وہ ضرور مسافر ہے، اگر عادت معلوم ہے کہ جس کام کے لئے بھیجا گیا وہ پندرہ دن یا زائد میں ہوگا اور جگہ ایسی ہو جہاں اقامت ممکن ہے اگرچہ آبادی وہاں سے دو تین میل فاصلہ پر ہو اور زراعت نہ ہو وہاں پہنچ کر مقیم ہو جائے گا اور پوری پڑھنی لازم ہوگی خاص وہاں زراعت ہونا کچھ ضرور نہیں، نہ ہندو کی علمداری ہونا کچھ مانع کہ یہ آمد و رفت امان کے ساتھ ہے اس سے تعرض نہیں کیا جاتا۔ درمختار میں ہے "من دخلها بآمان فانه یتم" ترجمہ: جو امان کی بنا پر داخل ہُوا وہ نماز پوری پڑھے۔ (دُرمختار، ج1، ص107، مطبع مجتبائی، دہلی)

اور یہ احتمال کہ شاید کوئی ضرورت پیش آئے اور جس کا نوکر ہے وہ دوسری جگہ بھیجے معتبر نہیں، ایسا احتمال ہر شخص کو ہر حال میں ہے، اور جب نوکر کا یہ حکم ہے تو خود مختار تو بدرجہ اولیٰ جبکہ پندرہ دن یا زائد کی نیت کی ہو۔ (ص269)

سوال: زید کی سسرال اسکے وطن اصلی سے بسفر ریل ۱۱۴ میل کے فاصلے پر ہے اور بیوی بچے اس کے سب سسرال میں رہتے ہیں مگر زید اپنے کاروبار کی وجہ سے زیادہ تر اپنے مسکن پر رہتا ہے اور بال بچّے جو اس کے سسرال میں رہتے ہیں بلکہ ضرورۃً عرصہ ۸ ماہ سے ان کو وہاں چھوڑ رکھا ہے، ایسی صورت میں جب زید اپنے مسکن سے اپنے بال بچوں میں ہونے کے واسطے بایں ارادہ گیا کہ میں چوتھے روز یا پندرہ دن کے بعد یا مہینہ بھر کے بعد واپس آؤں گا تو اس پر قصر واجب ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی موقع سے اس نے قصر نماز ادا نہ کی ہو جس کو کہ وہ اپنے علم کے موافق قصر نہیں جانتا مگر شرعی اصول کے موافق اس پر قصر واجب ہو تو اس کے ذمہ کچھ مواخذہ ہے یا نہیں؟

جواب: جبکہ مسکن زید کا دوسری جگہ ہے اور بال بچوں کا یہاں رکھنا عارضی ہے تو جب یہاں آئے گا اور پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کرے گا قصر کرے گا اور پندرہ دن یا زیادہ کی نیت سے مقیم ہو جائے گا پوری نماز پڑھے گا جس پر شرعاً قصر ہے اور اس نے جہلاً پڑھی اُس پر مواخذہ ہے اور اس نماز کا پھیرنا واجب۔ (ص270)

سوال: ریل میں ایک کثیر عملہ رہتا ہے جسکا یہی کام کہ ہفتہ دس دن کم وبیش اس کی جگہ رہتے ہیں اور کبھی کبھی تو بیس دن مہینہ بھی ہو جاتا ہے، ان کے لئے نماز میں قصر کا حکم ہے یا نہیں؟

جواب: اگر اپنے مقام سے ساڑھے ستاون میل کے فاصلے پر علی الاتصال جانا ہو کہ وہیں جانا مقصود ہے بیچ میں جانا مقصود نہیں اور وہاں پندرہ دن کامل ٹھہرنے کا قصد نہ ہو تو قصر کریں گے ورنہ پوری پڑھیں گے، ہاں یہ جو بھیجا گیا اگر اس وقت حالت سفر میں ہے مقیم نہیں تو کم وبیش جتنی دور بھی بھیجا جائیگا مسافر ہی رہے گا جب تک پندرہ کامل ٹھہرنے کی نیت نہ کرے یا اپنے وطن نہ پہنچے۔ (ص270)

سوال: میں بریلی کا رہنے والا ہوں، آج تلہر کا قصد دس بجے کی گاڑی سے ہے تلہر تک قصر نہیں تلہر سے قصد رامپور کا ہے تلہر سے رام پور تک قصر ہے لیکن درمیان میں بریلی پڑھے گی اترنا نہیں ہوگا اس صورت میں قصر کا کیا حکم ہے۔ تلہر میں بھی قصر پڑھا جائے یا نہیں؟

جواب: یہاں سے تلہر تک اور تلہر کے قیام تک قصر نہ کریں جب تلہر سے بخط مستقیم رامپور کا ارادہ ہو تو راہ میں بھی اور رامپور میں بھی اور بریلی تک واپس آنے میں بھی قصر کریں، رامپور جانے میں اگرچہ بریلی کے اسٹیشن پر گزر ہوگا مگر وہ بریلی میں گزر نہیں کہ قصر کا قصر کردیں اس لئے کہ یہاں اسٹیشن خارج شہر ہے۔ (ص271)

<u>مسافر اگر پوری نماز پڑھادے تو اسکی اقتداء میں مقیموں کی نماز باطل ہو جائے گی</u>

سوال: مسافر اگر نمازی پوری چار رکعت پڑھادے تو مقیمین کی نماز ہوگی یا نہیں؟

جواب: مسافر اگر بےنیتِ اقامت چار رکعت پوری پڑھے گنہ گار ہوگا اور مقیمین کی نماز اس کے پیچھے باطل ہو جائیگی اگر دو رکعت اولیٰ کے بعد اس کی اقتداء باقی رکھیں گے۔ (ص271)

سوال: کوئی شخص اپنے وطن اصلی سے سفر کر کے دوسری جگہ میں جو سفر شرعی تین منزل سے زائد ہے بوجہ تجارت یا نوکری وغیرہ کے جارہا ہو مگر اہل وعیال اس کے وطن اصلی میں ہوں اور اکثر قیام اُس کا وطن ثانی میں رہنا ہوگا، سال بھر میں مہینہ دو مہینہ کے واسطے اہل وعیال میں بھی رہ جاتا ہو یا بعض اہل کو ہمراہ لے جائے اور بعض کو وطن چھوڑ جائے یا کل متعلقین ہمراہ لے جائے صرف مکانات وغیرہ کا تعلق وطن اصلی میں باقی ہو اور ان سب صورتوں میں ان کا زیادہ تر اور اکثر قیام وطن ثانی میں رہتا ہے اور کم اتفاق رہنے کا وطن اصلی میں ہوتا ہے، ایسی صورت میں یہ شخص کہیں سے سفر کرتا ہوا وطن ثانی میں آئے اور پندرہ ۱۵ روز قیام کا قصد نہ رکھتا ہو تو پوری پڑھے گا یا قصر؟

جواب: جبکہ وہ دوسری جگہ نہ اس کا مولد ہے نہ وہاں اس نے شادی کی نہ اسے اپنا وطن بنالیا یعنی یہ عزم نہ کرلیا کہ اب یہیں رہوں گا اور یہاں کی سکونت نہ چھوڑوں گا بلکہ وہاں کا قیام صرف عارضی بر بنائے تعلق تجارت یا نوکری ہے تو وہ جگہ وطن

اصلی نہ ہوئی اگر چہ وہاں بضرورت معلومہ قیام زیادہ اگر چہ وہاں برائے چندے یا تا حاجت اقامت بعض یا کل اہل وعیال کو بھی لے جائے کہ بہر حال یہ قیام بیک وجہ خاص سے ہے نہ مستقل ومستقر، تو جب وہاں سفر سے آئے گا جب تک ۱۵ دن کی نیت نہ کرے گا قصر ہی پڑھے گا کہ وطن اقامت سفر کرنے سے باطل ہو جاتا ہے۔ (ص271)

نماز جمعہ کا بیان

دیہات میں جمعہ ناجائز ہے

سوال: دیہات میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ آبادی جس کی مسجد میں اس کے ساکن نہ سماسکیں شہر ہے یا گاؤں؟

جواب: دیہات میں جمعہ ناجائز ہے اگر پڑھیں گے گنہگار ہوں گے اور ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگی۔۔۔ صحتِ جمعہ کے لئے شہر شرط ہے، اور شہر کی یہ تعریف کہ جس کی اکبر مساجد میں اس کے سکان جن پر جمعہ فرض ہے یعنی مرد عاقل بالغ تندرست نہ سماسکیں، ہمارے ائمہ ثلثہ رحمہم اللہ تعالٰی سے ظاہر الروایہ کے خلاف ہے اور جو کچھ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے مرجوع عنہ اور متروک ہے۔۔۔ اور فتوی جب مختلف ہو تو ظاہر الروایہ پر عمل واجب ہے۔

اقول: محققین تصریح فرماتے ہیں کہ قول امام پر فتوی واجب ہے اس سے عدول نہ کیا جائے اگر چہ صاحبین خلاف پر ہوں اگر چہ مشائخ مذہب قولِ صاحبین پر افتا کریں۔

تو جہاں قول صاحبین بھی امام ہی کے ساتھ ہے ایک روایت نوادر صرف بوجہ اختلاف فتاوی متاخرین کیونکہ معمول و مقبول اور آئمہ ثلثہ کا ظاہر الروایہ میں جوارشاد ہے متروک ولائقِ عدول ہو، لاجرم شرح نقایہ ومجمع الانہر میں تصریح فرمائی ہے کہ شہر کی یہ تعریف محققین کے نزدیک صحیح نہیں۔

اقول: معہذا ہمارے ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم نے جو اقامتِ جمعہ کے لئے مصر کی شرط لگائی اس کا ماخذ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کی حدیث صحیح ہے جسے ابوبکر بن ابی شیبہ وعبدالرزاق نے اپنی مصنفات میں روایت کیا ((لاجمعۃ ولا تشریق ولا صلوٰۃ فطر ولا اضحی الافی مصر جامع اومدینۃ عظیمۃ)) ترجمہ: جمعہ، تکبیرات تشریق، عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ جامع شہر یا بڑے شہر میں ہو سکتے ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج2، ص101، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی)

ظاہر ہے کہ اس روایت غریبہ (یعنی وہ آبادی جس کی بڑی مسجد میں وہاں کے اہلیان جمعہ نہ سماسکیں) کی تعریف بہت سے چھوٹے چھوٹے مزرعوں (دیہاتوں) پر صادق جنھیں کوئی مصر جامع یا مدینہ نہ کہے گا۔

تو اس کا اختیار اصل مذہب سے عدول اور ماخذ کا صریح خلاف ہے اور گویا مخالفوں کے اس اعتراض کا پورا کر لینا ہے کہ حنفیہ نے

یہ شرط بے توقیفِ شارع اپنی رائے سے لگالی اس کے سوا عند التحقیق اس پر بہت اشکال وارد ہیں جن کی تفصیل کو دفتر درکار ہے۔

طرفہ یہ ہے کہ وہ پاک مبارک دو شہر جس کی مصریت پر اتفاق ہے اور ان میں زمانہ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جمعہ قائم یعنی مدینہ ومکہ زادہما اللہ تعالیٰ شرفاً وتکریماً اس تعریف کی بنا پر وہی شہر ہونے سے خارج ہوئے جاتے ہیں۔۔۔تو اس کی بے اعتباری میں کیا شبہ ہے۔

صحیح تعریف شہر کی یہ ہے کہ وہ آبادی جس میں متعدد کوچے ہوں دوامی بازار ہوں، نہ وہ جسے پیٹھ کہتے ہیں، اور وہ پرگنہ ہے کہ اس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہوں اور اُس میں کوئی حاکم مقدمات رعایا فیصل کرنے پر مقرر ہو جس کی حشمت وشوکت اس قابل ہو کہ مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے۔ جہاں یہ تعریف صادق ہو وہی شہر ہے اور وہیں جمعہ جائز ہے۔ ہمارے ائمہ ثلثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہی ظاہر الروایہ ہے۔ (ص273تا275)

<u>جمعہ کی فرضیت ضروریاتِ دین میں سے ہے</u>

سوال: زید کہتا ہے کہ نماز جمعہ کی فرضیت میں اختلاف چلا آتا ہے، بعض علماء فرماتے ہیں کہ نماز جمعہ کی ہندوستان میں بھی فرض عین ہے اور جو بعد نمازِ جمعہ کے احتیاطی فرض ظہر کے پڑھے جاتے ہیں، اس میں حرج نہیں، اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ ہندوستان میں نماز جمعہ عین فرض تھی مگر اس وقت سلطنتِ اسلام کے ہونے کی وجہ سے وہ فرضیت جو در اصل تھی اب وہ نہیں رہی، نماز جمعہ ہندوستان میں فرضیت کے بجائے مستحب کے درجے میں ہے، بہر حال پڑھنا نمازِ جمعہ ثواب اور اچھا ہے اور ساتھ اس کے یہ بھی فتوی فرماتے ہیں کہ نماز جمعہ کے بعد احتیاطاً ظہر کے فرض پڑھ لینا ضرور چاہئے۔

جواب: اصل فرضیت جمعہ میں کسی کو کلام نہیں کہ وہ نہ صرف مجمع علیہا یا نص قطعی سے ثابت بلکہ اعلیٰ واجل ضروریاتِ دین سے ہے مگر جمعہ باجماع امت مشروط ہے، ہمارے ائمہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جو شرائط اس کے لئے معین فرمائے شک نہیں کہ ان بلاد میں ان کا پورا پورا اجتماع قدرے محل اشتباہ ونزاع۔

معہذا یہاں عامۂ بلاد میں جماعاتِ جمعہ متعدد ہوتی ہیں اور اگر چہ مذہب مفتی بہ میں تعددِ جمعہ مثل عیدین مطلقاً جائز۔ (پھر اس پر دلائل ارشاد فرمائے، پھر فرماتے ہیں) مگر عند التحقیق روایت عدم جواز تعدد بھی ساقط نہیں بلکہ مذہب کا باقوت قول ہے۔ (پھر اس پر دلائل ارشاد فرمائے، پھر فرماتے ہیں) ان وجوہ کی نظر سے ائمہ مرو واکثر مشائخ بخارا واصحاب امام عبداللہ حکم شہید واصحاب امام شیخ ابی عمرو واساتذہ صاحب مختار الفتاوی وغیرہم جمہور ائمہ دین وعلمائے معتمدین نے ایسی جگہ ان چار رکعت احتیاطی کا حکم دیا۔

ہاں وہ نرے جاہل عامی لوگ کہ تصحیح نیت پر قادر نہ ہوں یا ان رکعات کے باعث راساً جمعہ کو غیر فرض یا جمعہ کے دن دو نمازیں فرض سمجھنے لگیں اُنھیں ان رکعات کا حکم نہ دیا جائے بلکہ ان کی ادا پر مطلع نہ کیا جائے کہ مفسدہ اشد واعظم کا دفع آکد واہم،

ان کے لئے اسی قدر بس ہے کہ بعض روایات واقوالِ ائمہ مذہب پر ان کی نماز صحیح ہوجائے۔

اس تحقیق سے ظاہر کہ ان بلاد میں مطلقاً صحتِ جمعہ کو قطعی یقینی بلا اشتباہ ماننا افراط اور اقاویل مذہب وخلافیاتِ مشائخ سے غفلت وذہول ہے اور جمعہ کو صرف درجہ مستحب میں جاننا محض باطل وتفریط وقواعہ شرح مقاصد ائمہ سے عدول، اگر اول حق ہوتا تو احتیاط کی کیا حاجت تھی کہ خروج عن العہدہ بالیقین ہولیا، اور ثانی صحیح ہوتا تو صرف احتیاط ماننے کے کیا معنی تھے بلکہ یقیناً ظہر فرض قطعی ہوتا اور ایک مستحب کے سبب جماعتِ ظہر کو کہ علی المعتمد واجب ہے ترک کرنا مکروہ تحریمی معہذا جمعہ مستحبہ نہ شرع سے معہود نہ کلمات علماء اُس کے مساعد، پس قولِ وسط وانصاف یہ ہے ان شہروں میں جمعہ ضرور لازم ہے اور اس کا ترک معاذ اللہ ایک شعار عظیم اسلام سے اعراض، اوران چار رکعت احتیاطی کا خواص کو حکم اور نافہم عامیوں کے حق میں اغماض۔ (ص279تا282)

خطیب کے لئے خطبہ کے معنی جاننا ضروری نہیں

سوال: یہ جو فتاوٰی ابوالبرکات میں لکھا ہے کہ "لا تجوز الجمعة حتی یعلم الخطیب معناه" ترجمہ: جب خطیب، خطبہ کے معانی سے آگاہ نہ ہو جمعہ جائز نہیں۔ یہ صحیح ہے یا نہیں؟

جواب: خطیب کا معنیٔ عبارتِ خطبہ سمجھنا شرط کیا معنی، ہرگز واجب بھی نہیں کہ آثم (گناہ گار) کہہ سکیں، جمعہ ناجائز ہونا تو درکنار اگر یہ قول صحیح ہوتا واجب تھا کہ کتب مشہورہ متداولہ اس کی تصریحوں سے مالا مال ہوتیں ایسا نہایت ضروری مسئلہ جس پر نماز فرض کے صحت وبطلان کا مدار ہو اور متون وشروح وفتاوٰی کہیں اس کا پتا نہ دیں ہرگز عقل سلیم اسے قبول نہیں کرسکتی۔

ولہذا مجتبٰی میں جو بہت سی شرائط نیت نماز فرض ونفل میں ذکر کیں جن کا تصانیف معتمدہ میں وجود نہ تھا علماء نے اسی وجہ سے ان کی طرف اصلاً التفات نہ فرمایا۔

اور مجتبٰی اگرچہ مثل سائر تصانیف زاہدی کتب معتمدہ سے نہیں تاہم مشہور مصنف کی مشہور تصنیف ہے جس سے علماء مابعد نے صدہا مسائل نقل فرمائے مگر ایسے ہی نوادر وغرائب کے باعث پایہ اعتماد سے ساقط ہوئی۔

پھر بالفرض اگر فتاوٰی ابوالبرکات کا یہ مطلب ہو بھی تو اس قسم کے فتاوی ایک بات اور وہ بھی اتنی بے ثبات جس پر شرع سے اصلاً دلیل نہیں، کیونکر ادنٰی التفات کے قابل ہوسکتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ تدبرِ معنی جمال محمود وکمال مقصود ہے مگر فقہائے کرام نے عموماً عبادات کے کسی ذکر میں نفس نیت کے سوا قلب کا کوئی حصہ ایسا نہیں رکھا جس پر فساد وصحت کی بنا ہو یہاں تک کہ اصل حضور قلب جس کے معنی یہ ہیں کہ صدور فعل وقول پر متنبہ ہو اگرچہ معنی کلام نہ سمجھے یہ بھی صحتِ نماز کے لئے ضروری نہیں۔ (ص282)

سوال: خطبہ جمعہ شرعاً تذکیر (وعظ ونصیحت) کے لئے رکھا گیا ہے، لہذا جو خطبہ دے رہا ہے اس کا سمجھنا بھی ضروری

ہونا چاہیئے؟

جواب: خطبۂ جمعہ کا ذکر تذکیر کے لئے مشروع ہونا کما قال تعالیٰ ﴿فاسعوا الیٰ ذکر اللہ﴾ (جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا پس اللہ کے ذکر کی طرف جلدی چلو) ہرگز اس دعوٰی کا مثبت نہیں ہوسکتا جب الفاظ الفاظِ ذکر ہیں اور اس نے بالقصد انھیں ادا کیا قطعاً ذکر متحقق ہوا، تدبرِ معنی پر توقف نہیں ورنہ واجب کہ نماز میں بھی فہم معنی (ضروری ہو) قال تعالیٰ ﴿اقم الصلوٰۃ لذکری﴾ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے ذکر کے لئے نماز قائم کرو)۔

علاوہ بریں تذکیر (نصیحت کرنے) سے تذکر (نصیحت حاصل کرنا) زیادہ محتاجِ فہم وتدبر۔۔۔حالانکہ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مقتدی اگر بہرے یا سوتے یا اس قدر دور ہوں کہ آواز نہ جائے مگر وقتِ خطبہ حاضر ہوں کافی ہے شرط ادا ہوگئی فہم معنی جدا، نفسِ سماع کی بھی ضرورت نہیں۔

اقول وباللہ التوفیق: حقیقت امر یہ ہے کہ ہر چند احکام شرعیہ عموماً حکم ومصالح سے ناشی ہوتے ہیں اور مشروعیت خطبہ کی حکمت یہی تذکیر وتذکر ہے مگر حکمت مدارِ حکم نہیں ہوتی کہ اُس کے فقدان سے فساد وبطلان لازم آئے مثلاً شرع نکاح کی حکمت تکثیر امت اور نفس کی عفت کہ مردِ عنین وزنِ رتقاوقرنا میں دونوں اور بحالت عقم اول منتفی، مگر پھر بھی صحتِ نکاح میں شبہ نہیں۔

صوم کی حکمت کسرِ شہوت اور نفس کی ریاضت، پھر اگر کسی شخص کے مزاج پر رطوبت غالب اور اس کی وجہ سے شہوتین میں ضعف ہو کہ روزہ اُسے نافع وموجب قوت پڑے تو کیا اُسے روزے کا حکم دیں گے یا اُس کے صوم کو فاسد مانیں گے وقس علی ھذا (اور اس پر قیاس کر)۔

یہ سب کلام اُس تقدیر پر ہے کہ عبارتِ مذکورہ سوال کا وہ مطلب ہو، یہ فتاوٰی فقیر کی نظر سے نہ گزرا کہ سیاق وسباق دیکھ کر تعین مراد کی جاتی مگر جتنے لفظ سائل نے نقل کئے فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ کی رائے میں ان کی عمدہ توجیہ یوں ممکن کہ نیت نام قصدِ قلبی کا ہے اور قصدِ شے اس کے علم پر موقوف، آدمی جس چیز کو جانتا ہی نہ ہو اُس کا قصد محض بے معنی، اور کسی شے کا جاننا اسے نہیں کہتے کہ صرف اس کا نام معلوم ہو جس کے معنی ومراد سے ذہن بالکل خالی ہو بلکہ اس کے مفہوم سے آگاہی ضروری ہے مثلاً طوطے کو زید کا نام سکھا دیں تو یہ نہ کہیں گے کہ وہ زید کو جانتا ہے، اسی لئے علماء فرماتے ہیں اگر کوئی شخص نمازِ فرض میں فرض کی نیت تو کرے مگر یہ نہ جانے کہ فرض کسے کہتے ہیں نماز نہ ہوگی کہ صلوٰۃِ فریضہ میں نیتِ فرض بھی ضروری تھی جب وہ معنی فرض سے غافل ہے تو لفظ فرض کا خیال ہوا نہ نیتِ فرض کہ فرض تھی۔

جب یہ واضح ہولیا اور معلوم ہے کہ صحتِ خطبہ کے لئے نیتِ خطبہ شرط ہے یہاں تک کہ اگر منبر پر جا کر چھینک آئی اور چھینک پر الحمد للہ کہا خطبہ ادا نہ ہوا۔۔۔تو لازم ہوا کہ خطیب معنی خطبہ سے آگاہ ہو یعنی یہ جانتا ہو کہ خطبہ ایک ذکر الٰہی کا نام ہے تا کہ اس کی نیت کر سکے ورنہ نامِ خطبہ جانا بھی اور یہ نہ جانا کہ خطبہ کسے کہتے ہیں بلکہ لوگوں کے دیکھا دیکھی بے سمجھے ایک فعل کر دیا

تو بیشک نماز جمعہ ادا نہ ہوگی کہ یہ وہی نام خطبہ کا خیال ہوا نہ نیتِ خطبہ۔

اور جب نیت نہ ہوئی کہ شرطِ صحتِ خطبہ تھی خطبہ نہ ہوا، اور جب خطبہ نہ ہوا کہ شرطِ صحت جمعہ تھا جمعہ نہ ہوا جس طرح کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھ کر خود بھی ان کے سے افعال کرے اور معنی نماز سے جاہل ہو یعنی نہ جانے کہ نماز خدا کا ایک فرض ہے کہ بغرض امتثال امر ادا کیا جاتا ہے ہرگز نماز نہ ہوگی۔

یہ معنی ہیں معنی خطبہ نہ جاننے کے، نہ یہ کہ جو عبارت پڑھے اس کا ترجمہ سمجھنا ضروری ہے، یہ کسی کا بھی مذہب نہیں۔ (ص282تا286)

خطبۂ جمعہ کا ترجمہ کرنا کیسا ہے

سوال: زید جمعہ کے دن جب خطبہ پڑھتا ہے تو اس کے بعد ترجمہ بھی پڑھتا ہے اس لئے خطبہ ثانیہ میں توقف ہوتا ہے اور خطبہ ثانیہ کے بعد ترجمہ پڑھنے سے نماز میں تاخیر ہوتی ہے تو یہ خطبہ مع ترجمہ بزبان غیر عربی جمعہ یا عیدین کا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ترجمہ کے سبب خطبہ ثانیہ یا نماز جمعہ میں تاخیر فصل اجنبی تو نہیں ہے کہ ترجمہ خطبہ بھی خطبہ ہے اذفیھا ما فیھا من الذکر والتذکیر (کیونکہ اس میں ذکر و نصیحت ہے) ہاں خطبہ کی تطویل ہوگی اور یہ خلاف سنت ہے خصوصاً اگر مقتدیوں پر ثقیل ہو کہ اب سخت ممانعت ہے، لحدیث قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ((افتان انت یا معاذ!)) قالہ فی الصلوۃ فکیف فی الخطبۃ۔ ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے اے معاذ! تو فتنہ پیدا کرنا چاہتا ہے، یہ آپ نے نماز کے بارے میں فرمایا تھا تو خطبہ میں کیا حال ہوگا۔ (مسند احمد بن حنبل، ج3، ص299، دار الفکر، بیروت)

اور نہ بھی ہو تو خطبہ میں غیر زبان عربی کا خلط خود مکروہ اور سنتِ متوارثہ کے خلاف ہے۔۔ ہاں عیدین میں خطبہ ثانیہ اگر لوگ راضی و متوجہ ہوں بہ نیت وعظ نہ بہ نیت خطبہ، عید پند و نصیحت کر سکتا ہے اگرچہ وہی خطبہ میں بزبان عربی مذکور ہوئی۔ ((فقد اتی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد خطبۃ العید الی النساء فوعظھن و ذکرھن)) ترجمہ: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ عید کے بعد خواتین کے اجتماع میں تشریف لے جا کر انھیں وعظ و نصیحت فرماتے۔ (مشکوۃ المصابیح، ص126، مطبع مجتبائی، دہلی) (ص286)

صحت جمعہ کے لئے اذن عام شرط ہے

سوال: قلعہ کلکتہ میں دروازوں پر پہرہ رہتا ہے اور دس پانچ کیا سو پچاس آدمی بغرضِ سیر جائیں یا دوسری غرض سے مثلاً کسی کے ملاقات کو، تو کوئی مانع و مزاحم نہیں ہوتا، تین چار ہزار مزدور اندر کام کرتے ہیں جو صبح کو بے روک ٹوک اندر جاتے اور باہر آتے ہیں، ہاں شب کے ساڑھے نو بجے سے عام لوگ پانچ بجے تک اندر نہیں جاسکتے، اندر بازار بھی ہے جو چاہے باہر سے اشیاء خریدنے کو جائے کچھ ممانعت نہیں، ہاں یہ قاعدہ ہے کہ باہر سے جو چاہے جو چیز چاہے اندر لے جائے مگر اندر سے بغیر پاس کے کوئی چیز باہر نہیں لاسکتا، پہلے مسلمان بکثرت تھے، نماز باجماعت ہوتی تھی اب ہندو بہت ہیں، مسلمان قریب ستر کے ہوں گے، انھوں نے کرنیل سے درخواست کی کہ ہم اپنا مولوی نماز پڑھانے

کی غرض سے رکھنا چاہتے ہیں اس نے اجازت دی اور انھوں نے رکھ لیا، ایک مسلمان نے بعض مسائل میں دوسرے مسلمان سے حجت کی اور مار پیٹ ہوئی، کرنیل نے اُس تنہا مسلمان کو ان کی جماعت میں شریک ہونے سے ممانعت کردی اور ان سب سے کہہ دیا اگر یہ شخص تمھاری نماز کی جگہ آئے تو اس کو قید کرلو اور ہمارے پاس پہنچادو، ایسی حالت میں نماز جمعہ قلعہ کے اندر ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

جواب: اذنِ عام کہ صحتِ جمعہ کے لئے شرط ہے، اُس کے یہ معنی کہ جمعہ قائم کرنے والوں کی طرف سے اُس شہر کے تمام اہلِ جمعہ کے لئے وقتِ جمعہ حاضری جمعہ کی اجازت عام ہو تو وقت جمعہ کے سوا باقی تمام اوقات نماز میں بھی بندش ہو تو کچھ مضر نہیں نہ کہ صرف رات کے ساڑھے نو بجے سے صبح پانچ بجے تک، کتب مذہب میں تصریح ہے کہ بادشاہ اپنے قلعہ یا مکان میں حاضری جمعہ کا اذنِ عام دے کر جمعہ پڑھے تو صحیح ہے حالانکہ قصر وقلعہ شاہی عام اوقات میں گزرگاہ عام نہیں ہوسکتے۔

اور بے پاس کسی چیز کی باہر لانے کی ممانعت تو یہاں سے کچھ علاقہ ہی نہیں رکھتی ہے کہ وہ خروج سے منع ہے نہ دخول سے، یونہی مزدوروں یا سیر والوں یا خریداروں کو اجازت عام ہونا کچھ مفید نہیں کہ وقتِ نماز بہرِ نماز اہل نماز کو اجازت چاہیے اوروں کو ہونے نہ ہونے سے کیا کام، اور اذن اگرچہ انھیں لوگوں کا شرط ہے جو اس جمعہ کی اقامت کرتے ہیں۔۔۔ مگر پر ظاہر کہ تحققِ معنی اذن کے لئے اُس مکان کا صالحِ اذن عام ہونا بھی ضرور، ورنہ اگر کچھ لوگ قصر شاہی یا کسی امیر کے گھر میں جمع ہوکر باذان واعلان جمعہ پڑھیں اور اپنی طرف سے تمام اہل شہر کو آنے کی اجازت عامہ دے دیں مگر بادشاہ امیر کی طرف سے دروازوں پر پہرے بیٹھے ہوں عام حاضری کی مزاحمت ہو تو مقیمین کا وہ اذنِ عام محض لفظ بے معنی ہوگا وہ زبان سے اذن عام کہتے اور دل میں خود جانتے ہوں گے کہ یہاں اذن عام نہیں ہوسکتا۔ پس ما نحن فیہ میں دو باتیں محلِ نظر رہیں:

اوّلاً: اُس قلعہ کا صالح اذن عام ہونا یعنی اگر تمام اہل شہر اُسی قلعہ میں جمعہ پڑھنا چاہیں تو کوئی ممانعت نہ کرے۔۔۔ اگر ایسا ہے تو بیشک وہ قلعہ صالح اذن عام ہے اور ایسی حالت میں دروازہ پر چوکی پہرہ ہونا کچھ مضر نہ ہوگا کہ پہرا وہی مانع ہے جو مانع دخول ہو۔

تو صرف شوکتِ شاہی یا اُس قانون کی رعایت کو کہ بے پاس کوئی اندر سے باہر نہ جائے، پہرا ہونا مکان کو صلاحیتِ اذنِ عام سے خارج نہیں کرتا اور اگر اجازت سو پچاس یا ہزار دو ہزار کسی حد تک محدود ہے جیسا کہ بعض الفاظ سوال سے مستفاد، اگر تمام جماعات شہر جانا چاہیں نہ جانے دیں گے تو وہ مکان بندش کا ہے اس میں جمعہ نہیں ہوسکتا۔

ثانیاً: اگر ثابت ہوجائے کہ یہ قلعہ اذنِ عام کا مکان ہے تو جب تک کسی شخص خاص کو حاضری نماز سے ممانعت نہ تھی جمعہ بیشک صحیح ہوجاتا تھا اب کہ اُس ملازم جرنیل کو منع کیا گیا تو محلِ نظر ہے کہ یہ ممانعت ان مقیمانِ جمعہ کی طرف سے بھی ہے یا نہیں۔ اگر یہ اُسے جمعہ میں آنے سے منع نہیں کرتے اگرچہ اور نمازوں میں مانع ہوں اگرچہ کرنیل نے اُسے جمعہ سے بھی جبراً روکا ہو یا وہ خود بخوفِ کرنیل نہ آتا ہو تو ان صورتوں میں بھی صحتِ جمعہ میں شک نہیں کہ جب مقیمین جمعہ کی طرف سے اذنِ عام اور وہ مکان بھی اذن عام کا

صالح تو کسی شخص کو غیر جمعہ سے تو روکنا یا جمعہ میں اُس کا خود آنا یا کسی کا جبراً اُسے باز رکھنا قاطع اذن عام نہیں ہو سکتا جیسے زندانی لوگ کہ ہمیشہ حضوریِ مساجد سے ممنوع ہوتے ہیں یا اگر کوئی شخص بعض نمازیوں کو خاص وقت نماز اس لئے مقید کرلے کہ مسجد میں نہ جانے پائیں تو نہ یہ قادح اذن عام نہ مُثمانِ جمعہ پر اس کا الزام، بلکہ ظاہراً ممانعت کرنیل بھی کوئی اپنی طرف سے حکمِ جبری نہیں انھیں پلٹن والوں کی خاطر سے ہے اور انہیں کی مرضی پر رکھا ہے جب یہ مزاحمت نہیں کرتے تو کرنیل کو پرخاش سے کیا مطلب۔

اور اگر یہ خود اُسے حاضری جمعہ سے باز رکھتے ہیں تو دیکھنا چاہئے کہ وہ شخص فی الواقع شریر و مفسد و موذی ہے کہ اُس کے آنے سے اندیشہ فتنہ ہے جب تو ایسی ممانعت بھی مانع صحتِ جمعہ نہ ہوگی کہ قادح اذن عام سے روکنا ہے۔۔۔اور یہ روکنا درحقیقت نماز سے روکنا نہیں بلکہ فتنہ سے بندش ہے۔

علماء خود فرماتے ہیں کہ موذیوں کو مساجد سے روکا جائے۔۔۔تو یہ روکنا کہ مطابق شرع ہے منافی اذن نہیں، اور اگر ایسا نہیں بلکہ یہ لوگ محض ظلماً بلا وجہ یا براہ تعصب روکتے ہیں تو بلا شبہ ان کا جمعہ باطل کہ ایک شخص کی ممانعت بھی اذن عام کی مبطل۔ (ص288 تا 291)

<u>جمعہ کی سنتوں کی رکعتیں دس ہیں</u>

سوال: جمعہ کے دو رکعت فرضوں کے سوا کتنے رکعت نماز سنت پڑھنا چاہئے؟ فرضوں سے پہلے کتنے رکعت اور بعد فرضوں کے کتنے رکعت؟

جواب: دس سنتیں ہیں، چار پہلے چار بعد ہی منصوص علیہن فی المتون قاطبة وقد صح بهن الحديث فی صحيح مسلم (ان کے چار ہونے پر متون میں قطعاً تصریح ہے اور صحیح مسلم میں ان کے بارے میں صحیح حدیث بھی وارد ہے) اور دو بعد کو اور، کہ بعدِ جمعہ چھ سنتیں ہونا ہی حدیثاً وفقھاً اثبت واحوط (مختار ومحتاط حدیث وفقہ کے اعتبار سے) مختار ہے اگرچہ چار کہ ہمارے ائمہ میں متفق علیہ ہیں ان دو سے مؤکد تر ہیں۔ (ص292)

سوال: احتیاطی ظہر پڑھنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟

جواب: اور عام لوگوں کو احتیاطی ظہر کی کچھ ضرورت نہیں۔ (ص293)

<u>ظہر احتیاطی کون پڑھے؟ اور اس کا طریقہ</u>

سوال: ظہرِ احتیاطی کا طریقہ کیا ہے اور کہاں اس کے پڑھنے کا حکم ہے؟

جواب: وہ شہر وقصبات جن میں شرائط جمعہ کے اجتماع میں اشتباہ واقع ہو یا جمعہ متعدد جگہ ہوتا ہو اور آج کل ہندوستان کے عام بلاد ایسے ہی ہیں ایسی جگہ ہمارے علمائے کرام نے حکم دیا ہے کہ بعد جمعہ چار رکعت فرض احتیاطی اس نیت سے ادا کرے کہ پچھلی وہ ظہر جس کا وقت میں نے پایا اور اب تک ادا نہ کی یہ چار رکعتیں چاروں سنت بعدیہ جمعہ کے بعد پڑھے اور جس پر ظہر کی قضائے عمری نہ ہو

وہ چاروں میں سورت بھی ملائے پھر جمعہ کی دوسنتیں ان رکعتوں کے بعد بہ نیتِ سنت وقت ادا کرے، جمعہ پڑھتے وقت نیت صحیح وثابت رکھے جمعہ کو صحیح سمجھ کر خاص فرض جمعہ کی نیت کرے اگر بہ نیت فرض ادا نہ کیا تو جمعہ یقیناً نہ ہوگا اور اب یہ چار رکعتیں نری احتیاطی نہ رہیں گی بلکہ ظہر پڑھنی فرض ہو جائے گی، اور جب یوں نیتِ صحیحہ سے ادا کر چکا تو ان چار رکعتوں میں یہ نیت نہ کرے کہ آج کی ظہر پڑھتا ہوں بلکہ وہی گول نیت رکھے کہ جو پچھلی ظہر میں نے پائی اور ادا نہ کی اسے ادا کرتا ہوں خواہ وہ کسی دن کی ہو اس سے زیادہ خیالات پریشان نہ کرے، یوں پڑھنے میں یہ نفع پائے گا کہ اگر شاید علمِ الٰہی میں بوجہ فوت بعض شرائط جمعہ صحیح نہ ہوا ہوگا تو یہ رکعتیں آج ہی کی ظہر ہو جائیں گی کہ اس صورت میں یہی ظہر وہ پچھلی ہے جس کا وقت اُسے ملا اور ابھی ذمّہ سے ساقط نہ ہوئی اور اگر جمعہ صحیح واقع ہوا تو آج سے پہلے کی جو ظہر اس کے ذمہ رہی ہوگی (خواہ یوں کہ سرے سے پڑھی ہی نہ تھی یا کسی وجہ سے فاسد ہوگئی) وہ ادا ہو جائے گی اور اگر کوئی ظہر نہ رہی ہوگی تو یہ رکعتیں نفل ہو جائیں گی، اسی لحاظ سے جس پر قضائے عمری ظہر کی نہ ہو یہ چاروں رکعتیں بھری پڑھیں کہ اگر نفل ہوئیں اور سُورت نہ ملائی تو واجب چھوٹ کر نماز مکروہ تحریمی ہوگی، ہاں جس پر قضائے عمری ہے اسے پچھلی دو میں سورت ملانے کی حاجت نہیں کہ اس کے ہر طرح فرض ہی ادا ہوں گے، جمعہ نہ ہوا تو آج کے اور ہوا تو آج سے پہلے کے، یہ سب تفصیل واقع کے اعتبار سے ہے نمازی کو نیت میں اس شک وتردد کا حکم نہیں کہ نیت وتردد باہم منافی ہیں اگر یونہی مذبذب نیت کی تو وہ مقصود واحتیاط ہرگز حاصل نہ ہوگا لہٰذا اسی طرح گول نیت سے بے خیال تردد بجالائے اور واقع کا معاملہ علمِ الٰہی پر چھوڑ دے۔

پھر ایسی تصحیح نیت نرے جاہلوں کو ذرا دشوار ہے اور ان سے یہ بھی اندیشہ کہ اس کے سبب کہیں یہ نہ جاننے لگیں کہ جمعہ سرے سے خدا کے فرضوں میں ہی نہیں یا سمجھنے لگیں کہ جمعہ کے دن دوہرے فرض ہیں دو رکعتیں الگ چار الگ، اسی لئے علماء نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کو ان رکعتوں کا حکم نہ دیا جائے ان کے حق میں یہی بہت ہے کہ بعض روایات پر اُن کی نماز ٹھیک ہو جائے انھیں ایسی احتیاط کی حاجت نہیں، ہاں خواص یعنی جو لوگ اس طرح کی نیت کر سکتے ہوں اور اُن سے وہ اندیشے نہ ہوں وہ یہ احتیاط بجالائیں تاکہ یقیناً فرض خدا ادا ہو جائے اور شبہ واحتمال کی گنجائش نہ رہے۔ (ص293)

سوال: حنفی اگر بعض اقوال امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اختیار کر لیں جو عبادت میں زیادتی کے لئے ہوں جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً اگر دیہات میں جمعہ پڑھنا بقول امام شافعی جائز ہے، حنفی پڑھیں تو جائز ہوگا یا ناجائز؟

جواب: حتی الامکان چاروں مذہب بلکہ جمیع مذاہب ائمہ مجتہدین کی رعایت ہمارے علماء بلکہ سب علماء مستحب لکھتے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ یہ اسی وقت تک ہے کہ اپنے مذہب کے کسی مکروہ کا ارتکاب نہ ہو ورنہ ایسی رعایت کی اجازت نہیں۔

جب مکروہ کے سبب یہ حکم تو امر حرام وناجائز کے لئے کیونکر اجازت ہوسکتی ہے، دیہات میں جمعہ پڑھنا خود ناجائز

ہے۔۔۔ پھراس کے سبب جماعتِ ظہر ترک ہونا دوسرا گناہ، اور ہر گناہ قابلِ مواخذہ، اور اگر ظہر نہ پڑھی جب تو خود نمازِ فرض معاذ اللہ عمداً ترک کی فرض کا ذمہ پر رہ جانا کیا کوئی ہلکی بات ہے۔ (ص297)

سوال: فرضِ جمعہ کے بعد چار رکعتیں اس نیت سے پڑھنا کہ اگر جمعہ نہ ہوا تو یہ رکعتیں فرض ظہر میں شمار ہو جائیں ورنہ نفل رہیں گی۔ اس کا رواج جائز ہے یا نہیں؟

جواب: یہ نیت کہ اگر جمعہ نہ ہوا تو فرض ورنہ نفل ہرگز کفایت نہ کرے گی کہ جمعہ نہ ہوا تو فرض ظہر ذمہ پر باقی ہے اور فرض کی نیت میں تعیین شرط ہے شک وتردد کافی نہیں۔

بلکہ اشباہ کی جگہ یہ کرے کہ جمعہ پڑھتے وقت عزم وجزم کے ساتھ جمعہ کی نیت کرے پھر چار سنت بعدیہ بہ نیت سنت وقت پڑھے پھر یہ چار رکعت احتیاطی اس نیت سے ادا کرے کہ پچھلی وہ ظہر جس کا وقت میں نے پایا اور ادا نہ کی، پھر دو سنتیں بہ نیت سنت وقت پڑھے، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ جمعہ صحیح ہو گیا تو چار فرض جو اس نے پڑھے پہلے کسی ظہر کی قضا دانستہ یا نادانستہ جو اس کے ذمہ رہ گئی تھی اُس میں محسوب ہو جائیں گی اور کوئی قضا نہ تھی تو نفل ہوں گی، اور اگر جمعہ نہ ہوا تو یہ فرض خود آج ہی کی ظہر کے مع سنت قبلیہ وبعدیہ بترتیب ادا ہو جائیں گے، یہ اس طریقہ کی منفعت ہے نہ یہ کہ نیت میں یوں شک وتردد کرے، یوں ہرگز فرض ادا نہیں ہو سکتے تو وہ مقصود احتیاط کہاں حاصل ہوا، ان رکعتوں کا رواج جواز کیا بلکہ ایسے مواقع میں علماء نے حکم دیا ہے مگر ان جاہلوں کو نہیں جو نیت صحیح نہ کر سکیں یا ان کے باعث جمعہ کے دن دوہرے فرض سمجھنے لگیں، ولہذا اعلماء فرماتے ہیں عوام جاہلوں کو ان کا حکم نہ دیا جائے۔

مگر یہ اس جگہ کے لئے ہے جو شہر یا فناء شہر ہو اور تعددِ جمعہ وغیرہ وجوہ کے سبب صحت جمعہ میں اشتباہ ہو، گاؤں میں جمعہ اصلاً جائز نہیں تو وہاں اس کی اجازت نہیں ہو سکتی کہ ایک ناجائز کام کریں اور ان چار رکعت احتیاطی سے اس کی تلافی چاہیں۔ (ص298)

سوال: یہ بات مشہور ہے کہ گاؤں میں جمعہ نہ پڑھنے سے پڑھنا اولیٰ ہے کہ ضعفِ اسلام کا وقت ہے۔

جواب: اور ضعفِ اسلام کا عذر قابلِ سماعت نہیں، ضعف تو یوں ہی ہے کہ اکثر اہل اسلام کو جائز ناجائز کی چنداں پروانہ رہی، نہ کہ وہ ناجائز جسے عبادت سمجھ کر بجا لائیں، رونق اسلام اتباعِ احکام میں ہے نہ بے قیدی میں۔ (ص299)

سوال: حاکم یا قاضی یا بادشاہ یا نائب کا موجود ہونا جو مشروط ہے اور وہ شرط ہندوستان میں کہیں میسر نہیں پھر آخر جمعہ پڑھا جاتا ہے اور ایک شرط پر لحاظ نہیں کیا جاتا، ایسا ہی اگر شہر ہونے کا نہ لحاظ کیا جائے تو گنجائش ہے یا نہیں؟

جواب: سلطان یا اس کے مامور وماذون کا اقامتِ جمعہ کرنا اگرچہ ایسی شرط ہے کہ ہنگامِ ضرورت ساقط ہو جاتی ہے مگر شرطِ مصر کا اس پر قیاس نہیں کہ غیر مصر میں اقامتِ جمعہ خود شرع مطہر نے ضرور نہ ٹھہرائی بلکہ وہاں عدمِ اقامت ہی ضرور ہے تو اس شرط کے اسقاط میں ضرورت کے کیا معنی، غرض دیہات میں جمعہ کی ہرگز اجازت نہیں ہو سکتی، فرضِ ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ (ص299)

سوال: یہ جو علماء لکھتے ہیں کہ جس بستی کے مسلمان مکلف وہاں کی بڑی مسجد میں نہ سماویں وہاں جمعہ جائز ہے یہ مردم شماری کل آبادی سے مراد ہے یا تعداد نمازیوں سے، اندرونِ مسجد سے یا مع صحنِ مسجد؟

جواب: بعض علماء نے جو یہ روایت اختیار کی ہے اُس میں بستی کی مردم شماری مقصود نہیں بلکہ خاص وہ لوگ جن پر جمعہ فرض ہے یعنی مرد عاقل بالغ آزاد مقیم کہ اندھے لنجھے لولے یا ایسے ضعیف یا مریض نہ ہوں کہ جمعہ کی حاضری سے معذور ہوں، ایسے معذوروں یا بچوں، عورتوں، غلاموں، مسافروں کی گنتی نہیں، اور پوری مسجد مع صحن مراد ہے نہ کہ فقط اندر کا درجہ۔ (ص299)

جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے امام کے علاوہ تین مرد کافی ہیں

سوال: جماعتِ جمعہ میں کم از کم کتنے آدمی ہونے چاہئیں؟

جواب: ہمارے امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک صحتِ نماز جمعہ کے لئے امام کے سوا تین مرد عاقل بالغ درکار ہیں اس سے کم میں جائز نہیں زیادہ کی ضرورت نہیں۔ (ص300)

مقتدی اذانِ ثانی کا جواب نہ دیں

سوال: خطیب کے سامنے جو اذان ہوتی ہے مقتدیوں کو اس کا جواب دینا اور جب دو خطبوں کے درمیان جلسہ کرے مقتدیوں کو دعا کرنا چاہئے یا نہیں؟

جواب: ہرگز نہ چاہئے یہی احوط ہے۔۔۔ہاں یہ جوابِ اذن یا دُعا اگر صرف دل سے کریں زبان سے تلفظ اصلاً نہ ہو کوئی حرج نہیں۔

اور امام یعنی خطیب تو اگر زبان سے بھی جوابِ اذن دے یا دُعا کرے بلا شبہ جائز ہے۔وقد صح کلام الامرین عن سید الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی صحیح البخاری وغیرہ۔ ترجمہ: صحیح البخاری وغیرہ میں سید الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دونوں معمول ملتے ہیں۔ (ص300)

سوال: خطبہ جمعہ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم آواز بلند کہنا چاہئے یا با خفا؟

جواب: نہ بآواز نہ باخفاء، بلکہ تنہا اعوذ آہستہ پڑھ کر حمدِ الٰہی سے شروع کرے۔ (ص302)

عربی زبان میں خطبہ سنت ہے اور اس کے علاوہ خلاف سنت ہے

سوال: خطبۂ جمعہ میں جو وعظ و نصیحت پر مشتمل اردو قصائد پڑھے جاتے ہیں یہ شرعاً کیسا ہے اور عوام کا یہ عذر کہ عربی ہماری سمجھ میں نہیں آتی لہٰذا اردو کی ضرورت ہے قابل قبول ہے یا نہیں؟

جواب: یہ امر خلاف سنتِ متوارثہ مسلمین ہے اور سنتِ متوارثہ کا خلاف مکروہ، قرناً فقرناً اہل اسلام میں ہمیشہ خالص

عربی میں خطبہ معمول ومتوارث رہا ہے اور متوارث کا اتباع ضرور ہے۔

زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بحمد اللہ ہزار ہا بلاد عجم فتح ہوئے۔ ہزاروں عجمی حاضر ہوئے مگر کبھی منقول نہیں کہ انھوں نے ان کی غرض سے خطبہ غیر عربی میں پڑھایا اس میں دوسری زبان کا خلط کیا ہو۔

عوام کا یہ عذر جب صحابہ کرام کے نزدیک لائق لحاظ نہ تھا اب کیوں مسموع ہونے لگا، بات یہ ہے کہ شریعت مطہرہ نے علم سیکھنا سب پر واجب کیا ہے۔ عوام کہ نہیں سمجھتے، سبب یہ ہے کہ نہیں سیکھتے، تو قصور اُن کا ہے نہ کہ خطیب کا، آخر عوام قرآن مجید بھی تو نہیں سمجھتے کیا ان کے لئے (نماز میں) قرآن اُردو میں پڑھا جائے۔ (ص302)

خطبہ کے وقت عصا نہ پکڑنا بہتر ہے

سوال: خطیب کو وقتِ خطبہ عصا ہاتھ میں لینا سنت ہے یا نہیں؟

جواب: خطبہ میں عصا ہاتھ میں لینا بعض علماء نے سنت لکھا اور بعض نے مکروہ، اور ظاہر ہے کہ اگر سنت بھی ہو تو کوئی سنت مؤکدہ نہیں، تو بنظرِ اختلاف اُس سے بچنا ہی بہتر ہے مگر جب کوئی عذر ہو۔ وذلک لان الفعل اذا تردد بین السنیة والکراھة کان ترکه اولیٰ۔ ترجمہ: وہ اس لئے کہ جب فعل کے سنت اور مکروہ ہونے میں شک ہو تو اس کا ترک بہتر ہوتا ہے۔ (ص303)

سوال: جمعہ وعیدین میں پورا خطبہ اشعار عربی وفارسی وہندی میں پڑھنا اور یا خطبہ میں چند اشعار کا داخل کرنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: شعر کی نسبت حدیث میں فرمایا وہ ایک کلام ہے جس کا حسن حسن اور قبیح قبیح یعنی مضمون پر مدار ہے اگر اچھا ذکر ہے شعر بھی محمود اور بُرا تذکرہ ہے تو شعر بھی مذموم، بحور، عروض پر موزوں ہو جانا خواہی نخواہی قبح کلام کا باعث نہیں اگر چہ اس میں انہماک واستغراق تام متکلم کے حق میں شرع کو ناپسند۔

خود حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے منبر بچھاتے وہ اس پر کھڑے ہو کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حمد وثنا ومفاخرت کا خطبہ بلیغہ اشعار میں پڑھتے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے یہ جب تک اس کام میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ جبرئیل سے اس کی مدد فرماتا ہے۔

تو اگر خطبہ جمعہ یا عیدین میں احیاناً دو چار عربی اشعار حمد ونعت، وعظ وتذکیر وذمِ دنیا ومدحِ عقبیٰ کے پڑھے جائیں کوئی مانع نہیں بلکہ خود اشد الامۃ فی امر اللہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خطبہ میں بعض اشعار پڑھنا مروی۔

مگر ان خطبوں کا تمام وکمال نظم ہی میں پڑھنا نہ چاہئے کہ بلاوجہ کلماتِ مسنونہ سے اعراض بلکہ طریقہ متوارثہ کی تغیر ہے اور نظم خالص خطبہ میں ترک سنتِ تلاوت کو مستلزم جس کی کراہت کلمات علماء میں مصرح۔

یوں ہی زبان عجمی کا داخل خطبہ کرنا مناسب نہیں کہ زمانہ صحابہ وتابعین وائمہ دین سے خطبہ خاص زبان عربی میں ہونا متوارث ہے۔۔۔عہد سلف میں بحمہ اللہ ہزاروں بلاد عجم فتح ہوئے۔ ہزارہا منبر نصب کیے گئے، عامہ حاضرین اہل عجم ہوتے مگر کبھی منقول نہیں کہ سلف صالح نے ان کی تفہیم کے لئے خطبہ جمعہ یا عیدین غیر عربی میں پڑھا یا اس میں دوسری زبان کا خلط کیا، اور سنت متوارثہ کی مخالفت بیشک مکروہ ہے۔

بااینہمہ اگر خطبہ عربیہ کے ساتھ کچھ اشعار پند ونصائح اردو میں پڑھے جائیں جیسا کہ آج کل ہندوستان میں اکثر جگہ معمول ہے تو غایت اس کی بس اس قدر کی خلاف اولیٰ ومکروہ تنزیہی ہے اس سے زیادہ مکروہ تحریمی وگناہ وممنوع وبدعت سیئہ قرار دینا محض بے دلیل ہے۔ (ص303تا309)

غیر خطیب کا نماز پڑھانا اولیٰ نہیں

سوال: نماز غیر خطیب کا پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: غیر خطیب کا نماز پڑھانا اولیٰ نہیں۔ (ص309)

نابالغ کا خطبۂ جمعہ پڑھنا کیسا؟

سوال: نابالغ کا خطبہ جمعہ پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: اگر نابالغ خطبہ پڑھے اور بالغ نماز پڑھائے تو اس میں اختلاف ہے۔۔۔بہرحال صونا عن الخلاف (اختلاف سے بچنے کی خاطر) نابالغ کا خطبہ پڑھنا مناسب نہیں۔ (ص309)

سوال: نمازِ جمعہ کے بعد چار فرض ظہر احتیاطی کیوں پڑھے جاتے ہیں؟ اگر کوئی کہے کہ اس طرح تو پھر قرأت خلف الامام، آمین بالجہر اور رفع یدین کو بھی احتیاطاً کرنا چاہیے۔

جواب: عبادات بشدت محلِ احتیاط ہیں اور خلاف علماء سے خروج بالاجماع مستحب، جب تک اپنے مذہب کے کسی مکروہ کا ارتکاب نہ لازم آئے۔۔قرأت مقتدی ورفع یدین وجہر بہ آمین ہمارے مذہب میں باتفاق ائمہ ممنوع ومکروہ وخلاف سنت ہیں تو ہمیں یہاں رعایتِ خلاف اپنے مذہب سے خروج اور مکروہ فی المذہب کا ارتکاب صاف ہے بخلاف فرض احتیاطی کہ بسبب تعدد جمعہ رکھے گئے یہ دونوں حرج سے پاک ہیں تعدد مطلقاً اگر چہ علی الاصح ظاہر الروایۃ اور وہی معمول ومفتی بہ مگر منع تعدد بھی مذہب میں ایک قول قوی مصحح ہے۔

پھر اس کی رعایت میں کوئی کراہت لازم نہیں آتی کہ یہ فرض احتیاطی بجماعت نہیں ہوتے منفرداً بہ نیت آخر ظہر پڑھے جاتے ہیں وہ بھی صرف خواص کے لئے عوام کو نہ بتائے جائیں نہ انھیں حاجت، تو فرق ظاہر ہو گیا اور اعتراض ساقط۔ (ص311)

سوال: ایک قصبہ میں جامع مسجد ہے ہمیشہ اُس میں جمعہ ہوتا ہے اب ایک مسجد بنائی گئی اُس کو جامع مسجد بنانا اور

قدیم کی جامع مسجد کو ترک کر دینا یا دونوں جا جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: قصبہ و شہر جہاں جمعہ جائز ہے وہاں نماز جمعہ متعدد جگہ ہونا بھی جائز ہے اگرچہ افضل حق الوسع ایک جگہ ہوتا ہے اور اگلی مسجد جامع کو ترک کر دینے کے اگر یہ معنی کہ اُس میں نماز ہی چھوڑ دی جائے، تو قطعاً ناجائز کہ مسجد کا ویران کرنا ہے اور اگر یہ مراد کہ نماز تو وہاں ہوا کرے مگر جمعہ وہاں کے بدلے اب اس مسجد جدید میں ہو، اس میں اگر وہاں کے اہل اسلام کوئی مصلحت شرعیہ قابل قبول رکھتے ہوں تو کیا مضائقہ، ورنہ مسجد جامع وہی مسجد قدیم ہے اور اس میں نماز جمعہ کا ثواب زائد۔ (ص312)

سوال: ظہر احتیاطی کا ہندوستان میں کیا حکم ہے؟

جواب: بعض شرائط صحت کی تحقیق میں یہاں ضرور اختلاف و اشتباہ ہے، ایسی جگہ علمائے کرام نے چار رکعت احتیاطی کا حکم دیا مگر خواص کے لئے، نہ کہ ایسے عوام کو جو صحیح نیت پر قادر نہ ہوں، اُن کے لئے ایک مذہب پر صحت بس ہے، یہ رکعتیں بحال توہم عدمِ صحت تو صرف مندوب ہیں اور بحال شک و اشتباہ ظاہر وجوب۔ (ص312)

<u>جمعہ ہجرت کے پہلے سال فرض ہوا</u>

سوال: جمعہ کس سال فرض ہوا؟

جواب: جمہور کے نزدیک صحیح مشہور یہی ہے کہ ہجرت کے پہلے سال فرض ہوا۔ (ص313)

<u>لوگوں کی کثرت کی وجہ سے جمعہ و عیدین میں سجدہ سہو ترک کر سکتے ہیں</u>

سوال: نماز عیدین یا جمعہ میں آدمیوں کی کثرت سے سجدہ سہو امام کو ترک کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ہاں علمائے کرام نے بحالتِ جماعت جبکہ سجدۂ سہو کے باعث مقتدیوں کے خبط و افتتان کا اندیشہ ہو اس کے ترک کی اجازت دی بلکہ اسی کو اولیٰ قرار دیا۔ (ص314)

سوال: ایک مسجد میں آج جمعہ کے دن امام صاحب جمعہ مع خطبہ پڑھ کر فارغ ہوئے، اب اُس وقت پندرہ سولہ آدمی اسی مسجد میں بعد نمازِ جمعہ آ گئے اب یہ آنے والے اسی مسجد میں پھر جمعہ پڑھیں یا ظہر، بر تقدیر ثانی جماعت سے پڑھیں یا منفرد؟

جواب: حق یہ ہے کہ اس مسجد میں در کنار کسی دوسری مسجد میں بھی جہاں جمعہ نہ ہوتا ہو خواہ مکان یا میدان میں کسی جگہ یہ لوگ جمعہ پڑھ سکتے بلکہ اپنی ظہر تنہا تنہا پڑھیں۔ (ص319)

<u>ایک مسجد میں دو اماموں کا اکٹھے جمعہ پڑھانا جائز نہیں</u>

سوال: ایک مسجد میں دو امام درمیان میں پردہ ڈال کر جمعہ پڑھانا جائز ہوگا یا نہیں؟

جواب: عدمِ جواز بمعنی گناہ تو جمیع فرائض میں ہے صورتِ سوال سے ظاہر کہ دیدہ و دانستہ دو جماعتیں بالقصد اس

طرح کہیں اور کسی فرض کی دو جماعتیں ایک مسجد ایک وقت میں بالقصد قائم کرنا ہرگز جائز نہیں، دونوں فریق یا لااقل دونوں میں سے ایک ضرور گنہگار ہوگا کہ جماعت فرائض کی ایسی تفریق صراحۃً بدعت سیئہ شنیعہ ہے، اگر دونوں امام میں صرف ایک صالح امامت بلاکراہت ہے، مثلاً دُوسرا فاسق معلن یا بدمذہب ہے جب تو کراہت صرف اس دوسرے پر ہے، اور اگر دونوں صالح تو جس کی نیت پہلے بندھ گئی اس پر الزام نہیں دوسرے پر ہے، اور معاً باندھیں تو دونوں پر۔

اور جمعہ میں تو جواز بمعنی صحت ہی نہیں کم سے کم ایک فریق کا جمعہ سرے سے ادا ہی نہ ہوگا، صحتِ جمعہ کی شرائط سے ایک یہ بھی ہے کہ بادشاہِ اسلام یا اس کا ماموراقامت کرے یعنی سلطان خود یا اُس کا ماذون خطبہ پڑھے، امامت کرے اور جہاں یہ صورت متعذر ہو جیسے ان بلادِ ہندوستان میں کہ ہنوز دارالاسلام ہے وہاں بضرورت نصب عامہ کی اجازت یعنی عام مسلمین جسے امام مقرر کرلیں۔

پُرظاہر کہ کسی مسجد کے لئے دواماجمعہ علٰی وجہ الاجتماع کہ دونوں امامت جمعۂ واحدہ کریں مقرر نہیں ہوتے خصوصاً ہمارے بلاد میں امر اور بھی اظہر کہ نصب عامہ صرف بضرورت اقامت شعار معتبر، اور یہ ضرورت امام واحد سے مرتفع، تو ایک جمعہ میں ایک مسجد میں دوامام کا جمع باطل ومتدفع۔

پس صورتِ مستفسرہ میں اُن دونوں میں جو اُس مسجد کا امام معین جمعہ نہ تھا اُس کا اور اس کے مقتدیوں کا جمعہ ادا نہ ہوا، اور اگر دونوں نہ تھے تو کسی کا نہ ہوا، یہیں سے صورتِ اخیرہ کا جواب بھی ظاہر، اور اگر بفرض باطل صورت صحت تسلیم بھی ہو جو ہرگز لائق تسلیم نہیں تو اس کے سخت مخالف مقصود شرع وبدعت شنیعہ سیئہ ہونے میں کلام نہیں۔

جمعہ میں ایک مذہب قوی یہ ہے کہ شہر بھر میں ایک ہی جگہ ہوسکتا ہے اور بعض نے دوجگہ اجازت دی اور بعض نے بیچ میں نہر فاصل ہونے کی شرط کی، مفتی بہ جواز تعدد ہے مگر یہ تعدد کہ ایک ہی دن ایک ہی مسجد میں دس بار امامتِ جمعہ ہو کہ جیسے دو ویسی ہی سو[100] یہ بلاشبہ ابتداع فی الدین ہے۔

(ص320)

پانچ سوالات کے جوابات

سوال: درج ذیل سوالات کے جوابات درکار ہیں:

(1) جمعہ وعیدین کا خطبہ عربی میں پڑھ کر اردو میں ترجمہ کرنا کیسا؟ (2) صرف اردو میں خطبہ پڑھنا کیسا؟ (3) کچھ عربی کچھ اردو میں خطبہ پڑھنا کیسا؟ (4) خطبہ کا صرف اشعار پر مشتمل ہونا کیسا؟ (5) خطبہ میں کچھ اشعار داخل کرنا کیسا؟

جواب: یہ سوال چند امور پر مشتمل:

(1) عیدین میں بہ نیت خطبہ ہو تو ناپسند اور اس کا ترک احسن اور بعدِ ختمِ خطبہ، نہ بنیتِ خطبہ بلکہ قصدِ پند ونصیحت جداگانہ ہو تو جائز وحسن اور جمعہ میں مطلقاً مکروہ ونامستحسن، دلیل حکم ووجہ فرق یہ کہ زبانِ برکت نشان رسالت سے عہد صحابہ کرام

وتابعین عظام وائمہ اعلام تک تمام قرون وطبقات میں جمعہ وعیدین کے خطبے ہمیشہ خالص زبانِ عربی مذکور و ماثور اور باآنکہ زمانہ صحابہ میں بحمد اللہ تعالٰی اسلام صدہا بلاد عجم میں شائع ہوا، جوامع بنیں، منابر نصب ہوئے، باوصفِ تحقیقِ حاجت کبھی کسی عجمی زبان میں خطبہ فرمانا یا دونوں زبانیں ملانا مروی نہ ہوا تو خطبے میں دوسری زبان کا خلط سنت متوارثہ کا مخالف ومغیر ہے اور وہ مکروہ۔

مگر عیدین میں خطبہ بعد نماز ہے تو وہ مستوعد وقت نہیں ہوسکتا نیت قطع اپنا عمل کرے گی اور بعد فراغ خطبہ کہ تمام امور متعلقہ نماز عید منتہی ہوگئے، مسلمان کو تذکیر وتفہیم ممنوع نہیں بلکہ مندوب، اور خود سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

بخلاف جمعہ کہ اس میں خطبہ قبل نماز ہے اور شروع تذکیر سے آغازِ تکبیر تک اسی کا وقت ہے ولہذا فصل بہ اجنبی ناجائز، یہاں تک کہ اگر فصلِ طویل حاصل ہو خطبہ زائل اور اعادہ لازم، ورنہ نماز باطل ہو، اور غیر اجنبی سے بھی فصل پسندیدہ نہیں اور اعادۂ خطبہ اولٰی۔

اور شک نہیں کہ خطبہ خواندہ کا ترجمہ یا اور مواعظ ونصائح جو اس وقت میں واقع ہوں گے انھیں مقاصد ومضامین خطبہ پر مشتمل ہوں گے تو وقت خطبہ میں ایقاع تذکیر بہ نیت تذکیر قطعاً اُسے داخل خطبہ کرے گا اور نیت قطع بے معنی رہے گی کہ عمل وواقع صراحۃً اس کا مکذب ہوگا۔

اور اگر بالفرض قطع ہی مانیے تو خطبہ ونماز میں فصل لازم آئے گا اگرچہ غیر اجنبی سے تو سنت مستمرہ وصل کے خلاف ہوگا بہرحال خالی از کراہت نہیں۔

(2) صرف اردو خطبہ اس کی کراہت بیان بالا سے اظہر واز ہر خصوصاً جبکہ یہ صرف اپنی صرافتہ محضہ پر ہو کہ اب تو اس کا مکروہ وشنیع ہونا صراحۃً منصوص کہ خطبہ میں تلاوتِ قرآن عظیم کا ترک بُرا ہے۔

(3) کچھ عربی کچھ اردو اس کا حال بھی بیانِ سابق سے واضح ہو چکا مگر جب امام بحالتِ خطبہ کوئی امر منکر دیکھے تو اُس سے نہی کیا ہی چاہیئے اور جب وہ عربی سمجھتا یا امام خود عربی میں کلام کرنا نہیں جانتا تو ناچار زبان مقدور ومفہوم کی طرف رجوع ہوگی یہ کلام جو خطبہ میں ہوگا خطبہ ہی ہوگا کہ امر بالمعروف بھی اُس کے مقاصد حسنہ سے ہے۔۔۔یوُں ایک حصہ خطبہ اردو میں ہونا البتہ مکروہ نہیں بلکہ واجب تک ہوسکتا ہے جبکہ ازالہ منکر اسی میں منحصر ہو۔

(4) محض اشعار پر قناعت یہ ضرور مکروہ واساءت وخلاف سنت وموجب ترکِ تلاوت، اور اگر ایک آیت طویلہ یا تین آیت قصیرہ کو نظم کر کے لائیں تو اول تو غالباً یہ بلا تغییر نظم قرآن نا متیسر اور بعد تغییر نظم تلاوت نہ رہے گی اگرچہ اقتباس ہو، اور اگر بَن بھی پڑے تو ادائے سنت تلاوت کے لئے قرآن مجید کو منظوم کر کے پڑھنا ترک قرأت سے اشد واشنع ہے، قرآن عظیم شعر سے پاک ومنزّہ اور اپنے شعر بننے کی گوارش سے متعالی وارفع ہے۔۔۔تو اس طور پر قصدِ تلاوت صریح اساءت ادب ہے۔

اور یوُں بھی نظم پر اقتصار میں بلاوجہ کلماتِ ماثورہ وطریقہ متوارثہ سے اعراض ہے تو اُس سے اعراض ہی چاہیئے۔

(5) بعض اشعار محمودہ ملائمہ داخل کرنا یہ اگر زبان عجم ہوں تو وہی امر سوم ہے ورنہ کچھ حرج نہیں خصوصاً جبکہ احیاناً ہو کہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خطبہ میں بعض اشعار پڑھنا مروی۔ (ص322 تا325)

سوال: جمعہ کی نماز میں جو اخیر میں دو رکعت ظہر کی سنت پڑھتے ہیں اس کی ضرورت ہے یا نہیں؟

جواب: جمعہ کے بعد ظہر کی سنت کا کوئی محل ہی نہیں، نہ ضرورت بمعنی وجوبِ سنن میں محتمل۔ ہاں جمعہ کی سنتِ بعدیہ میں اختلاف ہے، اصل مذہب میں چار ہیں وعلیہ المتون (متون میں اسی کا تذکرہ ہے۔) اور احوط وافضل چھ ہیں۔

مگر جب صحتِ جمعہ میں نزاع واشتباہ کے باعث خواص چار رکعت احتیاطی بہ نیت آخر ظہر پڑھیں تو انھیں چاہئے بعد جمعہ چار سنتیں پھر وہ چار رکعتیں پڑھ کر اُن کے بعد یہ دو سنتیں نہ نیت سنت وقت پڑھیں، جمعہ یا ظہر کی تعیین نہ کریں کہ نیت ہر احتمال کو اشتمال رکھے اور ہر طرح یہ سنتیں اپنے موقع پر بالاتفاق واقع ہوں۔ (ص326)

سوال: خطبہ کے دوران کسی شخص کا بہ نیتِ ثواب دوسرے نمازیوں کو پنکھا جھلنا کیسا ہے؟ زید کہتا ہے کہ جائز ہے اور دلیل کے طور پر کہتا کہ عالمگیری میں لکھا کہ کسی نے کوئی غلط بات دیکھی اور ہاتھ یا سر یا آنکھ کے اشارے سے منع کیا تو درست ہے۔

جواب: فعل مذکور گناہ وحرام، اور اس کا فاعل مرتکب آثار، اور اُس میں ثواب طمع خام۔۔۔ عامہ کتب مذہب میں صاف تصریح ہے کہ جو فعل نماز میں حرام ہے خطبہ ہونے کی حالت میں بھی حرام ہے۔۔۔ کیا کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ بادکشی مذکور (سوال میں مذکور پنکھا جھلنا) نمازی کو بحالتِ نماز حلال ہے حاشا قطعاً حرام ہے تو حسبِ تصریحات متوافرہ ائمہ وعلمائے معتمدین بحالت خطبہ بھی حرام وموجب آثام (گناہ کا سبب) ہے۔

یہیں سے اُس روایت اشارہ بچشم وسر ودست (آنکھ، سر اور ہاتھ سے اشارہ کرنے کی روایت) کا بھی جواب ظاہر ہو گیا کہاں کسی منکر یا اور کسی حاجت کے لئے ایک اشارہ کر دینا اور کہاں حالتِ خطبہ میں حاضرین کو پنکھا جھلتے پھرنا، یہ قیاس فاسد اگر صحیح ہو تو یہ حرکت نماز میں بھی جائز ٹھہرے کہ ایسا اشارہ تو عین نماز میں بھی حرام نہیں، مثلاً کوئی شخص نمازی کو سلام کرے یا نمازی سر یا ہاتھ کے اشارے سے جواب دے دے یا کوئی کچھ مانگے یہ ہاں یا نہ کا اشارہ کر دے، یا کوئی پوچھے کے رکعتیں ہوئیں، یہ انگلیوں کے اشارہ سے بتا دے یا کوئی روپیہ دکھا کر کھوٹا کھرا پوچھے یہ ایما (اشارہ) سے جواب دے دے تو یہ سب صورتیں اگرچہ مکروہ ہیں مگر حرام ومفسدِ نماز نہیں۔

انھیں عباراتِ ائمہ میں تصریح گزری کہ بحالتِ خطبہ چلنا حرام ہے یہاں تک کہ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر ایسے وقت آیا کہ خطبہ شروع ہو گیا مسجد میں جہاں تک پہنچا وہیں رُک جائے آگے نہ بڑھے کہ عمل ہو گا اور حالِ خطبہ میں کوئی عمل روا نہیں حالانکہ امام سے قرب شرعاً مطلوب اور حدیث وفقہ میں اُس کا فضل مکتوب اور وہیں بیٹھ جانے میں آئندہ آنے والوں کے لئے بھی جگہ کی تنگی ہے ان امور پر لحاظ نہ کریں گے اور آگے بڑھنے کی اجازت نہ دیں گے مگر پنکھا جھلتے پھرنا ضرور جائز بنا ہی لیا جائے گا۔

چلنا تو بڑی چیز ہے انھیں عبارات علماء میں تصریح گزری کہ خطبہ ہوتے میں ایک گھونٹ پانی پینا حرام، کسی طرف گردن پھیر کر دیکھنا حرام، تو وہ حرکت مذکورہ کس درجہ سخت حرام ہوگی۔ (ص330)

سوال: زید دورانِ خطبہ ایک شخص کا دیگر نمازیوں کو پنکھا جھلنے پر یہ بھی دلیل دیتا ہے کہ جنت میں بروزِ جمعہ سب مومنوں کو ایک مکان میں جمع کر کے باری تعالیٰ بھی ہوا شالی چلائے گا تا کہ باطمینان دیدارِ حق سبحانہ سے مشرف ہوں کما فی المسلم۔

جواب: جنت میں اُس ہوا کی یہ غایت تا کہ باطمینان دیدار سے مشرف ہوں، سخت البعد وواجب الرد ہے، جنت میں معاذ اللہ گرمی وحبس کا کون سا وقت ہوگا جس کے ازالے کو ہوا کی حاجت ہو، اہل جنت کے لئے معاذ اللہ بے اطمینانی کا سامان کس وقت ہوگا کہ تحصیل اطمینان کی ضرورت ہو، وہاں کے جتنے امور ہیں سب محض لذت وزیادت نعمت ہیں، ولہذا محققین فرماتے ہیں دنیا میں حقیقۃً کوئی لذت نہیں جسے لذت گمان کیا جاتا ہے، واقع میں دفعِ الم (تکلیف کو دور کرنا) ہے، پانی یا شربت کیسا ہی سرد وشیریں وخوشبو وخوشگوار ہو پیاس نہیں تو کچھ لذت نہیں دیتا، کھانا کیسا ہی لذیذ وعمدہ وخوشبو وخوش مزہ ہو بھوک نہیں تو کچھ لطف نہیں آتا، تو حقیقۃً بھوک پیاس کا الم دفع ہوتا ہے، نہ لذت خالصہ وعلی ہذا القیاس باقی تمام ملاذ، بخلاف بہشت کہ وہاں اصلاً نہیں، نہ بھوک، نہ پیاس، نہ گرمی، نہ احتباس تو وہاں جو کچھ ہے خالص وحقیقی لذت ہے۔

اور بفرضِ باطل ایسا ہو بھی تو وہاں کون سا خطبہ ہے اور باری عزوجل پر کس چیز کا استماع واجب، اور کس وقت اپنے کسی فعل سے باز رہنا لازم، اور اُسے کون سا فعل دوسرے سے مشغول کر سکتا ہے، پھر افعالِ الٰہیہ سے استناد عجب تماشا ہے، معبود وعابد کی کیا رِیس، ہمیں اتباعِ احکام سے کام ہے وبس۔ (ص341)

سوال: بعض خطبہ کی کتابوں میں جو لکھا ہے کہ "نیچے آئے، اوپر جائے، دائیں طرف اور بائیں طرف متوجہ ہو کر پڑھے" اس پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: دہنے بائیں منہ پھیرنا بے اصل ہے اس پر عمل نہ کیا جائے اور ذکر سلطان کے وقت ایک پایہ نیچے اُترنے کو بھی بعض شافعیہ نے قبیح بتایا، اور واقعی اگر مصلحتِ شرعیہ سے خالی ہو تو عبث ہے اور عبث کا درجہ مکروہ۔ (ص342)

سوال: بعض خطبہ کے درمیان جو اردو اشعار لکھے ہوتے ہیں، خطبہ اُس کے ساتھ پڑھنا یا صرف فارسی یا اردو یا اور کوئی زبان میں سوائے عربی کے پڑھنا اول سے اخیر تک چاہے عید ہو یا جمعہ، جائز ہے یا نہیں؟

جواب: خطبہ میں کوئی شعر اردو فارسی نہ پڑھنا چاہئے نہ خطبہ عربی کے سوا کسی زبان میں پڑھا جائے کہ یہ سنت متوارثہ کی خلاف ہے۔ (ص343)

خطبہ کا منبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنوایا

سوال: منبر کس زمانہ سے شروع ہوا ہے؟

جواب: منبر خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنوایا اور اس پر خطبہ فرمایا کما ثبت فی الصحیحین وغیرھما حدیث سھل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ترجمہ: جیسا کہ بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت سہل بن سعد رضی تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ (ص343)

منبر اقدس کے تین زینے تھے اور اول پر بیٹھنا سنت ہے

سوال: منبر کتنی سیڑھی کا ہونا چاہئے اور کس پر کھڑے ہو کر خطبہ چاہئے؟

جواب: منبر اقدس کے تین زینے تھے علاوہ اوپر کے تختے کے جس پر بیٹھتے ہیں۔۔۔حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم درجہ بالا پر خطبہ فرمایا کرتے، صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسرے پر پڑھا، فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیسرے پر، جب زمانہ ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آیا پھر اول پر خطبہ فرمایا سبب پوچھا گیا، فرمایا اگر دوسرے پر پڑھتا لوگ گمان کرتے کہ میں صدیق کا ہمسر ہوں اور تیسرے پر تو ہم ہوتا کہ فاروق کے برابر ہوں۔ لہذا وہاں پڑھا جہاں یہ احتمال متصور ہی نہیں اصل سنت اول درجہ پر قیام ہے۔

بلندی منبر سے اصل مقصد یہ ہے کہ سب حاضرین خطیب کو دیکھیں اور اُس کی آواز سنیں جہاں یہ حاجت بسبب کثرت حضار و دوری صفوف تین زینوں میں پوری نہ ہو تو زینے زیادہ کرنے کا خود ہی اختیار ہے اور بہتر عدد طاق کی مراعات۔ (ص343)

سوال: چار رکعت احتیاطی ظہر کا ادا کرنا مستحب ہے یا واجب یا فرض قطعی؟ مستحب کی صورت میں وہ فرض قطعی کے قائم مقام کیسے ہوگی؟

جواب: جہاں جمعہ بحسب مذہب بلاشبہہ ناجائز باطل ہے جیسے وہ کور دِہ جو کسی روایت مذہب پر مصر نہیں ہو سکتے وہاں ظہر آپ ہی عیناً فرض ہے اور جمعہ پڑھوانے اور چار رکعت احتیاطی بتانے کی اصلاً گنجائش نہیں۔

ان کا محل وہاں ہے کہ صحتِ جمعہ میں اشتباہ و تردّد قوی ہو مثلاً وہ مواضع جن کی مصریت میں شک ہے یا باوصفِ اطمینان صحت جانب خلاف کچھ وقعت رکھتی ہو مثلاً جہاں جمعہ متعدد جگہ ہوتا ہو اور سبقت نامعلوم ہو کہ اگر چہ دربارہ تعدد قول جواز ہی معتمد و ماخوذ و مفتی بہ ہے مگر عدمِ جواز بھی ساقط و ناقابل التفات نہیں۔۔۔صورتِ اولیٰ میں ان چار رکعت کا حکم ایجاباً و تاکیداً ہوگا۔۔۔اور ثانیہ میں استحباباً و ترغیباً۔

رہا یہ اشتباہ کہ مستحب یا واجب قائم مقام فرض کیونکر ہوں گے ان رکعات کی نیت پر نظر کی جائے تو بنگاہِ اولین اندفاع پائے، ابھی فتح القدیر وغیرہ سے گزرا کہ یہ رکعات بہ نیت آخریں فرض ہی پڑھی جاتی ہیں نہ کہ بہ نیت مستحب یا واجب مصطلح تو فرض بہ نیت فرض ادا ہو جانے میں کیا تردّد ہے یعنی عنداللہ اگر صحت نہ تھی تو نفس الامر میں ظہر فرض تھا، جب اُس نے اُس پچھلے فرضِ ظہر

کی نیت کی جس کا وقت پایا اور ابھی ادا نہ کی تو یہی ظہر ادا ہو جائے گا ورنہ اگر پہلے کوئی ظہر ذمہ پر تھا وہ ادا ہو گا ورنہ یہ رکعات نفل ہو جائیں گی اور نفل بہ نیت فرض ادا ہونا خود واضح ہے۔ (ص344)

جمعہ کے لیے امام ابو یوسف کی روایت نادرہ

سوال: دیہات میں جمعہ وعیدین کی جواز کی کوئی صورت ہے؟

جواب: فی الواقع دیہات میں جمعہ وعیدین باتفاق ائمہ حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ممنوع و ناجائز ہے کہ جو نماز شرعا صحیح نہیں اس سے اشتغال روا نہیں۔

ہاں ایک روایت نادرہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہ آئی ہے کہ جس آبادی میں اتنے مسلمان مرد عاقل بالغ ایسے تندرست جن پر جمعہ فرض ہو سکے آباد ہوں کہ اگر وہ وہاں کی بڑی سے بڑی مسجد میں جمع ہوں تو نہ سما سکیں یہاں تک کہ انھیں جمعہ کے لئے مسجد جامع بنانی پڑے وہ صحتِ جمعہ کیلئے شہر سمجھی جائے گی۔

جس گاؤں میں یہ حالت پائی جائے اس میں اس روایت نوادر کی بنا پر جمعہ وعیدین ہو سکتے ہیں اگرچہ اصل مذہب کے خلاف ہے مگر اسے بھی ایک جماعتِ متاخرین نے اختیار فرمایا اور جہاں یہ بھی نہیں وہاں ہرگز جمعہ خواہ عید مذہب حنفی میں جائز نہیں ہو سکتا بلکہ گناہ ہے۔ (ص346)

(جید مفتیان کرام حرج کی وجہ سے فی زمانہ امام ابو یوسف کی اس روایت نادرہ پر فتوی دیتے ہیں، ہمارا فتوی بھی اسی روایت کے مطابق جاری ہوتا ہے۔ہاشم)

ہندستان دارالاسلام ہے

سوال: ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب اور اس میں جمعہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: ہندوستان اصلح اللہ حالها بحمد اللہ تعالیٰ ہنوز دارالاسلام ہے۔۔۔اُس میں اقامتِ جمعہ وعیدین مسلمانوں کو ضرور جائز۔ (ص348)

سوال: کیا دیہات سے کم درجہ بستی بھی ہوتی ہے؟

جواب: دیہات سے بھی کم درجہ بستی جنگلوں، میدانوں، پہاڑوں میں اہل خیمہ کے مقام ہیں جن میں مکانات کچے پکے اصلاً نہیں ہوتے، انھوں نے جہاں آب ومرغزار دیکھے ڈیرے ڈال دیے، خیمے تان دیئے، وہیں اقامت کرلی، یہ بستیاں نظرِ شرع میں بھی دیہات سے ادنیٰ ہیں، امصار وعمرانات کے سکان اگر گاؤں میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کریں مقیم ہو جائیں گے قصر نہ کریں گے اور اُن خیمہ گاہوں میں اُنھیں اہل خیمہ کی نیت اقامت صحیح ہے جن کی طرز تعیش ہی یہ ہے عمرانات والے بعد

تحقق سفر وطے مراحل اگر چہ وہاں پندرہ دن قیام کا قصد کریں مقیم نہ ہوں گے۔ (ص349)

سوال: ایسے قریہ میں جس پر کسی طرح حدِ مصر صادق نہیں اگر وہاں کے حنفی المذہب بخیال شوکتِ اسلامی نماز جمعہ مع ظہر احتیاطی وصلوٰۃ العیدین پڑھتے ہوں تو گنہگار ہوں گے یا نہیں؟ اور اگر گنہگار ہوں تو اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب: ایسی جگہ جمعہ یا عیدین پڑھنا مذہب حنفی میں گناہ ہے۔ نہ ایک گناہ بلکہ چند گناہ:

اولاً: جب نماز جمعہ وعیدین وہاں صحیح نہیں تو یہ امر غیر صحیح میں مشغول ہوئی اور وہ ناجائز ہے۔

ثانیاً: **اقول** فقط مشغولی نہیں بلکہ اس امر ناجائز کو موجب شوکت اسلام جانا بلکہ بہ قصد ونیت فرض وواجب ادا کیا یہ مفسدہ عقیدہ ہے جس سے علماء نے تحذیر شدید فرمائی۔

ثالثاً: جبکہ واقع میں نماز جمعہ وعید نہ تھی تو ایک نماز نفل ہوئی کہ با جماعت واعلان وتداعی ادا کی گئی یہ ناجائز ہوا۔

رابعاً: **اقول** جمعہ میں اُس کے سبب جو ظہر نہ پڑھیں اُن پر فرض ہی رہ گیا، ترکِ فرض اگر چہ ایک ہی بار ہو خود کبیرہ ہے اور جو بزعم خود احتیاطی رکعات پڑھیں وہ بھی تارک جماعت تو ضرور ہوئے اور جماعت مذہب معتمد میں واجب ہے جس کا ایک بار ترک بھی گناہ اور متعدد بار ہو کر وہ بھی کبیرہ۔

خامساً: **اقول** وہ احتیاطی رکعات والے کہ حقیقۃً مذہب حنفی میں آج کی ظہر پڑھ رہے ہیں۔۔۔ با آنکہ مسجد میں جمع ہیں جماعت پر قادر ہیں تنہا پڑھتے ہیں یہ دوسری شناعت ہے کہ مجتمع ہو کر ابطال جماعت ہے جسے شارع نے مسجد خوف جیسی حالت ضرورت شدیدہ میں بھی روا نہ رکھا بلکہ ابطال در کنار موجودین میں بلا وجہ شرعی تفریق جماعت کو ناجائز رکھا کر ایک ہی جماعت کرنے کا طریقہ تعلیم فرمایا۔ (ص350)

<u>دورانِ خطبہ وظیفہ ونوافل پڑھنا ناجائز ہے</u>

سوال: جس حالت میں امام خطبہ پڑھتا ہو اُس وقت کوئی وظیفہ یا سُنن یا نوافل یا فرض قضائے فجر پڑھنا چاہیے یا نہیں اور ٹھیک ہوں گے یا نہیں؟

جواب: اُس وقت وظیفہ مطلقاً ناجائز ہے، اور نوافل بھی اگر پڑھے گنہگار ہوگا اگر چہ نماز ہو جائے گی، رہی قضا اگر صاحب ترتیب نہیں تو اس کا بھی یہی حکم ہے ورنہ وہ ضرور پہلے قضا ادا کرے، اور جہاں تک دوری ممکن ہو اختیار کرے کہ صورتِ مخالفت سے بچے۔ (ص352)

<u>ایک مسجد میں اگر جمعہ ہو گیا تو دوبارہ نہیں پڑھ سکتے</u>

سوال: چند اشخاص جمعہ کی ادائیگی کے لئے مسجد میں گئے انھوں نے دیکھا جمعہ ادا ہو گیا ہے اب وہ لوگ اس مسجد میں

جمعہ ادا کریں گے یا ظہر کی ادائیگی ان پر لازم ہوگی، اگر ظہر لازم ہے تو وہ جماعت کے ساتھ ادا کریں یا تنہا؟

جواب : جمعہ وعیدین کی امامت ہر کوئی نہیں کرواسکتا بلکہ واجب ہے کہ وہ سلطانِ اسلام یا اس طرف سے مامور ہو، البتہ ضرورت کے پیش نظر مسلمان امامِ جمعہ مقرر کرسکتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک مسجد میں ایک جمعہ کی اقامت کے لئے دو امام نہیں ہوسکتے لہٰذا ایک مسجد میں دوبار جمعہ نہیں ہوسکتا جب کچھ لوگ اس مسجد میں جمعہ نہ پاسکے تو وہ دوسری مسجد میں چلے جائیں کیونکہ مفتی بہ مذہب کے مطابق شہر میں متعدد جگہ جمعہ ہوسکتا ہے، اسی طرح اگر مقرر امامِ جمعہ کو شہر یا فنائے شہر میں مسجد کے علاوہ پالیتے ہیں تو وہاں بھی جمعہ جائز ہوگا کیونکہ جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں اور اگر ایسی کوئی صورت نہیں تو ظہر کی ادائیگی فرض ہوگی لیکن جماعت جائز نہ ہوگی۔ (ص353)

سوال : ہمارے قصبہ میں صرف ایک ہی جامع مسجد ہے، اُس میں نماز جمعہ ہوتی تھی اور ایک عیدگاہ قریب آبادی کے ہے اس میں نمازِ عید پڑھی جاتی ہے فی الحال بوجہ کثرت سب نمازیوں کی گنجائش نہیں ہوتی، اس لئے عیدگاہ میں جمعہ پڑھتے ہیں اُس روز جامع مسجد بالکل خالی رہتی ہے ایسی حالت میں کوئی باز پرس نہیں؟

جواب : جائز ہے۔ کچھ نقصان نہیں، نہ کوئی مواخذہ۔ (ص354)

سوال : جمعہ کے ساتھ نمازیوں پر ظہر ادا کرنا لازم ہے یا نہ؟ اگر وہ ادا کرتے ہیں تو کس نیت سے فرض یا نفل؟

جواب : اگر شرائطِ جمعہ میں اشتباہ کی وجہ سے صحتِ جمعہ میں شک ہوجائے تو ظاہر یہی ہے کہ وہاں ظہر کا ادا کرنا لازم ہے اور اگر وہاں صحتِ جمعہ وہم ہے تو ضعیف اختلاف کی وجہ سے ظہر کی ادائیگی مستحب ہوگی البتہ اس کے ساتھ خواص کے لئے فتوٰی ہے عوام کے لئے نہیں، ہر صورت میں فرض کی نیت ہوگی یعنی وہ آخری ظہر جسے میں پایا مگر ادا نہ کی کیونکہ نوافل فرض کی نیت سے ادا ہوجاتے ہیں مگر فرض نفل کی نیت سے ادا نہیں ہوتے، تو احتیاط نیتِ فرض میں ہی ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔ (ص354)

امام کا سلام کے بعد قبلہ سے مقتدیوں کی طرف منہ پھیرنا سنت ہے

سوال : جمعہ کی نماز کے بعد امام کا قبلہ سے انحراف کرنا یعنی دائیں یا بائیں منہ کرنا کیسا ہے؟ اسی طرح جمعہ کے مناجات کرنا کیسا ہے؟

جواب : امام کا بعدِ سلام قبلہ سے انحراف تو مطلقاً سنت ہے اور اس کا ترک یعنی بعد سلام رو بقبلہ بیٹھا رہنا امام کے لئے بالاجماع مکروہ ہے، جمعہ وغیرہ سب نمازیں اس حکم میں برابر ہیں اور بعد سلام دعا و مناجات بھی بالاجماع جائز ہے مگر جس نماز کے بعد سنت ہے یعنی ظہر و جمعہ و مغرب و عشاء اس کے بعد تاخیر طویل کسی کو بہتر نہیں اور اگر کرے تو منع بھی نہیں مگر اس قدر نہ ہو کہ مقتدیوں پر گراں گزرے، عادت مسلمین یوں جاری ہے کہ امام بعد سلام جب تک دعا سے فارغ نہ ہو مقتدی شریک دعا رہتے ہیں اور اس سے قبل اُسے چھوڑ کر نہیں اٹھتے اور یہ اگرچہ شرعاً واجب نہیں مگر حُسنِ ادب سے ہے۔

تو ایسی حالت میں اتنی دعائے طویل کہ بعض مقتدیوں پر ثقیل ہو مطلقاً نہ کرنی چاہیئے اگر چہ اس کے بعد سنت نہ ہو جیسے فجر وعصر۔ (ص356)

سوال: ایک جگہ میں عرصہ کثیر گزرا زمانہ بادشاہت اسلام میں قاضی شرع نے جو قاضی بااختیار تھے جامع مسجد قائم کی اور وہ مقام شرائط جمعہ کے موافق مناسب سمجھ کر نماز جمعہ و نماز عیدین اُسی مسجد میں ہوتی رہی اور مسلسل اُسی وقت سے حسبِ اجازت وہدایت اصل قاضی یا حاکم وقت مذکور کے اُسی خاندان میں امامت رہی اب ایک شخص نے چند دنیاوی امور مین مخالفت کے سبب امام سے رنج کر کے ایک دوسری مسجد میں جو تھوڑے زمانے سے تیار ہوئی ہے نماز عید ادا کی اور باشندگانِ دیہ کو جامع مسجد قدیم کو آنے سے روک کر بہکا کر بہت سے اشخاص کو اُس نماز میں شریک کیا اور نماز پڑھائی اور جامع مسجد قدیم میں بھی مثل قدیم نماز پڑھی گئی اور جماعت ہوئی۔ تو اب دریافت طلب ہے کہ اُس مسجد جدید میں امام قدیم سے مخالفت کر کے نماز عید ہوئی یا نہیں؟ اور ایسے نماز پڑھوانے والے کے واسطے جو تفریق جماعت کا مرتکب ہوا کیا حکم ہے اور آئندہ اس طریقہ سے نماز ہوگی یا نہیں؟

جواب: جمعہ وعیدین وکسوف میں ہر شخص امامت نہیں کر سکتا بلکہ لازم ہے کہ سلطانِ اسلام کا مقرر کردہ یا اُس کا ماذون ہو، ہاں جہاں یہ نہ مل سکیں تو بضرورت عام اہل اسلام کسی کو امام مقرر کر لیں، صورتِ سوال میں جبکہ سلطنتِ اسلام سقی اللہ تعالٰی عہدھا (اللہ تعالٰی اس کی مدت کو دراز فرمائے) سے بحکم حاکم شرع وہاں جمعہ قائم اور امامت خاندان ایام قدیم میں مستمر ودائم ہے تو امام خود ماذون من جانب السلطان ہے، اس کے ہوتے بلا مجبوری شرعی عام مسلمانوں کو بھی امام جدید قائم کرنے کا اختیار نہیں۔

یہاں مجبوری شرعی یہ کہ امام ماذون خود نہ رہے یا اُس میں مذہب وغیرہ کے فساد پیدا ہونے سے قابلیت امامت معدوم ہو جائے اور اس خاندانِ ماذون میں کوئی اور بھی صالح امامت نہ ہو، جب ان صورتوں میں سے کچھ نہ تھا اس دوسرے شخص کی امامت نہ ہوئی اُس کے پیچھے نماز عید وجمعہ محض باطل ہوں گی وہ سخت گناہوں کا خود بھی مرتکب ہوگا اور اُتنے مسلمانوں کو بھی شدید معصیتوں میں مبتلا کر دے گا وہ دوسری مسجد کا جمعہ حرام ہوگا اور ظہر کا فرض سر پر رہے گا اور عیدین میں نماز عید باطل ہوگی، اُس کا پڑھنا گناہ ہوگا واجبِ عید سر پر رہ جائے گا تفریق جماعت تو وہاں کہی جائے کہ نماز جمعہ یا عیدین اس کے پیچھے بھی صحیح ہو جائیں، جب یہاں سرے سے ہوئی ہی نہیں تو تفریق کیسی، بلکہ ابطال نماز ہے کہ سب سے سخت تر ہے، اللہ تعالٰی توفیقِ توبہ بخشے۔

یہ مسئلہ نہایت واجب الحفظ ہے، آج کل جُہّال میں یہ بلا بہت پھیلی ہوئی ہے کہ جمعہ یا نماز عید نہ ملی کسی مسجد میں ڈھائی آدمی جمع ہوئے اور ایک شخص کو امام ٹھہرا کر نماز پڑھ لی وہ نماز نہیں ہوتی اور اُس کے پڑھنے کا گناہ الگ ہوتا ہے عوام کے خیال میں یہ نمازیں بھی پنجگانہ کی طرح ہیں کہ جس نے چاہا امامت کر لی حالانکہ شرعاً یہاں امام خاص اس طریق معیّن کا درکار ہے اُس کے بغیر یہ نمازیں ہو نہیں سکتیں۔ (ص359)

سوال: ایک مسجد میں جمعہ ہوگیا، جولوگ بعد میں آئے، کیا وہ جمعہ پڑھ سکتے ہیں؟

جواب: ایک مسجد میں تکرار نماز جمعہ ہرگز جائز نہیں۔

جمعہ وعیدین کی امامت مثل نماز پنجگانہ نہیں کہ جسے چاہیے امام کردیجئے بلکہ اُس کے لئے شرط لازم ہے کہ امام ماذون من جہتہ سلطان الاسلام ہو بلاوسطہ یا بالواسطہ کہ ماذون کا ماذون ہو یا ماذون الماذون کا ماذون ہو۔

یہاں تک کہ اگر بغیر اُس کی اجازت کے دوسرا شخص امامتِ جمعہ کرے نماز نہ ہوگی۔۔۔ہاں جہاں ماذونِ سلطان نہ باقی ہو وہاں بضرورت اقامتِ شعار اجتماع مسلمین کو قائم مقام اذنِ سلطان قرار دیا ہے یعنی مسلمان متفق ہو کر جسے امام جمعہ مقرر کرلیں وہ مثل امام ماذون منِ السلطان ہو جائے گا۔۔۔اور شک نہیں کہ جو امر ضرورۃً جائز رکھا گیا وہ حد ضرورت سے تجاوز نہیں کرسکتا۔

اور مسجد واحد کے لئے وقتِ واحد میں دو امام کی ہرگز ضرورت نہیں، تو جب پہلا امام معیّن جمعہ ہے دوسرا ضرور اُس کی لیاقت سے دور و مجبور تو اُس کے پیچھے نماز جمعہ باطل ومحذور، البتہ اگر امام معین نے براہ شرارت خواہ اپنی کسی خاص حاجت کے سبب جلدی کی اور وقت معہود سے پہلے معدودے چند کے ساتھ نماز پڑھ لی عامہ جماعت مسلمین وقت معین پر حاضر ہوئی تو اب ظاہر اُ مقتضائے نظر فقہی یہ ہے کہ انھیں جائز ہو کہ دوسرے شخص کو باتفاق عام مسلمین امام مقرر کریں اور نماز جمعہ پڑھیں۔ (ص261)

<u>فنائے شہر کی تعریف</u>

سوال: جو جگہ شہر نہ ہو کیا وہاں جمعہ ہوسکتا ہے؟

جواب: جو جگہ خود شہر نہ ہو اُس میں صحت جمعہ کیلئے فنائے مصر ہونا ضرور ہے فنائے مصر حوالی شہر کے اُن مقامات کو کہتے ہیں جو مصالح شہر کے لئے رکھے گئے ہوں مثلاً وہاں شہر کی عیدگاہ یا شہر کے مقابر ہوں یا حفاظت شہر کے لئے جو فوج رکھی جاتی ہے اُس کی چھاؤنی یا شہر کی گھوڑ دوڑ یا چاند ماری کا میدان یا کچہریاں، اگرچہ مواضع شہر سے کتنے ہی میل ہوں اگرچہ بیچ میں کچھ کھیت حائل ہوں، اور جو نہ شہر ہے نہ فنائے شہر اس میں جمعہ پڑھنا حرام ہے اور نہ صرف حرام بلکہ باطل کہ فرضِ ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ (ص363)

سوال: خطبہ جمعہ میں جب نام پاک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آئے اُس وقت سامعین کو درود شریف پڑھنا کیسا ہے، چاہیے یا نہیں؟

جواب: خطبے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک سن کر دل میں درود پڑھیں، زبان سے سکوت فرض ہے۔ (ص365)

<u>جمعہ کے لیے شہر کی تعریف</u>

سوال: مصر وقریہ جس میں جمعہ ہوجاتا ہے اس کی شرعاً کیا تعریف ہے؟

جواب: قریہ زبانِ عربی میں شہر کو بھی کہتے ہیں۔۔اور جب اسے مصر (شہر) کے مقابل بولیں تو اس میں اور

وہ (دیہات) میں کچھ فرق نہیں ۔۔۔ مصر وقریہ کوئی منقولات شرعیہ مثل صلوۃ وزکوۃ نہیں جس کو شرع مطہر نے معنی متعارف سے جدا فرما کر اپنی وضع خاص میں کسی نئے معنی کے لئے مقرر کیا ہو ورنہ شارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس میں نقل ضرور ہوتی کہ وضع شارع بے بیان شارع معلوم نہیں ہو سکتی اور شک نہیں کہ یہاں شارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اصلاً کوئی نقل ثابت ومنقول نہیں تو ضرور عرف شرع میں وہ انھیں معانی معروفہ متعارفہ پر باقی ہیں اور ان سے پھیر کر کسی دوسرے معنی کے لئے قرار دینا وہ قرار دہندہ (کسی آبادی کو دیہات قرار دینے والے) کی اپنی اصطلاح خاص ہوگی جو مناط ومدار احکام ومقصود ومراد شرع نہیں ہو سکتی۔

اور ظاہر کہ معنی متعارف میں شہر ومصر ومدینہ اُسی آبادی کو کہتے ہیں جس میں متعدد کوچے، محلے متعدد ودائمی بازار ہوتے ہیں، وہ پرگنہ ہوتا ہے اُس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہیں، عادۃً اس میں کوئی حاکم مقرر ہوتا ہے کہ فیصلہ مقدمات کرے، اپنی شوکت کے سبب مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے۔

اور جو بستیاں ایسی نہیں وہ قریہ وده وموضع وگاؤں کہلاتی ہیں، شرعاً بھی یہی معنی متعارفہ مراد ومدار احکام جمعہ وغیرہا ہیں، ولہٰذا ہمارے امام اعظم وہمام اقدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہر کی یہی تعریف ارشاد فرمائی۔

ہاں اتنا ضرور ہے کہ جمعہ اسلامی حکم ہے اس کے لئے اسلامی شہر کا ہونا ضروری ہے ولہٰذا دار الحرب میں اصلاً جمعہ نہیں اگرچہ کتنے ہی بڑے امصار عظام کبار ہوں جس میں دس دس لاکھ آدمیوں کی آبادی ہو۔

نہ اس وجہ سے کہ وہ شرعاً شہر نہیں، اصطلاحِ شرع میں وہ گاؤں ہیں، حاشا یہ محض غلط ہے قیامت تک کوئی ثبوت نہیں دے سکتا کہ شرع مطہر نے کفار کے امصار کبار کو مصر ومدینہ سے خارج اور دہ گاؤں بتایا ہو اس بنا پر کہ وہاں اقامتِ حدود وتنفیذِ احکام شرع نہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جب بعثت ہوئی مکہ معظمہ بلکہ تمام دنیا میں جیسا کہ کفر وکافرین کا تسلط وغلبہ تھا ظاہر وعیاں ہے اور اکثر مرسلین کرام اصحاب شرائع جدیدہ علیہم الصلوۃ والسلام ایسے ہی شہروں میں پیدا ہوتے ہیں اور وہیں کے ساکن ہو کر انھیں پر مبعوث ہوتے اب کیا معاذ اللہ یہ کہا جائے گا کہ شرعاً یہ مرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم اجمعین دیہاتی تھے حالانکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے ﴿وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم من اھل القری﴾ ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے وہ سب مرد اور شہری ہی تھے، ان میں کوئی عورت نہ تھی نہ کوئی گنوار بھی۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جس وقت غلبہ کفار کے سبب مکہ معظمہ سے ہجرت کی ضرورت ہوئی اس وقت بھی قرآن عظیم نے مکہ مکرمہ کو شہر ہی فرمایا ﴿وکاین من قریۃ ھی اشد قوۃ من قریتک التی اخرجتک اھلکنھم فلا ناصر لھم﴾ بہتیرے شہر کو تمھارے اس شہر سے جس نے تم کو نکالا زیادہ قوت والے تھے ہم نے ہلاک کردیے تو ان کا کوئی مددگار نہیں۔

بلکہ وجہ صرف یہ ہے کہ دار الحرب کے شہر کفر کے شہر ہیں اور اقامت جمعہ کو اسلامیہ شہر درکار، اسی طرف نظر کرم فرما کر کلام قدماء میں جبکہ اسلام کا دور دورہ تھا اور اسلامی شہر اسلامی احکام کے پابند تھے، لہ امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم

الحدود (وہاں کوئی امیر یا قاضی ہو جو احکام نافذ اور جاری کر سکے) واقع ہوا، اس سے مقصود وہی تھا کہ اسلامی شہر کہ اُس وقت اسلامی شہر ایسے ہی ہوتے تھے، یہ معنی نہ تھے کہ تنفیذِ احکام و اقامت حدود حقیقت شہر میں داخل ہے۔ یہ نہ ہو شہر شرعاً شہر ہی نہ رہے گا گاؤں ہو جائے گا حالانکہ فتنہ بلوائیان مصر میں خاص زمانہ خلافت راشدہ میں چندروز تنفیذ احکام نہ ہوئی کیا اُس وقت مدینہ طیبہ گاؤں ہو گیا تھا اور اس میں جمعہ پڑھنا حرام باطل ہوا تھا؟ حاشا ہرگز ایسا نہیں، خود یہی علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ایام فتنہ میں اقامت جمعہ ہو گی اور شہر شہریت سے خارج نہ ہو گا۔

تو آفتاب کی طرح روشن ہوا کہ صرف اسلامی شہر ہونا درکار ہے تنفیذِ احکام یا اقامت حدود یا اسلام والی کچھ شرط نہیں اور بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے اپنے فتاویٰ میں دلائل قاہرہ سے ثابت کیا ہے کہ تمام ہندوستان سرحد کابل سے منتہائے بنگالہ تک سب دارالاسلام ہے تو یہاں جتنے شہر و قصبات میں (جن کو شہر کہتے ہیں اور وہ نہ ضرور ایسے ہی ہوتے ہیں جن میں متعدد محلے، متعدد ودائمی بازار ہیں، وہ پرگنہ ہیں، ان کے متعلق دیہات ہیں، اُن میں ضرور کوئی حاکم فصل مقدمات کیلئے مقرر ہوتا ہے جسے ڈگری ڈسمس کا اختیار ہے نہ فقط تھانہ دار کہ وہ کوئی حاکم نہیں صرف حفاظت اور تحقیقات یا چالان کا مختار ہے) وہ ضرور سب اسلامی شہر ہیں اور ان میں جمعہ فرض ہے اور انھیں میں جمعہ صحیح ہے۔

ان کے علاوہ جتنی آبادیاں ہیں گاؤں ہیں اگرچہ مکانات پختہ اور مسلمان و مساجد بکثرت ہوں ان میں نہ جمعہ فرض نہ جائز نہ صحیح، یہ حقِ تحقیق و تحقیق حق ہے جس سے سرِ مُو حق متجاوز نہیں۔ (ص366)

سوال: اگر کسی گاؤں والے امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی روایت کہ "اگر کسی آبادی کے اہلیاں جمعہ وہاں کی سب سے بڑی مسجد میں سمانہ سکیں تو وہاں جمعہ درست ہے" پر عمل کر کے جمعہ قائم کرتے ہوں تو کیا ان کو ادائیگی جمعہ سے روکا جائے؟

جواب: دربارۂ عوام فقیر کا طریقِ عمل یہ ہے کہ ابتداءً خود انھیں منع نہیں کرتا، نہ انھیں نماز سے باز رکھنے کی کوشش پسند رکھتا ہے ایک روایت پر صحت ان کے لئے بس ہے، وہ جس طرح خدا اور رسول کا نام پاک لیں غنیمت ہے، مشاہدہ ہے کہ اس سے روکیے تو وہ وقتی چھوڑ بیٹھتے ہیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے ﴿ارأیت الذی ینھیٰ o عبدا اذا صلیٰ o﴾ ترجمہ: کیا تم نے اسے نہیں دیکھا جو منع کرتا ہے بندے کو جب وہ نماز ادا کرتا ہے۔ (پ30، سورۃ العلق، آیت10)

سیدنا ابو داؤد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ((شیء خیر من لا شیٔ)) ترجمہ: کچھ ہونا بالکل نہ ہونے سے بہتر ہے۔

(کنز العمال، ج8، ص202، مکتبۃ التراث، بیروت)

امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ایک شخص کو بعد نماز عید نفل پڑھتے دیکھا حالانکہ بعد عید نفل مکروہ ہیں، کسی نے عرض کیا: یا امیر المومنین! آپ نہیں منع کرتے۔ فرمایا ((اخاف ان ادخل تحت الوعید قال اللہ تعالیٰ ﴿ارأیت الذی

ینھی ٥ عبداً اذا صلّٰی ٥ ﴾)) میں وعید میں داخل ہونے سے ڈرتا ہوں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا تو نے اسے نہیں دیکھا جو منع کرتا ہے بندہ کو جب وہ نماز پڑھے۔ (درمختار، ج1، ص115، مطبع مجتبائی، دہلی)

ہاں جب سوال کیا جائے تو جواب میں وہی کہا جائے گا جو اپنا مذہب ہے وللہ الحمد۔ (ص374)

سوال: جمعہ کس قسم کی آبادی میں ہوسکتا ہے؟

جواب: فرضیت وصحت وجواز جمعہ سب کے لئے اسلامی شہر ہونا شرط ہے، جو جگہ بستی نہیں جیسے بَن سمندر یا پہاڑ، یا بستی ہے مگر شہر نہیں جیسے دیہات، یا شہر ہے مگر اسلامی نہیں جیسے روس فرانس کے بلاد، اُن میں جمعہ فرض ہے نہ صحیح نہ جائز بلکہ ممنوع وباطل وگناہ ہے اس کے پڑھنے سے فرض ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا، شہر ہونے کے لئے یہ چاہیئے کہ اس میں متعدد کوچے متعدد دائمی بازار ہوں، وہ پرگنہ ہو کہ اس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہوں کہ موضع فلاں فلاں وفلاں پرگنہ شہر فلاں اور اُس میں کوئی حاکم یا فیصلہ مقدمات کا اختیار من جانب سلطنت رکھتا ہو دونوں باتیں عادۃً متلازم ہیں سلطنت جسے پرگنہ قرار دیتی ہے ضرور اس میں کوئی حاکم لااقل منصف یا تحصیلدار رکھتی ہے اور جہاں سلطنت کوئی کچہری قائم کرتی ہے اسے ضرور ضلع یا کم از کم پرگنہ بتاتی ہے اور عادۃً پہلی دو باتیں بھی ان دو کو لازم ہیں، جو پرگنہ ہوتا ہے جہاں کچہری مقرر رہوتی ہے وہاں ضرور متعدد بازار متعدد کوچے ہوتے ہیں۔

اور شہر کے اسلامی ہونے کے لئے یہ ضرور ہے کہ یا تو فی الحال اُس میں سلطنت اسلام ہو خود مختار، جیسے بحمد اللہ تعالیٰ سلطنت علیہ عالیہ عثمانیہ ودولت خداداد افغانستان حفظهما الله تعالیٰ عن شر ورالزمان یا کسی سلطنت کفر کی تابع جیسے اب چند روز سے سلطنت بخارا، وحسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل (ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہی سب سے بہتر کارساز ہے) اور اگر فی الحال نہ ہو تو دو باتیں ضرور ہیں:

ایک یہ کہ پہلے اُس میں سلطنت اسلامی رہی ہو۔

دوسرے یہ کہ جب سے قبضہ کافر میں آئی شعارِ اسلام مثل جمعہ وجماعت واذان وقامت وغیرہا کلاً یا بعضاً برابر اُس میں اب تک جاری رہی ہوں۔

جہاں سلطنت اسلامی کبھی نہ تھی نہ اب ہے وہ اسلامی شہر نہیں ہوسکتے نہ وہاں جمعہ وعیدین جائز ہوں اگر چہ وہاں کے کافر سلاطین شعائر اسلامیہ کو نہ روکتے ہوں اگر چہ وہاں مساجد بکثرت ہوں اذان واقامت جماعت علی الاعلان ہوتی ہو اگر چہ عوام اپنے جہل کے باعث جمعہ وعیدین بلامزاحمت ادا کرتے ہوں جیسے کہ روس فرانس وجرمن وپرتگال وغیرہا اکثر بلکہ شاید کل سلطنت ہائے یورپ کا یہی حال ہے، یونہی اگر پہلے سلطنت اسلامی تھی پھر کافر نے غلبہ کیا اور شعائر کفر جاری کر کے تمام شعائر اسلام یکسر اٹھادئے تو اب وہ شہر بھی اسلامی نہ رہے اور جب تک پھر از سرنو ان میں سلطنت اسلامی نہ ہو وہاں جمعہ وعیدین جائز نہیں ہوسکتے اگر چہ کفار غلبہ یا فتہ ممانعت کے بعد پھر بطور خود شعائر اسلام کی اجازت دے دیں خواہ اُن کافروں سے دوسرے کافر چھین کر اجرائے شعائر اسلام کردیں کہ کوئی غیر اسلامی شہر مجرد جریان

شعائرِ اسلام سے اسلامی نہیں ہو جاتا، ہاں اگر اسلامی سلطنت کے کسی کافر صوبہ نے بغاوت کر کے کسی اسلامی شہر پر تسلط کیا اور شعائرِ اسلام بالکل اٹھا دیئے مگر وہ صوبہ سے سلطنت اسلامیہ میں محصور ہے تو وہ شہر اسلامی ہی رہے گا کہ اگر چہ کافر نے شعائرِ اسلام یکسر اٹھا دیئے مگر چار سمت سے سلطنت اسلامیہ میں محصور ہونے کے اُس کی یہ تاریک حالت محض عارضی ہے۔ (ص377)

شہر کے ارد گرد رہنے والوں کے لیے جمعہ کا حکم

سوال: کیا شہر کے ارد گرد رہنے والوں پر بھی جمعہ فرض ہے؟

جواب: اس کا جواب قولِ محقق پر یہ ہے کہ شہر کے گرد اگرد جہاں تک کوئی موضع (جگہ) مصالح شہر کے لئے معین کیا گیا ہو مثلاً کیمپ یا عیدگاہ یا شہر کا قبرستان، وہاں وہ سب فنائے مصر ہے اس میں جمعہ صحیح اور اس کے اہل پر جمعہ فرض اگر چہ بیچ میں زراعت کا فاصلہ ہو اور اگر مصالح شہر سے اسے تعلق نہیں اور بیچ میں فصل ہے تو وہ توابع شہر سے نہیں نہ اُس میں جمعہ صحیح نہ اُس کے ساکنوں پر فرض۔ (ص382)

سوال: جب شہر کا ساکن شرعی مسافت (تقریباً ۹۲ کلومیٹر) کے ارادے سے سفر کو چلا تو آیا جب اپنی خاص آبادی سے نکل جائے گا اس وقت سے مسافر ٹھہرائے گا اور قصر کرے گا اگر چہ وہ دوسری آبادیاں ہنوز راہ میں آنے والی ہوں یا جب ان سب آبادیوں سے نکل جائے گا اس وقت سے مسافر ہوگا؟

جواب: جب بیچ میں فاصلہ ہے زراعتیں ہوتی ہیں تو ان سے گزر جانے کا لحاظ نہ ہوگا اگر چہ وہ مصالح شہر ہی کے لئے مقرر کی گئی ہوں، جب اپنی آبادی سے نکل جائے گا مسافر ہو جائے گا، ہاں جہاں تک آبادی متصل چلی گئی ہو وہ موضع واحد ہے اس سے تجاوز ضرور ہوگا۔ (ص383)

سوال: اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ فلاں آبادی میں نہ رہوں گا پھر اپنی خاص آبادی جس میں رہتا تھا چھوڑ کر گرد کی کسی آبادی میں سکونت اختیار کی تو آیا قسم سچی ہوئی یا نہیں؟

جواب: جب اُن آبادیوں کے خاص خاص نام جدا ہیں اور سب ملا کر ایک جدا نام سے تعبیر کی جاتی ہیں تو اگر اس نے وہ نام لے کر قسم کھائی جو خاص اس کی آبادی کا تھا اور اُسے چھوڑ کر دوسری آبادی میں جا رہا جس پر وہ نام اطلاق نہیں کیا جاتا اور اس کا ساکن عرف میں اُس آبادی کا ساکن نہیں ٹھہرتا تو قسم پوری ہوئی اور اگر وہ نام لیا تھا جس میں یہ سب داخل ہیں جس آبادی میں اب آیا وہ اسی پہلی آبادی کا حصہ سمجھی جاتی ہے اور اس کے ساکن کو اُسی کا ساکن تصور کیا جاتا ہے تو قسم پوری نہ ہوئی کفارہ دے۔ (ص383)

سوال: زید کہتا ہے کہ یہاں جمعہ پڑھنا صحیح نہیں کیونکہ جمعہ کی شرائط سے ہے کہ اسے سلطان یا اس کا نائب یا اس کا ماذون قائم کرے، تو یہ شرط یہاں پر مفقود ہے۔ بکر کہتا ہے کہ جمعہ کی اقامت کے واسطے سلطان یا اس کے نائب مامور کا ہونا شرط نہیں، اگر ان سے ایک بھی نہ ہو تو بھی جمعہ صحیح ہے؟

جواب: فی الواقع ادائے جمعہ کے لئے سلطان یا اس کا نائب یا ماذون یا ماذون الماذون وھلم جرا(اسی طرح آگے چلے چلو) کا اقامت کرنا باتفاق ائمہ حنفیہ شرط ہے۔۔۔مگر یہ ان شرائط سے ہے کہ محلِ ضرورت میں بخلفیت بدل ساقط ہوجاتی ہیں جیسے صحت نماز کے لئے وضو شرط ہے اور پانی پر قدرت نہ ہو تو تیمم اس کا خلیفہ و بدل ہے اور اس سے واضح تر استقبالِ خطبہ ہے کہ قطعاً شرط ہے اور بحال تعذر جہت تحری اس کی نائب، یوں ہی اقامت سلطان بمعنی مذکور ضرور شرط جمعہ ہے اور یہاں بوجہ تعذر تعیینِ مسلمین قائم مقام تعیین سلطان ہے تو اسے شرط نہ کہنا بھی غلط اور اس کے نہ ہونے کے سبب یہاں جمعہ صحیح نہ ماننا اس سے زیادہ باطل و غلط۔ (ص384)

جمعہ اور عام نمازوں کی امامت میں فرق ہے

سوال: امامت پنجگانہ و امامت جمعہ و عیدین کا ایک ہی حکم ہے کیا؟

جواب: جمعہ و عیدین و کسوف امامت نماز پنجگانہ سے بہت تنگ تر ہے، پنجگانہ میں ہر شخص صحیح الایمان صحیح القراءۃ صحیح الطہارۃ مرد عاقل بالغ غیر معذور امامت کرسکتا ہے یعنی اس کے پیچھے نماز ہو جائے گی اگر چہ بوجہ فسق وغیرہ مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہو تجوز الصلوٰۃ خلف کل بر و فاجر (ہر نیک و بد کے پیچھے نماز جائز ہے) کے یہی معنی ہیں مگر جمعہ و عیدین و کسوف میں کوئی امامت نہیں کرسکتا اگر چہ حافظ قاری متقی وغیرہ وغیرہ فضائل کا جامع ہو مگر وہ جو بحکم شرع عام مسلمانوں کا خود امام ہو کہ بالعموم ان پر استحقاقِ امامت رکھتا ہو یا ایسے امام کا ماذون و مقرر کردہ ہو اور یہ استحقاق علی الترتیب صرف تین طور پر ثابت ہوتا ہے:

اولاً: وہ سلطانِ اسلام ہو۔

ثانیاً: جہاں سلطنتِ اسلام نہیں وہاں یہ امامتِ عامہ اس شہر کے اعلم علمائے دین کو ہے۔

ثالثاً: جہاں یہ بھی نہ ہو وہاں بجبوری عام مسلمان جسے مقرر کرلیں، بغیر ان صورتوں کے جو شخص نہ خود ایسا امام نہ ایسے امام کا نائب و ماذون و مقرر کردہ اس کی امامت ان نمازوں میں اصلاً صحیح نہیں، اگر امامت کرے گا نماز باطل محض ہوگی، جمعہ کا فرض سر پر رہ جائے گا، ان شہروں میں کہ سلطان اسلام موجود نہیں اور تمام ملک کا ایک عالم پر اتفاق دشوار ہے، اعلم علمائے بلد کہ اُس شہر کے سنی عالموں میں سب سے زیادہ فقیہ ہو نماز کے مثل مسلمانوں کے کاموں میں ان کا امام عام ہے اور بحکم قرآن اُن پر اس کی طرف رجوع اور اس کے ارشاد پر عمل فرض ہے جمعہ و عیدین و کسوف کی امامت وہ خود کرے یا جسے مناسب جانے مقرر کرے، اُس کے خلاف پر عوام بطورِ خود اگر کسی کو امام بنالیں گے صحیح نہ ہوگا کہ عوام کا تقرر بجبوری اُس حالت میں روا رکھا گیا ہے جب امام عام موجود نہ ہو اُس کے ہوتے ہوئے ان کی قرارداد کوئی چیز نہیں۔ (ص384)

سوال: جمعہ گاؤں میں درست ہے یا نہیں؟ اور اگر کہیں لوگ پڑھتے ہوں تو کیا کیا جائے؟

جواب: جمعہ و عیدین دیہات میں ناجائز ہیں اور ان کا پڑھنا گناہ، مگر جاہل عوام اگر پڑھتے ہوں تو ان کو منع کرنے کی

ضرورت نہیں کہ عوام جس طرح اللہ و رسول کا نام لے لیں غنیمت۔ (ص387)

سوال : جناب مولوی عبدالحی صاحب نے اپنے مجموعہ فتاوی کے جلد دوم میں بہت شد و مد کے ساتھ خطبہ کو زبانِ عربی میں سنت مؤکدہ اور غیر زبان میں پڑھنے کو مکروہ تحریمی و بدعت ضالہ تحریر کیا ہے، مگر اُسی فتاوی کے جلد سوم میں مکروہ تنزیہی تحریر فرمایا ہے۔ اصل حکم کیا ہے؟

جواب : خطبہ میں غیر عربی زبان کا خلط کرنا ضرور مکروہ تنزیہی و خلاف سنت رسول متوارثہ ہے اور بالکل خطبہ غیر عربی زبان میں ہونا اور زیادہ مکروہ کما حققناہ فی فتاونا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوی میں اس کی تحقیق کی ہے) مگر اسے مکروہ تحریمی و بدعت ضلالت کہنا محض غلط و باطل و بے دلیل ہے۔ (ص389)

سوال : (ایک خطبہ امامِ اہلسنت علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں بھیجا گیا جو کہ پورا فتاوی رضویہ میں نہیں ہے، اس کے بارے میں پوچھا گیا کہ) کیا یہ خطبہ جمعہ کے دن پڑھنا درست ہے؟ (تو امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے اس کا جواب ارشاد فرمایا۔)

جواب : یہ خطبہ پڑھنا حرام اور محض بدخواہی عوام اسلام ہے، یہ مخاطبہ ہائلہ کہ اس میں مذکور ہوا اصلاً کسی آیت یا حدیث یا اثر یا کسی کتاب معتمد معتبر میں اس کا پتا نہیں، نہ حضرت سیدنا مخدوم شیخ سعد بدھن رضی اللہ تعالی عنہ سے بروجہ صحیح اس کا ثابت ہونا معلوم اگر ایسی ہی حکایت بے سروپا ہے جب تو اس کا واجب الرد ہونا خود ظاہر۔

اور اگر خطائے نساخ نہ ہو تو اس کی بے ربطی عبارت خود اس کے بطلان نسبت پر دلیل زاہر مثلاً صدر خطبہ میں افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام ومن تاب توبۃ نصوحا من التابعین (کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور وہ شخص جس نے خالص توبہ کرلی وہ تابعی ہے)، خطبہ ثانیہ میں نشھدان محمد اعبدہ ورسولہ خصوصا علی افضل الصحابۃ وافضلھم بالتحقیق (ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضرت محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں خصوصا صحابہ سے افضل اور بالیقین ان سے صاحبِ فضیلت پر)۔

پھر اصل مقصودِ خطبہ کہ لوگوں کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے یعنی اعمال صالحہ کی ترغیب دینا، معاصی سے روکنا، یہ خطبہ اس سے اصلاً بحث نہیں رکھتا بلکہ صراحۃً اس کے خلاف ہے، جب ہر جمعہ جاہل لوگ سنیں گے کہ اللہ عزوجل فرما چکا ہے کہ ھر کہ گواہی دھد مرا بوحدانیت و مرترا برسالت درآید بہ بہشت بر ھر کار یکہ او باشد (جو میری وحدانیت اور آپ کی رسالت کی گواہی دے دے وہ جنت میں داخل ہوگا اسکے عمل جیسے بھی ہوں) اس کا کیسا برا اثر ان پر پڑے گا وہ سمجھ لیں گے کہ بس کلمہ پڑھ لینا کافی ہے اعمال فضول و مہمل ہیں۔

پھر عوام کے سامنے یہ تین مصطلحات خاصۂ صوفیہ کرام مثل قمار بازی و قلندری و چاک دامنی و عیاری کا تذکرہ کس قدر

خلاف مقاصد خطبہ ہے۔

اوران سب سے بدتر اور کروروں درجہ بدتر وہ تذکرہ کہ مصطفیٰ سید المرسلین اکرم الاولین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خطاب ہو **تو کیستی کہ خاطر جمع می خواہی حکم برانبیائے اولین کہ دہم بہ پریشانی** (آپ کون ہیں جو دل کا اطمینان چاہتے ہیں ہم نے تو سابقہ انبیاء کو پریشانی کا حکم دیا) اس سے صاف صاف انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی معاذ اللہ حضور پر نور سید یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے افضلیت ٹپکتی ہے، ایسے محاورات میں اعلیٰ ہی سے استشہاد کیا کرتے ہیں، مثلاً کسی امیر سے کہیں تیری کیا حقیقت ہے سلاطین تو اس سے محفوظ نہ رہے، اور اگر تنزل بھی کیجئے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اگلے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء سے افضل نہ ہونا تو اس کا صاف کہنا ہے یہ کیا گمراہی نہیں، پھر سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف راحت کی نسبت، اور وہ بھی یوں مرضی الٰہی کے خلاف، اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اس فریاد کا انتساب کہ **یالیت رب محمد لم یخلق محمدا** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (اے ربِ محمد! کاش محمد کو پیدا ہی نہ کرتا) جہال کی نگاہ سے معاذ اللہ سقوطِ عظمت کا باعث ہوگا اور عیاذاً باللہ یہ عقیدہ ہو تو ایمان ہی گیا کہ ایمان تو صرف ان کی تعظیم و محبت کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿**لتؤمنوا باللہ ورسولہ وتعزروہ وتوقروہ**﴾ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر، اوران کی خوب تعظیم و توقیر کرو۔ (پ26، سورۃ الفتح، آیت 9)

غرض کسی طرح گمان نہیں کیا جاتا کہ حضرت مخدوم قدس سرہ الکریم نے یہ خطبہ تصنیف فرمایا ہو اور اگر بالفرض حضرت ممدوح سے اس کا ثبوت صحیح بروجہ معتمد ہو کہ حضرت نے یہ مخاطبہ کہیں ذکر فرمایا تو اب نظر اس میں ہوگی کہ آیا بر سبیل نقل و حکایت ہے یا بر بنائے کشف و الہام، بر تقدیر اول جبکہ مدار روایت پر رہا تو مسئلہ علوم ظاہرہ کے دائرہ میں آ گیا صحتِ سند درکار ہوگی اور کسی ولی معتمد کا کوئی نامعتمد حکایت کسی سے نقل فرمانا اس کی روایت کو صحیح و واجب الاعتماد نہ کردے گا۔

اگر بفرض غلط یہ بھی تحقیق ہو جائے کہ حضرت مخدوم قدس سرہ المکتوم نے بر بنائے کشف و الہام یہ مخاطبہ ذکر فرمایا تو بحمد اللہ ہم غلامانِ بارگاہِ اولیاء ان میں نہیں کہ کشف و الہام باطل یا نامعتبر ٹھہرائیں، احتمال خطا کشف مبتدین و اوساط میں ہوتا ہے، اکابر واصلین نفعنا اللہ تعالیٰ ببرکاتھم فی الدنیا والآخرۃ والدین کا کشفِ متین والہام مبین حق و صحیح ہوتا ہے۔

اب یہ مخاطبہ ان مقامات راز و نیاز سے ہوگا مولیٰ و عبد و محبوب میں ہوتے ہیں جن میں دوسرے کو دخل دینا حرام، انھیں نقل مجلس بنانا حرام بلکہ بحالِ فسادنیت کفر صریح بلاکلام، بھلا یہ تو ایک مخاطبہ کشفیہ ہوگا، امیر المؤمنین نے ایک شخص کو کہ سورہ عبس شریف کی تلاوت بکثرت کرتا زجر شدید فرمایا۔ امام ابن الحاج مکی مدخل میں فرماتے ہیں "**قد قال علمائنا** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم **ان من قال عن نبی من الانبیا** علیہم الصلوٰۃ والسلام **فی غیر التلاوۃ والحدیث انہ عصی او خالف فقد کفر نعوذ باللہ من ذلک**" ترجمہ: ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہر وہ شخص جو تلاوت قرآن و حدیث رسول پڑھنے کے علاوہ کہے کہ فلاں نبی نے نافرمانی کی یا شریعت کی مخالفت کی وہ کافر

ہوجائے گا، ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ (المدخل لابن الحاج، ج2، ص15، دارالکتاب العربی، بیروت)(ص389 تا394)

اگر امام خطبہ میں درود نہ پڑھے تو شوافع کے نزدیک جمعہ نہ ہوگا

سوال: امام حنفی ہے اور مقتدی شوافع بھی ہیں اگر خطبہ اُولیٰ جمعہ میں امام اوصیکم بتقوی اللہ نہ پڑھے اور درود شریف نہ پڑھے تو شوافع کی نماز ہوگی یا نہیں؟

جواب: مذہب شافعی پر شافعی کی نماز نہ ہوگی کہ وصیت و درود ان کے نزدیک ارکانِ خطبہ سے ہیں اور خطبہ بالاتفاق شرط صحت نماز جمعہ، جب رکن فوت ہوئے خطبہ نہ ہوا، جب خطبہ نہ ہوا، نماز نہ ہوئی۔۔۔ترک درود تو سخت تر ہے، درودِ خطبہ میں اگر نامِ اقدس نہ لیا ضمیر پر اکتفا کی مثلاً صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو امام مذکور (یعنی امام ابن حجر مکی شافعی جن کا اس مقام پر امام اہلسنت نے حوالہ ذکر فرمایا ہے) نے بطلانِ خطبہ و نماز ثابت کیا۔

آدمی کہ تنہا نماز پڑھے اسے بالاجماع مستحب ہے کہ جملہ ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مذاہب کی حتی الامکان رعایت رکھے اور حتی الامکان کے یہ معنی کہ جہاں تک اس کی رعایت میں اپنے مذہب کا مکروہ لازم نہ آئے، نہ کہ وہ امور جو اپنے مذہب میں مسنون اور دوسرے مذہب ائمہ حق میں فرض ہوں کہ اب تو اس کی ترک سخت جہالت، نہ کہ امام کہ دوسرے مذہب کے اہل سنت بھی اس کے مقتدی ہوں اسے تو حتی الوسع اس مذہب کی رعایت کمال مہم و مؤکد ہے۔ (ص394)

سوال: جمعہ کے دن چند آدمیوں نے مل کر مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کی، اس کے بعد دس بارہ آدمی اور آ گئے انھوں نے بھی اذان واقامت اور خطبہ کے ساتھ اسی مسجد میں نماز جمعہ ادا کی، پھر دس بارہ آدمی آ گئے انھوں نے بھی ایسا کیا، تو دوسری تیسری جماعت والوں کا جمعہ ادا ہو لیا یا نہیں؟

جواب: نماز جمعہ وعیدین مثل عام نمازوں کے نہیں کہ جسے امام کردیا نماز ہوگئی ان کے لئے ضرور ہے کہ امام خود سلطانِ اسلام ہو یا اس کا مقرر کردہ، اور یہ نہ ہوں تو بضرورت وہاں کے عام مسلمانوں نے جسے امامت جمعہ کے لئے معین و مقرر کیا ہو۔ تو ان تینوں جماعتوں میں جس کا امام امامِ معین ومقرر کردہ جمعہ تھا اس کی اور اس کے مقتدیوں کی نماز ہوگئی باقیوں کی نہیں، اور اگر کسی کا امام ایسا نہ تھا تو کسی کی نہ ہوئی مثلاً سرِ راہ مسجد ہے دس بارہ راہگیر گزرے ایک نے آگے ہو کر نماز جمعہ پڑھائی پھر کچھ اور آئے انھوں نے بھی ایسا ہی کیا یوں ہی دس بیس جماعتیں ہوئیں جمعہ ایک کا بھی نہ ہوا اور فرض ظہر سب کے ذمہ رہا۔ (ص396)

دو خطبوں کے درمیان امام دعا مانگ سکتا ہے اور مقتدیوں کو نہ چاہیے

سوال: زید دو خطبوں کے درمیان ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا بدعت اور حرام بتاتا ہے۔ دو خطبوں کے درمیان دعا مانگنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: زید کا قول باطل ہے، دونوں خطبوں کے بیچ میں امام کو دعا مانگنا تو بالاتفاق جائز ہے بلکہ خود عین خطبہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مینہ کے لئے دونوں دستِ انور بلند فرما کر دعا مانگنا کتب صحاح میں موجود ہے، مقتدیوں کے بارہ میں مذہب حنفی میں اختلاف ہے، امام ابو یوسف و امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ علیہما بلا شبہ ان کے لئے بھی جائز فرماتے ہیں، اور امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دو روایتیں آئیں، ایک مطابق قول صاحبین کہ امام کے نزدیک بھی مقتدیوں کو بین الخطبتین دعا مانگنا جائز ہے امام سغناقی نے نہایہ و امام اکمل الدین بابرتی نے عنایہ شروح ہدایہ میں فرمایا ''ھو الصحیح'' یہی صحیح ہے۔

پھر یہ کوئی ایسا امر نہیں جس پر تشدد ضروری ہو، بہ نرمی سمجھایا جائے اگر نہ مانے تو گروہ بندی و اثارت فتنہ کی حاجت نہیں، والفتنۃ اکبر من القتل، ترجمہ: فتنہ قتل سے بڑا ہے۔ (ص397)

جیل میں جمعہ کا حکم

سوال: جیل میں جہاں پانچ چھ سو آدمی قیدی اور ملازمین رہتے ہیں نمازِ جمعہ ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

جواب: جمعہ کی ایک شرط اذنِ عام (عام اجازت) ہے، جیل میں کوئی نہیں جاسکتا تو اس میں نماز جمعہ ناممکن و باطل ہے اور ظہر کی جماعت بھی ان کو جمعہ کے دن جائز نہیں جبکہ جیل حدود شہر میں ہو، بلکہ ہر شخص تنہا ظہر پڑھے ملازم ہو یا ماخوذ، ہاں جیل بیرونِ شہر ہو تو ظہر بجماعت پڑھیں۔ (ص397)

سوال: جو اسلامی شہر ہو اور جمعہ کی تمام شرائط پائی جاتی ہوں، کیا وہاں ظہر احتیاطی پڑھنا ممنوع ہے؟

جواب: بلا شبہ جو اسلامی مصر ہو اور وہاں ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا ہو اور امام میں کوئی شبہہ ناجوازیِ امامت کا نہ ہو وہاں احتیاطی ظہر پڑھنا ممنوع و بدعت ہے مگر یہ بات آج عامہ بلاد میں کہیں نہیں سوا حرمین شریفین وغیرہما بعض بلاد کے، یونہی جہاں جمعہ متعدد جگہ ہوتا ہو جس نے سب سے اول جماعت میں پڑھا اسے احتیاطی ظہر کی اجازت نہیں، اور جہاں مصریت میں شبہہ ہو یا امام یا اس کی ماذونیت میں یا جمعہ متعدد جگہ ہوتا ہو اور اپنی جماعت سب سے پہلے ہونا معلوم نہیں وہاں اگر شبہہ ضعیف ہے احتیاطی ظہر مستحب ہے اور قوی ہے تو واجب، مگر اس کا حکم خواص کے لئے ہے عوام کو حاجت نہیں۔۔۔ خواص یہ نیت کریں کہ پچھلی وہ ظہر جو میں نے پائی اور ادا نہ کی اور یہ خطرہ بھی نہ آنے پائے کہ جمعہ ہو گیا تو یہ میرے نفل ہیں ورنہ فرض، نہ جمعہ کی نیت کے وقت تردد ہو کہ تردد منافی نیت ہے، جو منع کی جگہ منع کرتا ہے حرج نہیں اور جو استحباب کی جگہ منع کرتا ہے احمق ہے اور وجوب کے محل پر منع کرتا ہے تو گنہگار ہے۔ (ص398)

سوال: جس جامع مسجد میں ایسا امام نماز پڑھاتا ہو جو سود کالین دین کرتا ہو، تو کیا حکم ہے؟

جواب: اگر اس امام کے بدلنے پر قدرت نہ ہو تو شہر میں دوسری جگہ جہاں کوئی امام صالح امامت جمعہ پڑھاتا ہو وہاں جانا واجب ہے اور اگر شہر میں دوسری جگہ جمعہ ہوتا ہی نہ ہو یا اور امام بھی ایسا نا قابل امامت ہوں تو نیا امام سُنّی صحیح العقیدہ، صحیح

خواں، صحیح الطہارۃ، مسائل داں کہ فاسق معلن نہ ہو مقرر کریں اور اس کے پیچھے جمعہ وعیدین پڑھیں۔ (ص399)

سوال: خطبہ جمعہ وعیدین عربی عوام نہیں سمجھ سکتے ہیں کیا ان کے لحاظ سے اردو زبان ہی میں پڑھا جا سکتا ہے؟

جواب: زمان برکت نشان حضور پرنور سید الانس والجان علیہ وعلی آلہ افضل الصلوۃ والسلام سے عہد صحابہ کرام وتابعین عظام وائمہ اعلام تک تمام قرون وطبقات میں جمعہ وعیدین کے خطبے ہمیشہ خالص زبان عربی میں مذکور وماثور اور باآنکہ صحابہ ومن بعدہم من ائمۃ الکرام کے زمانوں میں ہزارہا بلاد عجم فتح ہوئے ہزارہا جوامع بنیں، ہزارہا منبر نصب ہوئے، عامہ حاضرین اہل عجم ہوئے، اور ان حضرات میں بہت وہ تھے کہ مفتوحین کی زبان جانتے اس میں ان سے کلام فرماتے بااینہمہ کبھی مروی نہ ہوا کہ خطبہ غیر عربی زبان میں فرمایا یا دونوں زبانوں کا ملایا ہو کما ذکرہ الشاہ ولی اللّٰہ الدہلوی فی شرح الموطا (جیسا کہ شاہ ولی اللہ دہلوی نے شرح موطا میں ذکر کیا ہے) سنتِ متوارثہ کا خلاف ناپسند ہے ۔۔۔ نہ کہ ایسی سنت جہاں باوصف تحقق حاجت، جانب خلاف رخ نہ فرمایا ہو کہ اب تو اس کا خلاف ضرور مکروہ واساءت ہوگا۔

اقول: وتحقیقہ ان التذکیر بالعجمیۃ کان المقتضی لہ بعینہ موجودا والمانع مفقودا ثم لم یفعلوہ فکان ذلک کفامنہم لاترکا والکف فعل والفعل یجری فیہ التوارث بخلاف الترک اذا لامعنی لتوارثہ ولامساغ للتأسی فیہ لانہ غیرمفعول ولا مقدور کما نص علیہ الاکابرا لصدور قال فی الاشباہ والنظائر التروک لا یتقرب بہا الااذاصار الترک کفا وھو فعل وھو المکلف بہ فی النہی لا الترک بمعنی العدم لانہ لیس داخلا تحت القدرۃ للعبد کما فی التحریر۔ اھ۔ ای تحریر الاصول للامام المحقق حیث اطلق رحمہ اللّٰہ تعالٰی اتقن ھذا فانہ من اجل المہمات۔ ترجمہ: اس کی تفصیل یہ ہے کہ عجمی زبان میں وعظ ونصیحت کا تقاضا بعینہ موجود تھا اور مانع بھی کوئی نہیں تھا پھر انھوں نے ایسا نہیں کیا تو یہ ان کا رکنا ہے ترک نہیں اور رکنا فعل ہے اور فعل میں توارث جاری ہوتا ہے بخلاف ترک کے، کیونکہ اس کے نقل ہونے کا معنی نہیں اور نہ ہی اس میں اقتداء جائز ہے کیونکہ وہ معمول سے نہیں اور نہ ہی قدرت میں، جیسے کہ اس پر ہمارے اسلاف اکابر نے تصریح کی ہے، الاشباہ والنظائر میں ہے کہ تروک کے ساتھ تقرب نہیں ہوسکتا مگر اس صورت میں جب ترک کف کی صورت میں ہو اور وہ فعل ہوگا اور نہی میں یہی مکلف بہ ہے نہ کہ ترک بمعنی عدم کیونکہ معدوم قدرت عبد کے تحت نہیں ہوتا جیسا کہ تحریر میں ہے اھ۔ اس سے مراد تحریر الاصول للامام المحقق المطلق نے ذکر کیا ہے اسے اچھی طرح یاد کرلو کیونکہ یہ نہایت اہم معاملہ میں سے ہے۔

اذان ضرور بلانے اور ان لوگوں کو اطلاع وقت دینے کے لئے ہے مگر غیر عربی میں ہو تو ہرگز اذان ہی نہ ہوگی اگرچہ مقصود اعلام حاصل ہوجائے کہ اذان صرف سنت تھی جب فی نفسہ برخلاف سنت ہوئی راسا فوت ہوگئی۔

خطبہ ضرور وعظ وتذکیر کے لئے ہے جیسے نماز کہ ذکر کے لئے ہے اللہ تعالٰی فرماتا ہے ﴿ اقم الصلوۃ لذکری ﴾

ترجمہ: میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔

اور خودِ قرآن عظیم کہ اس کا تو نام ہی ذکر حکیم ہے اور اس کے نہ سمجھنے پر سخت انکار فرماتا ہے ﴿افلا یتدبرون القران ام علی قلوب اقفالھا﴾ ترجمہ: کیا وہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہیں۔

پھر جس کی سمجھ میں عربی نہ آئے نہ اس کے لئے نماز و قرآن اردو یا بنگلہ یا انگریزی کر دئے جائیں گے نہ خطبہ و اذان، یہ اس کا اپنا قصور ہے اس کا دین عربی، نبی عربی، کتاب عربی، پھر عربی اتنی بھی نہ سیکھی کہ اپنا دین سمجھ سکتا، انگریزی کی حالت دیکھئے اس پر کیسے اندھے باولے ہو کر گرتے ہیں کہ دو پیسے کمانے کی امید ہے اور عربی جس میں دین ہے ایمان ہے اس سے کچھ غرض نہیں اللہ تعالیٰ توفیق دے وہدایت بخشے، امین۔ (ص399)

سوال: اذان ثانی جمعہ کے دن امام کے قریب اندر مسجد کے جو مروج ہے اس میں کراہت تحریمی ہے یا تنزیہی؟

جواب: علمائے کرام نے کراہت لکھی اور اسے مطلق رکھا اور مطلق کراہت غالباً کراہت تحریم پر محمول ہوتی ہے، سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں اذان دروازۂ مسجد پر ہوا کی، اور کبھی نہ حضور سے منقول نہ خلفائے رشدین سے کہ مسجد کے اندر اذان کہلوائی ہو، اور عادت کریمہ تھی کہ مکروہ تنزیہی کو بیان جواز کے لئے کبھی اختیار فرماتے پھر اس میں ترک ادب بارگاہ الٰہی ہے والعلم بالحق عند اللہ۔ (ص402)

سوال: فصیل حوض خارج مسجد ہے یا داخل مسجد؟

جواب: حوض قدیم کی فصیل فنائے مسجد ہے نہ عین مسجد، ورنہ اس پر وضو نا جائز ہوتا اور فنائے مسجد میں اذان جائز ہے (ص402)

جمعہ کی اذانِ اول کی تاریخ

سوال: ابوداؤد کی حدیث میں جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے وقت میں باب مسجد پر اذان کا ذکر ہے اُس وقت تک اذان اول شروع تھی یا نہیں؟ اگر اس وقت میں صرف ایک اذان تھی تو جب سے دوسری اذان شروع ہوئی اُس وقت بھی بقیہ خلفائے راشدین کے وقت میں اذانِ ثانی باب مسجد پر ہوتی تھی یا امام کے متصل منبر کے پاس؟

جواب: صدر خلافت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک وہی ایک اذان خطبہ تھی انھوں نے اذانِ اول زائد فرمائی مگر اذانِ خطبہ میں کوئی تبدیلی نہ کی، نہ کسی خلیفہ راشد سے اس میں کوئی تغییر منقول، ہاں امام ابن الحاج مکی نے مدخل میں ہشام بن عبد الملک بادشاہ مروانی کی نسبت لکھا کہ اس نے سنت کو بدلا اس کا زمانہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی برس بعد ہوا۔ (ص402)

سوال: ایک قلعہ میں جہاں عام لوگوں کو جانے کی اجازت نہیں، وہاں جمعہ کا کیا حکم ہے؟ بعض جائز کہتے ہیں اور

حوالہ کے طور پر عبارتِ شامی پیش کرتے ہیں" قلت وینبغی ان یکون محل النزاع ما اذا کانت لاتقام الافی محل واحد اما لو تعددت فلا لانہ لایتحقق التفویت کما افادہ التعلیل تامل "ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ مناسب یہ ہے کہ محل نزاع وہ صورت ہے جب ایک ہی مقام پر جمعہ کا قیام ہو اور اگر متعدد جگہ ہو تو پھر محلِ نزاع نہیں کیونکہ پھر تفویت متحقق نہیں جیسا کہ علت کے بیان نے فائدہ دیا ہے، غور کرو۔

جواب: صورت مستفسرہ میں جبکہ قلعہ کی بندش ہے، باہر کا کوئی شخص نماز کے لئے اس میں نہیں جا سکتا تو اذنِ عام نہ ہوا، اور اذن عام فی نفسہ شرط جمعہ ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ قول کسی سے نقل نہ فرمایا بلکہ یہ ان کا اپنا خیال ہے جسے وہ قلت سے شروع فرماتے ہیں اور خود اُن کو بھی اس پر وثوق نہیں کہ آخر میں تامل کا حکم فرماتے ہیں، علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اہل بحث نہیں ان کی بحث کا اگر مسئلہ منصوصہ کے خلاف ہونا معلوم نہ بھی ہو، تاہم وہ ایک بحث ہے جو حجت نہیں ہوسکتی نہ کہ جب ان کی بحث مخالف منقول ومنصوص واقع ہے کہ ایسی بحث تو امام ابن الہمام کے بھی منقول نہیں ہوتی جس کی خود علامہ شامی نے جابجا تصریح فرمائی۔۔۔ براہ بشریت یہ بحث اسی طرح واقع ہوئی، فقیر نے ردالمحتار پر اپنی تعلیقات میں اس مسئلہ کی بحث تمام کردی ہے اس میں سے یہاں صرف یہ چند کلمات کافی ہیں کہ امام ملک العلماء ابوبکر مسعود کاشانی کتاب مستطاب بدائع اور ان کے سوا اور ائمہ اپنی تصانیف میں اور ان سب سے امام ابن امیر الحاج حلیہ میں نقل فرماتے ہیں "السلطان اذاصلی فی دارہ والقوم مع امراء السلطان فی المسجد الجامع قال ان فتح باب دارہ جاز، وتکون الصلوۃ فی موضعین، ولو لم یاذن للعامۃ وصلی مع جیشہ لاتجوز صلوۃ السلطان وتجوز صلوۃ العامۃ "ترجمہ: جب سلطان نے اپنی دار میں اور قوم نے اس کے حکم سے جامع مسجد میں جمعہ ادا کیا تو انہوں نے فرمایا اگر دار کا دروازہ کھولا تھا تو جائز، اور نماز دونوں جگہ ہو جائے گی، اور اگر عوام کو اذنِ عام نہ تھا اور بادشاہ نے اپنے لشکر کے ساتھ جمعہ ادا کیا تو سلطان کی نماز جائز نہیں البتہ عوام کی نماز جائز ہوگی۔

(بدائع الصنائع، ج1، ص269، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

دیکھو یہ نص صریح ہے اجلہ ائمہ کی نقل اور محرر مذہب امام محمد سے بلا خلاف منقول کہ قلعہ سے باہر بھی جمعہ ہوا اور قلعہ میں بھی سلطان نے پڑھا اگر قلعہ میں آنے کا اذن عام دیا تھا تو دونوں جمعے صحیح ہو گئے ورنہ باہر کا جمعہ صحیح ہوا اور قلعہ کا باطل، صاف ثابت ہوا کہ اذن عام فی نفسہ شرطِ صحت جمعہ ہے اگرچہ جمعہ متعدد جگہ پایا جائے اور تفویت لازم نہ آئے ولیس بعد النص الاالرجوع الیہ۔ ترجمہ: نص پائے جانے کے بعد اس کی طرف رجوع کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ (ص403)

حنفی کی شافعی کے پیچھے اقتداء کی شرائط

سوال: جمعہ میں اسی اشخاص حنفیہ اور بیس اشخاص شافعیہ کے تھے شافعی امام نے جمعہ پڑھایا، اس کے بعد شافعی امام نے شافعیوں کو لے کر علیحدہ سے چار فرض ظہر کے پڑھائے، تو کیا اس طرح ان حنفیوں کا جمعہ اس شافعی امام کے پیچھے ہوگیا؟

جواب: اگر وہ امام شافعی المذہب نیتِ جمعہ میں شک وتردد کوراہ نہیں دیتا خالص صحیح نیت فرضِ جمعہ کی کرتا ہے تو اس کے پیچھے نماز ہوجاتی ہے جبکہ فرائض مذہب حنفی کا پابند ہو مثلاً فصد لے کر یا زخم خواہ پھوڑیا سے پیپ یا پانی بہہ کر ضرور وضو کر لیتا ہو، دہ دردہ سے کم پانی میں اگر نجاست پڑ جائے اس سے طہارت نہ کرتا ہو، وضو میں چہارم سر سے کم کے مسح پر قناعت نہ کرتا ہو، وضو کئے ہوئے پانی سے دوبارہ وضو نہ کرتا ہو وعلیٰ ہذا القیاس اگر ان باتوں کی رعایت کرتا ہے تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے اگر چہ اولیٰ حنفی کے پیچھے ہے اگر رعایت نہ کرتا ہو تو اس کے پیچھے حنفی کی نماز باطل ہے اور اگر نہ معلوم ہو تو مکروہ ہے۔

اور جمعہ کی نیت کے ساتھ شک کرتا ہو تو اس کے پیچھے نماز باطل ہے کہ لا نیة الا بالعزم ولا عزم مع الشك ۔ترجمہ: عزم کے بغیر نیت نہیں اور شک کی صورت میں عزم نہیں ہوتا۔ (ص404)

امامِ معین کی اجازت کے بغیر اگر کسی نے خطبہ پڑھا تو جمعہ کی نماز نہ ہوگی

سوال: ایک جامع مسجد کے امام معین کی اجازت کے بغیر دوسرے شخص نے خطبہ پڑھا اور نماز جمعہ بھی پڑھائی اور امام مذکور اس میں شریک نہ ہوا۔ اس صورت میں وہ نماز ہوئی یا نہیں؟ اگر نہ ہوئی تو ظہر کی قضا فرض ہے یا نہیں؟

جواب: ہمارے ائمہ تصریح فرماتے ہیں کہ بے اجازت خطیب معین دوسرا شخص خطبہ نہیں پڑھ سکتا، اگر پڑھے گا خطبہ جائز نہ ہوگا، اور خطبہ شرط نماز جمعہ ہے، جب خطبہ نہ ہوا نماز بھی نہ ہوئی۔

اور تصریح فرماتے ہیں کہ امام معین کے بغیر اذن اگر کوئی شخص نمازِ جمعہ پڑھائے تو نماز نہ ہوگی مگر اس صورت میں کہ امام اس نماز میں شریک ہو جائے۔

یہاں کہ خطبہ بھی بے اجازت امام پڑھا گیا اور نماز بھی بے اُس کی اجازت کے پڑھائی گئی اور امام اس میں شریک نہ ہوا تو دو وجہ سے وہ نماز ناجائز ہوئی اُن پر ظہر کی قضا لازم ہے۔ (ص404)

سوال: میں جمعہ کی نماز ایک مسجد میں پڑھاتا ہوں اس مسجد کا وسیع صحن ہے مسجد سے باہر راستہ ہے جو ایک بانس کے قریب مسجد کے فرش سے نیچا ہے کوئی جگہ ہی نہیں جہاں مؤذن کھڑا ہو کر خطیب کے سامنے جمعہ کی اذانِ ثانی دے سکے۔ اس صورت میں کیا کیا جائے؟ کیونکہ یا تو مسجد میں اذان دینا پڑے گی یا اذان امام کے سامنے نہ ہو سکے گی۔

جواب: یہاں دو سنتیں ہیں، ایک محاذات خطیب (خطیب کے سامنے ہونا)، دوسرے اذان کا مسجد سے باہر ہونا، جب ان میں تعارض ہوا اور جمع ناممکن ہو تو ارجح کو اختیار کیا جائے گا کما ھو الضابطة المستمرة الغیر المنخرمة (جیسا کہ دائمی اور نہ ٹوٹنے والا ضابطہ ہے) یہاں ارجح واقوی سنت ثانیہ (ہے) بوجوہ (کئی وجوہات سے):

اولاً مسجد میں اذان سے نہی ہے، قاضی خاں وخلاصہ وخزانۃ المفتین وفتح القدیر و بحرالرائق وبرجندی وعلمگیری میں ہے

''لایو ذن فی المسجد'' ترجمہ: مسجد میں اذن نہ دی جائے۔ (فتاوی ہندیہ، ج1، ص55، نورانی کتب خانہ، پشاور)

نیز فتح القدیر و نظم و طحطاوی علی المراقی وغیرہا میں مسجد کے اندر اذان مکروہ ہونے کی تصریح ہے اور ہر مکروہ منھی عنہ ہے۔۔اور اجتنابِ ممنوع، ایتان مطلوب سے اہم واعظم ہے۔

ثانیاً محاذاتِ خطیب ایک مصلحت ہے اور مسجد کے اندر اذان کہنا مفسدت اور جلب مصلحت سے سلب مفسدت اہم ہے۔ اشباہ میں ہے''درء المفاسد اولیٰ من جلب المصالح'' ترجمہ: مفاسد کا دفع کرنا مصالح کے حصول سے بہتر ہے۔

(الاشباہ والنظائر، ج1، ص125، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی)

وجہ مفسدت ظاہر ہے کہ دربار ملک الملوک جل جلالہ کی بے ادبی ہے شاہد اس کا شاہد ہے دربار شاہی میں اگر چوب دار عین مکانِ اجلاس میں کھڑا ہوا چلائے کہ دربار یو چلو سلام کو حاضر ہو، ضرور گستاخی بے ادب ٹھہرے گا، جس نے شاہی دربار نہ دیکھے ہوں وہ انھیں کچہریوں کو دیکھ لے کہ مدعی مدعا علیہ گواہوں کی حاضری کمرہ سے باہر پکاری جاتی ہے چپراسی خود کمرہ کچہری میں کھڑا ہو کر چلائے اور حاضریاں پکارے تو ضرور مستحق سزا ہو اور ایسے امور ادب میں شرعاً عرف معہود فی الشاہد ہی کا لحاظ ہوتا ہے۔ محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں''یحال علی المعھود من وضعھا حال قصد التعظیم فی القیام والمعھود فی الشاھد منہ تحت السرۃ'' ترجمہ: حالتِ قیام میں بقصد تعظیم جو معروف ہو اس کے مطابق ہاتھ باندھے جائیں گے اور جس معروف کا مشاہدہ ہے وہ یہی ہے کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ہے۔ (فتح القدیر، ج1، ص249، مطبوعہ نوریہ رضویہ، سکھر)

اسی بناء پر علماء نے تصریح فرمائی کہ مسجد میں جوتا پہنے جانا بے ادبی ہے حالانکہ صدرِ اول میں یہ حکم نہ تھا۔ مسئلہ اولیٰ یعنی ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے میں کوئی حدیث موافق نہ تھی اور ثانیہ (مسجد میں جوتے پہن کر جانے) میں حدیث برخلاف تھی باینہمہ امور ادب میں عرف شاہد کا اعتبار فرمایا تو جہاں خود حدیث بھی موافق ہی موجود ہے ادب معروف کا لحاظ نہ کرنا کس درجہ گستاخی و بیبا کی ہے۔

ثالثاً محاذاتِ خطیب ایک اختلافی سنت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہاں نقل مختلف ہے بکثرت ائمہ مالکیہ اذانِ ثانی جمعہ کے رُوئے بروئے خطیب ہونے ہی کو بدعت بتاتے ہیں، وہ فرماتے ہیں یہ اذان بھی منارہ ہی پر ہوتی تھی جیسے پنجگانہ کی اذان۔ بخلاف اذانِ مسجد کہ مالکیہ بھی اسے ممنوع جانتے ہیں۔

تو ثابت ہوا کہ اذانِ بیرونِ مسجد ہونا ہی محاذاتِ خطیب سے اہم و اعظم و اکد والزم ہے تو جہاں دونوں نہ پڑیں محاذاتِ خطیب سے درگزریں اور منارہ یا فصیل وغیرہ پر یہ اذان بھی مسجد سے باہر ہی دیں۔ (ص405 تا 411)

<u>جمعہ کے خطبوں میں کتنی مقدار پڑھنا فرض ہے</u>

سوال: جمعہ کے دونوں خطبے فرض ہیں یا ایک فرض اور ایک سنت؟

جواب: خطبہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک صرف بقدر الحمد فرض ہے اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک ذکر طویل جیسے عرف میں خطبہ کہیں تو نفس فرض اگرچہ اولیٰ بلکہ اس کے بعض سے ادا ہو جاتا ہے مگر جب کوئی مطلق مامور بہ ہو تو قاعدہ شرعیہ نہیں کہ اس کے ایک حصے کو جو ادنیٰ درجہ کا اطلاق مطلق کا ہو مامور بہ ٹھہرائیں باقی کو خارج بلکہ جس قدر واقع ہو سب اُسی مطلق کا فرد ہے تو سب اسی صفت سے متصف ہوگا جیسے فرض قراءت نماز میں ایک آیت سے ادا ہو جاتا ہے اب یہ نہ کہیں گے کہ الحمد شریف کی پہلی آیت فرض تھی باقی اُس کا غیر بلکہ الحمد اور سورت بلکہ سارا قرآن مجید اگر ایک رکعت میں ختم کرے سب زیر فرض داخل ہوں گے کہ ﴿فاقرأوا ماتیسر من القراٰن﴾ (پس قرآن میں سے جتنا تم پر آسان ہو اُتنا پڑھو) کا فرد ہے ولہذا اگر سورہ فاتحہ پڑھ کر سُورت ملانا بھول گیا اور وہاں یاد آیا تو حکم ہے رکوع کو چھوڑے اور قیام کی طرف عود کر کے سورت پڑھے اور رکوع میں جائے حالانکہ واجب کے لئے فرض کا چھوڑنا جائز نہیں ولہذا اگر پہلی التحیات بھول کر پورا کھڑا ہو گیا اب عود کی اجازت نہیں مگر سُورت کے لئے خود شرع نے عود کا حکم دیا کہ جتنا قرآن مجید پڑھا جائے گا سب فرض ہی میں واقع ہوگا تو یہ واجب کی طرف عود نہیں بلکہ فرض کی طرف، ولہذا اگر دوبارہ رکوع نہ کرے گا نماز نہ ہوگی کہ پہلا رکوع عود الی الفرض کے سبب زائل ہو گیا تو جس طرح الحمد اور سورت دونوں سے فرض ہی ادا ہوتا ہے یوں ہی دونوں خطبوں سے بھی کہ سب مطلق ﴿فاسعوا الیٰ ذکر اللہ﴾ (اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ کر آؤ) کے تحت میں داخل ہے۔ (ص411)

سوال: خطیب کو خطبہ ثانی میں منبر سے ایک سیڑھی اُترنا اور پھر چڑھ جانا یہ شرع شریف میں جائز ہے یا نہیں؟ بعض علماء اس کو بدعت شنیع کہتے ہیں اور حوالہ یہ دیتے ہیں کہ شامی میں لکھا ہے کہ "قال ابن حجر فی التحفۃ وبحث بعضھم ان ما اعتید الاٰن من النزول فی الخطبۃ الثانیۃ الیٰ درجۃ سفلی ثم العود بدعۃ قبیحۃ شنیعۃ" ترجمہ: ابن حجر نے تحفہ میں فرمایا کہ بعض لوگوں نے یہ بحث کی ہے کہ یہ جو عادت بنالی گئی ہے کہ دوسرے خطبہ کے وقت منبر کی نچلی سیڑھی اور پھر دوبارہ اوپر والی سیڑھی پر چلا جانا بدترین بدعت ہے۔ اور بعض علماء سے پوچھا گیا تو وہ اسے جائز کہتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے کسی فعل کو بغیر دلیل کے بدعت شنیعہ کہنا بڑی سخت بات ہے۔

جواب: کسی فعلِ مسلمین کو بدعت شنیعہ و ناجائز کہنا ایک حکم اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر لگانا ہے اور ایک حکم مسلمانوں پر۔ اللہ و رسول جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تو یہ حکم کہ ان کے نزدیک یہ فعل ناروا ہے انھوں نے اس سے منع فرمادیا ہے، اور مسلمانوں پر یہ کہ وہ اس کے باعث گنہگار و مستحق عذاب و ناراضیِ رب الارباب ہیں، ہر خدا ترس مسلمان جس کے دل میں اللہ و رسول جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کامل عزت و عظمت اور کلمہ اسلام کی پوری توقیر و وقعت اور اپنے بھائیوں کی سچی خیر خواہی و محبت ہے کبھی ایسے

حکم پر جرأت روا نہ رکھے جب تک دلیل شرعی واضح سے ثبوت کافی ووافی نہ مل جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ام تقولون علی اللہ مالا تعلمون﴾ ترجمہ: یا تم ایسی بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔ کیا اللہ عزوجل پر بے علم حکم لگائے دیتے ہو۔

دلیل شرعی مجتہد کے لئے اصول اربعہ ہیں اور ہمارے لئے قول مجتہد صرف ایسی ہی جگہ علمائے کرام حکم بالجزم لکھتے ہیں اس کے سوا اگر کسی عالم غیر مجتہد نے کسی امر کی بحث کی، تو ہرگز اس مسئلے کو یونہی نہیں لکھ جاتے کہ حکم یہ ہے بلکہ صراحۃً بتاتے ہیں کہ یہ فلاں یا بعض کی بحث ہے تاکہ منقول فی المذہب نہ معلوم ہو اور جس کا خیال ہے اسی کے ذمہ رہے۔ اگر احیاناً کوئی اسے بطور جزم لکھ جاتا ہے تو اس پر گرفت ہوتی ہے کہ ساقھا مساق المنقول فی المذھب یہ اس مسئلے کو ایسا لکھ گیا گویا مذہب میں منقول ہے۔

خود اسی ردالمحتار وغیرہ کے مواضع عدیدہ سے نظر کرنے والوں کو یہ بیان عیاں ہو جائے گا، یہاں بھی علامہ شامی نے وہی طریق برتا، یہ نہ فرمایا کہ نزول وصعود ممنوع یا بدعت شنیعہ ہے بلکہ ابن حجر شافعی کا کلام نقل فرمادیا کہ ماخذ مسئلہ متمیز رہے، منقول فی المذہب ہونا درکنار اپنے کسی عالم مذہب کا مذکور نہ سمجھا جائے، وہی تحفظ امام ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ملحوظ رکھا، مسئلے کا حکم خود نہ لکھا جس سے جزم مفہوم ہو، بلکہ فرمایا بحث بعضھم بعض نے یوں بحث کی ہے، بحث وہیں کہیں گے جہاں مسئلہ نہ منقول ہو نہ صراحۃً کسی کلیہ نا مخصوصہ مذہب کے تحت میں داخل ہو کہ ایسے کلیات سے استناد بحث ونظر پر موقوف نہیں مثلاً سوال کیا جائے کہ ایک لڑکے نے چھ مہینے پانچ دن چار گھڑی تین منٹ کی عمر میں ایک عورت کا دودھ پیا اس کی دختر اس پر حرام ہوئی یا نہیں؟ جواب ہوگا کہ حرام، یہ صورت خاصہ اگرچہ اصلاً کسی کتاب میں منقول نہیں مگر اسے ہرگز بحثِ فلاں نہ کہا جائے گا کہ کتب مذہب میں اس کلیہ عامہ کی تصریح ہے کہ مدتِ رضاعت کے اندر جوار تضاع ہو موجبِ تحریم ہے، تو ثابت ہوا کہ علامہ شامی یا امام ابن حجر اسے کسی کلیہ مذہب کے نیچے بھی صراحۃً داخل ہونا نہیں مانتے ورنہ یہ "قال ابن حجر و بحث بعضھم" (ابن حجر نے کہا اور اس میں بعض نے بحث کی ہے) پر اکتفا نہ کرتے، پھر بعضھم کے لفظ نے اور بھی اشعار کیا کہ یہ خیال صرف بعض کا ہے اکثر علماء اس کے مخالف ہیں، لا اقل (کم از کم) ان کی موافقت ثابت نہیں، خود علامہ شامی نے اسی ردالمحتار میں اس اشارہ واشعار کی جا بجا تصریح کی، درمختار میں نظم الفرائد سے نقل کیا "واعتاقه بعض الائمة ینکر" (بعض ائمہ کا اسے آزاد قرار دینا ناپسند ہے)۔

اس پر علامہ شامی نے اعتراض فرمایا ہے "مفھوم قول بعض الائمۃ ینکر انه یجوزه اکثرھم ولم ینقل ذلك" ترجمہ: قوله "بعض الائمة ینکر" کا مطلب یہ ہے کہ اکثر نے اس نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ (ردالمحتار، ج5، ص339، مصطفی البابی، مصر)

بلکہ تصریح فرمائی کہ ایسی تعبیر اس قول کی بے اعتمادی پر دلیل ہوتی ہے۔ درمختار کتاب الغصب میں تھا "اختار بعضھم الفتوی علی قول الکرخی فی زماننا" ترجمہ: ہمارے زمانے میں بعض نے امام کرخی کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔

شامی نے کہا "ھذا من کلام الزیلعی اتی به لاشعار ھذا التعبیر بعدم اعتمادہ" ترجمہ: یہ امام زیلعی کا کلام ہے

ان کی یہ تعبیر واضح کر رہی ہے کہ یہ معتمد نہیں۔ (ردالمحتار، ج5، ص135، مصطفی البابی، مصر)

اس تقریرِ منیر سے بحمد اللہ تعالیٰ روشن ہو گیا کہ علامہ شامی خواہ امام ابن حجر کی تحریر اس دعوے جزم بحکم عدمِ جواز کے اصلاً مساعد نہیں بلکہ ہے تو مخالف ہے۔ اب رہی بعض کی بحث:

اقول اوّلاً: وہ بعض مجہول ہیں اور مجہول الحال کی بحث مجہول الماخذ کیا قابل استناد بھی نہیں۔ اسی ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی میں ہے "قول المعراج رأيت في موضع الخ لايكفي في النقل لجهالته" ترجمہ: صاحب معراج کا قول کہ میں نے کسی جگہ پڑھا ہے الخ ان کے عدم علم کی وجہ سے نقل کے لئے کافی نہیں۔ (ردالمحتار، ج2، ص339، مصطفی البابی، مصر)

ثانیاً محتمل بلکہ ظاہر کہ وہ بعض ائمہ مجتہدین سے نہیں اور مقلدین صرف کہ کسی طبقۂ اجتہاد میں نہ ہوں نہ خود اپنی بحث پر حکم لگا سکتے ہیں، نہ دوسرے پر ان کی بحث حجت ہو سکتی ہے۔ والا لكان تقليد مقلد وهو باطل اجماعا۔ ترجمہ: ورنہ یہ مقلد کی تقلید ہو جائے گی اور وہ بالاتفاق باطل ہے۔

ثالثاً اس پر کوئی دلیل ظاہر نہیں۔

اگر کہیے حادث ہے **اقول**: مجرد حدوث اصلاً نہ شرعاً دلیلِ منع، نہ اس کی حجیت، علامہ شامی نہ امام ابن حجر نہ ان بعض کسی کو تسلیم۔ ردالمحتار میں ہے "صاحب بدعة اي محرمة والا فقد تكون واجبة كنصب الادلة للرد على اهل الفرق الضالة وتعلم النحو المفهم للكتاب والسنة ومندوبة كاحداث نحو رباط ومدرسة و كل احسان لم يكن في الصدر الاول ومكروهة كزخرفة المساجد ومباحة كالتوسع بلذيذ المأكل والمشارب الصياد كمافي شرح جامع الصغير للمناوي عن تهذيب النوي ومثله في الطريقة المحمدية للبركوي" صاحبِ بدعت یعنی بدعت محرمہ والا، ورنہ کبھی بدعت واجبہ ہوتی ہے جیسے کہ گمراہ فرقوں کی گمراہی کا رد کرنے کے لئے دلائل قائم کرنا اور علم نحو کا سیکھنا جو کتاب وسنت کی تفہیم کے لئے ضروری ہے اور کبھی مستحب ہو گی جیسے کہ سرائے اور مدرسہ اور ہر نیکی کا کام جو پہلے دور میں نہ تھا، اور کبھی مکروہ ہو گی جیسے مساجد کو مزین کرنا، اور مباح ہو گی جیسے کھانے پینے اور لباس میں وسعت اختیار کرنا جیسا کہ امام مناوی نے شرح جامع صغیر میں تہذیب نووی سے بیان کیا، اور برکوی کی طریقہ محمدیہ میں بھی اسی طرح ہے۔ (ردالمحتار، ج1، ص414، مصطفی البابی، مصر)

امام ابنِ حجر فتح المبین میں فرماتے ہیں "الحاصل ان البدعة الحسنة متفق على ندبها وعمل المولد واجتماع الناس له كذلك" ترجمہ: حاصل یہ ہے کہ بدعت حسنہ کے مندوب ہونے پر اہل علم کا اتفاق ہے، میلاد شریف کرنا اور اس کے لئے لوگوں کا اجتماع بھی بدعتِ حسنہ ہی ہے۔

خود اسی قول میں بدعت کو قبیحہ شنیعہ سے مقید کرنا مشعر ہے کہ نفس بدعیت مستلزم قبح وشناعت نہیں معہذا یوں تو وہ محل جس پر

یہ نزول وصعود ہوتا ہے یعنی ذکرِ سلاطین خود ہی بدعت تھا تو اس نزول وصعود کے ساتھ تخصیص کلام کی وجہ نہ تھی۔

اگر کہیے زیادت علی السنۃ ہے، **اقــول** یوں تو ذکرِ سلاطین بلکہ ذکرِ عمین کریمین و بتول زہرا اور بیماشیں مصطفیٰ وستہ باقیہ من العشرۃ المبشرۃ بلکہ ذکرِ خلفائے اربعہ بھی صلی اللہ تعالیٰ علی الحبیب وعلیہم جمیعا وبارک وسلم سب سے زیادت علی سنۃ المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ٹھہریں گے۔ زیادت علی السنۃ وہ مکروہ ہے کہ باعتقادِ سنت ہو ورنہ باعتقادِ اباحت یا ندب زیادت نہیں۔ درمختار بیان سنن الوضوء میں ہے"لو زاد لطمانینة القلب او لقصدالوضوء علی الوضوء لاباس به وحدیث فقدتعدی محمول علی الاعتقاد" ترجمہ: اگر کسی نے (تین سے) زائد بار اعضاء کو دھویا اور مقصد اطمینانِ قلب یا وضو پر وضو تھا تو اس میں کوئی حرج نہیں، باقی فرمانِ نبوی"ایسا کرنے والے نے زیادتی کی" اعتقاد (کہ اس کے بغیر وضو نہیں ہوتا) پر محمول ہے۔ (درمختار، ج1،ص22،مطبع مجتبائی،دہلی)

اسی ردالمحتار میں بدائع امام ملک العلماء سے ہے"الصحیح انه محمول علی الاعتقاد دون نفس الفعل حتی لو زاد او نقص واعتقد ان الثلاث سنة لایلحقه الوعید" ترجمہ: صحیح یہ ہے کہ یہ اعتقاد پر محمول ہے نفسِ فعل پر نہیں حتی کہ اگر کسی نے اضافہ کیا یا کمی کی مگر عقیدہ یہ تھا کہ سنت تین دفعہ ہی ہے تو اسے وعید لاحق نہ ہوگی۔ (ردالمحتار، ج1،ص89،مصطفی البابی،مصر)

البتہ اگر کہیے اس میں اندیشہ ہے کہ عوام سنت سمجھ لیں گے۔

اقــول اوّلاً: وہی نقوض ہیں کہ یہ نفسِ اذکار بھی سنت نہیں تو اندیشہ یہاں بھی حاصل۔ اور تحقیق یہ ہے کہ اندیشہ مذکورہ نہ فعل کو بدعت قبیحہ شنیعہ کر دیتا ہے نہ اس کے ترک کو واجب، بلکہ جہاں اندیشہ ہو صرف اتنا چاہئے کہ علماء کبھی کبھی اُسے بھی ترک کر دیں تا کہ عوام سنت نہ سمجھ لیں، اسے ناجائز و بدعت قبیحہ ہونے سے کیا علاقہ! فقیر غفر المولی القدیر نے اپنی کتاب رشاقة الکلام حاشیة اذاقة الاثام میں اس کی بکثرت تصریحات ائمہ دین علمائے معتمدین حنفیہ وشافعیہ ومالکیہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے نقل کیں۔

اسی ردالمحتار میں فتح القدیر سے ہے"مقتضی الدلیل عدم المداومة لاالمداومة علی الترك فان لزوم الایھام ینتفی بالترك احیانا اھ باختصار" ترجمہ: دلیل کا تقاضا عدمِ مداومت ہے نہ کہ ترک پر مداومت کیونکہ کبھی کبھار ترک سے لازم وواجب ہونے کی نفی ہو جاتی ہے۔

وانا اقول وبالله التوفیق (اور میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں) جن اعصار وامصار میں بعض نے یہ بحث کی وہاں اس فعل پر ایک نکتہ جمیلہ و دقیقہ جلیلہ اصولِ شرعی سے ناشی ہو سکتا ہے جس سے یہ فعل شرعاً نہایت مفید و مہم قرار پاتا اور بحث باحث کا اصلاً پتا نہیں رہتا ہے خطبے میں ذکرِ سلاطین اگرچہ محدث ہے مگر شعارِ سلطنت قرار پا چکا یہاں تک کہ کسی ملک میں کسی کی سلطنت ہونے کو یوں تعبیر کرتے ہیں کہ وہاں اس کا سکّہ و خطبہ جاری ہے، سلطنتِ اسلامی میں اگر خطیب ذکرِ سلطان ترک کرے موردِ عتاب ہوگا، مصر ہو تو گویا باغی اور سلطنت کا منکر ٹھہرے گا اور ایسی حالت میں مباح بلکہ مکروہ بھی بقدرِ اندیشہ فتنہ مؤکد

بلکہ واجب تک مترقی ہوتا (ترقی کر جاتا) ہے۔ اسی ردالمحتار میں اسی مسئلہ ذکر سلطان میں ہے "وایضا فان الدعاء للسلطان علی المنابر قد صار الآن من شعار السلطنة فمن ترکه یخشی علیه ولذا قال بعض العلماء لو قیل ان الدعاء له واجب لما فی ترکه من الفتنة غالبا لم یبعد کما قیل به فی قیام النّاس بعضهم لبعض "ترجمہ: سلطان کے لئے منبر پر دعا کرنا بھی اب سلطنت کے شعار میں سے ہو گیا ہے، جو اسے ترک کرے گا اس پر نقصان کا خدشہ ہے اس لئے بعض علماء نے فرمایا کہ اس میں کوئی بُعد نہیں اگر یہ کہہ دیا جائے کہ سلطان کے لئے دعا کرنا واجب ہے کیونکہ اس کے ترک پر غالباً فتنہ اٹھنے کا اندیشہ ہوتا ہے جیسا کہ بعض لوگوں کے بعض کے لئے قیام کے بارے میں کہا گیا ہے۔ (ردالمحتار، ج1، ص599، مصطفیٰ البابی، مصر)

اور شک نہیں کہ صدہا سال سے اکثر سلاطینِ زمان فساق ہیں، اس کا فسق اور کچھ نہ ہو تو حدودِ شرعیہ یک لخت اٹھا دینا اور خلافِ شریعت مطہرہ طرح طرح کے ٹیکس اور جرمانے لگانا کیا تھوڑا ہے۔ اسی ردالمحتار آخر کتاب الاشربہ میں سیدی عارف باللہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی سے ہے "قد قالوا من قال سلطان زماننا عادل کفر" ترجمہ: علماء نے فرمایا جو ہمارے دور کے سلطان کو عادل کہے گا وہ کافر ہے۔ (ردالمحتار، ج5، ص327، مصطفیٰ البابی، مصر)

اور شک نہیں کہ جس طرح وہ خطبہ میں اپنا نام نہ لانے پر ناراض ہوں گے یوں ہی اگر نام بے کلمات مدح و تعظیم لایا جائے تو اس سے زیادہ موجب افروختگی ہوگا اور فاسق کی مدح شرعاً حرام ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((اذا مدح الفاسق غضب الرب واهتزله العرش)) ترجمہ: جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے رب عزوجل غضب فرماتا ہے اور اس کے سبب عرش الٰہی ہل جاتا ہے۔ (شعب الایمان، ج4، ص230، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

خطباء جب کہ مجبورانہ اس میں مبتلا ہوئے ان بندگان خدا نے چاہا کہ اس ذکر کو خطبے سے علیحدہ بھی کر دیں کہ نفس عبادت اسی امر پر مشتمل ہے اور بالکل خطبے سے جدائی بھی نہ معلوم ہو کہ آتشِ فتنہ مشتعل نہ رہے اس کے لئے اگر یوں کرتے کہ خطبہ پڑھتے پڑھتے کچھ دیر خاموش رہتے اس کے بعد ذکر سلاطین کر کے بقیہ تمام کرتے تو یہ ہرگز کافی نہ تھا کہ مجلس واحد رہی اور مجلس واحد حسب تصریح کافہ ائمہ جامع کلمات ہوتی ہے جو کچھ ایک مجلس میں کہا گیا گویا سب الفاظ دفعۃً واحدۃً معاً صادر ہوئے۔

لہذا یہ تدبیر نکالی کہ اس ذکر کے لئے زینہ زیریں تک اتر آئیں اور بقدر امکان مجلس بدل دیں کہ خطبہ پڑھتے پڑھتے نیچے اترنا شرعاً اس کے قطع ہی کے لئے معہود ہے تو عموماً اجنبی خصوصاً بہ نیت قطع تبدل مجلس وانفصال ذکر کا باعث ہوگا جس طرح تلاوت آیت سجدہ میں ایک شاخ سے دوسری پر جانے کو علماء نے تبدیل مجلس گنا ہے۔ اسی ردالمحتار میں ہے "لعل وجهه ان الانتقال من غصن الی غصن والتسدية ونحو ذلك اعمال اجنبية كثيرة يختلف بها المجلس حكما" ترجمہ: شاید وجہ یہ ہے کہ ایک شاخ سے دوسری شاخ کی طرف منتقل ہونا اور کپڑا بنانے کے لئے تانا لگانا اعمال اجنبی اور کثیر ہیں

جن کی وجہ سے مجلس حکما مختلف ہو جاتی ہے۔ (ردالمحتار،ج1،ص674، مصطفی البابی، مصر) اس میں اس قدر ہوگا کہ بیچ میں خطبہ قطع کرنا ہوا اس محظور (ممنوع کام) کے دفعہ کو، اس میں کیا محذور (ڈر ہے) جب خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے صحیح حدیث شاہزادوں کے لینے کے لئے خطبہ قطع فرما کر نیچے اترنا پھر اوپر تشریف لے جانا ثابت، تو بعضہم کی بحث اصلاً متجہ نہ تھی، غرض نقل مذکور میں مدعی عدم جواز کے لئے کوئی محل احتجاج نہیں۔

جہاں صورت یہ ہو جو فقیر نے ذکر کی وہاں اس نزول وصعود سے یہی نیت کریں اور جب ذکر ومدح سلطان ترک نہ کرسکیں اس مصلح کے ترک کی کوئی وجہ نہیں اور جہاں ایسا نہ ہو جیسا ہمارے بلاد میں وہاں مدح میں الفاظ باطلہ ومخالفہ شرع ذکر کرنا خود حرام خالص ہے، خصوصاً کذب وشنائع کو عبادت میں ملانا، تو اس کیلئے یہ نزول عذر نہیں ہوسکتا، اور جب مخالفات شرع سے پاک تو بہ نیت اظہارِ مراتب (یعنی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، خلفاء راشدین وغیرہ اور ان سلاطین کے مراتب کا فرق ظاہر کرنے کے لئے ایسا کریں یعنی سیڑھی اتریں) جس طرح شیخ مجدد رحمہ اللہ تعالٰی کے مکتوبات میں ہے۔

نزول وصعود ایک وجہ موجہ رکھتا ہے اس صورت میں اس پر نکیر لازم نہیں، ہاں عوام سے اندیشہ اعتقاد سنیت کے سبب علماء کو مناسب کہ گاہ گاہ اس نزول صعود بلکہ خود ذکر سلطان اعز اللہ نصرہ کو بھی ترک کریں ورنہ دعائے سلطان اسلام محبوب ومندوب ہے اور اس نیت کے لئے نزول وصعود میں بھی حرج نہیں، اور بے دلیل شرعی مسلمانوں پر الزام گناہ وارتکاب بدعت شنیعہ باطل مبین۔ (ص417تا426)

تسبیح وتہلیل پر اجرت لینا جائز نہیں

سوال: تسبیح وتہلیل پر اجرت لینا کیسا ہے؟

جواب: تسبیح وتہلیل پر اجرت لینا جائز نہیں کیونکہ کرایہ واجرت امورِ مباحہ میں ہوتی ہے نہ کہ امورِ طاعت ومعصیت میں۔ (ص428)

مقتدیوں کے لیے جمعہ کی اذانِ ثانی کا جواب دینا کیسا

سوال: جمعہ کی اذان ثانی کا جواب دینا کیسا ہے؟ بعض لوگ جائز کہتے ہیں اور ناجائز ہونے کی دلیل مانگتے ہیں۔

جواب: اذانِ ثانی کا جواب امام دے مقتدیوں کو ہمارے امام کے نزدیک جائز نہیں صاحبین اجازت دیتے ہیں تبیین الحقائق میں اول کو احوط کہا اور نہایہ اور عنایہ میں ثانی کو واضح، تو عمل اول ہی پر ہے کہ وہی قولِ امام ہے، اور اگر کوئی ثانی پر عمل کرے تو اس سے بھی نزاع نہ چاہیے کہ تصحیح اُس طرف بھی ہے۔ (ص436)

سوال: جمعہ وعیدین کے خطبہ کو بسم اللہ شریف سے شروع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ابتدائے خطبہ میں بسم اللہ کہنے کے جواز میں تو شک نہیں کہ منع شرعی نہیں مگر آہستہ کہے، کتابوں میں جس قدر

لکھا ہے وہ یہ ہے کہ اعوذ آہستہ پڑھ کر خطبہ شروع کرے کما فی الھندیۃ وغیرھا (جیسا کہ ہندیہ وغیرہ میں ہے)۔ (ص436)

خطبہ میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی آئے تو دل میں درود پڑھیں

سوال: زید وہابی ذہن کا ہے، وہ کہتا ہے کہ خطبہ کے دوران سنتیں نہیں پڑھنی چاہئیں، اور خطبہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام آجائے تو درود پاک بھی نہیں پڑھنا چاہئے، آپ کیا فرماتے ہیں؟

جواب: اطراف واقطار سے ہمارے معزز اہلسنت بھائی ظلھم اللہ تعالیٰ بعض سوالات بعض مسائل فقہیہ کی نسبت بھیجتے ہیں، ان سوالوں میں جو قول کسی کا نقل کرتے ہیں اسے (یعنی قول کو) وہابیت وغیرہ ضلالتوں سے کچھ علاقہ نہیں ہوتا، خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ شخص چنین وچناں ہے جواب استفتاء میں یہاں خط ملحوظ نہیں ہوتا، خصوصاً بارہا وہ بات جو اس شخص کی طرف نسبت کی فی نفسہ صحیح ہوتی ہے اب اس کی تصحیح کیوں نہ کیجئے، کہ بات صحیح ہے اور تصحیح کیجئے تو عوام ذہن میں وہابی وغیرہ ضالین کی باتوں کا صحیح ہونا آتا ہے جس سے اندیشہ ہے کہ وہ اس کی اور باتوں کو بھی صحیح یا مشکوک ہی سمجھنے لگیں، اور یہ ان کے دین کا نقصان ہے، وہابی ہو یا کوئی کافر، یہودی، مجوسی، بت پرست وغیرہم کسی کی سب باتیں جھوٹی نہیں ہوتیں کوئی نہ کوئی بات ہر شخص سچ کہتا ہے، فقہ حنفی تو متعدد اشخاص مثل زمخشری وزاہدی ومطرزی معتزلہ گزرے ہیں ان کے اقوال فروعِ فقہ میں نقل ومسلم ہوتے ہیں اور عقائد میں وہ لوگ گمراہ بددین ہیں، یہ نکتہ ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے۔

بلاشبہ صحیح مذہب یہی ہے کہ دونوں خطبوں کا سننا فرض ہے اور کسی خطبے کے وقت نہ سنتیں پڑھنے کی اجازت، نہ اللہ عزوجل کا نام پاک سن کر عز شانہ وغیرہ نہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک سن کر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وغیرہ زبان سے کہنے کی اجازت کہ بحالتِ خطبہ سلام وکلام مطلقاً حرام ہے، ہاں دل میں جل جلالہ، وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہیں۔ (ص436)

زبانی خطبہ پڑھنا سنت کے زیادہ موافق ہے

سوال: جمعہ کے دن جب خطیب خطبہ پڑھتا ہے تو کتاب میں دیکھ کر پڑھتا ہے اور ایک شخص یہاں بے دیکھے پڑھتا ہے لہذا فرمائیں دونوں میں کس کا عمل موافق سنت ہے؟

جواب: دیکھ کر اور زبانی نفس ادائے حکم میں یکساں ہیں مگر زبانی اوفق بالسنۃ ہے۔ (ص438)

اگر خطبوں کے درمیان کوئی دعا مانگے تو منع نہیں کرنا چاہیے

سوال: جمعہ کے دو خطبوں کے درمیان دعا مانگنا کتب میں منع لکھا ہے، کیا اس سے سختی سے منع کیا جائے، آپ کا اس کے بارے میں کیا عمل ہے؟

جواب: دعا بین الخطبتین ہرگز ایسی چیز نہیں ہے جس سے ممانعت پر کچھ بھی زور دیا جائے، ایسے مسائل میں تفرقہ اندازی، فتنہ پردازی، جدال پسندی، فریق بندی وہی لوگ کیا کرتے ہیں جو اس کے ذریعہ شہرت چاہتے ہیں۔۔۔ میرا مسلک اس میں ہمیشہ یہ رہا ہے کہ خود میرے سامنے متدین دعا کرتے ہیں اور میں کبھی منع نہیں کرتا اور یہی مسلک میرے آبائے کرام اور محققین اعلام کا رہا ہے رحمۃ اللہ تعالیٰ اجمعین، خود دہلی (شہر کا نام جہاں سے سوال آیا تھا) میں بھی میں نے جمعہ پڑھایا اور حاضرین نے بین الخطبتین دعائیں مانگیں اور میں نے نہ اس وقت منع کیا نہ بعد کو۔ (ص438)

سوال: ایک گاؤں جس کی پانچ سو کی آبادی ہے وہاں جمعہ پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: باجماع جملہ ائمہ حنفیہ اس میں جمعہ وعیدین باطل ہیں اور پڑھنا گناہ ۔۔۔ خود نہ پڑھیں گے حکم پوچھا جائے گا تو فتویٰ یہ دیں گے جہاں نہیں ہوتے قائم نہ کریں گے، بااین ہمہ اگر عوام پڑھتے ہوں منع نہ کریں گے۔ (ص439)

سوال: جس شہر میں جمعہ کی نماز پڑھانے والا دیوبندی یا بدعقیدہ اور دوسری کسی مسجد میں بھی جمعہ نہ ہوتا ہو یا تمام مساجد جہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہے ان کے امام بدمذہب ہوں تو ایسی صورت میں اہل سنت جمعہ کو ترک کرے یا کوئی اور حکم ہے؟ نیز ایسا ہی عیدین کی نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: جب صورت ایسی ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ کسی مسلمان صالح امامت کو اپنا امام مقرر کریں اس کے پیچھے جمعہ و عیدین پڑھیں، جمعہ قائم کرنے کے لئے اگر کوئی مسجد بنائیں تو اذن عام مسلمین واشتہار کے ساتھ کسی میدان خواہ مکان میں پڑھیں اور اگر اس پر قدرت نہ ہو اور سب مساجد کے امام دیوبندی یا وہابی یا غیر مقلد یا نیچری یا مرزائی وغیرہم مرتدین ہیں تو فرض ہے کہ ظہر تنہا تنہا پڑھیں ان لوگوں کے پیچھے نماز باطل محض ہے جیسے کسی بت پرست یا آریہ کے پیچھے یہ ترکِ جمعہ نہ ہوا کہ وہ جو پڑھ رہے ہیں لغو و باطل حرکت ہے نماز ہی نہیں، اور ان کی اقتداء بوجوہ حرام قطعی ہے بلکہ ان کے عقائد پر مطلع ہو کر پھر بھی انھیں قابل امامت جانے تو کافر ہو جائے من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر (جس نے اس کے کفر اور عذاب میں شک کیا اس نے کفر کیا) ہاں اگر کہیں ایسا بدمذہب ہو جس پر حکم کفر نہیں جیسے تفضیلیہ۔ اور سنی کی امامت نہ مل سکے تو اس کے پیچھے جمعہ و عیدین پڑھ لے۔ (ص440)

سوال: ہمارے علاقے میں جمعہ نہیں ہوتا ایک دوسری بستی میں ہوتا ہے لوگ وہاں جا کر جمعہ پڑھتے ہیں، اب وباء یعنی ہیضہ وغیرہ آ گیا ہو تو ایسی حالت میں اس ہیضہ والی بستی میں جا کر جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اگر یہ جگہ حوالیِ شہر ہے تو دوسری جگہ نہیں اسی کا حصہ ہے ورنہ اگر خود شہر ہے تو بغیر وبا بھی یہیں (اپنے علاقے میں) جمعہ قائم کیا جائے نہ کہ دوسری جگہ پڑھنے جائیں، اور اگر (اپنا علاقہ) گاؤں ہے تو ان پر جمعہ نہیں بحالت وباء وہاں (دوسری بستی میں) نہ جائیں۔ (ص440)

بلاوجہ کھڑے ہوکر خطبہ سننا خلاف سنت ہے

سوال: کیا خطبہ جمعہ کھڑے ہو کر سننا جائز ہے؟

جواب: خطبہ سننے کی حالت میں حرکت منع ہے اور خطبہ بلاضرورت کھڑے ہو کر سننا خلاف سنت ہے، عوام میں یہ معمول ہے کہ خطیب آخر خطبہ میں ان لفظوں پر پہنچتا ہے ﴿ ولذکر اللہ تعالیٰ اعلیٰ ﴾ تو اس کے سنتے ہی نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں یہ حرام ہے کہ ہنوز ختم نہ ہوا چند الفاظ باقی ہیں اور خطبہ کی حالت میں کوئی عمل حرام ہے۔ (ص 441)

سوال: ایک شخص نے ایک مسجد میں جمعہ بامامت خود پڑھایا، دوسری مسجد میں ایک ضرورت کی وجہ آ جانے سے خود مقتدی ہو کر بھی جمعہ پڑھا، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: کوئی حرج نہیں جبکہ امامت پہلے کر چکا ہو فان التنفل بالجمعة غیر ممنوع ترجمہ: جمعہ کو نفل بنانا منع نہیں۔

(ص 441)

سوال: ہمارا علاقہ شہر نہیں کہلاتا مگر وہاں مدت سے جمعہ ہوتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر وہ پرگنہ ہے اس کے متعلق دیہات ہیں اور ایسی حالت میں ضرور جانب سلطنت سے کوئی حاکم وہاں فصل خصومات وفیصلہ مقدمات کے لئے ہوتا ہے مثلاً تحصیلدار وغیرہ جب تو وہ شہر ہے اور اس میں ادائے جمعہ وعیدین ضرور لازم، اور ان کا تارک گنہگار و آثم۔

اور اگر وہ پرگنہ نہیں یا وہاں کوئی حاکم فصلِ مقدمات پر مقرر نہیں مگر زمانہ سلطنت اسلام میں وہ ایسا تھا اور جب سے اس میں جمعہ ہوتا تھا تو اب بھی پڑھا جائے گا۔

اور اگر یہ دونوں صورتیں نہیں تو مذہب حنفی میں وہاں جمعہ وعیدین نہیں پھر بھی جبکہ مدت سے قائم ہے اسے اکھاڑا نہ جائے گا، نہ لوگوں کو اس سے روکے گا مگر شہرت طلب۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ﴿ ارأیت الذی ینھی عبدا اذا صلی ٥ ﴾

ترجمہ: بھلا دیکھو تو جو منع کرتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھے۔ (پ30، سورۃ العلق، آیت 9-10)

وفیہ عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجھہ، ترجمہ: اور اسی آیت کے تحت حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے بھی ایک روایت ہے۔ (ص 442)

جمعہ کے لئے مسجد اور میدان کا ہونا شرط نہیں ہے

سوال: کیا جمعہ پڑھنے کے لئے مسجد ہونا شرط ہے؟ یا میدان میں بھی جمعہ ہو جاتا ہے؟

جواب: جمعہ کے لئے شہر کا یا فنائے شہر کے سوا نہ مسجد شرط ہے نہ بنا، مکان میں بھی ہو سکتا ہے میدان میں بھی ہو سکتا

ہے اذنِ عام درکار ہے۔ (ص444)

جمعہ کے واجب ہونے کی شرائط

سوال :ایک بستی ہے جس کی کل آبادی قریب 900 کے ہے اور اس میں ہر چیز بھی وقت پر نہیں مل سکتی، لہذا ایسی بستی میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ وجوبِ صلوٰۃِ جمعہ کے لئے کیا کیا شرائط ہیں؟ دلائل کے ساتھ بیان کریں۔

جواب :جمعہ صرف شہر فنائے شہر میں جائز ہے ورنہ نہیں۔ شہر وہ بستی ہے جس میں متعدد کوچے دائم بازار ہوں، اور وہ ضلع یا پرگنہ ہو کہ اس کے متعلق دیہات ہوں اور اس میں فیصلہ مقدمات پر کوئی حاکم مقرر ہو، وجوبِ جمعہ کی سات شرطیں ہیں:

(1) حریت (آزاد ہونا) (2) ذکورت (مرد ہونا) (3) عقل (4) بلوغ (5) شہر میں اقامت (6) اتنی صحت کہ حاضرِ جماعت ہوکر پڑھ سکے۔ (7) عدمِ مانع (کوئی روکاوٹ نہ ہو) مثل حبس (قید) وخوفِ دشمن وباران شدید (شدید بارش) وغیرہ۔

اور اس کے صحیح ہونے کی سات (7) شرطیں ہیں:

(1) شہر یا فنائے شہر (2) سلطانِ اسلام یا اس کا نائب یا ماذون یا بضرورت جسے عام مسلمین نے امام جمعہ بنایا ہو۔

(3) وقتِ ظہر ختم تک باقی رہنا۔ (4) خطبہ وقتِ ظہر میں (5) قبل نماز کم از کم تین مسلمان مرد عاقلوں کے سامنے خطبہ ہونا۔

(6) جماعت سے ہونا جس میں کم از کم تین ایسے مرد ہوں۔ (7) جمعہ کے اذنِ عام ہونا بلا وجہ شرعی کسی کی روک نہ ہو۔

بیان دلائل سے کتب لبریز ہیں۔

سوال :نواب صدیق حسن خاں کی تصنیف کا خطبہ ہر جمعہ وعیدین میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور حنفیہ کے نزدیک کون سا خطبہ معتبر ہے؟

جواب :صدیق حسن خاں غیر مقلد لامذہب تھا اس کی تصنیف کا خطبہ اہلسنت کو پڑھنا نہ چاہیئے لان فیہ تنویہا بذکرہ وترو یجا لمکرہ وذلك لايجوز (کیونکہ اس میں اس کے ذکر کا احترام اور اس کے مکر کی ترویج ہے اور یہ جائز نہیں) خصوصاً اگر اس میں اپنے مذہب کی خباثت درج کی ہو جب تو قطعاً حرام ہے۔ خطبِ ابنِ نباز مصری اچھے ہیں اور اب ہند میں علمی کے خطبے، مگر اردو اشعار خطبہ میں پڑھنا مناسب نہیں۔ (ص445)

سوال:ایک شخص خطبہ میں آیہ قرآنی میں تعوذ وتسمیہ پڑھتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:خطبہ میں آیہ قرآنی سے پہلے اعوذ پڑھنا چاہیئے اور اگر وہ آیت ابتدائے سورہ ہے تو بسم اللہ شریف بھی، فقیر کا ہمیشہ اسی پر عمل ہے، اور اگر سرِ آیت پر بھی بسم اللہ پڑھ لے گا حرج نہیں۔ (ص446)

خطبہ کے بغیر جمعہ باطل ہے

سوال: نمازِ جمعہ میں خطیب کو خطبہ نہیں ملا اور وقت بھی تنگ ہوگیا جو اور مسجد سے تلاش کر کے لا سکے، تو اس صورت میں کس طرح نماز ادا کی جائے گی اور اگر بغیر خطبہ نمازِ جمعہ پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب: نمازِ جمعہ بے خطبہ باطل ہے، خطبہ مختصر کافی ہے، ایسا شخص امامِ جمعہ نہیں ہوسکتا جو خطبہ نہ پڑھ سکے۔ (ص446)

سوال: مجموعہ خطبِ علمی کا پڑھنا نماز جمعہ وعیدین میں جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ اس خطبہ میں کچھ اشعار اردو کے بھی شامل ہیں اسی وجہ سے تمام ہندوستان کے لوگ جن کی زبان اردو ہے اس کو بہت شوق سے سنتے ہیں اور اکثر بزرگ اس خطبہ کو بکثرت نماز جمعہ وعیدین میں پڑھا کرتے ہیں، سید محبوب علی شاہ صاحب سکندر یہ حیدر آباد دکھن جو مرید بھی کرتے ہیں اور وعظ بھی فرماتے ہیں انھوں نے بعد نماز جمعہ یہ فرمایا کہ مجموعۂ خطب علمی کا پڑھنا اور سننا نماز جمعہ وعیدین میں ناجائز ہے اس سے نماز نہیں ہوتی ہے کیونکہ علمی کا مذہب رافضی تھا، آپ ارشاد فرمائیں کہ اس میں شرعا کیا حکم ہے، آیا مجموعہ خطب علمی کا پڑھنا اور سننا نماز جمعہ وعیدین میں ناجائز ہے یا نہیں، اور علمی کا مذہب کیا تھا؟

جواب: مولانا محمد حسن علمی بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سُنّی صحیح العقیدہ اور واعظ وناصح اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مداح اور میرے حضرت جدامجد قدس سرہ العزیز کے شاگرد تھے انھیں رافضی نہ کہے گا مگر کوئی ناصبی یا خارجی، دکھنی صاحب نے اگر کسی کی سُنی سنائی بے تحقیق کہہ دی تو یہ آیۃ کریمہ ﴿فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالۃ فتصبحوا علی مافعلتم ندمین ﴾ (ترجمہ: تحقیق کرلو کہیں جہالت کی وجہ سے کسی قوم پر حملہ آور نہ ہو جاؤ تو پھر تم اپنے کئے پر نادم ہو جاؤ۔) کا خلاف کیا۔ صحیح حدیث ((لاتذکروا موتاکم الابخیر)) ترجمہ: اپنے فوت شدگان کو اچھائی سے یاد کیا کرو۔ (اتحاف السادۃ المتقین، ج7، ص91، دارالفکر، بیروت)

اور حدیث صحیح ((کفا بالمرء کذابا ان یحدث بکل ماسمع)) ترجمہ: کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ سنی سنائی بیان کر دیتا ہے۔ (صحیح مسلم، ج1، ص8، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

آیت کا ارشاد یہ ہے کہ غیر ثقہ کی خبر خوب کی تحقیق کرلو کہیں کسی کو جہالت سے آزار دے بیٹھو، پھر اپنے کئے پر پچھتاتے ہو، اور حدیث اول کا کہ اپنے اموات کو خیر ہی سے یاد کرو اور دوم یہ کہ آدمی کے جھوٹا ہونے کو یہ بہت ہے کہ جو کچھ سنے اس پر اعتبار کر کے لوگوں سے بیان کر دے اور اگر اپنی طرف سے کہا تو آفت سخت تر ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((من ذکر امرأ بما لیس فیہ لیعیبہ بہ حبسہ اللہ فی نار جھنم حتی یاتی بنفاذ ماقال فیہ)) جو کسی کے عیب لگانے کو وہ بات بیان کرے جو اس میں نہیں اللہ اسے نار جہنم میں قید کرے گا یہاں تک کہ اپنے کئے کی سند لائے۔ (معجم اوسط، ج9، ص432، مکتبۃ المعارف، الریاض)

دوسری روایت میں ہے ((کان حقا علی اللہ ان یذیبہ یوم القیٰمۃ فی النار حتی یاتی بانفاذ ماقال)) اللہ پر

حق ہے کہ جب تک اپنی اُس بات کا ثبوت پیش نہ کرے اُسے آتشِ دوزخ میں پگھلائے۔ (معجم الاوسط، ج4، ص201، دارالکتاب، بیروت)

اور بفرضِ غلط اگر معاذ اللہ کوئی بد مذہب ہی خطبہ تصنیف کرے اور وہ صحیح ہو اس میں کوئی بد مذہبی نہ ہو تو اس کے پڑھنے سے نماز کیوں ناجائز ہونے لگی۔ یہ دل سے مسئلہ گھڑنا اور شریعتِ مطہرہ پر افتراء کرنا ہے، ہاں اردو زبان خطبہ میں ملانا نہ چاہئے کہ خلافِ سنتِ متوارثہ ہے یہ دوسری بات ہے اسے عدمِ جوازِ نماز سے کیا علاقہ، شخص مذکور اگر اپنی ان حرکات پر مصرر ہے اور تائب نہ ہو تو اس کے پیچھے نماز نہ چاہئے نہ اس کے ہاتھ پر بیعت۔ (ص447)

گاؤں میں جمعہ کے جواز کے متعلق ایک شخص کے استدلال کا رد

سوال: ایک شخص کہتا ہے کہ جمعہ کی نماز ہر شخص پر فرض ہے سوا اُن کے جن کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مستثنیٰ فرمادیا، مشکوٰۃ شریف میں مرفوعاً روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ جمعہ حق ہے اور واجب ہے مگر چار پر، غلام اور عورت اور نابالغ اور بیمار، یعنی ان چار کے سوا سب پر واجب ہے، خود کسی کا نوکر ہو یا سوداگر یا کھیتی والا یا مزدور ہو، بعض روایت میں مسافر کا بھی ذکر ہے، اور اسی کتاب میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ باز آئیں لوگ جمعہ کا ناغہ کرنے سے ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا پھر وہ منافقوں میں سے ہو جائیں گے یعنی ان کا نام منافقوں کے دفتر میں لکھا جائے گا۔ لہذا نمازِ جمعہ ہر جگہ پڑھنا چاہئے خواہ شہر ہو یا گاؤں ہو یا جنگل ہو یا بَن ہو کیونکہ حدیث شریف میں کوئی خصوصیت نہیں آتی ہے۔

جواب: جمعہ بَن (جنگل) میں حرام ہے اور گاؤں میں ناجائز ہے اور عمومات اپنے شروط سے مشروط ہوتے ہیں، احادیث سے جو جاہلانہ استناد کسی جاہل نے کیا ہے وہ اگر دامنِ ائمہ چھوڑے تو یہی بتائے کہ یہ حدیثیں اس نے شروع میں کیونکر حجت قرار دیں، اللہ تعالیٰ نے سورہ جمعہ میں ﴿یا ایھا الذین اٰمنوا﴾ (اے ایمان والو) مطلق ارشاد فرمایا ہے۔ اس میں عورت یا بچے یا غلام یا مریض یا مسافر کسی کا استثناء نہیں تو کیوں نہیں کہتا کہ چار برس کے بچے پر بھی جمعہ فرض ہے وہ احادیث سب خبرِ آحاد ہیں اور خبرِ احاد موجبِ ظن، تو ان سے (اس مقام پر) استدلال کرنا اس کو حرام اور قرآن مجید کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ان یتبعون الا الظن﴾ ترجمہ: وہ نہیں اتباع کرتے مگر ظن کی۔ اور فرماتا ہے ﴿ان الظن لا یغنی من الحق شیئا﴾ ترجمہ: بلاشبہ ظن حق سے بے نیاز نہیں کرسکتا۔

تو ان پر عمل خصوصاً عمومِ قرآن مجید کے خلاف کیونکر اس نے حلال کرلیا، اور یہ بھی اس وقت ہے کہ ان احادیث آحاد کی صحت ثابت کرلے، ائمہ مجتہدین کا اجتہاد نہ ماننا اور بخاری و مسلم کی تصحیح یا نسائی و دارقطنی کی تعدیل و تخریج پر اعتماد کرنا ظلم شدید وجہل بعید ہے، کون سی آیت یا حدیث میں آیا ہے کہ بخاری جس حدیث کو صحیح کہہ دیں اسے مانو اور جسے ضعیف کہہ دیں اسے نہ مانو یا یحییٰ وشعبہ جسے ثقہ کہہ دیں اسے معتمد جانو اور ضعیف کہہ دیں تو ضعیف جانو، قرآن وحدیث متواترہ اجماع امت کو حجت

بتاتے ہیں، اور اجماع امت ہے کہ جمعہ کا حکم مطلق وعام نہیں مقید بقیود ومشروط بشرائط ہے اور جو اجماع کا خلاف کرتا ہے قرآن عظیم فرماتا ہے ﴿نصله جهنم وساء ت مصيرا ۝﴾ ہم اسے جہنم میں ڈالیں گے وہ بہت بری پھرنے کی جگہ۔ (ص449)

سوال: اپنے محلّہ کی مسجد کو چھوڑ کر دوسرے محلّہ کی مسجد میں جا کر جمعہ پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: جمعہ مسجد جامع میں افضل ہے، مسجد محلّہ کا حق نماز پنجگانہ میں ہے، جب وہ جامع نہیں اور دوسری جگہ جانے میں ان کو آسانی ہے تو ممانعت کی کوئی وجہ نہیں۔ (ص450)

موجودہ طریقے پر جمعۃ الوداع پڑھنا ثابت نہیں

سوال: جمعۃ الوداع رمضان المبارک کو نبی کریم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبۃ الوداع پڑھا ہے یا نہیں؟

جواب: الوداع جس طرح رائج ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ (ص452)

سوال: اگر حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں پڑھا ہے تو سب سے پہلے خطبہ الوداع کس نے پڑھا ہے اور اس کا موجد ومخترع کون ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یا ائمہ مجتہدین فقہاء ومحدثین رحمہم اللہ تعالیٰ۔

جواب: نہ صحابہ کرام ومجتہدین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نہ اس کا موجد معلوم۔ (ص452)

سوال: شریعت مقدسہ مطہرہ منورہ محمدیہ حنفیہ اہلسنت وجماعت میں خطبۃ الوداع کا کیا درجہ ہے فرض، واجب، سنت، مستحب، مباح؟

جواب: وہ اپنی حد ذات میں مباح ہے ہر مباح نیتِ حسن سے مستحب ہو جاتا ہے اور عروض وعوارض خلاف سے مکروہ سے حرام تک۔ (ص452)

سوال: جس جمعۃ الوداع کو خطبۃ الوداع نہ پڑھا جائے وہ جمعہ صحیح ہوگا یا نہیں؟ اور تارک خطبۃ الوداع کس درجہ کا خاطی وگنہگار ہے، قابل ملامت وزجر ہے یا نہیں؟ ملامت وزجر کرنے والے تو گنہگار نہ ہوں گے؟ امامت اس کی جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: جمعہ کے لئے خطبہ شرط ہے خاص خطبۃ الوداع کوئی چیز نہیں ان کے ترک سے نماز پر کچھ اثر نہیں پڑسکتا اس کے ترک میں کچھ خلل نہیں، نہ تارک پر نہ زجر وملامت روا جبکہ ترک بر بنائے وہابیت نہ ہو، ہاں اگر وہابیت ہے تو وہابی کے پیچھے نماز بیشک ناجائز محض باطل اور وہ زجر وملامت سے بھی سخت تر کا مستحق ہے۔ (ص452)

رمضان کے آخری جمعہ میں حسرت کے کلمات کہنا مباح ہے

سوال: کتاب شبیہ الانسان میں ایک فتوی لکھا ہے: رمضان کے آخری جمعہ میں حسرت وافسوس کے کلمات پڑھنا مباح ہے لیکن اسلاف سے منقول نہیں، ترک افضل ہے تاکہ عوام اسے واجب یا سنت نہ بنالیں، شرط یہ ہے کہ اس میں رسالت

مآپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت جھوٹ شامل نہ ہو ورنہ حرام ہے اور وہ یہ ہے

ہےا کثر محمد مصطفی محبوب و مطلوب خدا

گفتے دریں حسرتا ای ماہ رمضان الوداع

ترجمہ: خدا کے محبوب و مطلوب محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے اے ماہ رمضان الوداع!۔ یہ فتوی کیسا ہے؟

جواب: اس فتوے میں جو کچھ لکھا حرف بحرف صحیح ہے سوائے اس لفظ کے کہ "ترک افضل ہے" اس کی جگہ یوں چاہئے "اس کا التزام نہیں کرنا چاہئے کبھی اسے ترک کر دیں تا کہ عوام کو وجوب یا سنت ہونے کا وہم نہ ہو۔ فقد صرح العلماء الکرام ان الترك احیانا یزیل الایهام، ترجمہ: علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ بعض اوقات ترک کر دینا عوام کے وہم کو زائل کر دیتا ہے۔ (ص452)

سوال: جمعہ کے خطبوں میں عربی عبارت پڑھ کر بعد کو ترجمہ اردو زبان میں محض بہ نیت آگاہی قوم امام جمعہ پڑھے تو کیا نقص یا فضل ہے؟

جواب: خطبہ میں عربی کے سوا دوسری زبان ملانا مکروہ وخلاف سنت ہے۔ (ص454)

سوال: خطبہ دراز یا قراءت طویل کا پڑھنا کوئی فضل رکھتا ہے یا نقصان؟

جواب: قراءت بقدر سنت سے زائد نہ ہو اور اتنی زیادت کہ کسی مقتدی کو ثقیل ہو حرام ہے، اور خطبہ کی نسبت ارشاد فرمایا کہ آدمی کی فقاہت کی یہ نشانی ہے کہ اسکا خطبہ کوتاہ ہو اور نماز متوسط زیادہ طویل خطبہ خلاف سنت ہے۔ (ص454)

سوال: قبل اور بعدِ جمعہ سنتوں میں سنت رسول اللہ کہنا کیسا ہے؟

جواب: سنتیں جمعہ کی ہوں یا اور وقت کی، ان کی سنتوں میں نام اقدس کی طرف اضافت کہ حضور کی سنت ہے اس میں کوئی حرج نہیں اس سے وہابیہ منع کرتے ہیں جو نام اقدس سے جلتے ہیں۔ (ص454)

سوال: الوداع شریف کوئی عمل شرعی میں نقص رکھتا ہے اور یہ عمل درست ہے یا نادرست؟

جواب: الوداع کہ رائج ہے نہ کوئی شرعی حکم ہے نہ اس سے منع شرعی، ہاں علماء اس کا التزام نہ کریں، کبھی ترک بھی کریں کہ عوام واجب نہ سمجھنے لگیں، اور سچی الوداع قلب سے ہے کہ رمضان شریف کے آنے سے خوش ہو اور جانے سے غمگین، اور اگر یہ حالت ہو کہ آنا بار تھا اور جانے کے لئے گھڑیاں گنیں تو جو جھوٹی الوداع ہے۔ (ص454)

سوال: ایک گروہ حنفی المذہب اہلسنت والجماعت کا جو کہ حتی الامکان مشرکوں بدعتیوں وہابیوں اور خصوصاً رافضیوں سے مجتنب ہے اور ان سے عمل ترک موالات جائز رکھتا ہے، محرم الحرام کے موقع پر یہ دیکھتے ہوئے کہ جمعہ کے روز عشرہ کا دن نماز

جماعت کا موقع ہے جس کا انتظام بریلی کے حنفی المذہب اہل سنت والجماعت انجمنوں کی مشترکہ کوششوں سے ہوا ہے مگر اس جماعت میں تعزیہ دار بدعتی وغیرہم شامل ہیں، کیا اس نماز جماعت میں شریک ہوسکتا ہے اور اس کو نماز کا اس قدر ثواب جتنا کہ اتنی بڑی جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے سے حاصل ہونا چاہئے حاصل ہوگا؟

جواب: جبکہ جماعت کا انتظام سنی حنفی اصحاب نے کیا اور امام سنی حنفی جامع شرائط امامت ہوگا تو اس میں بلاشبہ جماعتِ کثیر کا ثواب ملنے کی امید واثق ہے، تعزیہ داری ایک بدعتِ عملی ہے وہ اس حد تک نہیں کہ اس کے مرتکب معاذ اللہ رافضی وہابی وغیرہم خبثاء کی مثل ہوں یا معاذ اللہ ان کی جماعت جماعت نہ ہو یا ان سے اجتناب ایسا ہی فرض ہو جیسا ان خبیثوں سے، ضروریات دین بالائے سر، وہ عقائد ضروریہ اہلسنت کے بھی منکر نہیں، نہ محبوبانِ خدا کی معاذ اللہ توہین کرتے ہیں، نہ کسی محبوب بارگاہ سے معاذ اللہ دشمنی رکھتے ہیں، پھر ان خبیثوں کو ان سے کیا نسبت، یہ عقیدۃً ہم میں سے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں پیش خود محبت محبوبانِ خدا کی نیت سے کرتے ہیں، براہ جہالت ونادانی اس میں لہو ولعب وافعال ناجائز شامل کرتے ہیں لہذا ان کی جماعت پر حکم جماعت نہ ماننا محض ظلم ہے اور جب اس کی نیت تماشا دیکھنے کی نہیں نماز با جماعت کثیر کی نیت ہے تو راستے میں ان چیزوں پر نگاہ پڑنے کا اس پر الزام نہیں جیسا کہ زمانہ عرس میں آج کل مزارات طیبہ کی حاضری۔ (ص455)

سوال: ہمارے علاقہ میں چند علماء جاہلوں کو یہ دھوکا دے رہے ہیں کہ گاؤں میں جمعہ درست نہیں اور پڑھنے والا گنہگار ہوگا کیونکہ جمعہ جبکہ درست نہیں تو اس سے فرض ظہر کا ساقط نہیں ہوا بہت جگہ کے جمعہ کو ایسے ویران کر دیا اور عیدین کی نماز بھی منع کرتا ہے اور خود بھی نہیں پڑھتا ہے، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جو شخص گاؤں میں نماز جمعہ ونماز عید ادا کرتا ہے وہ گناہ کبیرہ کا اصرار کرتا ہے اور گناہ کبیرہ کا اصرار کرنے والا کافر ہے، ان کے لئے کیا حکم ہے؟

جواب: دیہات میں نماز جمعہ وعیدین مذہبِ حنفی میں جائز نہیں مگر جہاں ہوتا ہے اسے بند کرنا جاہل کا کام ہے ،اللہ تعالیٰ فرماتا ہے﴿ارأیت الذی ینھی ٥عبدا اذا صلّی ٥﴾ترجمہ: کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو نماز پڑھنے سے روکتا ہے۔ (پ30،سورۃ العلق،آیت9-10)

اور جو انھیں کافر کہتا ہے گمراہ وبددین ہے۔ نہ وہ (دیہات میں جمعہ) کبیرہ ہے لاختلاف الائمۃ (ائمہ کے درمیان اختلاف کی وجہ سے) نہ کبیرہ پر اصرار اہلسنت کے نزدیک کفر۔ (ص456)

سوال: ایک قصبہ میں قاضی اور خطیب مسجد جامع رہتے ہیں اور وہ دونوں حسب ونسب میں برابر ہیں اور علم فارسی ومسائل میں بھی برابر ہیں، قاضی یہ کہتا ہے کہ نماز جمعہ پڑھانے کا میرا حق ہے اور خطیب مسجد جامع کہتا ہے کہ میں قاضی نہیں مگر خطیب ہوں میں نماز جمعہ پڑھانے کا مستحق ہوں یا مجھ سے اجازت لے کر آپ قاضی صاحب یا دیگر جو افضل ہوں وہ پڑھائیں

لیکن قاضی صاحب بوجوہات مندرجہ بالا کے اجازت نا گوار سمجھتے ہیں اور اسی چھوٹے قصبہ میں جامع مسجد شاہی کو چھوڑ کر دو تین آدمیوں میں سے دیگر مسجد میں علیحدہ جمعہ پڑھتے ہیں، ان کا یہ کرنا کیسا ہے؟

جواب: صورت مذکورہ میں وہ خطیب ہی قابل امامت جمعہ ہے قاضی کو کوئی حق نہیں، یہ قاضی قاضی نکاح خوانی ہوتے ہیں نہ والی قاضی کہ دو تین آدمیوں کے ساتھ الگ جمعہ پڑھتا ہے اس کا اور اس کے ساتھیوں کا جمعہ باطل محض ہے، خطیب ہی بوقت ضرورت جبکہ خود بوجہ مرض یا سفر حاضری مسجد سے معذور ہو اپنی جگہ دوسرے کو نائب کرسکتا ہے نہ یہ کہ صرف اس کی اجازت سے دوسری جگہ جمعہ قائم ہو سکے اس کا اسے بھی اختیار نہیں۔ فان نصب امام الجمعة لِوَالِي الاسلام فان لم یکن فللعامة لاللخطیب وحده۔ ترجمہ: امام جمعہ کا مقرر کرنا والیِ اسلام کا کام ہے اور اگر والی نہ ہو تو عوام، خطیب تنہا نہیں کرسکتا۔

جمعہ اسی مسجد میں ہوگا اور وہاں دوسری جگہ بلاضرورت جمعہ قائم نہ ہوگا فان بقية العامة مقيد بالضرورة (کیونکہ باقی عوام کا تقرر ضرورت کے ساتھ مقید ہے) ہاں اگر وہاں کوئی عالم دین فقیہ معتمد افقہ اہل بلد ہو تو وہ حسب مصلحت اپنے حکم سے دوسری جگہ بھی جمعہ قائم کرسکتا ہے۔ (ص457)

<u>معذور غیر معذوروں کی جماعت نہیں کرواسکتا</u>

سوال: زید نامی شخص کہ جو نابینا ہے اور اس نے یہ بھی اقرار کیا کہ میں معذور ہوں کپڑے ناپاک ہو جاتے ہیں، یہ بھی کہتا ہے کہ مجھ پر سے جمعہ ساقط ہو چکا، مگر پھر بھی جمعہ وعیدین کی امامت کرتا ہے۔

جواب: زید اگر واقعی معذور ہے تو جمعہ وغیر جمعہ کسی نماز میں غیر معذورین کی امامت نہیں کرسکتا اور اگر معذور نہیں اور کپڑوں کی نجاست ثابت نہیں تو اور نمازوں کی امامت کرسکتا ہے اور جمعہ وعیدین کی بھی اگر جانب سلطانِ اسلام سے ماذون ہو یا عام مسلمانوں نے اسے جمعہ وعیدین کا امام مقرر کیا ہو اور بوجہ نابینائی اس پر جمعہ فرض نہ ہونا جمعہ میں اس کی صحت امامت کا مانع نہیں، جیسے غلام و مسافر۔ (ص458)

سوال: ایک مزار پر مجلس خانہ مقرر ہے، وہاں عرس شریف کے دن مجلس ہوتی ہے، کیا اس مجلس خانہ میں پانچ وقت کی نماز ہو جاتی ہے، اسی طرح عید یا جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مجلس خانہ میں نماز ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہے، ہاں مسجد کا ثواب نہ ملے گا اور بلاعذر ترک مسجد ہو تو گناہ ہوگا مگر نماز ہو جائے گی، یونہی جمعہ وعیدین بھی اگر عام شہرت و اذن ہو کہ یہاں جمعہ یا عید پڑھیں گے جو چاہے آئے (ص458)

سوال: دھوپ کی شدت سے اگر خطبہ سنتے وقت چھاتا لگالے تو حرج تو نہیں؟

جواب: بہتر نہیں، حاضری دربار کے خلاف ہے، اور یہ ضعیف یا مریض ہے اور دھوپ ناقابل برداشت تو لگالے۔ (ص458)

سوال: ایک شخص فجر کی نماز پڑھ کر جمعہ کے روز بازار کرنے کو ایک مقام پر جو کہ سکونت سے نو میل کے فاصلے پر

چلا جاتا ہے اور جمعہ کی نماز میں شریک نہیں ہوتا جس کو عرصہ دراز ہو گیا ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ وہ منافق ہو گیا اور اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں نہیں دفن کرنا چاہئے اور اس سے میل و محبت وغیرہ سب ترک کر دیئے جائیں وہ کہتا ہے کہ اپنے بچوں کی پرورش کرنے کی وجہ سے جاتا ہوں اس پر شرعی فتویٰ کی ضرورت ہے۔

جواب: اگر وہ ٹھیک دوپہر ہونے سے پہلے شہر کی آبادی سے نکل جاتا ہے تو اس پر اس اصلاً کچھ الزام نہیں اور اگر اسے شہر ہی میں وقت جمعہ ہو جاتا ہے اس کے بعد بے پڑھے چلا جاتا ہے تو ضرور گنہگار ہے مگر یہ باطل ہے کہ اسے قبرستان مسلمین میں دفن نہ کر سکیں اسے نفاقِ عملی کہہ سکتے ہیں نہ کہ حقیقی۔ ہاں اس جرم پر مسلمان اس سے میل جول ترک کر سکتے ہیں اور پہلی تقدیر (کہ دوپہر سے پہلے ہی شہر سے نکل جاتا ہے) پر تو جتنے احکام اس پر لگائے گئے سب غلط ہیں۔ (ص459)

سوال: اس علاقہ کا دستور ہے کہ اکثر لوگ احاطہ مکان میں ایک چار چھ ہاتھ کا مربع مکان بنام اللہ گھر یا مسجد، بلالحاظ پابندی نماز بناتے ہیں، یہ مکان ضرورتاً ادھر اُدھر ہٹا بھی دیا جاتا ہے اور کبھی کھود بھی ڈالتے ہیں، غرض ایسی عرفی مسجدوں میں جو بڑی سے بڑی مسجد تھی اس میں لوگوں نے جمعہ جماعت تیار کر لی اور چلتے پھرتے واعظ لوگ آتے انھوں نے ان لوگوں کی شامل جمعہ بھی پڑھا اور پڑھتے ہیں تو ایسی حالت میں مصیب (درست) ٹھہریں گے یا خاطی؟

جواب: یہ مکانات مساجد البیوت کہتے ہیں یہ حقیقۃً مسجد نہیں ہوتے، نہ ان کے لئے حکمِ مسجد ہے، مگر جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں مکان میں بھی ہو سکتا ہے جبکہ شرائط جمعہ پائے جائیں اور اذن عام دے دیا جائے لوگوں کو اطلاع عام ہو کہ یہاں جمعہ ہوگا اور کسی کے آنے کی ممانعت نہ ہو، تو اگر صورت یہ تھی وہ لوگ مصیب ہوئے۔

ہاں اگر وہاں مسجد جمعہ موجود تھی اس میں نماز نہ ہوئی اور گھر میں قائم کی تو کراہت ہوئی۔

اور اگر کوئی شرط جمعہ مفقود تھی مثلاً وہ جگہ مصر و فنائے مصر نہ تھی، یا امام امامِ جمعہ نہ تھا یا بعض نمازیوں کو بلا وجہ شرعی، وہاں نماز کے آنے سے ممانعت تھی یا نمازیوں میں وہاں اقامتِ جمعہ مشہور نہ تھی بطور خود ان لوگوں نے پڑھ لی اور عام اطلاع نہ ہوئی اگرچہ لوگوں نے اور مسجدوں میں پڑھی تو ان صورتوں میں ان کی نماز نہ ہوئی۔ (ص459)

<u>بالتبع درود غیر نبی پر جائز ہے</u>

سوال: حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام اقدس لے کر بہ تبعیت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم درود شریف پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: جائز ہے۔ (ص462)

سوال: جو عالم اہلسنت دل و جان سے دین و سنت پر فدا ہوا اور اس کی ذات سے اسلام کو بڑی تقویت پہنچتی ہو اس زمانہ کے علمائے اہلسنت کے اتفاق سے وہ پیشوائے علمائے سید الفقہاء ہو اس نے اپنی زندگی محض حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کے مقدس قدموں پر تصدق کر دینے کے لئے وقف کر دی ہو، جہاں کوئی دین میں نیا فتنہ اٹھتے دیکھے، حتی الوسع اس کے مٹانے میں اپنے قلم وزبان وجان سے کوشش کرے، اس کی مبارک زندگی زیادہ ہو، مہیب سے اس کی مدد نصرت فرمائی جائے تمام اعداء اللہ واعداء الرسول جل و علا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر، اس کے غالب رہنے کی خطبہ میں دعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے۔ (ص462)

سوال: ہندوستان کے شہروں میں جمعہ ادا ہوتا ہے یا نہیں اور جمعہ ادا کرنے کے بعد ظہر احتیاطی واجب ہے یا مستحب یا مکروہ؟

جواب: ہندوستان کے شہروں میں جمعہ صحیح ہے اور ظہر احتیاطی صرف خواص کو مناسب ہے۔ (ص482)

سوال: کیا ایک وقت میں دو نمازیں فرض ہیں اور کیا جمعہ ادا کرنے سے ظہر ساقط نہیں ہوتی؟

جواب: ایک وقت میں دو فرض ہرگز نہیں اور جمعہ جب ادا ہو جائے گا ظہر ساقط ہو جائے گی ایسے ہی خیالوں سے بچنے کو علماء نے عوام کو ظہر احتیاطی کا حکم نہ دیا۔ (ص462)

سوال: ہندوستان کے جن شہروں میں جامع مسجد کا امام باتفاق مقرر کیا گیا ہے کیا وہ اقامت وادائیگی جمعہ کے لئے کافی ہے یا بادشاہِ اسلام یا نائبِ بادشاہ کی ضرورت؟

جواب: وہ امام کافی ہے اگر صحیح العقیدہ، صحیح القرائۃ، صحیح الطہارۃ، جامع شرائط صحت ہو۔ (ص463)

<u>دریا میں نماز جمعہ وعیدین نہیں ہوسکتی</u>

سوال: ایک مقام پر دریا شہر میں واقع ہے، جہاز پر کام کرنے والے لوگ جہازوں میں سے ایک جہاز پر نمازِ عید و نمازِ جمعہ ادا کرتے ہیں کیونکہ جہازوں والے بوجہ خوف چوری کے شہر میں جا کر نماز ادا کرنے سے منع کرتے ہیں تو از روئے شرع نماز ان کی جائز ہوتی ہے یا نہیں؟

جواب: دریا میں نماز جمعہ وعیدین نہیں ہوسکتی، اگر سمندر ہے جب تو ظاہر ہے کہ وہ حکم دارالحرب میں ہے اور دارالحرب میں جمعہ وعیدین باطل۔

اور اگر دریا ہو تو دریا نہ مصر ہے نہ فنائے مصر، یہاں تک کہ شہر کے دو حصے کہ اس کے دو پہلوں پر آباد ہوں دو شہر کے مثل ہیں کہ دریا ایک جدا و مستقل چیز بیچ میں فاصل ہے۔

ظاہر ہے کہ فنا تابع ہے نہ کہ قاطع، اور جمعہ وعیدین نہیں ہوسکتے مگر مصر یا فنائے مصر میں۔

یہ سب اس صورت میں ہے کہ خوف صحیح ہو، اترنا متعذر ہو ورنہ نماز پنجگانہ و وتر و سنت فجر بھی ان جہازوں میں نہیں ہوسکتے کہ ان کا استقرار پانی پر ہے اور ان نماز کی شرطِ صحت استقرار علی الارض مگر بحال تعذر۔

اسی صورت میں اگر جبراً نہ اترنے دیتے ہوں پنجگانہ پڑھیں اور اترنے کے بعد سب کا اعادہ کریں لان المانع من

جهة العباد ۔ترجمہ: کیونکہ رکاوٹ بندوں کی طرف سے ہے۔
(ص463)

سوال: کاٹھیاواڑ میں اکثر مقامات پر یہ رواج ہے کہ جمعہ کے روز خطبہ میں سلطان المسلمین کے واسطے دعا مانگی جاتی ہے تو خطیب بروقت دُعا مانگنے کے منبر پر سے ایک سیڑھی نیچے اترتا ہے اور بعد دُعا مانگ کر ایک سیڑھی اوپر چڑھتا ہے اور بعض مقامات پر اس طرح نہیں کیا جاتا ہے، تو زید اس سے اعتراض کرتا ہے اور کہتا ہے کہ سلطان کے لئے دعا مانگنے کے وقت ایک سیڑھی اترنا چاہئے، عرض یہ ہے کہ یہ فعل کیسا ہے؟

جواب: خطیب کا ایک سیڑھی نیچے آنا اور پھر اوپر جانا بعض علمانے بمجبوری ایک مصلحت شرعی کے لئے رکھا تھا جس کا ذکر مکتوبات شیخ مجدد اور تفصیل ہمارے فتاوی میں ہے، یہاں وہ مجبوری نہیں، نہ سلاطین کے نام کے ساتھ مبالغہ امیز، غلط الفاظ ملانے کی حاجت، لہذا یہ فعل عبث محض ہے، ردالمحتار میں اس کا بدعت ہونا نقل کیا۔
(ص465)

سوال: جمعہ کی نماز باجماعت کس وقت سے لے کر اور کب تک ادا کر سکتے ہیں؟ بینوا توجروا

جواب: جمعہ اور ظہر کا ایک وقت ہے زوال شمس کے بعد اذانِ اول ہو پھر سنتیں پھر اذانِ ثانی پھر خطبہ پھر نماز، یہ اس کا اول وقت ہے اور ایسے وقت اذان وخطبہ ونماز ہوں کہ سایہ دومثل ہونے سے پہلے اخیر سنتیں ہو جائیں یہ اس کا آخروقت ہے۔
(ص465)

خطبہ میں کیا کیا پڑھنا چاہیے؟

سوال: کیا صرف چند کلماتِ حمد اور ایک آیت قرآنی سے جمعہ کا خطبہ ثانیہ پورا ہو جائے گا، اور کیا نعتِ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ودرود شریف وذکر خلفائے کبار واہلبیت کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ودعا برائے مومنین کے ترک سے کچھ نقصان نہ ہوگا؟

جواب: خطبہ ثانیہ پورا ہونا بایں معنی کہ فرض ادا ہو جائے، یہ تو پہلے ہی خطبہ سے حاصل ہو گیا مگر بلاضرورت سنتِ متوارثہ قدیمہ دائمہ کو چھوڑنا اور مسلمانوں کی تنفیر کا باعث ہونا اور اپنے اوپر فتح بابِ غیبت کرنا اور ارشاد اقدس ((بشروا ولا تنفروا)) (خوشخبری دو، نفرت نہ دلاؤ) کی مخالفت کرنا دیندار عاقل کا کام نہیں، نعتِ اقدس سے دعا برائے مومنین تک جتنی باتیں سوال میں مذکور ہیں سب محمود ومعمول وماثور ہیں انھیں ضرور بجالانا چاہئے۔
(ص465)

سوال: شاہجہان پور میں ایک مسجد ہے اس میں یہ قرار پایا کہ اول جمعہ کی نماز قادیانی پڑھیں، بعد کو اہلسنت مع خطبہ جمعہ کے، تو حضور فرمائے کہ ہماری نماز ہوگی یا نہیں؟ پہلے قادیانی خطبہ پڑھ چکے ہم دوبارہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: نہ قادیانیوں کی نماز ہے نہ ان کا خطبہ، خطبہ کہ وہ مسلمان ہی نہیں، اہلسنت اپنی اذان کہہ کر اسی مسجد میں اپنی خطبہ پڑھیں اپنی جماعت کریں یہی اذان وخطبہ وجماعت شرعاً معتبر ہوں گے، اور اس سے پہلے جو کچھ قادیانی کر گئے باطل

ومردود محض تھا۔ (ص466)

سوال: نماز جمعہ میں عربی خطبہ کے بجائے وعظ و پند کر دیئے جائیں تو کیسا ہے؟

جواب: خطبہ خود وعظ و پند ہے مگر اس میں غیر عربی زبان کا خلط مکروہ و خلاف سنتِ متوارثہ ہے اگرچہ نفس فرض خطبہ خالص دوسری زبان سے ادا ہو جائے گا صحابہ کرام نے عجم کے ہزاروں شہر فتح فرمائے اور ان میں منبر نصب کیئے اور خطبے پڑھے اور ان کی زبانیں جانتے تھے ان سے گفتگو کرتے تھے مگر کبھی منقول نہیں کہ عربی کے سوا کسی اور زبان میں خطبہ فرمایا یا غیر زبان کو ملایا۔ ہاں اگر اثنائے خطبہ میں مثلاً کسی ہندی کو کوئی فعل ناجائز کرتے دیکھا جیسے خطبہ ہونے کی حالت میں چلنا یا پنکھا جھلنا، اور وہ عربی نہیں سمجھتا تو اردو میں اسے منع کرے کہ یہ حاجت یونہی رفع ہوگی۔ (ص466)

سوال: قاضی وخطیب شہر گورنمنٹ کا خطاب یافتہ ہے اور اسے زمانہ شاہی سے خطابت وامامت ملی ہوئی ہے، اس نے خطاب وغیرہ ترک موالات کے سلسلہ میں واپس نہیں کیئے، ویسے خلافت کا ہمدرد اور قولاً فعلاً امداد کی اور کرنے کو تیار ہے، بوجہ خطیب ہونے کے عیدین میں خطبہ پڑھتا ہے کیا شرعاً ایسے شخص کا خطبہ سُننا جائز ہے؟

جواب: جو زمانہ شاہی سے منصب خطبہ وامامت پر منصوب ہے بلا وجہ شرعی اس کے خطبہ سُننے کو ناجائز بتانے والا شریعتِ مطہرہ پر افتراء کرتا ہے، خطاب واپس نہ کرنا کوئی ایسا جرم نہیں جس کے سبب اس کا خطبہ سننا منع ہو جائے۔ (ص468)

سوال: جامع مسجد اور عیدگاہ میں ایک شخص حافظ قاری جو دو حج بھی کر چکا ہے اور خطاب یافتہ نہیں ہے، مذکورہ قاضی وخطیب کی جانب سے امامت کے لئے عرصہ دراز سے مقرر ہے اس کی امامت میں نماز جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے اگر اس میں کوئی مانع شرعی نہ ہو اگرچہ خطاب یافتہ ہو۔ (ص468)

سوال: ایک شہر میں دو خطاب یافتہ مسلمان ہیں، خلافت کمیٹی بھی قائم ہے، اس کمیٹی نے ایک خطاب یافتہ کی جانبداری اختیار کر رکھی ہے اس کو خطاب وغیرہ چھوڑنے پر مجبور نہیں کرتی اور اس کی تولیت میں جو مسجد ہے اور اس میں اسی خطاب یافتہ کی جانب سے امام مقرر ہے، اس کا خطبہ سُننا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز قرار دیا ہے اور دوسرے خطاب یافتہ کا خطبہ سُننا اور اس کے مقرر کردہ امام کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز قرار دیا ہے، کیا کمیٹی کا یہ فعل درست ہے؟

جواب: یہ تفرقہ محض جہالت اور افتراء بر شریعت ہے۔ (ص468)

<u>خطبہ کی اذان کے وقت انگوٹھے چومنا منع ہے</u>

سوال: جمعہ کے روز جب امام منبر پر خطبہ پڑھنے کو آ جائے اور اذان کہی جائے تو کلمات اذان کا جواب دینا اور بعد اذان دعائے اذان پڑھنی چاہیئے یا نہیں؟ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پاک پر اذان میں انگوٹھا چومنا یا خطبہ میں آں

حضرت کے نام پر انگوٹھا چومنا چاہئے یا نہیں؟

جواب: اذانِ خطبہ کے جواب اور اس کے بعد دُعا میں امام وصاحبین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اختلاف ہے بچنا اولیٰ، اور کریں تو حرج نہیں، یوں ہی اذانِ خطبہ میں نام پاک سن کر انگوٹھے چومنا اس کا بھی یہی حکم ہے لیکن خطبہ میں محض سکوت وسکون کا حکم ہے، خطبہ میں نام پاک سن کر صرف دل میں درود شریف پڑھیں اور کچھ نہ کریں زبان کو جنبش بھی نہ دیں۔ (ص 468)

سوال: فرقہ نجدیہ کے اشخاص جابجا گشت کرتے ہیں اور مومنین مومنات کو بہکاتے پھرتے ہیں ان کا بیان سننے کو کوئی نہیں ٹھہرتا، تو انھوں نے اب یہ فریب کیا ہے کہ خطیبِ جمعہ کے وقت ورغلاتے ہیں اور اس کا نام خطبہ رکھتے ہیں، یہ فرقہ کیا حکم رکھتا ہے اور خطبہ جمعہ دراصل اردو میں جائز بھی ہے یا نہیں؟

جواب: وہابیہ کفار مرتدین ہیں جیسا کہ علمائے حرمین شریفین کے فتوے "حسام الحرمین" سے ظاہر ہے، ان کا خطبہ باطل، ان کی نماز باطل، ان کے پیچھے نماز باطل محض جیسے کسی ہندو یا نصرانی کے پیچھے، اور اردو میں خطبہ پڑھنا سنت متوارثہ کا خلاف اور بہت برا ہے، اور وہابیہ کے طور پر تو اصل ایمان میں خلل انداز ہے کہ بدعت ہے اور ان کے نزدیک ہر بدعت اصل ایمان میں خلل انداز! اگرچہ اُن کے پاس سرے ہی سے نہیں۔ (ص 469)

سوال: زید ایک قصبہ میں نسلاً بعد نسلٍ مسندِ امامتِ جمعہ پر اتفاقِ جماعتِ مسلمانان سے مامور ہے اور امامت وخطابت اور نماز عیدین بلکہ تمام کاروبار متعلقہ عہدہ قضا کرتا ہے، اب ہندہ ایک عورت نے حاکم کے ساتھ مل کر زید کو ہٹا کر اپنے کسی رشتہ دار کو مقرر کر دیا ہے، کیا اس کی امامتِ جمعہ درست ہے؟

جواب: عورت کہ سلطنت نہ رکھتی ہو اور اسی طرح سلطانِ اسلام یا اس کے نائب ماذون کے سوا کسی حاکم کا کسی شخص کو خطیب یا امام جمعہ مقرر کرنا اصلاً معتبر نہیں، نہ ایسے شخص کے خطبہ پڑھتے یا نماز پڑھانے سے جمعہ ادا ہو سکے کہ اس میں اذنِ سلطانِ اسلام شرط ہے جسے اس نے مقرر کیا یا اس کے مقرر کئے ہوئے نے اذن دیا وہی خطیب وامام ہو سکتا ہے دوسرا نہیں۔

پس اگر آباء واجداد زید سلطنت اسلام سے اس عہدہ پر از جانبِ سلاطین اسلام مقرر تھے اور وہ خطباء وائمہ یکے بعد دیگرے اپنی اولاد میں ایک دوسرے کو نائب کرتے آئے یہاں تک کہ یہ نیابت زید تک پہنچی تو زید خود سلاطین اسلام کی طرف سے اس عہدہ پر مامور گنا جائے گا اور اس کے ہوتے ہوئے اگر تمام اہل شہر بے اس کے اذن کے دوسرے کو امام یا خطیب مقرر کرنا چاہیں گے ہرگز جائز نہ ہوگا نہ بغیر اس کی اجازت کے کسی کی خطبہ خوانی یا امامت صحیح ہوگی۔

اور اگر ایسا نہیں یعنی اس کے اجداد جانبِ سلاطین اسلام سے مامور نہ تھے یا اس کو انھوں نے نائب نہ کیا تاہم جبکہ یہ خود باتفاق مسلمین امامت وخطابت پر مامور ہے تو ہمارے اعصار وامصار میں بلاریب امام وخطیب صحیح شرعی ہے کہ جہاں سلطان نہ

ہو اس امر کا اختیار عامہ مسلمین کے ہاتھ ہوتا ہے وہ جسے مقرر کر دیں اسی کا تقرر ٹھیک ہے۔
تو اس صورت میں بھی دوسرا کوئی شخص بغیر اذن زید کے امامت وخطابت کا مجاز نہیں کہ آخر یہ خطیب شرعی ہے اور خطیب شرعی کے بے اجازت دوسرا امامت یا خطابت نہیں کر سکتا۔
ہاں اس صورت میں اگر عامہ مسلمین جیسے آج تک تقرر زید پر متفق رہے اب بوجہ شرعی معزولی زید پر متفق ہو جائیں اور دوسرے شخص کو قائم کر دیں تو اس صورت زید معزول اور دوسرے کا تعین صحیح ومقبول ہوگا صرف عورت کی جاہلانہ حرکت یا حاکم سلطنت غیر اسلامی کی شرکت واعانت محض بیکار و بے سود ہے کہ کسی منصب سے معزول کرنے کا اسی کو اختیار ہوتا ہے جسے مقرر کرنے کا اختیار تھا وہ اصالۃً سلطانِ اسلام ہے اور ضرورۃً جماعاتِ مسلمین نہ کہ عورت یا حکامِ سلطنت غیر اسلام، كما لا يخفى على من له بالفقه ادنى الالمام ، ترجمہ: جیسا کہ یہ ہر اس شخص پر واضح ہو جو فقہ میں ادنیٰ سا مس رکھتا ہے۔ (ص469)

سوال: ایک شخص نے بروز جمعہ نیت چار رکعت سنت کی باندھی تو امام نے خطبہ شروع کر دیا، اس میں احناف کے دو قول ہیں (1) وہ دو رکعت پڑھ کر سلام کرے (2) چار رکعت پوری پڑھے۔ مختار قول کون سا ہے؟

جواب: دونوں قول قوی ونجیح ہیں اور دونوں طرف جزم وترجیح اور مختارِ فقیر قولِ اخیر کہ اول روایت نوادر ہے اور ثانی مفاد ظاہر الروایہ، والفتوى متى اختلفت فالمصير الى ظاهر الرواية ،ترجمہ: جب روایات مختلف ہوں تو ظاہر الروایت کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔
محرر المذہب سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے مبسوط میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا و ناهيك به حجة وقدوة ،ترجمہ: اس میں وہی مقتدا کافی ہیں۔
معہذا اکثرت تصحیح وافتائے صریح بھی اسی طرف ہے، والقاعدة ان العمل بما عليه الاكثر كما نصوا عليه في غير ما كتاب وبيناه في رسالتنا بذل الجوائز على الدعاء بعد صلوة الجنائز ،ترجمہ: اور یہ قاعدہ ہے کہ عمل اس پر کیا جائے جس پر اکثریت ہو جیسا کہ فقہاء نے کتب میں متعدد جگہ اس کی تصریح کی ہے اور ہم نے اس کی تفصیل اپنے رسالے ''بذل الجوائز على الدعاء بعد صلوة الجنائز'' میں دی ہے۔
قولِ اول کی ترجیح صریح کتب معتمدہ مرجحین میں کہ اس وقت فقیر کے پاس ہیں خانیہ وفتح کے سوا کسی میں نظر سے نہ گزری۔ اور قولِ اخیر کو صاحب محیط وامام عبدالرشید وامام ابو حنیفہ ولوالجی وامام عیسیٰ بن محمد قرہ شہری صاحب مبتغی وامام ظہیر الدین مرغینانی صاحب ظہیریہ وعلامہ شمسی وصاحب سراج وہاج نے فرمایا ''هو الصحيح ''ترجمہ: صحیح قول یہی ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، ج1، ص120، نورانی کتب خانہ، پشاور)
امام شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا ''هو الاصح ''ترجمہ: اصح قول یہی ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ بحوالہ محیط السرخسی، ج1، ص120، نورانی کتب خانہ، پشاور)

درمختار میں ہے"فی الاصح"ترجمہ:اصح قول میں یہی ہے۔ (درمختار،ج1،ص113،مطبع مجتبائی،دہلی)

متنِ تنویر میں ہے"علی الراجح"ترجمہ:یہ راجح قول کے مطابق ہے۔ (درمختار،ج1،ص99،مطبع مجتبائی،دہلی)

بحرالرائق میں ہے"صححہ المشائخ"ترجمہ: مشائخ نے اس کی تصحیح کی ہے (بحرالرائق،ج2،ص148،ایچ ایم سعید کمپنی،کراچی)

مجمع الانہر میں ہے"صححہ اکثر المشائخ"ترجمہ:اکثر مشائخ نے اس کی تصحیح کی ہے۔(مجمع الانہر،ج1،ص141،داراحیاء التراث العربی،بیروت)

اسی طرح جامع الرموز وہندیہ ونہر وغیرہا میں اس کی تصحیح وترجیح مذکور یہاں تک کہ امام اجل مجتہد الفتوی حسام الدین عمر صدرشہید قدس سرہ نے فتاوٰی صغری میں فرمایا"علیہ الفتوی"ترجمہ: فتوٰی اسی پر ہے۔

لاجرم بحر میں قولِ اول کی نسبت فرمایا"ھو قول ضعیف وعزاہ قاضی خان الی النوادر"ترجمہ: یہ ضعیف قول ہے اور قاضی خاں نے اس کی نسبت نوادر کی طرف کی ہے۔ (ص473)

سوال:جمعہ کے دوخطبوں کے درمیان امام کا دعا مانگنا کیسا ہے؟

جواب:امام کے لئے تو اس دُعا کے جواز میں اصلاً کلام نہیں، جس کے لئے نہیِ شارع نہ ہونا ہی سندِ کافی، ممنوع وہی ہے جسے خدا اور رسول منع فرمائیں جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

بے اُن کی نہی کے ہر گز کوئی شے ممنوع نہیں ہوسکتی خصوصاً دُعا سی چیز جس کی طرف خود قرآنِ عظیم نے بکمال ترغیب وتاکید علی الاطلاق بے تحدید وتقیید بلایا اور احادیث شریفہ نے اسے عبادت ومغزِ عبادت فرمایا، پھر یہاں صحیح حدیث کافحوی الخطاب اُس کی اجازت پر دلیلِ صواب کہ خود حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا عین خطبہ میں دست مبارک بلند فرما کر ایک جمعہ کو مینہ برسنے اور دوسرے کو مدینہ طیبہ پر سے کُھل جانے کی دُعا مانگنا، صحیح بخاری ومسلم وغیرہا میں حدیثِ انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی، حالانکہ وہ قطعِ خطبہ کو مستلزم، تو بین الخطبتین بدرجہ اولٰی جواز ثابت، لاجرم علمائے کرام نے شروحِ حدیث وغیرہ کتب میں صاف اُس کا جواز افادہ فرمایا۔

بلکہ صحیح حدیث حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ومتعدد اقوال صحابہ وتابعین کی رو سے یہ جلسہ اُن اوقات میں ہے جن میں ساعتِ اجابت جمعہ کی امید ہے، صحیح مسلم شریف میں بروایت حضرت ابی موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دربارہ ساعتِ جمعہ فرمایا((ھی مابین ان یجلس الامام الی ان تقضی الصلٰوۃ))ترجمہ:امام کے جلوس سے نماز ختم ہونے تک ساعت جمعہ ہے۔ (صحیح مسلم شریف،ج1،ص281،مطبوعہ نور محمد اصح المطابع،کراچی)

دوسری حدیث میں آیا حضور پرنور صلوات اللہ وسلامہ علیہ نے فرمایا: شروع خطبہ سے ختم خطبہ تک ہے رواہ ابن عبدالبر عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما (اسے ابن عبدالبر نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے)۔

بہرحال یہ وقت بھی ان میں داخل، تو یہاں دُعا ایک خاص ترغیب شرح کی مورد خصوصاً حدیث دوم پر جبکہ کسی مطلب

خاص کے لئے دُعا کرنی ہو جسے خطبہ سے مناسبت نہ ہو تو اس کے لئے یہی جلسہ بین الخطبتین کا وقت متعین بلکہ علامہ طیبی شارح مشکوٰۃ نے بالتعیین اسی وقت کو ساعتِ اجابت بتایا اور اُسے بعض شراح مصابیح سے نقل فرمایا بلکہ خود ارشاد اقدس ((مابین ان یجلس الامام)) (امام کے بیٹھنے سے لے کر) سے یہی جلسہ مراد رکھا۔ اس قول پر تو بالخصوص اسی وقت کی دعا شرعاً اجل المندوبات واجب مرغوبات سے ہے۔

پھر اس قدر میں اصلاً شک نہیں کہ جب بغرضِ تقویت رجاء جمع احادیث واقوالِ علماء چاہیے، جو امثال بابِ مثل لیلۃ القدر وغیرہا میں ہمیشہ مسلکِ محققین رہا ہے، تو بقیہ اوقات کے ساتھ اس وقت بھی دعا ضرور درکار ہوگی اور اس کے نیک و مستحسن ماننے سے چارہ نہ ہوگا، لاجرم صاحب عین العلم نے کہا جو اکابر علمائے حنفیہ سے ہیں صاف تصریح فرمائی کہ اس جلسہ میں مستحب ہے، اسی طرح امام ابن المنیر نے افادہ استحسان جمع فرمایا، طرہ یہ کہ یہ قول امام ممدوح حضرات منکرین کے امام شوکانی نے نیل الاوطار شرح ملتقی الاخبار میں نقل کیا اور مقرر و مسلم رکھا۔ یہ (مذکورہ بالا) حکم امام کا ہے۔ (ص 477)

سوال: جمعہ کے دو خطبوں کے درمیان مقتدی کا دعا مانگنا کیسا ہے؟

جواب: مقتدی ان کے بارے میں ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مختلف، امام ثانی عالمِ ربانی قاضی الشرق و الغرب حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک انھیں صرف بحالتِ خطبہ سکوت واجب، قبل شروع و بعد ختم و بین الخطبتین دعا وغیرہ کلامِ دینی کی اجازت دیتے ہیں، اور امام الائمہ مالک الازمہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خروجِ امام سے ختمِ نماز تک عند التحقیق دینی و دنیوی ہر طرح کے کلام یہاں تک کہ امر بالمعروف و جوابِ سلام بلکہ مخل استماع ہر قسم کے کام سے منع فرماتے ہیں اگرچہ کلام آہستہ ہو اگرچہ خطیب سے دور بیٹھا ہو کہ خطبہ سُننے میں نہ آتا ہو، امام ثالث محرر المذہب محمد بن الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ بین الخطبتین میں امام اعظم اور قبل و بعد میں امام ابو یوسف کے ساتھ ہیں۔

تحقیق یہی ہے، اگرچہ یہاں اختلافِ نقول حدِ اضطراب پر ہے کہ سب کو مع ترجیح و تنقیح ذکر کیجئے تو کلام طویل ہو، اس تحقیق کی بنا پر حاصل اس قدر کہ مقتدی دل میں دعا مانگیں کہ زبان کو حرکت نہ ہو تو بلاشبہ جائز کہ جب عین حالتِ خطبہ میں وقت ذکر شریف حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دل سے حضور پر درود بھیجنا مطلوب، تو بین الخطبتین کہ امام ساکت ہے دل سے دعا بدرجہ اولیٰ روا۔ ردالمحتار میں ہے ”اذا ذکر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لایجوز ان یصلوا علیہ بالجھر بل بالقلب وعلیہ الفتوی رملی“ ترجمہ: جب سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مبارک ذکر آئے تو بالجہر کی بجائے دل میں درود شریف پڑھ لیا جائے، اسی پر فتویٰ ہے، رملی۔ (ردالمحتار، ج 1، ص 606، مطبوعہ مصطفیٰ البابی، مصر)

اور زبان سے مانگنا امام کے نزدیک مکروہ، اور امام ابی یوسف کے نزدیک جائز، اور مختار قول امام ہے، تو بیشک مذہب منقح

حنفی میں مقتدیوں کواس سے احتراز کا حکم ہے۔ (ص480)

دو خطبوں کے درمیان مطلقاً دعا مانگنے کوشرک کہنا وہابیوں کا طریقہ ہے جو کہ باطل ہے

سوال: وہابیہ دوخطبوں کے درمیان دعا مانگنے کوحرام، بدعت سیۂ اور شرک قرار دیتے ہیں۔اس طرح کہنا کیسا؟

جــــواب: غایت یہ کہ جولوگ اس مسئلہ سے ناواقف ہوں انھیں بتادیا جائے نہ کہ معاذ اللہ بدعتی گمراہ حتی کہ بلاوجہ مسلمانوں کومشرک ٹھہرایا جائے، کیا ظلم ہے جب ان اشقیاء کے نزدیک اللہ عزوجل کو پکارنا بھی شرک ہواتو مگر شیخ نجدی یعنی ابلیس لعین کا پکارنا توحید ہوگا حاش للہ (اللہ ہی کے لئے پاکیزگی ہے) یہ اُن بدعقلوں کی بدزبانیاں ہیں جن کا مزہ آخرت میں کھلے گا، جب لاالہ الااللہ مسلمانوں کی طرف سے اُن بیبا کان پُرسرف سے جھگڑنے آئے گا۔ ﴿ **وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون o** ﴾ ترجمہ: اوراب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔

قول ارجح ممانعت سہی پھر بھی ان دعا کرنے والوں کے لئے خود ہمارے مذہب وکتب مذہب میں متعدد راہیں تجویز واجازت کی ہیں:

اوّلاً: یہی قول امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ جواس ترخیص کے ساتھ اس جہالت نجدیہ کا بھی علاج کافی ہے کہ وہ اس وقت تسبیح بالتصریح جائز بتاتے ہیں حالانکہ بہ لحاظ خصوص وقت ورود اس کا بھی نہیں۔

ثانیاً: بعض کے نزدیک مقتدیوں کوصرف جہر ممنوع ہے آہستہ میں حرج نہیں۔اوراس کی تائید اس قول سے بھی مستفاد کہ عین حالتِ خطبہ میں ذکر اقدس سن کر آہستہ درود پڑھنے کا حکم دیا گیا اگرچہ تحقیق وہی ہے، کہ دل سے پڑھے۔

ثـالـثـاً: امام نصیر بن یحیٰی وامام محمد بن الفضل وغیرہما عین حالت خطبہ میں بعید کو کہ خطبہ کی آواز اس تک نہ پہنچے انصات واجب نہیں جانتے، اورامام محمد بن سلمہ بھی صرف اولیٰ کہتے ہیں اگرچہ مفتی بہ اس پر بھی وجوب، تواس جلسہ میں کہ آواز ہی نہیں بدرجہ اولیٰ واجب نہ کہیں گے۔

رابعاً: بعض علماء کا گمان ہے کہ ہمارے امام کے نزدیک بھی صرف کلامِ دنیوی ممنوع ہے دعاء وذکر مطلقاً جائز حتی کہ عین حالتِ خطبہ میں بھی، اگرچہ صواب اُس کے خلاف ہے۔

اور مذاہب دیگر پر نظر کیجئے تو حد درجہ کی توسیعیں ہیں حتی کہ محیط میں تو یہاں تک منقول کہ "من العلماء من قال السکوت علی القوم کان لازما فی زمن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اما الیوم فغیر لازم" ترجمہ: بعض علماء نے کہا کہ لوگوں پر سکوت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں لازم تھا اب لازم نہیں رہا۔ (جامع الرموز، بحوالہ المحیط، ج1، ص267، مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس، ایران)

علمائے محتاطین تو ایسے مسائل اجتہادیہ میں انکار بھی ضروری وواجب نہیں جانتے نہ کہ عیاذاً باللہ نوبت تابہ تضلیل واکفار۔

بالجملہ مقتدیوں کا یہ فعل تو علی الاختلاف ممنوع مگر مسلمانوں کو بلاوجہ مشرک بدعتی کہنا بالاجماع حرام قطعی تو یہ حضرات مانعین خود اپنی خبر لیں اور امام کے لئے تو اس کے جواز میں اصلاً کلام نہیں، ہاں خوف مفسدہ اعتقاد عوام ہو تو التزام نہ کرے، فقیر غفر اللہ تعالیٰ اس جلسہ میں اکثر سکوت کرتا اور کبھی (سورۃ) اخلاص کبھی درود پڑھتا ہے اور رفع یدین کبھی نہیں کرتا کہ مقتدی دیکھ کر خود بھی مشغول بدعانہ ہوں، مگر معاذ اللہ ایسا ناپاک تشدد شرع کبھی روا نہیں فرماتی، مولیٰ تعالیٰ ہدایت بخشے آمین۔ (ص481)

سوال: مترجم درمختار ایک جگہ لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ بریلی کے علماء سے استفتاء طلب کیا گیا تھا تو وہاں کے علماء نے فتویٰ دیا کہ ہاتھ اٹھا کے دعا مانگنی بین الخطبتین بدعت سیئہ وغیر مشروع ہے، پس آیا یہ بات صحیح ہے یا غلط؟

جواب: مسنونیت مصطلحہ کہ تارک مستوجب عتابِ الٰہی یا آثم و مستحق عذاب الٰہی ہو والعیاذ باللہ یہ نہ کسی کا مذہب نہ دُعا کرنے والوں میں کوئی ذی فہم اس کا قائل بلکہ وقت مرجوالاجابۃ (دعا کی قبولیت کی امید کا وقت) جان کر دُعا کرتے ہیں اور بیشک وہ ایسا ہی ہے اور دعا مغزِ عبادت وانحائے ذکر الٰہی عزوجل سے ہے، جس کی تکثیر پر بلا تقیید وتحدید نصوص قرآن عظیم واحادیث متواترہ نبی رؤف رحیم علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم ناطق اور ہاتھ اٹھانا حسبِ تصریح احادیث وتظافر ارشادات علمائے قدیم وحدیث سُنن وآدابِ دُعا سے ہے خطیب کے لئے اُس کی اجازت ومشروعیت تو باتفاق مذہبین حنفی وشافعی ہے یونہی سامعین کے لئے جبکہ دُعا دل سے ہو نہ زبان سے اور سامعین کا اُس وقت زبان سے دُعا مانگنا جس طرح ان بلاد میں مروج ومعمولی ہے، مذہبِ شافعیہ میں تو اُس کی اجازت ومشروعیت ظاہر کہ ائمہ شافعیہ رحمہم اللہ تعالیٰ میں خطبہ ہوتے وقت بھی کلام سامعین ناجائز وحرام نہیں جانتے صرف مکروہ مانتے ہیں اور کراہت کلام شافعیہ میں جب مطلق بولی جاتی ہے اس سے کراہت تنزیہی مراد ہوتی ہے بخلاف کلمات ائمتنا الحنفیہ رحمہم اللہ تعالی فان غالب محملها بها مطلقة فيها كراهة التحريم (بخلاف ہمارے ائمہ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات کے کیونکہ ان میں غالب یہی ہے کہ مطلقاً کراہت مکروہ تحریمی ہے)۔

اور (شوافع) سکوتِ خطیب کے وقت جیسے قبل وبعد خطبہ وبین الخطبتین اصلاً کراہت بھی نہیں مانتے۔

یونہی مذہب حنفی میں امام ثانی قاضی ربانی سیدنا امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی مطلقاً جواز ہے، اوقات ثلثہ غیر حال خطبہ یعنی قبل وبعد دعا بین خطبتین میں اگرچہ کلام دنیوی منع فرماتے ہیں مگر کلام دینی مثل ذکر وتسبیح مطلقاً جائز رکھتے ہیں، اور پُر ظاہر دُعا خاص کلامِ دینی عبادت الٰہی ہے۔

صاحبِ مذہب امام الائمہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ خروج امام سے فراغِ نماز تک کلام سے ممانعت فرمائی، مشائخ مذہب اس سے مراد میں مختلف ہوئے اور تصحیح بھی مختلف آئی، بعض فرماتے ہیں مرادِ امام صرف دنیوی کلام ہے، اوقاتِ ثلثہ میں دینی کی اجازت عام ہے، نہایہ وعنایہ میں اسی کو اصح کہا، ایسا ہی فخر الاسلام نے مبسوط میں فرمایا، مشائخ کرام نے مطلق مراد لیا، امام زیلعی نے تبیین الحقائق میں اسی کو احوط کہا۔

بالجملہ خلاصہ کلام یہ کہ دعائے مذکور خطیب کے لئے مطلقاً اور سامعین کے لئے دل میں بالاتفاق جائز مذہب امام شافعی وقول امام ابی یوسف پر اُن کے لئے زبان سے بھی قطعاً اجازت اور ارشاد امام کی ایک تخریج پر مکروہ دوسری پر جائز، ائمہ فتوٰی نے دونوں کی تصحیح کی تو احد التصحیحین پر دُعائے مذکور امام ومقتدین سب کو دل وزبان ہر طرح سے باتفاق مذہبین حنفی وشافعی، مطلقاً جائز ومشروع، اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ جب ترجیح مختلف متکافی ہو تو مکلّف کو اختیار ہے کہ ان میں سے جس پر چاہے عمل کرے اصلاً محلِ اعتراض وانکار نہیں۔

ولہٰذا فقیر غفر اللہ تعالیٰ آنکہ یہاں تصحیح تبیین کو ارجح جانتا ہے ہمیشہ سامعین کو بین الخطبتین دعا کرتے دیکھا اور کبھی منع وانکار نہیں کرتا ہے۔

رہی مترجم درمختار کی علمائے بریلی سے وہ نقل معلوم نہیں کہ اس نے اپنے زعم میں علمائے بریلی سے کون لوگ مراد لئے، اُس کے زمانے میں ان اقطار کے اعلم علماء کہ اپنے عصر ومصر میں حقیقۃً صرف وہی عالم دین کے مصداق تھے یعنی خاتمۃ المحققین سیّدنا الوالد قدس سرہ الماجد، فقیر برسوں جمعات میں اقتدائے حضرت والا سے مشرف ہُوا حضرت ممدوح قدس سرہ، جلسہ، بین الخطبتین میں دُعا فرمایا کرتے اور سامعین کو دعا کرتے دیکھ کر کبھی انکار نہ فرماتے اور مترجم کے زمانے سے پہلے بریلی میں اس امر کا استفتاء ہوا، مولٰنا احمد حسین مرحوم تلمیذ اعلحضرت سیّد العلما سند العرفا مولٰنا الجد قدس سرہ الامجد نے جواز مشروعیت پر فتوٰی دیا اعلٰی حضرت نور اللہ مرقدہ الشریف وفاضل اجل مولٰنا سیّد یعقوب علی صاحب رضوی بریلوی ومولوی سیّد محمود علی صاحب بریلوی وغیرہم علمائے کرام نے اُس پر مہریں فرمائیں یہ فتوٰی مولوی صاحب مرحوم کے مجموعہ فتاوٰی مسمّٰی بمفید المسلمین میں مندرج ومشمول۔ (ص485)

جمعہ کی نماز میں کون سی سورتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھنا ثابت ہے

سوال: نمازِ جمعہ میں کون سی سورتیں پڑھنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟ اگر بڑی سورتیں پڑھنا مقتدیوں پر گراں ہو تو کیا کرنا چاہیے؟

جواب: جمعہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلی رکعت میں سورہ جمعہ، دوسری رکعت میں سورہ منافقون، اور کبھی پہلی میں سبح اسم ربک الاعلٰی اور دوسری میں ھل اتٰک حدیث الغاشیۃ ثابت ہے۔

اور حسبِ حاجت ومصلحت کمی بیشی کا اختیار ہے، اور اگر مقتدیوں پر تکلیف وناگواری ہو تو اختصار لازم ہے مگر حتی الامکان قدرِ مسنون سے کمی نہ کرے کہ قدرِ مسنون کا محض کسل کی وجہ سے ناگوار ہونا ان کا قصور ہے جس میں نہ وُہ مستحق رعایت نہ اُس کے سبب ترکِ سنّت کی اجازت، ہاں اگر مثلاً کوئی مریض یا ضعیف ایسا ہو کہ بقدر سنت پڑھنا بھی اُس کے لئے باعث تکلیف ہوگا تو اُس کی رعایت واجب ہے اگرچہ نمازِ جمعہ کوثر واخلاص سے پڑھانا ہو۔ (ص495)

سوال: اذان مسجد کے اندر دینا کیسا ہے؟ جمعہ کی اذانِ ثانی خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے بعد جو دی جاتی ہے آیا وہ

اذان مسجد کے اندر خطیب کے سامنے کھڑا ہو کر کہے یا مسجد کے باہر؟ ھدایہ، درمختار اور شامی میں ہے کہ مؤذن اذان خطیب کے سامنے مسجد میں کہے، اس سے پتا چلتا ہے کہ جمعہ کی اذانِ ثانی مسجد کے اندر دی جائے۔ اس کے علاوہ ہمیشہ سے لوگ یہ اذان مسجد میں دیتے آئے ہیں لہذا اس پر توارث ہے۔

جواب: ہمارے علمائے کرام نے فتاوٰی قاضی خان و فتاوٰی خلاصہ و فتح القدیر و نظم و شرح نقایہ برجندی و بحرالرائق و فتاوٰی ہندیہ و طحطاوی و علی مراقی الفلاح وغیرہا میں تصریح فرمائی کہ مسجد میں اذان دینی مکروہ ہے۔

(دلائل دینے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں) یہ تمام ارشادات صاف صاف مطلق بِلا قید ہیں جن میں جمعہ وغیرہا کسی کی تخصیص نہیں، مدعی تخصیص پر لازم کہ ایسے ہی کلماتِ صریحہ معتمدہ میں اذانِ ثانی جمعہ کا استثناء دکھائے مگر ہرگز نہ دکھا سکے گا، رہا لفظ بین یدی الامام (امام کے سامنے) یا بین یدی المنبر (منبر کے سامنے) سے استدلال مذکور فی السوال وہ محض ناواقفی ہے، ان عبارات کا حاصل صرف اس قدر کہ اذان ثانی خطیب کے سامنے منبر کے آگے مواجہہ میں (سامنے) ہو، اس سے یہ کہاں کہ امام کی گود میں منبر کی لگر پر ہو جس سے داخلِ مسجد ہونا استنباط کیا جائے بین یدی (یعنی سامنے) سمت مقابل میں منتہائے جہت تک صادق ہے جو وقت طلوع مواجہہ مشرق یا ہنگام غروب مستقبل مغرب کھڑا ہو وہ ضرور کہے گا کہ آفتاب میرے سامنے ہے۔ یا فارسی میں مہر روبروئے من است (سورج میرے چہرے کے سامنے ہے) یا عربی میں الشمس بین یدی (سورج میرے سامنے ہے)، حالانکہ آفتاب اس سے تین ہزار برس کی راہ سے زیادہ دور ہے۔ (مزید دلائل دینے کے بعد ارشاد فرمایا) پس جواز اذان درِ مسجد پر یا فنائے مسجد کی کسی زمین میں جہاں تک حائل نہ ہو محاذاتِ امام میں دی جائے اُس پر ضرور بین یدیہ (اس کے روبرو) صادق ہے بلا شبہ کہا جائے گا کہ امام کے سامنے خطیب کے روبرو منبر کے آگے اذان ہوئی، اور اسی قدر درکار ہے، غالباً خود مستدلین کو معلوم تھا کہ قریبِ مسجد، بیرونِ مسجد، مواجہہ امام کو بھی بین یدیہ شامل ہے ولہذا روبرو خطیب کہنے کے بعد، ان لفظوں کی حاجت ہوئی کہ مسجد کے اندر مگر خاص یہی لفظ کہ اصل مدعا تھے صرف اپنی طرف سے اضافہ ہوئے۔ شامی وہدایہ و درمختار وغیرہا میں کہیں اس کی بُو بھی نہیں۔ اب ہم ایک حدیث صحیح ذکر کریں جس سے اس بین یدیہ کے معنی بھی آفتاب کی روشن ہو جائیں اور اس ادعائے توارث کا حال بھی کھل جائے، سُنن ابی داؤد شریف میں بسندِ حسن مروی ہے "حدثنا النفیلی ثنا محمد بن سلمة عن محمد بن اسحٰق عن الزهری عن السائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنه ((قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد وابی بکر وعمر)) ترجمہ: نفیلی نے بیان کیا کہ محمد بن سلمہ نے محمد بن اسحٰق سے انہوں نے زہری سے انہوں نے سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب روزِ جمعہ منبر پر تشریف فرما ہوتے تو حضور کے روبرو اذان مسجد کے دروازے پر دی جاتی اور یونہی ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں۔ (سنن ابی داؤد، ج 1، ص 155، آفتاب عالم پریس، لاہور)

اس حدیث جلیل نے واضح کر دیا کہ اس روبروئے امام پیشِ منبر کے کیا معنی ہیں اور یہ کہ زمانہ رسالت و خلفائے راشدین

کے کیا متوارث ہے، ہاں یہ کہئے کہ اب ہندوستان میں یہ اذان متصل منبر کہنی شائع ہو رہی ہے مگر نصِ حدیث سے جُدا، تصریحاتِ فقہ کے خلاف، کسی بات کا ہندیوں میں رواج ہو جانا کوئی حجت نہیں۔ ہندیوں میں یہی کیا اور وقت کی اذانیں بھی بہت لوگ مسجد میں دے لیتے ہیں حالانکہ وہاں تو ان تصریحاتِ ائمہ کے مقابل بین یدیہ وغیرہ کا بھی دھوکا نہیں، پھر ایسوں کا فعل کیا حجت ہو سکتا ہے۔

الحمدللہ یہاں اس سنتِ کریمہ کا احیاء رب عزوجل نے اس فقیر کے ہاتھ پر کیا، میرے یہاں مؤذنوں کی مسجد میں اذان دینے سے ممانعت ہے، جمعہ کی اذانِ ثانی بحمداللہ تعالیٰ منبر کے سامنے دروازہ مسجد پر ہوتی ہے جس طرح زمانہ اقدس حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ہوا کرتی تھی ذلك فضل اللّٰہ یوتیه من یشاء واللّٰہ ذوالفضل العظیم والحمدللّٰہ رب العلمین، ترجمہ: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے سب تعریف ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

فقیر بہ نیت خاکبوسی آستانہ علیہ حضرت سلطان الاولیاء محبوب الٰہی نظام الحق والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بریلی سے شدالرحال کرکے حاضر بارگاہ غیاث پور شریف ہوا تھا دہلی کی ایک مسجد میں نماز کو جانا ہوا، اذان کہنے والے نے مسجد میں اذان کہی فقیر نے حسب عادت کہ جو امر خلاف شرع مطہر پایا مسئلہ گزارش کر دیا اگرچہ اُن صاحب سے اصلاً تعارف نہ ہوا ان مؤذن صاحب سے بھی بہ نرمی کہا کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے، کہا، کہاں لکھا ہے؟ میں نے قاضی خان، خلاصہ، عالمگیری، فتح القدیر کے نام لئے، کہا ہم ان کو نہیں مانتے، فقیر سمجھا کہ حضرت طائفہ غیر مقلدین سے ہیں، گزارش کی کہ آپ کیا کام کرتے ہیں؟ معلوم ہوا کہ کسی کچہری میں نوکر ہیں۔ فقیر نے کہا احکم الحاکمین جل جلالہ کا سچا حقیقی دربار تو ارفع واعلیٰ ہے آپ انہی کچہریوں میں روز دیکھتے ہوں گے چپراسی، مدعی، مدعا علیہ گواہوں کی حاضری، کچہری کے کمرے کے اندر کھڑے ہو کر پکارتا ہے یا باہر؟ کہا باہر، کہا اگر اندر ہی چلانا شروع کرے تو بے ادب ٹھہرے گا یا نہیں؟ بولے اب میں سمجھ گیا۔ غرض کتابوں کو نہ مانا جب ان کی سمجھ کے لائق کلام پیش کیا تسلیم کر لیا۔

اقول وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ) یہاں دو نکتے اور قابل لحاظ وغور ہیں:

اول: اگر بانیِ مسجد نے مسجد بناتے وقت تمامِ مسجدیت سے پہلے مسجد کے اندر اذان کے لئے منارہ خواہ کوئی محل مرتفع بنایا تو یہ جائز ہے، اور اتنا ٹکڑا اذان کے لئے جدا سمجھا جائے گا اور مسجد میں اذان دینے کی کراہت یہاں عارض نہ ہوگی جیسے مسجد میں وضو کرنا اصلاً جائز نہیں مگر پہلے سے اگر کوئی محلِ معین بانی نے وضو کے لئے بنوا دیا ہو تو اس میں وضو جائز کہ اس قدر مستثنیٰ قرار پائے گا۔

اسی طرح اگر منارہ یا مئذنہ بیرونِ مسجد فنائے مسجد میں تھا بعدہ مسجد بڑھائی گئی ہو اور زمین متعلقِ مسجد مسجد میں لے لی کہ اب مئذنہ (منارہ) اندرونِ مسجد ہو گیا اس پر بھی اذان میں حرج نہ ہوگا کہ یہ بھی وہی صورت ہے کہ اس زمین کی مسجدیت سے پہلے اس میں یہ محل اذان کے لئے مصنوع ہو چکا تھا کما لا یخفی (جیسا کہ مخفی نہیں) ہاں اگر داخلِ مسجد کوئی شخص اگرچہ خود بانیِ مسجد نیا مکان اذان کے لئے

مستثنٰی کرنا چاہے تو اُس کی اجازت نہ ہونی چاہئے کہ بعد تمامی مسجد کسی کو اُس سے استثناء یا فعل مکروہ کے لئے بنا کا اختیار نہیں۔

دوم: متعلقاتِ مسجد میں مسجد کے لئے اذان ہونے کو عرف میں یونہی تعبیر کرتے ہیں کہ فلاں مسجد میں اذان ہوئی مثلاً منارہ بیرونِ مسجد زمین خاص مسجد سے کئی گز کے فاصلے پر ہو اور اُس پر اذان کہی جائے تو ہر شخص یہی کہے گا مسجد میں اذان ہوگئی نماز کو چلو، یوں کوئی نہیں کہتا کہ مسجد کے باہر اذان ہوئی نماز کو اٹھو یہ عرف عام شائع ہے جس سے کسی کو مجالِ انکار نہیں۔(یعنی اس طرح کے کلام اور عبارات سے مسجد میں اذان دینے پر دلیل نہیں پکڑ سکتے)۔ (ص497)

عیدین کا بیان

سوال: زید عالم بالسنۃ پابندِ صلوٰۃ اور متقی ہے اس نے اول خطبہ عیدالاضحٰی پڑھ کر لبیک اور صلوٰۃ والسلام نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور تکبیر بآواز بلند خود کہا اور نمازیوں سے کہلایا، پھر بـارك الله لـنـا و لـكـم پڑھ کر بیٹھا پھر دوسرا خطبہ پڑھا بعد فراغ سوال کیا گیا یہ غیر مشروع فعل کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا میرا یہ فعل غیر مشروع نہیں حالتِ کیف میں صادر ہُوا۔اس کا یہ دعوی کہاں تک صحیح ہے اور ایسے فعل کا مرتکب لائقِ ملامت ہے یا نہیں؟

جواب: لبیک و درود کہ اس نے خود کہا حرج نہیں البتہ مقتدیوں سے کہلانا بے محل وُہ خطبہ میں مامور بالسکوت ہیں، اگر حالتِ وجد میں ایسا ہُوا جیسا کہ اُس کا بیان ہے تو معذور ہے اور جب سائل اسے عالم سنّی متقی کہتا ہے تو اس کا بیان کیوں نہ تسلیم کیا جائے معہذا مسئلہ شرعیہ معلوم کر لینا دوسری بات وہ ضرور چاہئے مگر عوام کو سنّی عالم متقی پر اُس کی لغزش کے سبب ملامت کی اجازت نہیں، ہوسکتی کما نص علیہ الائمۃ واشارت الیہ الاحادیث (جیسا کہ ائمہ نے اس کی تصریح کی ہے اور احادیث میں بھی اس پر رہنمائی ہے)۔

یہ اس کے حق میں ہے جو سُنّی عالم ہو ورنہ آجکل بہت گمراہ بددین بلکہ مرتدین مثلاً وہابیہ دیوبندیہ اپنے آپ کو سُنی عالم کہتے ہیں وہ ملامت کیا اُس سے ہزاروں درجہ سخت تر کے مستحق ہیں۔ (ص509)

عیدین کے بعد کی دعا تابعین کرام سے ثابت ہے

سوال: نماز عیدین کے بعد دُعا مانگنا کہاں سے ثابت ہے؟

جواب: نمازِ عیدین کے بعد دُعا حضراتِ عالیہ تابعین عظام و مجتہدین اعلام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت (ہے)۔۔۔۔

سیّدنا امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں مجھے امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے امام اجل حماد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے خبر دی کہ امام المجتہدین امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا نمازِ عیدین خطبہ سے پہلے ہوتی تھی پھر امام اپنے راحلہ پر وقوف کر کے نماز کے بعد دُعا مانگتا اور نماز بے اذان و اقامت ہوتی۔ (کتاب الآثار، ص41، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی)

یہ امام ابراہیم نخعی قدس سرہ خود اجلۂ تابعین سے ہیں تو یہ طریقہ کہ اُنہوں نے روایت فرمایا لا اقل اکابر تابعین کا معمول تھا تو نمازِ عیدین کے بعد دُعا مانگنا ائمہ تابعین کی سنّت ہُوا اور پُر ظاہر کہ راحلہ (سواری) پر وقوف وعدم وقوف سنتِ دُعا کی نفی نہیں کرسکتا کما لا یخفی، پھر ہمارے امام مجتہد امام محمد اعلی اللہ درجاتہ فی دار الابد نے کتاب الآثار شریف میں اس حدیث کو روایت فرما کر مقرر رکھا اور ان کی عادت کریمہ ہے جو اثر اپنے خلافِ مذہب ہوتا اُس پر تقریر نہیں فرماتے تو حنفیہ اہل عقیدہ مضمون و وہابیہ اہل تثلیث قرون، دونوں کے حق میں جوابِ مسئلہ اسی قدر بس ہے۔ (ص512تا515)

عیدین کے بعد دعا مانگنے پر دلائل

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ عیدین کے بعد دعا مانگنا قرآن وسنت سے ثابت نہیں؟ لہذا انہیں مانگنی چاہیئے۔

جواب: شرع مطہر سے اس دعا کی کہیں ممانعت نہیں اور جس امر سے شرع نے منع نہ فرمایا ہرگز ممنوع نہیں ہوسکتا، جو ادعائے منع کرے اثباتِ ممانعت اس کے ذمہ ہے جس سے ان شاء اللہ تعالیٰ کبھی عہدہ برآنہ ہوسکے گا بقاعدۂ مناظرہ ہمیں اسی قدر کہنا کافی۔۔۔ جو کچھ قرآن وحدیث سے قلبِ فقیر پر فائز ہُوا بگوشِ ہوش استماع کیجئے۔

اولاً: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ﴿فاذا فرغت فانصب ٥ والیٰ ربک فارغب ٥﴾ جب تو فراغت پائے تو مشقت کر اور اپنے رب کی طرف راغب ہو۔

اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں اصح الاقوال قول حضرت امام مجاہد تلمیذ رشید سلطان المفسرین حبر الامۃ عالم القرآن حضرت سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہے کہ فراغ سے مراد نماز سے فارغ ہونا اور نصب دعا میں جد جہد کرنا ہے یعنی باری عزوجل حکم فرماتا ہے جب تو نماز پڑھ چکے تو اچھی طرح دُعا میں مشغول ہو اور اپنے رب کے حضور الحاح وزاری کر۔

تفسیر شریف جلالین میں ہے "فاذا فرغت من الصلوۃ فانصب تعب فی الدعاء، والیٰ ربك فارغب تضرع" جب تو نماز سے فارغ ہو تو دعا میں تعب اور مشقت کر اور اپنے رب کے سامنے تضرع وزاری بجالا۔

(جلالین کلاں، ج2، ص502، مطبوعہ اصح المطابع، دہلی ہند)

اور پُر ظاہر کہ آیہ کریمہ مطلق ہے اور باطلاقہا نماز فرض وواجب ونفل سب کو شامل تو بلاشبہہ نماز عیدین بھی اس پاک مبارک حکم میں داخل۔

یونہی احادیث سے بھی ادبار صلوات کا مطلقاً محلِ دُعا ہونا مستفاد، ولہذا علماء بشہادت حدیث نماز مطلق کے بعد دُعا مانگنے کو آداب سے گنتے ہیں، امام شمس الدین محمد ابن الجزری حصن حصین اور مولانا علی قاری اُس کی شرح حرز ثمین میں فرماتے ہیں "والصلوۃ ای ذات الرکوع والسجود والمراد ان یقع الدعاء المطلوب بعدھا" یعنی آداب سے ہے کہ مطلب

کی دعا بعد نماز ذات رکوع وسجود واقع ہو۔ (حواشی حصن حصین، ص9، مطبوعہ افضل المطابع لکھنؤ)

پھر فرمایا ''رواہ الاربعة وابن حبان والحاکم کلھم من حدیث الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''یعنی یہ ادب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُس حدیث سے ثابت ہے جسے ابوداؤد ونسائی وترمذی وابن ماجہ وابن حبان وحاکم نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ (حواشی حصن حصین، ص9، مطبوعہ افضل المطابع لکھنؤ)

اقول یونہی یہ حدیث ابن السنی وبیہقی کے یہاں مروی اور صحیح ابن خزیمہ میں بھی مذکور، امام ترمذی نے اسکی تحسین کی۔

ظاہر ہے کہ نماز ذات رکوع وسجود، نماز جنازہ کے سوا ہر فرض وواجب ونافلہ کو شامل جن میں نمازِ عیدین بھی داخل۔

ثم اقول وباللہ التوفیق (پھر میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں) اصل یہ ہے کہ اعمال صالحہ وجہ رضائے مولیٰ جل وعلا ہوتے ہیں اور رضائے مولیٰ تبارک وتعالیٰ موجبِ اجابتِ دُعا (دعا کی قبولیت کا سبب ہوتے ہیں) اور اس کا محل عمل صالح سے فراغ پا کر جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿فاذافرغت فانصب﴾ ترجمہ: پس جب آپ فارغ ہوں تو مشقت کرو۔

ولہذا احادیث میں آیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ((الم تر الی العمال یعملون فاذافرغوامن اعمالھم وفوا اجورھم)) ترجمہ: کیا تُو نے نہ دیکھا کہ مزدور کام کرتے ہیں جب اپنے عمل سے فارغ ہوتے ہیں اُس وقت پوری مزدوری پاتے ہیں۔ اسے بیہقی نے احادیث طویل کی صورت میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (شعب الایمان، ج2، ص303، مطبوعہ دارالفکر، بیروت)

تو سائل کے لئے بیشک بہت بڑا موقع دعا ہے کہ مولیٰ کی خدمت وطاعت کے بعد اپنی حاجات عرض کرے ولہذ وارد ہُوا کہ ہر ختم قرآن پر ایک دُعا مقبول ہے۔ حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((مع کل ختمة دعوة مستجابة)) ترجمہ: ہر ختم کیساتھ ایک دعا مستجاب ہے۔ (شعب الایمان، ج2، ص374، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

اسی لئے روزہ دار کے حق میں ارشاد ہوا کہ افطار کے اس وقت اس کی ایک دعا رد نہیں ہوتی۔ حضور سیدالمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((ثلثة لاترددعوتھم الصائم حین یفطر)) ترجمہ: تین شخصوں کی دُعا رد نہیں ہوتی ایک اُن میں روزہ دار جب افطار کرے۔ (سنن ابن ماجہ، ص126، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

بالیقین یہ فضیلت روزہ فرض وواجب ونفل سب کو عام کہ نصوص میں قید وخصوص نہیں۔۔۔ تو بلاشبہ نماز بھی کہ افضل اعمال واعظم ارکانِ اسلام اور روزے سے زائد موجب رضائے ذوالجلال والاکرام ہے یُونہی اپنے عموم واطلاق پر رہے گی اور بعد فراغ محلیت دعا صرف فرائض سے خاص نہ ہوگی، اور کیونکر خاص ہو حالانکہ خود حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر دو رکعت نفل کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنے کا حکم دیا اور فرمایا: جو ایسا نہ کرے اُس کی نماز ناقص ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((الصلوة مثنی

مثنی تشھدفی کل رکعتین وتخشع وتضرع وتمسکن وتقنع یدیک یقول ترفعھاالی ربک مستقبلا ببطونھما وجھک وتقول یارب یارب من لم یفعل ذلک فھی کذاوکذا)) یعنی نمازنفل دودورکعت ہے ہر دورکعت پرالتحیات اورخضوع وزاری وتذلّل، پھر بعد سلام دونوں ہاتھ اپنے رب کی طرف اُٹھااور ہتھیلیاں چہرے کے مقابل رکھ کرعرض کرا ے میرے رب اے رب میرے جوایسانہ کرے تووہ نماز چنیں وچناں یعنی ناقص ہے۔ (جامع الترمذی، ج1، ص50، 51، مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی)

مطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں مصرحاً (واضح طور پر) آیا ((فمن لم یفعل ذلک فھو خداج)) جوایسانہ کرے اُس کی نماز میں نقصان ہے۔ (مسند احمد بن حنبل، ج4، ص167، مطبوعہ دارالفکر، بیروت)

پس بحمداللہ بشہادتِ قرآن وحدیث واقوالِ علماء ثابت ہوا کہ نماز پنجگانہ وعیدین وتہجد وغیرہا ہرگونہ نماز کے بعد دُعا مانگنا شرعاً جائز بلکہ مندوب ومرغوب ہے وہوالمطلوب۔

ثانیاًاقول وباللہ التوفیق: دُعابنصِ قرآن وحدیث واجماع ائمہ قدیم وحدیث اعظم مندوباتِ شرع سے ہےاوراس کے مظانِ اجابت (قبولیت کی جگہوں) کی تحری (تلاش) مسنون ومحبوب۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ھنالک دعا زکریا ربہ﴾ ترجمہ: حضرت زکریا علیہ السلام نے وہاں اپنے رب سے دعا کی۔

حدیث میں ہے حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((ان لربکم فی ایام دھرکم نفحات فتعرضوا لہ لعلہ ان یصیبکم نفحۃ منھا فلاتشقون بعدھا ابدا)) بیشک تمہارے رب کے لئے تمھارے زمانے کے دنوں میں کچھ وقت عطاو بخشش وتجلی وکرم وجود کے ہیں تو انہیں پانے کی تدبیر کروشاید ان میں سے کوئی وقت تمہیں مل جائے تو پھر کبھی بدبختی تمہارے پاس نہ آئے۔ (المعجم الکبیر، ج19، ص234، مکتبۃ فیصلیہ، بیروت) اور خود حدیث نے اُن اوقات سے ایک وقت اجتماع مسلمین کا نشان دیا کہ ایک گروہِ مسلمانان جمع ہوکر دعا مانگے کچھ عرض کریں کچھ آمین کہیں۔ کتاب المستدرک علی البخاری ومسلم میں ہے ((عن حبیب بن مسلمۃ الفھری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وکان مجاب الدعوۃ قال سمعت رسول اللہ یقول لایجتمع ملؤ فیدعوبعضھم یؤمّن بعضھم الا اجابھم اللہ)) یعنی حبیب بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ مستجاب الدعوات تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوفرماتے سنا کہ کوئی گروہ جمع نہ ہوگا کہ اُن بعض دعا کریں بعض آمین کہیں، مگر یہ کہ اللہ عزوجل اُن کی دعا قبول فرمائیگا۔ (المستدرک علی الصحیحین، ج3، ص347، دارالفکر، بیروت)

علماء نے مجمعِ مسلمان کواوقاتِ اجابت سے شمار کیا۔ حصن حصین میں ہے "واجتماع المسلمین" یعنی مسلمین کا اوقاتِ اجابت سے ہونا حدیثِ صحاح ستّہ سے مستفاد ہے۔ (حصن حصین، ص23، مطبوعہ افضل المطابع لکھنؤ ہند)

علی قاری شرح میں فرماتے ہیں "ثم کل مایکون الاجتماع فیہ اکثر کالجمعۃ والعیدین وعرفۃ یتوقع فیہ رجاء

الاجابة اظهر ''یعنی جس قدر مجمع کثیر ہوگا جیسے جمع وعیدین وعرفات میں، اسی قدر امید اجابت ظاہر تر ہوگی۔ (حرزثمین شرح حصن حصین)

فقیر غفراللہ کہتا ہے پھر دُعائے نماز پر اقتصار ہرگز شرعاً مطلوب نہیں بلکہ اس کے خلاف کی طلب ثابت، خود حدیث سے گزرا حضور پُرنور سیّدِ یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر دو رکعت نفل کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنے کا حکم دیا اور جو ایسا نہ کرے اس کی نماز کو ناقص بتایا، حالانکہ نماز میں دُعائیں ہوچکیں اور وہ وقت چار بار آیا جو انتہائی درجہ قُربِ الٰہی کا ہے یعنی سجود جس میں بالتخصیص حکمِ دُعا تھا۔

حضور پُرنور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((اقرب مایکون العبد من ربہ وھوساجد فاکثروا الدعاء)) سب سے زیادہ قرب بندے کو اپنے رب سے حالتِ سجود میں ہوتا ہے تو اس میں دعا کی کثرت کرو۔

(سنن النسائی، ج1، ص170، 171، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

بلکہ اگر سوال نہ بھی ہوں تو تسبیح کہ سجود میں ہوتی ہے خود دعا ہے کہ وہ ذکر ہے اور ہر ذکر دعا۔ مولانا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں ''کل ذکر دعاء'' ترجمہ: ہر ذکر دُعا ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ج5، ص112، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، ملتان)

تو آ نکہ ایسے قربِ اتم کے وقت میں نماز میں دعائیں ہوچکیں پھر بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن پر قناعت پسند نہ فرمائی اور بعد سلام پھر دُعا کی تاکید شدید کی۔

علاوہ بریں نماز میں آدمی ہر قسم کی دعا نہیں مانگ سکتا۔۔ اور حاجت ہر قسم کی اپنے رب جل وعلا سے مانگا چاہے اور طلب میں مظنہ اجابت کی تحری (قبولیت کے وقت کی تلاش) کا حکم اور یہ وقت بحکمِ احادیث اعلیٰ مظّان اجابت سے، تو بلاشبہہ مجمع عیدین میں نماز دعا، خاص اذن حدیث وارشادِ شرع سے ثابت ہُوئی اور حکم فتعرضوا لھا کی تعمیل ٹھہری وھوالمقصود۔

ثم اقول اگر مجمع عیدین کے لئے شرع میں کوئی خصوصیت نہ آتی تو اس عموم میں دخول ثابت تھا نہ کہ احادیث نے اُس کی خصوصیتِ عظیم ارشاد فرمائی اور اُس میں دُعا پر نہایت تحریص وترغیب آئی (بہت زیادہ رغبت دلائی گئی) یہاں تک کہ حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُس زمانہ خیر وصلاح میں کہ فتنہ وفساد سے یکسر پاک ومنزہ تھا حکم دیتے کہ عیدین میں کنواریاں اور پردہ نشین خاتونیں باہر نکلیں اور مسلمانوں کی دُعا میں شریک ہوں حتی کہ حائض عورتوں کو حکم ہوتا مصلّے سے الگ بیٹھیں اور اس دن کی دُعا میں شریک ہوجائیں، حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((تخرج العواتق وذوات الخدور والحیض ویعتزل الحیض المصلی ویشھدن الخیر ودعوۃ المسلمین)) ترجمہ: نوجوان کنواریاں اور پردہ والیاں اور حائض سب عیدگاہ کو جائیں اور حیض والیاں عیدگاہ سے الگ بیٹھیں اور اس بھلائی اور مسلمانوں کی دعا میں حاضر ہوں۔ (صحیح البخاری، ج1، ص134، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی)

امام بیہقی اور ابوالشیخ ابن حبان کتاب الثواب میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ((انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول اذاکانت غداۃ الفطر بعث اللہ عزوجل الملئکۃ فی کل بلد (وذکر الحدیث الی ان قال) فاذابرزوا الی

مصلاهم فیقول اللہ عزوجل (وساق الحدیث الی ان قال) ویقول یاعبادی سلونی فوعزتی وجلالی لاتسئلونی الیوم شیئا فی جمعکم لاٰخرتکم الااعطیتکم ولا لدنیاکم الانظرت لکم، فوعزّتی لاسترن علیکم عثراتکم ما راقبتمونی وعزّتی وجلالی لااخزیکم ولاافضحکم بین اصحاب الحدود وانصرفوامغفورا لکم قد ارضیتمونی ورضیت عنکم)) یعنی حضور پرنور سیّد یوم النشور علیہ افضل الصلوۃ والسلام نے فرمایا: جب عید کی صبح ہوتی ہے مولیٰ سبحٰنہ تعالیٰ ہر شہر میں فرشتے بھیجتا ہے (اس کے بعد حدیث میں فرشتوں کا شہر کے ہرناکہ پر کھڑا ہونا اور مسلمانوں کو عیدگاہ کی طرف بلانا بیان فرمایا، پھر ارشاد ہوا جب مسلمان عیدگاہ کی طرف میدان میں آتے ہیں (مولیٰ سبحٰنہ تعالیٰ فرشتوں سے یوں فرماتا ہے اور ملائکہ اس سے یوں عرض کرتے ہیں) پھر فرمایا رب تبارک وتعالیٰ مسلمانوں سے ارشاد فرماتا ہے اے میرے بندو! مانگو کہ قسم مجھے اپنی عزت وجلال کی آج اس مجمع میں جو چیز اپنی آخرت کے لئے مانگو گے میں تمہیں عطا فرماؤں گا اور جو کچھ دنیا کا سوال کرو گے اس میں تمہارے لئے نظر کروں گا (یعنی دنیا کی چیز میں خیر وشر دونوں کو متحمل ہیں اور آدمی اکثر اپنی نادانی سے خیر کو شر، شر کو خیر سمجھ لیتا ہے، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے لہٰذا دنیا کے لئے جو کچھ مانگو گے اُس میں بکمال رحمت، نظر فرمائی جائے گی، اگر وہ چیز تمہارے حق میں بہتر ہوئی عطا ہوگی ورنہ اس کے برابر بلا دفع کریں گے یا دُعا روزِ قیامت کے لئے ذخیرہ رکھیں گے اور یہ بندے کے لئے ہر صورت سے بہتر ہے مجھے اپنی عزت کی قسم ہے جب تک تم میرا مراقبہ رکھو گے میں تمہاری لغزشوں کی ستاری فرماؤں گا مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم میں تمہیں اہل کبائر میں فضیحت ورسوا نہ کروں گا پلٹ جاؤ مغفرت پائے ہوئے ، بیشک تم نے مجھے راضی کیا اور میں تم سے خوشنود ہوا۔ (شعب الایمان، 3، ص336، 337۔ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت)

فقیر غفرلہ الغنی القدیر کہتا ہے اس کلام مبارک کا اوّل یاعبادی سلونی ہے یعنی میرے بندو! مجھ سے دعا کرو، اور آخر انصرفوا مغفورا لکم گھروں کو پلٹ جاؤ تمہاری مغفرت ہوئی۔ تو ظاہر ہُوا کہ یہ ارشاد بعد ختمِ نماز ہوتا ہے ختم نماز سے پہلے گھروں کو واپس جانے کا حکم ہرگز نہ ہوگا تو اس حدیث سے مستفاد کہ خود رب العزّت جل وعلا بعد نمازِ عید مسلمانوں سے دُعا کا تقاضا فرماتا ہے، پھر وائے بدبختی اُس کی جو ایسے وقت مسلمانوں کو اپنے رب کے حضور دُعا سے روکے نسأل اللہ العفو والعافیۃ امین، ترجمہ: ہم اللہ سے فضل وبخشش طلب کرتے ہیں۔ آمین۔

ثالثاً اقول وباللہ التوفیق :حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((اذاجلس احدکم فی مجلس فلایبرحن منہ حتی یقول ثلث مرات سبحٰنک اللھم ربنا وبحمدک لاالٰہ الا انت اغفرلی وتب علی فان کان اتی خیرا کان کالطابع علیہ وان کان مجلس لغو کان کفارۃ لماکان فی ذلک المجلس)) ترجمہ: جب تم میں کوئی کسی جلسے میں بیٹھے تو زنہار وہاں سے نہ ہٹے جب تک تین بار یہ دعا نہ کرلے: پاکی ہے تجھے اے رب ہمارے، اور تیری تعریف بجالاتا ہوں، تیرے سوا کوئی سچا معبود نہیں میرے گناہ بخش اور مجھے توبہ دے۔ کہ اگر اس جلسے میں اس نے کوئی نیک بات کہی ہے تو یہ دُعا اس پر مہر

ہو جائے گی اور اگر وہ جلسہ لغو تھا جو کچھ اس میں گزرا یہ دعا اس کا کفارہ ہو جائیگی۔ (المستدرک علی الصحیحین، ج 1، ص 537، مطبوعہ دارالفکر، بیروت)

اس حدیث صحیح مشہور علی اصول المحدثین میں جسے امام ترمذی نے حسن صحیح اور حاکم نے برشرط مسلم صحیح اور منذری نے جیّد الاسانید کہا، حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عام ارشاد و ہدایت قولی و فعلی فرماتے ہیں کہ آدمی کوئی جلسہ کرے اُس سے اُٹھتے وقت یہ دعا ضرور کرنی چاہئے کہ اگر جلسہ خیر کا تھا تو وہ نیکی قیامت تک سربمہر محفوظ رہے گی اور لغو تھا تو وہ لغو باذن اللہ محو ہو جائے گا، تو لفظ و معنی دونوں کی رُو سے ثابت ہوا کہ ہر مسلمان کو ہر نماز کے بعد بھی اس دُعا کی طرف اشارہ فرمایا گیا جہت لفظ سے تو یوں کہ مجلس نکرہ سیاقِ شرط میں واقع ہے عام ہوا۔ تو قطعاً تمام صلواتِ فریضہ و واجبہ و نافلہ کے جلسے اس حکم میں داخل اور ادعائے تخصیص بے مخصص محض مردود و باطل۔

اور جہتِ معنی سے یوں کہ جلسۂ خیر سے اُٹھتے وقت یہ دُعا کرنا اُس خیر کے نگاہداشت کے لئے ہے تو خیر جس قدر اکبر و اعظم اُسی قدر اس کا حفظ ضروری و اہم، اور بلاشبہہ خیر نماز سے سب چیزوں سے افضل و اعلیٰ تو ہر نماز کے بعد اس دعا کا مانگنا مؤکد تر ہوا، یا رب، مگر (کیا) نمازِ عیدین نماز نہیں یا اس کے حفظ کے جانب نیاز نہیں یا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ ہمارا یہ ارشاد ماورائے عیدین یا ماسوائے نماز میں ہے۔ (بلکہ حدیث پاک میں ہے) ((عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان اذا جلس مجلسا او صلی تکلم بکلمات و سالتہ عائشۃ عن الکلمات فقال ان تکلم بخیر کان طابعا علیھن الی یوم القیٰمۃ وان تکلم بشر کان کفارۃ لہ سبحٰنک اللھم و بحمدك استغفرك و اتوب الیك)) یعنی ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی مجلس میں بیٹھتے یا نماز پڑھتے کچھ کلمات فرماتے، ام المومنین نے وہ کلمات پُوچھے، فرمایا وہ ایسے ہیں کہ اگر اس جلسہ میں کوئی نیک بات کہی ہے تو یہ قیامت تک اس پر مُہر ہو جائیں گے اور بُری کہی ہے تو کفارہ۔ الٰہی! میں تیری تسبیح و حمد بجالاتا ہوں اور تجھ سے استغفار و توبہ کرتا ہوں۔ (سنن النسائی، ج 1، ص 197، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

پس بحمد اللہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہو گیا کہ نمازِ عیدین کے بعد دُعا مانگنے کی خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی لفظ **لا یبرحن** بنون تاکید ارشاد ہوا بلکہ انصاف کیجئے تو حدیثِ ام المومنین صلی اللہ تعالیٰ علیٰ زوجہا الکریم وعلیہا وسلم خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بعد نماز عیدین دعا مانگنا بتارہی ہے کہ صلی زیر اذا داخل، تو ہر صورت نماز کو عام و شامل اور منجملہ صور نماز عیدین، تو حکمِ مذکور انہیں بھی متناول (شامل)، پس یہ حدیثِ جلیل بحمد اللہ خاص جزئیہ کی تصریح کامل۔

رابعاً اقول وباللہ التوفیق ان سب سے قطع نظر کیجئے تو دُعا مطلقاً اعظم مندوباتِ دینیہ و اجل مطلوباتِ شرعیہ سے ہے کہ شارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں بے تقییدِ وقت و تخصیصِ ہیاٰت مطلقاً اس کی اجازت دی اور اُس کی طرف

دعوت فرمائی اور اسکی تکثیر کی رغبت دلائی اور اس کے ترک پر وعید آئی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے﴿وقال ربکم ادعونی استجب لکم﴾ اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔

اور فرماتا ہے﴿اجیب دعوۃ الداع اذا دعان﴾ قبول کرتا ہوں دُعا کرنے والے کی دُعا جب مجھے پکارے۔

حدیث قدسی میں فرماتا ہے ((اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَاَنَا مَعَہٗ اِذَا دَعَانِیْ)) میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوں اور میں اس کے ساتھ ہوں جب مجھ سے دعا کرے۔ (صحیح مسلم، ج2، ص341، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

(پھر امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے دعا کرنے کی ترغیب پر متعدد احادیث بیان فرمائیں جن میں سے ایک یہ ہے) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ((علیکم عباد اللہ بالدعاء)) خدا کے بندو دعا کو لازم پکڑو۔ (ترمذی، ج2، ص193، امین کمپنی، دہلی)

(پھر امام اہلسنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں) اللہ اللہ کیا ستم جری ہیں وہ لوگ کہ قرآن وحدیث کی ایسی عام مطلق اجازتوں کے بعد خواہی نخواہی بندگان خدا کو اس کی یاد و دعا سے روکتے ہیں حالانکہ اس نے ہرگز اس دعا سے ممانعت نہ فرمائی۔﴿قُلْ آللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ٥﴾ ترجمہ: اے حبیب! ان سے پوچھئے کہ اللہ نے اس کی تمہیں اجازت دی ہے یا اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔

پس بحمد اللہ آفتاب روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ دعائے مذکور فی السوال قطعاً جائز ومندوب، اور اس سے ممانعت محض بے اصل وباطل ومعیوب۔ (ص515تا538)

عید کے بعد دعا مانگنے سے منع کرنے والوں کی دلیل اور اس کا رد

سوال: بدمذہب لوگ عید کے بعد جو دعا مانگنے سے منع کرتے ہیں وہ عبدالحی ہندی لکھنوی کے اس فتوی کو دلیل بناتے ہیں، ان سے سوال ہوا "جناب رسول مقبول علیہ الصلوۃ والسلام اور اصحاب وتابعین وتبع تابعین وائمہ اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بعد نماز عیدین کے دعا مانگتے تھے یا بعد پڑھنے خطبہ عیدین کے کھڑے کھڑے یا بیٹھ کر یا بدون ہاتھ اٹھائے؟ بیّنوا وافتوا بسند الکتاب (کتاب کی سند کے ساتھ بیان کرو اور فتوی دو)۔ تو جواب دیا کہ "ھوالمصوب روایاتِ حدیث سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز عید سے فراغت کر کے خطبہ پڑھتے تھے اور بعد اس کے معاودت فرماتے (واپس تشریف لے آتے)، دعا مانگنا بعد نماز یا خطبہ کے آپ سے ثابت نہیں، اسی طرح صحابہ کرام وتابعین عظام سے ثبوت اس امر کا نظر سے نہیں گزرا۔

جواب: قطع نظر اس سے محل احتجاج میں کہاں تک پیش ہو سکتا ہے حضرات مانعین کو ہرگز مفید، نہ ہمیں مضر، جواز وعدم کا تو اس میں ذکر ہی نہیں، سائل ومجیب دونوں کا کلام ورود وعدم ورود میں ہے پھر مجیب نے صحابہ کرام وتابعین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت نہ ہونے پر جزم بھی نہ کیا، صرف اپنی نظر سے نہ گزرنا لکھا اور ہر عاقل جانتا ہے کہ نہیں اور نہ دیکھا میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ یہ ان کے جوا کابر ماہرانِ فنِ حدیث ہیں بارہا فرماتے ہیں ہم نے نہ دیکھی اور دوسرے محدثین اس کا پتا دیتے ہیں

فقیر نے اس کی متعدد مثالیں اپنے رسالہ صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین میں ذکر کیں۔

پھر یہ نہ دیکھنا بھی مجیب، خاص اپنا بیان کر رہے ہیں نہ کہ ائمہ شان نے اس طرح کی تصریح فرمائی، کہ ایسا ہوتا تو نظر سے نہ گزرا کے عوض اس امام کا ارشاد نقل کرتے، خصوصاً جبکہ سائل درخواست کر چکا تھا کہ بیّنوا و افتوا بسند الکتاب (کتاب کی سند کے ساتھ بیان کرو اور فتوی دو)۔

تو آج کل کے ہندی علماء کا نہ دیکھنا نہ ہونے کی دلیل کیونکر ہوسکتا ہے آخر نہ دیکھا کہ فقیر غفرلہ المولی القدیر نے حدیثِ صحیح سے اس کا نص صریح، ائمہ تابعین قدست اسرارہم سے واضح کر دیا و الحمدللہ رب العلمین۔

پھر خصوص جزئیہ سے قطع نظر کیجئے، جس کا التزام عقلاً ونقلاً کسی طرح ضرور نہیں جب تو فقیر نے خود حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جس جس طرح اس کا ثبوت روشن کیا منصف غیر متعسف اس کی قدر جانے گا والحمدللہ والمنۃ۔

پھر سوال میں تبع تابعین وائمہ اربعہ سے استفسار تھا مجیب نے ان کی نسبت اس قدر بھی نہ لکھا کہ نظر سے نہ گزرا، اب خواہ ان سے ثبوت نہ دیکھا یا پوری بات کا جواب نہ ہوا، بہرحال محل نظر و اسناد مستند صرف اس قدر کہ مجیب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نفی ثبوت کرتے ہیں۔

(پھر امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے اس پر دو صورتوں میں کلام کیا، صورت اول یہ ہے کہ اس کلام سے یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہیں غلط ہے اور دوسری صورت یہ کہ اگر یہ تسلیم کرلیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہیں تب بھی ممانعت کا حکم نہیں ہوسکتا، پہلی صورت پر متعدد وجوہ سے کلام فرمایا، چنانچہ فرماتے ہیں:

اوّلاً یہ تو اصلاً کسی حدیث میں نہیں کہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سلام پھیرتے ہی بفور حقیقی معاً خطبہ فرماتے تھے اور خطبہ ختم فرماتے ہی بے فصل فوراً واپس تشریف لاتے، غایت یہ کہ کسی حدیث میں فائے تعقیب آنے سے استدلال کیا جائے گا مگر وہ ہرگز اتصال حقیقی پر دال نہیں کہ دو حرف دعا سے فصل کی مانع ہو۔۔۔ اگر زید وعدہ کرلے نماز پڑھ کر فوراً آتا ہوں تو نماز کے بعد معمولی دو حرفی دعا ہرگز عرفاً یا شرعاً مبطلِ فور و موجبِ خلافِ وعدہ نہ ہوگی، مسئلہ سجود تلاوت صلاتیہ میں سنا ہی ہوگا کہ دو آیتیں بالاتفاق اور تین علی الاختلاف قاطع فور نہیں۔

ثانیاً دعا تابع ہے اور توابع فاصل نہیں ہوتے، واجبات میں ضم سورت سنا ہوگا مگر آمین فاصل نہیں کہ تابع فاتحہ ہے۔ حضور پرنور سید یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تسبیح حضرت بتول زہرا صلوات اللہ وسلامہ علیٰ ابیہا الکریم وعلیہا کی نسبت فرمایا ((معقبات لایخیب قائلھن)) کچھ کلمات نماز کے بعد بلا فاصلہ کہنے کے ہیں جن کا کہنے والا نامراد نہیں رہتا۔ (سنن النسائی، ج1، ص198، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

بااینہمہ (اس کے باوجود) علماء فرماتے ہیں اگر سنن بعدیہ کے بعد پڑھے تعقیب میں فرق نہ آئے گا کہ سنن توابع

فرائض سے ہیں۔

ثالثاً مانا کہ مفاد "فا" اتصال حقیقی ہے تاہم خوب متنبہ رہنا چاہئے کہ حضور پرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نو برس عید کی نمازیں پڑھی ہیں تو احادیث متعددہ کا وقائع متعددہ پر محمول ہونا ممکن، پس اگر ایک حدیث صلوۃ وخطبہ اور دوسری خطبہ وانصراف میں وقوع اتصال پر دلالت کرے اصلاً بکار آمد نہیں کہ ایک بار بعد خطبہ، دوبارہ بعد نماز دعا کا عدم ثابت نہ ہوگا، تو (یوں وہ) مقصود سے منزلوں دور ہے۔

رابعاً مسلم کہ ایک ہی حدیث میں دونوں اتصال مصرح ہوں تاہم بلفظ دوام تو اصلاً کوئی حدیث نہ آئی ومن ادعی فعلیہ البیان (اور جو اس کا دعوٰی کرتا ہے وہ دلیل لائے)۔

اور ایک آدھ جگہ صلی فخطب فعاد (نماز پڑھائی، پس خطبہ دیا اور لوٹ گئے۔) ہو بھی تو واقعہ حال ہے اور وقائع حال کے لئے عموم نہیں کمانصوا علیہ (جیسا کہ علماء نے اس پر تصریح کی ہے)۔

خامساً یہ سب تو بالائی کلام تھا احادیث پر نظر کیجئے تو وہ اور ہی کچھ اظہار فرماتی ہیں صحاح ستہ وغیرہا خصوصاً صحیحین میں روایات کثیرہ بلفظ ثم وارد، ثم فاصلہ ومہلت چاہتا ہے تو ادعا کہ احادیث میں اتصال ہی آیا محض غلط بلکہ حرفِ اتصال اگر دو ایک حدیث میں ہے تو کلمہ انفصال آٹھ دس میں۔ (پھر امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے صحاح ستہ سے نو (۹) احادیث نقل فرمائیں جس میں "ثم" استعمال ہوا ہے، جس میں سے ایک یہ ہے) راوی فرماتے ہیں ((قال خرجت مع النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم فطر او اضحی فصلی ثم خطب ثم اتی النساء فوعظھن وذکرھن وامرھن بالصدقۃ)) ترجمہ: میں فطر اور اضحیٰ کے روز نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نکلا آپ نے نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا پھر خواتین کے اجتماع میں تشریف لے گئے انہیں وعظ ونصیحت فرمائی اور انہیں صدقہ کا حکم دیا۔

(صحیح البخاری، ج1، ص133، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یہ حدیث دونوں جگہ فصل کا اظہار کرتی ہے، سبحٰن اللہ! پھر کیونکر ادعا کرسکتے ہیں کہ نماز وخطبہ اور خطبہ ومعاودت میں ایسا اتصال رہا جو عدم دعا پر دلیل ہوا۔

(پھر امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے دوسری صورت پر کلام فرمایا) اب محمل دوم کی طرف چلئے جس کا یہ حاصل کہ حدیثوں میں صرف نماز وخطبہ کا ذکر ہے ان کے بعد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دعا مانگنا مذکور نہ ہوا۔

اقول یہ حضرات مانعین کے لئے نام کو بھی مفید نہیں، سائل نے اس فعل خاص بخصوصیت خاصہ کا سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صدور پوچھا تھا کہ کس طور پر ہوا، اس کا جواب یہی تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس فعل خاص کی نقل جزئی نظر سے نہ گزری مگر اسے عدم جواز کا فتوی جان لینا محض جہالت بے مزہ۔

اوّلاً (پچھلے جواب میں) گزرا کہ حدیث ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے عموم میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس دعا کا ثبوت فعلی بتا رہی ہے۔

ثانیاً ثبوت فعلی نہ ہو تو قولی کیا کم ہے بلکہ من وجہ قول فعل سے اعلیٰ واتم ہے۔اب (پچھلی) تقریریں پھر یاد کیجئے اور حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو بعد نماز عید خود رب مجید جل وعلا کا اپنے بندوں سے تقاضائے دعا فرمانا بتا رہی ہے، اس کے بعد اور کسی ثبوت کی حاجت کیا ہے۔

ثالثاً جب شرع مطہر سے حکم مطلق معلوم کہ جواز واستحباب ہے تو ہر فرد کے لئے جداگانہ ثبوت قولی یا فعلی کی اصلاً حاجت نہیں کہ باجماع واطباق عقل ونقل حکم مطلق اپنی تمام خصوصیات میں جاری وساری اطلاقِ حکم کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس ماہیت کلیہ یا فرد منتشر کا جہاں وجود ہو حکم کا ورود ہو۔ جب تک کسی خاص کا استثناء شرع مطہر سے ثابت نہ ہو۔(اس کا امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے دس وجوہ سے جواب دیا، تین اوپر گزریں، اور آخر میں فرماتے ہیں کہ جس عالم کا فتویٰ تم دلیل کے طور پر پیش کر رہے ہو وہ خود اس بات کے قائل ہیں کہ ممانعت اسی صورت میں ہے جب کسی کام سے منع کیا گیا ہو اس کے ثبوت میں امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے عبدالحی لکھنوی کے فتاوی سے کئی مثالیں دیں، ان میں سے دو عبارتیں یہ ہیں، عبدالحی لکھنوی کے مجموعہ فتاوی میں ہے:) اگر میں تسلیم کرلوں کہ ذکر مولد تین زمانوں میں سے کسی میں نہیں اور مجتہدین سے اس کا حکم منقول نہیں ہے لیکن شرع میں جب یہ بنیادی قاعدہ ہے کہ ہر وہ فرد جس سے علم کی اشاعت ہو وہ مندوب ہوتا ہے تو ذکرِ مولد بھی اسی میں شامل ہے تو ضروری ہے اسے بھی مندوب کہا جائے۔ (مجموعہ فتاوی، ج2، ص113، مطبع یوسفی فرنگی محلی لکھنؤ)

ایک اور عبارت "الوداع یا الفراق کا خطبہ آخر رمضان میں پڑھنا اور کلماتِ حسرت ورخصت کے ادا کرنا فی نفسہ امر مباح ہے بلکہ اگر یہ کلمات باعثِ ندامت وتوبہ سامعان ہوئے تو امیدِ ثواب ہے مگر اس طریقہ کا ثبوت قرونِ ثلثہ میں نہیں"

(مجموعہ فتاوی، ج2، ص24، مطبع یوسفی فرنگی محلی لکھنؤ)(ص539 تا 558)

عید کی نماز عیدگاہ میں پڑھنا مسنون ہے

سوال: زید کہتا ہے نمازِ عیدین صحرا میں پڑھنی سنت ہے لیکن شہر میں بھی جائز ہے جس شخص نے شہر میں پڑھی نماز اس کی ضرور ادا ہوئی البتہ ترکِ سنت اس نے کیا اور ثواب سنّت سے محروم رہا، عمرو کہتا ہے کہ نماز عیدین شہر میں پڑھنے والے گناہ گار ہوں گے۔ان میں کس کا قول صحیح ہے؟

جواب: قولِ زید صحیح ہے عامہ کتبِ مذہب متون وشروح وفتاوی میں تصریح ہے کہ نماز عیدین بیرون شہر مصلی یعنی عیدگاہ میں پڑھنی مندوب ہے، مستحب ہے، افضل ہے، مسنون ہے، فرض نہیں کہ شہر میں ادا ہی نہ ہو، واجب نہیں کہ شہر میں پڑھنا مطلقاً گناہ ہو۔ (ص560)

سوال: کیا سنتِ مؤکدہ کو ترک کرنا گناہ ہے؟

جواب: جو سنت مؤکدہ ہو اور کوئی شخص بلا ضرورت بے عذر براہ تہاون و بے پروائی اس کے ترک کی عادت کرے اُسے ایک قسم اثم (گناہ کی قسم) لاحق ہوگی، (اور یہ گناہ کا ہونا) نہ ترکِ سنت (کی وجہ سے) بلکہ اس کی کم قدری و قلت مبالات کے باعث (ہے)۔ (ص562)

سوال: زید کہتا ہے نمازِ عیدین مسجد پختہ چھت دار کے اندر جو صحرا میں واقع ہے پڑھنے سے ثواب صحرا میں پڑھنے کا نہ ملے گا۔ عمرو کہتا ہے گو مسجد پختہ چھت دار ہے مگر چونکہ صحرا میں واقع ہے لہذا ثواب صحرا میں پڑھنے کا ملے گا۔ ان میں سے کس کا قول صحیح ہے؟

جواب: عمرو کا قول صحیح ہے اور زید کا دعوٰی بھی وجہِ صحت رکھتا ہے اگر صحرا سے اُس کی مراد فضائے خالی ہو۔

یہاں دو چیزیں ہیں:

ایک اصل سنت کہ نمازی عیدین بیرونِ شہر جنگل میں ہو شارع علیہ الصلاۃ والسلام نے اُس میں حکمت اظہارِ شعارِ اسلام و شوکت و کثرت مسلمین رکھی ہے، یہ بات نفس خروج و اجتماع سے حاصل اگر چہ صحرا میں کوئی عمارت بنالیں پس قولِ عمرو کہ جب مسجد صحرا میں ہے تو بیرونِ شہر جانے جنگل میں پڑھنے کا ثواب حاصل بلاشبہ صحیح ہے۔

دوم سنت، کہ تکمیل و تاکیدِ اصل سنت کے لئے ہے یعنی فضائے خالی بے عمارت میں پڑھنا کہ اس میں زیادت اظہار شعار و شوکت ہے مسجد عیدگاہ واقع صحرا میں پڑھنے سے، اگر چہ اصل اظہارِ شعار و صلوٰۃ فی الصحرا کا ثواب حاصل، مگر صلوٰۃ فی الفضا میں اتباع اتم پر جو ثواب ازید (زیادہ ثواب) ملتا وہ نہ ہوا جبکہ جانب تعمیر کسی مصلحتِ شرعیہ سے مترجح نہ ہوا، اس معنی پر قولِ زید بھی رو بصحت ہے زمانہ اکرم حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں مصلائے عید کفِ دست (ہاتھ کی ہتھیلی کی مانند) میدان تھا جس میں اصلاً تعمیر نہ تھی۔

(ص562)

سوال: نمازِ عید میں خطبہ کے دوران چندہ کی ترغیب دلانا کیسا ہے؟

جواب: چندہ کی تحریک اگر کسی امر دینی کے لئے ہو تو عین خطبہ میں اس کی اجازت اور خود حدیث میں ثابت ہے ایک بار خطبہ فرماتے ایک صاحب کو ملاحظہ فرمایا کہ بہت حالت فقر و مسکنت میں تھے، حاضرین سے ارشاد فرمایا: تصدقوا صدقہ دو، ایک صاحب نے ایک کپڑا، دوسرے صاحب نے دوسرا کپڑا دیا، پھر ارشاد فرمایا: تصدقوا صدقہ دو۔ یہ مسکین جن کو ابھی دو کپڑے ملے تھے اُٹھے اور ان دو کپڑوں میں سے ایک حاضر کیا، یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم کہ تصدقوا حاضرین کے لئے عام ہے اور میں بھی حاضر ہوں اور اس وقت دو کپڑے رکھتا ہوں ایک حاضر کر سکتا ہوں، ان کو اس سے باز رکھا گیا کہ تمھارے ہی لئے تصدّق کا حکم فرمایا جاتا ہے نہ کہ تم کو۔

مگر ہندوستان میں تحریک چندہ اگر چہ کیسے ہی ضروری کام کے لئے ہو زبان اردو میں ہوگی اور خطبہ میں غیر عربی کا خلط

مکروہ وخلافِ سنت ہے، لہذا اُس وقت نہ چاہیئے بلکہ بعد ختم خطبہ عید جس طرح صحیحین میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ عید تمام فرما کر گروہِ نساء پر تشریف لے گئے اور ان کو تصدق کا حکم فرمایا وہ اپنے زیور اتار اتار کر حاضر کرتی تھیں اور بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دامن میں لئے تھے۔ (ص567)

سوال: دورانِ خطبہ کسی مسلمان قاضی (جج) کی مدح وثناء، خوشامد وغیرہ کرنا کیسا ہے؟ اس کا خطبہ اور نماز (چاہے جمعہ کی ہو یا عیدین کی) پر کیا اثر پڑے گا؟

جواب: جو قاضی خلافِ احکامِ شرعیہ حکم کرتا ہو، اگرچہ مسلمان ہو، اگرچہ سلطنت اسلامیہ کا قاضی ہو، ہرگز اس کی مدح جائز نہیں خصوصاً منبر پر خصوصاً خطبہ جمعہ یا عیدین میں اس کے سبب خطبہ میں تو کراہت یقینی ہے لاشتمالھا علی المحرم (کیونکہ یہ حرام پر مشتمل ہے)۔

اور اگر خطبہ جمعہ میں ہو تو اس کی کراہت نماز کی طرف بھی سرایت کرے گی کہ جمعہ میں خطبہ شرائط نماز سے ہے اور نماز سے قبل ہوتا ہے، ہاں عیدین میں کہ نماز ہو چکی اور خطبہ نہ اس کی شرائط نہ اس میں فرض نہ واجب بلکہ ایک سنتِ مستقلہ ہے، خطبہ کی کراہت نماز کی طرف سرایت نہ کرے گی، یہ تو خطبہ ہے کہ خاص امر دین ہے اور منبر کہ خاص مسند سید المرسلین ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، مطلقاً مدح فاسق کی نسبت میں ارشاد ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((اذا مدح الفاسق غضب الرب واھتزلہ عرش الرحمٰن)) جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے رب عزوجل غضب فرماتا ہے اور اس کے سبب رحمٰن کا عرش ہل جاتا ہے۔ (الکامل لابن عدی، ج3، ص1307، المکتبۃ الاثریۃ، سانگلہ ہل) (ص567)

سوال: شرعی احکام کے مطابق فیصلہ کرنے والا قاضی (جج) کسے کہیں گے؟

جواب: شرعی احکام اور عرفی خیالات میں بہت تفاوت ہے، شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ ہر حاکم پر فرض ہے کہ مطابق احکامِ الٰہیہ کے حکم کرے، اگر خلاف حکم الٰہی کرے تو اس کی دو صورتیں ہیں: ایک عمداً اور ایک خطاً۔

عمداً کے لئے قرآن عظیم میں تین ارشاد ہوئے کہ ﴿من لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الفسقون ۝ اولٰئک ھم الظلمون ۝ اولٰئک ھم الکفرون ۝﴾ ترجمہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تعلیمات کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ فاسق ہیں، وہ ظالم ہیں، وہ کافر ہیں۔

قرآن مجید ایسے حکم کو فسق وظلم وکفر فرماتا ہے یعنی اگر عناداً ہو کہ حکم کو حق نہیں مانتا تو کافر ہے ورنہ ظالم وفاسق۔

اور اگر خطاً ہو تو اس کی پھر دو صورتیں ہیں: **ایک** یہ کہ خطا بوجہ جہل ہو یعنی علم نہ رکھتا تھا کہ صحیح احکام سے واقف ہوتا، یہ صورت بھی حرام وفسق ہے، صحیح حدیث میں قاضی کی تین قسمیں فرمائیں: قاضی فی الجنۃ وقاضیان فی النار، ایک قاضی جنت

میں ہے اور دو قاضی دوزخ میں۔ وہ کہ عالم وعادل ہو جنت میں ہے اور وہ کہ قصداً خلاف حکم کرے یا بوجہ جہل، یہ دونوں نار میں ہیں ، بوجہ جہل پر ناری ہونے کا یہ سبب ہے کہ اس نے ایسی بات پر اقدام کیا جس کی قدرت نہ رکھتا تھا وہ جانتا تھا کہ میں عالم نہیں اور بے علم مطابقتِ احکام ممکن نہیں، تو مخالفتِ احکام پر قصداً راضی ہوا، بلکہ اُس سے اگر کوئی حکم مطابق شرع بھی صادر ہو جب بھی وہ مخالفتِ شرع کر رہا ہے کہ اس اتفاقی مطابقت کا اعتبار نہیں، ولہٰذا احدیث میں فرمایا ((من قال فی القرآن برأیہ فاصاب فقد اخطأ)) جس نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہا اگر ٹھیک کہا تو بھی غلط کہا۔ (السنن لابی داؤد، ج2، ص158، آفتاب پریس، لاہور)

دوسری صورت خطا کی یہ ہے کہ عالم ہے احکام شرعیہ سے آگاہ ہے قابلیت قضا رکھتا ہے احکامِ الٰہیہ کے مطابق ہی فیصلہ کرنا چاہا اور براہ بشریت غلط فہمی ہوئی۔

اس کی پھر دو صورتیں ہیں: اگر وہ مجتہد ہے اور اس کے اجتہاد نے خطا کی تو اس پر اُس کے لئے اجر ہے اور وہ فیصلہ جو اس نے کیا نافذ ہے، اور اگر مقلد ہے جیسے عموماً قاضیانِ زمانہ، اور جد وجہد میں اس نے کمی نہ کی اور فہمِ حکم میں اس سے غلطی واقع ہوئی اور ہے پورا عالم اور اس عہدۂ جلیلہ کے قابل، تو اس کی یہ خطا معاف ہے مگر وہ فیصلہ نافذ نہیں۔

یہ سب احکام قاضیانِ سلطنتِ اسلامیہ سابقہ کے لئے ہیں جو اسی کام کے لئے مقرر ہوئے تھے کہ مطابق احکام الٰہیہ فیصلہ کریں بخلاف حال کہ اکثر اسلامی سلطنتوں کے جن میں خود سلاطین نے احکامِ شرعیہ کے ساتھ اپنے گھڑے ہوئے باطل قانون بھی خلط کئے ہیں اور قاضیوں کو ان پر فیصلہ کرنے کا حکم ہے ان کی شناخت کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ و رسول کے خلاف حکم کرنے ہی پر مقرر ہوئے، ان اسلامی سلطنتوں کے ایسے قاضیوں کو بھی قاضیِ شرع کہنا حلال نہیں ہو سکتا بلکہ اس کلمہ کی تہہ میں جو خباثت ہے قائل اگر اس پر آگاہ ہو اور اس کا ارادہ کرے تو قطعاً خارج از اسلام ہو جائے کہ اس نے باطل کا نام شرع رکھا، ولہٰذا ائمہ کرام نے اپنے زمانہ کے سلاطینِ اسلام کی نسبت فرمایا کہ ''من قال لسلطان زماننا عادل فقد کفر'' ہمارے زمانے کے سلطان کو عادل کہنا کفر ہے۔ (ردالمحتار، ج5، ص327، مصطفی البابی، مصر)

کہ وہ خلافِ احکام الٰہیہ حکم کرتے ہیں اور خلاف احکام الٰہیہ عدل نہیں ہو سکتا، عدل حق ہے، تو اسے عدل کہنے کے یہ معنی ہوئے کہ خلافِ احکام الٰہیہ حق ہے، تو معاذ اللہ احکام الٰہیہ ناحق ہوئے اور یہ کفر ہے، بہر حال جو قاضی خلاف احکام الٰہیہ حکم کرتا ہو، ہرگز قاضیِ شرع نہیں ہو سکتا، جب قاضیان سلطنت اسلامیہ کی نسبت یہ احکام ہیں تو سلطنت غیر اسلامیہ کے حکام تو مقرر ہی اس لئے کئے جاتے ہیں کہ مطابق قانون فیصلہ کریں۔ (ص568، 569)

سوال: کیا جمعہ وعیدین کی امامت اور پانچ وقت کی نماز کی امامت میں کچھ فرق ہے؟

جواب: جمعہ وعیدین کی امامت پنجگانہ کی امامت سے بہت خاص ہے، امامت پنجگانہ میں صرف اتنا ضرور ہے کہ

امام کی طہارت ونماز صحیح ہو، قرآن عظیم صحیح پڑھتا ہو، بدمذہب نہ ہو، فاسق معلن نہ ہو، پھر جوکوئی پڑھائے گا نماز بلاخلل ہو جائے گی بخلاف نماز جمعہ وعیدین کہ ان کے لئے شرط ہے کہ امام خود سلطان اسلام ہو یا اس کا ماذون، اور جہاں یہ نہ ہوں تو بضرورت جسے عام مسلمانوں نے جمعہ وعیدین کا امام مقرر کیا ہو۔۔ دوسرا شخص اگر ایسا ہی عالم وصالح ہوان نمازوں کی امامت نہیں کرسکتا اگر کرے گا نماز نہ ہوگی۔ (ص569)

سوال: جس مسجد میں جمعہ ہوتا ہے وہاں نمازِ عید پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے مگر سنت یہ ہے کہ نمازِ عیدین عیدگاہ میں چاہئے جبکہ کوئی عذر شرعی مانع نہ ہو۔ (ص570)

نماز عید کس پر لازم ہے

سوال: نمازِ عید کس شخص پر لازم ہے؟ جو شخص نمازِ عید نہ پڑھے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: نماز عید شہروں میں ہر مرد آزاد، تندرست، عاقل، بالغ، قادر پر واجب ہے، قادر کے یہ معنی کہ نہ اندھا ہو، نہ لولا ہو، نہ لنجھا، نہ قیدی، نہ کسی ایسے مریض کا تیماردار ہو کہ یہ اُسے چھوڑ کر گھر سے جائے تو مریض ضائع رہ جائے، نہ ایسا بوڑھا کہ چل پھر نہ سکے، نہ اسے نماز کو جانے میں حاکم یا چور یا دشمن کی طرف سے جان یا مال یا عزت کا سچا خوف ہو، نہ اس وقت مینہ یا برف یا کیچڑ یا سردی اس قدر شدت سے ہو کہ نماز کو جانا سخت مشقت کا موجب ہو۔

جو شخص شہر میں ان صفات کا جامع اور ان موانع سے خالی ہو اور وہاں عید بروجہ شرعی ہو پھر نہ پڑھے تو گنہگار اور شرعاً مستحق سزاو تعزیر ہوگا۔ (ص570)

نمازِ عید ہجرت کے پہلے سال شروع ہوئی

سوال: عیدین کی تکبیراتِ زائد کس سال شروع ہوئیں اور ان کی علت کیا ہے؟

جواب: نماز عید ہجرت کے سال اول میں شروع ہوئی۔۔۔ اور وہ شرع میں اسی اسلوب وطریقہ پر (یعنی تکبیرات کے ساتھ) ہی معروف ہوئی۔ اور تکبیرات میں حکمت دینی سرور کا اظہار اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل ہے ﴿ولتکملوا العدۃ ولتکبروا اللّٰہ علی ماھدٰکم﴾ ترجمہ: کہ تم اس مدت (رمضان) کو مکمل کرو اور اللہ کی عطا کردہ ہدایت پر اللہ کی بڑائی بیان کرو۔ یہ عید الفطر میں ہے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿لتکبروا اللّٰہ علی ماھدٰکم وبشر المحسنین﴾ ترجمہ: تم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہدایت پر تکبیر کہو اور محسنین کو بشارت دو۔ یہ عید الاضحیٰ کے بارے میں ہے۔ (ص572)

نمازِ عید الفطر بلاعذر دوسرے دن نہ ہوگی جبکہ عید الاضحیٰ مکروہ ہے

سوال: اگر لوگ بلا عذر عید روز اول نہ پڑھیں تو دوسرے دن پڑھنے میں کراہت ہوگی یا نہیں؟

جواب: نماز عید الفطر میں جو بوجہ عذر ایک دن کی تاخیر روا رکھی ہے وہاں شرط عذر صرف نفی کراہت کے لئے نہیں بلکہ اصل صحت کے لئے ہے یعنی اگر بلا عذر روز اول نہ پڑھے تو روز دوم اصلاً صحیح نہیں، نہ یہ کہ مع الکراہت جائز ہو۔ (ہاں عید الاضحیٰ میں معاملہ مختلف ہے) وہاں دو روز کی تاخیر بوجہ عذر بلا کراہت اور بلا عذر بروجہ کراہت روا ہے۔ (ص572)

سوال: ایک عیدگاہ میں ایک دن ایک ہی خطبہ ہے دو امام نے دو جماعت نماز پڑھائی ان میں سے پہلے امام نے مع خطبہ نماز پڑھائی اور ثانی امام نے بدون خطبہ کے نماز ادا کی اب ان دونوں جماعتوں کی نماز ہوئی یا نہیں؟

جواب: اگر دونوں امام ماذون باقامت نماز عید تھے دونوں جائز ہوگئیں اگرچہ امام دوم نے ترک سنت کیا کہ عیدین میں خطبہ ہے فرض وشرط نہیں تو اس کا ترک موجب ناجوازی نہ ہوگا البتہ موجب اساءت وکراہت ہے۔ (ص575)

سوال: ایک زمین کو جس میں عید کی نماز ہوتی ہے، وہ پانچ یا چھ ماہ تک پانی کے نیچے ڈوبا ہوا رہتا ہے، اور باقی چھ ماہ بیل بکریاں اُسی جگہ میں چرتی ہیں اور وہ جگہ خراجی ہے وقفی نہیں، تو اس جگہ کو شرع میں عیدگاہ کہتے ہیں یا نہیں اور اس میں نماز عید درست ہے یا نہیں؟

جواب: اگر وہ زمین کسی شخص کی ملک ہے اور اس نے نماز عید کے لئے وقف نہ کی تو وہ عیدگاہ نہ ہوگی، فان مصلی العید عرفاهو عادی الارض المقرر من جهة سلطان الاسلام او جماعة مسلمی البلد لصلوة العید او للمملوك الموقوف لها من جهة المالك ترجمہ: کیونکہ عیدگاہ عرفاً زمین کا وہ ٹکڑا ہے جسے بادشاہ اسلام یا مسلمانوں کی ایک جماعت نے نماز عید کے لئے چھوڑا ہو یا وہ مالک کی طرف سے نماز عید کے لئے وقف ہو۔

ہاں باجازت مالک اُس میں نماز درست ہے، فانه لیس المسجد و لاالوقف من جهة شرائط صحة صلوة اصلا، صلوة العید کانت او الجمعة اوغیر ذلك کما نصوا علیه فی کتب المذهب۔ ترجمہ: کیونکہ نہ مسجد اور نہ صحت صلوٰۃ کے لئے شرائط وقف کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے خواہ وہ نماز عید ہو یا جمعہ یا اس کے علاوہ کوئی نماز ہو جیسا کہ کتب میں فقہاء نے تصریح کی ہے۔ (ص576)

عید کے دن عید کے بعد مصافحہ ومعانقہ درست ہے

سوال: عید کے دن بعد نماز عید کے مصافحہ اور معانقہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: بعد نماز عید مصافحہ ومعانقہ دونوں درست ہیں جبکہ کسی منکر شرعی پر مشتمل یا اس کی طرف منجر نہ ہوں جیسے خوبصورت امرد، اجنبی محلِ فتنہ سے معانقہ بلکہ مصافحہ بھی کہ بحالت خوف فتنہ اس کی طرف نظر بھی مکروہ ہے نہ کہ مصافحہ نہ کہ مضانقہ۔ (ص576)

عذر کی وجہ سے عید الفطر دوسرے دن پڑھ سکتے ہیں

سوال: اگر شوال کا چاند دن چڑھے ثابت ہوا اور بارش شدید ہو بعض اہل شہر نماز عید پڑھیں بعض بسبب بارش نہ

پڑھیں تو جماعت باقی ماندہ دوسرے دن ادا کریں یا اب انھیں اجازت نہ دی جائے گی کہ نماز ہو چکی۔

جواب: صورۃ مستفسرہ میں جماعت باقی ماندہ بیشک دوسرے دن ادا کرے عید الفطر میں بوجہ عذر ایک دن کی تاخیر جائز ہے اور بارش عذر شرعا مسموع۔۔۔اور صلوٰۃ عید میں جوازِ تعدد متفق علیہ ہے بخلاف جمعہ کہ اس میں خلاف ہے اور راجح جواز مگر یہ ضرور ہے کہ جو امام عیدین و جمعہ کے لئے مقرر ہوا سے بھی فوت ہوئی ہو کہ امامت کے لئے امام معین مل سکے اور اگر مقرر کردہ امام سب پڑھ چکے اور بعض لوگ رہ گئے تو یہ بیشک نہیں پڑھ سکتے نہ آج نہ کل۔ (ص577)

سوال: اگر حاکم وقت نے عام طور پر اجازت دے دی کہ تم لوگ فلاں زمین پر اپنی عید گاہ بنالو یا فقط دوگانہ ادا کرنے کی اجازت دی، عید گاہ بنانے کی اجازت نہ دی تو ان دونوں صورتوں میں نماز کا ثواب اسی قدر ملے گا جس قدر مسلمان کی وقف کردہ عید گاہ میں ملتا ہے یا اس سے کم؟

جواب: ہاں اتنا ہی ثواب ہے، زمین وقف کردہ میں پڑھنا نہ عیدین کے سنن سے ہے نہ مستحبات سے، سنت اس قدر ہے کہ صحرا میں ہو، وقد كان المصلى فى زمنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و زمن الخلفاء الراشدين رضى الله تعالىٰ عنهم من عادى الارض بغير وقف و لا بناء ۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات اور خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں عید گاہ افتادہ زمین تھی، نہ وقف تھی اور نہ تعمیر شدہ تھی۔ (ص581)

صحراؤں جنگلوں کی ویران زمینیں اللہ ورسول کی ملک میں ہیں

سوال: صورتِ اولیٰ میں اگر مسلمانوں نے عید گاہ بنالی تو وہ وقف سمجھی جائے گی اور احکام عید گاہ اس کے ۔ئے ثابت ہوں گے یا وہ زمین ملک حاکم پر باقی ہے اور وقف کے احکام جاری نہ ہوں گے؟

جواب: صحراؤں جنگلوں کی افتادہ زمینیں بادشاہ کی ملک نہیں ہوتیں وُہ اصل ملک خدا اور رسول پر ہیں جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حدیث میں ہے ((عادی الارض للہ ورسولہ)) ترجمہ: افتادہ زمینیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہیں۔ (الجامع الرموز مع فیض القدیر بحوالہ بیہقی، ج4، ص298، دار المعرفۃ بیروت)

حاکمِ وقت نے جب اجازت دے دی اور استرداد کا خوف نہ رہا اور مسلمانوں نے وقف کر دی وقف لازم ہوگئی، احکامِ مصلی اس پر جاری ہوں گے۔ (ص581)

سوال: اگر بے اجازت گورنمنٹ گورنمنٹ کی زمین پر نمازِ عید پڑھی گئی تو نماز بلا کراہت ہوگئی یا نہیں؟

جواب: نماز بلا کراہت صحیح ہے۔ (ص581)

سوال: ایک مسجد میں دو عید کی نمازیں ہوئیں، دوسری اس لئے کرائی گئی کہ پہلے امام کا مذہب کچھ اور تھا تو کیا یہ درست ہے؟

جواب: نمازِ عید مثل نماز جمعہ ہے نمازِ پنجگانہ کی طرح نہیں جن میں ہر شخص صالح امامت کرسکتا ہے، عیدین اور جمعہ کے لئے شرط ہے کہ امام خود سلطانِ اسلام ہو یا اُس کا نائب یا اس کا ماذون، اور نہ ہو تو بضرورت جسے عام مسلمانوں نے امامتِ جمعہ وعیدین کے لئے مقرر کیا ہو، ظاہر ہے کہ ایک مسجد میں ایک نماز کے لئے دو شخص امام مقرر نہیں ہوتے تو جو ان میں مقرر نہیں ہے اسکی اور اس کے پیچھے والوں کی نماز نہ ہوگی اور یہاں اختلاف مذہب حنفیت وشافعیت عذر نہیں ہوسکتا، ہاں اگر ایسا اختلاف مذہب ہے کہ ان میں ایک گروہ سُنّی اور دوسرا وہابی یا غیر مقلد، تو اس صورت میں اُس امام اور اُس کے مقتدیوں کی نماز باطل محض ہے، اور سنیوں پر لازم ہے کہ اپنا امام اپنے میں سے مقرر کریں انھیں کی نماز نماز ہوگی وبس۔ (ص582)

فعل حرام ہو اور اجرت حلال ہو اس کی صورت

سوال: زید عید کی نماز سے پہلے درزی کا کام کرتا رہا، بکر نے کہا کہ زید نے نماز سے پہلے جتنی مزدوری کی وہ حرام ہے اس لئے کہ اس نے جتنا کام قبل از نماز کیا وہ ناجائز تھا، آیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟

جواب: بکر محض غلط کہتا ہے جبکہ زید نے ادائے نماز میں قصور نہ کیا تو نہ قبل نماز کام کرنا حرام تھا نہ بعد نماز نہ اُس اُجرت میں کوئی حرج ہے، ہاں اگر کام کے سبب نماز نہ پڑھتا تو وہ کام حرام ہوتا اُجرت پھر بھی حرام نہ تھی، یہ تو حلت وحرمت کا حکم ہے البتہ مستحب ہے کہ ضرورت نہ ہو تو عید کے دن نماز سے پہلے متعلقات عید کے سوا کوئی دنیوی کام نہ کرے کہ خوشی کا دن ہے نہ کہ محنت کا، اُس دن کا اور دنوں سے امتیاز چاہئے، اسی واسطے ہر گروہ میں اپنی اپنی عیدوں کے دن تعطیل کا معمول ہے پھر بھی یہ کوئی واجب نہیں، اور ضرورت ہو جب تو کوئی گنجائشِ کلام ہی نہیں۔ (ص582)

جس شخص نے عید کی نماز پڑھ لی ہو اب وہ نمازِ عید کی امامت نہیں کرواسکتا

سوال: زید نے ایک مسجد میں جو شہر میں واقع ہے مقتدی بن کر نماز عید الفطر پڑھی، اس کے بعد زید عیدگاہ کو گیا اور وہاں بکر امام تھا، اُس سے نماز پڑھاتے وقت اخیر رکعت میں تکبیریں چھوٹ گئی تھیں جس سے نماز فاسد ہوگئی، تب زید نے دوبارہ امام بن کر نماز عید الفطر پڑھائی حالانکہ وہ نماز مقتدی کی حالت میں پڑھ کر گیا تھا، ایسی حالت میں زید کو نماز پڑھانا چاہئے تھا یا نہیں؟

جواب: زید کو امامت ہرگز جائز نہ تھی، جن لوگوں نے اُس کے پیچھے نماز پڑھی ان کی نماز باطل ہوئی، اُن میں جو ناواقف تھے ان کی نماز رہ جانے کا وبال بھی زید کے سر رہا۔ (ص583)

لوگوں کو عید کی نماز کے لئے اکٹھا کرنے کے لئے بگنو لے چلانا جائز نہیں

سوال: ہمارے ہاں لوگ عید کی نماز کے لئے وقتِ معیّن میں حاضر نہیں ہوتے لہذا بعض لوگوں کی نماز فوت ہوتی ہے اس لئے جھگڑا فساد لڑائی برپا کرتے ہیں، اب سب محلّہ والے مل کر ایک صاحبِ علم سے مشورہ کیا اُس نے یہ امر کیا کہ تین

بنگولہ جلانا مناسب ہے، یکے بعد دیگرے اگر تیسرے بنگولے کے متصل کوئی حاضر نہ ہو تو جھگڑا لڑائی نہیں، سب لوگوں نے اس بات پر متفق ہو کر یہ عمل شروع کیا کہ عید کے دن تین بنگولہ جلاتے ہیں، یہ بات جب دوسرے کسی صاحب علم نے سنی تو کہا یہ آتشبازی فعل بدعت سیئہ محرمہ ہنود کا کام ہے۔ اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: فی الواقع یہ بدعتِ سیئہ ہے اور مشابہت کفار ہے، اس سے بچنا واجب، حدیثِ اذان میں اس کا فیصلہ ہو چکا، نار (آگ) و ناقوس سب رد کردئے گئے اور اذان مقرر فرمائی گئی جس سے اعلائے کلمۃ اللہ ہے، اور عیدین کے لئے تو اذان کا بھی حکم نہیں، احادیث صحیحہ میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عیدین میں نہ اذان دلوائی نہ اقامت کہلوائی صرف الصلوٰۃ جامعۃ دوبار پکارا جاتا ہے، اسی پر اختصار کریں اور اس سے زائد ہرگز کچھ نہ ہو، تغافل (غفلت کرنے) والوں کا وبال اُن پر (ہے)۔ (ص584)

عیدگاہ میں مسجد کی چٹائیاں لے جانا ممنوع ہے

سوال: عیدگاہ میں مسجد کی چٹائیاں لے جانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: عیدگاہ میں مسجد کا مال لے جانا ممنوع ہے۔ (ص584)

سوال: عیدین کی نماز کے بعد دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ مولوی اشرف علی کی کتابِ بہشتی گوہر میں لکھا ہے کہ اس صورت میں سنت کی پیروی کرتے ہوئے دعا نہ مانگنا بہتر ہے۔

جواب: بہشتی گوہر اور بہشتی زیور دونوں کتابیں اس شخص کی ہیں جس کے بارے میں علمائے حرمین نے تحریر فرمایا ہے کہ وہ شخص (اپنے کفریہ الفاظ کی وجہ سے) مرتد ہے، اور جو شخص اس کے کفریات پر مطلع ہو کر اس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ کافر ہوگا، یہ بہت سے غلط اور فاسد مسائل پر مشتمل ہے اس کا پڑھنا حرام ہے اور عوام کی گمراہی کا سبب ہے جبکہ عید کی نماز کے بعد (دعا) سنت معروفہ اور آثار مخصوصہ کی اتباع میں جائز اور مستحب ہے۔ (ص585)

تار کی خبر معتبر ہی نہیں

سوال: تار کے ذریعہ اگر عید ہونے کی اطلاع ملے اور وقت تنگ ہو اور لوگوں تک بالخصوص دور دراز دیہات کے لوگوں تک اطلاع پہنچانا مشکل ہو تو کیا اس صورت میں عید دوسرے دن کر سکتے ہیں؟

جواب: تار کی تو خبر معتبر ہی نہیں، اگر شہادت شرعیہ ایسے وقت گزری کہ وقت تنگ ہے شہر میں اطلاع اور لوگوں کا اجتماع متعذر ہے تو دوسرے دن پڑھیں۔ اور اگر شہر کے لئے وقت کافی ہے مگر دور دراز کے دیہات کو خبر جانا اور ان لوگوں کا آنا نہیں ہو سکتا تو واجب ہے کہ عید آج کر لیں، دیہاتوں کے لحاظ سے کل کے لئے تاخیر جائز نہیں کہ نماز عید الفطر کی تاخیر بلا عذر گناہ و ممنوع ہے اور دیہاتوں کا نہ آسکنا کوئی عذر ہی نہیں۔ (ص586)

سوال: اگر قاضی فاسق نمازِ عید پڑھائے اور دوسری مساجد میں حکام کے ذریعہ جماعت نہ ہونے دے تاکہ تمام لوگ میرے پیچھے ہی نماز ادا کریں تو فاسق کی اقتداء میں نماز درست ہوگی یا نہ؟

جواب: ایک شہر میں تکرارِ نماز عید بالاتفاق جائز ہے۔ فاسق معلن کی اقتداء مکروہ تحریمی حرام کے قریب ہے۔ جب تک کسی صالح صحیح القرأۃ سلیم العقیدہ کی اقتداء میسر ہو ہرگز کسی فاسق کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے اگر ظلماً دیگر مساجد نماز کے لئے بند کردی گئی ہیں اور اس کی اقتداء کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تو اب مجبوری اور معذوری ہے، اس کا وبال بھی اس فاسق پر ہی ہوگا اور اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر حکم نہیں دیتا، نماز عید اسلام کے عظیم شعائر میں سے ہے، اس عارضہ کی وجہ سے اسے ترک نہ کیا جائے۔

(ص 587)

سوال: ایک عیدگاہ ایک بستی نما شہر میں بنی ہوئی ہے، حال میں کچھ اشخاص نے عیدگاہ جن سے بہت نزدیک تھی، نفسانیت دنیوی کی وجہ سے عیدگاہ میں نماز عید پڑھنا ترک کردیا، اس سال ان کا ارادہ اسی میدان میں دوسری عیدگاہ کی تعمیر کا ہے، تو آیا ان چند اشخاص کو صورتِ مذکورہ بالا میں اپنی جدید گاہ کا ایسے مختصر شہر میں تعمیر کرنا ازرُوئے شرع شریف درست ہے یا نادرست؟

جواب: نماز عید ایک شہر میں متعدد جگہ اگرچہ بالاتفاق روا ہے مگر ایک شہر کے لئے دو عیدگاہ بیرون شہر مقرر کرنا زمانِ برکت نشان حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اب تک معہود نہیں، نہ زنہار اس میں شرع مطہر و دین منور کی کوئی مصلحت خصوصاً ایسی چھوٹی بستی میں تو اگر اس میں اس کے سوا کوئی حرج نہ ہوتا تو اسی قدر اس فعل کی کراہت کو بس تھا کہ محض بے ضرورت شرعی و مصلحتِ دینی خلاف متوارث مسلمین ہے اور ایسا فعل ہمیشہ مکروہ ہوتا ہے۔

جب یہ تعمیر مصلحت دینی سے خالی ہوئی اور اس میں کوئی مصلحت دنیوی نہ ہونا بدیہی، تو محض عبث ہوئی اور ایسا ہر عبث ناجائز وممنوع ہے۔

یہ عمارت بے حاجت کی تعمیر ہوئی اور ہر عمارت بے حاجت اپنے بنانے والے پر روز قیامت وبال ہے۔

جنگل میں بے حاجت شرعی ایک عمارت بنا کر کھڑی کردینا اسراف ہوا اور اسراف حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ولا تسرفوا ان اللہ لایحب المسرفین﴾ ترجمہ: اور اسراف نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

صورت مستفسرہ میں یہ سب شناعتیں خود اس فعل بے معنی میں موجود تھیں اگرچہ اس کی تعمیر براہِ نفسانیت نہ ہوا اور جبکہ یہ بناء براہِ نفسانیت ہے جیسا کہ بیانِ سوال سے ظاہر، تو اس کا مذموم ومردود ہونا خود واضح وروشن ہے۔

(ص 590)

<u>سرکار صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر کیلئے جانے سے پہلے کچھ نہ کچھ تناول فرماتے جبکہ عیدالاضحیٰ میں کچھ بھی تناول نہ فرماتے</u>

سوال: کیا اس طرح کی حدیث ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ "عید قرباں میں مستحب ہے کہ جب تک

نماز نہ پڑھی جائے کھانا نہ کھائے'' جو اس حکم پر عمل نہ کرے اس کے لئے کیا حکم ہے؟ اور اس کی نماز عید میں خلل آئے گا یا نہیں؟

جواب: اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی حدیث قولی جس طرح سائل نے ذکر کی وارد نہیں، ہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فعل ثابت ہوا ہے کہ عید قرباں میں نماز سے پہلے کچھ نہ کھاتے بعد نماز گوشتِ قربانی سے تناول فرماتے۔ جامع ترمذی میں ہے ((ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان لا یخرج یوم الفطر حتی یأکل وکان لا یأکل یوما النحر حتی یصلی)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید الفطر کو کوئی چیز کھائے بغیر تشریف نہ لاتے اور یوم النحر کو نماز ادا کر کے تناول فرماتے۔ (جامع الترمذی، ج1، ص71، ایچ ایم سعید کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی)

طبرانی اوسط میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے ((من السنۃ ان لایخرج یوم الفطر حتی یطعم ولایأکل یوم النحر حتی یرجع)) ترجمہ: سنت یہ ہے کہ یوم الفطر کو کھانے کے بغیر نہ نکلا جائے اور یوم النحر کو نماز سے واپسی پر کھایا جائے۔ (مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی والاوسط، ج2، ص199، دار الکتاب، بیروت)

بہر حال یہ امر استحبابی ہے یعنی کرے ثواب، نہ کرے تو حرج نہیں، ایسے امر کے ترک کو حکم عدولی نہیں کہہ سکتے اور نماز میں نقص کا تو کوئی احتمال ہی نہیں۔ (ص592)

سوال: زید علمائے حاضرہ کی تحقیق وثبوت شہادت صحیح جان کر منگل کو دس ذی الحجہ یقینی جان کر عید الاضحیٰ کی امامت کراتا ہے لیکن شب سہ شنبہ کو ایک بڑے متدین مستند عالم تشریف لائے اور انہوں نے ثبوتِ رؤیت صحیح نہ جان کر منگل کو عید نہیں کی، اس عالم نے لوگوں سے کافی کوشش کرائی گئی کہ کسی صورت سے مجھ کو ثبوت رؤیت معلوم ہو جائے تو میں بھی عید کروں مگر کسی سے پتا نہیں چلا جن کے پاس ثبوت گزرا وہ اس قدر فرما کر بس ہو گئے کہ مجھے سچا جانتے ہیں تو عید کریں ورنہ نہ کریں، اس وجہ سے ایک عالم صاحب نے عید نہیں کی، زید امامت وخطبہ سے فارغ ہو کر یوں کہتا ہے کہ دینی بھائیو! آج عید ہے، اور نماز بھی پڑھے مگر قربانی جو کہ دس گیارہ بارہ کو جائز ہے بجائے منگل کے احتیاطاً بدھ کو کرو۔

اس آخری فقرہ پر لوگوں نے سوال کیا کہ احتیاط کا کیا مطلب ہے؟ تو زید نے جواب دیا کہ اگر آج قربانی کرو تو جن علماء نے عید نہیں کی وہ فرمائیں گے کہ قربانی نہیں ہوئی اور اگر بدھ کو کرو گے تو سب بالاتفاق فرمائیں گے کہ صحیح ہے اور اختلاف سے بچنا اولیٰ۔

زید کا اس طرح اعلان کرنا جرم ہے یا نہیں؟ اگر جرم نہیں تو اسے اس بات پر ذلیل کرنا کیسا ہے؟

جواب: زید اس فقرہ کے سبب مجرمِ شرعی نہیں کہ احتیاط کرنے اور اختلاف معتبر شرعی سے بچنے کا حکم شرع مطہر میں ہے اتنی بات پر جو اسے ذلیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اچھا کام نہیں کرتے بلکہ گناہ کے ساعی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((کل المسلم علی المسلم حرام مالہ وعرضہ ودمہ حسب امرء من الشرع ان یحقر اخاہ المسلم

)) مسلمان کا سب کچھ دوسرے مسلمان پر حرام ہے اُسکا مال، اُس کی آبرو، اس کا خون، آدمی کے بد ہونے کو یہ بہت ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔ (سنن ابن ماجہ، ص290، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

البتہ وہ نماز کہ پڑھی اس میں بہت شقوق ہیں جن میں سے ملخص یہ کہ اگر وہ جن کو علمائے حاضرہ کہا رسمی علماء ہیں نہ کہ فقیہ ماہر جن کے فتوے پر اعتماد جائز ہو، ان کی تحقیق پر وثوق جائز نہ تھا اور اگر اس وقت تک ان کی بات زید کے حق میں لائق وثوق تھی اور جب دوسرے عالم جن کو بڑے متدین مستند عالم کہا ہے انھوں نے وہ ثبوت صحیح نہ جانا تو زید کو اگلوں کے بیان پر وثوق نہ رہا، اور سہ شنبہ (منگل) کو دسویں ہونا بے ثبوت ہوگیا، پھر نماز پڑھی تو نماز ہی نہ ہوئی کہ نماز کے لئے جس طرح وقت شرط ہے یونہی اعتقاد مصلی (نمازی) میں وقت آ جانا شرط ہے مثلاً اگر صبح کی نماز پڑھی اور اسے طلوعِ صبح میں شبہ تھا، نماز نہ ہوئی اگر چہ واقع میں صبح ہوگئی ہو۔

اور اگر وہ قابل وثوق تھے اور اسے وثوق ہی رہا تو قربانی میں احتیاط کی کیا حاجت تھی، اور تھی تو کیا نماز میں احتیاط درکار نہ تھی، عیدالاضحیٰ کی نماز بھی بارھویں تک ہوسکتی ہے اگر چہ بلا عذر تاخیر مکروہ ہے۔ (ص594)

سوال: عمرو جو کہ امام ہے نے نماز عیدالاضحیٰ کثیر مقتدیوں کے ساتھ ادا کی، بکر نے دوسرے روز نماز عیدالاضحیٰ مع قلیل مقتدیوں کے شہر کی ایک مسجد میں پڑھی، عمرو نے بکر کی اقتداء میں تکرار نماز کی، پس ایسی صورت میں عمرو کی کون سی نماز واجب اور کون سی نفل ہوگی؟

جواب: پہلے دن اگر عمرو کو روز عید ہونے میں شک تھا یا بلا ثبوت شرعی عید مان کر نماز عید پڑھی تھی تو وہ نماز ہی نہ ہوئی یہ دوسری ہی واجب واقع ہوئی اور اگر بہ ثبوت شرعی بلا تردد پہلے دن پڑھی تو وہی واجب تھی دوسری بلا وجہ رہی۔ (ص595)

سوال: اگر کوئی شخص نماز عیدالاضحیٰ کی نیت میں عیدالضحیٰ کہے تو نماز اس کی صحیح ہوگی یا نہیں؟

جواب: اگر چہ یہ لفظ غلط ہے صحیح صلوٰۃ عیدالاضحیٰ ہے مگر نہ نیت زبانی کی نماز میں حاجت ہے نہ وہ نماز کے اندر ہے نہ اس میں فساد معنی ہے، تو اس غلطی کا صحتِ نماز پر اصلاً اثر نہیں ہوسکتا، دل میں عیدالاضحیٰ ہی کا قصد ہے اگر چہ نام میں غلطی کی۔ بلکہ دل میں نماز عیدالاضحیٰ کا ارادہ کرتا اور زبان سے عیدالفطر بلکہ مثلاً نماز تراویح کا نام نکلتا جسے اس نماز سے کوئی مناسبت ہی نہیں، جب بھی صحت نماز میں شبہ نہ تھا کہ نیت فعل قلب ہے۔ جب قلب کا ارادہ ہے زبان کا کچھ اعتبار نہیں۔ (ص596)

عیدگاہ میں خرید و فروخت کا حکم

سوال: عیدگاہ مثل مساجد قابلِ احترام ہے یا نہیں؟ اس کا حکم حکمِ مسجد ہے یا نہیں؟ اس احاطہ کے اندر کفار جوتے پہنے ہوئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس چار دیواری کے اندر خرید و فروخت ہوسکتی ہے؟ خطبہ کے وقت دکانداروں یا خوانچہ والوں کا گشت اس میں جائز ہوسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: عیدگاہ ایک زمین ہے کہ مسلمانوں نے نمازِ عید کے لئے خاص کی، امام تاج الشریعۃ نے فرمایا صحیح یہ ہے کہ وہ مسجد ہے اس پر تمام احکامِ مسجد ہیں، نہایہ میں اگرچہ مختار للفتوٰی یہ رکھا کہ وہ عین مسجد نہیں۔
مگر اس کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ اس کی تعظیف وتطہیر ضروری نہیں، غیر وقت نماز وخطبہ میں اس میں خرید وفروخت قولِ اول پر مطلقاً حرام ہے اور خرید فروخت کے لئے اس متعین کرنا بالاتفاق حرام ہے۔
اور یوں کہ اتفاقاً غیر وقت نماز خطبہ میں ایک کے پاس کوئی شے ہو وہ دوسرے کے ہاتھ بیع کرے، قول دوم پر اس میں حرج نہیں، وقت نماز یا خطبہ میں خوانچہ والوں کا گشت بلاشبہ ممنوع وواجب الانسداد ہے کہ مخل استماع وناقص ہے اور ان کے غیر اوقات میں وہی اختلاف قولین، یونہی کفار کی آمدورفت خصوصاً جوتا پہنے کہ یہ نجاست سے خالی نہیں ہوتے نہ وہ جنابت سے۔ (ص596)

سوال: نمازِ عید کو امام نے اس طور ادا کیا کہ پہلی رکعت میں بعدِ ثناء کے قرأت سے پہلے چار تکبیریں کہیں، دوسری رکعت میں بھی قبل از قرأت کے چار تکبیریں کہیں۔ اسی طرح اگر پہلی رکعت میں بعدِ ثناء کے تین تکبیریں کہیں اور دوسری رکعت میں بھی ثناء کے بعد تین تکبیریں کہیں اور قرأت ادا کر کے نماز تمام کی، تو اس صورت سے نماز عید ہوگئی یا نہیں؟

جواب: پہلی صورت میں دو باتیں خلافِ اولیٰ کیں چار چار تکبیریں کہنی اور دوسری رکعت قبل قرأت تکبیر ہونی، اور دوسری صورت میں یہی بات خلاف اولیٰ ہوئی، مگر دونوں صورتوں میں نہ نماز میں نقصان آیا نہ کسی امر ناجائز وگناہ کا ارتکاب ہوا، ہاں بہتر نہ کیا۔ (ص598)

سوال: زید عید الاضحیٰ میں بعد اختتامِ نماز منبر پر گیا اور خطبہ شروع کیا، اثنائے خطبہ اولیٰ میں مقتدیوں سے کہا کہ آپ لوگ ذرا زور سے سبحان اللّٰہ پڑھیں، سب چپ رہے، پھر دوبارہ سہ بارہ کہہ کر لوگوں کو مجبور کیا کہ کیوں نہیں پڑھتے، تم لوگوں کا منہ کیوں بند ہو گیا، تب لوگوں نے بآواز بلند سبحان اللّٰہ پڑھنا شروع کیا پھر لبیّك و اللّٰہ اکبر کہلوایا پھر لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ پڑھوایا پھر نعتیہ خطبہ پڑھ کر منبر پر بیٹھا اور اٹھ کر خطبہ شروع کیا، ابھی خطبہ ثانیہ تمام ہونے نہ پایا تھا کہ لوگوں کو کھڑے ہو کر یا نبی سلام علیك یا رسول سلام علیك پڑھنے کو کہا، چنانچہ لوگوں نے اٹھ کر زور زور سے یا نبی سلام علیك پڑھا۔ اس کا یہ فعل کیسا ہے؟

جواب: حالت خطبہ میں کلام اگرچہ ذکر ہو مطلقاً حرام ہے۔ امام نے جو کچھ کیا سب بدعت شنیعہ سیئہ ہے، اُن جاہلوں کا وبال بھی اس پر بغیر اس کے کہ ان کے وبال میں کمی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((من دعا الی ھدی کان له من الاجر مثل اجور من تبعه لا ینقص ذلك من اجورھم شیئا ومن دعا الی ضلالة کان علیه من الاثم مثل اٰثام من تبعه لاینقص ذلك من اٰثامھم شیئا)) جس نے کسی اچھی بات کی طرف بلایا اس کو اتباع کرنے کے اجر کی مثل اجر ملے گا اور ان کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی اور جس نے برائی کی طرف بلایا اس پر گناہ ہوگا اتباع کرنے والوں کی مثل، اور

ان کے گناہ میں بھی کمی نہ ہوگی۔ (صحیح مسلم، ج2، ص341، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

گلے ملنے کی شرائط

سوال: زید کہتا ہے کہ معانقہ (گلے ملنا) صرف اسی صورت میں جائز ہے جب کوئی مسافر سفر سے واپس آئے، اس کے علاوہ ناجائز ہے، شرعاً اس کا یہ کہنا کیسا ہے؟

جواب: کپڑوں کے اوپر سے معانقہ بطور برّ وکرامت واظہار محبت، بےفسادِ نیت وموادِ شہوت، بالا جماع جائز جس کے جواز پر احادیثِ کثیرہ وروایات شہیرہ ناطق (ہیں)۔ اور تخصیص سفر کا دعوٰی محض بے دلیل، احادیثِ نبویہ وتصریحاتِ فقہیہ اس بارے میں بروجہ اطلاق وارد، اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ مطلق کو اپنے اطلاق پر رکھنا واجب اور بے مدرک شرعی تقیید وتخصیص مردود وباطل، ورنہ نصوصِ شرعیہ سے امان اُٹھ جائے۔

(یعنی جوازِ معانقہ کی مندرجہ ذیل شرطیں ہیں: (1) معانقہ کپڑوں کے اوپر سے ہو۔ (2) نیکی، اعزاز اور اظہار محبت کے طور پر ہو۔ (3) خرابی نیت اور شہوت کا کوئی دخل نہ ہو۔ مذکورہ شرطوں کے ساتھ معانقہ سفر، غیر سفر ہر حال میں جائز ہے۔ اس پر دلیل وہ روایات واحادیث ہیں جن میں قیدِ سفر کے بغیر معانقہ کا ثبوت ہے، تمام احادیث وروایات میں مطلق طور پر جوازِ معانقہ کا ثبوت ہے، یہ کسی حدیث میں نہیں کہ بس سفر سے آنے کے بعد معانقہ جائز ہے، باقی حالات میں ناجائز ہے (بلکہ بعض احادیث سے صراحۃً آمدِ سفر کے علاوہ حالات میں بھی معانقہ کا ثبوت فراہم ہوتا ہے جن کو امام اہلسنت علیہ الرحمہ ذکر فرمائیں گے۔) شریعت کا قاعدہ ہے کہ جو حکم، مطلق اور کسی قید کے بغیر ہو، اسے مطلق ہی رکھنا واجب وضروری ہے، معانقہ کے بارے میں جب یہ حکم مطلق اور قید سفر کے بغیر ہے، تو اسے مطلق رکھتے ہوئے سفر، غیر سفر ہر حال میں معانقہ جائز ہوگا۔ لہذا جواز معانقہ کے بارے میں بے دلیل شرعی آمدِ سفر کی قید لگانا محض باطل اور نامقبول ہے۔) (ص603)

معانقہ کے بارے میں احادیث

سوال: معانقہ کے بارے میں کچھ احادیث بیان فرما دیجئے۔

جواب: (امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے اس مقام پر تقریباً سترہ (17) احادیث بیان فرمائی ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں) حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں ((مالقیتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قط الاصافحنی وبعث الی ذات یوم ولم اکن فی اھلی فلما جئت اخبرت انہ ارسل الی فاتیتہ وھو علی سریرہ فالتزمنی فکانت اجوداجود)) میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا تو حضور ہمیشہ مصافحہ فرماتے، ایک دن میرے بلانے کو آدمی بھیجا میں گھر میں نہ تھا، آیا تو خبر پائی، حاضر ہوا، حضور تخت پر جلوہ فرما تھے، گلے سے لگا لیا، تو اور یہ اور زیادہ جید اور نفیس تر تھا۔ (ابوداؤد، ج2، ص252، مجتبائی، لاہور)

ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ((رأیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم التزم علیاً وقبلہ ویقول بابی

الوحید الشھید)) میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا، حضور نے مولیٰ علی کو گلے لگالیا، اور پیار کیا اور فرماتے تھے میرا باپ نثار اس وحید شہید پر۔ 12
(مسند ابویعلیٰ، ج4، ص318، موسسۃ علوم القرآن، بیروت)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ((دخل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واصحابہ غدیراً فقال لیسبح کل رجل الیٰ صاحبہ فسبح کل رجل منھم الیٰ صاحبہ حتی بقی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابوبکر فسبح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الی ابی بکر حتی اعتنقہ فقال کنت متخذا خلیلاً لاتخذت ابابکر خلیلاً و لکنہ صاحبی)) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضور کے صحابہ ایک تالاب میں تشریف لے گئے، حضور نے ارشاد فرمایا: ہر شخص اپنے یار کی طرف پیرے، سب نے ایسا ہی کیا، یہاں تک کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق باقی رہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صدیق کی طرف پیر کے تشریف لے گئے اور انہیں گلے سے لگا کو فرمایا: میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن وہ میرا یار ہے۔
(طبرانی کبیر، ج11، ص261،339، المکتبۃ الفیصلیہ، بیروت)

حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ((سألت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن المعانقۃ فقال تحیۃ الامم و صالح وُدّھم وانّ اول من عانق خلیل اللہ ابراھیم)) میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معانقہ کو پوچھا، فرمایا: تحیت ہے امتوں کی، اور ان کی اچھی دوستی، اور بیشک پہلے معانقہ کرنے والے ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔
(ابن ابی الدنیا، دیلمی مسند الفردوس، ج3، ص155، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

بالجملہ احادیث اس بارے میں بکثرت وارد اور تخصیص سفر محض بے اصل وفاسد۔ بلکہ سفر و بے سفر ہر صورت میں معانقہ سنت، اور سنت جب ادا کی جائے گی سنت ہی ہوگی تاوقتیکہ خاص کسی خصوصیت پر شرع سے تصریحاً نہی ثابت نہ ہو۔ (ص608)

ممانعت وجواز معانقہ کی احادیث میں تطبیق

سوال: زید کہتا ہے کہ بعض احادیث میں معانقہ کی ممانعت کا حکم ہے۔

جواب: رہیں احادیث نہی، ان میں زید کے لئے حجت نہیں کہ ان سے اگر ثابت ہے تو نہی مطلق۔ پھر اطلاق پر رکھے تو حالتِ سفر بھی گئی، حالانکہ اس میں زید بھی ہم سے موافق۔ اور توفیق (تطبیق) پر چلئے تو علماء کرام فرماتے ہیں وہاں معانقہ بروجہ شہوت مراد۔ اور پُرظاہر کہ ایسی صورت میں تو بحالتِ سفر بھی بلکہ مصافحہ بھی ممنوع۔ (پھر امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے اس تطبیق پر متعدد کتب کے حوالہ جات بیان فرمائے ہیں، فرماتے ہیں) عنایہ میں ہے "وَفّق الشیخ ابو منصور (یعنی الماتریدی امام اھل السنۃ و سید الحنفیۃ) بین الاحادیث فقال المکروہ من المعانقہ ماکان علی وجہ الشھوۃ وعبر عنہ المصنف (یعنی الامام برھان الدین الفرغانی) بقولہ ازار واحدٍ فانہ سبب یفضی الیھا فاماعلی وجہ البروالکرامۃ اذاکان علیہ قمیص او جبۃ فلا بأس

بـــہ ''ترجمہ: شیخ ابو منصور (ماتریدی، اہل سنت کے امام اور حنفیہ کے سردار) نے (معانقہ کے جواز و منع دونوں طرح کی) حدیثوں میں تطبیق دی ہے، انہوں نے فرمایا مکروہ وہ معانقہ ہے جو بطور شہوت ہو۔ اور مصنف (یعنی امام برہان الدین فرغانی صاحب ہدایہ) نے اسی کو ایک تمہید میں معانقہ کرنے سے تعبیر کیا ہے، اس لئے کہ یہ سبب شہوت ہوسکتا ہے، لیکن نیکی اور اعزاز کے طور پر کرتا یا جُبّہ پہنے ہوئے معانقہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (العنایہ مع فتح القدیر شرح ہدایہ، ج8، ص458، نوریہ رضویہ سکھر)

اور کیونکر روا ہوگا کہ بے حالتِ سفر معانقہ کو مطلقاً ممنوع ٹھہرائے حالانکہ احادیث کثیرہ میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بارہا بے صورت مذکورہ بھی معانقہ فرمایا۔ (ص606)

سوال: فقہ حنفیہ کی کتب میں معانقہ کے بارے میں کیا ہے؟

جواب: (امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے کتب فقہ کی متعدد عبارات بیان فرمائی ہیں، جن میں چند درج ذیل ہیں) خانیہ میں ہے ''ان کانت المعانقة من فوقِ قمیصٍ او جُبّةٍ جاز عند الکل ''ترجمہ: اگر معانقہ کرتے یا جبّے کے اوپر سے ہو تو سب کے نزدیک جائز ہے۔ (فتاوٰی خانیہ، ج4، ص783، نولکشور، لکھنؤ)

مجمع الانہر میں ہے ''اذا کان علیھما قمیص او جبة جاز بالاجماع'' ترجمہ: اگر معانقہ کرنے والے دونوں مردوں پر کرتا یا جبّہ ہو تو یہ معانقہ بالاجماع جائز ہے۔ (مجمع الانہر، ج2، ص541، مطبوعہ بیروت)

درمختار میں ہے ''لو کان علیه قمیص او جبة جاز بلاکراھة بالاجماع وصححه فی الھدایه وعلیه المتون ''ترجمہ: اگر اس کے جسم پر کرتا یا جبہ ہو تو بلا کراہت بالاجماع جائز ہے، ہدایہ میں اسی کو صحیح قرار دیا، متون فقہ میں یہی ہے۔ (درمختار، ج2، ص244، مجتبائی، دہلی)

ہر نماز کے بعد مصافحہ کرنا سنت ہے

سوال: نماز کے بعد مصافحہ کرنا کیسا ہے؟ بعض لوگ اس کو ناجائز اور بدعت کہتے ہیں۔

جواب: علمائے حنفیہ کی تصریحات جلیلہ بھی دیکھی ہوتیں کہ صاف صاف مصافحۂ مذکورہ اور اسی طرح مصافحۂ عید کو بھی جائز بلکہ مستحسن بلکہ سنت بتاتے ہیں۔ (پھر امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے متعدد کتب حنفیہ سے عبارات بیان فرمائیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں)

فتح اللہ المعین علی شرح العلامۃ الملا مسکین میں ہے ''من المستحب اظھار الفرح والبشاشة (الی قوله) والتھنئة بتقبل اللہ منا ومنکم وکذا المصافحة بل ھی سنة عقب الصلوٰة کلھا وعند کل لقی ۔ شرنبلالیة'' ترجمہ: عید کے دن مسرت وخندہ روئی ظاہر کرنا اور تقبل اللہ منا ومنکم (اللہ ہم سے اور تم سے قبول فرمائے) کے ذریعہ مبارک باد دینا مستحب ہے، اسی طرح مصافحہ بھی، بلکہ یہ تو تمام نمازوں کے بعد اور ہر ملاقات کے وقت سنت ہے، شرنبلالیہ۔ (فتح المعین علی شرح العلامہ الملا مسکین، ج1، ص325، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ نورالایضاح میں فرماتے ہیں" کذا تطلب المصافحة فهي سنة عقب الصلوات کلها "

ترجمہ: اسی طرح مصافحہ بھی مطلوب ہے بلکہ یہ تو تمام نمازوں کے بعد سنت ہے۔ (حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح ،ص288،نور محمد، کراچی)

حاشیہ درمختار میں ہے" تستحب المصافحة بل هي سنة عقب الصلوات کلها وعند کل لقی، ابوالسعود عن الشرنبلالیہ" ترجمہ: مستحب ہے مصافحہ، بلکہ یہ تو نمازوں کے بعد اور ہر ملاقات کے وقت سنت ہے۔ ابوالسعود عن الشرنبلالیہ۔ (حاشیہ طحطاوی علی الدرالمختار، ج1 ،ص353، دارالمعرفۃ، بیروت)(ص627)

بدمذہبوں کا طریقہ اسی وقت تک ممنوع رہتا ہے جب تک ان میں مروج ہو

سوال: زید کہتا ہے کہ بعض کتب میں نماز کے مصافحہ کرنے کو روافض کا طریقہ لکھا ہے، لہٰذا اس سے بچنا چاہئے۔

جواب: کسی طائفہ باطلہ کی سنت جبھی تک لائقِ احتراز رہتی ہے کہ وہ ان کی سنت رہے، اور جب ان میں سے رواج اُٹھ گیا تو ان کی سنت ہونا ہی جاتا رہا، احتراز کیوں مطلوب ہوگا، مصافحہ بعد نماز اگر سنتِ روافض تھا تو اب ان میں رواج نہیں، نہ وہ جماعت سے نماز پڑھتے ہیں نہ بعد نماز مصافحہ کرتے ہیں، بلکہ شاید اول لقاء پر بھی مصافحہ ان کے یہاں نہ ہو کہ اِن اعدائے سُنن کو سنن سے کچھ کام ہی نہ رہا، تو ایسی حالت میں وہ علت سرے سے مُرتفع ہے۔ درمختار میں ہے:" یجعله لبطن کفه فی یده الیسری، وقیل الیمنی الاانه من شعارالروافض فیجب التحرز عنه، قهستانی وغیره، قلت ولعله کان وبان فتبصر" ترجمہ: مردانگوٹھی بائیں ہاتھ میں ہتھیلی کی طرف کرے، اور کہا گیا دائیں ہاتھ میں پہنے، مگر یہ رافضیوں کا شعار ہے، تو اس سے بچنا ضروری ہے، (قہستانی وغیرہ) میں نے کہا یہ کسی زمانے میں رہا ہوگا پھر ختم ہوگیا، تو اس پر غور کرلو۔ (درمختار، ج6، ص361، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

ردالمحتار میں ہے" ای کان ذلك من شعارهم فی الزمن السابق ثم انفصل وانقطع فی هذه الازمان فلا ینهی عنه کیفما کان " ترجمہ: یعنی وہ گزشتہ زمانے میں ان کا شعار تھا پھر ان زمانوں میں نہ رہا اور ختم ہوگیا تو اب اس سے ممانعت نہ ہوگی، جیسے بھی ہو۔ (ردالمحتار، ج6، ص361، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)(ص634)

نماز استسقاء کا بیان

سوال: استسقاء (بارش کی طلب) کے لئے نماز ہے یا صرف دُعا، اور استسقاء کیسے وقت میں ہونا چاہئے؟

جواب: نمازِ استسقاء صاحبین کے نزدیک سنت ہے اور اسی پر عمل ہے اور اُس وقت ہونا چاہیے جبکہ حاجت شدید ہو اور امید منقطع ہو چکی ہو اور لوگ اس کے آداب کے طور پر اسے بجالائیں خشیت وخشوع اس کی اصل ہے اور وہ آج کل اکثر قلوب سے مرتفع الا ماشاء اللہ۔

اس ملک میں ہمسایہ کفار ہیں ہماری بے طوریوں کے باعث کہ نہ دعا کے طور پر کرتے ہیں نہ نماز کے طور پر نماز پڑھتے، اگر اجابت نہ فرمائی جائے تو کفار کے مضحکہ کا اندیشہ ہے اس لئے یہاں کی حالت کے مناسب تر اس عمل پر اقتصار رہے جو قرآن عظیم میں نزول بارانِ رحمت کے لئے ارشاد ہوا یعنی کثرت استغفار وتوجہ عزیز غفار ﴿فقلت استغفروا ربکم انه کان غفارا یرسل السماء علیکم

مدرارا﴾ ترجمہ: تو میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو وہ بڑا معاف کرنے والا ہے تم پر شرالٹے کا مینہ بھیجے گا۔ (ص640)

تلخیص فتاوی رضویہ

(جلد9)

مؤلف

استاذ الفقہ والحدیث حضرت علامہ مفتی محمد ہاشم خان العطاری المدنی مدظلہ العالی

باب الجنائز

قریب الموت شخص کے لئے چند ضروری وصیتیں

سوال: جس وقت آدمی ایسا بیمار ہو جائے کہ زندگی کی امید نہ رہے اسے شرعاً کیا کرنا چاہئے؟

جواب: آدمی ہر وقت موت کے قبضہ میں ہے، مدقوق (شدید بخار والا) اچھا ہو جاتا ہے اور وہ جو اس کے تیمار میں دوڑتا ہے اس سے پہلے چل دیتا ہے، ہر وقت وصیت تیار رہنی چاہئے، جس میں اپنے پسماندوں (پیچھے رہنے والے رشتہ داروں) کو توحید الٰہی عزوجل رسالت پناہی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واستقامت عقائد اہلسنت واتباع شریعت واصلاح ذات بین وحدت وقرب اولیاء ودوری وتنفر از کفار وضلال وفسق کی ہدایت ہو (یعنی اپنے پسماندگان کو اس بات کی بھی ہدایت ہو کہ وہ اولیاء کی محبت اور کفار، بدعقیدہ وفساق سے دوری اختیار کریں) اور بعد کو کچھ ترکہ چھوڑے تو اس کا شرعی کافی انتظام جس میں نزاع نہ رہے اور اپنی تجہیز وتکفین میں اتباع سنت کی ہدایت، اوران پر لازم ہے کہ اس پر عمل کریں۔ اور سب سے پہلے خود اپنی اصلاح، گناہوں سے توبہ، اللہ تعالیٰ ورسول کی طرف رجوع، موت کا خوشی کے ساتھ انتظار کرنا کہ آتے وقت ناگواری نہ ہو، اس وقت کی ناگواری معاذ اللہ بہت سخت ہے، عیاذاً باللہ اس میں سوءِ خاتمہ کا خوف ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاء ہ ومن کرہ لقاء اللہ کرہ اللہ لقاء ہ)) جو اللہ سے ملنا پسند کرے گا اللہ اس کا ملنا پسند فرمائے گا اور جو اللہ سے ملنے کو مکروہ رکھے گا اللہ اس کا ملنا مکروہ رکھے گا۔ صحابہ کرام نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم میں کون ایسا ہے کہ موت کو مکروہ نہ رکھے۔ فرمایا: یہ مراد نہیں بلکہ جس وقت دم سینہ پر آئے اس وقت کا اعتبار ہے اس وقت جو اللہ سے ملنے کو پسند رکھے گا اللہ تعالیٰ اس سے ملنے کو دوست رکھے گا۔ اور (جو اللہ عزوجل سے ملنے کو) ناپسند (رکھے) تو (وہ بھی) ناپسند (رکھے گا)۔ (صحیح بخاری، ج2، ص963، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اپنے ذمہ نماز یا روزہ یا زکوٰۃ جو کچھ باقی ہو فوراً بقدر قدرت اس کی ادا میں مشغول ہو حج نہ کیا ہو اور فرض تھا تو دیر نہ لگائے۔ بوجہ مرض طاقت نہ رہی تو حج بدل کرا دے اگر آخیر دم تک طاقت نہ پائے گا ادا ہو جائے گا ورنہ جب قوت پائے خود ادا کرے، حقوق العباد جس قدر ہوں جو ادا کرنے کے ہیں ادا کرے، جو معافی چاہنے کے ہیں معافی چاہے اور اس میں اصلاً تاخیر کو کام نہ لائے کہ یہ شہادت سے بھی معاف نہیں ہوتے، معافی چاہنے میں کتنی ہی تواضع کرنی پڑے اس میں اپنی کسر شان نہ سمجھے اس میں ذلت نہیں، ذلت اس میں ہے کہ جس روز بارگاہِ عزت میں حاضر ہو کہ اس کا حق دبایا ہے، اس سے برا کہا ہے، اس کی غیبت کی ہے، اسے مارا ہے، اور وہ حقدار اس سے لپٹیں، اس کی نیکیاں ان کو دی جائیں، ان کے گناہ اس پر رکھے جائیں، اور جہنم میں پھینک دیا جائے والعیاذ باللہ تعالیٰ، جب تک زیست ہے آیات واحادیث خوف کے ترجمے اکثر سنا اور دیکھا کرے، اور جب وقت برابر آجائے، اسے آیات واحادیث رحمت مع ترجمے کے

سنائیں کہ جانے کہ کس کے پاس جارہا ہوں تاکہ اپنے رب کے ساتھ نیک گمان کرتا اٹھے۔رزقنااللہ تعالی بجاہ حبیبہ الاکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (اللہ تعالی اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے طفیل ہمیں نصیب کرے)۔ (ص81)

جنازہ کو کندھا دینے کا طریقہ

سوال: جنازہ کو کیسے لے کر چلیں؟

جواب: جنازہ کو یوں لے چلیں کہ سرہانا آگے کی جانب ہو اور پہلے سرہانے کا دہنا پایہ اپنے دہنے شانے پر لے پھر پائنتی (پاؤں کی جانب) کا دہنا پھر سرہانے کا بایاں پھر پائنتی کا بایاں اور ہر بار کم از کم دس دس قدم چلے، یہ ایک دورہوا۔ حسب طاقت وحالت جتنے دورے ممکن ہو کرے۔ (ص82)

جنازہ کے ساتھ چالیس قدم چلنے پر چالیس گناہ کبیرہ معاف ہونے کی بشارت ہے

سوال: ایک دور (چالیس قدم چلنے) پر کتنا ثواب ہے؟

جواب: اس پر چالیس گناہِ کبیرہ معاف ہونے کی بشارت ہے۔ (ص82)

مرتے وقت پورا کلمہ طیبہ پڑھنا چاہئے

سوال: مرتے وقت صرف لاالہ الااللہ کہنا چاہئے یا شہادتین (لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ)؟

جواب: اللہ عزوجل خیر کے ساتھ شہادتین پر موت نصیب کرے، وقتِ مرگ بھی پورا کلمہ طیبہ پڑھنا چاہئے۔ (ص83)

سوال: جو یہ کہے کہ ''موت کے وقت صرف لاالــہ الاالــلــہ پڑھنا چاہیے محمد رسول اللہ نہیں کہنا چاہیے کیونکہ حدیث پاک میں ہے جس کا پچھلا کلام لاالہ الااللہ ہو وہ جنت میں گیا'' اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: جو اسے منع کرتا ہے مسلمان اس کے اغواوضلال (بہکانے اور گمراہ کرنے) پر کان نہ رکھیں کہ وہ شیطان کی اعانت (مدد کرنا) چاہتا ہے۔ مجمع بحارالانوار میں ہے المـراد بلاالہ الااللہ الشھادتان یعنی لاالــہ الااللہ سے شہادتین (پورا کلمہ طیبہ) مراد ہے۔ (مجمع بحارالانحار، ج3، ص262، نولکشور، لکھنؤ)(ص83)

سوال: کیا میت کے پاس چارپائی پر بیٹھنا منع ہے؟

جواب: کوئی ممانعت نہیں۔ (ص83)

میت والے کے یہاں روٹی پکانا منع شرعاً منع نہیں ہے

سوال: کیا میت والے کے یہاں روٹی پکانا منع ہے؟

جواب: موت کی پریشانی کے سبب وہ لوگ پکاتے نہیں ہیں، پکانا کوئی شرعاً منع نہیں، یہ سنت ہے کہ پہلے دن صرف گھر

والوں کے لئے کھانا بھیجا جائے اور انھیں باصرار کھلایا جائے، نہ دوسرے دن بھیجیں، نہ گھر سے زیادہ آدمیوں کیلئے بھیجیں۔ (ص83)

سوال: میت کونہلانے کیلئے جو تختے پر لٹائیں تو شرقاً غرباً لٹائیں کہ پاؤں قبلہ کو ہوں، یا جنوباً شمالاً کہ دہنی کروٹ قبلہ کو ہو؟

جواب: سب طرح درست ہے، مذہب اصح میں اس باب میں کوئی تعین وقید نہیں، جو صورت میسر ہو اس پر عمل کریں۔ (ص91)

<u>میت کے بال کاٹنا ناجائز ہے</u>

سوال: میت کے بال کاٹنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ناجائز ہے۔ (ص91)

غسلِ میت

<u>شوہر کا اپنی بیوی کو مرنے کے بعد غسل دینا ناجائز ہے</u>

سوال: عورت مر جائے تو شوہر کو اسے غسل دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ناجائز ہے۔ (ص92)

<u>کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا</u>

سوال: منقول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا۔

جواب: وہ جو منقول ہوا کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالی عنہا کو غسل دیا:

اولاً اس کی ایسی صحت ولیاقتِ حجیت محلِ نظر ہے (یعنی اس حدیث میں وہ صلاحیت نہیں کہ اس سے دلیل پکڑی جا سکے)۔

ثانیاً دوسری روایت یوں ہے کہ اس جناب کو حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالی عنہا نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی دائی نے غسل دیا۔

ثالثاً بمعنی امر شائع (غسل دینے سے مراد غسل کا حکم دینا ہے)۔

رابعاً اضافت فعل بسوئے مسبب غیر مستنکر (فعل کو اسباب مہیا کرنے والے کی طرف منسوب کرنا ناپسندیدہ نہیں) اور حدیثِ علی ان وجوہ پر محمول کرنے سے تعارض مرتفع (ٹکراؤ ختم ہو جائے گا) یعنی ام ایمن نے اپنے ہاتھوں سے نہلایا اور سیدنا علی کرم اللہ تعالی وجہہ نے حکم دیا یا اسباب غسل کو مہیا فرمایا۔

خامساً مولیٰ علی کرم اللہ تعالی وجہہ کے لئے خصوصیت تھی اوروں کا قیاس ان پر روا نہیں، ہمارے علماء جو شوہر کو غسل زوجہ سے منع فرماتے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ بعدِ موت بسبب انعدام محل (محل کے فوت ہونے کی وجہ سے) ملکِ نکاح ختم ہو

جاتی ہے تو شوہر اجنبی ہوگیا، مگر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رشتہ ابدالآباد تک (ہمیشہ کیلئے) باقی ہے کبھی منقطع نہ ہوگا۔ (ص92)

شوہر اپنی بیوی کا ولی نہیں ہوتا

سوال: شوہر باپ کی طرح حالتِ زندگی میں اپنی بیوی کا ولی ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر ہوتا ہے تو بعدِ موت ولایت قائم رہتی یا نہیں؟ اور نکاح رہتا یا نہیں؟

جواب: شوہر ولی نہیں، نہ حیات میں نہ بعد موت۔ نہ موتِ زوجہ سے نکاح قائم رہے۔ (ص95)

شوہر اپنی بیوی کے مرنے کے بعد اسے بلا حائل چھو بھی نہیں سکتا

سوال: شوہر اپنی بیوی کو مرنے کے بعد غسل تو نہیں دے سکتا کیا چھو بھی نہیں سکتا؟

جواب: نہ اس کے بدن کو (بلا حائل) ہاتھ لگا سکتا ہے کہ موت سے عورت اصلاً محل نکاح نہ رہی۔ چھونے کا جواز صرف بربنائے نکاح تھا ورنہ زن وشوہر اصل میں اجنبی محض ہوتے ہیں، اب کہ نکاح زائل ہوگیا، چھونے کا جواز بھی جاتا رہا۔ (ص95)

عورت اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے، اس کی صورتیں

سوال: کن صورتوں میں عورت اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے؟

جواب: شوہر مر گیا اور عورت عدتِ وفات میں ہے، یا شوہر نے طلاق رجعی دی تھی اور ہنوز (ابھی تک) عدت باقی تھی کہ اس کا انتقال ہوا، ان صورتوں میں عورت اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے کہ ہنوز حکمِ زوجیت باقی ہے۔ (ص95)

عورت اپنے شوہر کو غسل نہیں دے سکتی ہے، اس کی صورتیں

سوال: عورت کن صورتوں میں اپنے شوہر کو غسل نہیں دے سکتی؟

جواب: مرد نے طلاق بائن دے دی تھی یا بعدِ وفاتِ شوہر عدت گزر گئی، مثلاً عورت حاملہ تھی شوہر کے انتقال ہوتے ہی بچہ پیدا ہوگیا کہ اب عدت نہ رہی اور زوجیت سے یکسر نکل گئی، اسی طرح عورت معاذ اللہ بعدِ وفاتِ شوہر مرتدہ ہوگئی، پھر اسلام لے آئی یا پسرِ شوہر (شوہر کے بیٹے) کو شہوت کے ساتھ چھو لیا کہ ان سب صورتوں میں نکاح زائل ہوگیا۔ (ص95)

مردہ کے غسل میں کلی اور ناک میں پانی چڑھانا نہیں اگرچہ جنابت کی حالت میں فوت ہو

سوال: مدرسہ دیوبند سے ایک رسالہ مشہور کیا گیا ہے جس میں یہ مسئلہ تحریر ہے کہ مرد حالتِ جنابت میں یا عورت حیض کی حالت میں مر جائے تو اس کے حلق میں کوئی کپڑا اتر کر کے تین مرتبہ حلق صاف کیا جائے اور ناک میں اس کی پانی ڈالا جائے، آیا یہ مسئلہ درست ہے یا نہیں؟

جواب: یہ مسئلہ غلط وخلافِ متون وشروح وفتاوٰی وعامہ کتبِ مذہب ہے، ناک میں پانی ڈالنا تو اس رسالہ والے کی

اپنی گھڑت ہے، اور تر کپڑے سے بھی صاف کرنا مذہب کے خلاف ہے۔ دیوبند کے رسالہ میں بہت کثرت سے مسائل غلط ہیں، اس پر عمل جائز نہیں بلکہ اسے دیکھنا، اسے گھر میں رکھنا مسلمانوں کو نہ چاہیے، بلکہ دیوبندیوں کی نسبت تمام علمائے کرام مکہ معظمہ و مدینہ منورہ فتوی تکفیر دے چکے ہیں اور یہ کہ من شك فى كفره وعذابه فقد كفر جوان کے عقائد پر مطلع ہو کر ان کے عذاب و کفر میں شک کرے خود کافر ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ (درمختار، ج1، ص355، مطبع مجتبائی، دہلی) (ص97)

سوال: کوئی سنی اگر ناپاکی کی حالت میں فوت ہو جائے اسے ایک غسل دیا جائے گا یا دو؟ اور ساری ناک میں پانی کیونکر ڈالا جائے گا؟

جواب: غسل ایک دیا جائے گا، اور میت کے ناک میں پانی نہیں ڈالتے۔ (ص97)

میت کو غسل دوبارہ دینے کی کسی حال میں حاجت نہیں

سوال: میت کو نہلانے کے بعد اس کے منہ یا پاخانہ کی جگہ سے پانی، دوا یا پاخانہ نکلے تو غسل دوبارہ دیا جائے گا یا جگہ پاک کی جائے گی؟

جواب: غسل دوبارہ دینے کی مطلقاً کسی حال میں حاجت نہیں، اگر نجاست برآمد ہو دھو دی جائے۔ (ص97)

میت کو غسل دینے کے بعد گھڑے توڑ ڈالنا جائز نہیں

سوال: میت کو غسل دینے کے بعد گھڑے توڑ ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: گناہ ہے کہ بلاوجہ تضییع مال (مال ضائع کرنا) ہے کہ اگر وہ ناپاک بھی ہو جائیں تاہم پاک کر لینا ممکن، اور اگر یہ خیال کیا جائے کہ ان سے مردے کو نہلایا ہے تو ان میں نحوست آ گئی تو یہ خیال اوہامِ کفارِ ہند (ہند کے کفار کے وہموں) سے بہت ملتا ہے۔ (ص97)

سوال: اکثر دیہات میں میت کو نہلانے کے واسطے جو گھڑا صرف میں لایا جاتا ہے اس کو قبر کے اوپر سرہانے یا پائنتی رکھ آتے ہیں اور بعض جگہ بعدِ غسلِ میت وہ گھڑا مسجد میں رکھ آتے ہیں اس خیال سے کہ نمازیوں کے وضو وغیرہ کے صرف میں آئے تو اچھا ہے۔

جواب: قبر کی پائنتی سرہانے رکھ آنے کے کوئی معنی نہیں، اور مسجد میں دینا ثواب ہے جبکہ ان پر ناپاک پانی کی کوئی چھینٹ نہ ہو، ورنہ پاک کر کے دیے جائیں، اور اپنے استعمال میں رکھیں جب بھی جائز ہے۔ (ص99)

کفن میت

مرد کے لئے تین کپڑے کفن میں سنت ہیں

سوال: مرد کے لئے سنت کفن کیا ہے؟

جواب: سنت مرد کے لئے تین کپڑے ہیں (1) تہ بند کہ سر سے پاؤں تک ہو (2) کفن گردن کی جڑ سے پاؤں تک (3) چادر کہ اس کے قد سے سر اور پاؤں دونوں طرف اتنی زیادہ ہو جسے لپیٹ کر باندھ سکیں۔ (ص99)

مرد کو کفن پہنانے کا طریقہ

سوال: مرد کو کفن کیسے پہنایا جائے؟

جواب: پہلے چادر بچھائیں اس پر تہبند، پھر میتِ مغسول (وہ میت جس کو غسل دیا جا چکا ہو) کا بدن ایک کپڑے سے صاف کریں پھر اس پر رکھ کر کفنی پہنا کر تہبند لپیٹیں، پہلے بائیں طرف پھر دہنی طرف لپیٹیں تاکہ دہنا حصہ بائیں کے اوپر رہے۔ پھر اسی طرح چادر لپیٹ کر اوپر نیچے دونوں جانب سے باندھ دیں۔ (ص99)

عورت کے لئے پانچ کپڑے کفن میں سنت ہیں

سوال: عورت کے لئے سنت کفن کیا ہے؟

جواب: عورت کے لئے پانچ کپڑے سنت ہیں، تین یہی (جو مرد کے کفن میں مذکور ہوئے)، مگر مرد و عورت کے لئے کفنی میں اتنا فرق ہے کہ مرد کی قمیص عرض میں مونڈھوں کی طرف چیرنا چاہیے اور عورت کا طول میں سینے کی جانب۔ چوتھے اوڑھنی کا طول ڈیڑھ گز یعنی تین ہاتھ سینہ بند کہ پستان سے ناف بلکہ افضل یہ ہے کہ رانوں تک ہو۔ (ص99)

عورت کو کفن پہنانے کا طریقہ

سوال: عورت کو کفن کیسے پہنایا جائے؟

جواب: پہلے چادر اور اس پر تہ بند بدستور بچھا کر کفنی پہنا کر تہ بند پر لٹائیں اور اس کے بال دو حصے کر کے بالائے سینہ کفنی کے اوپر لا کر رکھیں اس کے اوپر اوڑھنی سر سے اڑھا کر بغیر لپٹے منہ پر ڈال دیں، پھر تہ بند اور اس پر چادر بدستور لپیٹیں اور اسی طرح دونوں سمت باندھ دیں، ان سب کے اوپر سینہ بند بالائے پستان سے ناف یا ران تک باندھیں۔ (ص99)

مرد و عورت کے لئے کفن کفایت کی مقدار

سوال: مرد و عورت کے لئے کفن کفایت کیا ہے؟

جواب: کافی اس قدر ہے کہ مرد کے لئے دو کپڑے ہوں تہبند اور چادر، اور عورت کے لئے تین، کفنی و چادر یا تہبند و چادر اور تیسرے اوڑھنی، اسے کفنِ کفایت کہتے ہیں۔ (ص100)

کفن ضرورت کی تعریف

سوال: کفن ضرورت کیا ہے؟

جواب: وقتِ ضرورت جو میسر آئے صرف ایک ہی کپڑا کہ سر سے پاؤں تک ہو، مرد وعورت دونوں کے لئے بس ہے۔ (ص100)

کفنِ سنت، کفن کفایت اور کفنِ ضرورت میں سے کون سا کفن کب دینا چاہیے

سوال: کفنِ سنت، کفن کفایت اور کفنِ ضرورت کب دیا جائے؟

جواب: اگر میت کا مال زائد اور وارث کم ہوں تو کفن سنت افضل ہے، اور عکس ہو تو کفن کفایت اولیٰ اور اس سے کمی بحالت اختیار جائز نہیں۔ ہاں وقتِ ضرورت جو میسر آئے صرف ایک ہی کپڑا کہ سر سے پاؤں تک ہو، مرد وعورت دونوں کے لئے بس ہے۔ (ص100)

وارث کا مورث کو کفنانے کے لئے بضرورت کفن سے زیادہ سوال کرنا حرام ہے

سوال: محتاج وارث کو اپنے محتاج مورث (مرنے والے) کے لئے پورے کفن کا سوال کرنا کیسا؟

جواب: جاہل محتاج جب ان کا مورث محتاج مرتا ہے لوگوں سے کفن کا سوال کرتے ہیں، یہ حماقت ہے، ضرورت سے زیادہ حرام اور ضرورت کے وقت کفن میں ایک کافی، بس اسی قدر مانگیں اس سے زائد مانگنا جائز نہیں، ہاں ان کو بے مانگے جو مسلمان بہ نیت ثواب پورا کفن محتاج کے لئے دے گا اللہ عزوجل سے پورا ثواب پائے گا۔ (ص100)

نابالغ کے کفن کی مقدار

سوال: نابالغ کو کتنا کفن دیا جائے؟

جواب: نابالغ اگر حد شہوت کو پہنچ گیا ہے جب تو اس کا کفن جوان مرد وعورت کی مثل ہے، جو بچے اس عمر وحالت کو نہ پہنچیں ان میں اگر پسر کو ایک اور دختر کو دو کپڑوں میں کفن دے دیں تو حرج نہیں، اور پسر کو دو، اور دختر کو تین دیں تو اچھا ہے۔ اور دونوں کو پورا کفن مرد وعورت کا دیں تو سب سے بہتر، اور جو بچہ مردہ پیدا ہوا یا کچا گر گیا اسے بہر طور ایک ہی کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دینا چاہیے، کفن نہ دیں۔ (ص100)

بچہ اور بچی کے حدِ شہوت تک پہنچنے کی پہچان

سوال: بچہ اور بچی کس عمر میں حد شہوت کو پہنچیں گے؟ اور اس کی پہچان کیا ہے؟

جواب: حد شہوت کو پہنچنا پسر (بچے) میں بارہ اور دختر (بچی) میں نو برس کی عمر کے بعد نہیں رکتا۔ اور ممکن کہ کبھی اس سے پہلے بھی حاصل ہو جائے جبکہ جسم نہایت قوی اور مزاج گرم اور حرارت جوش پر ہو۔ لڑکوں میں یہ کہ اس کا دل عورتوں کی طرف

رغبت کرنے لگیں اور لڑکیوں میں یہ کہ اسے دیکھ کر مردوں کو اس کی طرف میل پیدا ہو۔ (ص100)

میت کو کفنانے کے بعد کفن کے اوپر پھولوں کی چادر ڈالنا جائز ہے

سوال: میت کو کفنانے کے بعد کفن کے اوپر پھولوں کی چادر ڈالنا کیسا ہے؟

جواب: پھولوں کی چادر بالائے کفن ڈالنے میں شرعاً اصلاً کوئی حرج نہیں بلکہ نیتِ حسن سے حسن ہے جیسے قبور پر پھول ڈالنا کہ وہ جب تک تر ہیں تسبیح کرتے ہیں اس سے میت کا دل بہلتا ہے رحمت اترتی ہے۔ (ص105)

تبرک کے لئے غلاف کعبہ کا ٹکڑا سینے یا چہرے پر رکھنا جائز ہے

سوال: تبرک کے لئے غلافِ کعبہ کا ٹکڑا میت کے سینے یا چہرے پر رکھنا کیسا ہے؟

جواب: تبرک کے لئے غلاف کعبہ معظمہ کا قلیل ٹکڑا سینے یا چہرے پر رکھنا بلاشبہ جائز ہے۔ (ص105)

سوال: ایک امام نے غلافِ کعبہ کا ٹکڑا میت پر رکھنے کو روافض کا طریقہ اور پھولوں کی چادر ڈالنے کو بدعت کہا، اس کے لئے کیا حکم ہے؟

جواب: اسے رواج روافض بتانا محض جھوٹ ہے، ان باتوں کو بدعتِ ممنوعہ ٹھہرانا اگر محض بر بنائے جہل ہو تو جہالت ہی ہے اور اگر بر بنائے وہابیت یعنی غیر مقلدی یا دیوبندیت ہو تو وہ نماز جو اس نے پڑھائی باطل محض ہوئی، مسلمان بغیر نماز کے دفن کیا گیا، اور جو جو اس امام کی حالت سے آگاہ تھے سب ترکِ فرض نماز جنازہ کے مرتکب و مستحق عذاب رہے، جبکہ خود وہابی یا وہابیہ کو صالح امامت جاننے والے نہ ہوں، ورنہ بالاتفاق علمائے حرمین شریفین کا فتویٰ ہو چکا ہے کہ من شك فی کفره وعذابه فقد کفر جو وہابیہ کے کفر میں شک کرے خود کافر ہے۔ والعیاذبالله تعالی والله تعالی اعلم۔ (ص105)

پیشانی یا کفن پر عہد نامہ لکھنا مغفرت کا سبب ہے

سوال: پیشانی یا کفن پر عہد نامہ لکھنا اور اسے قبر میں رکھنا کیسا ہے؟

جواب: ہمارے علمائے کرام نے فرمایا کہ میت کی پیشانی یا کفن پر عہد نامہ لکھنے سے اس کے لئے امیدِ مغفرت ہے۔ امام فقیہ ابن عجیل نے اسی دعائے عہد نامہ کی نسبت فرمایا: ''جب یہ لکھ کر میت کے ساتھ قبر میں رکھ دیں تو اللہ تعالیٰ اسے سوالِ نکیرین اور عذابِ قبر سے امان دے۔'' (ص105)

میت کو بزرگوں کے لباس میں کفن دینے کا حدیث سے ثبوت

سوال: میت کو بزرگوں کے لباس میں کفن دینا کیسا ہے؟

جواب: خود حضور پرنور صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ نے صاحبزادی حضرت زینب یا ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کفن میں اپنا

جسمِ اقدس عطا کیا اور غسل دینے والی بیبیوں کو حکم دیا کہ اسے ان کے بدن کے متصل رکھیں۔ علماء فرماتے ہیں یہ حدیث مریدوں کو پیروں کے لباس میں کفن دینے کی اصل ہے۔ یونہی حضرت فاطمہ بنت اسد والدہ ماجدہ امیر المومنین مولائے علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کو (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے) اپنی قمیص اطہر میں کفن دیا۔ (ص114)

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن ابی منافق کو اپنی قمیص میں کفن دینے کی وجہ

سوال: عبداللہ بن ابی منافق کے مرنے کے بعد سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعابِ دہن اس کے بدن پر ڈالا اور اپنی قمیض مبارک میں کفن دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیوں فرمایا؟

جواب: جب عبداللہ بن ابی منافق جہنم واصل ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن عبداللہ ابن ابی کی درخواست سے کہ صحابی جلیل ومومنِ کامل تھے، ان کے کفن کے واسطے اپنا قمیض مقدس عطا فرمایا، پھر اس کی قبر پر تشریف فرما ہوئے لوگ اسے رکھ چکے تھے حضور طیب وطاہر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خبیث کو نکلوا کر لعاب دہن اقدس اس کے بدن پر ڈالا اور قمیص مبارک میں کفن دیا اور یہ بدلا اس کا تھا کہ روزِ بدر جب سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنھما گرفتار آئے تھے، بوجہِ طولِ قامت کسی کا کرتا ٹھیک نہ آتا اس مردک نے انھیں اپنا قمیص دیا تھا، حضور عزیز صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ منافق کا کوئی احسان حضور کے اہل بیت کرام پر بے معاوضہ نہ رہ جائے لہذا اپنے دو قمیض مبارک اس کے کفن میں عطا فرمائے، ونیز مرتے وقت وہ ریاکار، نفاق شعار، خودغرض کر گیا تھا کہ حضور مجھے اپنے قمیض مبارک میں کفن دیں، پھر اس کے بیٹے رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درخواست کی، اور ہمارے کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کا ادب قدیم ہے کسی کا سوال رد نہیں فرماتے۔ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان رحمت دیکھ کر کہ اپنے کتنے بڑے دشمن کو کیسا نوازا ہے ہزار آدمی قوم ابن ابی سے مشرف با اسلام ہوئے کہ واقعی یہ حلم و رحمت وعفو ومغفرت نبی برحق کے سوا دوسرے سے متصور نہیں صلی اللہ علیہ و آلہ وصحبہ اجمعین وبارک وسلم۔ (ص115)

قرآن عظیم کو شفاء کی غرض سے لکھ کر دھو کر پینا جائز ہے

سوال: قرآن عظیم کو شفاء کی غرض سے لکھ کے دھو کر پینا کیسا ہے؟

جواب: قرآن عظیم مثل سورۂ فاتحہ وآیات شفاء وغیرھا بغرض شفاء لکھ کر پینا سلفاً خلفاً (پہلے اور بعد کے لوگوں میں) بلانکیر (بغیر انکار کے) رائج ہے۔ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے دردِ زہ کے لئے فرمایا ((تکتب لھا شئی من القرآن وتسقی)) یعنی قرآن مجید میں سے کچھ لکھ کر عورت کو پلائیں۔ (ص120)

آبِ زم زم سے استنجاء کرنا منع ہے اور آبِ زم زم پینے کی فضیلت

سوال: آبِ زم زم سے استنجاء کرنا کیسا؟

جواب: اس سے استنجاء کرنا منع ہے۔ (ص121)

سوال: آبِ زم زم پینے کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: اس کا پینا اعلیٰ درجہ کی سنت، بلکہ کوکھ بھر کر پینا ایمان خالص کی علامت۔ (ص121)

جنازہ لے کر جانا

<u>جنازہ لے کر چلیں تو چارپائی کا سرہانہ آگے رکھیں</u>

سوال: جنازہ لے کے چلیں تو سرہانہ آگے کریں یا پائنتی؟ ایک شخص کہتا ہے کہ پائنتی آگے کرنے کا حکم ہے۔

جواب: اس شخص نے محض غلط کہا، جنازہ لے چلنے میں سرہانے آگے کرنے کا حکم ہے۔ (ص135)

<u>قبر پر اذان دینے کو حرام کہنے والوں کے پاس کوئی دلیل نہیں</u>

سوال: قبر پر اذان کہنے کو ایک شخص حرام و ناجائز کہتا ہے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: قبر پر اذان دینے کو جس نے حرام کہا محض غلط کہا، اگر سچا ہے تو بتائے کہ کس آیت یا حدیث میں اس کو حرام فرمایا ہے، اگر نہ بتائے اور ہرگز نہ بتا سکے گا تو خدا اور سول پر افتراء کرنے کا اقرار کرے، حرام وہ ہے جسے خدا اور سول نے حرام فرمایا اور واجب وہ ہے جسے خدا اور سول نے واجب کہا حکم دیا، لیکن وہ چیزیں جن کا نہ خدا اور سول نے حکم دیا نہ منع کیا وہ سب جائز ہیں انھیں حرام کہنے والا خدا اور سول پر افتراء کرتا ہے۔ عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم۔ (ص135)

<u>عورت کے جنازہ پر چھتری یا گہوارہ بنانا مستحب ہے</u>

سوال: عورت یا مرد کے جنازہ پر چھتری یا گہوارہ بنا کر پردہ ڈالنا کیسا ہے؟

جواب: جنازہ زنان پر چھتری یا گہوارہ بنا کر غلاف و پردہ ڈالنا مستحب و ماثور ہے، ایسا ہی چاہئے، اور جنازۂ مردان میں نہ اس کی حاجت نہ سلف سے عادت۔ ہاں بارش یا دھوپ وغیرہ کی شدت سے بچانے کو بنائیں تو کچھ حرج نہیں۔ (ص137)

سوال: دوشالہ وغیرہ بیش بہا کپڑے جنازہ پر دہ ڈالنا کیسا ہے؟

جواب: دوشالہ وغیرہ بیش بہا کپڑے ڈالنے سے اگر ریاء تفاخر (فخر کرنا) مقصود ہو تو وہ حرام ہے، اور اگر زینت مراد ہو تو وہ بھی مکروہ، ہاں تصدق منظور ہو (صدقہ دینے کی نیت سے ڈالا) تو وہ بیشک محمود۔ مگر تصدق کچھ اس پر موقوف نہیں کہ جنازہ پر ڈال ہی کر دیں۔ (ص137)

سوال: یہاں میت پر ریشمی کپڑا اور رنگ برنگ کی چادریں ڈالنے کا رواج ہے (جو کہ بعد میں ملا صاحب کو دے دی

جاتی ہیں) اگر نہ ڈالی جائیں تو ملا صاحب فرماتے ہیں کہ ہم نہیں آئیں گے۔ ان کا یہ فعل شرعاً کیسا ہے؟

جواب: جبر حرام ہے اور بخوشی بھی نہ ہو اگر ملا فقیر نہیں یعنی چھپن روپے کے مال کا مالک ہے، جو قرض وغیرہ میں مشغول نہیں، نیز ایک رسم بے ثبوت کا ایسا التزام نہ چاہئے، جبر کرنے والا ملا نہیں ٹھگیا ہے۔ (ص138)

(**وضاحت**: چھپن روپے سے اُس دور کے نصاب کی مقدار ہے، اخذِ زکوۃ کے نصاب میں ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت دیکھی جاتی ہے، موجودہ دور (2017ء) میں ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت تقریباً اڑتیس ہزار روپے (38000) بنتی ہے۔)

<u>بیوی فوت ہو جائے تو شوہر اس کے جنازے کو کندھا دے سکتا ہے</u>

سوال: اگر عورت مر جائے شوہر اس کے جنازے کو ہاتھ لگائے یا نہیں؟

جواب: جنازے کو محض اجنبی ہاتھ لگاتے، کندھے پر اٹھاتے، قبر تک لے جاتے ہیں، شوہر نے کیا قصور کیا ہے۔ یہ مسئلہ جاہلوں میں محض غلط مشہور ہے۔ ہاں شوہر کو اپنی زنِ مردہ کا بدن چھونا جائز نہیں، دیکھنے کی اجازت ہے، اجنبی کو دیکھنے کی بھی اجازت نہیں، محارم کو پیٹ، پیٹھ اور ناف سے زانو تک کے سوا چھونے کی اجازت ہے۔ (ص138)

<u>شوہر کو زوجہ کے انتقال کے بعد اس کا منہ یا بدن دیکھنا جائز ہے</u>

سوال: قبر میں رکھنے کے بعد شوہر کا اپنی زوجہ کے منہ کو دیکھنا کیسا ہے؟

جواب: شوہر کو بعد انتقال زوجہ قبر میں خواہ بیرون قبر اس کا منہ یا بدن دیکھنا جائز ہے، قبر میں اتارنا جائز ہے، اور جنازہ تو محض اجنبی تک اٹھاتے ہیں، ہاں بغیر حائل کے اس کے بدن کو ہاتھ لگانا شوہر کو ناجائز ہوتا ہے، زوجہ کو جب تک عدت میں رہے شوہر مردہ کا بدن چھونا بلکہ اسے غسل دینا بھی جائز ہے۔ (ص138)

سوال: ہندوستان کے لوگوں کا دستور ہے کہ جب عورت کی حالتِ نزع ہوتی ہے تب اس کے شوہر کو اس کے پاس نہیں جانے دیتے اور اس کا شوہر حالت نزع میں اس کے پاس نہیں جاتا اور اس عورت کی تکفین و تدفین میں بھی شوہر کو شامل نہیں کرتے اور کہتے ہیں اب اس کا رشتہ ٹوٹ گیا، آیا یہ فعل ان کا جائز ہے یا ناجائز ہے؟

جواب: جب تک جسم زن میں روح باقی ہے اگرچہ حالت نزع میں ہو بلاشبہہ اس کی زوجہ ہے، اور اس وقت شوہر کو پاس نہ آنے دینا ظلم ہے اور اسی وقت سے رشتہ منقطع سمجھ لینا سخت جہل ہے۔ اور بعدِ موتِ زن بھی شوہر کو دیکھنے کی اجازت ہے البتہ ہاتھ لگانا منع ہے۔ (ص139)

<u>احناف کی بعض کتب میں جنازے کے ساتھ ذکر کے مکروہ لکھنے کی وجہ</u>

سوال: بعض کتبِ حنفیہ میں جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنے کو مکروہ لکھا ہے، اس کی کراہت کا سبب کیا ہے؟

جواب: اس کا منشاء عوارض ہی ہیں قلبِ ہمراہیاں کا مشوش ہونا (جو ساتھ ہیں ان کے دل کا تشویش میں پڑنا) یادِ موت سے دوسری طرف توجہ کرنا۔ انصاف کیجئے تو یہ حکم اس زمانہ خیر کے لئے تھا جبکہ ہمراہیانِ جنازہ تصورِ موت میں ایسے غرق ہو تے تھے کہ گویا میت ان میں ہر ایک کا خاص اپنا جگر پارہ ہے بلکہ گویا خود ہی میت ہیں، ہمیں کو جنازہ پر لئے جاتے ہیں اور اب قبر میں رکھیں گے، لہٰذا علماء نے سکوتِ محض (بالکل خاموشی) کو پسند کیا تھا کہ کلام اگرچہ ذکر ہی ہو اگرچہ آہستہ ہو، اس تصور سے کہ (بغایت نافع اور مفید اور برسوں کے زنگ دل سے دھو دینے والا ہے) روکے گا یا کم از کم دل بٹ جائیگا تو اس وقت محض خاموشی ہی مناسب تر ہے، ورنہ حاشَ للہ ذکر خدا اور رسول نہ کسی وقت منع ہے، نہ کوئی چیز اس سے بہتر۔ (ص140)

<u>موجودہ دور میں جنازے کے ساتھ ذکر کرنا ثواب کا کام ہے</u>

سوال: فی زمانہ اس کا حکم کیا ہے؟

جواب: اب کہ زمانہ منقلب ہوا لوگ جنازے کے ساتھ اور دفن کے وقت اور قبروں پر بیٹھ کر لغویات و فضولیات و دنیوی تذکروں بلکہ خندہ ولہو میں مشغول ہوتے ہیں تو انھیں ذکر خدا اور رسول عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مشغول کرنا عین صواب و کارِ ثواب ہے۔ (ص141)

سوال: شریعت میں ایسا نیا نیک کام جو قرآن وسنت سے نہ ٹکراتا ہو کرنا کیسا ہے؟

جواب: علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب عہود المشائخ میں فرمایا ہے کہ ”ہم اپنے دوستوں میں سے کسی کو ایسے امر پر نکیر (منع کرنے کی) اجازت نہ دیں گے جسے مسلمانوں نے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں تقرب کے طور پر ایجاد کیا ہو اور اسے اچھا جانتے ہوں، خصوصاً ایسا کام جس کا تعلق خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو جیسے جنازہ کے آگے لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھنا اور اس کے سامنے قرآن کی تلاوت کرنا، یا ایسے دوسرے کام۔

جو اسے حرام کہے وہ فہمِ شریعت سے قاصر ہے، اس لئے ہر وہ کام جو عہدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ رہا ہو برا نہیں، اگر یہ دروازہ کھولا جائے تو مجتہدین کرام کے وہ سارے اقوال مردود ٹھہریں جو انھوں نے اپنی پسند کردہ اچھی چیزوں کے بارے میں فرمائے ہیں اور اس کا کوئی قائل نہیں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے علماء کے لئے یہ دروازہ کھول رکھا ہے اور انھیں اجازت دی ہے کہ جو طریقہ بھی اچھا سمجھیں اسے جاری کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں شامل کریں یہ اجازت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے ثابت ہے ((من سن سنة حسنة فله اجرها من يعمل بها)) یعنی جو شخص کوئی اچھا کام ایجاد کرے اسے اس ایجاد کا ثواب ملے گا اور اس طریقے پر آئندہ سارے عمل کرنے والوں کا بھی ثواب ملے گا۔ (حدیقۂ ندیہ شرح طریقۂ محمدیہ، ج2، ص408-9، نوریہ رضویہ) (ص144)

جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنے کے دلائل کا خلاصہ

سوال: امام عارف باللہ علامہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "حدیقہ ندیہ" میں جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنے کے جو دلائل ذکر کیے ہیں ان کا خلاصہ کیا ہے؟

جواب: (ان کا خلاصہ یہ ہے)

1۔سلف صالح کی حالت جنازہ میں یہ ہوتی کہ ناواقف کو نہ معلوم ہوتا کہ ان میں اہل میت کون ہے اور باقی ہمراہ کون، سب ایک سے مغموم ومحزون نظر آتے اور اب حال یہ ہے کہ جنازے میں دنیوی باتوں میں مشغول ہوتے ہیں، موت سے انھیں کوئی عبرت نہیں ہوتی، ان کے دل اس سے غافل ہیں کہ میت پر کیا گزری، فرماتے ہیں: بلکہ میں نے لوگوں کو ہنستے دیکھا، تو ایسی حالت میں ذکر جہر کرنا اور تعظیم خدا اور رسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم بلند آواز سے پڑھنا عین نصیحت ہے کہ ان کے دلوں کے زنگ چھوٹیں اور غفلت سے بیدار ہوں۔

2۔نیز اس میں میت کو تلقین ذکر کا فائدہ ہے کہ وہ سن سن کر سوالاتِ نکیرین کے جواب کے لئے تیار ہو۔

3۔سیدی علی خواص رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ شارع علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف سے مسلمانوں کو ذکر خدا اور رسول جل وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم کا اذن عام (عام اجازت) ہے تو جب کسی خاص صورت کی ممانعت میں کوئی نص یا اجماع نہ ہوا نکار کیا مناسب؟

4۔نیز انہی امام عارف نے فرمایا: الٰہی جو اس سے منع کرے اُس کا دل کس قدر سخت اندھا ہے، جنازے کے ساتھ ذکر خدا اور رسول جل وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم کے بند کرنے کی یہ کوشش اور بھنگ بکتی دیکھیں تو اسے اتنا نہ کہیں کہ یہ تجھ پر حرام ہے۔فرماتے ہیں: بلکہ میں نے انہی میں ایک کو دیکھا کہ اس سے تو منع کرتا اور خود اپنی پیش نمازی کی تنخواہ بھنگ فروش کے حرام مال سے لیتا۔

5۔امام عارف باللہ سیدی شعرانی قدس سرہ الربانی فرماتے ہیں: اکابر کرام کے یہاں عہد ہے جو اچھی بات مسلمانوں نے نئی نکالی ہو اس سے منع نہ کریں گے خصوصاً جب وہ اللہ و رسول عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق رکھتی ہو جیسے جنازے کے ساتھ قرآن مجید یا کلمہ شریف یا اور ذکر خدا اور رسول جل وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم۔

6۔نیز امام ممدوح فرماتے ہیں: جو اسے ناجائز کہے اسے شریعت کی سمجھ نہیں۔

7۔نیز فرماتے ہیں: ہر وہ بات کہ زمان برکت توامان حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ تھی مذموم نہیں ہوتی ورنہ اس کا دروازہ کھلے تو ائمہ مجتہدین نے جتنی نیک باتیں نکالیں ان کے سب اقوال مردود ہو جائیں۔

8۔فرماتے ہیں: بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد سے کہ (جو شخص دین اسلام میں نیک بات نکالے اسے اس کا اجر ملے اور قیامت تک جتنے لوگ اس نیک بات کو بجالائیں سب کا ثواب اس ایجاد کنندہ کے نامہ اعمال میں لکھا

جائے) علمائے امت کے لئے اس کا دروازہ کھول دیا ہے کہ نیک طریقے ایجاد کرکے جاری کریں اور انھیں شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملحق کریں، یعنی جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عام اجازت فرمائی ہے تو جو نیک بات نئی پیدا کی گئی وہ نئی نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اذن عام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شریعت ہے۔

9۔فرماتے ہیں کہ شرع مطہر میں اس سے ممانعت نہ آنا ہی اس کے جواز کی دلیل ہے۔اگر جنازے کے ساتھ ذکر الٰہی منع ہوتا تو کم از کم ایک حدیث اس کے ممانعت میں آتی، جیسے رکوع میں قرآن مجید پڑھنا منع ہے، تو اس کی ممانعت کی حدیث موجود ہے، تو جس چیز سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا وہ کبھی ہمارے زمانے میں منع نہیں ہوسکتی۔

10۔نتیجہ یہ نکلا کہ اگر جنازے کے تمام ہمراہی بلند آواز سے کلمہ وغیرہا ذکر خدا اور سول عزوجل علاو صلی اللہ علیہ وسلم کرتے چلیں تو کچھ اعتراض نہیں بلکہ اس کا کرنا نہ کرنے سے افضل ہے۔ (حدیقہ ندویہ شرح طریقہ محمدیہ، ج2،ص9-408،نوریہ رضویہ)(ص145)

کھانا کھانے کے دوران بنیت ثواب خاموش رہنا مکروہ ہے

سوال: کھانا کھاتے وقت (بنیتِ ثواب) خاموش رہنا کیسا ہے؟

جواب: مجوس کے یہاں وقتِ اکل صمت (کھانے کے وقت خاموشی) ہے، ہماری شریعت میں وہ مکروہ ولازم الاحتراز ہے۔ (ص152)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر نداء کرنا جائز نہیں

سوال: یہ اشعار پڑھنا کیسا ہے؟

یا پنجتن بچانا جب جان تن سے نکلے   نکلے تو یا محمد کہہ کر بدن سے نکلے
آوے گا میرا پیارا باجے گی دھن کی مرلی   جب وہ مرا سنوریا جو بن کے بن سے نکلے

جواب: شعر اول میں نام پاک لے کر ندا ہے اور صحیح یہ کہ جائز نہیں بلکہ اوصاف کریمہ کے ساتھ ہو، مثلاً یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ۔ دوسرا شعر مہمل و بے معنی، اور حیثیت شعری سے بھی مختل ہے اور بعض جہال سنوریا سے ذات اقدس مراد رکھتے ہیں، اس وقت وہ قریب بہ کلمہ کفر ہو جائے گا۔ (ص157)

بلند آواز سے ذکر کرنے کے فوائد

سوال: بلند آواز سے ذکر کرنا کیسا ہے؟

جواب: اطبائے روحانی نے جہر بالذکر کی اجازت دی کہ وہ اوقع فی النفوس وادفع للوساوس وانفع للناس (دل میں زیادہ قرار پکڑنے والا، وسوسوں کو زیادہ دور کرنے والا اور لوگوں کے لئے زیادہ نافع) ہے، ذاکرین کی زبانوں اور سامعین کے کانوں کو

مشغول کرتا اور غافلین کو جگا کر لغویات سے باز رکھ کر ذکر وسماع کی طرف لاتا ہے اور یہ سمجھ لینا کہ مسلمان ایسے ہو گئے کہ باوجود قرع وقوت قرع وتکرار (اچھی طرح جھنجھوڑنے سے) بھی متاثر نہ ہوں گے، جہل وسوئے ظن (جہالت وبدگمانی) ہے، تو اب ذکر جہراً امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے افراد سے ہے، جس سے منع عکس ونقیضِ مقصودِ شرع (مقصودِ شرع کے خلاف) ہے۔ (ص152)

نماز میں آنکھیں بند کرنا مکروہ ہے اور اگر اسی طرح خشوع حاصل ہو تو بند کرنا اولیٰ

سوال: نماز میں آنکھیں بند کرنا کیسا ہے؟

جواب: نماز میں آنکھیں بند کرنا مکروہ ہے اور خشوع یونہی ملتا ہے تو آنکھیں بند کرنا ہی اولیٰ۔ (ص156)

جنازہ کے ساتھ نعتیہ اشعار پڑھنا جائز ہے

سوال: جنازہ کے ساتھ نعتیہ اشعار بلند آواز سے پڑھنا کیسا ہے؟

جواب :(جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنے کا جواز پہلے ثابت ہو چکا اور نعتیہ اشعار بھی ذکر ہیں جیسا کہ) صحیح بخاری شریف میں حضور سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے مشرکین کے اشعار کا اشعار میں جواب دینا اور ان شعروں کو پڑھنا اور حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا سننا ثابت ہے اگر یہ اشعار ذکرِ الٰہی نہ ہوتے، مسجد میں ان کے لئے منبر بچھانے کی اجازت کیونکر! اور جب یہ ذکر نہ ہوتا تو اس کے لئے اہتمام فرمانا معاذ اللہ غفلت کے لئے اہتمام ہوتا اور یہ محال ہے، لاجرم (یقیناً) اشعارِ حمد ونعت وثناء ووعظ وپند ذکرِ الٰہی ہیں۔ (ص156)

نمازِ جنازہ

بے نمازی کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی

سوال: بے نمازی کی نمازِ جنازہ نہ پڑھنا کیسا ہے؟

جواب :ایمان وتصحیح عقائد کے بعد جملہ حقوق اللہ میں سب سے اہم واعظم نماز ہے، جمعہ وعیدین یا بلا پابندی پنجگانہ پڑھنا ہرگز نجات کا ذمہ دار نہیں، جس نے قصداً ایک وقت کی چھوڑی ہزاروں برس جہنم میں رہنے کا مستحق ہوا، جب تک توبہ نہ کرے اور اس کی قضا نہ کر لے، مسلمان اگر زندگی میں اسے یکلخت چھوڑ دیں، اس سے بات نہ کریں، اس کے پاس نہ بیٹھیں، تو ضرور وہ اس کا سزاوار (حقدار) ہے۔ مگر بعد موت ہر سنی صحیح العقیدہ کو غسل وکفن دینا، اس کے جنازے کی نماز پڑھنا الا ما استثنی لیس ھذا منھم (سوائے وہ جن کا استثناء کیا گیا ہے اور یہ ان میں سے نہیں) فرضِ قطعی علی الکفایہ ہے۔ اگر سب چھوڑ دیں جن جن کو اطلاع تھی سب گنہگار وتارکِ فرض ومستحقِ عذاب ہوں گے، جس نے تین مسلمانوں کو بے نماز دفن کرادیا فاسق، مرتکب

کبیرہ، مستوجبِ سزائے شدید ہوا، بے نماز کہ نماز کو شرط جانتا ہو اس کی تحقیر نہ کرتا ہو اگرچہ نفس و شیطان کے پھندے میں آ کر نہ پڑھتا ہو مرتکبِ کبائر ہے، مستحقِ عذاب نار ہے، مگر کافر نہیں باغی نہیں، ڈاکو نہیں، ایک تباہ کار مسلمان ہے۔ (ص158)

(مزید ایک مقام پر فرماتے ہیں) لا الہ الا اللہ مسلمان اگرچہ بے نماز ہو اس کے جنازے کی نماز مسلمانوں پر فرض ہے۔ اگر کوئی نہ پڑھے گا جتنوں کو خبر ہو سب گنہگار و تارک فرض رہیں گے، ہاں اگر زجر کے لئے علماء خود نہ پڑھیں دوسروں سے پڑھا دیں تو بیجا نہیں، اور اگر ان کے نہ پڑھنے سے اور بھی کوئی نہ پڑھے یا ان کو بھی منع کریں تو یہ علماء مستحقِ عذاب نار ہوں گے، بلکہ جہال سے زیادہ۔ (ص162)

کن مسلمانوں کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی؟

سوال: کن مسلمانوں کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی؟

جواب: علماء نے فرضیتِ نمازِ جنازہ سے صرف چند شخصوں کو استثناء فرمایا، باغی اور آپس کے بلوائی (حملہ کرنے والے) کہ فریقین بطورِ جاہلیت لڑیں اور ان کے تماشائی اور ڈاکو، اور وہ کہ لوگوں کو گلہ دبا کر، پھانسی دے کر مار ڈالا کرتا ہو، اور وہ جس نے اپنے ماں باپ کو قتل کیا۔ (ص161)

سوال: بے نمازی کی نابالغ اولاد کا جنازہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اس کی نابالغ اولاد کا غسل و کفن اور نماز و دفن میں وہی حکم ہے جو اور مسلمانوں کا۔ (ص163)

سوال: ایک آدمی کہتا ہے کہ بے نمازی کے جنازے کی نماز پڑھنا جائز نہیں، قبر پر اذان دینا بھی جائز نہیں، فاتحہ، گیارہویں شریف کی نیاز کرنا جائز نہیں، اور یہاں پر سب مسلمانوں کو گمراہ کئے دیتا ہے، آپ اس بارے میں ہماری راہنمائی فرمائیں۔

جواب: اس شخص کے مسئلے محض غلط اور بے سند ہیں، جنازے کی نماز ہر مسلمان پر فرض ہے الا ما استثناہ العلماء ولیس ھذا منھم (مگر وہ جن کا علماء نے استثناء کیا ہے اور یہ ان میں سے نہیں)، قبر پر اذان دینا جائز ہے کما ھو مبین فی ایذان الاجر فی اذان القبر (جیسا کہ ہمارے رسالہ "ایذان الاجر فی اذان القبر" میں اس کا واضح بیان ہے)۔

اور فاتحہ اور گیارہویں شریف کی نیاز و ایصالِ ثواب اہلسنت کے نزدیک جائز و بہتر ہے۔ کما فی الھدایۃ وفتح القدیر والدر المختار ورد المحتار وغیرھا (جیسا کہ ہدایہ، فتح القدیر، درمختار اور ردالمحتار وغیرہا میں ہے) تو ان چیزوں کو جو ناجائز کہے اس سے ایک ہی بات دریافت کرنا کافی ہے وہ یہ کہ تو جو ناجائز کہتا ہے آیا اللہ و رسول نے انہیں ناجائز کہا ہے یا تو اپنی طرف سے کہتا ہے؟ اگر اللہ و رسول نے ناجائز کہا ہے تو دکھا کون سی آیت یا حدیث میں ہے کہ اذان جو مسلمان کی قبر پر دفع شیطان و دفع وحشت و حصول اطمینان و نزولِ برکت کے لئے کہی جائے وہ ناجائز ہے اور فاتحہ اور گیارہویں شریف بغرضِ ایصالِ ثواب کی جائے ناجائز ہے۔ اور اگر اللہ و رسول نے ناجائز نہ کہا تو خود اپنی طرف سے کہتا ہے تیرا قول تیرے منہ پر مردود ہے، بغیر خدا و رسول کے منع فرمائے ہوئے کوئی چیز ناجائز نہیں

ہوسکتی۔ ہمیں قرآن وحدیث نے قاعدہ کلیہ ارشاد فرمایا کہ اللہ ورسول جس بات کا حکم دیں وہ واجب ہے جس سے منع فرمائیں وہ ناجائز ہے اور جس کا کچھ ذکر نہ فرمائیں وہ معافی میں ہے، وہ اگر واجب نہیں تو ناجائز بھی نہیں۔ (ص163)

سوال: زید مرگیا بکر نے کہا زید نماز نہیں پڑھتا تھا اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھی جائے مگر اس شرط پر کہ اس کو کھنچوانا چاہیے، پھر اس نے زید کو بیلوں کے پاؤں سے باندھ کر کھنچوایا۔ یہ بات قرآن وحدیث سے درست ہے یا نہیں؟ اور اگر نہیں، تو پھر بکر پر کیا حکم ہے؟

جواب: بکر گناہ گار رہا اور اس نے مردے پر ظلم کیا۔ ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تو میت کے کنگھی کرنے سے منع فرمایا کہ اسے تکلیف ہوگی۔ سزا دینا اول تو حاکمِ شرع کا کام ہے ہر کس وناکس کو اس کا اختیار نہیں اور موت کے بعد تو سزا دینے کے کوئی معنی ہی نہیں، سزا درکنار موت کے بعد برا بھلا کہنے سے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ (ص164)

سوال: ایک مسلمان نے نومسلم عورت سے عقد کیا تھا دو برس کے بعد ۲۹ رمضان ۱۳۳۹ھ کو دنیائے فانی سے ملکِ عدم کو رخصت ہوئی۔ اس مسلمان کا یہاں کوئی اور نہ تھا اس نے مسلمانوں کو اطلاع دی انہوں نے جواب دیا ہم تمہاری عورت کا جنازہ نہیں اٹھائیں گے نہ قبرسان میں جگہ دیں گے کیونکہ تم نماز نہیں پڑھتے ہو اور مسجد کمیٹی وخلافت کمیٹی وغیرہ میں چندہ بھی نہیں دیتے، کبھی ہماری کمیٹیوں میں شرکت نہیں کرتے لہٰذا تم اور کوئی انتظام کرو، اس شخص نے جواب دیا اگر میرا عذر قابل قبول ہو تو مجھے معافی دیجئے جو سزا میرے لئے آپ لوگ قرار دیں میں اس کو قبول کرتا ہوں اگر میرا قصور ہے تو مجھ کو سزا دیں اور معافی دے کر میت کو اٹھائیں، جو خلافت کمیٹی کے ممبران و سیکریڑی وپریذیڈنٹ ہیں ان لوگوں نے مطلق انکار کردیا، تب اس نے ہندو سے التجا کی اسکی بے کسی بے بسی دیکھ کر ہنود اس محلہ میں آئے اور مسلمانوں کو سمجھایا بمشکل تمام راضی ہوئے لیکن غسل دینے والی عورت کو روک دیا مجبوراً اس نے اپنے ہاتھ سے غسل دیا اور کفن پہنایا بعد اسکے چار پانچ مسلمان (آئے اور) انہوں نے کہا ہم تم پر آٹھ روپے جرمانہ کرتے ہیں اگر منظور ہو تو ہم میت اٹھائیں گے ورنہ ہم اپنے گھر جاتے ہیں وہ چونکہ مصیبت زدہ تھا راضی ہوا، غرض صبح آٹھ بجے کی میت بارہ بجے شب کو اٹھائی گئی اب عرض ہے کہ آیا حدیث شریف میں یہی فرمان ہے اور خدا اور اس کے رسول کا یہی حکم ہے تو مجھے مطلع فرمائیں اور اگر یہ حرکت مطابق شرع نہ ہو تو ان کی کیا سزا ہے شرعاً وقانوناً؟

جواب: ان لوگوں نے سخت ظلم کیا اور شدید جرم کیا اگر سلطنت اسلام ہوتی تو حاکم اسلام ان میں سے ایک ایک کو کوڑے لگاتا قید کرتا اور آخرت میں عذابِ جہنم کے مستحق ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((الصلوة واجبة عليكم على كلي مسلم برا كان او فاجرا وان عمل الكبائر)) یعنی ہر مسلمان کے جنازے کی نماز تم پر فرض ہے نیک ہو یا بد اگر چہ اس نے گناہ کبیرہ کیے ہوں۔ (سنن ابوداؤد، ج1، ص343، آفتاب عالم پریس، لاہور)

خصوصاً جس مسلمان نے رمضان المبارک میں انتقال کیا تو وہ بحکمِ حدیث شہید ہے خلافت کمیٹی میں چندہ نہ دینا یا اس

میں شریک نہ ہونا کوئی جرم نہیں بلکہ مسجد میں چندہ نہ دینا بھی گناہ نہیں نہ کہ جہاں امر بالعکس ہو، نماز نہ پڑھنا ضرور کبیرہ شدیدہ ہے مگراس کا گناہ اس کی بی بی کے سر باندھنا کون سی شریعت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ ولا تزر وازرۃ وزر اخری ﴾ ترجمہ: کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھاتی۔

آٹھ روپے کہ انہوں نے لیے سخت حرام اور ان کے حق میں مثل سوئر کے ہیں ان پر فرض ہے کہ اسے واپس کردیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل ﴾ ترجمہ: اپنے مال آپس میں ناحق نہ کھاؤ۔

اور اس شخص نے عورت کو غسل دیا یہ اسے جائز نہ تھا شوہر عورت کے بدن کو بعدِ انتقال ہاتھ نہیں لگا سکتا اسے چاہیئے تھا کہ کسی سمجھ والی لڑکی یا لڑکے کو نہلانے کا طریقہ بتاتا جاتا اور اپنے سامنے اسے نہلواتا یا کوئی اور عورت اگرچہ اجرت پر ملتی اس سے غسل دلاتا اور اگر کچھ ممکن نہ ہوتا تو اپنے ہاتھوں پر کپڑے کی تھیلیاں چڑھا کر اس کے چہرے اور کہنیوں تک ہاتھوں کا تیمم کرادیتا۔ (ص 167)

سوال: زید مسلمان حنفی (جوکہ) نصرانی کے یہاں ملازم تھا اور اس کا جھوٹا کھایا کرتا تھا، مسلمانوں نے اس سے منع کیا مگر زید باز نہ آیا اور اس کے مرنے پر جمیع مسلمانوں نے اس کی تجہیز و تکفین نماز جنازہ سے انکار کیا بالآخر چند مسلمانوں نے نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا اگر ایسا موقع آئندہ آئے تو کیا کرنا چاہیے؟ زید کے گھر والوں سے کیا برتاؤ کرنا چاہیے؟ کیونکہ زید کے یہاں کا کھانا وغیرہ بند کردیا گیا ہے۔

جواب: مسلمانوں کو نصرانی کا جھوٹا کھانا بہت شنیع و بد ہے لیکن اگر مذہب میں کچھ فرق نہ تھا تو اس بدحرکت سے کافر نہ ہوا مسلمانوں پر اس کی تجہیز و تکفین و جنازہ کی نماز لازم تھی مگر یہ کام فرض کفایہ ہے بعض نے کرلیا سب پر سے اتر گیا ہر مسلمان کا اس میں شریک ہونا ضروری نہیں، اگر کوئی نہ کرتا تو سب گنہگار ہوتے۔ آئندہ کے لیے بھی یہی احکام ہیں اس فعل میں اس کے گھر والوں کا کوئی قصور نہ تھا ان پر تعزیر بیجا ہے۔ (ص 169)

سوال: ایک شخص ترکِ صوم و صلاۃ اور شراب پینے کا عادی تھا عیسائیوں سے میل جول رکھتا تھا اس کے مرنے کے بعد عیسائیوں نے نہ صرف اس کے جنازے میں شرکت کی بلکہ دفن کرنے کے بعد اسے ٹوپی اتار کر سلامی بھی دی بعض لوگوں نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور بعض نے اس کا ایمان مشکوک جان کر نماز جنازہ نہ پڑھی، پڑھنے اور نہ پڑھنے والوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: ترکِ صوم و صلاۃ (نماز روزہ ترک کرنا) اور شربِ خمر (شراب پینا) گناہان کبیرہ ہیں جن کا مرتکب فاسق و فاجر اور عذاب دوزخ کا مستحق ہے مگر حرام جان کر بشامتِ نفس کرے تو کافر نہیں پس اگر شخص مذکور نے مذہب نہ بدلا تھا صرف باغوائے شیطان (شیطان کے ورغلانے کے سبب) دنیا پرستان (دنیاداروں) خدا ناترس کی طرح ان امور کا مرتکب ہوتا اور عیسائیوں سے میل جول رکھتا تھا تو اس پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا بلکہ جب وہ کلمہ پڑھتا اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا تھا مسلمان ہی ٹھہرائیں گے اور اس تقدیر پر اس کے تجہیز و تکفین و جنازہ کی نماز بے شک ضروری اور لازم تھی اگر بجا نہ لاتے تو گنہگار ہوتے اور نصرانیوں کا معاذ اللہ جنازے کے ساتھ ہونا یا بعد دفن ٹوپی اتار کر سلامی دینا

ان کا اپنا فعل تھا جسکے سبب مسلمان کو کافر نہیں ٹھہرا سکتے اور یہ بدگمانی کہ اگر ان کا ہم مذہب نہ ہوتا تو جنازے میں کیوں شرکت کرتے محض مردود ہے ایسے اوہام (وہموں) پر بنائے احکام (احکام کی بنیاد) نہیں نہ کہ معاذ اللہ معاملہ کفرو اسلام جس میں انتہاء درجہ کی احتیاط لازم بلکہ اس کا عکس دوسرا گمان قوی تر ہے کہ اگر وہ اسے اپنا ہم مذہب جانتے اپنی روش پر تجہیز و تکفین کرتے مسلمانوں کو اس کا جنازہ کیوں دیتے۔

غرض اس صورت میں نماز پڑھنے والوں نے فرض خدا ادا کیا ان پر اصلاً الزام نہیں الزام ان پر ہے جو اس بنا پر ان سے معاملہ مرتدین کرنا چاہیں اور اگر بہ ثبوت شرعی ثابت ہو کہ میت عیاذاً باللہ تبدیل مذہب کر کے عیسائی ہو چکا تھا تو بے شک اس کے جنازے کی نماز اور مسلمانوں کی طرح اسکی تجہیز و تکفین سب حرام قطعی تھی مگر نماز پڑھنے والے اگر اس کی نصرانیت پر مطلع نہ تھے اور بر بنائے علمِ سابق (پہلے علم کے مطابق) اسے مسلمان سمجھتے تھے نہ اس تجہیز و تکفین و نماز تک ان کے نزدیک اس شخص کا نصرانی ہو جانا ثابت ہوا تو ان افعال میں اب بھی معذور و بے قصور ہیں کہ جب انکی دانست میں وہ مسلمان تھا ان پر یہ افعال بجالانے بزعم خود شرعاً لازم تھے ہاں اگر یہ بھی اس کی عیسائیت سے خبردار تھے پھر نماز و تجہیز و تکفین کے مرتکب ہوئے قطعاً سخت گنہگار اور وبالِ کبیر میں گرفتار ہوئے، جب تک توبہ نہ کریں ان کے پیچھے نماز مکروہ، مگر معاملہ مرتدین پھر بھی برتنا جائز نہیں کہ یہ لوگ بھی اس گناہ سے کافر نہ ہونگے ہماری شرع مطہر صراطِ مستقیم ہے افراط و تفریط کسی بات میں پسند نہیں فرماتی البتہ اگر ثابت ہو جائے کہ انہوں نے اسے نصرانی جان کر نہ صرف بوجہ حماقت و جہالت کسی غرض دنیوی کی نیت سے بلکہ خود اسے بوجہ نصرانیت مستحق تعظیم و قابل تجہیز و تکفین و نماز جنازہ تصور کیا تو بے شک جس جس کا ایسا خیال ہو گا وہ سب بھی کافر و مرتد ہیں اور ان سے وہی معاملہ برتنا واجب جو مرتدین سے برتا جائے۔ (ص169)

رافضی کی نماز جنازہ کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی رافضی کی نماز جنازہ پڑھنا اہلسنت و جماعت کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی قوم سنت و جماعت نے کسی رافضی کی نماز جنازہ پڑھی تو ان لوگوں کے لئے شرع میں کیا حکم ہے؟

جواب: اگر رافضی ضروریاتِ دین کا منکر ہے مثلاً قرآنِ عظیم میں کچھ سورتیں یا آیتیں یا کوئی حرف صرف امیر المومنین عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا اور صحابہ خواہ کسی شخص کا گھٹایا ہوا مانتا ہے یا مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم خواہ دیگر ائمہ اطہار کو انبیاء سابقین علیہم الصلوۃ والتسلیم میں کسی سے افضل جانتا ہے اور آجکل یہاں کے رافضی تبرائی عموماً ایسے ہی ہیں ان میں شاید ایک شخص بھی ایسا نہ نکلے جو ان عقائدِ کفریہ کا معتقد نہ ہو جب تو وہ کافر مرتد ہے اور اس کے جنازہ کی نماز حرامِ قطعی و گناہ شدید ہے اور اگر ضروریات دین کا منکر نہیں مگر تبرائی ہے تو جمہور ائمہ اور فقہائے عظام کے نزدیک اس کا وہی حکم ہے اور اگر صرف تفضیلیہ ہے تو اس کے جنازے کی نماز بھی نہ چاہئے، متعدد حدیثوں میں بدمذہبوں کی نسبت ارشاد ہے ((ان ماتوا فلا تشهدوهم)) وہ مریں تو ان کی جنازہ پر نہ جائیں۔ (سنن ابن ماجہ، ص10، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

((ولا تصلوا عليهم)) ان کے جنازے کی نماز نہ پڑھو۔ (کنز العمال، ج11، ص540، موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

نماز پڑھنے والوں کو توبہ استغفار کرنی چاہئے اور اگر صورت پہلی تھی یعنی وہ مردہ رافضی منکر بعض ضروریات دین تھا اور کسی شخص نے باآں کہ اس کے حال سے مطلع تھا دانستہ اس کے جنازے کی نماز پڑھی اس کے لئے استغفار کی جب تو اس شخص کو تجدید اسلام اور اپنی عورت سے از سرنو نکاح کرنا چاہئے۔

(ص171)

سوال :ایک شخص جو اثناء عشری مذہب رکھتا ہے اور کلمہ لا الہ الااللہ محمد رسول اللہ علی خلافۃ بلا فصل وغیرہ اعتقادات کا معتقد ہے فوت ہوا ہے اس کا جنازہ ہمارے امام حنفی المذہب جامع مسجد نے پڑھایا اور اس کو غسل دیا نیز اس کے ختم میں شامل ہوا رافضی جماعت نے امام مذکور کے نماز جنازہ پڑھانے کے بعد دوبارہ رافضی امام سے متوفی مذکور کی نماز جنازہ پڑھائی کیا امام مذکور حنفی المذہب کا یہ فعل ائمہ احناف کے نزدیک جائز ہے؟ اگر نا جائز ہے تو کیا امام مذکور کا یہ فعل شرعاً قابل تعزیر ہے اور کیا تعزیر ہونی چاہئے؟

جواب :صورت مذکورہ میں وہ امام سخت اشد کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوا، اس نے قرآن عظیم کا خلاف کیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے﴿ولا تصل علی احد منهم مات ابدا﴾ ترجمہ:ان کے کسی مردے کی نماز جنازہ کبھی نہ پڑھو۔

تعزیر یہاں کون دے سکتا ہے اس کی سزا حاکم اسلام کی رائے پر ہے وہ چاہتا تو پچھتر کوڑے لگاتا اور چاہتا تو قتل کر سکتا تھا کہ اس نے مذہب کی توہین کی، اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اور اسے امامت سے معزول کرنا واجب۔

یہ سب اس صورت میں ہے کہ اس نے کسی دنیوی طمع سے ایسا کیا ہو اور اگر دینی طور پر اسے کارِ ثواب اور رافضی تبرائی کو مستحقِ غسل و نماز جان کر یہ حرکات مردودہ کیں تو وہ مسلمان ہی نہ رہا اگر عورت رکھتا ہو اس کے نکاح سے نکل گئی کہ آج کل رافضی تبرائی عموماً مرتدین ہیں اور بحکمِ فقہائے کرام تو نفس تبرا کفر ہے۔

(ص173)

<u>ہیجڑے کی نمازِ جنازہ کا حکم</u>

سوال :اگر ہیجڑا مر جائے تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہیں اور پڑھی جائے تو نیت مرد کی جائے یا عورت کی، نیز دعا کون سی پڑھی جائے؟

جواب :ہیجڑہ اگر مسلمان ہے تو اس کے جنازہ کی نماز فرض ہے اور نیت میں مرد و عورت کی تخصیص کی کوئی حاجت نہیں، مرد و عورت دونوں کے لئے ایک ہی دعا ہے، خصوصاً یہ ہیجڑے جو یہاں ہوتے ہیں وہ مرد ہی ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو عورت بناتے ہیں۔ (ص174)

امامتِ جنازہ

<u>نمازِ جنازہ پڑھانے کا زیادہ حق دار کون ہے؟</u>

سوال: نمازِ جنازہ کی امامت کا سب سے پہلے حق کس کا ہے اور یہ جو عام پر رائج ہے کہ ولی میت سے اذن

(اجازت) لیتے ہیں کیا یہ ضروری ہے نیز قاضی جو نکاح پڑھاتا ہے کیا وہ ولی کی اجازت کے بغیر نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے؟

جواب: نماز جنازہ ولی میت کا حق ہے دوسرا کہ اس کے اذن کا محتاج ہے اگر بے اس کے اذن کے پڑھائے اسے (ولی کو) اعادۂ نماز جائز ہے حالانکہ نماز کی تکرار مشروع نہیں۔

نکاح خوانی کا قاضی کوئی عہدہ شرعی نہیں، وہ بے اذن ولی ہرگز نہیں پڑھا سکتا یونہی جامع مسجد کا امام اگر میت جمعہ وغیرہ اس کے پیچھے نہ پڑھتا ہو یا علم وفضل میں ولی میت سے زائد نہ ہو، اسی طرح امام الحی یعنی مسجد محلّہ کا امام، ہاں اگر میت ان کے پیچھے نماز پڑھا کرتا تھا اور یہ فضلِ دینی میں ولی میت سے زائد ہیں تو بے اذنِ ولی پڑھا سکتے ہیں۔

اور اصحابِ ولایتِ عامہ سلطان اسلام یا اس کا نائب حاکم شہر یا اس کا نائب قاضی شرع جسے سلطان اسلام نے فصلِ مقدمات پر مقرر کیا یا اس کا نائب، یہ لوگ ولی پر مقدم ہیں انہیں ولی سے اجازت لینے کی مطلقاً حاجت نہیں، باقی سب محتاج اذنِ ولی ہیں اگر بے اذن پڑھائیں گے حقِ غیر میں دست اندازی کے مرتکب ہونگے مگر فرض کفایہ ادا ہو جائے گا ولی نے اگر ان کی اقتدء کر لی فبہا کہ اذن ابتدء میں نہ تھا تو اب ہو گیا اور اگر اقتدء نہ کی تو اسے جائز ہے کہ دوبارہ پڑھے اور جو پہلی جماعت میں شریک نہ ہوئے تھے انھیں اس جماعتِ ولی میں شرکت کی اجازت ہے۔ (ص174)

__میت پر دوبار جنازہ پڑھنے کی صورت__

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میت اگر بالغ ہو یا نابالغ ہو اس کے جنازے میں ولی داخل نہیں ہوا تو اس کا جنازہ ہوا کے نہیں؟

جواب: نماز ہو گئی مگر جو جنازہ بے اجازتِ ولی پڑھی جائے ولی کو اختیار ہے کہ دوبارہ پڑھے مگر جو پہلے پڑھ چکے ہیں وہ دوبارہ نہیں پڑھ سکتے پھر یہ بھی اس صورت میں ہے کہ پہلی نماز کسی ایسے نے پڑھی جس پر ولی کو ترجیح تھی ورنہ اگر مثلاً بادشاہ اسلام یا قاضی شرع یا امامِ حی (محلے کے امام) نے نماز پڑھا دی تو ولی کو اعادہ کا اختیار نہیں کہ وہ اس بات میں ولی سے مقدم ہیں۔

(ص182)

نمازِ جنازہ کی ادائیگی

__نمازِ مغرب کے وقت اگر جنازہ آئے تو پہلے نماز ادا کی جائے__

سوال: مغرب کے وقت جنازہ آئے تو پہلے نمازِ فرض کی ادائیگی کی جائے یا نمازِ جنازہ کی؟

جواب: پہلے نمازِ مغرب ادا کرنی چاہئے بلکہ مقررہ سنتوں کو بھی ادا کر لینا چاہئے ہاں اگر ضرورت پہلے ادائے جنازہ

کی طالب ہے مثلاً مردے کا پیٹ پھولا ہوا ہے اور اندیشہ ہے کہ اگر دیر کریں تو پھٹ جائے گا اور ابھی وقت میں وسعت ہے کہ جنازہ پہلے ادا کرنے سے مغرب فوت نہ ہوگی، تو ایسے وقت میں ناچار بالاتفاق نماز جنازہ کی ادائیگی پہلے ہوگی۔ (ص183)

سوال: ظہر کی نماز کا وقت ابھی شروع ہوا پھر جنازہ بھی آیا اور وقت بھی بہت ہے، اب کونسی نماز مقدم ہوگی؟

جواب: جب وقتِ ظہر وسیع ہے جنازے کی تقدیم کریں ہاں اگر جنازہ لے جانے والے بھی اسی جماعتِ ظہر میں شریک ہونگے کہ اگر جنازے کی نماز پہلے ہو جائے جب بھی جنازہ نماز ظہر سے فارغ ہونے کیلئے رکھا رہے گا اور اس کے تغیر کا اندیشہ نہ ہو تو ظہر فرض وسنت پہلے پڑھیں کہ اس دیر میں شاید اور نمازی آ جائیں اور جنازے پر تکثیر ہو۔ (ص184)

سوال: عصر کا وقت شروع ہو چکا تھا ولی میت نے یا اس کی اجازت سے دوسرے نے نمازِ جنازہ ادائے عصر سے پہلے ادا کر لی تو یہ نماز جنازہ ہوئی یا نہ ہوئی؟ اگر ہوگئی تو جو شخص اسے ناجائز سمجھ کر عصر کے بعد دوبارہ پڑھے اس کے لئے کیا حکم ہے؟

جواب: نماز جنازہ ہر وقت مشروع ہے یہاں تک کہ تینوں اوقات مکروہہ میں بھی، اگر اسی وقت آیا ہو اور یہ خیال کہ نمازِ عصر سے پہلے نماز جنازہ ناجائز ہے رسوا کن جہالت ہے یا کھلی ہوئی گمراہی، اور شریعت مطہرہ پر قطعی افتراء، ہاں اگر وقت تنگ ہو تو پہلے عصر پڑھنا ضروری ہے لیکن اگر نماز جنازہ پہلے پڑھ لی تو وہ بھی صحیح ہوگی، اور جب ولی نے یا اس کی اجازت سے دوسرے نے نماز جنازہ پڑھ لی تو دوبارہ پڑھنا جائز نہیں۔ (ص185)

کھانا تیار ہے اور جنازہ بھی تو پہلے جنازہ پڑھا جائے

سوال: کھانا تیار ہے، جنازہ بھی تیار ہے، تو پہلے کھانا کھائے یا نماز جنازہ اور تدفین پہلے کرے؟

جواب: جنازہ آگیا تو پہلے اس کی نماز پڑھ لے اس نماز میں ایسی دیر نہیں ہوتی، پھر اگر بھوک وغیرہ وہی (اعذار جماعت والی) ضرورتیں لاحق ہیں تو دفن کے لئے بعد کھانا کھانے کے جائے یا فقط نماز پر قناعت کرے، جبکہ لیجانے والے موجود ہوں اور اس کے نہ جانے سے کوئی حرج شرعی لازم نہ آتا ہو۔ (ص186)

سوال: ایک جنازہ کی نماز میں کچھ لوگ بلا وضو اور بلا تیمم شریک ہو گئے ان کی نماز ہوئی یا نہیں؟ اور ایک شخص نے کہا کہ انہوں نے برا نہ کیا کہ نماز جنازہ میں صرف امام کی طہارت ضروری ہے مقتدیوں کی طہارت کی حاجت نہیں، اس کا یہ قول کیسا ہے؟

جواب: جنازہ کی نماز مثل اور سب نمازوں کے بغیر طہارت ہرگز صحیح نہیں، وہ پڑھنے والے گنہگار ہوئے اور انہوں نے بہت سخت برا کیا اور ان کی نماز ہرگز ادا نہ ہوئی نماز جنازہ میں طہارت امام شرط ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ایسا ہو جب بھی اس میت کی نماز جنازہ ادا ہو جائے گی اور وہ فرض کفایہ ساقط ہو جائے گا کہ امام طاہر تھا تو اس کی نماز صحیح ہوگئی، اس فرض کے ادا کرنے کو اتنا کافی ہے کہ اس میں جماعت شرط نہیں، یہ معنی نہیں ہیں کہ فقط طہارتِ امام صحتِ نمازِ مقتدیان کے لئے بھی کفایت کرتی ہے مقتدیوں کو بے طہارت پڑھ لینی جائز یہ محض

جہالت فاحشہ ہے جس نے یہ فتویٰ بیہودہ دیا وہ شرعاً تعزیر دیئے جانے کے قابل ہے کہ جاہل کو مفتی بننا حرام ہے۔ (ص 187)

جوتے پہن کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال: بعض لوگوں نے جوتے پہن کر نماز جنازہ پڑھی، کیا ان کی نماز ہو گئی؟

جواب: اگر وہ جگہ پیشاب وغیرہ سے ناپاک تھی یا جن کے جوتوں کے تلے ناپاک تھے اور اس حالت میں جوتا پہنے ہوئے نماز پڑھی ان کی نماز نہ ہوئی، احتیاط یہی ہے کہ جوتا اتار کر اس پر پاؤں رکھ کر نماز پڑھی جائے کہ زمین یا تلا اگر ناپاک ہو تو نماز میں خلل نہ آئے۔ (ص 188)

سوال: زید نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز میں جوتا اتارا، مقتدیوں نے بھی اتارا، پیغمبر علیہ السلام نے دریافت کیا تم نے جوتے کیوں اتارے؟ جواب دیا کہ اتباع کی، فرمایا کہ مجھ سے جبریل علیہ السلام نے کہا کہ جوتے میں ناپاکی ہے۔ کیا زید نے یہ درست حدیث بیان کی؟

جواب: زید نے بیانِ حدیث میں غلطی کی حدیث میں لفظِ نجاست نہیں لفظِ قذر ہے یعنی گھن کی چیز جیسے ناک کی آمیزش وغیرہ، نجاست ہوتی تو نماز سرے سے پڑھی جاتی کی نماز کا ایک جز باطل ہونا ساری نماز کو باطل کر دیتا ہے۔ (ص 189)

سوال: نماز جنازہ اس طرح ادا کرنا کہ میت چارپائی پر ہو اور چارپائی کے پائے ایک ہاتھ سے زائد بلند ہوں جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس دلیل سے جائز ہے؟

جواب: نماز کے وقت میت کا چارپائی پر ہونا صدرِ اولیٰ سے معمولِ مسلمانان ہے اس کے پائے حسبِ عادت ہاتھ بھر یا کم یا کبھی زائد ہر طرح کے ہوتے ہیں کبھی اس پر انکار نہیں ہوا، جو ہاتھ بھر تھوڑے زائد کو ناجائز بتائے وہ سند دے جس نے ناجائز کہا جس نے ناجائز لکھا اور ہرگز سند نہ دے سکے گا اس وقت اس پر کھل جائے گا کہ اس کا ناجائز کہنا شریعتِ مطہرہ پر افتراء تھا، ہاں اگر پلنگ اتنا اونچا ہو کہ قدِ آدم سے زائد، جس میں امام کے محاذات میت کے کسی جزو سے نہ ہو تو البتہ نماز ناجائز ہو گی کہ محاذات شرط ہے مگر کوئی پلنگ اتنا اونچا نہیں ہوتا۔ (ص 189)

سوال: زید کہتا ہے کہ اگر جنازہ کو ایسی چارپائی پر رکھ کر نماز پڑھی کہ جس کے پائے ایک بالشت سے کم تھے تب تو نماز ہو گئی ورنہ نہیں اور ثبوت میں شامی اور کبیری پیش کر کے کہتا ہے کہ جنازہ مثل امام کے ہے جس طرح امام کا ایک بالشت سے اوپر کھڑے ہونا مفسدِ صلوۃ ہے اس صورت میں بھی بالشت سے زائد ہونا مانعِ صلوۃِ جنازہ ہے کیا واقعی اگر پائے ایک بالشت سے زیادہ ہوں تو مفسدِ صلوۃِ جنازہ ہیں یا ایک بالشت ہونا اولیٰ اور اس سے زائد مکروہ ہے یا مطلقاً خواہ جس قدر بھی پائے لمبے ہوں جائز ہے؟

جواب: زید کے اقوال سب باطل و بے اصل ہیں نہ پایوں کی بلندی شرعاً کسی حد پر مخصوص رکھی گئی ہے، نہ ایک

بالشت بلندی میں کوئی اولویت، نہ ایک بالشت یا ایک گز امام کی بلندی مفسدِ نماز، نہ ہر بات میں جنازہ مثلِ امام، یہ ہوسات عاطلہ اوہام باطلہ ہیں جنازہ کا زمین پر رکھا ہونا ضرور شرط ہے اگر چہ پائے کتنے ہی بلند ہوں اور امام کا بقدرِ امتیاز سب مقتدیوں سے اونچا ہونا صرف مکروہ ہے نہ کہ مفسدِ نماز۔ (ص190)

سوال: نمازِ جنازہ میں امام کے نیچے جانماز ہوتی ہے اور سب مقتدی زمین پر ہوتے ہیں، یہ جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: صورتِ مستفسرہ (پوچھی گئی صورت) میں جواز تو یقینی ہے تو رہی کراہت اس کے لئے بھی کوئی وجہ نہیں۔ (ص191)

سوال: امام کا مقتدیوں سے اونچا کھڑا ہونا کیسا ہے؟

جواب: امام کو مقتدیوں سے اتنا اونچا کھڑا ہونا مکروہ ہے جس سے امتیاز واقع ہو اور وجہ اس کی حدیث میں نہی آنا اور اہل کتاب سے مشابہت پایا جانا ہے کہ یہود عنود اپنے امام کے لئے جائے بلند مقرر کرتے ہیں۔ (ص191)

سوال: امام کے نمازِ جنازہ پڑھانے کے لئے چادر کیوں بچھائی جاتی ہے اور بعدِ نمازِ جنازہ اس کا مصرف کیا ہے؟

جواب: اس جانماز سے دو غرضیں لوگوں کی ہیں ایک یہ کہ اکثر نماز جنازہ راستے وغیرہا بے احتیاطی کے مقامات پر ہوتی ہے مسجد کہ صاف و پاکیزہ رکھی جاتی ہے اس میں نماز جنازہ منع ہے تو بغرض احتیاط امام کے نیچے جانماز بچھا دی جاتی ہے کہ سب مقتدیوں کے لئے اس کا مہیا کرنا دشوار ہوتا ہے اور اگر فرض کیجئے کہ وہ تمام جگہ ایسی ناپاک ہے کسی کی نماز نظر بواقع نہ ہو سکے تو جانماز کے سبب امام کی تو ہو جائے گی اور اسی قدر سب مسلمانوں کی طرف سے ادائے فرض وابرائے ذمہ (ذمہ سے بری کرنے) کیلئے کافی ہے کہ نمازِ جنازہ میں جماعت شرط نہیں۔

دوسرے نفعِ فقیر کہ وہ جانماز بعدِ نماز کسی طالبِ علم یا اور فقیر پر تصدق کر دی جاتی ہے اور یہ دونوں غرضیں محمود ہیں تو اس کے جواز میں کلام نہیں اور جس فقیر پر وہ تصدق کی گئی اس کی ملک ہے کرتا وغیرہ جو چاہے بنائے اس میں نماز مکروہ بھی نہیں نہ اصلاً حاجتِ اعادہ۔

(ص192)

سوال: زید نے ایک بزرگ کے مزار پر چادریں چڑھائیں اور زیارت کے مجاور (خادم) نے اپنے قبضہ میں لا کر ان چادروں کو عمرو کے ہاتھ فروخت کیا اور عمرو نے بکر ہاتھ اس حالت میں بکر کو اس کا اوڑھ کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اگر تصریحاً عرف ورواج سے یہ امر ثابت ہے کہ وہ چادریں مجاروں کے لینے کے لئے چڑھائی جاتی ہیں تو مجاور مالک ہو گیا بیع جائز ہوئی اور اسے اوڑھ کر نماز پڑھنے میں حرج نہیں اور اگر چادر اس کے لئے چڑھائی کہ مزار پر رہے تو ملکِ زید پر باقی ہے اور بیعین (دونوں دفع خرید و فروخت) اسکی اجازت پر موقوف ہے اگر جائز کر دے گا نافذ ہو جائے گی ورنہ باطل۔ (ص192)

<u>نمازِ جنازہ میں مقتدی بھی تمام دعائیں پڑھیں گے</u>

سوال: کیا نمازِ جنازہ میں مقتدی فقط ثناء (سبحانك اللهم) پڑھ کر خاموش ہو جائیں اور کچھ نہ پڑھیں یا سبحان ،درود شریف، دعا جو کچھ امام پڑھے مقتدی بھی پڑھیں؟

جواب: مقتدی بھی سب کچھ پڑھیں کہ نمازِ جنازہ میں صرف ذکر دعا ہے قرأت قرآن نہیں اور مقتدیوں کو صرف قرأتِ قرآنِ عظیم ہی منع ہے باقی دعا و اذکار میں وہ امام کے شریک ہیں۔ (ص193)

<u>چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑ دیے جائیں</u>

سوال: نمازِ جنازہ میں سلام ہاتھ چھوڑنے کے بعد پھیرنا چاہئے یا قبل ہاتھ چھوڑنے کے، افضل کیا ہے؟

جواب: ہاتھ باندھنا سنت اس قیام کی ہے جس کے لئے قرار (ٹھہرنا) ہو، سلام وقتِ خروج ہے اس وقت ہاتھ باندھنے کی طرف کوئی داعی نہیں، تو ظاہر یہی ہے کہ تکبیرِ چہارم کے بعد ہاتھ چھوڑ دیا جائے۔ (ص194)

<u>چوتھی تکبیر سے پہلے اگر جان بوجھ کر سلام پھیرا تو نماز نہ ہوگی</u>

سوال: نمازِ جنازہ میں چوتھی تکبیر کہنے سے پہلے ایک طرف سلام پھیر دیا، یاد آنے پر چوتھی تکبیر کہی پھر سلام پھیرا کیا حکم ہے؟

جواب: نماز ہو جانا بھی اسی صورت میں ہے کہ اس نے بھول کر سلام پھیرا ہو، اور اگر قصداً پھیرا یہ جان کر کہ نماز جنازہ میں تین ہی تکبیریں ہیں تو یہ نماز بھی نہیں ہوگی۔ (ص194)

<u>نمازِ جنازہ میں اگر کچھ تکبیریں رہ جائیں تو؟</u>

سوال: نمازِ جنازہ کا مسبوق فوت شدہ تکبیروں کو پورا کرے تو ان میں کس کس تکبیر میں کیا کیا پڑھے؟

جواب: اگر جنازہ اٹھالیا جانے کا اندیشہ ہو جلد جلد تکبیریں بلا دعا کہہ کر سلام پھیر دے ورنہ ترتیب وار پڑھے مثلاً تین تکبیریں فوت ہوئیں تو چوتھی امام کے ساتھ کہہ کر بعدِ سلام پہلی تکبیر کے بعد ثناء پھر درود پھر دعا پڑھے اور دو فوت ہوئیں تیسری امام کے ساتھ دعا، چوتھی کے بعد سلام، پھر اول کے بعد ثناء، دوم کے بعد درود، ایک ہی فوت ہوئی تو بعدِ سلام ایک تکبیر کے بعد ثناء۔ (ص194)

<u>مردہ کو نماز جنازہ پڑھے بغیر دفنا دیا تو کتنے دن تک اس کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھ سکتے ہیں؟</u>

سوال: مردہ کو نماز جنازہ پڑھے بغیر دفنا دیا تو اس کی قبر پر کتنے دن تک پڑھنا جائز ہے؟

جواب: جب تک بدنِ میت سالم ہونا مظنون (گمان کیا جاتا) ہو اور یہ امر اختلافِ موسم وحالِ زمین وحالِ میت سے جلد و دیر میں مختلف ہو جاتا ہے، گرمی میں جلدی بگڑ جاتا ہے سردی میں بدیر (دیر سے)، زمین شور یا نمک میں جلد سخت و غیر شور میں بدیر، فربہ مرطوب (موٹا اور تر) جلد، خشک ولاغر (خشک اور کمزور) بدیر، تو اس کے لئے مدت معین نہیں کر سکتے۔ (ص194)

<u>نمازِ جنازہ کی تین صفیں کرنا مستحب ہے</u>

سوال: حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ جس پر تین صفیں نماز پڑھیں اس کی بخشش ہو جائے، تو کیا نمازی کم ہوں تب بھی تین صفیں بنائیں گے؟

جواب: غنیۃ شرح منیہ میں ہے "تین کرنا مستحب یہاں تک کہ اگر سات آدمی ہوں ایک شخص امامت کے لئے آگے ہو اور اس کے پیچھے تین کھڑے ہوں، ان کے پیچھے دو پھر ایک، کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس پر تین صفیں نماز پڑھیں اس کی بخشش ہو جائے۔" (غنیۃ المستملی شرح منیہ، ص588، سہیل اکیڈمی، لاہور) (ص199)

سوال: اوپر مذکور ہوا کہ اگر سات جنازہ پڑھنے والے ہوں ان میں سے ایک امام ہوگا اور چھ مقتدی تین صفیں بنائیں گے تو کیا پانچ مقتدیوں میں بھی اسی طرح صف بندی کی جائے گی؟

جواب: ہاں پانچ میں بھی کی جائے ہمیں حدیث وفقہ نے بتایا کہ ارشاد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "مسلمانوں میں سے کوئی فوت ہو گیا اور اس پر مسلمانوں کی تین صفوں نے جنازہ پڑھا تو اس کے لئے جنت واجب ہو گئی" کی برکت حاصل کرنے کو حتیٰ الوسع (حتیٰ الامکان) حاضرین کی تین صفیں کی جائیں، اگر صفِ اخیر صرف ایک شخص کی ہو یہ بات پانچ مقتدیوں میں یقیناً حاصل ہے پہلی دو صفیں دو دو کی ہوں کہ دو آدمی صلوٰۃ مطلقہ میں بھی مستقل صف ہیں اور تیسری صف ایک کی۔ (ص205)

<u>چھ مقتدیوں کی صف بندی کے ذکر کی وجوہات</u>

سوال: جب پانچ مقتدیوں میں بھی اس طرح صف بندی ہو سکتی ہے تو فقہاء کرام نے چھ ہی مقتدیوں کی صف کیوں لکھی؟

جواب: فقہاء نے کہ چھ ہی مقتدیوں کی صورت لکھی:

اولاً: بعض صور پر اقتصار بعض دیگر کا نافی نہیں (بعض صورتوں کا ذکر کرنا دوسری کی نفی نہیں کرتا)۔

ثانیاً: اس کے تین سبب ہیں:

اول: صورتِ مذکورہ حدیث کے ذکر سے تبرک۔

دوم: اس پر تنبیہ کہ چھ مقتدیوں کی صورت میں اگرچہ ہر صف دو شخصوں کی ہو سکتی ہے مگر بہ اتباعِ سنت یونہی کریں کہ پہلی صف تین کی دوسری دو کی اور تیسری ایک کی۔

سوم: کراہتِ انفراد کا کامل ازالہ (نمازِ جنازہ میں اکیلے کھڑے ہونے کی کراہت کا کامل ازالہ) کہ باوصفِ تیسرِ تعدد (تعدد کی آسانی کے باوجود) انفراد اختیار کیا۔ (ص206)

<u>میت کو تلقین کرنے کے طریقے</u>

سوال: میت کو دفن کرنے کے بعد تلقین کا طریقہ کیا ہے؟

جواب:تلقین کا پہلا طریقہ:

حدیث میں ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "جب تمہارا کوئی بھائی مسلمان مرے اور اس کی قبر پر مٹی برابر کر چکو تو تم میں ایک شخص اس کے سرہانے کھڑا ہو کر کہے:

یافلان ابن (بنت) فلانۃ ،کہ وہ سنے گا اور جواب نہ دے گا، پھر کہے: یا فلان ابن (بنت) فلانۃ ،وہ سیدھا ہو کر بیٹھ جائے گا پھر کہے: یافلان ابن (بنت) فلانۃ ،وہ کہے گا ہمیں ارشاد کر اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے مگر تمہیں اس کے کہے کی خبر نہ ہوتی پھر کہے اذکر(اذکری) ماخرجتَ (ماخرجتِ) علیه من الدنیا شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم وانكَ رضيتَ (انكِ رضيتِ) بالله ربا وبالاسلام دينا وبمحمد صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم نبياً و بالقرآن اماما" (کنزالعمال،ج15،ص605مؤسسۃ الرسالۃ،بیروت)

نکیرین ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہیں گے چلو ہم اس کے پاس کیا بیٹھیں گے جسے لوگ اس کی حجت سکھا چکے اس پر کسی نے عرض کی یا رسول اللہ اگر اس کی ماں کا نام معلوم نہ ہو فرمایا حوا کی طرف نسبت کرے۔ (کنزالعمال،ج15،ص605مؤسسۃ الرسالۃ،بیروت)

تلقین کا دوسرا طریقہ:

راشد بن سعد وضمرہ بن حبیب وحکیم بن عمیر کہ تینوں صاحب اجلہ ائمہ تابعین سے ہیں فرماتے ہیں "جب قبر پر مٹی برابر کر چکیں اور جب لوگ واپس جائیں تو مستحب سمجھا جاتا تھا کہ میت کے اس کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر کہا جائے: یا فلان قل (قولی) لا اله الا الله ،تین بار پھر کہا جائے: قل (قولی) ربی الله ودینی السلام و نبی محمد صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم فقیر غفراللہ تعالیٰ اس قدر اور زائد کرتا ہے: واعلم (واعلمی) ان هذين الذين اتياك (او ياتيا نك) انما هو عبد ان الله لا يضران ولا ينفعان الا باذن الله فلاتخف (لاتخافی) ولا تحزن (لاتخزنی) واشهد (اشهدی) ان ربكَ (ربكِ) الله ودينكَ (دينكِ) الاسلام و نبيكَ (نبيكِ) محمد صلى الله عليه وسلم ثبتناالله اياك بالقول الثابت فی الحيوة الدنيا و فی الآخرة انه هو الغفور الرحيم "ترجمہ: کہہ میرا رب اللہ ہے اور میرا دین اسلام اور نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (فقیر غفراللہ تعالیٰ نے اس قدر اور زائد کیا) اور جان لے کہ یہ دو جو تیرے پاس آئے یا آئیں گے یہ تو یہی دو بندے ہیں اللہ کے، نہ نفع دیں نہ نقصان پہنچائیں مگر خدا کے حکم سے، تو نہ ڈر اور نہ غم کر اور گواہی دے کہ تیرا رب اللہ ہے اور تیرا دین اسلام اور تیرے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ثابت رکھے ہمیں اللہ اور تجھ کو ٹھیک بات پر دنیا کی زندگی اور آخرت میں، بیشک وہی ہے بخشنے والا مہربان۔ (ص222)

<u>نماز جنازہ کے بعد میت کے لئے دعا کرنا حدیث سے ثابت ہے</u>

سوال: نماز جنازہ کے بعد میت کے لئے دعا کرنا کیا حدیث سے ثابت ہے؟

جواب: لاجرم حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قبلِ نمازِ (جنازہ) وبعدِ نماز دونوں وقت میت کے لئے دعا فرمانا اور مسلمانوں کو دعا کا حکم دینا ثابت ہے۔

(ص226)

سوال: کثرت سے دعا مانگنے کے باوجود قبول نہ ہونے کی وجہ سے دعا ترک کر دینے والے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: کثرت دعا سے گھبرا کر دعا چھوڑ دینے والے کو (حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے) فرمایا ''ایسے کی دعا قبول نہیں ہوتی۔''

(ص242)

سوال: بعض عبارات فقہاء سے پتا چلتا ہے کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا مکروہ ہے؟

جواب: عباراتِ فقہاء صرف دو صورتوں سے متعلق ہے: ایک بعدِ نمازِ جنازہ اس ہیئت پر بدستور صفیں باندھے وہیں کھڑے دعا کرنا (یہ اس وجہ سے مکروہ ہے کہ نماز پر شبہ زیادت نہ ہو) دوسرے قبل نماز خواہ بعد نماز دعائے طویل کی خاص غرض سے امر تجہیز کو تعویق میں ڈالنا (یعنی روکے رکھنا)، ظاہراً اس صورت میں کرہت تحریمی تک ہوسکتی ہے اور صورت اولیٰ میں تنزیہی۔ جس کا حاصل خلاف اولی یعنی بہتر نہیں نہ یہ کہ ممنوع و ناجائز ہو۔ یہ دو صورتیں جن سے کلماتِ فقہاء باحث، ان کے سوا تمام صورِ دعا جن میں نہ دعا کی غرض سے تاخیر کرے نہ بعدِ نماز اس انداز پر ہو مثلاً صفیں توڑ کر دعائے قلیل یا بوجہ خاص جنازہ میں دیر کی حالت میں دعائے طویل اصلاً مضائقہ نہیں رکھتی، نہ کلمات علماء میں اس کا انکار بلکہ وہ عام ماموربہ کے تحت میں داخل اور مستحبِ شرعی کی فرد ہے۔

(ص256)

سوال: بعض علماء لکھنؤ نے مکروہ تنزیہی کو گناہ صغیرہ لکھا ہے، کیا ایسا ہی ہے؟

جواب: بعض علماء لکھنو نے جو اپنے رسائل میں مکروہ کو گناہ صغیرہ لکھ دیا سخت ذلت کبیر ہے جس کے بطلان پر صدہا کلماتِ ائمہ ودلائلِ شرعیہ ناطق۔

(ص256)

سوال: پنجاب کے اکثر شہروں میں یہ دستور ہے کہ نماز جنازہ سے فارغ ہو کر بعدِ سلام اسی جگہ پر جہاں نمازِ جنازہ ادا کی گئی ہے، میت کیلئے دعا مغفرت کی جاتی ہے اور بعض لوگ پیش تر دعا کے سورہ فاتحہ ایک بار اور سورہ اخلاص تین بار یا گیارہ بار پڑھ کر میت کیلئے دعا مغفرت کرتے ہیں اور ہمیشہ سے یہی دستور چلا آ رہا ہے اب بعض لوگ اس سے منع کرتے ہیں، اس بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: میت کیلئے دعا قبل نمازِ جنازہ وبعدِ نمازِ جنازہ ہمیشہ مطلقاً مستحب ومندوب ہے اور اس سے اصلاً ممانعت نہیں خود حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے قبل و بعد نماز دونوں وقت میت کیلئے دعا فرمانا اور اس کا حکم دینا ثابت ہے۔ (ص257)

موضعِ نمازِ جنازہ

<u>مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے</u>

سوال: مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ 1

جواب: جنازہ مسجد میں رکھ کر اس پر نماز مذہب حنفی میں مکروہ تحریمی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ مسجد میں نہ جنازہ ہو نہ امامِ جنازہ نہ صفِ جنازہ یہ سب مکروہ ہے۔ (ص263)

سوال: رمضان شریف کے الوداعی جمعہ کو جامع مسجد میں جنازہ آیا نمازیوں کی بہت کثرت تھی اگر باہر پڑھتے تو جگہ بھی تنگ تھی، درختوں کی وجہ سے صفیں بھی سیدھی نہ بنتیں اور دھوپ کی وجہ سے روزہ دار بھی تنگ ہوتے لھذا مشورہ دیا گیا کہ نماز جنازہ مسجد کے اندر کرلی جائے مگر ایک شخص نے مذکورہ بالا اعذار کی پرواہ نہ کی اور نمازِ جنازہ مسجد کے باہر کروائی جس کی وجہ سے کئی لوگوں نے شرکت نہ کی، ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: اس نے مذہب پر عمل کیا جو بات مذہب میں منع تھی اس سے روکا، نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ ہے جو تنگیٔ جا کے سبب نہ مل سکے اور ملنے کی خواہش رکھتے تھے، انہیں ان شاء اللہ ملنے ہی کا ثواب ہے، حدیث میں ہے ''جو جماعت کی نیت سے مسجد کو چلا نماز ہو چکی اس کے لئے ثواب لکھ دیا گیا۔'' (ص263)

سوال: بعدِ فرض جمعہ نمازِ جنازہ پڑھ لی جائے تو اولیٰ ہے یا سنن ونوافل اور وظائف پڑھنے کے بعد نمازِ جنازہ پڑھنی اولیٰ ہے؟

جواب: سنت سے فارغ ہو کر نمازِ جنازہ پڑھیں نوافل وظائف قطعاً بعد کو رکھیں ہاں اگر جنازہ کی حالت ایسی ہو کہ دیر میں متغیر ہو جائے گا تو پہلے جنازہ پڑھیں پھر سنت وغیرہ۔ (ص264)

سوال: مسجد کے باہر جانبِ مشرق جو سامنے پختہ صحن بنا ہوا ہے اکثر گرمیوں میں وہاں مغرب کی نماز پڑھی جاتی ہے اس جگہ جنازہ کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: صحنِ مسجد یقیناً مسجد ہے، فقہاء اسے مسجدِ صیفی یعنی گرمیوں کی اور مسقف درجہ (چھت والی) کو مسجد شتوی یعنی جاڑوں کی مسجد کہتے ہیں اور نمازِ جنازہ مسجد میں مطلقاً مکروہ ہے ہاں حدِ مسجد سے باہر فنائے مسجد میں جائز ہے۔ (ص265)

سوال: میت تابوت کے اندر بند ہو تو کیا اسی طرح اس پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: میت اگر تابوت کے اندر ہو نماز اس پر اسی طرح جائز ہے کھولنے کی حاجت نہیں۔ (ص265)

<u>قبر کو اندر سے پختہ کرنا مکروہ ہے</u>

سوال: کسی ولی یا سید یا عالم کی قبر پختہ کرنا کیسا؟

جواب: قبر جس قدر میت سے متصل ہوتی ہے اس اندرونی حصہ کو پختہ کرنا ممنوع ہے اور باہر سے پختہ کرنے میں

حرج نہیں اور معظمان دینی (دینی بزرگوں) کیلئے ایسا کرنے میں بہت مصالح شرعیہ ہیں۔ (ص265)

میت کا ایک ملک سے دوسرے ملک میں لے جانا مکروہ ہے

سوال: لاش کا ایک ملک سے دوسرے ملک لے جا کر دفن کرنا کیسا ہے؟

جواب: لاش کا ایک ملک سے دوسرے ملک کو لے جانا تو بڑی بات ہے دوسرے شہر کو لے جانا بھی ممنوع ہے، میل دو میل تک لے جانے میں حرج نہیں۔ (ص265)

میت کو بلا وجہ تابوت میں دفن میں کرنا مکروہ وخلاف سنت ہے

سوال: میت کو لکڑی کے صندوق میں رکھ کر دفن کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: تابوت میں دفن میں کرنا مکروہ وخلاف سنت، مگر اس حالت میں کہ وہاں زمین بہت نرم ہو تو حفاظت کیلئے حرج نہیں۔ (ص265)

قبر میں شجرہ وغیرہ رکھنے کا طریقہ

سوال: قبر میں میت کے سینے پر کفن کے نیچے شجرۂ پیرانِ طریقت رکھ دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: بہتر یہ ہے کہ قبر میں طاق کھود کر اس میں شجرہ رکھا جائے اور تبرکات اگر سینہ پر رکھیں تو اس کی ممانعت بھی ثابت نہیں۔ (ص265)

کفن پہلے سے تیار رکھنے میں حرج نہیں

سوال: مرنے سے پہلے کفن اور قبر تیار رکھنا کیسا ہے؟

جواب: کفن پہلے سے تیار رکھنے میں حرج نہیں اور قبر پہلے سے بنانا نہ چاہیے۔ (ص265)

سوال: پہلے ایک حصہ خام (کچا) تھا اب بالکل ملحقہ مسجد کر کے سب پختہ بنا دیا گیا ہے آیا یہ مسجد میں داخل ہے یا نہیں اور یہاں نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں اور صحن مسجد ہے یا نہیں؟

جواب: یہ جگہ کہ مسجد سے خارج تھی اگر اسے پختہ کر کے صحن مسجد ملا دینا مسجد کے طور پر نہیں بلکہ اس لئے کہ جمعہ وعیدین میں نمازیوں کو آرام ہو تو وہ بدستور مسجد سے خارج ہے اور اس میں نماز جنازہ جائز ہے، اگر تمام مسلمانوں کی رائے سے اسے مسجد کر لیا گیا تو اب اس میں نماز جنازہ جائز نہیں۔ (ص266)

سوال: خانہ کعبہ اور مسجد اقدس نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں نماز جنازہ کیوں ہوتی ہے؟ اور جب کعبہ شریف میں نماز پڑھتے ہیں تو مسجد میں کیا حرج ہے؟

جواب: وہاں شافعیہ کے طور پر ہوتی ہے، حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں۔ (ص266)

سوال: مسجد ہوچکنے کے بعد اس مسجد میں حوض بنانا کیسا؟

جواب: اگر مسجد ہوچکی اس کے بعد وسط میں یہ حوض بنوایا اگرچہ بانی نے بنایا ہو تو اس کا بنانا حرام اور اس سے وضو کرنا حرام۔ (ص267)

سوال: یہاں نماز جنازہ کیلئے جو جگہ تعمیر کی گئی شہر سے دور فاصلہ پر ہے، بارش اور گرمی میں بڑی دقت ہوتی ہے لہذا بستی کے لوگوں کی تکلیف کو دور کرتے ہوئے جو پرانا صد سالہ قبرستان ہے کہ جس کی اکثر قبریں منہدم ہوچکی ہیں بسببِ انہدام کے لوگ کوڑا کرکٹ اس کے اندر ڈالتے ہیں، اگر وہاں نماز جنازہ کیلئے چبوترا بنایا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب: قبور پر نماز ہرگز جائز نہیں نہ ان پر کوڑا کرکٹ ڈالنا جائز، بندوبست کریں، ممانعت کریں، ہاں اگر وہاں یا اس کے قریب کوئی قطعۂ زمین ایسا ہو جہاں قبریں نہ تھیں تو وہاں نماز کی اجازت ہے۔ (ص267)

تکرارِ نمازِ جنازہ

نمازِ جنازہ کی تکرار ناجائز ہے

سوال: نمازِ جنازہ کی تکرار کرنا کیسا؟

جواب: نمازِ جنازہ کی تکرار ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے نزدیک مطلقاً ناجائز و نامشروع ہے مگر جب کہ اجنبی غیرِ احق نے بلا اذن و بلا متابعت ولی پڑھ لی ہو تو ولی اعادہ کرسکتا ہے۔ (ص270)

سوال: نمازِ جنازہ کے بغیر اگر کوئی مسلمان دفن کردیا گیا تو اب اسکے لئے کیا حکم ہے؟

جواب: نماز جنازہ جیسی قبل دفن ویسی بعد دفن قبر پر ولہذا اگر کوئی شخص بے نماز پڑھے دفن کردیا گیا تو فرض ہے اس کہ قبر پر نمازِ جنازہ پڑھیں جب تک ظن غالب رہے کہ بدن بگڑ نہ گیا ہوگا۔۔ اسی کو بعض روایات میں دفن کے بعد تین دن سے تقدیر کیا اور صحیح یہ کہ کچھ مدت معین نہیں جب سلامت وعدم سلامت مشکوک ہوجائے نماز ناجائز ہوجائے گی۔ (ص271)

نمازِ جنازہ پڑھنے کی فضیلت

سوال: نمازِ جنازہ پڑھنے کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: نمازِ جنازہ ایک تو مسلمان کا حق ہے۔۔ دوسرے مقبول بندوں کی نماز میں وہ فضل ہے کہ پڑھنے والوں کی مغفرت ہوجاتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "مومن صالح کو پہلا تحفہ یہ دیا جاتا ہے کہ جتنے لوگوں نے اس کی جنازہ

کی نماز پڑھی سب بخش دیے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ حیا فرماتا ہے کہ ان میں سے کسی پر عذاب کرے۔" (ص271)

سوال :ولیِ میت نے ایک بار نمازِ جنازہ لوگوں کے ساتھ پڑھی پھر دوسری بار انہی لوگوں کے ساتھ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ بامامت اخر نماز جنازہ پڑھی تو یہ تکرار نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں؟ اور ولی اس مسئلہ سے ناواقف ہے اور بسببِ اصرار کسی عالم کے اس نے دوبارہ نماز پڑھی تو وہ گنہگار ہوگا یا وہ عالم یا دونوں میں سے کوئی نہیں؟

جواب :دوبارہ اعادہ نماز ہمارے سب ائمہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اتفاق سے ناجائز و گناہ واقع ہوا، ایسی ناواقفی مانعِ گناہ نہیں کہ مسائل سے ناواقف رہنا خود گناہ ہے، عالم جس نے تاکید و اصرار کر کے ان لوگوں سے نمازِ جنازہ کی تکرار کرائی اگر مدعی حنفیت ہے تو خود اپنے ہی مذہب سے گنہگار ہے اور فرقہ غیر مقلدین سے ہے تو گنہگاری درکنار بد مذہب و گمراہ ہے اور ان دونوں صورتوں پر اس عالم پر اتنے گناہ لازم ہوئے جس قدر شمار حصار جماعت ثانیہ کا تھا (یعنی جس قدر جماعت ثانیہ کی کل تعداد تھی) اور اس پر ایک زائد مثلاً دوسری دفعہ اس کے اصرار سے سو آمیوں نے نماز پڑھی تو ان میں ہر ایک پر دو دو گناہ ایک گناہ فعل، دوسرا گناہ جہل اور اس عالم پر ایک سو ایک گناہ ایک اپنا اور سو ان کے فعل کے، آخر یہی داعی بگناہ (گناہ کی طرح بلانے والا) ہوا۔ (ص277)

<u>نمازِ جنازہ کا تکرار ممنوع ہونے کی وجہ</u>

سوال:ائمہ کرام نماز جنازہ کی تکرار کو نامشروع کیوں فرماتے ہیں؟

جواب:ائمہ کرام اس کی تکرار کو نامشروع فرماتے ہے کہ شرع مطہر میں یہ ہی نماز بروجہِ تنفل (نفل کے طور پر) نہیں اور اس کی فرضیت بالاجماع بسبیل الکفایہ ہے، اور فرض کفایہ جب بعض نے ادا کرلیا ادا ہوگیا، اب جو پڑھے گا نفل ہی ہوگا، اور اس میں تنفل مشروع نہیں۔ (ص281)

سوال :بعض روایات سے پتا چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعض لوگوں کی بعدِ نمازِ جنازہ و تدفین دوبارہ نمازِ جنازہ ادا فرمائی؟

جواب :زمانۂ اقدس حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں تمام مسلمین کے ولیِ احق واقدم خود حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے﴿النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم﴾ترجمہ: نبی مسلمانوں کے ان کی جانوں سے زیادہ مالک ہیں۔
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں((انا اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم))ترجمہ: میں مسلمانوں کا ان کی جانوں سے زیادہ مالک ہوں۔ (صحیح البخاری، ج1، ص308، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

تو جو نماز قبلِ اطلاع حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور لوگ پڑھ لیں پھر اگر حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعادہ فرمائیں تو یہ وہی صورت ہے کہ نمازِ اول غیرِ ولیِ احق نے پڑھی ولی احق اختیارِ اعادہ رکھتا ہے۔

نمازِ جنازہ شفاعت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس مسلمان کے جنازے پر چالیس مسلمان نماز میں کھڑے ہوں اللہ تعالیٰ اس کے حق میں ان کی شفاعت قبول فرمائے۔'' (صحیح مسلم، ج1، ص308، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس میت پر سو مسلمان نمازِ جنازہ میں شفیع ہوں ان کی شفاعت اس کے حق میں قبول ہو'' (صحیح مسلم، ج1، ص308، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

اور مالکِ شفاعت حضور شفیعِ یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں، اور جو کوئی شفاعت کرے وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیابت سے (نائب بن کر) کرے گا۔ شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''شفاعت مجھے عطا فرمادی گئی ہے'' اسے بخاری ومسلم اور نسائی نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے۔ (صحیح البخاری، ج1، ص62، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

جو شفاعت بے اذنِ والا (حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر) کوئی کرے وہ فضولی (غیر کے حق میں اس کے اجازت کے بغیر تصرف کرنے والے) کا تصرف ہے، کہ اذنِ مالک پر موقوف رہے گا، مالک اگر جائز کردے جائز ہوجائے گا اور اگر آپ ابتداءِ تصرف کرے تو باطل۔ مثلاً عمرو ملکِ زید بے اذنِ زید بیع کردے، زید خبر پاکر روا (جائز) رکھے، روا ہے اور اگر خود از سرِ نو عقدِ بیع کرے تو ظاہر ہوگا کہ عقدِ فضولی پر قناعت نہ کی، اب عقد یہی عقدِ مالک ہوگا، نہ عقدِ فضولی۔

توصورتِ مذکورہ میں جس میت پر حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود نماز پڑھیں، یہ اعادہ نماز نہ ہوگا، بلکہ نمازِ اول یہی قرار پانی چاہیئے۔ بحمداللہ تعالیٰ یہی معنی ہیں ہمارے بعض ائمہ کے فرمانے کے کہ نمازِ جنازہ کا فرض حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں بے حضور کے پڑھے ساقط نہ ہوتا تھا یعنی حضور خود پڑھیں یا دوسروں کو اذن دیں، اور اگر بے اطلاعِ حضورِ پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لوگ خود پڑھ لیں تو وہ شفاعت بے اذنِ مالک ہے کافی و مسقطِ فرض (فرض کو ساقط کرنے والی) نہیں۔ (ص291 تا 294)

سوال: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نمازِ جنازہ کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: خود نظرِ ایمانی گواہ ہے کہ کروڑوں صلحاء واتقیاء کسی جنازہ کی نماز پڑھیں مگر وہ بات کہاں جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پڑھنے میں ہے، وہ برکات ودرجات ومثوبات دوسرے کی نماز میں حاصل ہی نہیں ہوسکتیں، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہ نصِ قطعیِ قرآنِ عظیم ﴿ **عزیز علیه ماعنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم** ﴾ ہیں کہ ہر مسلمان کی کلفت (تکلیف) ان پر گراں، ایک ایک امتی کی بھلائی پر حریص، ہر مومن پر نہایت نرم دل مہربان۔ وہ کیونکر گوارا فرمائیں کہ دنیا میں ان کے تشریف رکھتے ہوئے مسلمان سخت منزل کا سفر کرے ان کی رحمت ان کی برکت کا توشہ اس کے ساتھ نہ ہو۔ (ص301)

سوال: نمازِ جمعہ سے پہلے جنازہ تیار ہوگیا، جماعتِ کثیرہ کے حصول کے لئے نمازِ جمعہ کے بعد تک تاخیر کرنا کیسا؟

جواب: حضورِ پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''تین چیزوں میں دیر نہ کرو، نماز جب اس کا وقت آجائے اور جنازہ

جس وقت حاضر ہو، اور زنِ بے شوہر جب اس کا کفو ملے" (جامع الترمذی، ج1، ص127، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی)

علماء فرماتے ہیں "اگر روزِ جمعہ پیش از جمعہ نمازِ جنازہ تیار ہو گیا ہو جماعتِ کثیرہ کے انتظار میں دیر نہ کریں، پہلے ہی دفن کر دیں" اس مسئلہ کا بہت لحاظ رکھنا چاہئے کہ آج کل عوام میں اس کے خلاف رائج ہے، جنہیں کچھ سمجھ ہے وہ تو اسی جماعتِ کثیر کے انتظار میں روکے رکھتے ہیں، اور نرے جہال نے اپنے جی سے اور باتیں تراشی ہیں، کوئی کہتا ہے کہ میت بھی جمعہ کی نماز میں شریک ہو جائے، کوئی کہتا ہے نماز کے بعد دفن کریں گے تو میت کو ہمیشہ جمعہ ملتا رہے گا، یہ سب بے اصل اور خلافِ مقصدِ شرع ہیں۔ (ص309)

سوال: نمازِ جنازہ میں شریک ہونے کی فضیلت کیا ہے؟

جواب: جنازے پر تکثیرِ جماعت شرعاً بہت محبوب کہ اس میں میت کی اعانت جسیم (بہت بڑی مدد) اور اس کیلئے عفوِ سیئات (گناہوں کی معافی) ورفعِ درجات کی امیدِ عظیم ہے لہذا شریعت مطہرہ نے صرف فرضیتِ کفایہ پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ نمازِ جنازہ میں نمازیوں کیلئے عظیم واعظم افضال الہیہ کے وعدے دیے کہ لوگ اگر نفعِ میت کے خیال سے جمع نہ ہوں گے اپنے فائدے کیلئے دوڑیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "جو کسی جنازہ کے ساتھ رہے یہاں تک کہ دفن ہو چکے اس کے لئے تین قیراط اجر لکھا جائے، ہر قیراط کوہِ احد سے بڑا۔" (مجمع الزوائد، ج3، ص20، دار الکتاب، بیروت)

ابن ماجہ امیر المومنین علی کرم اللہ تعالی وجہہ سے راوی "جو کسی میت کو نہلائے، کفن پہنائے، خوشبو لگائے، جنازہ اٹھائے، نماز پڑھے اور جو ناقص بات نظر آئے اسے چھپائے وہ اپنے گناہوں سے ایسا پاک ہو جائے جیسا جس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔" (سنن ابن ماجہ، ص106، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی) (ص310)

حدیث میں امام اعظم علیہ الرحمہ کے بارے میں بشارت

سوال: کیا امام الائمہ سراج الامہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں حدیثِ صحیح میں کوئی بشارت ہے؟

جواب: مصداق اعلی عظیم بشارت والا اس حدیثِ صحیح کا ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا "علم اگر ثریا پر معلق ہوتا تو اولادِ فارس سے کچھ لوگ اسے بھی لے آتے۔"

اسے امام احمد نے مسند میں اور ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے اور شیرازی نے القاب میں حضرت قیس بن سعد رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا۔ (مسند احمد بن حنبل، ج2، ص297، 420، 422، 469، دار الفکر، بیروت) (ص313)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ پورا درود لکھا جائے

سوال: درود شریف کی جگہ صلعم وغیرہ لکھنا کیسا ہے؟

جواب: درود شریف کی جگہ جو عوام و جہال صلعم یا ع یا ص یا صللم لکھا کرتے ہیں محض مہمل و جہالت ہے، القلم

احدی اللسانین (قلم دوزبانوں میں سے ایک ہے) جیسے زبان سے درود شریف کے عوض یہ مہمل کلمات کہنا درود کو ادا نہ کرے گا، یوں ہی ان مہملات کا لکھنا درود لکھنے کا کام نہ دے گا، ایسی کوتاہ قلمی سخت محرومی ہے۔ میں خوف کرتا ہوں کہ کہیں ایسے لوگ فبدل الذین ظلموا قولا غیر الذی قیل لھم (تو ظالموں نے بدل ڈالی وہ بات جو ان سے کہی گئی تھی) میں نہ داخل ہوں۔ نام پاک کے ساتھ ہمیشہ پورا درود لکھا جائے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (ص314)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ

سوال: کیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھی گئی یا نہیں؟

جواب: جنازہ اقدس پر نماز کے باب مختلف ہیں، ایک کے نزدیک یہ نماز معروف نہ ہوئی بلکہ لوگ گروہ در گروہ حاضر ہوتے اور صلوۃ وسلام عرض کرتے بعض احادیث بھی اس کی مئوید ہیں۔

اور بہت علماء یہی نمازِ معروف مانتے ہیں، امام قاضی عیاض نے اسی کی تصحیح فرمائی، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تسکینِ فتن وانتظامِ امت میں مشغول، جب تک ان کے دست حق پرست پر بیعت نہ ہوئی تھی، لوگ فوج فوج آتے اور جنازہ انور پر نماز پڑھتے جاتے، جب بیعت ہولی، ولی شرعی صدیق ہوئے، انھوں نے جنازہ مقدس پر نماز پڑھی، پھر کسی نے نہ پڑھی کہ بعدِ صلوۃِ ولی پھر اعادۂ نمازِ جنازہ کا اختیار نہیں۔ (ص314)

سوال: دوبارہ نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: مذہبِ مہذبِ حنفی میں جبکہ ولی نماز پڑھ چکا یا اس کے اذن سے ایک ہو چکی (اگر چہ یونہی کہ دوسرے نے شروع کی ولی شریک ہوگیا) تو اب دوسروں کو مطلقاً جائز نہیں، نہ ان کو جو پڑھ چکے نہ ان کو جو باقی رہے، ائمہ حنفیہ کا اس پر اجماع ہے، جو اس کا خلاف کرے مذہبِ حنفی کا مخالف ہے۔ (ص318)

سوال: اگر کسی وجہ سے امام یا مقتدیوں کی نمازِ جنازہ باطل ہوگئی تو کیا اعادہ کیا جائے گا؟

جواب: اگر سب مقتدی بے طہارت یا سب کے کپڑے نجس تھے یا نجس جگہ کھڑے تھے یا عورت امام اور مرد مقتدی تھے، غرض کسی وجہ سے جماعت بھر کی نماز باطل اور فقط امام کی صحیح ہوئی، اب اعادہ نہیں کر سکتے کہ اکیلے امام سے فرض ساقط ہو گیا، ہاں اگر قوم میں کوئی وجہ بطلان نہ تھی امام میں تھی تو پھر پڑھی جائیگی کہ جب امام کی صحیح نہ ہوئی کسی کی صحیح نہ ہوئی۔ (ص321)

سوال: ولی نے نماز جنازہ پڑھ لی اور سلطان بعد میں آیا تو کیا وہ اعادہ کرسکتا ہے؟

جواب: اگر ولی نے نماز پڑھ لی اور سلطان و حکام کہ اس سے اولیٰ ہیں بعد کو آئے اب وہ بھی بالاتفاق اعادہ نہیں کر سکتے، ہاں اگر وہ موجود تھے اور ان کے بے اذن ولی نے پڑھ لی اور وہ شریک نہ ہوئے تو ایک جماعتِ علماء کے نزدیک انھیں اختیارِ اعادہ ہے۔

۔۔اور ایک جماعت علماء کے نزدیک اب بھی سلطان وغیرہ کسی کو اختیارِ اعادہ نہیں، اور یہی ظاہرِ اطلاقِ متون اور ظاہر اًمن حیث الدلیل اقوی ہے تو حاصل یہ ٹھہرا کہ سلطان نے پڑھ لی تو ولی نہیں پڑھ سکتا ولی نے پڑھ لی تو سلطان نہیں پڑھ سکتا۔ (ص327)

تیمّم کرکے جنازہ پڑھنے کی صورتیں

سوال: کونسی صورتوں میں بے وضو یا جنبی شخص تیمّم کرکے نماز جنازہ ادا کر سکتا ہے؟

جواب: جنازہ ہوا اور بے وضو کو وضو کرنے یا جنب یا حیض یا نفاس سے فارغ ہونے والی کو نہانے میں فوتِ نماز کا اندیشہ ہو تو شرع نے اجازت فرمائی کہ تیمّم کرکے شریک ہو جائے کہ ہو چکی تو پھر نہ پڑھ سکے گا جیسے نماز عید، ولہذا سلطان وغیرہ جو ولی سے مقدم ہیں جب وہ حاضر ہوں تو ولی کو بھی تیمّم جائز ہے، بلکہ اگر ولی نے دوسرے کو اجازت امامت دے دی تو اب ولی بھی تیمّم کر سکے گا کہ اجازت دے کر اختیارِ اعادہ نہ رہا، یونہی اگر وضو یا غسل کے تیمّم سے ایک جنازہ پڑھا گیا کہ دوسرا آ گیا اور وضو یا غسل کی مہلت نہ پائی تو اسی تیمّم سے دوسرا اور تیسرا جہاں تک ہوں پڑھ سکتے ہو۔ (ص333)

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی چھ مرتبہ نماز جنازہ ہوئی

سوال: امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کے جنازہ پر چھ مرتبہ نماز ہوئی، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کے جنازہ مبارک پر چھ دفعہ نماز ہوئی اور کثرتِ ازدحامِ خلائق (کثیر لوگ ہونے کی وجہ) سے عصر تک ان کے دفن پر قدرت نہ پائی (اس کی وجہ یہ ہے کہ) پہلی نمازیں غیرِ ولی نے پڑھیں تو ولی کو اختیارِ اعادہ تھا امام کے ولی صاحبزادۂ جلیل حضرت سیدنا حماد ابن ابی حنیفہ تھے، جب انھوں نے پڑھی پھر جنازۂ مبارک پر کسی نے نہ پڑھی۔ (ص340)

غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں

سوال: غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: مذہبِ مہذب حنفی میں جنازہ غائب پر بھی محض ناجائز ہے، ائمہ حنفیہ کا اس کے عدمِ جواز پر بھی اجماع ہے۔ (ص341)

غائبانہ جنازہ کے مجوزین کی دلیلوں کے جوابات

سوال: بعض لوگ غائبانہ نماز جنازہ کو جائز سمجھتے ہیں اور بطور دلیل کچھ روایات پیش کرتے ہیں۔ مثلاً واقعہ نجاشی وغیرہ۔

جواب: حضور پرنور سید یوم النشور بالمومنین رؤف رحیم علیہ وعلی الہ افضل الصلوۃ والتسلیم کو نمازِ جنازۂ مسلمین کا کمال اہتمام تھا۔ اگر کسی وقت رات کی اندھیری یا دوپہر کی گرمی یا حضور کے آرام فرما ہونے کے سبب صحابہ نے حضور کو اطلاع نہ دی اور دفن کر دیا تو ارشاد فرماتے ''ایسا نہ کرو مجھے اپنے جنازوں کے لئے بلا لیا کرو۔'' (مسند احمد بن حنبل، ج3، ص444، دارالفکر، بیروت)

اور فرماتے ''ایسا نہ کرو جب تک میں تم میں تشریف فرما ہوں ہرگز کوئی میت تم میں نہ مرے جس کی اطلاع مجھے نہ دو کہ

اس پر میری نماز موجبِ رحمت ہے۔'' (مسند احمد بن حنبل، ج4، ص388، دار الفکر، بیروت)

مزید فرماتے ہیں ''بیشک یہ قبریں اپنے ساکنوں پر تاریکی سے بھری ہیں اور بیشک میں اپنی نماز سے انھیں روشن فرما دیتا ہوں۔'' (صحیح مسلم، ج1، ص310، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

بااین ہمہ حالانکہ زمانہ اقدس میں صدہا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دوسرے مواضع میں وفات پائی، کبھی کسی حدیثِ صریح سے ثابت نہیں کہ حضور نے غائبانہ ان کے جنازہ کی نماز پڑھی، کیا وہ محتاج رحمتِ والا نہ تھے، کیا معاذ اللہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان پر یہ رحمت وشفقت نہ تھی، کیا ان کی قبور اپنی نماز پاک سے پرنور نہ کرنا چاہتے تھے، کیا جو مدینہ طیبہ میں مرتے انھیں کی قبور محتاج نور رہوتیں اور جگہ اس کی حاجت نہ تھی، یہ سب باتیں بداہتہ باطل ہیں تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عام طور پر ان کی نماز جنازہ نہ پڑھنا ہی دلیل روشن واضح ہے کہ جنازہ غائب پر نماز ناممکن تھی ورنہ ضرور پڑھتے کہ مقتضی بکمال وفور موجود اور مانع مفقود (یعنی جو بات جنازہ پڑھنے کا تقاضا کر رہی ہے وہ پورے کمال کے ساتھ موجود ہے اور کوئی مانع بھی موجود نہیں) لاجرم نہ پڑھنا قصداً باز رہنا تھا اور جس امر سے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بے عذرِ مانع بالقصد احتراز فرمائیں وہ ضرور امرِ شرعی ومشروع نہیں ہوسکتا۔

دوسرے شہر کی میت پر صلوۃ کا ذکر صرف تین واقعوں میں روایت کیا جاتا ہے۔ واقعۂ نجاشی، واقعۂ معٰویہ لیثی اور واقعۂ امرائے موتہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

ان میں اول دوم بلکہ سوم کا بھی جنازہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے حاضر تھا تو نماز غائب پر نہ ہوئی بلکہ حاضر پر، اور دوم اور سوم کی سند صحیح نہیں، اور سوم صلوۃ بمعنی نماز میں صریح نہیں۔ اگر فرض ہی کر لیجئے کہ ان تین واقعوں میں نماز پڑھی تو باوصفِ حضور کے اس اہتمامِ عظیم وموفور اور تمام اموات کے اس حاجتِ شدیدہ رحمت ونورِ قبور کے صدہا پر کیوں نہ پڑھی، وہ بھی محتاجِ حضور وحاجت مند رحمت ونور، اور حضور ان پر بھی رؤف ورحیم تھے۔ نماز سب پر فرضِ عین نہ ہونا اس اہتمامِ عظیم کا جواب نہ ہوگا، نہ تمام اموات کی اس حاجتِ شدیدہ کا علاج، حالانکہ ﴿حریص علیکم﴾ ان کی شان ہے، دو ایک کی دستگیری فرمانا صدہا کو چھوڑنا کب ان کے کرم کے شایاں ہے۔ ان حالات واشارات کے ملاحظہ سے عام طور پر ترک اور صرف دو ایک بار وقوع خود ہی بتادے گا کہ وہاں خصوصیتِ خاصہ تھی جس کا حکم عام نہیں ہوسکتا۔ حکمِ عام وہی عدمِ جواز (جائز نہ ہونا) ہے جس کی بنا پر عام احتراز (عام طور پر بچنا) ہے۔

اب واقعۂ بئر معونہ ہی دیکھئے، مدینہ طیبہ کے ستر جگر پاروں، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاص پیاروں، اجلہ علمائے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کفار نے دغا سے شہید کر دیا، مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کا سخت وشدید غم والم ہوا، ایک مہینہ کامل خاص نماز کے اندر کفار نا ہنجار پر لعنت فرماتے رہے، مگر ہرگز منقول نہیں کہ ان پیارے محبوبوں پر نماز پڑھی ہو آخر اجلہ صحابہ کے شہید ہونے پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ان کی نمازِ جنازہ کو ترک فرمانا بغیر کسی وجہ کے نہیں ہوسکتا۔ (ص344)

نجاشی کے جنازے کے وقت چہرہ کس طرف کیا گیا؟

سوال: حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت نجاشی کی) نمازِ جنازہ جانبِ حبشہ پڑھی، تو کیا قبلہ رخ نہ پڑھی؟

جواب: نجاشی کا جنازہ حبشہ میں تھا اور حبشہ مدینہ طیبہ سے جانبِ جنوب ہے اور مدینہ طیبہ کا قبلہ جنوب ہی کو ہے تو جنازہ غیر جہتِ قبلہ کو کب تھا۔ (ص353)

خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جنازہ مبارکہ کی نماز نہ ہوئی

سوال: کیا ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جنازہ مبارکہ کی نماز نہیں ہوئی؟

جواب: فی الواقع کتبِ سیر میں علماء نے یہی لکھا ہے کہ ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جنازہ مبارکہ کی نماز نہ ہوئی کہ اس وقت یہ نماز ہوئی ہی نہ تھی، اس کے بعد اس کا حکم ہوا۔ (ص369)

دفنِ میت

شق سے کیا مراد ہے

سوال: فتاوی عالمگیری میں ہے "شق کی صورت یہ ہے کہ قبر کے بیچ میں نہر کی طرح مستطیل ایک گڑھا کھودا جائے" اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: شق کے معنی یہ ہیں کہ اول ایک مستطیل زیادہ عریض وطویل کھودیں پھر اس کے وسط میں دوسرا مستطیل اس سے چھوٹا اور طول میں قامتِ میت سے کچھ زائد اور عرض میں نصف قامت کے برابر اور عمق (گہرائی) میں سینہ تک یا قدِ آدم کھودیں، اس دوسرے مستطیل میں میت کو قبلہ رو رکھیں اور اس کے اوپر مستطیل اول کے اندر تختوں وغیرہ سے بند کر کے مستطیل اول کی جگہ مٹی سے بھر دیں اور سطح زمین سے پاؤ گز بلند مٹی رکھیں یہی طریقہ شق کا ہے اور یہی ہندستان میں معمول ہے یہی عبارت عالمگیریہ کا مفہوم ہے۔ (ص370)

میت کو قبلہ کی طرف سے قبر میں داخل کرنا مستحب ہے

سوال: میت کو قبر میں کس طرف سے داخل کرنا چاہیے؟

جواب: ہمارے نزدیک مستحب یہی ہے کہ میت کو قبلہ کی طرف سے قبر میں لے جائیں۔ (ص371)

قبلہ کی طرف میت کا منہ کرنے کا طریقہ

سوال: مردے کو قبر میں رکھتے وقت منہ قبلہ کی طرف ہونا چاہیے، اس کا درست طریقہ کیا ہے؟

جواب: افضل طریقہ یہ ہے کہ میت کو دہنی کروٹ پر لٹائیں اس کے پیچھے نرم مٹی یا ریتے کا تکیہ سا بنا دیں اور ہاتھ

کروٹ سے الگ رکھیں بدن کا بوجھ ہاتھ پر نہ ہو اس سے میت کو ایذا ہوگی، حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "بیشک مردے کو اس سے ایذا ہوتی جس سے زندے کو ایذا ہوتی ہے۔" (ردالمحتار، ج1، ص229، ادارۃ الطباعۃ المصریہ، مصر)

اور اینٹ پتھر کا تکیہ نہ چاہئے کہ بدن میں چبھیں گے اور ایذا ہوگی اور ناک وغیرہ اعضاء دیوار قبر سے ملا دینے کی اجازت نہیں نہ اس کی کوئی وجہ اور جہاں اس میں دقت ہو تو چت لٹا کر منہ قبلہ کو کر دیں اب اکثر یہی معمول ہے اور اگر معاذ اللہ منہ غیر قبلہ کی طرف رہا اور ایسا سخت ہو گیا پھر نہیں سکتا تو چھوڑ دیں اور زیادہ تکلیف نہ دیں۔ (ص371)

میت کے پاؤں قبلہ کی طرف اور منہ مشرق کی طرف ہو یہ ناجائز ہے

سوال: میت کے پاؤں قبلہ کی طرف اور منہ مشرق کی طرف اس طرح میت کو قبر میں رکھنا کیسا؟

جواب: محض ناجائز ہے کہ سنت متواترہ مسلمین کے محض خلاف ہے۔ (ص371)

سوال: اگر میت کا منہ قبلہ کی طرف کرنے کے لئے اس طرح کیا جائے کہ قبر کھودتے وقت قبر کی دائیں طرف تھوڑا نیچے اور بائیں طرف تھوڑا اونچا کر کے کھودا جائے لاش رکھنے کے بعد دائیں پہلو پر ہو کر قبلہ رخ ہو جائے گی ایسا کرنا کیسا ہے؟

جواب: بالکل خلاف سنت ہے اس میں بھی میت کے لئے اذیت ہے کہ بیٹھنے میں دقت ہوگی ملائکہ کہ سوال کے لئے آتے ہیں میت کو بٹھاتے ہیں ایسی ڈھلوان جگہ پر بیٹھنا بہت دشوار ہوگا۔ (ص372)

قبر کی اونچائی صرف ایک بالشت ہونی چاہیے

سوال: قبر میں جس قدر مٹی نکلی وہ سب اس پر ڈال دینا چاہئے یا صرف بالشت یا سوا بالشت قبر کو اونچا کرنا چاہئے؟

جواب: صرف بالشت بھر۔ (ص372)

میت کو دفن کرتے ہی منتشر ہو جانا بہتر ہے

سوال: میت کو دفن کرتے ہی آدمیوں کو منتشر ہو جانا چاہئے یا گھر پر آ کر فاتحہ پڑھ کر پھر منتشر ہونا چاہئے، جیسا کہ آجکل رواج ہے؟

جواب: بہتر یہ کہ منتشر ہو جائیں، پھر میت کے گھر جانے کو لازم نہ سمجھیں۔ (ص372)

بعد دفن قبر پر پانی چھڑکنا مسنون ہے

سوال: قبر پانی ڈالنا کیسا ہے؟ اور کیا اس کے لئے کوئی دن مخصوص ہے؟

جواب: بعدِ دفن قبر پر پانی چھڑکنا مسنون ہے، اگر مرور زمان (زمانے کے گزرنے) سے اس کی خاک منتشر ہوگئی ہو اور نئی ڈالی گئی یا منتشر ہو جانے کا احتمال ہو تو اب بھی پانی ڈالا جائے کہ نشانی باقی رہے اور قبر کی توہین نہ ہونے پائے، اس کے لئے کوئی دن معین نہیں ہو سکتا ہے جب

حاجت ہو اور بے حاجت پانی کا ڈالنا ضائع کرنا ہے اور پانی ضائع کرنا جائز نہیں، اور عاشورہ کی تخصیص محض بے اصل و بے معنی ہے۔ (ص373)

سوال: وقتِ دفن بارش کا ہونا کیسا ہے؟

جواب: بارشِ رحمت فالِ حسن (اچھا شگون) ہے خصوصاً اگر خلافِ عادت ہو۔ (ص373)

<u>میت کو دفن کرنے کے بعد سوال ہوتے ہیں</u>

سوال: میت کے مرنے کے بعد سے دفن ہونے تک کون سے چالیس سوالات میت سے ہوتے ہیں؟

جواب: میت سے سوال دفن کے بعد ہوتا ہے اس سے پہلے کوئی سوال حدیث میں نہ آیا۔ (ص373)

سوال: جن آلات سے قبر کھودی ان آلات کو قبر پر ڈال دینے کا بعض لوگوں کے ہاں رواج ہے، ایسا کرنا کیسا؟

جواب: بے شک فعل مذکور بروجہ مذبور بدعتِ سیئہ شنیعہ واجب الترک ہے، فی نفسہ وہ ایک فعلِ عبث (فضول) تھا جس میں عقلاً ونقلاً کوئی فائدہ نہیں۔ (ص376)

سوال: جمعہ یا شبِ جمعہ کے سوا کسی اور دن میں مسلمان کا انتقال ہو تو جمعہ تک قبر پر بیٹھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: بعدِ دفن اتنی دیر بیٹھنا کہ ایک اونٹ ذبح کیا جائے مسنون ہے۔ اور زیادہ دیر یا دنوں تک بیٹھنا بھی ممنوع نہیں ہے، بلکہ وہاں لغو و بے ہودہ باتیں کرنے، ہنسنے وغیرہ غفلت وقسوت سے بچیں (ایسی حرکات سے بچیں جن سے غفلت اور دل کی سختی ظاہر ہو) اور تلاوت و درود خوانی اور اعمالِ حسنہ میں مشغول رہیں کہ یہ امور موجبِ نزولِ رحمت ہوتے ہیں، اور احیاء (زندوں) کے پاس ہونے سے مردے کا دل بہلتا ہے، بہرحال یہ کام خیر سے خالی نہیں جبکہ نیۃً یا عملاً اس کے ساتھ کوئی محذورِ شرعی (ممنوع شرعی) نہ ہو۔ (ص377)

جائے دفن

<u>دوسرے کی زمین میں بلا اجازت مردہ دفنانا حرام ہے</u>

سوال: اگر کوئی شخص وصیت کر جائے کہ مجھے فلاں کی زمین میں دفن کرنا ہے، پسماندگانِ میت کو بے اجازتِ مالک اس کی زمین میں دفن کرنا کیسا ہے؟ اور کیا پسماندگان کو دفن کرنے پر ثواب ملے گا؟

جواب: بے اجازتِ مالک اس کی زمین میں دفن کرنا حرام ہے، ایسا کرنے والے گناہ گار ہیں، میت اگر اس کی وصیت یوں کر گیا کہ چاہے مالک اجازت دے یا نہ دے مجھے وہیں دفن کرنا تو وہ بھی سخت گناہ گار ہے، میت یا پسماندگان کے لئے ثواب کیسا، اس میں استحقاقِ عذاب ہے، مالک کو اختیار ہے کہ میت کی نعش نکال دے اور اپنی زمین خالی کرلے یا نعش رہنے

دے اور قبر برابر کر کے اس پر جو چاہے بنائے، چلے پھرے تصرف کرے کہ قبر کی جو حدیثیں ہیں ایسی نا جائز قبر کے لئے نہیں۔

اصل حکم فقہی ہے، مگر مسلمان نرم دل اور دوسرے مسلمان خصوصاً میت پر رحم دل ہوتا ہے، اور اگر وہ درگزر کرے گا اللہ عزوجل اس کی خطاؤں سے درگزر فرمائے گا، اگر وہ اپنے مردہ بھائی پر احسان کرے گا اللہ اس پر احسان کرے گا، اگر وہ اپنے مردہ بھائی کا پردہ فاش نہ کرے گا اللہ اس کی پردہ پوشی کرے گا، اگر وہ اپنے مردہ بھائی کی قبر کا احترام کرے گا اللہ اس کی زندگی وموت میں اسے احترام بخشے گا۔ (ص379)

سوال: زمین جو دوامی پٹہ (مستقل کرائے) کی ہو اس میں دفن جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ دفن کے لئے ملکی زمین چاہئے۔

جواب: بلاشبہ جائز ہے جبکہ باجازتِ مستاجر ہو، ملک غیر ہونا منافی جوازِ دفن نہیں۔ غایت یہ کہ مالک کو ازالۂ قبر کا اختیار رہوگا۔ مگر جب اس کا اجارہ دوامی ہو تو مالک کی طرف سے یہ اندیشہ بھی نہیں یہاں تک کہ علماء نے دوامی اجارہ کی زمین مسجد بنانے کیا اجازت دی اور اس میں وقف صحیح مانا اسی بناء پر کہ وہ ہمیشہ رہے گی تو تابید حاصل ہے۔ (ص380)

سوال: قبرستان باشندگان قرب وجوار (قریب رہنے والے) کے لئے مضرِ صحت یا نہیں؟

جواب: شریعت مطہرہ نے قبر کا گہرا ہونا اسی واسطے رکھا ہے کہ احیاء (زندوں) کی صحت کو ضرر نہ پہنچے، ہزاروں لاکھوں آدمی مقابر کے قریب بستے ہے بلکہ ہزاروں وہ ہیں کہ جن کا پیشہ ہی تکیہ داری یا قبور کی مجاورت ہے ان کی صحت میں اس سے کوئی فرق نہیں آتا، جیسا کہ مشاہدہ ہے۔ (ص382)

سوال: تبدیلی قبرستان بلا عذر شرعی جائز ہے یا نہیں؟

جواب: تبدیلی سے اگر یہ مراد کہ قبرستان کو کوئی اور مکان کسی کے رہنے بسنے کا یا مسجد یا مدرسہ کر لیا جائے اور قبور کے لئے دوسری زمین دے دی جائے تو یہ قطعی حرام اور بوجوہ حرام ہے کہ وقف میں تصرف بیجا ہے اور وقف نہ بھی ہو قبورِ مسلمین کی توہین وبے حرمتی ہے۔ قبر پر چلنا پھرنا، پاؤں رکھنا حرام ہے چہ جائیکہ انھیں پامالی کے لئے مقرر کر لینا۔

اور اگر یہ مراد ہے کہ مقبرہ بدستور رکھا جائے گا، اس میں کوئی تصرف نہ کیا جائے گا مگر اس میں دفن کرنا روک دیا جائے گا اور اس کے عوض دوسری زمین میں دفن کرنے لگیں، تو یہ اگر یوں ہے کہ پرانا مقبرہ بالکل بھر گیا اور اس میں کہیں قبر کی جگہ نہ رہی تو بیشک مناسب ہے اگر دوسری جگہ معقول وقابل قبور مسلمین مل سکے۔

اور اگر یہ بھی نہیں بلکہ قبور کے لئے جگہ موجود ہے اور پھر منع کیا جائے تو دو صورتیں ہیں اگر وہ جگہ جہاں اموات دفن ہوتے تھے کسی شخص خاص کی ملک ہے کہ اس کی اجازت سے دفن ہوئے تھے تو بلاشبہ اسے اختیار ہے کہ میت کو نکلوا دے۔ اور اگر

وہ کسی کا مملوک نہیں بلکہ وقف ہے تو میں دست اندازی کا کسی کو حق نہیں۔ (ص383)

گندگی کی جگہ قبرستان بنانا ناجائز و حرام ہے

سوال: جدید قبرستان ایسی زمین میں کہ جس میں پہلے غلاظت دفن ہو رہی ہے جاری کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: یہ حرام اور سخت توہین اموات اہل اسلام ہے، مقابر میں پاخانہ کرنا حرام ہے حالانکہ وہ اوپر ہی رہے گا اموات تک نہ پہنچے گا تو یہ صورت کیونکر حلال ہو سکتی ہے۔ (ص384)

سوال: جدید قبرستان ایسی زمین میں ہے کہ جس کے قرب میں اب غلاظت دفن ہو رہی ہے جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اس سے بھی شرعاً منع کیا جائے گا، جو لوگ دفن کے لئے جائیں انہیں ایذا ہوگی، جو فاتحہ کو جائیں انھیں ایذا ہوگی، اور ان سے قطع نظر کیجئے ان کی ایذا تو اتنی دیر کے لئے ہوگی جب تک وہاں رہیں اموات کے لیے یہ آٹھ پہر کی ایذا ہوگی۔ (ص384)

مردہ کو کہاں دفن کرنا افضل ہے؟

سوال: مردہ کو کہاں دفن کرنا افضل ہے؟

جواب: صالحین کے قریب دفن کرنا چاہئے کہ ان کے قرب کی برکت اسے شامل ہوتی ہے، اگر معاذ اللہ مستحق عذاب بھی ہوتا ہے تو وہ شفاعت کرتے ہیں، وہ رحمت کہ ان پر نازل ہوتی ہے اسے بھی گھیر لیتی ہے، اور اگر صالحین کا قرب میسر نہ ہو تو اس کے عزیزوں قریبوں کے قریب دفن کریں کہ جس طرح دنیا کی زندگی میں آدمی اعزا کے قرب سے خوش ہوتا ہے اور ان کی جدائی سے ملول (غم زدہ ہوتا ہے) اسی طرح بعدِ موت بھی۔ (ص385)

سوال: ایک قبرستان میں زمین کی کمی اور مردوں کی کثرت سے یہ حالت ہوگئی کہ نئی قبریں کھودنے پر کثرت سے مردوں کی ہڈیاں نکلتی ہوں، اور اس کے ساتھ متصل دوسرا قبرستان ہے جو ان شکایات سے پاک ہے، اس کو چھوڑ کر پہلے قبرستان میں صرف اس خیال سے کہ یہاں آباء واجداد دفن ہیں مردے کی ہڈیاں اکھاڑ کر مردے کو دفن کیسا ہے؟

جواب: صورتِ مذکوہ محض ناجائز و حرام ہے۔ (ص385)

سوال: اکثر دیکھا گیا ہے مرا ہوا بچہ کسی کے پیدا ہوتا ہے تو علیحدہ قبرستان میں دفن کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پکا مسان ہے اس سے اہل ہنود کی طرح بچتے ہیں، شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب: یہ شیطانی خیال ہے اسے مسلمانوں کے گورستان ہی میں دفن کریں۔ (ص390)

مسلمان کو اگر کافر مردہ ملے تو اسے کس طرح دفن کرے؟

سوال: ایسے کافر مردہ کو جس کا کوئی وارث نہیں، کیا کیا جائے؟

جواب: اس کے مذہب وملت والوں کو دے دیا جائے جو چاہیں کریں، اور اگر کفار میں بھی کوئی نہ ملے تو جیفۂ سگ (مردار کتے) کی طرح دفع عفونت (بد بو کو دور کرنے) کے لئے کسی گڑھے میں دبا دیں۔ (ص 391)

سوال: کیا ہر قسم کے کافر کا یہی حکم ہے؟

جواب: تفصیلِ مسئلہ یہ ہے کہ کافر دو قسم ہے: (1) اصلی (2) مرتد۔

اصلی وہ کہ ابتداء سے کافر ہے، اور مرتد وہ کہ معاذ اللہ بعدِ اسلام کافر ہوا، یا باوصف دعویٰ اسلام عقائدِ کفر رکھے، جیسے آج کل نیچری، مرتد کے لئے تو اصلاً نہ غسل، نہ کفن، نہ دفن، نہ مسلمان کے ہاتھ سے کسی کافر کو دیا جائے، اگرچہ وہ اسی کے مذہب کا ہو، اگرچہ اس کا باپ یا بیٹا ہو بلکہ اس کا علاج وہی مردار کتے کی طرح دبا دینا ہے اور کافر اصلی سے اگر مسلمان کو قرابت نہیں تو اس کے بھی کسی کام میں شریک نہ ہو بلکہ چھوڑ دیا جائے کہ اس کا عزیز قریب یا مذہب والے جو چاہے کریں، اور وہ بھی نہ ہوں تو علاج مثل علاجِ مرتد ہے۔

اور اگر مسلمان کو اس سے قرابتِ قریبہ (قریبی رشتہ داری) ہے تاہم جب کوئی قریب کافر موجود ہو بہتر یہی ہے کہ اس کی تجہیز میں شرکت نہ کرے، ہاں ادائے حقِ قرابت کے لئے اگر اس کے جنازہ کے ساتھ جنازہ سے دور دور چلا جائے تو مضائقہ نہیں۔

اور اگر مسلمان ہی قریب (رشتہ دار) ہے کوئی کافر قرابت دار نہیں جب بھی مسلمان پر اس کی تجہیز وتکفین ضروری نہیں ، اگر اس کے ہم مذہب کافروں کو دے دے یا بے غسل وکفن کسی گڑھے میں پھنکوا دے، جائز ہے۔ اور اگر بلحاظِ قرابت غسل وکفن ودفن کرے تو بھی اجازت ہے مگر کسی کام میں رعایتِ طریقۂ مسنونہ نہ کرے، نجاست دھونے کی طرح پانی بہا دے، کسی چیتھڑے میں لپیٹ کر تنگ گڑھے میں دبا دے۔ (ص 391)

تعزیت کا بیان

سوال: لوگوں میں رسم ہے کہ میت کو دفن کر کے اس کے مکان میں آتے ہیں اور کہتے ہیں فاتحہ پڑھ لو، پھر کچھ پڑھتے ہیں اور ہاتھ اٹھاتے ہیں، یہ فعل کیسا ہے؟

جواب: اصل اس فعل میں کوئی حرج نہیں کہ ایصالِ ثواب سے اموات کی اعانت اور ان کے لئے دعا مغفرت اور پسماندوں (عزیز واقرباء) کو تسکین وتعزیت سب باتیں محمود وروا (شرعاً پسندیدہ اور جائز ہیں)۔ ابن ماجہ اور بیہقی نے بسندِ حسن روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ''جو مومن بھی کسی مصیبت پر اپنے بھائی کی تعزیت کرے خدا تعالیٰ اسے قیامت کے دن عزت وکرامت کا لباس پہنائے گا۔'' (سنن ابن ماجہ، ص 116، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی) (ص 392)

رہا تعزیت کے وقت کی دعا میں ہاتھ اٹھانا، تو ظاہر یہ ہے کہ جائز ہے اس لئے کہ حدیث شریف کے اندر دعا میں ہاتھ

اٹھانا مطلقاً ثابت ہے تو اس وقت بھی مضائقہ نہیں مگر خاص وقتِ تعزیت کی دعا میں ہاتھ اٹھانا حدیث میں منقول نہیں۔(ص394)

(دلائل دینے کے بعد ایک مقام پر فرماتے ہیں) جب تعزیت وایصال ثواب ودعا محمود ٹھہری اور افضل یہ قرار پایا کہ دفن کے بعد ہو اور پہلے ہی دن ہو اور قبر سے پلٹ کر ہو، اور اس کیلئے مکان میت پر بھی جانا جائز ہوا، تو اسی وقت جاکر ادائے تعزیت میں کیا مضائقہ ہے۔ (ص398)

میت کے اہل خانہ کا اس لئے بیٹھنا کہ ان سے تعزیت کریں جائز ہے

سوال: میت کے اہل خانہ کا اس لئے بیٹھنا کہ ان سے تعزیت کریں کیسا ہے؟

جواب: اولیاء (رشتہ داروں) کا خاص اس قصد سے بیٹھنا اور لوگوں کا ان کے پاس ہجوم ومجمع کرنا خواہ قبل دفن ہو یا بعد، اسی وقت اگر ہو یا کبھی مکان میت پر ہو یا کہیں اور، بہر طور (بہر صورت) جائز ومباح ہے جبکہ منکراتِ شرعیہ سے خالی ہو، مگر اس کا نہ کرنا افضل ہے۔ (ص400)

دفن کرنے کے بعد تعزیت کرنا افضل ہے

سوال: میت کی تعزیت دفن کے بعد کرنی چاہیئے یا دفن سے پہلے بھی جائز ہے؟

جواب: افضل یہ ہے بعدِ دفن قبر سے پلٹ کر اور قبل دفن بھی بلا کراہت جائز ہے۔ (ص400)

سوال: میت مکان میں موجود ہے اسکو دفن نہیں کیا اس سے پہلے میت کے اولیاء (رشتہ داروں) کا کھانا کھانا درست ہے یا نہیں؟ احمد سعید کا کہنا ہے کہ درست ہے اور کوئی برا نہیں اور ایک کتاب میں لکھا ہے کہ دفن کرنے سے پہلے حرام ہے بلکہ ہمسایہ کے چالیس مکان تک حرام ہے۔ اب حق پر کون ہے وہ بیان کریں؟

جواب: کھانا حرام نہیں غفلت حرام ہے اور چالیس گھر تک حرام ہونا بے اصلِ محض (اس پر کوئی دلیل نہیں ہے)۔

(ص401)

ولد الزنا کا شرعاً کوئی باپ نہیں ہے

سوال: ایک بچہ زنا سے پیدا ہوا چار پانچ سال کی عمر میں فوت ہوا، زانی باپ اور بچے کی ماں کے صبر کرنے کی صورت میں کیا ان کیلئے وہ بچہ فرط (پیشگی اجر، ماں باپ کا شفیع) ہوگا؟

جواب: ولد الزنا کے لئے شرعاً کوئی باپ نہیں شرع مطہر نے زانی سے اس کا نسب قطع فرمادیا ہے تو وہ اس کا فرط کیونکر ہوسکتا ہے، رہا ماں کے لئے فرط ہونا یہ اس پر موقوف ہے کہ ولد الزنا کو منصب شفاعت دیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم یہ، احادیث سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مطبوع علی الشر (شر پر پیدا ہونے والا) ہوتا ہے ہاں ہم اللہ عزوجل پر حکم نہیں کر سکتے

یفعل اللہ من یشاء ان اللہ یحکم مایرید ﴾ترجمہ: اللہ جو چاہے کرتا ہے بے شک خدا جو چاہے فرماتا ہے۔ہاں صبر بجائے خود ایک حسن جمیلہ (اچھی خوبی) ہے۔ (ص402)

سوال: سائل کے بڑے لڑکے کی اہلیہ جو عرصہ سے بیمار تھی اور اسکے والدین اسے اپنے گھر لے گئے تھے اس کا وہیں انتقال ہو گیا، سائل اپنے بیٹے کے ساتھ خبرِ انتقال سن کر مع چند دیگر اشخاص و جملہ سامان تجہیز و تکفین لے کر پہنچا، انھوں نے ہمیں نہایت ترش روئی سے شریکِ میت نہ ہونے دیا اور مٹی تک نہ دینے دی، یہ فعل کیسا ہے؟

جواب: بہت برا کیا اگر بلا وجہ شرعی صحیح معتبر (کسی شرعی صحیح قابل اعتبار وجہ کے بغیر) تھا کہ مسلمان کو ناحق ایذا دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "جس نے کسی مسلمان کو ناحق ایذا دی اس نے مجھے ایذا اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی۔" (کنز العمال، ج16، ص10، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت) (ص403)

قبر اور مقابر سے متعلق احکام

قبر اگر کھل جائے تو اس کو مٹی دینا واجب ہے

سوال: قدیم قبر اگر کسی وجہ سے کھل جائے یعنی اس کی مٹی الگ ہو جائے اور مردہ کی ہڈیاں وغیرہ ظاہر ہونے لگیں تو اس صورت میں قبر کو مٹی دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس صورت سے دینا چاہئے؟

جواب: اس صورت میں مٹی دینا فقط جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے کہ سترِ مسلم (مسلمان میت کو چھپانا) لازم ہے اور اس بارے میں کوئی صورت بیان میں نہ آئی، ستر لازم اور کشف ممنوع (کھولنا منع ہے) اس طرح چھپائیں کہ زیادہ نہ کھولنا پڑے۔ (ص403)

بلا وجہ بعدِ دفن قبر کھودنا حرام ہے

سوال: ایک شخص کے دوسرے شہر میں دفن ہونے کے چار برس چند ماہ بعد اس کا بیٹا قبر کھود کر باپ کو اپنے شہر میں دفن کرنا چاہتا ہے، اس کا یہ فعل کیسا ہے؟

جواب: صورتِ مذکورہ میں نبش (قبر کھودنا) حرام، حرام، سخت حرام، اور میت کی اشد توہین و ہتکِ سرِ رب العلمین (اللہ تعالیٰ کے راز کی توہین) ہے اور جو بیٹا باپ کے ساتھ ایسا چاہے عاق و ناخلف (نافرمان) ہے۔ (ص409)

سوال: ایک عورت پوری مدتِ حمل کے بعد بحالتِ حمل انتقال کر گئی، اسے دفن کر دیا گیا، ایک مردِ صالح نے خواب دیکھا کہ اس عورت کے زندہ بچہ پیدا ہوا ہے، اب شخصِ مذکور کے خواب پر اعتماد کر کے قبر کھود کر بچے کو نکالنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز نہیں، مگر جب کوئی روشن دلیل ہو، پردہ محفوظ ہے اور خواب طرح طرح کے ہوتے ہیں۔ (ص405)

سوال: مسافروں کی عادت یوں ہے کہ جو سفر میں مرتے ہیں ان کو دفن تو کر دیتے ہیں لیکن امانت رکھتے ہیں، ایک مقررہ مدت کے بعد یہاں سے نکال کر اس کے شہر میں لے جاتے ہیں، یہ فعل جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: یہ حرام ہے، دفن کے بعد کھولنا جائز نہیں، اور دور مسافت تک لے جانا بھی روا نہیں۔ (ص406)

سوال: قبرستان بہت پرانا ہونے کی وجہ سے میت کی ہڈیاں باہر نکل پڑیں تو ایسی حالت میں پختہ اینٹوں سے قبر ازسرِ نو بنانی جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ان ہڈیوں کو دفن کرنا واجب ہے اور قبر میت کے گرد پکی نہ ہو، اوپر سے پکی کر سکتے ہیں۔ (ص406)

سوال: قبرستان میں جوتے پہن کر جانا، قبرستان میں چارپائی پر سونا اور گھوڑا باندھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: قبروں پر چلنے کی ممانعت ہے نہ کہ جوتا پہننا، سخت توہینِ امواتِ مسلمین ہے، ہاں جو قدیم راستہ قبرستان میں ہو جس میں قبر نہیں اس میں چلنا جائز ہے اگرچہ جوتا پہنے ہو، قبروں پر گھوڑے باندھنا، چارپائی بچھانا، سونا، بیٹھنا سب منع ہے۔ (ص407)

سوال: صحنِ مسجد میں بانی مسجد کے وارثوں کا کسی کو دفن کرنا کیسا ہے؟ اور آئندہ قبروں کے لئے حجرۂ مسجد اور صحنِ مسجد سے قبروں کے لئے زمین کی حد بندی کر دینا کیسا ہے؟

جواب: صحنِ مسجد میں بعدِ تعمیرِ مسجد وارثانِ بانی مسجد خواہ کسی نے قبریں بنالیں تو وہ قبریں محض ظلم ہیں اور ان کا باقی رکھنا ظلم ہے نہ کہ آئندہ قبروں کے لئے ایک حد بندی، اور اس میں حجرۂ مسجد اور صحنِ مسجد سے اور زمین شامل کرنا یہ سب ظلم وحرام ہے اور اس کا دفع کرنا فرض ہے۔ (ص407)

سوال: مسجد کے دروازے سے ملحق اگر پرانا قبرستان ہو جس میں قبروں کے نشان نمایاں ہوں اس کی زمین کو مسجد کے صحن کو وسعت دینے کی غرض سے ہموار کر کے شاملِ صحنِ مسجد کر لیا جائے اور اس پر نماز پڑھی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب: حرام، حرام، حرام۔ (ص208)

<u>وقف کے قبرستان میں اپنی رہائش کے لئے مکان بنانا ناجائز وحرام ہے</u>

سوال: قبرستانِ وقف میں کسی کا اپنی سکونت یا ذاتی منفعت کے لئے مکان بنانا کیسا ہے؟

جواب: مقبرۂ وقف میں اپنا مکانِ سکونت بنانا یا خلافِ وقف اپنے کسی تصرف وانتفاع (استعمال وفائدے) میں لانا حرام ہے۔ (ص408)

سوال: مقبرۂ غیرِ وقف میں مالک کا قبروں سے جدا یا خاص قبور کے اوپر مکان تعمیر کرنا کیسا ہے؟

جواب: مالک کو اپنی زمینِ مملوک میں قبروں سے جدا مکان بنانا روا (جائز)، اور قبور پر کہ اس کی اجازت سے بنی

ہوں ناروا (ناجائز ہے)، مگر جو قبر ظلماً بلا اجازت مالک بنالی جائے اس کے لئے کچھ حق نہیں، علماء اجازت دیتے ہیں کہ چاہے میت کو نکلوادے یا یونہی زمین اپنے تصرف میں لائے۔

صفوفِ نماز کی شرعاً کس قدر حرمت وعظمت ہے مگر جو صفیں قبلِ تمامی صفِ اول کرلی جائیں، حدیث وفقہ حکم فرماتے ہیں کہ ان صفوں کو چیرتے ہوئے جاکر صفِ اول پوری کریں کہ خلافِ شرع قائم ہونے کے سبب ان کی حرمت نہیں، یہ حق اللہ میں ہے، حق العبد تو اشد ہے، پھر بھی اگر صاحبِ حق اس میتِ مسلم کا لحاظ کرکے اپنے حق سے درگزر کرے کہ مردہ بدستِ زندہ (مردہ اس حال میں کہ زندہ کے ہاتھ میں ہے) اس نے خود قصور نہ کیا تو امید ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ اسے اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔ (ص408)

مردہ کو ایذا دینا زندہ کو ایذا دینے کی طرح ہے

سوال: اگر کوئی شخص خاص قبرستان میں یا قربِ قبرستان میں مکان تعمیر کرے اور پاخانہ بھی تعمیر کرے اور پاخانہ کی موری (سوراخ) کا غلیظ پانی قبروں پر ہوکر جائے تو ایسی جگہ مکان بغرضِ سکونت ورہائش بنانا جائز ہے یا ناجائز؟ پھر ایسی جگہ جہاں کپڑوں کے دھونے سے غلیظ پانی قبروں پر سے گذرے وہاں دھوبی کپڑے دھوسکتا ہے اور وہ جگہ مسلمان کے قبضے میں ہے یا ملکیتِ مسلمان ہے تو مسلمان اگر منع نہ کرے یا کرایہ کے لالچ میں دھوبی کے اس عملِ مذکور کو جاری رہنے دے، اس کے لئے کیا حکم ہے؟

جواب: قبرستان وقف ہے اور وقف میں اپنی سکونت کا مکان بنانا تصرفِ بے جا ہے اور اس میں تصرفِ بے جا حرام ہے، پھر اگر اس قطعہ میں قبور بھی ہوں اگرچہ نشان مٹ کر ناپید ہوگئی ہوں جب تو متعدد حراموں کا مجموعہ ہے، قبروں پر پاؤں رکھنا ہوگا، چلنا ہوگا، بیٹھنا ہوگا، پیشاب پاخانہ ہوگا، اور یہ سب حرام ہے۔ اس میں مسلمانوں کو طرح طرح ایذا ہے اور مسلمان بھی کون، اموات کہ شکایت نہیں کرسکتے، دنیا میں عوض نہیں لے سکتے۔ مسلمانوں کو ایذا اللہ ورسول کی ایذا ہے، اللہ ورسول کو ایذا دینے والا مستحقِ جہنم۔

اسی طرح اگر قبرستان کے قریب مکان بنایا، پاخانے یا دھوبیوں کے غلیظ پانی کا بہاؤ قبور پر رکھا تو یہ بھی سخت حرام ہے اور جو باوصفِ قدرت اسے منع نہ کرے وہ بھی مرتکبِ حرام ہے اور بطمعِ کرایہ اسے روا رکھنا سستے داموں دوزخ مول لینا ہے، یہ کام اسی شخص کے ہوسکتے جس کے دل میں اسلام کی قدر نہ مسلمانوں کی عزت، نہ خدا کا خوف نہ موت کی ہیبت۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "مجھے آگ یا تلوار پر چلنا قبر پر چلنے سے زیادہ پسند ہے۔" اسے ابنِ ماجہ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ سے بسندِ جید روایت کیا۔ (سنن ابن ماجہ، ج1، ص113، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

نیز نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "مردے کی ہڈیاں توڑنا اور اسے ایذا دینا ایسا ہی ہے جیسے زندے کی ہڈی توڑنا۔"

(سنن ابوداؤد، ج2، ص102، آفتاب عالم پریس، لاہور)

اور ایک روایت کے لفظ یہ ہیں "میت کو قبر کے اندر بھی اس چیز سے ایذا ہوتی ہے جس سے گھر کے اندر ایذا ہوتی ہے۔"

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ج4، ص79، مکتبہ امدادیہ، ملتان)

ان تمام صحیح حدیثوں اوران کے سوااوراحادیثِ کثیرہ سے ثابت ہے کہ قبر پر بیٹھنا یا پاؤں رکھنا بلکہ صرف اس سے تکیہ لگانے سے میت کوایذا ہوتی ہے۔اور مردہ مسلمان کوایذا ایسی ہے جیسے زندہ مسلمان کی۔تو اس پر تجھے پانی بہانا کس قدر باعثِ ایذا ہوگا،جب زندہ مردہ اس میں برابر ہیں تو کیا یہ شخص روار کھے گا کہ پاخانے کا پانی اس پر بہایا جائے یا لوگ اس کے سینے اور منہ پر پیشاب کیا کریں،یادھوبی ناپاک کپڑے دھوکروہ پانی اس کے منہ اور سر پر چھڑک دیا کریں،ہرگز کوئی مسلمان بلکہ کوئی کافر اسے اپنے لئے روانہ رکھے گا،تو میتِ مسلمان کے لئے ایسی سخت ایذا کس دل سے روا رکھی۔ (ص409)

قبرستان کے اردگرد حصار بنانا اور قبرستان میں درخت لگانا جائز ہے

سوال:قبرستان کے اردگرد حصار بنانا اور قبرستان میں درخت لگانا کیسا ہے؟

جواب :حفاظت کے لئے حصار بنانے میں حرج نہیں،اور درخت اگر سایہ زائرین کے لئے ہوا چھا ہے،مگر قبر سے جدا ہو۔ (ص412)

قبرستان کی عمارت و درخت بنانے ولگانے والے کی ملکیت ہیں

سوال:قبرستان کے درخت کی لکڑی اور اینٹیں مسجد میں صرف کرنا کیسا؟

جواب :قبرستان میں پیڑ (درخت) جس نے لگائے ان کی لکڑی اور مقبرہ جس نے بنوایا اس کی اینٹیں اس لگانے بنوانے والے کی ملک ہیں وہ جو چاہے کرے،اور اگر مالک کا پتا نہیں یا درخت خودرو (خودبخود اگنے والے) ہیں تو مسجد میں صرف کر سکتے ہیں۔ (ص412)

سوال:کسی بزرگ کے مزار پر عمارت تعمیر کرنا اس غرض سے کہ معتقدین کو بوقتِ حاضری موسمِ برسات وگرمی وسردی سے تکلیف نہ ہو،کیسا ہے؟

جواب :ائمۂ دین نے مزاراتِ حضراتِ علماء ومشائخ قدست اسرارہم کے گرد زمین جائز التصرف (جس میں تصرف جائز ہو اس) میں اس غرض سے کہ زائرین ومستفیدین (زیارت کرنے اور فیض حاصل کرنے والے) راحت پائیں عمارت بنانا جائز رکھا۔ (ص413)

قبر پر عمارت بنانے کی جائز و ناجائز صورتیں

سوال:سنا ہے بناء علی القبر (قبر پر عمارت بنانا) منع ہے؟

جواب :اگر پہلے عمارت بنالی جائے بعدہ (اس کے بعد) اس میں دفن واقع ہو جب تو مسئلہ بناء علی القبر سے متعلق ہی نہیں کہ یہ اقبار فی البناء (عمارت میں قبر بنانا) ہے نہ بناء علی القبر۔

اور اگر دفن کے بعد تعمیر ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں:ایک یہ کہ خودنفسِ قبر پر کوئی عمارت چنی (بنائی) جائے اس کی ممانعت میں اصلاً شک نہیں کہ سقفِ قبر (قبر کی چھت) وہوائے قبر حقِ میت ہے،معھذا (اس کے ساتھ) اس فعل میں اس کی

اہانت واذیت، یہاں تک کہ قبر پر بیٹھنا، چلنا ممنوع ہوا نہ کہ عمارت چننا۔ ہمارے بہت علمائے مذہب قدست اسرارہم نے احادیث وروایات نہی عن البناء (عمارت بنانے کی ممانعت) سے یہی معنی مراد لئے اور فی الواقع بناء علی القبر کے حقیقی معنی یہی ہیں۔ گردِ قبر کوئی مکان بنانا حول القبر (قبر کے اردگرد بنانا) ہے نہ کہ علی القبر۔

دوسرے یہ کہ گردِ قبر کوئی چبوترہ یا مکان بنایا جائے، یہ اگر زمین ناجائز التصرف میں ہو جیسے ملکِ غیر میں بے اذنِ مالک (مالک کی اجازت کے بغیر) یا ارضِ وقف (وقف کی زمین میں) بے شرطِ واقف، تو اس وجہ سے ناجائز ہے کہ ایسی جگہ تو مسجد بنانی بھی جائز نہیں اور عمارت تو اور ہے۔

یوں ہی اگر بہ نیتِ فاسدہ ہو مگر زینت وتفاخر جیسے امراء کی قبور پر ابنیہ رفیعہ (بڑی بڑی عمارتیں) بمصارف وسیعہ (زرِ کثیر کے ساتھ) اس غرض سے بنائے جاتے ہیں، تو یہ بوجہ فسادِ نیت ممنوع (نیت کے فساد کی وجہ سے منع ہے)۔

اسی طرح جہاں بے فائدہ محض ہو، جیسے کوئی قبر کسی بن (جنگل) میں واقع ہو جہاں لوگوں کا گزر نہیں یا عوام غیر صلحاء کی قبور جن سے نہ کسی کو عقیدت کہ بجہتِ تبرک وانتفاع (تبرک حاصل کرنے اور فائدہ اٹھانے کی غرض سے) ان کی مقابر پر جائیں نہ ان کے دنیا دار ورثہ سے امید کہ وہی جاڑے، گرمی، برسات مختلف موسموں میں بقصدِ زیارتِ قبر ونفع رسانی میت (میت کو فائدہ پہنچانے کے لئے) وہاں جا کر بیٹھا کریں گے، قرآن وذکر میں مشغول رہیں گے یا بروجہ جائز قراء وذاکرین کو وہاں مقرر رکھیں گے، ایسی صورت میں بوجہِ اسراف واضاعتِ مال (فضول خرچی اور مال کو ضائع کرنے کی وجہ سے) نہی ہے۔ جہاں ان سب محذورات (ممنوعات) سے پاک ہو وہاں ممانعت کی کوئی وجہ نہیں۔ شیخ الاسلام کشف الغطاء میں فرماتے ہیں "اگر کوئی صحیح غرض ہو تو اس میں حرج نہیں جیسے لوگوں کے آرام کے لئے قبر کے پاس عمارت بنانے اور راستے کی تاریکی سے لوگوں کی تکلیف دفع کرنے کے لئے قبرستان میں چراغ جلانے اور اس طرح کے کاموں میں علماء نے فرمایا" (کشف الغطاء، ص 55، مطبع احمدی، دہلی) (ص 413)

سوال: کوئی شخص بزرگوں کے مزار پر فاتحہ، قرآن پڑھنے اور کھڑے ہو کر وسیلہ چاہنے کے لئے عمارت بنادے اور عرس کرے، کرائے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے، ہاں منکراتِ شرعیہ مثلِ رقص ومزامیر سے بچنا لازم ہے۔ (ص 420)

سوال: کسی بزرگ کے روضے کے سامنے قبریں ہیں، وسعتِ جگہ کے لئے اگر چھپر ڈالا جائے تو اس کے پائے قبروں پر آئیں گے، ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: کسی قبر پر کوئی پایہ چننا (بنانا) جائز نہیں۔ (ص 420)

سوال: ایصالِ ثواب کرنا، بزرگوں کا عرس منانا اور ان سے استمداد (مدد چاہنا) کیسا ہے؟

جواب: امواتِ مسلمین کو ایصالِ ثواب بے قیدِ تاریخ (تاریخ معین کیے بغیر) خواہ بحفظِ تاریخِ معین مثلاً روزِ وفات جبکہ اس کا التزام بنظرِ تذکیر (یاد رکھنے کے لئے) وغیرہ مقاصدِ صحیحہ ہو، نہ اس خیالِ جاہلانہ سے کہ تعیین شرعاً ضرور (معین کرنا شرعاً ضروری ہے) یا وصولِ ثواب اسی میں محصور (ثواب اسی صورت میں پہنچے گا)۔

یونہی عرسِ مشائخ کہ منکراتِ شرعیہ مثلاً رقص و مزامیر وغیرہ سے خالی ہو، اسی طرح اولیائے کرام سے استعانت واستمداد جبکہ بطورِ توسل وتوسط وطلبِ شفاعت ہو (جائز ہے)، نہ معاذ اللہ بظنِ خبیث استقلال وقدرت ذاتیہ (اس خبیث گمان کے ساتھ ان سے مدد طلب کرنا درست نہیں کہ وہ ذاتی طور پر مدد کرتے ہیں) جس کا توہم (وہم کرنا) نہ کسی مسلم سے معقول، نہ مسلمان ہونے پر سوئے ظن (بدگمانی) مقبول، یہ سب امور شرعاً جائز وروا ومباح ہیں جن کے منع پر شرعِ مطہر سے اصلاً دلیل نہیں۔ (ص421)

قبر کو پختہ کرنے میں احتیاطیں

سوال: قبر کو پختہ کرانا بہتر ہے یا نہ کرانا؟ اگر پختہ بنانا چاہیں تو کن امور (طول، عرض، بلندی، اور صورت وغیرہ) کا خیال رکھیں؟

جواب: قبر پختہ نہ کرنا بہتر ہے، اور کریں تو اندر سے کچا رہے، اوپر سے پختہ کر سکتے ہیں، طول وعرض موافقِ قبرِ میت ہو اور بلندی ایک بالشت سے زیادہ نہ ہو اور صورتِ ڈھلوان بہتر ہے۔ (ص425)

فرضی مزار بنانا ناجائز و بدعت ہے

سوال: کسی ولی اللہ کا مزار شریف فرضی بنانا اور اس پر چادر وغیرہ چڑھانا اور اس پر فاتحہ پڑھنا اور اصل مزار کا سا ادب ولحاظ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی مرشد اپنے مریدوں کو اپنی فرض مزار بنانے کی خواب میں اجازت دے تو کیا حکم ہے؟

جواب: فرضی مزار بنانا اور اس کے ساتھ اصل کا سا معاملہ کرنا ناجائز و بدعت ہے اور خواب کی بات خلافِ شرع امور میں مسموع (مقبول) نہیں ہو سکتی۔ (ص425)

سوال: اگر میت کو مشرق کی طرف لے جانا ہو تو اس کا سر کس طرف رکھنا چاہیے؟

جواب: میت کو کسی طرف لے جانا ہو بہر حال سر آگے کی طرف رہے۔ (ص425)

سوال: زید نے ایک قبر مصنوعی جس کا پہلے سے کوئی وجود نہ تھا، بنوا کر یہ بات مشہور کی کہ اس قبر میں زین العابدین تشریف لائے ہیں مجھ کو خواب میں بشارت ہوئی ہے، ایسی روایات کاذبہ سے اس قبر کی عظمت لوگوں کے سامنے بیان کرکے قبر پرستی کی طرف بلانے لگے حتی کہ اس میں اس کو کامیابی ہونے لگی بہت سی مخلوق اس کی طرف متوجہ ہونے لگی، اس قبر پر چادریں، مرغ، بکری، مٹھائیاں اور روپیہ پیسہ چڑھانے لگے۔ اور اپنی مرادیں اور منتیں اس قبر سے مانگنے لگے، اور زید اس آمدنی سے فائدہ اٹھاتا ہے، ایسے شخص کے واسطے شریعت کیا حکم لگاتی

ہے؟ آیا ایسے شخص کے پیچھے نماز ہوتی ہے کہ نہیں؟ کیا ایسا شخص فاسق و فاجر ہے؟ کیا ایسے شخص کا نکاح باطل ہوتا ہے؟ کیا شریعت ایسے شخص کے جلسوں میں شرکت کی اجازت دیتی ہے؟ آیا ایسے شخص سے رشتہ قرابت رکھا جائے؟ نیز اس شخص کے متعلق بھی استفسار کیا جاتا ہے جو زید کے اس معاملے سے خوش ہے اور اس معاملے میں اس کا ممد و معاون ہے یا ایک ایسا شخص جو زید کو اس معاملے سے باز رکھ سکتا ہے مگر ساقط ہے۔

جواب: قبر بلا مقبور (بغیر اس کے کہ اس میں کوئی دفن ہو) کی طرف بلانا اور اس کیلئے وہ افعال کرانا گناہ ہے اور جبکہ وہ اس پر مصر ہے اور باعلان اسے کر رہا ہے تو فاسقِ معلن ہے اور فاسقِ معلن کو امام بنانا گناہ اور (نماز) پھیرنی واجب۔ اس جلسۂ زیارتِ قبر بے مقبور میں شرکت جائز نہیں، زید کے اس معاملہ سے جو خوش ہیں خصوصاً وہ جو ممد و معاون ہیں سب گنہ گار و فاسق ہیں۔

مگر ان میں سے کوئی بات کفر نہیں کہ اس سے نکاح باطل ہو سکے، قرابت اپنے اختیار کی نہیں کہ چاہے رکھی چاہے توڑی، ہاں عزیز داری کا برتاؤ اگر یہ سمجھیں کہ اس کے چھوڑنے سے اس پر اثر پڑے گا تو چھوڑ دیں یہاں تک کہ باز آئے اور اگر سمجھیں کہ اسے قائم رکھ کر سمجھانا مؤثر ہوگا تو یوں کریں۔ (ص426)

سوال: ایک شخص بچپن میں حافظ قرآن ہوا اور تمام عمر بد افعالی میں گزاری، ایک شوہر دار عورت سے جس کا شوہر نامرد تھا برسوں تعلق رہا اور اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، ان حرکات پر ماں باپ نے گھر سے نکال دیا، وہ اسی عورت کے گھر چلا گیا، پھر بیمار ہو کر واپس آیا اور مر گیا، اب زید کے والدین نے کوشش کر کے ایک بزرگ کی قبر پرانی تھی لیکن خام تھی اس کے برابر دفن کر دیا، اور دونوں قبروں کو بہت اچھا پختہ بنوا دیا۔ اب اس کے والدین نے دنیا والوں کے خیالات بدلنے کی غرض سے اس قبر پر بہت کثرت سے ہار پھول چڑھانا شروع کر دیے، اور لوگوں سے یہ کہنے لگے کہ دیکھو کیسی رونق ہے، اور بعض جاہل لوگوں نے قبر پر سے مرادیں مانگنے کی ترغیب دینا شروع کی، چنانچہ اسی قبر کو ابھی بیس پچیس دن گزرے ہوں گے کہ عورتیں اور مرد چادریں چڑھانے لگے اور قبر کو تعظیم کے ساتھ بوسہ دینا شروع کیا، اور آئندہ کو خدا جانے کس حالت کو ان کے والدین پہنچا دیں، ایسی حالت میں قبر کو پوجنے والے اور شہرت کرنے والے اور کرانے والے کے بارے میں شرع شریف میں کیا حکم ہے؟

جواب: اسے پوجنا نہیں کہتے، یہ سائل کی بہت زیادتی ہے، تکریم قبور کو وہابیہ پوجنا کہتے ہیں، اور وہابیہ خود شیطان کو پوجتے ہیں۔ باقی ایسے شخص کی قبر کو ولی کا مزار ٹھہرانا اور مسلمانوں کو دھوکا دینے کیلئے اس کے یہ اہتمام کرنا اور لوگوں کو وہاں مراد مانگنے کی ترغیب یہ ضرور مکر و زور (دھوکا) ہے۔ حدیث میں فرمایا ((من غشنا فلیس منا)) ترجمہ: جو ہمیں دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں۔

(صحیح مسلم، ج1، ص70، نور محمد اصح المطابع، کراچی) (ص427)

سوال: ایک مسجد ہے اور اس کے متصل قبرستان ہے جس میں آثارِ قبور ظاہر ہیں اب مسلمان چاہتے ہیں کہ ان قبروں کے آثار کو محو (ختم) کر کے اس زمین پر گودام وغیرہ بنائیں اور اس پر مسجد بنائیں۔ پس ایسا فعل یعنی قبور کو مٹا کر اوپر مسجد نیچے گودام

بنانا اور اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ جائز کہتے ہیں اور دلیل کے طور وہ حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیش کرتے ہیں جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا تھا کہ ((لاتدع تمثالا الا طمسته ولاقبرا مشرفا الا سویته)) ترجمہ: کوئی مورت مٹائے بغیر اور کوئی قبر برابر کئے بغیر نہ چھوڑنا۔ (صحیح مسلم، ج1، ص312، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

اور دوسری حدیث جس میں مسجد نبوی کے بناتے وقت قبور توڑنے کا ذکر ہے بھی پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس حکم کے مطابق قبور کو برابر کریں گے اور ان کے آثار کو مٹادیں گے اور مسجد و مکان اس قبرستانِ موقوفہ میں بنائیں گے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ احناف کا اس میں مفتی بہ قول کیا ہے؟

جواب :قولِ مفتی بہ امر خلافی میں ہوتا ہے (مفتی بہ قول وہاں ہوتا ہے جہاں اختلاف ہو)، یہ حرکتِ شنیعہ (بری حرکت) ہمارے ائمہ کے اجماع سے ناجائز و حرام ہے۔ توہین قبورِ مسلمین ''ایک'' اور قبور پر نماز کا حرام ہونا ''دو'' اور وقف کی تغییر (تبدیلی) ''تین''۔ کہاں قبر کی بلندی کہ حدِ شرعی سے زائد ہو اس کے دور کرنے کا حکم (سوال میں پیش کردہ حدیث میں سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو حکم دیا اس سے مراد یہ ہے کہ جن قبروں کی بلندی حد شرعی سے زائد ہو اس بلندی کو ختم کردیں) اور کہاں یہ کہ قبورِ مسلمین مسمار کرکے ان پر چلیں، اموات کو ایذا دیں، انہیں پر نماز پڑھ کر گناہ کے مرتکب ہوں، نماز خراب کریں، ارشاد اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ((لاتصلوا علی قبر)) ترجمہ: قبر پر نماز نہ پڑھو۔ (صحیح مسلم، ج1، ص312، نور محمد اصح المطابع، کراچی) کی مخالفت کریں اور کہاں قبورِ مشرکین کھود کر ان کی نجاست سے زمین پاک کرکے مسجد اقدس کا اس پر بنا فرمانا اور کہاں قبورِ مسلمین کی توہین۔ (ص428)

سوال: کیا جس بات سے زندوں کو تکلیف ہوتی ہے اس سے مردوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے؟

جواب: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''مردے کی ہڈی کو توڑنا اور اسے ایذا پہنچانا ایسا ہی ہے جیسے زندہ کی ہڈی کو توڑنا۔'' اسے امام احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ نے بسند حسن ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا۔

(سنن ابوداؤد، ج2، ص102، آفتاب عالم پریس، لاہور)

علماء فرماتے ہیں ''جس بات سے زندوں کو ایذا پہنچتی ہے مردے بھی اس سے تکلیف پاتے ہیں۔'' جیسا کہ ردالمحتار، وغیرہ معتمد کتب میں مذکور ہے۔ (ردالمحتار، ج1، ص229، ادارۃ الطباعۃ المصریہ، مصر) (ص441)

سوال: قبرستان میں جو نیا راستہ نکالا گیا ہو اس پر چلنا کیسا ہے؟

جواب :قبرستان میں جو نیا راستہ نکالا گیا ہو اس میں آدمیوں کو چلنا حرام ہے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو مقابر میں جوتا پہنے چلتے دیکھا ارشاد فرمایا ''ہائے کم بختی تیرے اے طائفی جوتے والے! پھینک اپنی جوتی۔'' (ص443)

قبر پر موجود سبز گھاس کاٹنا مکروہ ہے

سوال: قبر پر موجود گھاس کو کاٹنا کیسا ہے؟

جواب: مقبرے کی گھاس (سبز) کاٹنا مکروہ ہے کہ جب تک وہ (گھاس سبز) تر رہتی ہے اللہ تعالی کی تسبیح کرتی ہے اس (سبز گھاس) سے اموات کا دل بہلتا ہے اور ان پر رحمت الہی کا نزول ہوتا ہے، ہاں خشک گھاس کاٹ لینا جائز ہے مگر وہاں تراش کر جانوروں کے پاس لے جائیں، اور یہ ممنوع ہے کہ انہیں گورستان (قبرستان) میں چرنے چھوڑ دیں۔ (ص443)

قبر پر بیٹھنا اور پاؤں رکھنا منع ہے

سوال: قبر پر بیٹھنا اور پاؤں رکھنا کیسا ہے؟

جواب: نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں ''بیشک آدمی کو آگ کی چنگاری پر بیٹھا رہنا یہاں تک کہ وہ اس کے کپڑے جلا کر جلد تک توڑ جائے، اس کے لئے بہتر ہے اس سے کہ قبر پر بیٹھے۔'' اسے مسلم وابوداؤد ونسائی وابن ماجہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا۔ (سنن ابوداؤد، ج3، ص104، آفتاب عالم پریس، لاہور)

عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا، ارشاد فرمایا ''او قبر پر بیٹھنے والے! قبر سے اتر آ، صاحب قبر کو ایذا نہ دے، نہ وہ تجھے ایذا دے۔''

حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں ''البتہ چنگاری یا تلوار پر چلنا یا جوتا پاؤں سے گانٹھنا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ کسی قبر پر چلوں۔'' اسے ابن ماجہ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا۔ (سنن ابن ماجہ، ص113، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں ''بے شک مجھے آگ پر پاؤں رکھنا زیادہ پیارا ہے مسلمان کی قبر پر پاؤں رکھنے سے۔'' اسے طبرانی نے معجم کبیر میں بسند حسن روایت کیا۔ (الترغیب والترہیب، ج4، ص372، مصطفی البابی، مصر)

ان ہی احادیث سے ہمارے علماء رحمۃ اللہ تعالی علیہم نے بے ضرورت قبر پر چلنے اور اس پر بیٹھنے اور پاؤں رکھنے سے منع فرمایا کہ یہ سب حرمتِ مومن کے خلاف، ترکِ ادب وگستاخی ہے۔ (ص444)

سوال: ایک قول اکثر فقہاء کا ہے اور ایک قول بعض کا، کس کو ترجیح حاصل ہوگی؟

جواب: علماء نے صراحت کردی ہے کہ عمل اس پر ہوگا جس پر اکثریت ہوگی۔ (ص447)

سوال: دو روایتیں ہیں ایک درایت (قیاس) کے مطابق ہے جبکہ دوسری خلاف، تو کس کو ترجیح حاصل ہوگی؟

جواب: (علماء نے صراحت کردی ہے) کہ اس روایت سے عدول نہیں کیا جاتا ہے جو درایت کے مطابق ہو۔ (ص447)

قبر والوں کو زندوں کی طرح تکلیف ہوتی ہے اس کا مشاہدہ

سوال: قبر والوں کو زندوں کی طرح ایذا ہوتی ہے کیا اس کا مشاہدہ بھی کیا گیا ہے؟

جواب: امام محدث حافظ الحدیث ابو بکر بن ابی الدنیا حضرت ابو قلابہ رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی "میں ملک شام سے بصرہ کو آتا تھا، رات کو خندق میں اترا، وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی، پھر ایک قبر پر سر رکھ کر سو رہا، جب جاگا تو ناگاہ (اچانک) سنا کہ صاحب قبر شکایت کرتا اور فرماتا ہے کہ تو نے رات بھر مجھے ایذا پہنچائی۔" (شرح الصدور، ص228، خلافت اکیڈمی منگورہ، سوات)

ابن الدنیا اور امام بیہقی دلائل النبوہ میں حضرت عثمان نہدی سے وہ مینا تابعی سے راوی: میں مقبرے میں گیا، دو رکعت پڑھ کر لیٹ رہا، خدا کی قسم! میں خوب جاگ رہا تھا کہ سنا، صاحب قبر کہتا ہے "قم فقد اذیتنی" اٹھ تو نے مجھے ایذا دی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی، ج7، ص40)

امام حافظ ابن مندہ قاسم بن مخیمرہ سے راوی: کسی شخص نے ایک قبر پر پاؤں رکھا قبر سے آواز آئی "الیك عنی ولا توذنی" اپنی طرف ہٹ (دور ہو اے شخص میرے پاس سے) اور مجھے ایذا نہ دے۔ (شرح الصدور، ص228، خلافت اکیڈمی منگورہ، سوات)

اور اس فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ نے حضرت سیدی **ابو الحسین نوری** مدظلہ العالی سے سنا کہ ہمارے بلاد میں مارہرہ مطہرہ کے قریب ایک جنگل میں گنجِ شہیداں ہے، کوئی شخص اپنی بھینس لے جاتا تھا ایک جگہ زمین نرم تھی، ناگاہ بھینس کا پاؤں جا رہا، معلوم ہوا یہاں قبر ہے قبر سے آواز آئی: اے شخص! تو نے مجھے تکلیف دی، تیری بھینس کا پاؤں میرے سینے پر پڑا۔ فیہا قصة لطیفة تدل علی عظیم قدرة اللہ تعالیٰ وعجیب صنعه فی الشهداء ترجمہ: اس میں لطیف قصہ ہے جو شہداء کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ اور عجیب صناعی پر دلالت کرتا ہے۔ (ص452)

سوال: ایک قدیم قبرستان کی پرانی قبروں کو قصداً کھود کر اپنے رہنے کیلئے مکان بنانا موافق مذہب حنفی کے جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسا کرنے میں اہل قبور کی اہانت ہوگی یا نہیں؟

جواب: جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبروں پر بیٹھنے اور اس سے تکیہ لگانے اور مقابر میں جوتا پہن کر چلنے والوں کو منع فرمایا، اور علماء نے اس خیال سے کہ قبور پر پاؤں نہ پڑے گورستان میں جو راستہ جدید نکالا گیا ہو اس میں چلنے کو حرام بتایا اور حکم دیا کہ قبر پر پاؤں نہ رکھیں بلکہ اس کے پاس نہ سوئیں، سنت یہ ہے کہ زیارت میں بھی وہاں نہ بیٹھیں بلکہ بہتر یہ ہے کہ بلحاظ ادب پاس بھی نہ جائیں، دور ہی سے زیارت کر آئیں اور قبرستان کی خشک گھاس اگرچہ جانوروں کو کھلانا جائز فرمایا مگر یوں کہ یہاں سے کاٹ کر لے جائیں نہ کہ جانوروں کو مقابر میں چرائیں، اور تصریح فرمائی کہ مسلمان زندہ و مردہ کی عزت برابر ہے اور جس بات سے زندوں کو ایذا پہنچتی ہے مردے بھی اس سے تکلیف پاتے ہیں اور انہیں تکلیف دینا حرام، تو خود ظاہر ہوا کہ یہ فعلِ مذکور فی السوال کس قدر بے ادبی و گستاخی و باعث گناہ و استحقاق عذاب ہے۔ جب مکان سکونت بنایا گیا تو چلنا پھرنا، بیٹھنا لیٹنا، قبور کو پاؤں سے روندنا، ان پر پاخانہ، پیشاب، جماع سب ہی کچھ ہوگا اور کوئی دقیقہ بے حیائی اور اموات مسلمین کی ایذا رسانی کا باقی نہ رہے گا۔ (ص453)

غرض ان لوگوں پر ضرور ہے کہ اپنے حال سقیم (خراب حال) پر رحم کریں اور خدائے جبار قہار جل جلالہ کے انتقام سے ڈریں اور مسلمانوں کے اموات کو ایذا نہ پہنچائیں، آخر انھیں بھی اپنے امثال کی طرح ایک دن زمین میں جانا اور بیکس بے بس ہو کر پڑنا ہے جیسا آج یہ لوگوں کے ساتھ پیش آتے ہیں ویسا ہی اور لوگ کل ان کے ساتھ کریں گے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے "جیسا کروگے ویسا بھروگے۔" (کنز العمال، ج 15، ص 772، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت) (ص 456)

جہاں چالیس مسلمان جمع ہوتے ہیں وہاں اللہ تعالیٰ کا ایک ولی ہوتا ہے

سوال: کیا جہاں چالیس مسلمان جمع ہوتے ہیں وہاں اللہ تعالیٰ کا ایک ولی ہوتا ہے؟

جواب: علماء فرماتے ہیں "جہاں چالیس مسلمان جمع ہوتے ہیں ان میں ایک ولی اللہ ضرور ہوتا ہے کما صرح بہ العلامۃ المناوی رحمہ اللہ تعالیٰ فی التیسیر شرح الجامع الصغیر، جیسا کہ علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تیسیر شرح جامع صغیر میں تصریح کی۔ (ص 453)

فاسق و فاجر کے فسق و فجور کا اعلان اس کی زندگی میں جائز اور بعدِ وفات منع ہے

سوال: کیا فاسق و فاجر کے فسق و فجور کا اعلان اس کی زندگی میں اور اس کے مرنے کے بعد کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ فاجرِ معلن کے فسق و فجور کا اس کی زندگی میں اعلان کیا جائے تاکہ لوگ اس سے احتراز کریں۔ (ابن ابی الدنیا، طبرانی اور بیہقی وغیرہ نے) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی کہ کیا تم فاجر کا ذکر کرنے سے ڈرتے ہو، لوگ اسے کب پہچانیں گے، فاجر کی برائیاں بیان کرو تاکہ لوگ اس سے بچیں۔" (نوادر الاصول، ص 213، دار صادر، بیروت)

اور بعدِ موت کیسا ہی فاسق و فاجر ہو اس کے برا کہنے اور اس کی برائیاں ذکر کرنے سے منع فرمایا کہ وہ اپنے کئے کو پہنچ گیا۔ امام احمد، بخاری اور نسائی نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی، انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا "تم مردوں کو برا نہ کہو کیونکہ انہوں نے جو کچھ کیا تھا وہ اس کی جزاء کو پہنچے۔" (صحیح البخاری، ج 1، ص 187، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اور ابوداؤد، ترمذی، حاکم اور بیہقی نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی کہ "تم اپنے مردوں کی خوبیاں بیان کرو اور ان کی برائیوں سے درگزر کرو۔" (سنن ابی داؤد، ج 2، ص 315، آفتاب عالم پریس، لاہور) (ص 454)

اولیاء اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی شان میں گستاخی کے بارے میں وعید

سوال: اولیاء اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی شان میں گستاخی کے بارے میں کیا وعید ہے؟

جواب: اشد و اعظم مصیبت اس کی جو اولیاء کی جنابِ رفیع میں گستاخ ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "اللہ جل جلالہ فرماتا ہے: جو میرے کسی ولی سے دشمنی باندھے میں نے اس سے لڑائی کا اعلان کر دیا۔" اسے امام بخاری نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ (صحیح البخاری، ج 2، ص 963، قدیمی کتب خانہ، کراچی) (ص 455)

سوال: قبرستان کے لئے وقف شدہ زمین کے ایک طرف چند پرانی قبریں پائی جاتی ہیں اور باقی ایک تہائی خالی میدان پڑا ہوا ہے اور وہاں کے عمر رسیدہ بزرگوں سے تحقیق کرنے پر وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کے ہوش سے اس حصہ زمین کوئی میت دفن نہیں ہوئی ہے، اس پر چند مسلمانانِ عالی ہمت نے اس تہائی خالی حصہ زمین پر مدرسہ اور کتب خانہ بنانے کے لئے حاکم وقت سے درخواست کی تھی، حاکم نے اجازت دے دی، ان حضرات نے مدرسہ وکتب خانہ بنانے کے لئے تمام سامان فراہم کیا ہے، اس صورت میں ایسے مقام پر مدرسہ وکتب خانہ بنانا درست ہے یا نہیں؟

جواب: وقف کی تبدیلی جائز نہیں، جو چیز جس مقصد کے لئے وقف ہے اسے بدل کر دوسرے مقصد کے لئے کر دینا روا نہیں۔ جس طرح مسجد یا مدرسہ کو قبرستان نہیں کر سکتے یونہی قبرستان کو مسجد یا مدرسہ یا کتب خانہ کر دینا حلال نہیں۔

اور اس پارہ قبرستان (قبرستان کے ٹکڑے) میں سو برس سے کوئی قبر نہ ہونا اسے قبرستان ہونے سے خارج نہیں کر سکتا۔ پس صورتِ مستفسرہ میں وہاں مدرسہ وکتب خانہ بنانا ہی جائز نہیں اگر چہ مردے کی ہڈی نہ ملے، اور نکلنے کی حالت میں ممانعت اور اشد ہو جائے گی کہ قبرِ مسلم کی بے حرمتی ہوئی۔ (ص457)

<u>مسجد قیامت تک باقی رہتی ہے اگر چہ آبادی ختم ہو جائے</u>

سوال: اگر مسجد کے ارد گرد علاقہ ویران ہو جائے تو کیا مسجد باقی رہے گی؟

جواب: تنویر الابصار و درمختار میں ہے "اور اگر اس کا ارد گرد ویران ہو گیا اور اس کی ضرورت نہ رہی تو مسجد باقی رہے گی امام صاحب اور امام ثانی (امام یوسف) کے نزدیک ہمیشہ قیامت تک، اور اسی پر فتویٰ ہے۔"

(درمختار، ج1، ص379، مطبع مجتبائی، دہلی) (ص471)

سوال: زید ایک زمین کا بذریعہ ٹھیکہ مالک تھا اس زمین پر قصاب دکانداری کرتے تھے زید ان سب سے روزانہ کے اعتبار کچھ پیسے وصول کرتا، پھر یہ ٹھیکہ عمرو نے لے لیا اور اس نے کرایہ بڑھا دیا جس کی وجہ سے دکاندار تنگ آ کر اس زمین کے ساتھ تکیہ کی زمین پر منتقل ہو گئے اور فقیر کو کرایہ کے طور پر کچھ رقم دینے لگے، عمرو پر یہ بات گراں گزری اس نے لوگوں سے اپنا مسئلہ بیان کیا تو لوگ فقیر پر دباؤ ڈال کر کرایہ سے حاصل شدہ رقم میں سے کچھ رقم فقیر سے عمرو کو دلوانے لگے۔ دریافت طلب بات یہ ہے کہ تکیہ کی زمین پر دکانیں لگانا اور دباؤ ڈال کر فقیر سے پیسے دلوانا کیسا ہے؟

جواب: دونوں باتیں حرام ہیں، نہ تکیہ کی زمین دکانداروں کو کرایہ پر دی جا سکتی ہے نہ ان کا کرایہ فقیر کو حلال ہو سکتا ہے، اور اگر فقیر کی اپنی مملوک کوئی زمین ہوتی تو اس پر دباؤ ڈال کر کوئی کوڑی عمرو کو دلوانا قطعاً حرام تھا تو یہ حرام در حرام۔ (ص479)

<u>قبرستان کو بیچنا حرام ہے</u>

سوال: قبرستان کا بیچنا اور رہن رکھنا کیسا ہے؟

جواب: عامۂ قبرستان وقف ہوتے ہیں، اور وقف کی بیع و رہن حرام ہے۔ (ص480)

سوال: جو قبرستان کسی کی ملک ہو اس کی بیع و رہن جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جو خاص قبرستان کسی کی ملک ہو جس میں اس نے مردے دفن کئے ہوں مگر اس کے لئے وقف نہ کیا ہو، وہ بھی مواضعِ قبور کو نہ بیچ سکتا ہے نہ رہن رکھ سکتا ہے کہ اس میں توہینِ اموات مسلمین ہے۔ اور ان کی توہین حرام ہے۔ (ص480)

سوال: قبروں کو منہدم یا مسمار کر کے اس میں کھیتی وغیرہ کرنا کیسا ہے؟

جواب: حرام ہے مگر یہ کسی کی مملوک زمین میں بے اس کی اجازت کے کسی نے مردہ دفن کر دیا ہو اور اس نے اسے جائز نہ رکھا تو اسے اس کو نکلوا دینے اور اپنی زمین خالی کر لینے اور کھیتی و عمارت ہر شے کا اختیار ہے۔ (ص480)

سوال: قبروں کو منہدم یا ویران کرتے یا کھودتے ہوئے دیکھ کر کوئی مسلمان ایسا کرنے والے کو روکنے کا شرعاً مجاز ہے یا نہیں؟

جواب: جو شخص ایسے جرمِ شدید کا مرتکب ہو ہر مسلمان پر واجب ہے کہ بقدرِ قدرت اسے روکے، جو اس میں پہلو تہی کرے گا اسے فاسق کی طرح عذابِ نار ہوگا۔ (ص480)

مسلمانوں پر قبرستان کا کیا احترام لازمی ہے

سوال: مسلمانوں پر قبرستان کا احترام کس حد تک واجب ہے؟

جواب: قبورِ مسلمین پر چلنا جائز نہیں، بیٹھنا جائز نہیں، ان پر پاؤں رکھنا جائز نہیں، یہاں تک کہ ائمہ نے تصریح فرمائی کہ قبرستان میں جو نیا راستہ پیدا ہوا اس میں چلنا حرام ہے، اور جن کے اقرباء ایسی جگہ دفن ہوں کہ ان کے گرد اور قبریں ہو گئیں اور اسے ان قبور تک اور قبروں پر پاؤں رکھے بغیر جانا ناممکن ہو، دور ہی سے فاتحہ پڑھے اور پاس نہ جائے۔ (ص480)

سوال: زینب نے اپنے نواسے بکر کو اپنی زمین ہبہ کر دی، بکر نے اس زمین کو عمرو کے ہاتھ مع جملہ حقوق فروخت کر دیا اور اس کے اندر واہبہ (ہبہ کرنے والی زینب) کی قبر بھی ہے، تو کیا قبر کی بھی بیع ہوئی اور کیا اس کے اندر عمرو مشتری کی قبر بنانا جائز ہے؟ اور کیا عمرو واہبہ کی قبر کو مرمت کرواسکتا ہے؟ نیز وہ درخت وغیرہ پر تصرف کر سکتا ہے؟

جواب: ہبہ (تحفہ) و بیع (خرید و فروخت) سے قبرستانِ وقف مستثنیٰ ہیں، مشتری (خریدنے والا) کی قبر بھی اس میں بن سکتی ہے، واہبہ وغیرہ کی قبر کی مرمت بھی وہ کر سکتا ہے، جو درخت اس میں ہیں وہ مشتری کی ملک ہیں جو چاہے کرے۔ قبرستان اگرچہ وقف ہو اس کے درخت وقف نہیں ہوتے۔ (ص481)

سوال: مزار کے قریب ایک مرید کے کچھ مکانات تھے جو وہ آفس اور گودام وغیرہ کے لئے استعمال کرتا تھا اور اس کے

ساتھ ساتھ زائرین وغیرہ بھی انہی میں قیام کرتے اور مجالس وغیرہ بھی قائم ہوتیں، اس مرید نے وہ مکانات کبھی وقف نہیں کیے تھے، اب شیخ کی وفات کے بعد جب کہ وہ مکانات وغیرہ رہن (گروی) رکھے ہیں، فرزندِ شیخ کا مطالبہ ہے کہ وہ ہمارے نام کر دو، تو کیا فرزندِ شیخ کا یہ مطالبہ صحیح ہے؟ اور کیا مرید کو اختیار ہے کہ وہ رہن کے ختم ہونے سے پہلے ان مکانات کو فرزندِ شیخ کے نام کر دے؟

جواب: فرزندِ شیخ کا دعوی باطل، اور اسے جبر (زبردستی کرنے) کا کوئی اختیار نہیں، زمین و مکان و مقبرہ سب ملکِ مرید ہیں اس کے ورثہ کے قبضے میں رہیں گے۔ مرید پر شیخ پر مالی استحقاق بمعنی وجوبِ شرعی بحیثیتِ شیخیت (پیر ہونے کے اعتبار سے) نہیں، اگرچہ طریقۃً وہ اور اس کا مال سب گویا اس کے شیخ کا ہے، یا شریعۃً بوجوہِ دیگر (دیگر وجوہات کی بنا پر) وجوب ہوسکتا ہے۔ فرزندِ شیخ کا یہ مطالبہ کرنا سوال ہے اور سوال کرنا حرام ہے، ہاں اگر مرید برضائے خود چاہے تو اپنا مال اس کے نام کر سکتا ہے، اگرچہ قبلِ ادائے دین مرتہن باذنِ مرتہن (جس کے پاس قرض کے بدلے میں زمین وغیرہ گروی رکھی ہے، اس کا قرض ادا کرنے سے پہلے بھی نام کر سکتا ہے مگر اس کے لئے مرتہن کی اجازت ضروری ہے)۔ (ص481)

قبر کے اوپر لوبان وغیرہ جلانے سے بچنا چاہیے

سوال: کسی بزرگ کے مزار پر لوبان جلانا شرع میں کیا حکم رکھتا ہے؟ اور جو شخص جلانے والے کو فاسق و بدعتی کہے اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: عود و لوبان وغیرہ کوئی چیز نفسِ قبر (خود قبر) پر رکھ کر جلانے سے احتراز (بچنا) چاہئے اگرچہ کسی برتن میں ہو لما فیہ من التفاول القبیح بطلوع الدخان علی القبر والعیاذ باللہ ترجمہ: کیونکہ اس میں قبر کے اوپر دھواں نکلنے کا برا فال پایا جاتا ہے، اور خدا کی پناہ۔ اور قریب قبر سلگانا اگر وہاں کچھ لوگ بیٹھے ہوں نہ کوئی تالی (تلاوت کرنے والا) یا ذاکر ہو بلکہ صرف قبر کے لئے جلا کر چلا آئے، ظاہر منع ہے کہ اسراف و اضاعتِ مال (مال کو ضائع کرنا) ہے، میتِ صالح اس غرفے (دروازے) کے سبب جو اس کی قبر میں جنت سے کھولا جاتا ہے اور بہشتی نسیمیں (جنتی ہوئیں) بہشتی پھولوں کی خوشبوئیں لاتی ہیں، دنیا کے اگر (اگربتی)، لوبان سے غنی (بے پروا) ہے اور معاذ اللہ جو دوسری حالت میں ہو اسے اس سے انتفاع (فائدہ) نہیں۔ تو جب تک سندِ مقبول سے نفعِ معقول نہ ثابت ہو سبیل احتراز ہے (بچنا چاہئے)۔ اور اگر بغرضِ حاضرین وقتِ فاتحہ خوانی یا تلاوتِ قرآنِ عظیم و ذکرِ الٰہی سلگائیں تو بہتر و مستحسن ہے۔ جو اسے فسق و بدعت کہے محض جاہلانہ جرأت کرتا ہے یا اصولِ مردودہ وہابیت (وہابیت کے مردود اصولوں) پر مرتا ہے، بہرحال یہ شرع مطہرہ پر افتراء (بہتان) ہے۔ (ص482)

قبر پر شمعیں جلانا

مقابر پر شمعیں جلانے کا حکم

سوال: مقابر میں شمعیں روشن کرنا کیسا ہے؟

جواب :(امام علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حدیقہ ندیہ میں) تصریحاً ارشاد کیا کہ مقابر میں شمعیں روشن کرنا جب کسی فائدہ کے لئے ہو ہرگز منع نہیں، فائدہ کی متعدد مثالیں فرمائیں:

(1) وہاں کوئی مسجد ہو کہ نمازیوں کو بھی آرام ہوگا اور مسجد میں بھی روشنی ہوگی۔

(2) مقابر برسرِ راہ ہوں روشنی کرنے سے راہ گیروں کو نفع پہنچے گا اور اموات کو بھی کہ مسلمان مقابرِ مسلمین دیکھ کر سلام کریں گے، فاتحہ پڑھیں گے، دعا کریں گے، ثواب پہنچائیں گے، گزرنے والوں کی قوت زائد ہے تو اموات برکت لیں گے اور اگر اموات کی قوت زائد ہے تو گزرنے والے فیض حاصل کریں گے۔

(3) مقابر میں اگر کوئی بیٹھا ہو کہ زیارت یا ایصالِ ثواب یا افادہ (فائدہ پہنچانے) یا استفادہ (فائدہ حاصل کرنے) کے لئے آیا ہے تو اسے روشنی سے آرام ملے گا، قرآن کو دیکھ کر پڑھنا چاہے تو پڑھ سکے گا۔

وہ تینوں منافع مزارات اولیاء کرام قدسنا اللہ تعالیٰ باسراہم کو بھی بروجہ اولیٰ شامل تھے کہ مزارات مقدسہ کے پاس غالباً مساجد ہوتی ہیں۔ گزرگاہ بھی بہت جگہ ہے اور حاضرین زائرین خواہ مجاورین سے تو نادراً خالی ہوتے ہیں۔ مگر امام ممدوح ان پر اکتفا نہ فرما کر خود مزارات کریمہ کیلئے بالتخصیص روشنی میں فائدہ جلیلہ کا افادہ فرماتے ہیں کہ

(4) ان (اولیاء کرام) کی ارواح طیبہ کی تعظیم کیلئے روشنی کی جائے۔

اقول (میں کہتا ہوں) ظاہر ہے کہ روشنی دلیل اعتناء ہے اور اعتناء (توجہ دینا) دلیلِ تعظیم اور تعظیمِ اہل اللہ دلیلِ ایمان وموجب رضائے رحمان عز جلالہ۔

قال اللہ عزوجل ﴿ ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب ﴾ ترجمہ: جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو وہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔

اس کی نظیر مصحف شریف کا مطلاّ و مذہّب کرنا (قرآن کے اوپر سونے کا پانی چڑھانا) ہے کہ اگرچہ سلف (پہلے دور) میں نہ تھا، جائز ومستحب ہے کہ دلیل تعظیم وادب ہے۔ یوں ہی مساجد کی آرائش ان کی دیواروں پر سونے چاندی کے نقش ونگار کہ صدرِ اول میں نہ تھے۔ مگر اب ظاہری تزک واحتشام (ظاہری شان وشوکت) ہی قلوبِ عامہ (عوام کے دلوں) پر اثرِ تعظیم پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا ائمہ دین نے حکمِ جواز دیا۔

یونہی مسجدوں کیلئے کنگرے بنانا کہ مساجد کے امتیاز اور دور سے ان پر اطلاع کا سبب ہیں اگرچہ صدرِ اول میں نہ تھے مگر اب بلانکیر (بغیر انکار کے) مسلمانوں میں رائج ہے۔ وماراہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن ترجمہ: اور جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ خدا کے یہاں بھی اچھا ہے۔ (مسند احمد بن حنبل، ج 1، ص 379، دارالفکر، بیروت) (ص 491)

<u>سابقہ دور میں شمعیں نہ جلانا ناجائز ہونے کی دلیل نہیں</u>

سوال: سابقہ دور میں تو مزارات پر شمعیں نہیں جلائی جاتی تھیں؟

جواب: ایسی جگہ احکامِ سابقہ سے سند لانا حماقت ہے جو حالت اب واقع ہوئی اگر زمانہ سلف میں واقع ہوتی تو وہ بھی یہی حکم کرتے جو اس وقت ہم کرتے ہیں۔ جیسے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا ''اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے جو باتیں عورتوں نے اب نکالی ہیں تو انھیں مسجدوں سے منع فرمادیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجدوں سے منع کیا گیا تھا''۔ (صحیح مسلم، ج1، ص183، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

اور آخر ائمہ دین نے عورات کو مسجدوں سے منع فرما ہی دیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا تھا ''اللہ تعالی کی باندیوں کو اللہ تعالی کی مسجدوں سے نہ روکو''۔ (صحیح مسلم، ج1، ص183، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

کیا ائمہ دین نے نظر بحال زمانہ (زمانے کی حالت کو دیکھتے ہوئے) جو حکم فرمایا اسے حدیث کی مخالفت کہا جائے گا؟ حاش للہ! ایسا نہ کہے گا مگر احمق، کج فہم (ٹیڑھی سمجھ والا)۔

یوں ہی یہ تازہ تعظیموں کے احکام ہیں، سلف صالحین کے قلوب تعظیم شعائر اللہ سے مملو (بھرے ہوئے) تھے۔ ظاہری تزک واحتشام کے محتاج نہ تھے تو ان کے وقت میں یہ باتیں عبث وبے فائدہ تھیں اور ہر عبث (لغو) مکروہ، اور اس میں مال صرف کرنا ممنوع۔ اب کے بے تزک واحتشامِ ظاہری قلوبِ عوام میں وقعت نہیں آتی ان باتوں کی حاجت ہوئی۔ مصحف شریف (قرآن پاک) پر سونا چڑھانے کی اجازت ہوئی، مسجدوں میں سونے کے کلس، سونے چاندی کے نقش نگار کی اجازت ہوئی، مزارات پر قبہ بنانے، چادر ڈالنے، روشنی کرنے کی اجازت ہوئی۔ ان تمام افعال پر بھی احادیث واحکامِ سابقہ پیش نہ کرے گا مگر سفیہ ونافہم (بے وقوف وناسمجھ)۔ (ص495)

مزارات پر شمعیں روشن کرنا عبادت نہیں ہے

سوال: کیا بزرگوں کے مقابر میں شمعیں روشن کرنا ان کی عبادت کرنے کی طرح نہیں؟

جواب: (علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں) ''تعظیما الروحہ المشرقة علی تراب جسده'' یعنی ان کی روح کی تعظیم کی جاتی ہے اور لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ یہ مزار محبوب کا ہے اس سے تبرک وتوسل کرو کہ تمھاری دعا مستجاب (قبول) ہو۔ (الحدیقۃ الندیۃ، ج2، ص630، مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد)

معاذ اللہ! یہ ان کی عبادت نہیں ان کی روح پاک کی تعظیم ہے ہر تعظیم عبادت ہو تو تعظیم انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام تو نصوصِ قطعیہ قرآن عظیم سے فرض ہے۔ اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے ﴿لتؤمنوا باللہ ورسولہ وتعزروہ وتوقروہ﴾ ہم نے اپنے رسول کو اس لئے بھیجا کہ اے لوگو! تم اللہ اور رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو۔

بلکہ قرآن عظیم نے تو ماں باپ کی تعظیم بھی فرض کی۔ اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے ﴿واخفض لهما جناح الذل

من الرحمة﴾ ترجمہ: اور جھکا دو تم ان (ماں باپ) کے واسطے نرمی کے بازو رحمت سے۔

کیا معاذ اللہ قرآن عظیم نے انبیاء و والدین کی عبادت کا حکم فرمایا ہے؟ (ص498)

مدینہ شریف کی حاضری کے وقت کا عمل

سوال: مدینہ طیبہ کی حاضری کے دوران کس عمل کی کثرت کرے؟

جواب: مسلک متوسط اور اس کی شرح مسلکِ متقسط علی قاری ہے ''مدینہ طیبہ میں حاضری کے دنوں کو غنیمت جانے اکثر اوقات مسجد کریم میں حاضر رہے اور ہو سکے تو مزار اطہر کے حجرۂ مقدسہ ورنہ اس کے گنبد مبارک ہی کو دیکھتا رہے خوف و ادب اور خشوع و خضوع کے ساتھ کہ اس پر نگاہ ہی عبادت جیسے کعبہ معظمہ پر نظر۔ (المسلک المتقسط شرح منسک متوسط، ص341، دار الکتاب العربی، بیروت)(ص518)

خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کا عمل

سوال: سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کے لئے کون سا عمل کیا جائے؟

جواب: در منظم امام ابو القاسم محمد لولوی بستی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس پر ارواح میں، اور جسمِ اطہر پر اجسام میں اور قبرِ انور پر قبور میں درود بھیجے وہ مجھے خواب میں دیکھے اور جو خواب میں دیکھے وہ مجھے قیامت میں دیکھے گا اور جو مجھے قیامت میں دیکھے گا میں اس کی شفاعت فرماؤں گا اور جس کی میں شفاعت فرماؤں گا وہ میرے حوض کریم سے پئے گا اور اللہ عزوجل اس کے بدن پر دوزخ کو حرام فرمائے گا۔'' (ص517)

علماء فرماتے ہیں یوں درود شریف پڑھو ''اللھم صل علی روح سیدنا محمد فی الارواح اللھم صل علی جسد سیدنا محمد فی الاجساد اللھم صل علی قبر سیدنا محمد فی القبور۔'' (ص518)

علیحدہ سے غیر نبی پر درود جائز نہیں

سوال: کیا درود انبیاء و ملائکہ علیہم السلام کے سوا کسی پر بھیج سکتے ہیں؟

جواب: درود وہ تعظیم ہے کہ بالاستقلال (علیحدہ سے) انبیاء و ملائکہ علیہم الصلوۃ والسلام کے سوا کسی کے لئے جائز نہیں۔ (ص518)

میت کو غسل دینے کا پانی

سوال: میت کو غسل دینے کے لئے پانی کیسا ہونا چاہئے؟

جواب: درمختار میں ہے اس (میت) پر بیری میں جوش دیا ہوا پانی بہایا جائے اگر میسر ہو ورنہ سادہ پانی۔ (ص518)

سوال: بزرگوں کے مزار پر شمع روشن کرنا کیا اسراف میں داخل نہیں؟

جواب: امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ العالی قبیل کتاب آداب النکاح میں فرماتے ہیں ''امام اجل، عارف اکمل، سند الاولیاء

حضرت سیدنا امام ابوعلی رودباری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کہ اجلہ اصحاب سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہیں ۔۳۲۲ ہجری میں وصال شریف ہے۔امام عارف باللہ استاذ ابولقاسم قشیری قدس سرہ نے رسالہ مبارکہ میں ان کی نسبت فرمایا اظرف المشائخ واعلمهم بالطريقة یعنی مشائخ میں سب سے زیادہ عقلمند اور طریقت کے سب سے بڑے عالم) (احیاء العلوم الدین، ج2،ص20، مطبعۃ المشہد الحسینی، قاہرہ)

وہ حکایت فرماتے ہیں کہ ایک بندہ صالح نے احباب کی دعوت کی اس میں ہزار چراغ روشن کیے، کسی نے کہا آپ نے اسراف کیا، صاحب خانہ نے فرمایا: اندر آیئے جو چراغ میں نے غیر خدا کیلئے روشن کیا ہو وہ گل کر دیجئے ۔معترض اندر گئے، ہر چند کوشش کی ایک چراغ بھی نہ بجھا سکے، آخر قائل ہو گئے وللہ الحمد۔ (ص519)

عام مسلمانوں کی قبروں پر روشنی کرنے کا حکم

سوال: عام مسلمانوں کی قبروں پر روشنی کرنا کیسا ہے؟

جواب: قبورِ عامۂ ناس (عام لوگوں کی قبروں) پر روشنی جب کہ خارج سے کوئی مصلحت نہ ہو ضرور اسراف ہے اور اسراف بیشک ممنوع، فقہاء اسی کو منع فرماتے ہیں کہ یہی علت منع بتاتے ہیں، اور اگر زینتِ قبر مطلوب ہو تو قبر محلِ زینت نہیں، اب بھی اسراف ہوا بلکہ کچھ زائد، یوں ہی اگر تعظیمِ قبر مقصود ہو کہ یہاں تعظیم نسبت نہیں، رہے مزاراتِ محبوبانِ الٰہ (اللہ کے محبوب بندوں کے مزارات) ان میں اگر زینتِ قبر یا تعظیمِ نفسِ قبر کی نیت ہو یہاں بھی وہی ممانعت رہے گی کہ یہ نیتیں شرعاً محمود نہیں اور اگر ان کی روحِ کریم کی تعظیم و تکریم مقصود ہو، اب نہ اسراف ہے کہ نیتِ صالحہ موجود ہے، نہ تعظیمِ قبر، بلکہ تعظیم روحِ محبوب، اور وہ شرعاً بلاشبہہ مطلوب ۔امام اجل تقی الدین سبکی و امام نورالدین سمہودی و امام عبدالغنی نابلسی رحمہم اللہ تعالیٰ اسی کو جائز بتاتے ہیں اور کسی کے قلب پر حکم لگانا کہ اسے تعظیمِ قبر ہی مقصود ہے نہ کہ تعظیمِ روحِ ولی، محض خراف و بدگمانی و حرام بنصِ قرآنی ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے ﴿یاایھا الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم﴾ ترجمہ: اے ایمان والو! زیادہ گمان سے بچو، بلاشبہ بعض گمان گناہ ہیں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث)) ترجمہ: سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: گمان سے بچو کہ گمان سب سے جھوٹی بات ہے۔ (صحیح البخاری، ج1، ص384، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اور تعظیمِ روح اور تعظیمِ قبر میں فرق نہ کرنا سخت جہالت ہے ۔امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ مسند شریف میں بسندِ حسن روایت فرماتے ہیں: مروان نے اپنے زمانہ تسلط میں ایک صاحب کو دیکھا کہ قبرِ اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اپنا منہ رکھے ہوئے ہیں، مروان نے ان کی گردن مبارک پکڑ کر کہا: جانتے ہو کیا کر رہے ہو؟ اس پر ان صاحب نے اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ہاں! میں سنگ و گل (پتھر اور مٹی) کے پاس نہیں آیا ہوں میں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہوا ہوں، میں اینٹ پتھر کے پاس نہ آیا، میں نے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا دین پر نہ روؤ جب اس کا اہل اس پر والی ہو، ہاں اس وقت دین پر روؤ جبکہ

نا اہل والی ہو۔ (مسند احمد بن حنبل، ج5، ص422، دار الفکر، بیروت)

یہ صحابی سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالی عنہ تھے، تو تعظیم قبر و روح مطہر میں فرق نہ کرنا مروان کی جہالت ہے اور اسی کے ترکہ سے وہابیہ کو پہنچی، اور تعظیمِ قبر سے جدا ہو کر تعظیمِ روح کریم کی برکت لینا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ہے اور اہلسنت کو ان کی میراث ملی، وللہ الحمد۔ (ص520)

زیارتِ قبور

بزرگوں کے مزارات پر فاتحہ وحاضری کا طریقہ

سوال: بزرگوں کے مزار پر جائیں تو فاتحہ کس طرح سے پڑھا کریں اور فاتحہ میں کون کون سی چیزیں پڑھا کریں؟

جواب: مزاراتِ شریفہ پر حاضر ہونے میں پائنتی (پاؤں) کی طرف سے جائے اور کم از کم چار ہاتھ کے فاصلہ پر مواجہہ (چہرے کے سامنے جگہ) میں کھڑا ہو اور متوسط آواز باادب سلام عرض کرے السلام علیک یا سیدی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پھر درود غوثیہ تین بار، الحمد شریف ایک، آیۃ الکرسی ایک بار، سورۂ اخلاص سات بار، پھر درود غوثیہ سات بار، اور وقت فرصت دے تو سورۂ یٰس اور سورۂ ملک بھی پڑھ کر اللہ عزوجل سے دعا کرے کہ الٰہی! اس قرأت پر مجھے اتنا ثواب دے جو تیرے کرم کے قابل ہے نہ اتنا جو میرے عمل کے قابل ہے اور اسے میری طرف سے اس بندۂ مقبول کو نذر پہنچا۔ پھر اپنا جو مطلب جائز شرعی ہو اس کے لئے دعا کرے اور صاحبِ مزار کی روح کو اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اپنا وسیلہ قرار دے، پھر اسی طرح سلام کر کے واپس آئے۔ مزار کو نہ ہاتھ لگائے نہ بوسہ دے اور طواف بالاتفاق ناجائز ہے اور سجدہ حرام۔ (ص522)

سوال: کیا قبر پر جانے سے مردہ کو معلوم ہوتا ہے کہ میرا کوئی عزیز آیا یا کوئی شخص آیا یا نہیں؟ اور زندہ کو مردہ کی قبر پر جانے سے مردہ کو کسی قسم کی تکلیف یا راحت ہوتی ہے یا نہیں؟ اور وہ کچھ پڑھ کر ثواب بخشے تو مردہ کو علم ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب: قبر پر جو کوئی جائے مردہ دیکھتا ہے اور جو کچھ کلام کرے وہ سنتا ہے اور جو ثواب پہنچائے مردہ کو پہنچتا ہے، اگر کوئی عزیز یا دوست جائے تو اس کے جانے سے مردہ کو راحت اور فرحت ملتی ہے جیسے دنیا میں، یہ سب مضامین صحاح احادیث میں وارد ہیں۔ وقد فصلناھافی حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات، ترجمہ: ہم نے حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات میں ان کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ (ص523)

سوال: زید کسی عزیز کی قبر پر روزانہ جاتا تھا پھر جانا بند کر دیا، دریافت یہ کرنا ہے کہ اس مردہ کو زید کے آنے اور جانے سے کسی قسم کی تکلیف یا راحت ہوتی تھی یا نہیں؟

جواب: بیشک اعزہ واحباب کے جانے سے اموات کو فرحت ہوتی ہے۔ اور دیر لگانے سے ان کا انتظار رہتا ہے۔ (ص 523)

ماں باپ کی قبر کی زیارت کا افضل وقت بعد صبح بروز جمعہ ہے

سوال: قبرستان میں ماں باپ کی زیارت کرنا بعد نماز فجر افضل ہے یا بعد نماز عصر یا مغرب؟ اور بعد نماز مغرب زیارت کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟

جواب: زیارت ہر وقت جائز ہے، مگر شب میں تنہا قبرستان نہ جانا چاہیے، اور زیارت کا افضل وقت روز جمعہ بعد نماز صبح ہے۔ (ص 523)

سوال: زید قبرستان میں جا کر اس طرح فاتحہ پڑھتا ہے کہ اول قبرستان کے دروازے پر کھڑے ہو کر تمام اہل قبر کی ارواح کو ثواب بخشتا ہے پھر اپنے کسی عزیز خاص یا کسی اہل اللہ کی قبر پر کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھ کر ایک ایک کو جدا جدا ثواب بخشتا ہے تو کیا جدا جدا قبر پر کھڑے ہو کر پڑھنے سے اس کے عزیز جیسے والدین و بھائی بہن وغیرہ کو کچھ ثواب یا فرحت دیگر اہل قبور کے زیادہ ہوگا یا نہیں؟ اور اس جدا جدا قبر پر جانے سے والدین کا حق اور ولی کا مرتبہ ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب: بلاشبہہ اس صورت میں جس جس کے لئے جدا فاتحہ پڑھے گا اسے ثواب زائد پہنچے گا اور فرحت زیادہ ہوگی، اور والدین واعزہ کی قبر پر جدا جدا جانے سے انس حاصل ہوگا جیسے حیات میں، اور ولی کے مزار پر جدا حاضر ہونے میں اس کی خاص تعظیم ہے جو ایک عام بات میں شامل کرنے سے نہیں ہو سکتی، زید کا یہ فعل بہت حسن ہے مگر اس کا لحاظ لازم ہے کہ جس کے پاس بالخصوص جانا چاہتا ہے اس تک قدیم راستہ ہو، اگر قبروں پر سے ہو کر جانا پڑے تو اجازت نہیں، سر راہ دور کھڑے ہو کر ایک قبر کی طرف متوجہ ہو کر ایصال ثواب کر دے۔ (ص 524)

ایصال ثواب کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آتی

سوال: قرآن مجید پڑھ کر بخشنے والے کو بھی ثواب ملے گا یا نہیں؟ کیونکہ زید کہتا ہے کہ جب پڑھ کر بخش چکے تو پھر ہمارے پاس کیا رہ گیا، آیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟

جواب: زید غلط کہتا ہے وہ دنیا کی حالت پر قیاس کرتا ہے کہ ایک چیز دوسرے کو دے دیں تو اپنے پاس ہی نہ رہے، وہاں کی باتیں یہاں کے قیاس پر نہیں، صحیح حدیث میں فرمایا کہ جو اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کرے ان کی روحیں شاد (خوش) ہوں، اور یہ ان کے ساتھ نیکوکار لکھا جائے اور دونوں کو پورے حج کا ثواب ملے اور اس کے ثواب سے کچھ کم نہ ہو۔ اس کی نظیر دنیا میں علم ہے کہ جتنا تقسیم کیجئے اوروں کو ملتا ہے اور اپنے پاس سے کچھ نہیں گھٹتا بلکہ بڑھ جاتا ہے۔ (ص 524)

سوال: قبرستان میں کلام شریف یا پنج سورہ قبر کے نزدیک بیٹھ کر تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: قبر کے پاس تلاوت یاد پر (زبانی) خواہ دیکھ کر ہر طرح جائز ہے جبکہ لوجہ اللہ (اللہ کیلئے) ہو، اور قبر پر نہ

بیٹھے، نہ کسی قبر پر پاؤں رکھ کر وہاں پہنچا ہو، اور اگر بے اس (بغیر اس) کے وہاں تک نہ جا سکے تو قبر کے نزدیک تلاوت کیلئے جانا حرام ہے بلکہ کنارے ہی سے جہاں تک بے کسی قبر کو روندے جا سکتا ہے تلاوت کرے۔ (ص525)

قبر کے اوپر اگربتی نہ جلائی جائے

سوال: قبر پر سبزی یا پھول یا اگربتی رکھنا، جلانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: قبر پر سبزی پھول ڈالنا اچھا ہے، اگربتی قبر کے اوپر رکھ کر نہ جلائی جائے کہ اس میں سوءِ ادب (بے ادبی) اور بدفالی (بدشگونی) ہے۔ ہاں قریبِ قبر زمینِ خالی پر رکھ کر سلگائیں کہ خوشبو محبوب ہے۔ (ص525)

سوال: بوسۂ قبر کا کیا حکم ہے؟

جواب: بعض علماء اجازت دیتے ہیں۔ مگر جمہور علماء مکروہ جانتے ہیں تو اس سے احتراز (بچنا) ہی چاہئے۔ اشعۃ اللمعات میں ہے ”قبر کو ہاتھ نہ لگائے، نہ ہی بوسہ دے۔“ (ص526)

قبر کا طواف کرنا منع ہے

سوال: قبر کا طواف کرنا کیسا ہے؟

جواب: بعض علماء نے اجازت دی۔ مجمع البرکات میں ہے ”یمکنہ ان یطوف حولہ ثلث مرات فعل ذلک“ ترجمہ: گردِ قبر تین بار طواف کر سکتا ہے۔

مگر راجح یہ کہ ممنوع ہے مگر اسے مطلقاً شرک ٹھہرا دینا جیسا کہ طائفہ وہابیہ کا مزعوم ہے (جیسا کہ وہابیوں نے اسے گمان کیا ہے) محض باطل و غلط اور شریعت مطہرہ پر افتراء ہے۔ (ص527)

سوال: قبر کس قدر بلند کرنی چاہئے؟

جواب: ایک بالشت یا کچھ زائد، زیادہ فاحش بلندی مکروہ ہے۔ (ص527)

سوال: مرشد کے مزار کا طواف کرنا، مزار اور مزار کی چوکھٹ کو بوسہ دینا، آنکھوں سے لگانا اور مزار سے الٹے پاؤں پیچھے ہٹ کے، ہاتھ باندھے ہوئے واپس آنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مزار کا طواف کہ محض بہ نیت تعظیم کیا جائے ناجائز ہے کہ تعظیم بالطواف مخصوص بخانہ کعبہ ہے۔ مزار کو بوسہ دینا نہ چاہئے، علماء اس میں مختلف ہیں، اور بہتر بچنا، اور اسی میں ادب زیادہ ہے، آستانہ بوسی میں حرج نہیں، اور آنکھوں سے لگانا بھی جائز کہ اس سے شرع میں ممانعت نہ آئی اور جس چیز کو شرع نے منع نہ فرمایا منع نہیں ہو سکتی۔ ہاتھ باندھے الٹے پاؤں واپس آنا ایک طرزِ ادب ہے اور جس ادب سے شرع نے منع نہ فرمایا اس میں حرج نہیں، ہاں اگر اس میں اپنی یا دوسرے کی ایذاء

کا اندیشہ ہوتو اس سے احتراز کیا جائے۔ (ص528)

سوال: مزاراتِ اولیاء کرام علیہم الرحمہ کے چومنے کو کفر یا شرک کہنا کیسا ہے؟

جواب: فی الواقع بوسۂ قبر میں علماء مختلف ہیں اور تحقیق یہ ہے کہ وہ ایک امر ہے جو دو چیزوں داعی (بلانے والے) ومانع (منع کرنے والے) کے درمیان دائر، مداعی محبت اور مانع ادب تو جسے غلبۂ محبت ہو اس پر مواخذہ (پکڑ) نہیں کہ اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم سے ثابت ہے اور عوام کے لئے منع ہی احوط (زیادہ محتاط) ہے، ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مزارا کابر سے کم از کم چار ہاتھ کے فاصلے سے کھڑا ہو پھر تقبیل (چومنے) کی کیا سبیل۔۔ بالجملہ یہ کوئی امر ایسا نہیں جس پر انکار واجب کہ اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم اور اجلہ آئمہ رحمھم اللہ تعالیٰ سے ثابت ہے تو اس پر شورش (شور مچانے) کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر چہ ہمارے نزدیک عوام کو اس سے بچنے ہی میں احتیاط ہے۔ (ص528)

سوال: قبورِ شہداء یا اولیاء اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم پر جا کر اور قبر شریف ہی پر مالیدہ یا شرینی مع پھول وغیرہ نیاز کرنا کیسا ہے، چاہیئے یا نہیں؟

جواب: قبورِ مسلمین کی زیارت سنت اور مزاراتِ اولیا کرام وشہداء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی حاضری سعادت بر سعادت اور انھیں ایصالِ ثواب مندوب وثواب۔ اور مالیدہ وشرینی خصوصیتِ عرفیہ میں اگر وجوب نہ جانے حرج نہیں، اور قبر پر لیجانے کی نہ ضرورت نہ اس میں معصیت۔ ہاں اسے شرعاً لازم جانے، بغیر اس کے فاتحہ کا قبول نہ سمجھے تو یہ اعتقاد فاسد ہے، اس اعتقاد سے احتراز لازم ہے۔ قبورِ مسلمین خصوصاً قبورِ اولیاء پر پھول چڑھانا حسن ہے، عالمگیری وغیرہ میں اسکی تصریح فرمائی، مگر شرینی وغیرہ جو اس قسم کی چیزیں لیجائے اس کو قبر پر نہ رکھے، یہ ممنوع ہے۔ (ص532)

سوال: جس شہید یا ولی اللہ کے مزار کا حال ہم کو معلوم نہیں ہے کہ آیا مزار ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کس کی ہے؟ مرد اہلِ اسلام، یہودی یا نصاریٰ یا عورت یہود یا نصاریٰ یا مسلمان کی، تو اس مزار پر فاتحہ پڑھنا یا نیاز وغیرہ کرنا کیسا ہے، چاہیئے یا نہیں؟

جواب: جس قبر کا یہ بھی حال معلوم نہ ہو کہ یہ مسلمان کی ہے یا کافر کی، اسکی زیارت کرنی، فاتحہ دینی ہرگز جائز نہیں کہ قبرِ مسلمان کی زیارت سنت ہے اور فاتحہ مستحب، اور قبرِ کافر کی زیارت حرام ہے اور اسے ایصال ثواب کا قصد کفر۔ تو جو امر سنت و حرام یا مستحب وکفر میں مترددہو وہ ضرور ممنوع وحرام ہے۔ (ص533)

سوال: کسی ولی یا شہید کے مزار شریف پر پھول یا کپڑے کی چادر منت مان کر چڑھانا کیسا ہے، چاہیئے یا نہیں؟

جواب: یہ منت کوئی شرعی نہیں۔۔ ہاں پھول چڑھانا حسن ہے۔۔ اور قبورِ اولیاء کرام قدسنا اللہ باسرارھم پر چادر بقصدِ تبریک ڈالنا مستحسن ہے۔ (ص533)

سوال: شیخ نے مرید کو وصیت کی تھی کہ میری قبر کا کل سامانِ روشنی وقرآن خوانی ولنگر خانہ وغیرہ کا انتظام تم کرنا،

چنانچہ مرید نے بمطابق وصیت تمام سامان کیا، کل اخراجات کی کفالت کی۔ اب سوال یہ ہے کہ لوگ جو چادر و شرینی ونقد وجنس مزار پر چڑھاتے ہیں وہ کس کا حق ہے؟ اس مرید کا کہ جس نے یہ سامان اور اخراجات کئے اور خادم بھی ہے یا فرزندِ شیخ کا؟

جواب: چادر جو مزار پر ڈالی جائے وہ کسی کا حق نہیں نہ اس مرید خادمِ مزار کا نہ فرزندِ صاحبِ مزار کا، نہ وہ وقف ہو بلکہ وہ ڈالنے والے کی ملک پر رہتی ہے جیسے کفن کہ تبرعا کسی نے میت کو دیا۔ باقی اور چڑھاوے اگرچہ وہ چادریں ہی ہوں جو مزار پر نہ ڈالیں نہ اس پر ڈالنے کو دیں بلکہ دیگر نظروں کی طرح سمجھیں ان میں عرف عام یہ ہے کہ خادمِ مزار ہی ان کا مالک سمجھا جاتا ہے اسی قصد سے لوگ لاتے اور اس کا انتفاع اور تصرف دیکھتے، جانتے روا رکھتے ہیں اور المعروف کالمشروط (اور معروف مشروط کی طرح ہے) تو وہ خدمت والا ہی ان کا مالک ہے، تر کہ نہیں کہ فرزند کو جائے اور اس قسم کے چڑھاوے شرع میں کہیں مطلقاً منع نہیں، نہ یہ نذورِ شرعی بلکہ عرف ہے کہ اکابر کے حضور جو کچھ لے جاتے اسے نذر کہتے ہیں جیسے بادشاہ کی نذریں گزریں، بعض متاخرین نے کہ منع کیا (وہ) میت کے لئے منت ماننے کو منع کیا ہے وہ صورت یہاں عام مواقع میں نہیں، اکثر چڑھاوے منت ہی نہیں ہوتے نہ یہ نذر شرعی نذر ہے۔ (ص534)

سوال: مردہ کے نام کا کھانا جو امیر و غریب کو کھلاتے ہیں کس کو کھانا چاہئے اور کس کو نہیں؟

جواب: مردے کا کھانا صرف فقراء کے لئے ہو، عام دعوت کے طور جو کرتے ہیں یہ منع ہے غنی نہ کھائے۔ (ص536)

عورتوں کا مزارات اولیاء اور عام قبروں پر جانا منع ہے

سوال: عورتوں کا مزارات اولیاء اور عام قبروں پر جانا کیسا ہے؟

جواب: عورتوں کو مقابرِ اولیاء اور مزاراتِ عوام دونوں پر جانے کی ممانعت ہے۔ (ص536)

سوال: کہا جاتا کہ بزرگوں کے مزارا میں آنے والے ان کے مہمان ہیں، یہ صحیح ہے یا نہیں؟

جواب: حاضرانِ مزار مہمان ہوتے ہیں مگر عورتیں ناخواندہ (بن بلائے) مہمان۔ (ص536)

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ بزرگ لوگ اپنے مزار سے تصرف نہیں کر سکتے اور دلیل کے طور پر کہتے ہیں کہ اگر وہ تصرف کر سکتے ہیں تو وہاں رنڈیاں گاتی، ناچتی، بجاتی ہیں، عورتیں غیر محرم رہتی ہیں، ان کے بچے پیشاب وغیرہ کرتے ہیں تو کیوں نہیں روکتے، ان کا یہ کہنا اور اس کی یہ دلیل دینا صحیح ہے یا نہیں؟

جواب: اولیاء کرام کا مزارات سے تصرف کرنا بے شک حق ہے، اور وہ بیہودہ دلیل محض باطل ہے۔ اصحابِ مزارات دارِ تکلیف (مکلف ہونے کی جگہ) میں نہیں وہ اس وقت محض اہل تکوینیہ کے تابع ہیں، سیکڑوں نا حفاظیاں لوگ مسجدوں میں کرتے ہیں اللہ عزوجل تو قادرِ مطلق ہے کیوں نہیں روکتا؟ (ص536)

سوال: بزرگوں کے مزار سے جو چراغ کی روشنی غیبی ہوتی ہے، یہ کیسی ہے؟ اور اس سے اس صاحبِ مزار کی بزرگی

ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟

جواب :اگر من جانب اللہ ہے تو ضرور بزرگی ثابت ہوتی ہے اگر بزرگی ثابت ہے منجانب اللہ ہے ورنہ امر محتمل (مشکوک بات) ہے، شیطان بھی بہت کرشمے دکھاتا ہے، حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی ازواجِ مطہرات سے ایک بی بی جب اندھیرے میں جاتیں ایک شمع روشن ہو جاتی، ایک روز حضور نے ملاحظہ فرمایا اور فرمایا کہ یہ شیطان کی جانب سے ہے، پھر ایک ربانی نوران کے ساتھ فرمادیا کمافی بھجة الاسرار و معدن الانوار (جیسا کہ بھجة الاسرار و معدن الا نوار میں ہے) (ص536)

سوال: کوئی شخص بزرگوں کی مزار پر فاتحہ، قرآن پڑھنے اور کھڑے ہو کر وسیلہ چاہنے کے لئے عمارت بنادے اور عرس کرے کرائے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے کما فی مجمع بحا رالانوار (جیسا کہ مجمع بحارالانوار میں ہے) ہاں منکراتِ شرعیہ (ممنوعاتِ شرعیہ) مثل رقص و مزامیر سے بچنا لازم ہے۔ (ص536)

سوال :قبرستان کی حفاظت کے لئے اس کے چاروں طرف زمین کھود کر محاصرہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور قبرستان میں درخت لگانا کیسا ہے؟

جواب :حفاظت کے لئے حصار لگانے میں حرج نہیں۔ اور درخت اگر سایۂ زائریں کے لئے ہوں تو اچھا ہے مگر قبر سے جدا ہوں۔ (ص536)

سوال: زندہ اور صاحبِ مزا ولی اللہ سے ظاہر طریقے سے ہم کلام ہونے کی کوئی خبر ہے یا نہیں؟

جواب: بکثرت ہیں کہ امام جلال الدین (سیوطی) شرح الصدور وغیرہ میں مذکور۔ (ص537)

سوال :کوئی شخص اپنی زندگی میں قل کرائے، فاتحہ پڑھوائے، آیا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کا ثواب اپنے لئے بعدِ وفات رکھے، یعنی یہ کہے کہ مرنے کے بعد مجھے اس کا ثواب ملے؟

جواب: جائز ہے اور قبول ہوا تو ثواب ملے گا۔ (ص537)

سوال: زیارتِ قبور میں عورتوں کے واسطے کیا حکم ہے؟

جواب: عورتوں کو زیارتِ قبور منع ہے۔ حدیث میں ہے ((لعن اللہ زائرات القبور)) ترجمہ: اللہ کی لعنت ان عورتوں پر جو قبروں کی زیارت کو جائیں۔ (ص537)

<u>عورت کا مجاور بن کر بیٹھنا منع ہے</u>

سوال: کیا عورت مزار پر مجاور ہو سکتی ہے؟

جواب: مجاور مردوں کو ہونا چاہئے، عورت مجاور بن بیٹھے اور آنے جانے والوں سے اختلاط کرے یہ سخت بد (بہت برا) ہے۔ عورت کو گوشہ نشینی کا حکم ہے، نہ یوں مردوں کے ساتھ اختلاط کا، جس میں بعض اوقات مردوں کے ساتھ اسے تنہائی بھی ہوگی، اور یہ حرام ہے۔ (ص537)

عورتوں کے قبرستان میں جانے کی ممانعت کی وجہ

سوال: عورتوں کو قبرستان میں جانے کی ممانعت کی وجہ کیا ہے؟

جواب: قبورِ اقرباء پر خصوصاً بحالِ قربِ عہدِ ممات (ایام موت میں) تجدیدِ حزن (غم کا تازہ ہونا) لازمِ نساء (عورتوں کو لازم) ہے، اور مزاراتِ اولیاء پر حاضری میں احدی الشناعتین (دو بری باتیں میں سے ایک) کا اندیشہ یا ترکِ ادب یا ادب میں افراطِ ناجائز (ناجائز حد تک بڑھ جانا)، تو سبیلِ اطلاق (مطلق طور پر) منع ہے۔ (ص538)

(ایک وجہ فتنہ بھی ہے، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں) فتنہ وہی نہیں جو عورت کے دل سے پیدا ہو وہ بھی ہے اور سخت تر ہے جس کا فساق سے عورت پر اندیشہ ہو۔ ارشادِ ھدایہ لما فیہ من خوف الفتنة (اس لئے کہ اس میں فتنے کا اندیشہ ہے) دونوں کو شامل ہے، عورت سے خوف ہو یا عورت پر خوف ہو۔ (ص558-559)

سوال: مزاراتِ اولیاء پر ہر سال عرس منانا کیسا ہے؟ اور عورتوں کے اس میں شرکت کرنے کا کیا حکم ہے نیز عرس کے موقع پر میلہ وغیرہ لگانا اور اس میں فونوگرام وغیرہ بجانا کیسا ہے؟

جواب: اولیائے کرام کے مزارات پر ہر سال مسلمانوں کا مجمع ہو کر قرآنِ مجید کی تلاوت یا اور مجالس کرنا اور اس کا ثواب ارواحِ طیبہ کو پہنچانا جائز ہے جبکہ منکراتِ شرعیہ مثلِ رقص و مزامیر وغیرہا سے خالی ہو۔ عورتوں کو قبور پر ویسے جانا نہ چاہئے نہ کہ مجمع میں بے حجابانہ اور تماشے کا میلہ کرنا، اور فونو وغیرہ بجوانا، یہ سب گناہ و ناجائز ہیں۔ (ص538)

عورتوں کا مسجد میں آکر نماز پڑھنا منع ہے

سوال: نماز کے لئے عورتوں کا مسجد میں جانا کیسا ہے؟

جواب: عنایہ امام اکمل الدین بابرتی میں ہے کہ امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورتوں کو مسجد سے منع فرمایا، وہ ام المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس شکایت لے گئیں، فرمایا "اگر زمانہ اقدس میں یہ حالت ہوتی حضور عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت نہ دیتے۔" (ص549)

عورت کا خلیفہ بننا کیسا؟

سوال: کیا پیر صاحب عورت کو خلیفہ بنا سکتے ہیں؟

جواب: ائمۂ باطن کا اجماع ہے کہ عورت داعی الی اللہ نہیں ہو سکتی، ہاں تدابیر ارشاد کردۂ مرشد (مرشد کے بتائے ہوئے طریقے) بتانے میں سفیرِ محض ہو تو حرج نہیں۔ (ص564)

فاتحہ و ایصالِ ثواب

مروجہ فاتحہ کے جواز پر دلائل

سوال: مروجہ فاتحہ جس میں کھانا سامنے رکھ کر درود و قرآن پڑھ کر ثواب میت کو پہنچاتے ہیں اور وہ کھانا محتاج کو دے دیتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کھانا محتاج کو دینے سے پہلے ثواب میت کو نہیں پہنچا سکتے، لہذا پہلے کھانا دے اس کے بعد ثواب پہنچائے، اور کہتا ہے کہ کھانا سامنے رکھ کرنا جائز و ناروا ہے۔ آیا اس کا یہ قول صحیح ہے یا غلط؟

جواب: فاتحہ بہیئتِ مروجہ جس طرح سوال میں مذکور، بلا ریب (بلا شک) جائز و مستحسن ہے، اہلِ سنت کے نزدیک اموات کو ثواب پہنچانا ثابت ہے، اور اس بارے میں حدیثیں صحیح اور روایتیں فقہی معتبر (فقہی قابلِ اعتبار روایات) بہ کثرت وارد۔ باقی بر ہا طعام و قرأت کا جمع، خود ان کے امام الطائفہ معلمِ ثانی اسمٰعیل دہلوی نے صراطِ مستقیم میں اس اجتماع کو بہتر کہا، کما حیث قال "جب میت کو نفع پہنچانا منظور ہو کھانا کھلانے پر ہی موقوف نہ رکھے، اگر میسر ہو تو بہتر ورنہ صرف سورۂ فاتحہ و اخلاص کا ثواب بہترین ثواب ہے۔" (صراطِ مستقیم، ص64، المکتبۃ السلفیہ، لاہور)

اور قبل اس کے کہ صدقہ محتاج کے ہاتھ میں پہنچے ثواب اس کا میت کو پہنچانا جائز، اور حدیث سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ سننِ ابی داؤد و سننِ نسائی میں مروی ثابت "انہوں نے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میری ماں نے انتقال کیا تو کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا: پانی، انہوں نے کنواں کھود کر کہا: یہ سعد کی ماں کے لئے ہے۔" (سننِ ابی داؤد، ج1، ص236، آفتاب عالم پریس، لاہور)

اس سے صاف متبادر یہ کہ کنواں تیار ہو جانے پر یہ الفاظ کہے، اور ایک دو دن یا دس بیس برس بھی سہی تو صرف اس قدر پانی کا ثواب پہنچانا منظور تھا جو اس وقت آدمیوں، جانوروں کے صرف میں آیا، حاشا (ہرگز نہیں)! بلکہ جب تک کنواں باقی رہے گا بحکم ھذہ لام سعد سب کا ثواب مادرِ سعد کو پہنچے گا اور سب کا ایصال منظور تھا تو قبلِ تصرف ایصالِ ثواب ہر طرح حاصل، اور خود احادیثِ مرفوعہ کثیرہ سے ثابت کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ثوابِ عمل قبلِ عمل ایصال فرمایا۔

زید کہ اسے ناجائز کہتا ہے حدیث کی مخالفت کرتا ہے، بات یہ ہے کہ فاتحہ ایصالِ ثواب کا نام ہے، اور مؤمن کو عملِ نیک کا ایک ثواب اس کی نیت کرتے ہی حاصل، اور عمل کیے پر دس ہو جاتا ہے، جیسا کہ صحیح حدیثوں میں ارشاد ہوا، بلکہ متعدد حدیثوں میں فرمایا

گیا کہ ((نیة المؤمن خیر من عمله)) مسلمان کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔ (الفردوس بماثور الخطاب، ج4، ص286، دار الکتاب العلمیہ، بیروت)

فاتحہ میں دو عمل نیک ہوتے ہیں: قرأتِ قرآن واطعامِ طعام۔ طریقۂ مروجہ میں ثواب پہنچانے کی دعا اس وقت کرتے ہیں جب کہ کھانا دینے کی نیت کرلی اور کچھ قرآنِ عظیم پڑھ لیا تو کم سے کم گیارہ ثواب تو اس وقت مل سکے، دس ثواب قرأت کے اور ایک نیتِ اطعام کا، کیا انہیں میت کو نہیں پہنچا سکتے؟ رہا کھانا دینے کا ثواب، وہ اگرچہ اس وقت موجود نہیں تو کیا ثواب پہنچانا شاید ڈاک یا پارسل میں کسی چیز کا بھیجنا سمجھنا ہوگا کہ جب تک وہ شے موجود نہ ہو، کیا بھیجی جائے، حالانکہ اس کا طریقہ صرف جنابِ باری میں دعا کرنا ہے کہ وہ ثواب میت کو پہنچائے، کیا دعا کرنے کے لئے بھی اس شے کا موجود فی الحال ہونا ضروری ہے، مگر ہے یہ کہ جہالت سب کچھ کراتی ہے، اور وقتِ فاتحہ کھانے کا قاری کے پیشِ نظر ہونا اگرچہ بے کار بات ہے مگر اس کے سبب سے وصولِ ثواب یا جوازِ فاتحہ مین کچھ خلل نہیں، جو اسے ناجائز وناروا کہے ثبوت اس کا دلیلِ شرعی سے دے ورنہ اپنی طرف سے بحکمِ خدا اور سول کسی چیز کو ناروا کہہ دینا خدا اور سول پر افتراء کرنا ہے۔ ہاں اگر کسی شخص کا یہ اعتقاد ہے کہ جب تک کھانا سامنے نہ کیا جائے گا ثواب نہ پہنچے گا، تو یہ گمان اس کا محض غلط ہے، لیکن نفسِ فاتحہ میں اس اعتقاد سے بھی کچھ حرف نہیں آتا۔ (ص565)

فاتحہ کے جواز پر منکرین کے اکابرین سے دلائل

سوال: عام مسلمانوں کے ایصالِ ثواب کے لیے فاتحہ اور بزرگوں کے ایصالِ ثواب کے لیے نیاز کرنے کو دیوبندی حرام کہتے ہیں، کیا ان کے بڑوں سے فاتحہ اور نیاز کا ثبوت ہے؟

جواب: امام الطائفہ (اسمعیل دہلوی) نے اس باب میں عدمِ ورود تسلیم کرنے کے باوجود جو کچھ کہا ہے وہ سننے کے قابل ہے رسالہ زبدۃ النصائح میں طبع شدہ تقریر ذبیحہ میں لکھا ہے ''کنواں کھودنے اور اس جیسے کاموں اور دعا، استغفار، قربانی کے سوا قرآن خوانی، فاتحہ خوانی، کھانا کھلانا سب طریقے بدعت ہیں، گو خاص بدعت حسنہ ہیں، جیسے عید کے دن معانقہ اور نماز صبح یا عصر کے بعد مصافحہ۔''

اب ہم کچھ اور اقوال امام الطائفہ کے بزرگان وعمائد اور اساتذہ ومشائخ کے نقل کرتے ہیں تاکہ بے باکوں کو پتہ چلے کہ شریعت سے ممانعت کے بغیر فاتحہ کو حرام بتانے پر زبان کھولنا اور فاتحہ کے کھانے، بزرگوں کی نیاز کی شرینی کو حرام اور مردار کہنا کیسی سخت سزائیں چکھاتا ہے اور کیسے برے دن دکھاتا ہے۔

شاہ ولی اللہ انفاس العارفین میں اپنے والد شاہ عبد الرحیم سے نقل کرتے ہیں ''وہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایامِ وفات میں کچھ میسر نہ ہوا کہ آں حضرت کی نیاز کا کھانا پکایا جائے تھوڑے سے بھنے ہوئے چنے اور قندِ سیاہ (گڑ) پر نیاز کیا الخ۔'' (انفاس العارفین، ص106، المعارف گنج بخش روڈ، لاہور)

الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین میں اسی بات کو یوں نقل کیا ہے ''بائیسویں حدیث: مجھے سیدی والدِ ماجد نے بتایا

کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیاز کے لئے کچھ کھانا تیار کراتا تھا، ایک سال کچھ کشائش (وسعت) نہ ہوئی کہ کھانا پکواؤں، صرف بھنے ہوئے چنے میسر آئے، وہی میں نے لوگوں میں تقسیم کیئے، میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ ان کے سامنے یہ چنے موجود ہیں اور حضور مسرور و شادماں ہیں۔'' (الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین، ص40، کتب خانہ علویہ رضویہ، فیصل آباد)

یہی شاہ صاحب انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں لکھتے ہیں ''تھوڑی شیرینی پر عموماً خواجگانِ چشت کے نام فاتحہ پڑھیں اور خدا تعالیٰ سے حاجت طلب کریں، اسی طرح روز پڑھتے رہیں۔'' (انتباہ فی سلاسل الاولیاء، ص100، برقی پریس، دہلی)

شیرینی، فاتحہ اور ہر روز کے الفاظ ذہن سے نہ نکلیں۔

یہی شاہ صاحب ''ہمعات'' میں فرماتے ہیں ''یہیں سے ثابت ہے اعراسِ مشائخ کی نگہداشت اور ان کے مزارات کی زیارت پر مداومت اور ان کے لئے فاتحہ پڑھنے اور صدقہ دینے کا التزام۔'' (ہمعات، ہمعہ 11، ص58، اکادیمۃ الشاہ ولی اللہ، حیدرآباد)

یہی شاہ صاحب ''زبدۃ النصائح'' میں مندرج فتویٰ میں لکھتے ہیں ''اگر کسی بزرگ کی فاتحہ کے لئے ان کی روح مبارک کو ایصالِ ثواب کے قصد سے ملیدہ اور کھیر پکائیں اور کھلائیں تو مضائقہ نہیں، جائز ہے اور خدا کی نذر کا کھانا اغنیاء کے لئے حلال نہیں، لیکن اگر کسی بزرگ کے نام کی فاتحہ دی جائے تو اس میں اغنیاء کو بھی کھانا جائز ہے۔''

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب تحفۂ اثناعشریہ میں فرماتے ہیں ''حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور ان کی اولادِ پاک کو تمام امت پیروں اور مرشدوں کی طرح مانتی ہے اور امورِ تکوینیہ ان سے وابستہ جانتی ہے اور ان کے نام فاتحہ و درود اور صدقات کا معمول ہے اور ایسے ہی تمام اولیاء اللہ کے ساتھ یہی معاملہ ہے۔'' (تحفۂ اثناعشریہ، ص214، سہیل اکیڈمی، لاہور)

اسمٰعیل دہلوی جوان کے غلاموں کا غلام اور ان کے مرید کا مرید ہے ''صراطِ مستقیم'' کے اندر ان کی مدح میں یوں رطب اللسان ہے ''جنابِ ہدایت مآب، اربابِ صدق و صفا کے پیشوا، اصحاب فنا و بقا کے خلاصہ، علماء کے سردار، اولیاء کی سند، سارے جہاں پر اللہ کی حجت، انبیاء و مرسلین کے وارث، ہر ذلت و عزت والے کے مرجع، ہمارے آقا و ہمارے مرشد شیخ عبدالعزیز۔'' (صراطِ مستقیم، ص164، مکتبہ سلفیہ، لاہور)

خود امام الطائفہ نے تقریرِ ذبیحہ میں یہ نغمہ سرائی کی ہے ''اگر کوئی شخص کسی بکری کو گھر میں پالے تاکہ اس کا گوشت عمدہ ہو، اس کو ذبح کرکے اور پکا کر حضرتِ غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ پڑھ کر کھلائے تو کوئی خلل نہیں ہے۔'' (ص573)

فاتحہ کے لئے دن (ساتواں، چالیسواں) مقرر کرنے کا ثبوت

سوال: دیوبندی فاتحہ اور نیاز کے حرام ہونے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ تم نے اس کے لئے دن مقرر کرلئے ہیں جیسا کہ سوم، چہلم، برسی، عرس اور گیارہویں وغیرہ لہٰذا یہ ناجائز و بدعت ہیں۔

جواب: توقیت یعنی کسی کام کے لئے وقت مقرر کرنے کی دو صورتیں ہیں: (1) شرعی (2) عادی۔

شرعی یہ کہ شریعتِ مطہرہ نے کسی کام کے لئے کوئی وقت مقرر فرمادیا ہے کہ

(1) اس کے علاوہ وقت میں وہ ہو ہی نہیں سکتا، اور اگر کریں تو وہ عملِ شرعی ادا نہ ہوگا، جیسے قربانی کے لئے ایامِ نحر۔

(2) یا یہ کہ اس وقت سے اس عمل کو مقدم یا مؤخر کرنا ناجائز ہو، جیسے احرامِ حج کے لئے حرمت والے مہینے (شوال، ذی قعدہ، ذوالحجہ)۔

(3) یا یہ کہ اس وقت میں جو ثواب ہو وہ دوسرے وقت میں نہ ملے، جیسے نمازِ عشاء کے تہائی رات۔

عادی یہ کہ شریعت کی جانب سے کوئی قید نہیں جب چاہیں عمل میں لائیں، لیکن حدث (کام ہونے) کے لئے زمانہ ضروری ہے اور زمانۂ غیر معین میں وقوع محالِ عقلی (عقلاً محال) ہے، اس لئے کہ وجود اور تعین ایک دوسرے کے مساوق (ساتھ ساتھ) ہیں، تو تعین سے چارہ نہیں، تو ایسے مقام میں راہ یہ نہیں کہ جائز کہنے والے سے خصوصیت کا ثبوت مانگیں بلکہ راہ یہ ہوگی کہ اس فردِ خاص سے متعلق ممانعت کی صراحت شریعت سے نکالیں۔

پھر اگر اس وقتِ معین کی ذات میں خود کوئی ترجیح دینے والی چیز موجود ہو جو اسے اختیار کرنے کی باعث ہے تو ٹھیک ہے، ورنہ جب تمام اوقات یکساں اور برابر ہوں تو صاحبِ اختیار کا ارادہ ترجیح دینے کے لئے کافی ہے، جیسے دو جام یکساں ہیں اور پیاسا اپنے ارادے سے کسی ایک کو ترجیح دے کر اختیار کرتا ہے۔ اسی طرح دو راہیں یکساں ہیں اور چلنے والا کسی ایک کو اختیار کر لیتا ہے۔

پہلی صورت میں تو مصلحت خود عیاں ہے، اور دوسری صورت میں کم از کم اتنا ضرور ہے کہ اس کو معین کر لینے سے یاد دہانی اور آگاہی ہوگی اور یہ ٹالنے اور فوت کردینے سے مانع ہوگی، ہر عقل والے کا وجدان خود گواہ ہے کہ جب کسی کام کے لئے کوئی وقت معین رکھتے ہیں تو جب وقت آتا ہے وہ کام یاد آجاتا ہے، ورنہ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ فوت ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ذاکرین، شاغلین، عابدین اپنے ذکر، شغل اور عبادت کے لئے اوقات معین کر لیتے ہیں، کسی نے نمازِ صبح سے پہلے سو بار کلمہ طیبہ پڑھنا اپنے ذمہ کر لیا، کسی نے نمازِ عشاء کے بعد سو بار درود پڑھنا مقرر کر لیا، اگر اس تعیین و توقیت کو توقیتِ شرعی کی تینوں قسموں سے نہ جانیں تو شریعت کی جانب سے ان پر ہرگز کوئی عتاب نہیں۔

جانِ برادر! اگر شاہ ولی اللہ کی القول الجمیل امام الطائفہ کی صراطِ مستقیم اور ان کے علاوہ اس طائفہ کے اکابر و عمائد (قائدین) کی تصنیف کردہ اس فن کی کتابیں دیکھو تو ان میں از خود لازم کئے ہوئے تعینات سے بہت سی چیزیں پاؤ گے جن میں شریعت کی جانب سے تعیین و توقیت کا کوئی نام و نشان بھی نہیں ہے، دور کیوں جایئے اور تعیینِ ایام اوقات کی بات کیوں کیجئے؟ وہاں تو دسیوں اعمال و اشغال اور ہیآت طرقِ ایجادی اور اختراعی ایسے موجود ہیں جن کا قرونِ سابقہ (سابقہ زمانوں) میں نہ کوئی نام و نشان تھا، نہ ذکر و خبر۔ ان حضرات کو ان کی ایجاد و ابتداع کا خود اقرار ہے۔ شاہ ولی اللہ القول الجمیل میں لکھتے ہیں "ہماری صحبت اور ہماری تعلیم آدابِ طریقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک متصل ہے اگرچہ ان آداب اور ان اشغال کی تعلیم حضور سے ثابت نہیں۔" (القول الجمیل، ص 173، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

اس کے حاشیہ شفاء العلیل میں ہے "ایسے امور کو مخالفِ شرع یا داخلِ بدعتِ سیئہ نہ سمجھنا چاہیے جیسا کہ بعضے کم فہم سمجھتے ہیں۔"

(شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص 51، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

سبحان اللہ! یہ لوگ جو تمہارے قاعدے کے مطابق صراحۃً "احداث فی الدین" اور کھلی ہوئی بدعت جاری کرنے کے مرتکب ہیں، اور بلاشبہ ایسی چیزیں ایجاد کی ہیں جن کی قرونِ سابقہ میں کوئی خبر نہیں، وہ تو گمراہ اور بدعتی نہ ہوں بلکہ ویسے ہی امام ومقتداء اور عرفاء وعلماء رہیں، دوسرے صرف اتنے جرم پر کہ انہوں نے شریعت میں ثابت چند پسندیدہ امور کو یکجا کردیا اور ان کو عمل میں لانے کے لئے شریعت میں جائز اوقات میں سے ایک وقت معین کردیا، معاذ اللہ گمراہ وبدعتی ہوجائیں۔

للہ انصاف! اس بے جا تحکم اور ناروا زبردستی کو کیا کہا جائے؟ شاید شریعت تمہارے گھر کا کاروبار ہے کہ جیسے چاہو الٹ پھیر کرتے رہو، ہوشیار، ہوشیار اے طالبانِ حق ان کو، ان کی سرکشی اور زیادتی میں چھوڑ اور آثار واحادیث کی جانب متوجہ ہوتا کہ ہم کچھ تعیناتِ عادیہ تجھے سنائیں:

(1) اسی قبیل سے ہے جو حدیث میں آیا کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شہدائے احد کی زیارت کے لئے سرِ سال کا وقت مقرر فرمالیا تھا۔

(2) اور سنیچر (ہفتہ) کے دن مسجد قبا میں تشریف لانا، جیسا کہ صحیحین (بخاری ومسلم) میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے۔

(صحیح مسلم، ج1، ص448، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

(3) اور شکرِ رسالت کے لئے دوشنبہ (پیر) کا روزہ، جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے۔

(صحیح مسلم، ج1، ص448، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

(4) اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے دینی مشاورت کے لئے وقتِ صبح وشام کی تعیین، جیسا کہ صحیح بخاری میں ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے۔

(صحیح البخاری، ج1، ص552، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

(5) اور سفرِ جہاد شروع کرنے کے لئے پنجشنبہ (جمعرات) کی تعیین، جیسا کہ اسی صحیح بخاری میں حضرتِ کعب بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے۔

(صحیح البخاری، ج1، ص414، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

(6) اور طلبِ علم کے لئے دوشنبہ (پیر) کی تعیین، جیسا کہ ابوشیخ ابنِ حبان اور دیلمی نے بسندِ صالح حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔

(الفردوس بماثور الخطاب، ج1، ص78، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(7) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے وعظ وتذکیر کے لئے پنجشنبہ (جمعرات) کا دن مقرر کیا، جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابووائل سے مروی ہے۔

(صحیح البخاری، ج1، ص16، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

(8) اور علماء نے سبق شروع کرنے کے لئے بدھ کا دن رکھا، جیسا کہ امام برہان الاسلام زرنوجی کی تعلیم المتعلم میں ہے، انہوں نے اپنے استاد امام برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ سے اس کی حکایت فرمائی اور کہا کہ اسی طرح امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے۔ (تعلیم المتعلم، ص 43، مطبع علمی، دہلی)

یہ سب توقیتِ عادی کے باب سے ہیں، حاشا کہ سید سرداراں علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مراد یہ ہو کہ انتہائے سال کے علاوہ کسی دوسرے وقت کی زیارت، زیارت نہیں یا جائز نہیں، یا اس دن بندہ نوازی، امت پروری اور قدمِ مبارک کی خاکِ پا سے مزاراتِ شہداء کرام کو شرف بخشنے پر جو اجرِ عظیم اس شاہ عالم پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا ہو گا وہ دوسرے دن نہ ملے گا، اسی طرح حضرت ابن مسعود کا مقصود یہ نہ تھا کہ پنجشنبہ کے علاوہ کسی اور دن وعظ نہیں، یا دوسرے دن اس کا جواز نہیں، یا دوسرے دن یہ اجر فوت ہو جائے گا، یا شرع مطہر نے یہ تعیین فرمائی تھی، ہرگز نہیں۔ بلکہ یہی ایک عادت مقرر کرلی تھی تا کہ ہر ہفتہ میں مسلمانوں کی تذکیر کا کام انجام دیتے رہیں، اور دن متعین ہونے کی وجہ سے طالبانِ خیر آسانی سے جمع ہو جائیں، اسی طرح باقی امور کو قیاس کرو۔ ہاں ان میں سے بعض میں کوئی الگ مرجح (ترجیح دینے والا) بھی موجود ہے، جیسے دوشنبہ کے دن بعثت کا وقوع اور علمِ نبوت کا حصول، اور پنجشنبہ کو صبح سویرے نکلنے میں عظیم برکت کا وجود، اور چہار شنبہ (بدھ) کو شروع کرنے میں تکمیل کی امید، کہ یہاں ایک حدیث ذکر کرتے ہیں کہ "جو کام بھی چہار شنبہ کو شروع کیا جائے وہ پورا ہو۔" (تعلیم المتعلم، ص 43، مطبع علمی، دہلی)

اور بعض دیگر میں یہی ترجیح ارادی ہے جس میں کم از کم یاددہانی اور آسانی کی مصلحت ضرور کارفرما ہے۔ اسی باب سے سوم، چہلم، چھ ماہ اور انتہائے سال کے تعینات جو لوگوں نے جاری کر رکھے ہیں۔ ان میں سے بعض میں کوئی خاص مصلحت بھی ہے اور بعض دیگر آسانی و یاددہانی کے خیال سے رائج و معمول ہے، اور اصطلاح میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

یہی مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی (جو امام الطائفہ کے نسبی چچا، علمی باپ اور طریقت میں دادا تھے) کا کلام سننے کے قابل ہے تفسیر عزیزی میں قول باری تعالیٰ ﴿والقمر اذا اتسق﴾ کے تحت فرماتے ہیں "وارد ہے کہ مردہ اس حالت میں کسی ڈوبنے والے کی طرح فریادرسی کا منتظر ہوتا ہے اور اس وقت صدقے، دعائیں اور فاتحہ اسے بہت کام آتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ، موت سے ایک سال تک، خصوصاً چالیس دن تک اس طرح کی امداد میں بھرپور کوشش کرتے ہیں۔" (تفسیر عزیزی، ص 206، لال کنواں، دہلی)

زیادہ پرلطف بات یہ ہے کہ شاہ صاحب موصوف اپنے پیروں اور باپ دادا کا عرس پورے اہتمام سے کرتے تھے اور ان کے سامنے ان کی اجازت سے، اور ان کے برقرار رکھنے سے درویشوں کی قبروں پر آدمیوں کا اجتماع، فاتحہ خوانی اور طعام و شیرینی کی تقسیم ہوتی تھی جیسا کہ ابھی اہل سجادہ میں جاری و ساری ہے۔

الحاصل حق یہ ہے کہ مذکورہ تخصیصات سبھی تعینات عادیہ سے ہیں جو ہرگز کسی طعن وملامت کے قابل نہیں۔ انہی بات کو حرام و بدعتِ شنیعہ کہنا کھلی ہوئی جہالت اور قبیح خطا ہے۔

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے بھائی شاہ رفیع الدین دہلوی مرحوم نے اپنے فتوے میں کیا ہی عمدہ انصاف کی بات لکھی ہے ان کی عبارت یوں نقل کی گئی ہے: سوال: بزرگوں کی فاتحہ میں کھانوں کو خاص کرنا، مثلاً امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ میں کھچڑا، شاہ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کی فاتحہ میں توشہ وغیرہ ذلک، یوں ہی کھانے والوں کو خاص کرنا، ان سب کا کیا حکم ہے؟ جواب: فاتحہ اور طعام بلاشبہ مستحسن ہیں، اور تخصیص جو مخصص (خاص کرنے والے) کا فعل ہے وہ اس کے اختیار میں ہے، ممانعت کا سبب نہیں ہوسکتا۔ یہ خاص کر لینے کی مثالیں سب عرف اور عادت کی قسم سے ہیں جو ابتداء میں خاص مصلحتوں اور مخفی مناسبتوں کی وجہ سے رونما ہوئیں پھر رفتہ رفتہ عام ہوگئیں الخ۔"

ثم اقول (پھر میں کہتا ہوں) بلکہ اگر یہاں خود کوئی دینی مصلحت نہ ہو (تو بھی حرام نہیں ہوسکتا) کیونکہ مصلحت نہ ہونے کا معنی یہ نہیں کہ مفسدہ (فاسد کرنے والی چیز) موجود ہے کہ باعثِ انکار ہو جائے ورنہ مباح کہاں جائے گا؟ ہاں جو عامی شخص اس تعیینِ عادی کو توقیت شرعی جانے اور گمان کرے کہ ان کے علاوہ دنوں میں ایصالِ ثواب ہوگا ہی نہیں، یا جائز نہیں، یا ان ایام میں ثواب دیگر ایام سے زیادہ کامل و وافر ہے، تو بلاشبہ وہ شخص غلط کار اور جاہل ہے اور اس گمان میں خطا کار اور صاحبِ باطل ہے۔ لیکن اتنا گمان اصلِ ایمان میں خلل نہیں لاتا، نہ ہی کسی قطعی عذاب اور حتمی وعید کا سبب ہوتا ہے۔ اسی طرح جاہل عوام نے ایصالِ ثواب کے باب میں جو ناپسندیدہ امور پیدا کر لئے ہیں، جیسے نمائش، ناموری، مفاخرت (باہم فخر کرنا)، مالداروں کو جمع کرنا محتاجوں کو منع کرنا، اور یہ کہ سوم میں ایک جماعت اکٹھی بیٹھتی ہے اور سب کے سب بلند آواز سے قرآن پڑھتے ہیں اور سننے کا فرض ترک کرتے ہیں، یہ سب ممنوع و ناروا، مکروہ اور برا ہے۔

علماء کو چاہیئے کہ ان زائد مفاسد پر سرزنش (روک ٹوک) کریں نہ یہ کہ پوری بے لگامی اور زبان درازی سے اصل عمل ہی کو ختم کر ڈالیں، جیسے بہت سے عوام نماز خصوصاً نوافل میں جنہیں تنہا ادا کرتے ہیں تعدیلِ ارکان وغیرہ کی عدمِ رعایت جیسے متعدد ممنوعات کے عادی ہیں، یہ حالت اس کو مستلزم نہیں کہ انہیں نماز ہی سے روک دیا جائے، بلکہ ان بری عادات سے بچانا اور ڈرانا چاہیئے اور نماز ادا کرنے کی تشویق (شوق دلانا) و ترغیب ہونی چاہیئے۔ (ص580)

سوال: فاتحہ دلانا شرع میں جائز ہے یا نہیں؟ کوئی ایسی حدیث لکھ دیجیئے جس سے یہ ثابت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی طرح فاتحہ دلائی تھی۔

جواب: فاتحہ دلانا شریعت میں جائز ہے۔ درمختار میں ہے "اصل یہ ہے کہ جو کوئی عبادت کرے اسے اختیار ہے کہ اس کا ثواب دوسرے کے لیے کر دے اگرچہ ادائے عبادت کے وقت خود اپنے لیے کرنے کی نیت رہی ہو، ظاہر دلائل سے یہی ثابت ہے۔"

(درمختار، ج1، ص181 مطبع مجتبائی، دہلی)

ردالمحتار میں ہے "خواہ نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا قرأت۔"

(ردالمحتار، ج2، ص236، ادارۃ الطباعۃ المصریہ، مصر)

اور جس طرح مدارس اور خانقاہیں اور مسافر خانے بنائے جاتے ہیں اور سب مسلمان ان کو فعلِ ثواب سمجھتے ہیں، کیا کوئی ثبوت دے۔

سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اس طرح بنائے یا بنوائے تھے؟ یا کوئی ثبوت دے سکتا ہے کہ فاتحہ جس طرح اب دی جاتی ہے، جس میں قرآن مجید اور کھانے دونوں کا ثواب میت کو پہنچاتے ہیں نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا؟ اور جب ممانعت کا ثبوت نہیں دے سکتا اور بیشک ہرگز نہیں دے سکتا تو جس چیز سے اللہ ورسول نے منع نہ فرمایا دوسرا کہ منع کرے گا اپنے دل سے شریعت گھڑے گا۔ (ص593) 17

تیجا کرنا درست ہے

سوال: میت کے تیسرے دن مسلمانوں کا جمع ہوکر قرآن مجید وکلمہ طیبہ پڑھنا اور چنوں وغیرہ پر کچھ پڑھ کر تقسیم کرنا جسے سوم یا تیجا کہتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟

جواب: صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ نیک اعمال کا مردہ کو ثواب پہنچتا ہے اور یہ بھی حدیثوں میں آیا ہے کہ وہ ثواب پا کر خوش ہوتا ہے اور ثواب پہنچنے کا منتظر رہتا ہے تو قرآن شریف اور کلمہ طیبہ پڑھ کر ثواب پہنچانا اچھی بات ہے اور تیسرے دن کی خصوصیت بھی مصالح عرفیہ شرعیہ کی بنا پر ہے۔ اس میں بھی حرج نہیں۔ اور جو کچھ تقسیم کیا جائے محتاجوں کو دیا جائے کہ یہ بھی ثواب کی بات ہے، غنی لوگ اس میں سے نہ لیں، باقی جو بیہودہ باتیں لوگوں نے نکالی ہیں مثلاً اس میں شادی کے سے تکلفات کرنا، عمدہ عمدہ فرش بچھانا، یہ باتیں بیجا ہیں۔ اور اگر یہ سمجھتا ہے کہ ثواب تیسرے دن پہنچتا ہے یا اس دن زیادہ پہنچے گا اور روز کم، تو یہ عقیدہ بھی اس کا غلط ہے۔ اسی طرح چنوں کی کوئی ضرورت نہیں، نہ چنے بانٹنے کے سبب کوئی برائی پیدا ہو۔ (ص594)

سوال: لوگ جو کہتے ہیں کہ کھانے کے اوپر کلام الٰہی یعنی الحمد اور قل ھواللہ پڑھنا منع ہے اور پڑھنے سے طعام حرام ہوجاتا ہے۔ لہذا یہ بات جاننا چاہتا ہوں کہ کلام الٰہی سے کھانا کیوں حرام ہوگیا اور کلام الٰہی کیا ایسا ہے کہ جس کے پڑھنے سے حلال چیز حرام ہوجائے؟

جواب: فاتحہ بیشک جائز ہے وہ مسلمان میت کو نفع پہنچتا ہے اور فرض کے بعد کوئی چیز مولیٰ تعالیٰ کو اس سے زیادہ پسند نہیں کہ مسلمان کو نفع پہنچایا جائے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ قرآن پڑھنے سے کھانا حرام ہوجاتا ہے وہ کذاب ہیں۔ شرح مطہر پر افتراء کرتے ہیں، قرآن مجید میں ہے ایسے لوگ فلاح نہ پائیں گے ان کے لیے سخت عذاب ہے۔ حدیث شریف میں ہے: ان پر زمین وآسمان کے فرشتے لعنت کرتے ہیں ((من افتی بغیر علم لعنته ملائكة السماء والارض)) ترجمہ: جو بغیر علم کے فتوی دے اس پر آسمان وزمین کے فرشتوں کی لعنت ہو۔ (کنز العمال، ج10، ص193، مؤسسة الرسالة، بیروت)

ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنا جائز نہیں۔ (ص594)

سوال: اپنے بزرگوں کے نام کھانا پکوا کر اس کو اور پانی وغیرہ کو سامنے رکھ کر فاتحہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور گیارہویں شریف کا کیا حکم ہے؟

جواب :اموات مسلمین کے نام پر کھانا پکا کر ایصالِ ثواب کے لیے تصدق کرنا بلاشبہہ جائز و مستحسن ہے اور دو چیزوں کو جمع کرنا زیادتِ خیر ہے اور پانی سے بھی ایصالِ ثواب کر سکتے ہیں۔ بلکہ حدیث میں ہے ((افضل الصدقۃ سقی الماء)) سب سے بہتر صدقہ پانی پلانا ہے۔ (الدرالمنثور، ج3، ص90، مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ قم، ایران)

ایک حدیث میں ہے "جہاں پانی نہ ملتا ہو کسی کو پانی پلانا ایک جان کو زندہ کرنے کی مثل ہے اور جہاں پانی ملتا ہو وہاں پلانا غلام کو آزاد کرنے کے مثل ہے۔"

یوں ہی گیارھویں شریف جائز ہے اور باعثِ برکات اور وسیلۂ مجرب قضاء حاجات (حاجتوں کو پورا کرنے کیلئے تجربہ شدہ وسیلہ) ہے۔ اور خاص گیارھویں کی تاریخ کی تخصیص تخصیصِ عرفی اور مصلحت پر مبنی ہے جبکہ اسے شرعاً واجب نہ جانے۔ (ص595)

سوال :ربیع الاول کو میری زوجہ کا انتقال ہوا، مرحومہ کے نام پر مساکین کو کھانا کھلانے، خیرات کرنے، پرندوں کے لئے پانی کا برتن رکھنے، انھیں اناج ڈالنے، کتے کو روٹی ڈالنے، مسکین کو کپڑا دینے، میلاد شریف پڑھوانے اور قرآن مجید کے پارے مسجد میں رکھنے سے کیا اسے ثواب پہنچے گا؟ قبر پر پھول چڑھانے اور اگربتی جلانے کا بھی ثواب ملے گا؟ میرے قبر پر جانے کا حال مرحومہ کو معلوم ہوتا ہے یا نہیں؟ جمعرات کو دن دو بجے دفن ہوئی اور مغرب کے بعد تک قرآن پڑھنے والے کو جمعہ کے سپرد کرنے کے لئے بیٹھایا، کیا اسے جمعہ مل گیا؟ مرحومہ کا انتقال حمل میں ہوا نیز خواب میں بنگلے باغیچے میں بیٹھے ہوئے خوش و خرم نظر آئیں، آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

جواب :اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت عطاء فرمائے اور آپ کو صبرِ جمیل دے۔ لاحول شریف ۶۰ بار پڑھ کر ایک گھونٹ پانی پر دم کر کے پی لیا کیجئے۔ مساکین کو کھانا کھلانا اور نیک نیت سے خیرات کرنا جس میں نہ محتاج پر احسان رکھا جائے نہ اس کو تکلیف دی جائے۔ پرندوں کے لئے پانی رکھنا، دانا ڈالنا حتیٰ کہ کتے کو روٹی دینا، مسکین کو کپڑا دینا، میلاد شریف پڑھوانا، یہ سب اجر و ثوب کی باتیں ہیں ان کا ثواب کو میت کو پہنچتا ہے اور وہ اس سے ایسا خوش ہوتا ہے جیسے دنیا میں دوستوں کے ہدیے سے۔ ملائکہ ان ثوابوں کو نور کے طبق میں رکھ کر میت کے پاس لیجاتے ہیں اور اسے کہتے ہیں اے گہری گور والے! یہ ثواب تیرے فلاں عزیز یا دوست نے بھیجا ہے۔ قرآن مجید کے پارے پڑھنے کے لئے مسجد میں رکھنے کا صدقہ جاریہ ہے جب تک وہ رہیں گے اور پڑھے جائیں گے اس رکھنے والے اور میت کو ثواب پہنچے گا، اور کیسا ثواب پہنچے گا، ہر حرف پر دس نیکیاں۔ اور صحیح حدیث میں فرمایا: "میں نہیں فرماتا الم ایک حرف ہے بلکہ الف الگ حرف ہے لام الگ حرف ہے میم الگ حرف ہے۔" (جامع الترمذی، ج2، ص115، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی)

میت کی قبر پر پھول چڑھانا مفید ہے وہ جب تک تر ہے رب العزت کی تسبیح کرتا ہے اور میت کا دل بہلتا ہے، اگربتی جلانا اگر تلاوت قرآن کے وقت تعظیم قرآن کے لئے ہو یا وہاں کچھ لوگ بیٹھے ہوں ان کی ترویح (راحت پہنچانے) کے لئے ہو تو مستحسن ہے ورنہ فضول اور تضیع مال (مال کو ضائع کرنا ہے)، میت کو اس سے کچھ فائدہ نہیں۔ قبرِ مسلم پر جو زیارت کیلئے جاتا ہے

میت اسے دیکھتا ہے اوراس کی سنتا ہے اگر دنیا میں اسے پہچانتا تھا اب بھی پہچانتا ہے کہ میرا فلاں عزیز یا دوست میرے پاس آیا۔اور اگر نہیں پہچانتا تھا تو اتنا جانتا ہے کہ ایک مسلمان آیا اور ثواب رسانی کرتا ہے۔ جمعہ کو سپرد کرنا کوئی چیز نہیں۔نہ غیر جمعہ میں مرنے والے کو اس سے جمعہ مل سکے۔حمل میں انتقال شہادت ہے۔صحیح حدیث میں فرمایا((المرأة تموت بجمع شهيدا)) ترجمہ:عورت جو حمل کی وجہ سے مرے شہید ہے۔ (مؤطاامام مالک،ص216،میر محمد کتب خانہ،کراچی)

خواب بہت اچھا ہے ان شاء اللہ ان کیلئے دلیل مغفرت ہے۔ (ص597)

سوال: محرم الحرام میں کھانے یا شرینی یا مالیدہ یا شربت جس قدر میسر ہو سامنے رکھ کر ہاتھ اٹھا کر الحمد شریف، قل ہو اللہ شریف، درود شریف پڑھ کر یہ کہنا کہ نذرِ اللہ و نذرِ رسول، میں اس کھانے اور جو کلام پڑھا ہے اس کا ثواب امامین اور تمام شہدائے کربلا کو بخشتا ہوں، یہ جائز ہے یا نہیں؟ یہ کھانا محتاج کا حق ہے یا غنی بھی کھا سکتا ہے؟ اور محتاج کسے کہتے ہیں؟ اور جو شخص نذر و نیاز کو حرام بتائے اور امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کی نیاز کے شربت کو نعوذ باللہ مثلِ پیشاب کہے ایسا کہنے والا مسلمان ہے یا نہیں ؟اور ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا اور اس سے سلام یا مصافحہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: شیرینی وغیرہ پر حضراتِ شہدائے کرام کی نیاز دینا بے شک باعثِ اجر و برکات ہے اور عشرۂ محرم شریف اس کے لئے زیادہ مناسب، اور جبکہ منت مانی ہوئی نہ ہو تو اغنیاء کو بھی کھانا جائز ہے۔

وقتِ فاتحہ کھانا سامنے رکھنے کی ممانعت نہیں مگر اسے ضروری جاننا یا یہ سمجھنا کہ بے اس کے فاتحہ نہیں ہوسکتی یا ثواب کم ملے گا، غلط و باطل خیال ہے۔ فاتحہ پڑھ کر جب ایصالِ ثواب کا وقت جس میں دعا کی جاتی ہے کہ الٰہی! یہ ثواب فلاں کو پہنچا، اس وقت ہاتھ اٹھانا چاہئے کہ یہ دعا کی سنت ہے، جس وقت تک قرآن مجید کی تلاوت کررہا ہے ہاتھ اٹھانے کی حاجت نہیں، ہاں سورۂ فاتحہ خود دعا ہے، یوں ہی درود شریف۔حدیث میں فرمایا((افضل الدعاء الحمد لله)) ترجمہ:سب سے افضل دعا الحمد للہ ہے۔ (سنن ابن ماجہ،ص278،ایچ ایم سعید کمپنی،کراچی)

اور ﴿ قل هو الله ﴾ شریف ذکر حمد الٰہی ہے،اور علماء فرماتے ہیں ''کل دعا ذکر و کل ذکر دعا'' تو وہ بھی دعا ہے،اس نیت سے ان کے پڑھتے وقت ابتداء ہی سے ہاتھ اٹھائے تو ضرور بجا ہے۔

اور اکابر کو ثواب رسانی میں بخشنے کا لفظ کہنا بیجا ہے،بخشنا بڑے سے چھوٹے کے لئے ہوتا ہے اور ایصالِ ثواب میں نذرِ اللہ نہ کہنا چاہئے، اللہ عزوجل اس سے پاک ہے کہ ثواب اسے نذر کیا جائے، ہاں نذرِ رسول اللہ کہنا صحیح ہے، معظمین کی سرکار میں جو ہدیہ حاضر کیا جاتا ہے اسے عرف میں نذر کہتے ہیں، جیسے بادشاہوں کو نذر دی جاتی ہے۔ جو مالکِ نصاب نہ ہو شرعاً اسے محتاج کہتے ہیں۔

جو نذر و نیاز کو حرام بتائے اور شربتِ نیاز کی نسبت وہ ناپاک ملعون لفظ کہے وہ نہ ہوگا مگر وہابی، اور وہابیہ اصلاً مسلمان نہیں اور ان کے پیچھے نماز باطلِ محض، اور اس سے مصافحہ حرام اور اسے سلام کرنا ناجائز و گناہ۔ (ص598)

سوال: تیجہ، دسواں، چہلم، ششماہی اور برسی جائز ہے یا نہیں؟ روحیں ان ایام میں آتی ہیں یا نہیں؟ اور انہیں اپنے عزیزوں کا علم ہوتا ہے یا نہیں؟ ان کی فاتحہ کا کھانا کھانا کس کس کا حق ہے؟ اور اگر فاتحہ دلانے والا خود محتاج ہے تو فاتحہ دلا کر خود کھا لے اور بچوں کو کھلائے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب: تیجہ، دسواں، چہلم وغیرہ جائز ہیں جبکہ اللہ کے لئے کریں اور مساکین کو دیں، اپنے عزیزوں کا ارواح کو علم ہوتا ہے اوران کا آنا نہ آنا کچھ ضرور نہیں، فاتحہ کا کھانا بہتر یہ ہے کہ مساکین کو دے، اور اگر خود محتاج ہے تو آپ کھالے اور اپنے بی بی بچوں کو کھلائے سب اجر ہے۔ (ص599)

سوال: اگر محتاج ایسے نہ ملیں جن پر شرائطِ محتاج ثابت ہوں تو پھر کھانا کسے دے؟ اور کہاں صرف کرے؟

جواب: (یہ بات) خلافِ واقع ہے، وہ کون سی جگہ ہے جہاں محتاج نہیں۔ (ص599)

سوال: قبرِ اہل اللہ پر شامیانہ چڑھانا یا شیرینی نزدِ قبر رکھ کر ایصالِ ثواب کرنا یا چراغ نزدِ قبر جلانا یا عرس کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مزاراولیاء پر نفع رسانی زائرین حاضرین (حاضرین کو فائدہ پہنچانے) کے لئے شامیانہ کھڑا کرنا، یونہی ان کے نفع کو چراغ جلانا، اور عرس کہ منہیاتِ شرعیہ سے خالی ہو، اور شیرینی پر ایصالِ ثواب یہ سب جائز ہیں، اور نزدِ قبر رکھنے کی ضرورت نہیں، نہ اس میں جرم جبکہ لازم نہ جانے۔ (ص600)

سوال: زید سورۂ یٰسین، سورۂ اخلاص اور اس کے علاوہ جو کچھ ہو سکتا ہے پڑھ کر ہندہ کو بخشتا ہے، کیا اس کا ثواب اس کو پہنچتا ہے یا نہیں؟ اور اس کے واسطے مغفرت کی دعا کرتا ہے، یہ پڑھنا اور دعا کرنا اس کی مغفرت کو کافی ہے یا نہیں؟ اس کی مغفرت کے واسطے کوئی عمل ارشاد فرمائے؟

جواب: ثواب پہنچتا ہے اور مغفرت باختیارِ خدا ہے، قل ھواللہ شریف گیارہ بار کر دے اور سورۂ ملک شامل کرے کہ وہ بالخصوص عذابِ قبر سے بچانے کو اکسیرِ اعظم ہے، اس کا نام واقعہ مانعہ منجیہ ہے یعنی حفاظت کرنے والی، عذاب دفع کرنے والی، نجات دینے والی۔ (ص600)

سوال: گیارہویں شریف کا حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے ہونے کے کیا معنی ہیں؟

جواب: حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے ہونے کے یہ معنی نہیں کہ خود یہ کھانا حضور کے واسطے ہے، بلکہ قطعاً ثواب ہی مراد اور ان کی رضا جوئی اور ان سے حسنِ جزاء اور نیک دعا کی طلب، ان میں سے کوئی بات شرعاً ممنوع نہیں۔ (ص601)

اللہ عزوجل کے نام کی فاتحہ بے معنی ہے

سوال: کیا اللہ عزوجل کے نام کی فاتحہ دلوا سکتے ہیں؟

جواب: فاتحہ بمعنی ایصالِ ثواب ہے، اور اللہ عزوجل کے نام کی فاتحہ ہونا بے معنی ہے، وہ ثواب سے پاک و منزہ ہے۔ (ص601)

سوال :امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کا شربت بنانا اور پینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو کسی طریقہ سے بنانا اور پینا چاہئے اور کیا نیت ہونی چاہئے؟

جواب:نیت ایصالِ ثواب کی ہو اور ریا وغیرہ کو دخل نہ ہو، اس کے جواز میں کوئی شبہہ نہیں، شربت کریں اور عرض کریں کہ الٰہی! یہ شربت ترویحِ روحِ پاک حضرت امام (امام پاک کی روح کو خوش کرنے) کے لئے کیا ہے، اس کا ثواب انھیں پہنچا، اور ساتھ فاتحہ وغیرہ پڑھیں تو اور افضل، پھر مسلمانوں کو پلائیں اور من و اذی (احسان جتلانے اور تکلیف پہنچانے) سے بچیں۔ (ص601)

سوال :مقابر میں ایک شخص سورۂ اخلاص و فاتحہ و معوذتین (سورۂ فلق و سورۂ ناس) وغیرہ پڑھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے: یا اللہ! اِن آیات کا ثواب روحِ مقدس حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ، تابعین اور اولیائے امت اور آدم علیہ الصلوۃ والسلام سے اس وقت تک جو مسلمان مرے ہیں اور جو یہاں مدفون ہیں سب کی ارواح کو پہنچے یا پہنچا دے۔

جواب :اس میں اتنا اور اضافہ کرنا انسب (زیادہ مناسب) ہے کہ جتنے مسلمان مرد و عورت اب موجود ہیں اور جتنے قیامت تک آنے والے ہیں، ان سب کی روحوں کو پہنچا دے، اسے تمام مؤمنین و مؤمنات، اولین و آخرین سب کی گنتی کے برابر ثواب ملے گا۔ (ص602)

سوال :بوقتِ ایصالِ ثواب فلاں ابن فلاں کہنے کی ضرورت ہوگی یا محض اس کا نام لینا کافی ہوگا؟ اگر ولدیت کے اظہار کی ضرورت ہوگی اور اس سے لاعلمی ہے تو ایصالِ ثواب کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے گا؟

جواب:ایصالِ ثواب بذریعہ دعا ہے اور دعا رب عزوجل سے، اور رب عزوجل بکل شیء علیم ہے، وہ جانتا ہے کہ فلاں سے اس کی مراد وہ شخص ہے ولدیت وغیرہ کی کوئی حاجت نہیں۔ (ص603)

سوال:بروز سوم، دہم، چہلم، ششماہی وغیرہ میں جو کھانا بغرضِ ایصالِ ثواب پکا کر مساکین کو تقسیم کیا جاتا ہے، اس میں بقدرِ ضرورت اضافہ کر کے مساکین کے علاوہ دیگر اعزہ و احباب کو کھلایا اور اہلِ برادری میں تقسیم کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب :ایصالِ ثواب سنت ہے اور موت میں ضیافت ممنوع، جب علماء نے اسے غیر مشروع اور بدعتِ قبیحہ (بری بدعت) کہا تو اس کا کھانا بھی غیر مشروع و بدعتِ قبیحہ ہوا کہ معصیت پر اعانت ہے اور معصیت پر اعانت گناہ۔ (ص604)

گیارہویں سنتِ قولیہ ہے

سوال :جو شخص گیارہویں شریف کو منع کرے اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ اور گیارہویں شریف کا کرنا سنت ہے یا مستحب؟ اگر سنت ہے تو زائد ہے یا مؤکد؟ اور سنت سے کون سی مراد ہوگی؟ آیا سنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا سنتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین؟

جواب:یہاں گیارہویں شریف کو منع کرنے والے نہیں مگر وہابی یا رافضی اور دونوں کے پیچھے نماز باطلِ محض

ہے، گیارہویں شریف اپنے مرتبہ فردیت میں مستحب ہے، اور مرتبہ اطلاق میں کہ ایصالِ ثواب ہے سنت ہے اور سنت سے مراد سنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اور یہ سنتِ قولیہ مستحبہ ہے۔ (ص605)

سوال: گیارہویں شریف کو ہم لوگ گیارہ تاریخ میں ضروری سمجھتے ہیں، یہ سمجھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی شخص گیارہ تاریخ کے بجائے بارہ یا تیرہ کو کرے تو ہوگی یا نہیں؟

جواب: یہ "ہم لوگ" کہنا اپنی تہہ میں وہابیت کا فریب رکھتا ہے، سنیوں میں کوئی اسے خاص گیارہویں تاریخ ہونا شرعاً واجب نہیں جانتا، اور جو جانے محض غلطی پر ہے، ایصالِ ثواب ہر دن ممکن ہے۔ (ص605)

سوال: چند سورہ جو مروجہ ہیں ان کے علاوہ اور کوئی سورۂ شریف پڑھ کر فاتحہ یا نیاز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

جواب: ایصالِ ثواب میں کوئی سورہ شرعاً معین نہیں اور بلا اعتقادِ وجوب معین کرنے میں حرج نہیں۔ (ص606)

سوال: آٹا جو روزمرہ پکانے کو نکالا جاتا ہے، اس میں ایک چٹکی نکال کر جمع کی جائے، جب مہینے کے تیس دن پورے ہوجائیں اور گیارہویں شریف کا دن آئے تو جمع کئے ہوئے آٹے پر گیارہویں شریف کی فاتحہ درست ہے یا نہیں؟

جواب: یہ طریقہ بہت برکت کا باعث ہے اور اس میں آسانی رہتی ہے، روز کے آٹے میں سے ایک چٹکی نکالنا معلوم بھی نہیں ہوتا اور وہ مہینہ بھر بعد ایک مقدارِ معتد بہ (خاطر خواہ) ہوجاتا ہے۔ (ص606)

سوال: زید جو کہ صالح مسلمان تھا بروزِ جمعہ صبح کے وقت اس کا انتقال ہوا، زید کے واسطے نمازِ جمعہ سے پہلے ختمِ قرآن اور تسبیحات وغیرہ پڑھ کر ایصالِ ثواب جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو (جمعہ کے دن وفات پانے کے سبب) عذابِ قبر سے محفوظ ہے پھر ایصالِ ثواب کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: جائز ہے جبکہ میت کی تجہیز و تکفین میں اس کے باعث تاخیر نہ ہو، اس کا اہتمام اور لوگ کرتے ہوں، نہ اس کے سبب ان پڑھنے والوں کو جمعہ میں تاخیر ہوجائے، اس کے اہتمام کا وقت آنے سے پہلے فارغ ہوجائیں، اب یہ نفع بلاضرر اور اس حدیثِ صحیح کے عموم میں داخل ہے کہ ((من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلیفعل)) ((رواہ مسلم جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما)) یعنی جو اپنے بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہو تو چاہیے کہ اسے فائدہ پہنچائے۔ (صحیح مسلم، ج2، ص223، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

یہ خیال کہ جب وہ بحکمِ حدیث ان شاء اللہ العزیز فتنۂ قبر سے مامون ہے کہ اس مسلم کی موت روزِ جمعہ واقع ہوئی خصوصاً وہ خود ہی صالحین سے تھا تو اب ایصالِ ثواب کی کیا حاجت، محض غلط اور بے معنی ہے، ایصالِ ثواب جس طرح منعِ عذاب یا رفعِ عقاب (غضب کو دور کرنے) میں باذن اللہ تعالیٰ کام دیتا ہے یونہی رفعِ درجات و زیادتِ حسنات میں اور حق سبحانہ وتعالیٰ کے فضل اور اس کی زیادت و برکت سے کوئی غنی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ﴿للذین احسنوا الحسنیٰ وزیادۃ﴾ یعنی نکوکاروں کے لئے بھلائی ہے اور مزید بھی ہے۔

سیدنا ایوب علیہ السلام کو مولیٰ جل وعلا نے اموالِ عظیمہ عطا فرمائے تھے، ایک روز نہا رہے تھے کہ آسمان سے سونے کی ٹیریاں برسیں، ایوب علیہ الصلوۃ والسلام چادر میں بھرنے لگے، رب عزوجل نے ندا فرمائی ((یا ایوب الم اکن اغنیتك عما تری)) اے ایوب! جو تمہارے پیشِ نظر ہے کیا میں نے تمہیں اس سے بے پروانہ کیا تھا؟ عرض کی ((بلی وعزتك ولكن لاغنی لی عن برکتك)) ضرور غنی کیا تھا تیری عزت کی قسم مگر مجھے تیری برکت سے تو بے نیازی نہیں۔ رواہ البخاری واحمد والنسائی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (اسے امام بخاری وامام احمد ونسائی نے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا) (صحیح البخاری، ج 1، ص 480، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

جب حق جل وعلا کی دنیاوی برکت سے بندے کو غنا نہیں تو اس کی دینی برکت سے کون بے نیاز ہو سکتا ہے، صلحا تو صلحاء خود اعاظم اولیاء بلکہ حضرت انبیاء بلکہ خود حضور پر نور نبی الانبیاء علیہ الصلوۃ والسلام کو ایصالِ ثواب زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اب تک معمول ہے، حالانکہ انبیاء کرام علیہم السلام قطعاً معصوم ہیں، تو موتِ جمعہ یا صلاح کیا مانع ہو سکتی ہے۔ ردالمحتار میں ہے'' حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بغیر کسی وصیت کے ان کی طرف سے عمرے کیا کرتے تھے۔'' (ردالمحتار، ج 1، ص 605، دار احیاء التراث العربی، بیروت) (ص 606)

سوال: زید کہتا ہے کہ کفن میں تہبند و رومال، سرمہ، کنگھی وغیرہ کم کرنا جائز نہیں۔

جواب: مرد کے لیے کفن کے تین کپڑے سنت ہیں اور عورت کے لیے پانچ۔ ان کے سوا کفنی میں کوئی اور تہبند یا رومال دینا بدعت و ممنوع ہے۔ سرمہ، کنگھی اگر فقیر کو بطورِ صدقہ دیں تو حرج نہیں، اور کفن میں رکھنا حرام ہے۔ (ص 608)

سوال: ہر روز میت کے لیے خوراک پر فاتحہ دلانا، ہر جمعرات کو چند مساکین کو دعوت کر کے کھلانا، چالیس روز تک ہر روز فاتحہ دلانا کیسا ہے؟

جواب: ہر روز ایک خوراک پر میت کی فاتحہ دلا کر مسکین کو دینا اور ہر پنجشنبہ (جمعرات) کی رات چند مساکین کو کھلانا، چالیس روز تک ایسا ہی کرنا اور ہو سکے تو سال بھر تک یا ہمیشہ کرنا یہ سب باتیں بہتر ہیں۔ (ص 609)

<u>گھر سے روح نکالنے والی رسم بدعت ہے</u>

سوال: بعض لوگ میت کے چالیسویں دن کو گھڑے یا مٹکے میں پانی بھر کر اس پر چادر رکھتے ہیں کچھ پکا کر فاتحہ دیتے ہیں اور اس کو مکان سے روح نکالنا قرار دیتے ہیں، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: اس طرح روح نکالنا محض جہالت و حماقت و بدعت ہے، ہاں فاتحہ دلانا اچھا ہے۔ (ص 609)

سوال: بعض لوگ میت کے چالیسویں کو چاول میں شکر ڈال کر مساکین اور برادری میں تقسیم کرتے ہیں، ایسا کرنا

کیسا ہے؟اور اگر برادری کو دعوتِ فاتحہ میں شامل نہ کریں تو بہت برا مانتے ہیں؟

جواب:شکر، چاول مساکین کو تقسیم کرنا خوب ہے مگر برادری میں موت کے لئے نہ بانٹا جائے، میت کی دعوت برادری کے لئے منع ہے ان کا برا ماننا حماقت ہے، ہاں برادری میں جو فقیر ہو اسے دینا اور فقیر کے دینے سے افضل ہے۔ (ص609)

سوال: گھر میں بیٹھ کر فاتحہ پڑھ کر ثواب رسانی کرنے سے زیادہ ثواب ہے یا قبرستان میں جا کر؟

جواب: قبرستان میں جا کے پڑھنے میں زیادہ ثواب ہے کہ زیارتِ قبور بھی سنت ہے اور وہاں پڑھنے میں اموات کا دل بھی بہلتا ہے اور جہاں قرآن مجید پڑھا جائے وہاں رحمتِ الٰہی اترتی ہے۔ (ص609)

سوال: فاتحہ پڑھنے کے لئے جب قبرستان جائیں تو اس وقت قبر پر پانی ڈالنا کیسا ہے؟

جواب: قبر اگر پختہ ہے اس پر پانی ڈالنا فضول و بے معنی ہے، یونہی اگر کچی ہے اور اس کی مٹی جمی ہوئی ہے۔ ہاں اگر کچی ہے اور مٹی منتشر ہے تو اس کے جم جانے کو پانی ڈالنے میں حرج نہیں جیسا کہ ابتداءِ دفن میں خود سنت ہے۔ (ص609)

<u>مسجد میں معتکف کے علاوہ کسی کو کھانے کی اجازت نہیں</u>

سوال: بزرگانِ دین کی نیاز مسجد میں کھانا کیسا ہے؟

جواب: مسجد کے اندر کسی چیز کے کھانے کی غیرِ معتکف کو اجازت نہیں بلکہ مسجد سے باہر کھائیں۔ (ص609)

<u>کھانا پانی سامنے رکھ کر فاتحہ دینا جائز ہے</u>

سوال: کھانا پانی سامنے رکھ کر فاتحہ دینا کیسا ہے؟

جواب: کھانا پانی سامنے رکھ کر فاتحہ دینا جائز ہے۔ (ص610)

سوال: جو کھانا بزرگانِ دین یا عام مسلمانوں کے ایصالِ ثواب کے لئے پکایا جائے، کیا وہ اغنیاء کھا سکتے ہیں؟

جواب: اغنیاء بھی کھا سکتے ہیں، سوا اس کھانے کے جو موت میں بطورِ دعوت کیا جائے وہ ممنوع و بدعت ہے، اور عوامِ مسلمین کی فاتحہ چہلم، برسی، ششماہی کا کھانا بھی اغنیاء کو مناسب نہیں۔ (ص610)

<u>فاتحہ کے لئے کھانے کا سامنے ہونا ضروری نہیں</u>

سوال: کیا فاتحہ کے لئے کھانے کا پیشِ نظر ہونا ضروری ہے؟

جواب: فاتحہ و ایصالِ ثواب کے لئے کھانے کا پیشِ نظر ہونا کچھ ضرور نہیں۔ (ص611)

سوال: بعض جگہوں پر عورتیں خاتونِ جنت کی نیاز دلواتی ہیں تو پردے میں رکھتی ہیں اور مردوں کو اس کے کھانے اور دینے سے منع کرتی ہیں، یہ کیسا ہے؟

جـــــواب :حضرت خاتونِ جنت کی نیاز کا کھانا پردے میں رکھنا اور مردوں کو نہ کھانے دینا یہ عورتوں کی جہالتیں ہیں، انہیں اُس سے باز رکھا جائے۔ (ص611)

ســوال :بعض جگہوں پر یہ رواج ہے کہ فاتحہ کے لئے مختلف جگہوں پر تھوڑا تھوڑا کھانا رکھ دیتے ہیں اور مولوی صاحب سے کہتے ہیں کہ اس پر میرے دادا کی نیاز دے دو، اس پر میرے باپ کی دے دو، اس پر فلاں کی دے دو، اس طرح الگ الگ فاتحہ دلوانا کیسا ہے؟

جواب :ایک جگہ سب کی فاتحہ دلائیں تو جائز، اور جدا جدا دلائیں تو جائز، جیسے دنیا میں ﴿لا جنــاح علیـکم ان تاکلوا جمیعاً او اشتاتا﴾ ترجمہ: تم پر حرج نہیں کہ مل کر کھاؤ یا جدا جدا۔ (ص611)

ســوال :ایک شخص کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایصالِ ثواب کرنے کے سلسلے میں یہ کہنا درست نہیں کہ اس کا ثواب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح کو پہنچے، کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حیات ہیں۔

جواب :روح زندہ کے لئے بھی ہے بلکہ روح ہی سے زندگی ہے اور درود شریف کے صیغوں میں ہے: اللھم صل علی روح سیدنا محمد فی الارواح تو اصل میں اس لفظ کے کہنے میں کوئی حرج نہیں، مگر جہاں عوام اس سے یہ معنی سمجھتے ہوں جیسے اس نیک پاکیزہ خیال نے سمجھے تو ضرور اس کہنے سے ان کو روکا جائے یا یہ وہم ان کے دلوں سے نکال دیا جائے کہ ارواح کا اطلاق اموات ہی کے حق میں ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حقیقۃً ایسے ہی زندہ ہیں جیسے رونق افروزیِ دنیا کے زمانہ میں تھے، ان کی موت ایک آن کے لئے تصدیقِ وعدۂ الٰہیہ ﴿کـل نـفـس ذائـقة الموت﴾ کے واسطے ہوتی ہے، پھر وہ ہمیشہ ہمیشہ بحیاتِ حقیقی جسمانی دنیاوی زندہ ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، حج کرتے ہیں، مجالسِ خیر میں تشریف لے جاتے ہیں، کھانا پینا سب کچھ دنیا کی طرح بے کسی آلائش (گندگی) کے جاری ہیں، کما نطقت به الاحادیث وائمة القدیم والحدیث (جیسا کہ اس بارے میں احادیث اور زمانہ قدیم وجدید کے ائمہ کے ارشادات موجود ہیں) (ص611)

کس چیز پر فاتحہ دینا بہتر ہے؟

سوال :گیارہویں کس قسم کے کھانے پر دینا افضل ہے؟

جــواب :نیاز کا ایسے کھانے پر ہونا بہتر ہے جس کا کوئی حصہ پھینکا نہ جائے، جیسے زردہ، حلوہ، خشکہ، یا وہ پلاؤ جس میں سے ہڈیاں علیحدہ کرلی گئی ہوں۔ (ص612)

سوال :نیاز کا کھانا کس قسم کے لوگوں میں بانٹا جائے، سید یا غنی کو دے سکتے ہیں؟ اور کیا خود بھی کھا سکتا ہے؟

جــواب :بانٹنے کا اختیار ہے، جس سنی مسلمان کو چاہے دے اگرچہ غنی ہو اگرچہ سید ہو، اور خود بھی تبرکاً کھائے تو حرج نہیں، شاہ عبدالعزیز صاحب نے فتاوی میں لکھا ہے کہ نیاز کا کھانا تبرک ہو جاتا ہے۔ (ص612)

منتِ شرعی کا کھانا صرف فقراء کو دے سکتے ہیں

سوال: منتِ شرعی کا کھانا کن لوگوں میں تقسیم کریں گے؟

جواب: اگر منت شرعی مانی ہو تو اس میں سے نہ خود کھا سکتا ہے نہ کسی غنی یا سید کو دے سکتا ہے، وہ غیر ہاشمی فقرائے مسلمین کا حق ہے۔ (ص612)

سوال: ایک مسجد میں چند اصحاب مل کر گیارھویں پکاتے ہیں، تو وہ گیارھویں کی نیاز نمازیوں میں بانٹنی چاہئے یا اور لوگوں میں؟

جواب: چندے والے جس نیت سے پکائیں اس میں صرف کریں، اگر خاص نمازیوں کے لیے پکائی ہے تو صرف انہیں کو دیں، اور سب کے لیے تو سب کو۔ (ص612)

کس کس کو گیارھویں کا لنگر نہیں دے سکتے؟

سوال: گیارھویں کا لنگر کسی کافر یا بد مذہب کو دینا کیسا؟

جواب: کافر کو دینا جائز نہیں جیسے بھنگی، چمار، وہابی، رافضی، قادیانی۔ ہاں جس کی بد مذہبی حدِ کفر تک نہ پہنچے جیسے تفضیلیہ (جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے افضل بتائے، ایسا شخص گمراہ ہے) اسے دینے میں حرج نہیں۔ اور سنی کو دینا افضل ہے۔ حدیث پاک میں ہے ((لایاکل طعامك الاتقی)) تیرا کھانا نہ کھائے مگر پرہیزگار۔

(مسند احمد بن حنبل، ج3، ص38، دار الفکر بیروت)(ص612)

سوال: تبارک (میت کے ایصال ثواب کے لئے سورہ تبارک کا ختم) جو کیا جاتا ہے اس کی اصل کیا ہے؟ اور کس شے پر ادا کیا جانا افضل ہے؟ جس شیء پر پڑھا جائے وہ شیء اگر کھانے کی ہے تو کس کو کھلانا بہتر زیادہ ہے؟

جواب: تبارک کی اصل ایصالِ ثواب ہے جس کا حکم احادیثِ کثیرہ میں ہے اور خاص سورہ تبارک الذی شریف کی تخصیص اس لیے کی (کہ) صحیح حدیثوں میں اسے عذاب قبر سے بچانے والی، نجات دینے والی فرمایا، جس شے پر کرتے ہیں محتاج کی حاجت روائی زیادہ ہو اس میں زیادہ ثواب ہیں، ایام قحط میں کھانے پر ہونا زیادہ مناسب ہے۔ فقیر کے یہاں کھانے پر ہوتی ہے۔ کپڑے کے جوڑوں کبھی روپوں پر موافق حالت برادرانِ مساکین مسلمین کے جو مناسب سمجھا گیا کیا جاتا ہے۔ کھانا ہو یا کپڑے یا دامِ دنیا، سب سے پہلے اپنے عزیزوں، قریبوں کا حق ہے جو حاجتمند ہوں، پھر ہمسایوں، پھر یتیم، بیوہ، مسکین مسلمانانِ اہل شہر کا۔ (ص613)

مردے کے ساتھ قبرستان کھانا لے جانا منع ہے

سوال: مردے کے ساتھ قبرستان کھانا لے جانا حلال ہے یا حرام؟

جواب: مردہ کی طرف سے تصدق کرنا چاہئے اور ساتھ لے جانا فضول ہے۔ اور علامہ طحطاوی نے اسے بدعت

(ص613)

لکھا ہے۔

سوال: گلاب قبر میں چھڑ کنا جائز ہے یا نا جائز؟

جواب: قبر میں گلاب وقتِ دفن کے چھڑ کنے میں حرج نہیں اور اوپر چھڑ کنا فضول اور مال کا ضائع کرنا۔ (ص613)

قبر سے چالیس قدم ہٹ کر دعا مانگنے کی حقیقت

سوال: قبر سے چالیس قدم جا کر دعا مانگنا کیسا ہے؟

جواب: دعا مانگنا ہر وقت جائز ہے اور چالیس قدم کی خصوصیت بلا وجہ۔ (ص614)

سوال: جو کھانا بزرگانِ دین یا عام لوگوں کے ایصالِ ثواب کے لئے تقسیم کیا جاتا ہے، اس کو اغنیاء بھی کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: طعام تین قسم ہے:

ایک وہ کہ عوام ایامِ موت میں بطورِ دعوت کرتے ہیں یہ نا جائز و ممنوع ہے۔ اغنیاء کو اس کا کھانا جائز نہیں۔

دوسرے وہ طعام کہ اپنے اموات کو ایصالِ ثواب کے لیے بہ نیت تصدق کیا جاتا ہے فقراء اس کے لیے احق ہیں، اغنیاء کو نہ چاہئے۔

تیسرے وہ طعام کہ نذورِ ارواحِ طیبہ حضرات انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء کیا جاتا ہے اور فقراء و اغنیاء سب کو بطورِ تبرک دیا جاتا ہے یہ سب کو بلا تکلف روا ہے۔ اور وہ ضرور باعثِ برکت ہے۔ برکت والوں کی طرف جو چیز نسبت کی جاتی ہے اس میں برکت آ جاتی ہے۔ مسلمان اس کھانے کی تعظیم کرتے ہیں اور وہ اس میں مصیب (درست) ہیں، ائمہ دین نے بسندِ صحیح روایت فرمایا کہ ایک مجلسِ سماعِ صوفیاء کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں نذرِ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک بدرہ زر رکھا ہوا تھا، حالت وجد میں ایک صاحب کا پاؤں اس سے لگ گیا فوراً ربُ العزت وعلا نے ان کا حالِ ولایت سلب فرما لیا۔ (ص614)

سوم کے چنے امیروں کو نہیں لینے چاہیے

سوال: سوم کی فاتحہ جن چنوں پر پڑھی جاتی ہے، پھر ان چنوں کو کھانے کے لئے لوگوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے، اس کے کھانے کا کیا حکم ہے؟ اسی طرح لوگ یہ لے کر مشرک چماروں کو دے دیتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ چیزیں غنی نہ لے۔ اور وہ جوان کا منتظر رہتا ہے ان کے نہ ملنے سے ناخوش ہوتا ہے اس کا قلب سیاہ ہوتا ہے مشرک یا چمار کو اس کا دینا گناہ، گناہ۔ فقیر لے کر خود کھائے اور غنی لے ہی نہیں، اور لے لئے ہوں تو مسلمان فقیر کو دے دے۔ یہ حکم عام فاتحہ کا ہے، نیاز اولیائے کرام طعامِ موت نہیں وہ تبرک ہے فقیر و غنی سب لیں۔ جبکہ مانی ہوئی نذر بطورِ نذر شرعی نہ ہو، (اگر نذر شرعی ہے تو) پھر غیر فقیر کو جائز نہیں۔ (ص615)

سوال: سوم کے چنوں کا کھانا علاوہ چھوٹوں کے بڑوں کو بھی جائز ہے یا نہیں؟

جواب: یہ چنے فقراء ہی کھائیں، غنی کو نہ چاہئے بچہ یا بڑا، غنی بچوں کو ان کے والدین منع کریں۔ (ص615)

سوال: اگر مردہ کو اس کا رشتہ دار کسی قسم کی چیز طلب کرتے ہوئے دیکھے تو ایسی حالت میں مردہ کی فاتحہ کھانے پینے پر جائز ہے یا نہیں؟ یا وہ چیز جو اس نے خواب میں طلب کی ہے وہ اس کے نام پر فاتحہ دلا کر خیرات کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور فاتحہ کے وقت ہمراہ کھانے کے پانی کا رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: بہتر ہے کہ جو چیز طلب کی محتاج کو اس کی طرف سے دی جائے اور کھانے پر فاتحہ اس کے سبب سے منع نہ ہوگی، وہ بھی اور پانی رکھنے میں حرج نہیں۔ محتاج کو وہ کھانا کھلائیں اور پانی پلائیں سب کا ثواب پہنچے گا۔ (ص615)

<u>بلاضرورت آٹے اور گھی کا چراغ جلانا نا جائز ہے</u>

سوال: مٹی کے چراغ میں گھی ڈال کر جلانا چاہئے یا نہیں؟ آٹے کے چراغ میں گھی ڈال کر جلا کر کھانا یا ملیدہ کے اوپر رکھ کر فاتحہ دینا چاہئے یا نہیں؟

جواب: بلاضرورت گھی جلانا اسراف ہے اور اسراف حرام ہے۔ اور فاتحہ و قرآن خوانی اور درود خوانی کے لئے اگر چراغ کے قرب کی حاجت ہو اور اس خیال سے کہ تیل میں کبھی بدبو آتی ہے گھی سے چراغ روشن کرے اور اس لحاظ سے کہ استعمال چراغ صاف نہیں ہوتا اور کورے میں جلائیں تو گھی پئے گا اور بیکار جائے گا لہٰذا آٹے کا چراغ بنائیں کہ آٹا پئے بھی تو اس کی روٹی پک سکتی ہے، تو اس میں حرج نہیں، مگر یہ عادت کر لینی کہ بلاضرورت بھی فاتحہ کے لیے گھی جلائیں وہی اسراف و حرام ہے، اور وہ صورتِ جواز جو ہم نے لکھی اس میں بھی وہ چراغ کھانے کے اوپر نہ رکھا جائے بلکہ کھانے سے الگ۔ (ص616)

سوال: فاتحہ وغیرہ میں اکثر لوگ گھی کے چراغ، کپڑے، جوتی وغیرہ رکھتے ہیں، یہ اشیاء رکھنا کیسا ہے؟

جواب: کپڑا، جوتے یا جو چیز مسکین کو نفع دینے والی مسکین کی نیت سے رکھیں کوئی حرج نہیں ثواب ہے، مگر فاتحہ کے وقت گھی کا چراغ جلانا فضول ہے، اور بعض اوقات داخلِ اسراف ہوگا، اس سے احتراز چاہئے۔ (ص616)

<u>ثواب چند اموات کو بخشا، وہ ان پر تقسیم ہوگا یا سب کو پورا ملے گا؟</u>

سوال: جس فعلِ نیک کا ثواب چند اموات کو بخشا جائے وہ ان پر تقسیم ہوگا یا سب کو اس پورے فعل کا ثواب ملے گا؟

جواب: اللہ عزوجل کے کرمِ عمیم و فضلِ عظیم سے امید ہے کہ سب کو پورا پورا ثواب ملے گا، اگرچہ ایک آیت یا درود یا تہلیل کا ثواب آدم علیہ السلام سے قیامت تک کے تمام مومنین و مومنات احیا و اموات کے لیے ہدیہ کرے، علمائے اہلسنت سے ایک جماعت نے اسی پر فتوی دیا۔ (ص616)

سوال: ابن قیم ظاہری کا قول یہ ہے کہ ثواب سب کو تقسیم ہو کر پہنچے گا۔

جواب: فتویٰ علماء کہ سب کو ثواب کامل ملے گا، اس قولِ ابن قیم پر بچند وجہ مرجح (چند وجوہات سے فوقیت رکھتا) ہے:

اولاً ابن قیم بد مذہب ہے، تو اس کا قول علمائے اہلسنت کے مقابل معتبر نہیں۔

ثانیاً وہ اسی کا قول ہے اور یہ ایک جماعت کا فتوی والعمل بما علیہ الاکثر (اور عمل اس پر ہوتا ہے جس پر اکثر ہوں)۔

ثالثاً وھو الطراز المعلم (اور وہی نقش ہانگار ہے، یعنی زیادہ مضبوط جواب ہے۔) ثوابِ واحد کا سب پر منقسم ہونا ایک ظاہری بات ہے جسے آدمی بنظرِ ظاہر اپنی رائے سے کہہ سکتا ہے۔ عالمِ شہود میں یونہی دیکھتے ہیں، ایک چیز دس کو دیجئے تو سب کو پوری نہ ملے گا ہر ایک کو ٹکڑا ٹکڑا پہنچے گا۔ غالباً اس ظاہری نے اسی ظاہری بات پر نظر اور معقول (عقلی چیز) کو محسوس (حسی چیز) پر قیاس کر کے تقسیم کا حکم دے دیا، نہ کہ حدیث سے اس پر دلیل پائی ہو بخلاف اس حکمِ کمال کے کہ اگر کروڑوں کو بخشو تو ہر ایک کو پورا ثواب ملے ایسی بات بے سندِ شرعی اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتے تو ظاہر کہ جماعتِ اہل فتوی نے جب تک شرع مطہر سے دلیل نہ پائی ہرگز اس پر جزم نہ فرمایا بلکہ تصریح علماء سے ثابت کہ جو بات رائے سے نہ کہہ سکیں وہ اگر چہ علماء کا ارشاد ہو حدیثِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم میں سمجھا جائے گا۔ آخر جب یہ عالم متدین (دین دار عالم) ہے اور بات میں رائے کو دخل نہیں تو لاجرم حدیث سے ثبوت ہوگی، امام علامہ قاضی عیاض نے سریج بن یونس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ سیاح فرشتے ہیں جن کے متعلق یہی خدمت ہے کہ جس گھر میں احمد یا محمد نام کا کوئی شخص ہو اس گھر کی زیارت کیا کریں۔ علامہ خفاجی مصری اس کی شرح نسیم الریاض میں فرماتے ہیں "ھو ظاھر وان کان لسریج فھو فی حکم المرفوع لان مثلہ لایقال بالرای "یہ اگر چہ سریج کا قول ہے مگر وہ مرفوع کے حکم میں ہے اس لئے کہ ایسی بات رائے سے نہیں کہی جاتی۔ (نسیم الریاض، ج2، ص225، دارالفکر بیروت)

یہ سریج نہ صحابی ہیں نہ تابعی نہ تبع تابعین میں ہے، بلکہ علمائے مابعد سے ہیں، بایں ہمہ علامہ خفاجی نے ان کے قولِ مذکور کو حدیثِ مرفوع کے حکم میں ٹھہرایا کہ ایسی بات رائے سے نہیں کہی جاتی، اسی طرح مانحن فیہ (زیر بحث مسئلہ) میں بھی کہہ سکتے ہیں کہ علماء کا وہ فتوی بھی حدیث مرفوع کے حکم میں ہونا چاہیے۔

فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ نے خاص اس بات میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تین حدیثیں پائیں:

حدیث اول: حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((من حج عن والدیہ بعد وفاتھما کتب اللہ لہ عتقا من النار وکان للمحجوج عنھما اجر حجۃ تامۃ من غیر ان ینقص من اجورھما شی)) جو اپنے ماں باپ کی طرف سے ان کی وفات کے بعد حج کرے اللہ تعالیٰ اس کے لیے دوزخ سے آزادی لکھے، اور ان دونوں کے لئے پورے حج کا اجر بغیر اس کے کہ ان کے ثوابوں میں کچھ کمی ہو۔ (شعب الایمان، ج6، ص205، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

اگر ثواب نصف نصف ملتا تو اس آدھے میں سے کمی ہو جانے کا کیا احتمال تھا جس کی نفی فرمائی گئی، ہاں وہی اجر یہاں

اجور ہو جائے۔ ہر ایک پورا پورا بے کمی پائے، یہ خلاف عقل ظاہر تھا۔ تو اسی کا افادہ ضرور مفید واہم ہے۔

حدیث دوم: حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((ماعلی احدکم اذا اراد ان یتصدق للہ صدقۃ تطوعا ان یجعلھا عن والدیہ اذا کانا مسلمین فیکون لوالدیہ اجرھا ولہ مثل اجورھما بعد ان لا ینقص من اجورھما شیء)) جب تم میں سے کوئی شخص کسی صدقہ نافلہ کا ارادہ کرے تو اس کا کیا حرج ہے کہ وہ صدقہ اپنے ماں باپ کی نیت سے دے کہ انھیں اس کا ثواب پہنچے گا اور اسے ان دونوں اجروں کے برابر ملے گا بغیر اس کے کہ ان کے ثوابوں میں کچھ کمی ہو۔ (الجامع الصغیر، ج5، ص456، دارالمعرفۃ، بیروت)

ان دونوں حدیثوں میں اگر کچھ تشکیک کی جائے تو حدیثِ سوم گویا نصِ صریح جس نے بحمدہٖ تعالیٰ اس امیدِ کمال (پورا پورا ثواب ملنے کی امید) کو قوی کر دیا، اور فتویٰ علماء کی تاکیداکید فرمادی کہ ہر ایک کو کامل ثواب ملے گا۔

حدیث سوم: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((اذا حج الرجل عن والدیہ تقبل منہ ومنھما واستبشرت ارواحھما وکتب عند اللہ برا)) جب آدمی اپنے والدین کی طرف سے حج کرے وہ حج اس حج کرنے والے اور ماں باپ تینوں کی طرف سے قبول کیا جائے اور ان کی روحیں خوش ہوں، اور یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا نیکوکار لکھا جائے۔ (سنن الدار قطنی، ج2، ص260، نشرت السنۃ، ملتان)

ظاہر ہے کہ حج ایک عبادتِ واحدہ ہے جس کا بعض کافی نہیں، نہ وہ کل سے مغنی ہو، بلکہ قابلِ اعتبار ہی نہیں، جیسے فجر کی دو رکعتوں سے ایک رکعت، یا صبح سے دوپہر تک کا روزہ، تو یہ حج کہ ان دونوں کی طرف سے کافی ہو، ضرور ہے کہ ہر ایک کی جانب سے پورا حج واقع ہو، مگر فقہ میں مبین (واضح) ومبرہن (دلائل و براہین سے مزین) ہولیا کہ یہ اجزاء بمعنی اسقاط فرض نہیں تولاجرم (ضروری ہوا کہ) یہی معنی مقصود کہ دونوں کو کامل حج کا ثواب ملے۔ (ص618)

سوال: مسلمان فوت شدگان کو ایصالِ ثواب کرنے کا نتیجہ (ثمرہ) دنیا میں ملے گا یا آخرت میں؟

جواب: نتیجہ ملنا اللہ سبحٰنہ وتعالیٰ کے اختیار میں ہے مسلمانوں کو نفع رسانی (فائدہ پہنچانے) سے اللہ عزوجل کی رضا و رحمت ملتی ہے اور اس کی رحمت دونوں جہان کا کام بنا دیتی ہے۔ آدمی کو اللہ کے کلام میں اللہ کی نیت چاہئے، دنیا اس سے مقصود رکھنا حماقت ہے۔ (ص621)

سوال: ثواب کس طرح کہہ کر پہنچائے؟ کیا الفاظ کہے؟

جواب: دعا کرے کہ الٰہی! یہ جو میں نے پڑھا اس کا ثواب فلاں شخص یا فلاں فلاں اشخاص کو پہنچا، اور افضل یہ ہے کہ تمام مسلمین ومسلمات کو پہنچائے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل میں تمام انبیاء واولیاء ومومنین ومومنات جو گزر گئے اور جو موجود ہیں اور جو قیامت تک آنے والے ہیں سب کو شامل کر سکتا ہے اور یہی افضل ہے۔ (ص621)

ولی ایک وقت میں ایک سے زیادہ جگہ ہوسکتا ہے

سوال: ولی ایک وقت میں ایک سے زیادہ جگہ ہوسکتا ہے، اس کی ایک دو مثالیں ارشاد فرمادیں؟

جواب: حضرت جامی قدس سرہ السامی نفحات الانس شریف میں فرماتے ہیں "شیخ مفرح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مصر کے اہل دل حضرات سے ہیں، بزرگ رتبہ اور بڑی شان رکھتے تھے، ان کے ایک مرید نے عرفہ کے دن انھیں عرفات میں دیکھا اور دوسرے مرید نے اسی دن انھیں اپنے گھر میں دیکھا اور دن بھر ان کے ساتھ رہا، جب دونوں مریدوں کی ملاقات ہوئی اور ایک نے جو دیکھا تھا آپس میں بیان کیا تو ان کے درمیان اختلاف ہوا۔ ایک نے کہا: حضرت عرفہ کے دن عرفات میں تھے، اور اس کی صداقت پر طلاق کی قسم کھائی۔ دوسرے نے کہا: اس روز دن بھر اپنے گھر میں تھے، اس نے بھی طلاق کی قسم کھائی، پھر جھگڑتے ہوئے شیخ مفرح کے پاس آئے۔ شیخ نے کہا: دونوں سچ کہتے ہیں، کسی کی بیوی کو طلاق نہیں ہوئی، اکابر میں سے ایک کا بیان ہے کہ میں نے شیخ مفرح سے پوچھا: ہر ایک کی صداقت دوسرے کی قسم ٹوٹنے کی مقتضی ہے پھر کسی کی قسم کیسے نہیں ٹوٹی؟ جس مجلس میں میں نے سوال کیا علماء کی ایک جماعت موجود تھی، شیخ نے سب کو اشارہ کیا کہ اس مسئلہ میں کلام کریں، ہر شخص نے کچھ نہ کچھ بیان کیا مگر کسی نے شافی وکافی جواب نہ دیا۔ اسی اثناء میں جواب مجھ پر منکشف ہوگیا اور شیخ نے میری طرف اشارہ فرمایا کہ تم اس کا جواب دو، میں نے عرض کیا کہ جب ولی کی ولایت اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ اسکی روحانیت کسی صورت سے مصوّر ہوسکے تو ممکن ہوتا ہے کہ ایک ہی وقت کے اندر مختلف جہتوں میں اپنے کو متعدد صورتوں میں جیسے چاہے دکھائے۔ تو جس شخص نے حضرت کو ان صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں عرفات میں دیکھا صحیح دیکھا، اور اسی وقت دوسرے نے کسی اور صورت میں اپنے گھر کے اندر تشریف فرما دیکھا اس نے بھی سچ دیکھا، اور کسی کی قسم نہ ٹوٹے گی، شیخ مفرح نے فرمایا: صحیح جواب یہ ہے جو تم نے دیا۔" (نفحات الانس، ص82، انتشارات کتاب فروشی مطبع توحیدی)

حضرت میر سید عبدالواحد قدس سرہ الماجد سبع سنابل شریف میں فرماتے ہیں "ماہ ربیع الاول میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عرس پاک کی وجہ سے مخدوم شیخ ابوالفتح جونپوری قدس سرہ کی دس جگہ سے دعوت آئی کہ بعدِ نمازِ ظہر تشریف لائیں، حضرت نے دسوں دعوتیں قبول کیں، حاضرین نے پوچھا: حضور نے دسوں دعوتیں قبول فرمائی ہیں اور ہر جگہ نمازِ ظہر کے بعد پہنچنا ہے یہ کیسے میسر ہوگا؟ فرمایا: کشن جو کافر تھا سیکڑوں جگہ حاضر ہوتا تھا اگر ابوالفتح دس جگہ حاضر ہو تو کیا عجب ہے؟ نماز ظہر کے بعد دسوں جگہ سے پالکی پہنچی، مخدوم ہر بار حجرہ سے آتے، سوار ہوجاتے، تشریف لے جاتے اور حجرہ میں بھی موجود رہتے۔"

(سبع سنابل، ص170، مکتبہ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور) (ص627)

سوال: اگر قاری کچھ اموات کو قرآن پڑھنے کا ثواب ایصال کرے تو کیا اس کے اجر سے کم ہوگا؟

جواب: لاکھوں ہو تو لاکھوں کو اتنا ہی ثواب پہنچے گا اور قاری کا ثواب کم نہ ہوگا، بلکہ بعددِ اموات (مردوں کی تعداد کے مطابق) ترقی کرے گا۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((من قرأ الاخلاص احدی عشر مرّۃ ثمّ

وھب اجرھا للاموات اعطی من الاجر بعدد الاموات)) جو سورہ اخلاص گیارہ بار پڑھ کر اموات مسلمین کو اس کا ثواب بخشے بعد وہ اموات اجر پائے۔
(کنزالعمال، ج15، ص655، موسسۃ الرسالہ، بیروت)(ص629)

نابالغ عاقل بچہ ایصالِ ثواب کرسکتا ہے

سوال: کیا نابالغ بچہ ایصالِ ثواب کرسکتا ہے؟

جواب: ہر وہ قربت کہ بچہ جس کا اہل ہے (غلام آزاد کرنا، صدقہ کرنا، مال کا ہبہ کرنا اور اس طرح کی قربتیں نہیں، کہ یہ بچے سے واقع ہو نہیں سکتیں) جب عاقل بچے سے وہ ادا ہوگی تو قولِ جمہور اور مذہب صحیح و منصور یہ ہے کہ اس کا ثواب بھی بچے ہی کے لیے ہوگا۔ پھر کتبِ اصول و فروع میں ہمارے علماء کی روشن تصریحات موجود ہیں کہ انسان اپنے اعمال کا ثواب دوسرے کے لیے کرسکتا ہے۔ لفظِ انسان مطلق مذکور ہونا اس بات کی کافی دلیل ہے کہ اس میں بچے بھی داخل ہیں۔'' (ص630)

نابالغ بچے کے ایصالِ ثواب کرنے پر دلائل

سوال: ایصالِ ثواب ہبہ (تحفہ دینا) ہے اور نابالغ بچہ کسی کو ہبہ وغیرہ نہیں کرسکتا، تو ایصالِ ثواب کیسے کرسکتا ہے؟

جواب: عاقل بچہ ہر طرح کے تصرف سے مجبور نہیں، حجر (تصرف سے روک دینے) کا منشا (مقصد) یہی ضرر (نقصان) ہے اگرچہ فی الحال نقصان ہو جیسے قرض دینے میں یا اس کا احتمال ہو جیسے بیع میں۔ جہاں کوئی ضرر نہیں وہاں حجر میں نظر اور بچہ کی رعایت نہیں بلکہ یہ خلافِ نظر اور بعینہٖ ضرر رسانی ہے کہ گویا اسے جماد اور پتھر سے لاحق کر دینا (ملا دینا) ہے۔
دیکھیئے کہ بچہ بالاجماع اس کا اہل ہے کہ سلام میں پہل کرے بلکہ اس کے مربی (پرورش کرنے والے) کو چاہئے کہ اگر خود اس کا عادی نہ ہو تو اسے سکھائے حالانکہ یہ بھی تبرع ہی کے باب سے ہے یہاں تک کہ حدیث میں اسے صدقہ کا نام دیا گیا ہے۔ ابوداؤد حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث میں راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ((تسلیمه علی من لقی صدقة)) جو ملے اس سے سلام کرنا صدقہ ہے۔
(سنن ابوداود، ج2، ص355، آفتاب علم پریس، لاہور)

اسی طرح اپنے بھائی سے کشادہ روئی سے بات کرنا اور اظہار بشاشت کے ساتھ مسکرانا، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ((تبسمك فی وجه اخیك لك صدقة)) اپنے بھائی کے سامنے تیرا تبسم کرنا تیرے لیے صدقہ ہے۔
(جامع الترمذی، ج2، 17، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی)

اسی طرح راستہ بھول جانے والے کو راہ کے نشانات بتا کر راہنمائی کر دینا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ((دل الطریق صدقة)) راستہ بتانا صدقہ ہے۔
(صحیح البخاری، کتاب الجہاد، ج1، ص404، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اسی طرح بہرے شخص کو بات سنوانا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ((اسماع الاصم صدقة)) بہرے کو سنانا

18

صدقہ ہے۔ (جامع للخطیب، ج3، ص84، دارالفکر، بیروت)

اسی طرح جس شخص نے جماعت نہ پائی اس کی اقتداء کرنا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ((الا رجل یتصدق علی هذا فیصلی معه)) ارے کوئی ایسا شخص نہیں جو اس پر صدقہ کردے کہ اس کے ساتھ نماز ادا کرے۔

(سنن ابی داود، ج ا، ص ۸۵، آفتاب عالم پریس، لاہور)

اس طرح کی بہت سی اور کثیر نیکیاں ہیں اور ان کا دروازہ مسلمان بچوں پر بند نہیں جب تک کہ کوئی نقصان یا اندیشۂ نقصان نہ ہو۔

اس کی تفصیل سے واضح ہوگیا کہ بچہ اگرچہ مجور (ممنوع التصرف) ہو مگر بے ضرر تبرع (اپنے طرف سے کسی پر احسان کرتے ہوئے ایسا کام کرنا جس میں خود اسے نقصان نہ ہو) سے مجور نہیں ہے یہ کبریٰ ہوا اب ہم صغریٰ بیان کرتے ہیں، بتوفیق الٰہی جب ہم فقہ وحدیث کی رہنمائی میں زیر بحث مسئلہ میں غور کرتے ہیں تو کسی مسلمان کو ثواب ہبہ و ہدیہ کرنے کو بحمدہٖ تعالیٰ ہم نفعِ بے ضرر پاتے ہیں۔ یہ ہبہ مال کی طرح نہیں کہ مال جب کسی کو دیا تو اپنے پاس سے گیا، اور جب تک اپنے پاس ہے دوسرے کے پاس نہ پہنچے گا، جب دوسرے کے پاس پہنچ جائیگا تو اپنے پاس نہ رہے گا۔ یہاں وسعتِ فضل الٰہی اور کمال ربانی سے ہدیہ کرنے والے کا ثواب خود اس کے پاس بھی رہتا ہے، اور موہوب لہ کے پاس بھی پہنچتا ہے بلکہ اس عمل کی وجہ سے خود اس کا ثواب دس گنا ہوجاتا ہے تو یہ ایسا نفع ہے جس میں کوئی کمی نہیں، اور ایسی تجارت ہے جس میں ہرگز کوئی خسارہ نہیں۔

حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ((من حج عن میّت فللذی حج مثل اجرہ)) جو کسی وفات یافتہ کی جانب سے حج کرے اس کے لیے بھی ثوابِ میّت کے مثل ثواب ہو۔ (مجمع الزوائد، بحوالہ معجم اوسط، ج3، ص282، دارالکتاب بیروت)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ((من مر علی المقابر وقرأ قل هوالله احد احدیٰ عشرة مرة ثم وهب اجرها للاموات اعطی من الاجر بعدد الاموات)) جو قبرستان سے گزرے اور سورۂ اخلاص گیارہ بار پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخش دے اسے مردوں کی تعداد کے برابر ثواب دیا جائے گا۔ (کنز العمال، ج15، 655، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

ردالمحتار میں ہے" الافضل لمن یتصدق نفلا ان ینوی لجمیع المومنین و المؤمنات لانها تصل الیهم ولاینقص من اجره شیء اه قال وهو مذهب اهل السنة والجماعة" جو کوئی نفل صدقہ کرے اس کے لیے افضل یہ ہے کہ تمام مومنین ومومنات کی نیت کرلے کہ وہ ان سب کو پہنچے اور اس کے اجر سے کچھ کم نہ ہوگا، اور فرمایا کہ یہی اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے۔ (ردالمحتار، ج1، ص605، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

مختصر یہ کہ ثواب ہدیہ کرنا ایسا ہے جیسے چراغ سے چراغ جلانا کہ اس چراغ سے کچھ کم نہیں ہوتا اور دوسرے چراغ کو روشنی مل جاتی ہے، اور بلاشبہہ بچہ اس طرح کے تبرّع سے ہرگز مجور نہیں، بلکہ چراغ جلانا بھی اس کی نظیر نہیں ہوسکتی کہ وہاں اگر

چراغ سے کچھ کم نہیں ہوتا تو کچھ زائد بھی نہیں ہوتا۔ اور یہاں ہبہ کرنیوالے کا ثواب ایک کا دس ہو جاتا ہے۔ اور اللہ جس کیلئے چاہے اور زیادہ کرتا ہے۔ اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

بطور مثل فرض کیجئے اگر عالم محسوس میں بھی کوئی ایسی صورت ہوتی کہ بچہ ایک درہم دے وہ درہم موہوب لہ کے پاس بھی پہنچے اور بچے کے ہاتھ میں بھی برقرار رہے اور ایک کا دس ہو جائے تو کیا یہ متصور تھا کہ شرع مطہر بچے کو ایسے تصرف سے روک دیتی، حاشا اللہ (ہرگز نہیں) ا حجر (تصرف سے روکنا) ضرر دور کرنے اور نظر (بھلائی) کے لیے ہے، نفع دور کرنے اور حجر (پتھر) سے لاحق کرنے (ملا دینے) کے لیے نہیں ہے۔ (ص632تا639)

سوال: زید اپنے پیر کا عرس کرتا ہے اور لوگوں کو یہ کہتا ہے کہ جو شخص یہ عرس کرے اور عرس کی نیاز کردہ شیرینی کھائے گا وہ بلاشبہہ جنت میں جائے گا اور اس پر دوزخ حرام ہے، اس کا یہ کہنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

جواب: یہ کہنا جزاف (بے تکی بات) اور یاوہ گوئی ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ کس کا جنت مقام اور کس پر دوزخ حرام، عرس کی شیرینی کھانے پر اللہ (تعالیٰ) ورسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کوئی وعدہ ایسا ثابت نہیں جس کے بھروسہ پر یہ حکم لگا سکیں، تو یہ "تقوّل علی اللّٰہ" (اللہ تعالیٰ پر اپنی طرف سے لگا کر کچھ بولنا) ہوا اور وہ ناجائز ہے۔ (ص642)

میت کے نماز وروزے کے فدیے کا جائز حیلہ

سوال: میت کے نماز روزے کے لئے جو حیلہ کیا جاتا ہے کہ کفارہ میں قرآن شریف دیا جاتا ہے، یہ کیسا ہے؟

جواب: قرآن مجید کسی مسلمان کو دے کر اس کا ثواب میّتِ مسلم کو پہنچانا جائز ہے، کفارے کے عوض میں قرآن مجید دے کر جو حیلہ یہاں عوام میں رائج ہے محض باطل و بے سود ہے، بلکہ بحالِ وصیت (اگر میت نے وصیت کی ہو تو) ثلث مال (تہائی مال) یا باجازتِ ورثہ بالغین (بالغ ورثہ کی اجازت سے) اس سے زائد، اور بلا وصیت جس قدر مال پر وارث عاقل بالغ چاہے اگر کفارہ واجبہ کی قدر کو کافی نہ ہو بطریق دور پورا کریں یعنی ایک بار فقیر کو دے دیں اس قدر کا کفارہ ادا ہوا، فقیر بعد قبضہ پھر اسے اپنی طرف ہبہ کر دے۔ وارث پھر فقیر کو کفارہ میں دے، یہاں تک کہ الٹ پھیر میں قدرِ کفارہ تک پہنچ جائے۔ (ص643)

سوال: بوقتِ دفنِ میّت کے دعا غیرہ پڑھ کر چھوٹے چھوٹے ڈھیلا وغیرہ پر دم کر کے قبر کے اندر رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: کوئی حرج نہیں جبکہ قبر میں جگہ نہ گھیرے، لعدم المنع وما لم یمنع لایمنع (کیونکہ اس سے ممانعت نہ آئی اور جس سے منع وارد نہ ہو وہ ممنوع نہیں ہوتا)۔ (ص643)

ایصالِ ثواب کے عوض اجرت لینا ناجائز ہے

سوال: ثواب رسانی کی نیت سے قرآن مجید پڑھ کر اس پر اُجرت دینا اور لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایک قرآن مجید

پڑھ کر چالیس درہم سے کچھ کم اُجرت لینا اور دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ثواب رسانی کے لیے قرآن مجید پڑھنے پر اجرت لینا اور دینا دونوں ناجائز ہے، اور چالیس درہم اجرت محض بے اصل ہے۔ (ص644)

سوال: چہلم کو بطورِ دعوت کے کرنا کیسا؟

جواب: موت میں دعوت بے معنی ہے، فتح القدیر میں اسے بدعتِ مستقبحہ (بری بدعت) فرمایا لان الدعوة شرعت فی السرور لافی الشرور (اس لیے کہ دعوت خوشی میں مشروع ہے غمی میں نہیں) (فتح القدیر، ج2، ص102، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر) (ص644)

سوال: دیوبندی عقیدے والے فاتحہ، چہلم وغیرہ سے منع کرتے ہیں، اور ہمارے ہاں یہ رائج ہے کہ حافظ صاحب چالیس دن تک قبر پر تلاوت کرتے ہیں، اس کے بدلے میں ان کو پیسے دیئے جاتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ دیوبندی اس سے بھی منع کرتے ہیں۔

جواب: دیوبندی عقیدہ والوں کی نسبت علمائے کرام حرمین شریفین نے بالاتفاق تحریر فرمایا ہے کہ یہ لوگ اسلام سے خارج ہیں، اور فرمایا "من شك فی عذابه و کفره فقد کفر" جو ان کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے، ان کی کوئی بات نہ سنی جائے نہ ان کی کسی بات پر عمل کیا جائے جب تک اپنے علماء سے تحقیق نہ کرلیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((وایاکم وایاهم لایضلونکم ولایفتنونکم)) ان سے دور بھاگو اور انھیں اپنے سے دور کرو۔ کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کردیں کہیں وہ تم کو فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ (مشکوٰۃ، ص28، مطبع مجتبائی، دہلی)

اور ان کا بتایا ہوا کوئی مسئلہ اگر صحیح بھی نکلے تو اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ عالم ہیں، یا ان کے اور مسائل بھی صحیح ہوں گے۔ دنیا میں کوئی ایسا فرقہ نہیں جس کی کوئی نہ کوئی بات صحیح نہ ہو، مثلاً یہود و نصارٰی کی یہ بات صحیح ہے کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نبی ہیں۔ کیا اس سے یہودی اور نصرانی سچے ہوسکتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((الکذوب قد یصدق)) بڑا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے۔ (مجمع بحار الانوار، ج2، ص239، نولکشور، لکھنؤ)

دیوبندی تو امواتِ مسلمین کو ثواب پہنچانے ہی سے جلتے ہیں، فاتحہ، سوم، دہم، چہلم سب کو حرام کہتے ہیں، یہ سب باتیں جائز ہیں، میّت کو قرآن خوانی و طعام دونوں کا ثواب پہنچتا ہے، تیجے و چالیسویں وغیرہ کا تعین عرفی ہے جس سے ثواب میں خلل نہیں آتا، ہاں قرآن خوانی پر اُجرت لینا دینا منع ہے، اس کا طریقہ یہ کیا جائے کہ حافظ کو مثلاً چالیس دن کے لیے نوکر رکھ لیں کہ جو چاہیں کام لیں گے اور یہ تنخواہ دیں گے، پھر اس سے قبر پر پڑھنے کا کام لیا جائے، اب یہ اجرت بلاشبہ جائز ہے کہ اس وقت کے مقابل ہے نہ کہ تلاوت قرآن کے۔ (ص645)

سوال: ایصالِ ثواب کے لئے تلاوت و تہلیل کرکے اُجرت لینا جو حرام ہے کیا وہ قطعی حرام ہے؟

جواب: تلاوت وتہلیل میں اُجرت لینا ضرور حرام ہے اور گناہ ہونے میں قطعی اور غیر قطعی ہونے کا فرق نہیں، گناہ اگر چہ صغیرہ ہوں اسے ہلکا جاننا قطعی حرام ہے۔ (ص646)

سوال: بلاتعین اگر قاری کو کچھ دے دیا جائے وہ بھی حرام ہے یا نہیں؟

جواب: جبکہ عادات ورواج کے مطابق قاری کو معلوم ہے کہ ملے گا اور اسے معلوم ہے کہ دینا ہوگا تو ضرور اُجرت میں داخل ہے فان المعروف کالمشروط (معروف مشروط کی طرح ہے)۔ (ص646)

سوال: اس کا کیا حل کیا جائے؟

جواب: جب صراحۃً معروف کی نفی کردے تو مشروط نہیں رہے گا، مثلاً قاری سے صاف کہہ دیا جائے کہہ دیا جائے کہ دیا کچھ نہ جائے گا یا وہ کہہ دے کہ میں لوں گا کچھ نہیں، اس کے بعد پڑھے پھر جو چاہیں دے دیں وہ اجرت میں داخل نہ ہوگا، لان الصریح یفوق الدلالۃ (اس لیے کہ صریح کا درجہ دلالت سے اوپر ہے) (ص646)

سوال: میّت کے تابوت کو لے کر دس قدم چلنا پھر جانب بدلنا، اسی طرح چاروں جانب چالیس قدم چلنا سنت ہے یا نہیں؟

جواب: مستحب ہے۔ (ص646)

سوال: اگر قبرستان چالیس قدم سے کم ہو تو میّت کو لئے کر قبر کے چاروں طرف چالیس قدم گھومنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جہالت وممنوع ہے۔ (ص646)

سوال: نماز جنازہ پڑھ کر اور قبور کی زیارت کر کے خیرات لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ناجائز ہے۔ (ص646)

سوال: جو شخص اس کو ناجائز سمجھ کر اعلان کردے کہ میں اس کو ناجائز سمجھتا ہوں کوئی صاحب اس کی اجرت ہم کو ہرگز نہ دے، پھر اگر کوئی بطورِ ہدیہ دے تو لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے۔ (ص646)

سوال: میّت کی روح پر ثواب رسانی کے لیے قرآن شریف ومیلاد شریف پڑھ کر خیرات لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ناجائز ہے۔ (ص646)

سوال: ایک کا فرفوت ہوا اب اس کے ورثہ مسلمانوں کو کھانا کھلانا چاہتے ہیں، تو مسلمانوں کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: انھیں یہ دعوت قبول نہیں کرنا چاہیے، اس لیے کہ یہ اگر ضیافت ہے تو موت میں ضیافت نیاحت (نوحہ کرنے) سے ہے، امام احمد اور ابن ماجہ نے بسند صحیح حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ "ہم گروہ صحابہ

میّت کے پاس جمع ہونے اور ان کے کھانا تیار کرنے کو نیاحت سے شمار کرتے تھے۔"

اور اگر اس کے خیال میں صدقہ ہو جبکہ صدقہ کسی کافر سے اور کسی کافر کے لیے ہو ہی نہیں سکتا، تو اس میں مسلمانوں کی بے عزتی ہے اس لیے کہ وہ صدقہ کر کے اپنے نفس خبیث کو ان پر احسان کرنے والا اور انھیں صدقہ کھانے والا سمجھے گا۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے سے بہتر ہوتا ہے اور کسی کافر کا ہاتھ اونچا نہیں ہونا چاہیئے، بلکہ اسلام غالب ہوتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔ (ص647)

کافر اصلاً اہل ثواب نہیں

سوال: اہلِ ہنود اگر فاتحہ دلوانا چاہیں تو دینی چاہیئے یا نہیں؟

جواب: فاتحہ ایصالِ ثواب ہے۔ کافر کی طرف سے یا کافر کے مال کا ثواب پہنچانا کیا معنی؟ کافر اصلاً اہلِ ثواب نہیں۔ (ص647)

سوال: اگر کوئی مسلمان کسی کافر یا مشرک یا رافضی کو قرآن خوانی اور کسی ذریعہ سے ایصالِ ثواب کرے تو اس کافر یا مشرک یا رافضی کو ثواب پہنچے گا یا نہیں؟ اور ایصالِ ثواب کرنے والے کی بابت کیا حکم ہے؟

جواب: کافر خواہ مشرک ہو یا غیر مشرک جیسے آج کل کے عام رافضی کہ منکرانِ ضروریاتِ دین ہیں، اسے ہرگز کسی طرح کسی فعلِ خیر کا ثواب نہیں پہنچ سکتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ومالهم فى الاخرة من خلاق﴾ اور ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

اور انھیں ایصالِ ثواب کرنا معاذ اللہ خود راہِ کفر کی طرف جانا ہے کہ نصوص قطعیہ کو باطل ٹھہرانا ہے۔ رافضی تبرائی (وہ رافضی جو صحابہ کرام کو برا کہیں) کا فقہائے کرام کے نزدیک یہی حکم ہے، ہاں جو تبرائی نہیں جیسے تفضیلی، انھیں ثواب پہنچ سکتا ہے اور پہنچانا بھی حرام نہیں جبکہ ان سے دینی محبت یا ان کی بدعت کو سہل و آسان سمجھنے کی بنا پر نہ ہو، ورنہ انکم اذا مثلهم (تم بھی انہیں کی مثل ہو جاؤ گے) یہ بھی انھیں میں شمار ہو گا۔ (ص648)

سوال: ہندو سے میلاد کے واسطے رقم لینا کیسا ہے؟

جواب: ہندو سے روپیہ اس واسطے نہ لیا جائے۔ حدیث میں ہے ((انى نهيت عن زبد المشركين)) مجھے مشرکین کی جھاگ سے منع کیا گیا۔ (سنن ابی داؤد، ج2، ص78، آفتاب عالم پریس، لاہور) (ص648)

مسلمانوں کی روحیں آزاد ہیں

سوال: جس وقت روح انسان کے جسم سے پرواز کر جاتی ہے اس کے بعد پھر اپنے مکان پر آتی ہے یا نہیں؟ بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں، ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: خاتمۃ المحدثین شیخ محقق مولنا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح مشکوٰۃ شریف باب زیارۃ القبور میں فرماتے ہیں "میّت کے دنیا سے جانے کے بعد سات دن تک اس کی طرف سے صدقہ کرنا مستحب ہے، میّت کی طرف سے صدقہ

اس کے لیے نفع بخش ہوتا ہے۔اس میں اہلِ علم کا کوئی اختلاف نہیں،اس بارے میں صحیح حدیثیں وارد ہیں،خصوصاً پانی صدقہ کرنے کے بارے میں،اور بعض علماء کا قول ہے کہ میّت کو صرف صدقہ اور دعا کا ثواب پہنچتا ہے اور بعض روایات میں آیا ہے کہ رُوح شب جمعہ کو اپنے گھر آتی ہے اور انتظار کرتی ہے کہ اس کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں یا نہیں۔" (اشعۃ اللمعات، ج1،ص716،مکتبہ نوریہ رضویہ،سکھر)

شیخ الاسلام فرماتے ہیں"غرائب اور خزانہ میں منقول ہے کہ مومنین کی روحیں ہر شب جمعہ،روز عید،روز عاشورہ،اور شب برات کو اپنے گھر آ کر باہر کھڑی رہتی ہیں اور ہر روح غمناک بلند آواز سے ندا کرتی ہے کہ اے میرے گھر والو،اے میری اولاد،اے میرے قرابت دارو! صدقہ کر کے ہم پر مہربانی کرو۔" (کشف الغطاء ،ص66،فصل احکام دعا و صدقہ)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں((ان الدنیا جنۃ الکافر وسجن المؤمن، وانما مثل المؤمن حین تخرج نفسہ کمثل رجل کان فی السجن فاخرج منہ فجعل یتقلب فی الارض یتفسح فیہا)) بیشک دنیا کافر کی بہشت اور مسلمان کا قید خانہ ہے،جب مسلمان کی جان نکلتی ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص زندان میں تھا اب آزاد کر دیا گیا تو زمین میں گشت کرنے اور بافراغت چلنے پھرنے لگا۔ (کتاب الزہد لابن المبارک،ص211،دار الکتب العلمیہ،بیروت)

حضرت سلمان فارسی وعبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہما باہم ملے،ایک نے دوسرے سے کہا کہ اگر مجھ سے پہلے انتقال کرو تو مجھے خبر دینا کہ وہاں کیا پیش آیا،کہا کیا زندے اور مردے بھی ملتے ہیں؟ کہا((نعم اما المومنون فان ارواحھم فی الجنۃ وھی تذھب حیث شاءت)) ہاں مسلمان کی روحیں تو جنت میں ہوتی ہیں انھیں اختیار رہتا ہے جہاں چاہیں جائیں۔

(شعب الایمان،ج2،ص121،دار الکتب العلمیہ،بیروت)

مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی (فرماتے ہیں کہ) مجھے حدیث پہنچی ہے کہ((ان ارواح المومنین مرسلۃ تذھب حیث شاءت)) مسلمانوں کی روحیں آزاد ہیں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں۔ (شرح الصدور،ص98،خلافت اکیڈمی منگورہ،سوات)

خزانۃ الروایات میں ہے عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ((اذا کان یوم عید اویوم جمعۃ اویوم عاشوراء ولیلۃ النصف من الشعبان تاتی ارواح الاموات ویقومون علی ابواب بیوتھم فیقولون ھل من احد یذکرنا ھل من احد یترحم علینا ھل من احد یذکر غربتنا)) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے جب عید یا جمعہ یا عاشورہ کا دن یا شبِ برات ہوتی ہے اموات کی روحیں آ کر اپنے گھروں کے دروازوں پر کھڑی ہوتی اور کہتی ہیں: ہے کوئی کہ ہمیں یاد کرے، ہے کوئی کہ ہم پر ترس کھائے، ہے کوئی کہ ہماری غربت کی یاد دلائے۔ (خزانۃ الروایات)

(امام اہلسنت علیہ الرحمہ مزید دلائل دینے کے بعد فرماتے ہیں):بالجملہ یہ مسئلہ نہ بابِ عقائد سے نہ بابِ احکامِ حلال وحرام سے،اسے جتنا ماننا چاہئے کہ اس کے لیے اتنی سندیں کافی ووافی،منکر اگر صرف انکارِ یقین کرے یعنی اس پر جزم ویقین نہیں تو ٹھیک

ہے، اور عامہ مسائل سیر و مغازی و اخبار و فضائل ایسے ہی ہوتے ہیں، اس کے باعث وہ مردود نہیں قرار پاسکتے، اور اگر دعوی نفی کرے یعنی کہے مجھے معلوم و ثابت ہے کہ روحیں نہیں آتیں تو جھوٹا کذاب ہے، بالفرض اگر ان روایات سے قطع نظر بھی تو غایت یہ کہ عدمِ ثبوت ہے نہ ثبوتِ عدم، اور بے دلیل عدم (عدم کی دلیل نہ وہوتے ہوئے) ادعائے عدم (عدم کا دعوی کرنا) محض تحکم وستم (زبردستی حکم لگانا اور ظلم ہے)، آنے کے بارے تو اتنی کتبِ علماء کی عبارات، اتنی روایات بھی ہیں نفی و انکار کے لیے کون سی روایت ہے؟ کس حدیث میں آیا کہ روحوں کا آنا باطل و غلط ہے؟ تو ادعائے بے دلیل محض باطل و ذلیل۔ (ص649تا656)

موت کی حقیقت

سوال: مرنے کے بعد میّت کو اپنے عزیزوں سے کس طرح تعلقات رہتے ہیں؟

جواب: موت فنائے روح نہیں، بلکہ وہ جسم سے روح کا جدا ہونا ہے، روح ہمیشہ زندہ رہتی ہے، حدیث میں ہے ((انما خلقتم للابد)) تم ہمیشہ زندہ رہنے کے لیے بنائے گئے، تو جیسے تعلقات حیات دنیوی میں تھے اب بھی رہتے ہیں۔ حدیث میں فرمایا کہ "ہر جمعہ کو ماں باپ پر اولاد کے ایک ہفتہ کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں، نیکیوں پر خوش ہوتے ہیں، برائیوں پر رنجیدہ ہوتے ہیں، تو اپنے گزرے ہوؤں کو رنجیدہ نہ کرو، اے اللہ کے بندو!۔" (ص657)

سوال: عزیزوں پر جو اثر ہوتا ہے کیا اس کا اثر میّت پر بھی ہوتا ہے؟

جواب: عزیزوں کو اگر تکلیف پہنچتی ہے اس کا ملال میّت کو بھی ہوتا ہے، اموات پر رونے کی ممانعت میں فرمایا کہ جب تم روتے ہو مردہ بھی رونے لگتا ہے، تو اسے غمگین نہ کرو۔ (ص658)

روح اور بدن دونوں کو عذاب ہوگا

سوال: عذاب و ثواب کی کیا شکل ہے جبکہ انسان خاک میں مل جاتا ہے؟

جواب: انسان کبھی خاک نہیں ہوتا بدن خاک ہوجاتا ہے، اور وہ بھی کل نہیں، کچھ اجزائے اصلیہ دقیقہ جن کو عجب الذنب کہتے ہیں وہ نہ جلتے ہیں نہ گلتے ہیں ہمیشہ باقی رہتے ہیں، انھیں پر روزِ قیامت ترکیب جسم ہوگی، عذاب و ثواب روح و جسم دونوں کے لیے ہے۔ جو فقط روح کے لیے مانتے ہیں گمراہ ہیں، روح بھی باقی اور جسم کے اجزائے اصلی بھی باقی، اور جو خاک ہوگئے وہ بھی فنائے مطلق نہ ہوئے، بلکہ تفرقِ اتصال ہوا اور تغیرِ ہیات، پھر استحالہ کیا ہے۔ حدیث میں روح و جسم دونوں کے معذب (عذاب میں مبتلا) ہونے کی یہ مثال ارشاد فرمائی کہ ایک باغ ہے اس کے پھل کھانے کی ممانعت ہے۔ ایک لنجھا ہے کہ پاؤں نہیں رکھتا اور آنکھیں ہیں وہ اس باغ کے باہر پڑا ہوا ہے، پھلوں کو دیکھتا ہے مگر ان تک جانہیں سکتا، اتنے میں ایک اندھا آیا اس لنجھے نے اس سے کہا: تو مجھے اپنی گردن پر بٹھا کر لے چل، میں تجھے رستہ بتاؤں گا، اس باغ کا میوہ ہم تم دونوں کھائیں گے،

یوں وہ اندھا اس لنجھے کو لے گیا اور میوے کھائے، دونوں میں کون سزا کا مستحق ہے؟ دونوں ہی مستحق ہیں، اندھا اسے نہ لے جاتا تو وہ نہ جاسکتا، اور لنجھا اسے نہ بتاتا تو وہ نہ دیکھ سکتا، وہ لنجھا روح ہے کہ ادراک رکھتی ہے اور افعالِ جوارح نہیں کرسکتی۔ اور وہ اندھا بدن ہے کہ افعال کرسکتا ہے اور ادراک نہیں رکھتا۔ دونوں کے اجتماع سے معصیت ہوئی دونوں ہی مستحقِ سزا ہیں۔ (ص658)

مرنے کے بعد روح کہاں رہتی ہے؟

سوال: روح کا مقام مرنے کے بعد کہاں ہے؟

جواب: روح کا مقام بعدِ موت حسبِ مراتب مختلف ہے۔ مسلمانوں میں بعض کی روحیں قبر پر رہتی ہیں اور بعض کی چاہِ زمزم میں اور بعض کی آسمان وزمین کے درمیان، اور بعض آسمانِ اول دوم ہفتم تک، اور بعض اعلیٰ علیین میں، اور بعض سبز پرندوں کی شکلیں میں زیرِ عرش نور کی قندیلوں میں، کفار میں بعض کی روحیں چاہ وادیٔ برہوت میں، بعض کی زمین دوم سوم ہفتم تک، بعض سجین میں۔ (ص658)

سوال: خواب میں اپنے کسی مرحوم عزیز کو دیکھتے ہیں، کیا اس کا اثر مرحوم پر بھی پڑتا ہے یا نہیں؟

جواب: کبھی پڑتا ہے کبھی نہیں، دونوں قسم کے خواب شرح الصدور میں مذکور ہیں۔ (ص658)

سوال: روح کیا چیز ہے؟ اکثر سنا گیا ہے کہ روح تمام دنیاوی کیفیات کا ادراک ہر وقت بعد موت کرتی ہے۔

جواب: روح میرے رب کے حکم سے ایک شے ہے اور تمہیں علم نہ دیا گیا مگر تھوڑا، روح کے ادراکات علم وسمع وبصر باقی رہتے ہیں، بلکہ پہلے سے بھی زائد ہو جاتے ہیں۔ (ص658)

سوال: اگر قبر پر کوئی شخص جائے تو اس کا علم میّت کو ہوتا ہے؟

جواب: قبر پر آنے والے کو میّت دیکھتا ہے، اس کی بات سنتا ہے۔ اگر زندگی میں پہچانتا تھا اب بھی پہچانتا ہے اگر اس کا عزیز یا دوست ہے تو اس کے آنے سے انس حاصل کرتا ہے، یہ سب باتیں احادیث، اقوال ائمہ میں مصرح اور اہلسنت کا اعتقاد ہیں۔ (ص658)

شبِ جمعہ اور رمضان میں مرنے والا عذابِ قبر سے محفوظ رہتا ہے

سوال: جو جمعرات کو انتقال کرے کیا وہ عذابِ قبر سے محفوظ ہو جاتا ہے؟

جواب: جمعرات کے لیے کوئی حکم نہیں آیا، شب جمعہ اور رمضان مبارک میں ہر روز کے واسطے یہ حکم ہے کہ جو مسلمان ان میں مرے گا سوالِ نکیرین وعذابِ قبر سے محفوظ رہے گا واللہ اکرم ان یعفو من شیء ثم یعود فیھا اللہ اس سے زیادہ کریم ہے کہ ایک شے کو معاف فرما کر پھر اس پر مواخذہ کرے۔ (ص659)

سوال: ایک شخص نے آج یہ بیان کیا کہ ایک نام کے دو آدمی ہوں تو ایسا ہو جاتا ہے کہ بجائے اس کے کہ جس کی قضا آئی ہو دوسرے آدمی کی فرشتے روح قبض کر لیتے ہیں، اور یہ بھی بیان کیا کہ یہ وقوعہ میرے روبرو کا ہے کہ ایک کی جان قبض کر لی

گئی اور چند منٹوں کے بعد وہ زندہ ہو گیا اور اس نام کا اس محلّہ کے قریب ایک شخص تھا وہ مر گیا، جو شخص اول مر گیا تھا جب اس سے حال دریافت کیا تو اس نے بہت کچھ قصہ بیان کیا۔اس کے بارے میں کیا حکم صادر فرماتے ہیں؟

جواب: یہ محض غلط ہے، اللہ کے فرشتے اس کے حکم میں غلطی نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ویفعلون مایؤمرون﴾ فرشتے وہ کرتے ہیں جو انھیں حکم ہوتا ہے۔ (ص659)

دعوتِ میت

ایک قبیح رسم کے بارے میں سوال جواب

سوال: اکثر جگہوں پر یہ رسم ہے کہ میّت کے روزِ وفات سے اس کے اعزہ و اقارب و احباب کی عورات اس کے یہاں جمع ہوتی ہیں، اس اہتمام کے ساتھ جو شادیوں میں کیا جاتا ہے۔ پھر کچھ دوسرے دن اکثر تیسرے دن واپس آتی ہیں، بعض چالیس دن تک بیٹھتی ہیں، اس مدتِ اقامت میں عورات کے کھانے پینے، پان چھالیا کا اہتمام اہلِ میت کرتے ہیں جس کے باعث ایک صرفِ کثیر کے زیرِ بار ہوتے ہیں، اگر اس وقت ان کا ہاتھ خالی ہو تو اس ضرورت سے قرض لیتے ہیں، یوں نہ ملے تو سودی قرض نکلواتے ہیں، اگر نہ کریں تو مطعون و بدنام ہوتے ہیں، یہ شرعاً جائز ہے یا کیا حکم ہے؟

جواب: سبحان اللہ، اے مسلمان! یہ پوچھتا ہے جائز ہے یا کیا؟ یوں پوچھو کہ یہ ناپاک رسم کتنے قبیح اور شدید گناہوں سخت و شنیع خرابیوں پر مشتمل ہے۔

اولاً یہ دعوت خود ناجائز و بدعت شنیعہ قبیحہ ہے۔ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی فرماتے ہیں "کنا نعد الاجتماع الی اھل المیّت وصنعۃ الطعام من النیاحۃ" ہم گروہِ صحابہ اہلِ میّت کے یہاں جمع ہونے اور ان کے کھانا تیار کرانے کو مردے کی نیاحت (نوح کرنے) سے شمار کرتے تھے۔" (مسند احمد بن حنبل، ج2، ص204، دار الفکر، بیروت)

امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں "یکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اھل المیّت لا نہ شرع فی السرور لافی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ" اہلِ میّت کی طرف سے کھانے کی ضیافت تیار کرنی منع ہے کہ شرع نے ضیافت خوشی میں رکھی ہے نہ کہ غمی میں، اور یہ بدعت شنیعہ ہے۔ (فتح القدیر، ج2، ص102، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

ثانیاً غالباً ورثہ میں کوئی یتیم یا اور بچہ نابالغ ہوتا ہے، یا اور ورثہ موجود نہیں ہوتے، نہ ان سے اس کا اذن لیا جاتا ہے، جب تو یہ امر سخت حرام شدید پر متضمن ہوتا ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے ﴿ان الذین یاکلون اموال الیتامٰی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا وسیصلون سعیرا﴾ بیشک جو لوگ یتیموں کے مال ناحق کھاتے ہیں بلاشبہ وہ اپنے پیٹوں میں

انگارے بھرتے ہیں، اور قریب ہے کہ جہنم کے گہراؤ میں جائیں گے۔

مالِ غیر میں بے اذنِ غیر تصرف خود ناجائز ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل﴾ اپنے مال آپس میں ناحق نہ کھاؤ۔

خصوصاً نابالغ کا مال ضائع کرنا جس کا اختیار نہ خود اسے ہے نہ اس کے باپ نہ اسے کے وصی کو۔ اور اگر ان میں کوئی یتیم ہوا تو آفت سخت تر ہے، والعیاذ باللہ رب العالمین ۔

ہاں اگر محتاجوں کے دینے کو کھانا پکوائیں تو حرج نہیں بلکہ خوب ہے، بشرطیکہ یہ کوئی عاقل بالغ اپنے مال خاص سے کرے یا ترکہ سے کریں، تو سب وارث موجود و بالغ وراضی ہوں، خانیہ و بزازیہ و تتارخانیہ و ہندیہ میں ہے "ان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا اذا کانت الورثۃ بالغین وان کان فی الورثہ صغیر لم یتخذوا ذلک من الترکۃ "اگر فقراء کے لیے کھانا پکوائے تو اچھا ہے جب کہ سب ورثہ بالغ ہوں، اور اگر کوئی وارث نابالغ ہو تو یہ ترکہ سے نہ کریں۔ (فتاوٰی ہندیہ، ج5، ص344، نورانی کتب خانہ، پشاور)

ثالثاً یہ عورتیں کہ جمع ہوتی ہیں افعالِ منکرہ کرتی ہیں، مثلاً چلّا کر رونا پیٹنا، بناوٹ سے منہ ڈھانکنا، الٰی غیر ذلک، اور یہ سب نیاحت (نوح کرنا) ہے اور نیاحت حرام ہے، ایسے مجمع کے لیے میّت کے عزیزوں اور دوستوں کو بھی جائز نہیں کہ کھانا بھیجیں کہ گناہ کی امداد ہوگی۔۔ نہ کہ اہلِ میّت کا اہتمامِ طعام (کھانے کا انتظام) کرنا کہ سرے سے ناجائز ہے، تو اس ناجائز مجمع کے لئے ناجائز تر ہوگا۔

رابعاً اکثر لوگوں کو اس رسمِ شنیع کے باعث اپنی طاقت سے زیادہ ضیافت کرنی پڑتی ہے، یہاں تک کہ میّت والے بیچارے اپنے غم کو بھول کر اس آفت میں مبتلا ہوتے ہیں کہ اس میلے کے لیے کھانا، پان چھالیا کہاں سے لائیں اور بارہا ضرورت قرض لینے کی پڑتی ہے، ایسا تکلف شرع کو کسی امرِ مباح کے لیے بھی زنہار (ہرگز) پسند نہیں، نہ کہ ایک رسمِ ممنوع کے لیے، پھر اس کے باعث جو دقتیں پڑتی ہیں خود ظاہر ہیں پھر اگر قرض سودی ملا تو حرام خالص ہوگیا، اور معاذ اللہ لعنت الٰہی سے پورا حصہ ملے کہ بے ضرورتِ شرعیہ سود دینا بھی سود لینے کی طرح باعثِ لعنت ہے، جیسا کہ صحیح حدیث میں فرمایا۔ غرض اس رسم کی شناعت و ممانعت میں شک نہیں، اللہ عزوجل مسلمانوں کو توفیق بخشے کہ قطعاً ایسی رسوم شنیعہ جن سے ان کے دین و دنیا کا ضرر ہے ترک کردیں، اور طعن بیہودہ کا لحاظ نہ کریں۔

تنبیہ: اگرچہ صرف ایک دن یعنی پہلے ہی روز عزیزوں کو ہمسایوں کو مسنون ہے کہ اہل میّت کے لیے اتنا کھانا پکوا کر بھیجیں جسے وہ دو وقت کھا سکیں اور باصرار انھیں کھلائیں، مگر یہ کھانا صرف اہل میّت ہی کے قابل ہونا سنت ہے۔ اس میلے کے لیے بھیجنے کا ہرگز حکم نہیں اور ان کے لیے بھی فقط روزِ اول کا حکم ہے آگے نہیں۔ (ص661تا666)

طعامِ میّت دل کو مردہ کردیتا ہے

سوال: مقولہ طعام المیّت یمیت القلب طعامِ میّت دل کو مردہ کردیتا ہے، کیا مستند قول ہے۔ اور اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: یہ تجربہ کی بات ہے اور اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ جو طعام میت کے متمنی رہتے ہیں ان کا دل مرجاتا ہے، ذکر وطاعت الٰہی کے لیے حیات وچستی اس میں نہیں رہتی کہ وہ اپنے پیٹ کے لقمہ کے لیے موتِ مسلمین کے منتظر رہتے ہیں اور کھانا کھاتے وقت موت سے غافل اور اس کی لذت میں شاغل۔ (ص 667)

سوال: اگر کوئی شخص مرے اور اس کے گھر والے چہلم وغیرہ کا کھانا پکائیں، اور فقیر وغنی، برادری اور غیر برادری سب کو کھلائیں، تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: عرف پر نظر شاہد (لوگوں کے معمول پر نظر ڈالنا اس بات کا گواہ ہے) کہ چہلم وغیرہ کے کھانے پکانے سے لوگوں کا اصل مقصود میّت کو ثواب پہنچانا ہوتا ہے، اسی غرض سے یہ فعل کرتے ہیں، ولہٰذا اسے فاتحہ کا کھانا چہلم کی فاتحہ وغیرہ کہتے ہیں، شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر فتح العزیز میں فرماتے ہیں ''وارد ہے کہ مردہ اس حالت میں کسی ڈوبنے والے کی طرح فریادرسی کا منتظر ہوتا ہے اور اس وقت میں صدقے، دعائیں اور فاتحہ اسے بہت کام آتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ لوگ مرنے سے ایک سال تک خصوصاً چالیس دن تک اس طرح مدد پہنچانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔'' (تفسیر عزیزی، ص 602، مسلم بک ڈپو، دہلی)

اور شک نہیں کہ اس نیت سے جو کھانا پکایا جائے مستحسن ہے اور عند التحقیق صرف فقراء ہی پر تصدق میں ثواب نہیں بلکہ اغنیاء پر بھی مورثِ ثواب (باعثِ ثواب) ہے، حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((فی کل ذات کبد رطبة اجر)) ہر گرم جگر میں ثواب ہے، یعنی جو زندہ کو کھانا کھلائے گا، پانی پلائے گا ثواب پائے گا۔ (سنن ابن ماجہ، ص 270، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ((فیما یاکل ابن آدم اجر وفیما یاکل السبع اوالطیر اجر)) جو کچھ آدمی کھا جائے اس میں ثواب ہے اور جو درندہ کھا جائے اس میں ثواب ہے جو پرندکو پہنچے اس میں ثواب ہے۔
(مستدرک علی الصحیحین، ج 4، ص 133، دار الفکر، بیروت)

ردالمحتار میں ہے ''صرح فی الذخیرۃ فیھا ولو علی غنی لان المقصود فیھا الفقیر'' ذخیرہ میں صراحت ہے کہ غنی پر صدقہ کرنا ایک طرح کی قربت ہے جس کا درجہ فقیر پر تصدق کی قربت سے کم ہے۔ (ردالمحتار، ج 3، ص 357، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اور مدارِ کار نیت پر ہے انما الاعمال بالنیات تو جو کھانا فاتحہ کے لیے پکایا گیا ہے بلاتے وقت اسے بلفظِ دعوت تعبیر کرنا اس نیت کو باطل نہ کرے گا، جیسے کسی نے اپنے محتاج بھائی بھتیجوں کو عید کے کچھ روپیہ دل میں زکوٰۃ کی نیت اور زبان سے عیدی کا نام کر کے دیئے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، عیدی کہنے سے وہ نیت باطل نہ ہوگی۔

معہذا (اس کے ساتھ ساتھ) اپنے قریبوں عزیزوں کے مواسات بھی صلۂ رحم وموجبِ ثواب ہے، اگرچہ وہ اغنیاء ہوں۔ اور آدمی جس امر پر خود ثواب پائے وہ کوئی فعل ہو اس کا ثواب میت کو پہنچا سکتا ہے۔ کچھ خاص تصدق ہی کی تخصیص

نہیں۔۔ یوں بھی اس نیتِ محمودہ میں کچھ خلل نہیں اگر چہ افضل وہی تھا کہ صرف فقراء پر تصدق کرتے کہ جب مقصود ایصالِ ثواب تو وہی کام مناسب تر جس میں ثواب اکثر و وافر، پھر بھی اصل مقصود مفقود نہیں، جبکہ نیت ثواب پہنچانا ہے۔

ہاں جسے یہ مقصود ہی نہ ہو بلکہ دعوت و مہمان داری کی نیت سے پکائے، جیسے شادیوں کا کھانا پکاتے ہیں تو اسے بے شک ثواب سے کچھ علاقہ نہیں، نہ ایسی دعوت شرع میں پسند نہ اس کا قبول کرنا چاہئے کہ ایسی دعوتوں کا محل شادیاں ہیں نہ کہ غمی۔ ولہٰذا علماء فرماتے ہیں کہ یہ بدعت سیہ (بری بدعت) ہے، جس طرح میّت کے یہاں روزِ موت سے عورتیں جمع ہوتی ہیں اور ان کے کھانے دانے، پان چھالیا کا اہتمام میّت والوں کو کرنا پڑتا ہے، وہ کھانا فاتحہ وایصال ثواب کا نہیں ہوتا بلکہ وہی دعوت و مہمان داری ہے کہ غمی میں جس کی اجازت نہیں۔

یوں ہی چہلم یا برسی یا ششماہی پر کھانا بے نیتِ ایصالِ ثواب محض ایک رسمی طور پر پکاتے اور شادیوں کی بھاجی کی طرح برادری میں بانٹتے ہیں، وہ بھی بے اصل ہے، جس سے احتراز چاہیے۔

خصوصاً جب اس کے ساتھ ریاء و تفاخر مقصود ہو کہ جب تو اس فعل کی حرمت میں اصلاً کلام نہیں۔ اور حدیث صحیح میں ہے ((نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم عن طعام المتباریین ان یوکل)) یعنی جو کھانے تفاخر و ریاء کے لیے پکائے جاتے ہیں ان کے کھانے سے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ (المستدرک علی الصحیحین، ج4، ص129، دار الفکر، بیروت)

مگر بے دلیلِ واضح کسی مسلمان کا یہ سمجھ لینا کہ یہ کام اس نے تفاخر و ناموری کے لیے کیا ہے جائز نہیں کہ قلب کا حال اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور مسلمان پر بدگمانی حرام۔

ھذا ھو بحمد اللّٰہ القول الوسط لاوکس فیہ ولا شطط وان خالف من فرط فی الباب و افرط ترجمہ: یہ بحمد اللہ درمیانی قول ہے جس میں نہ کمی ہے نہ زیادتی، اگر چہ اس باب میں تفریط اور افراط کرنے والوں کے خلاف ہو۔ (ص668تا672)

سوال: میّت کے گھر کا کھانا، جو اہل میّت سوم تک بطور مہمانی کے پکاتے ہیں اس کا اور سوم کے چنوں بتاشوں کا لینا کیسا ہے؟

جواب: میّت کے گھر کا وہ کھانا تو البتہ بلاشبہ ناجائز ہے جیسا کہ فقیر نے اپنے فتوے میں مفصلاً بیان کیا، اور سوم کے چنے بتاشے کہ بغرض مہمانی نہیں منگائے جاتے بلکہ ثواب پہنچانے کے قصد سے ہوتے ہیں، یہ اس حکم میں داخل نہیں، نہ میرے اس فتوے میں ان کی نسبت کچھ ذکر ہے۔ یہ اگر مالک نے صرف محتاجوں کے دینے کے لیے منگائے اور یہی اس کی نیت ہے تو غنی کو ان کا بھی لینا ناجائز، اور اگر اس نے حاضرین پر تقسیم کے لیے منگائے تو اگر غنی بھی لے لے گا تو گنہگار نہ ہوگا، اور یہاں بحکمِ عرف و رواج عام حکم یہی ہے کہ وہ خاص مساکین کے لیے نہیں ہوتے تو غنی کو بھی لینا ناجائز نہیں، اگر چہ احتراز زیادہ پسندیدہ، اور اسی پر ہمیشہ سے اس فقیر کا عمل ہے۔ (ص672)

سوال: ہندہ نے اپنی موت اپنی حیات میں کر دی ہے یعنی اپنی موت کا کھانا اپنی زندگی میں پکایا تو اس کے بارے میں کیا احکام ہیں؟

جواب: میت کے یہاں جولوگ جمع ہوتے ہیں اوران کی دعوت کی جاتی ہے اس کھانے کی تو ہر طرح ممانعت ہے، اور بغیر دعوت کے جمعراتوں، چالیسویں، چھ ماہی، برسی میں جو بھاجی کی طرح اغنیاء کو بانٹا جاتا ہے وہ بھی اگرچہ بے معنی ہے مگر اس کا کھانا منع نہیں، بہتر یہ ہے کہ غنی نہ کھائے اور فقیر کو تو کچھ مضائقہ نہیں کہ وہی اس کے مستحق ہیں، اوران سب احکام میں وہ جس نے اپنی موت اپنی حیات میں کردی اور جس نے نہ کی سب برابر ہیں۔ (ص673)

سوال: گھر میں موت ہوجائے تو اپنا کھانا کھانے کی ممانعت کتنے دن ہے؟ اور کیا چالیس دن کے بعد بھی جمعراتیں ہوسکتی ہیں؟

جواب: اپنی یہاں موت ہوجائے تو اپنا کھانا کھانے کی کسی کو ممانعت نہیں اور چالیس دن کے بعد بھی جمعراتیں ہوسکتی ہیں، اللہ کے لیے فقیروں کو جب اور جو کچھ دے ثواب ہے۔ (ص673)

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ غیر خدا کو نافع (نفع دینے والا) اور ضار (نقصان پہنچانے والا) سمجھنا شرک ہے۔

جواب: غیر خدا کو کسی طرح نافع یا ضار جاننا مطلقاً شرک ہے یا خاص اس صورت میں کہ اسے نفع وضرر میں مستقل بالذات مانے۔

بر تقدیر اول یہ وہ شرک ہے جس سے عالم میں کوئی محفوظ نہیں، جہاں شہد کو نافع اور زہر کو مضر جانتا ہے، سچے دوست سے نفع کی امید، پکے دشمن سے ضرر کا خوف رکھتا ہے، عالم کی خدمت، حاکم کی اطاعت اسی لیے کرتے ہیں کہ دینی یا دنیاوی نفع کی توقع ہے، مخالفِ مذہب سے احتیاط، سانپ سے احتراز اسی لیے رکھتے ہیں کہ روحانی یا جسمانی ضرر کا اندیشہ ہے۔ خود قرآن عظیم ارشاد فرماتا ہے ﴿اباؤکم وابناؤکم لاتدرون ایھم اقرب لکم نفعا﴾ تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے تم نہیں جانتے ان میں کون تمھیں نفع دینے میں زیادہ نزدیک ہے۔

اور فرماتا ہے ﴿وماھم بضارین بہ من احد الا باذن اللہ﴾ اور وہ اس سے کسی کو ضرر نہ پہنچائیں گے بے حکم خدا کے۔

صحیح مسلم شریف میں جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ)) تم میں جو اپنے بھائی مسلمان کو نفع دے سکے نفع دے۔ (صحیح مسلم، ج2، ص224، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

بر تقدیر ثانی (یعنی غیر خدا کو مستقل بالذات نفع وضرر کا مالک سمجھنا) واقع ونفس الامر اس گمان کے خلاف پر شاہد عادل (یعنی مسلمان غیر خدا کو خدا کی عطا ہی سے نفع وضرر کا مالک سمجھتے ہیں)۔ (ص692)

<u>کسی سے دعا کے لئے کہنا احادیث سے ثابت ہے</u>

سوال: کسی سے دعا کے لئے کہنا کیسا؟

جواب: خود مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دعا چاہی جب وہ مکہ معظمہ جاتے تھے، ارشاد فرمایا ((لاتنسنا یا اخی من دعائک)) اے بھائی! اپنی دعا میں ہمیں نہ بھول جانا۔ (سنن ابی داؤد، ج1، ص210، آفتاب عالم پریس، لاہور)

احمد و ابن ماجہ کی روایت میں ہے۔ فرمایا ((اشرکنا یا اخی فی صالح دعائک ولاتنسنا)) بھائی! اپنی نیک دعا میں

ہمیں بھی شریک کر لینا اور بھول نہ جانا۔ (سنن ابن ماجہ، ص213، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

امام احمد عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ((اذا لقیت الحاج فسلم علیہ وصافحہ ومرہ ان یستغفرلک قبل ان یدخل بیتہ فانہ مغفورلہ)) جب تو حاجی سے ملے سلام ومصافحہ کر اور قبل اس کے کہ وہ اپنے گھر میں جائے اپنی مغفرت کی دعا اس سے منگوا کہ وہ بخشا ہوا ہے۔ (مسند احمد بن حنبل، ج2، ص69، دار الفکر، بیروت)

حضور نے اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر کر کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حکم دیا ((فمن لقیہ منکم فلیستغفرلکم)) تم میں جو اسے پائے اپنے لیے اس سے دعائے بخشش کرائے۔ (صحیح مسلم، ج2، ص311، قدیمی کتب خانہ، کراچی)(ص693)

سوال: کیا کسی روایت میں صاحبِ مزار سے طلبِ دعا کرنا آیا؟

جواب: امام ابوبکر بن ابی شیبہ استاذِ امام بخاری ومسلم اپنے مصنف اور امام بیہقی دلائل النبوۃ میں روایت کرتے ہیں ((قال اصاب الناس قحط فی زمن عمر بن الخطاب فجاء رجل الی قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ استسق اللہ لامتک فانھم قدھلکوا فاتاہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی المنام فقیل لہ ائت عمر فاقرأہ السلام واخبرہ انکم مستقیون)) یعنی عہد معدلت مہد فاروقی میں ایک بار قحط پڑا۔ ایک صاحب یعنی حضرت بلال بن حارث مزنی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مزار اقدس حضور ملجاء بیکساں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حاضر ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ! اپنی امت کے لیے اللہ تعالیٰ سے پانی مانگئے کہ وہ ہلاک ہوئے جاتے ہیں، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان صحابی کے خواب میں تشریف لائے اور ارشاد فرمایا عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے پاس جا کر اسے سلام پہنچا اور لوگوں کو خبر دے کہ پانی آیا چاہتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج12، ص32، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی)

امام قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں اس کے صحیح ہونے کی تصریح فرمائی۔ (ص695)

مردوں کا سننا اور دیکھنا اور ان کو نداء کرنا

مردوں کے نہ سنانے والی آیت کے جوابات

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ مردے نہیں سنتے، اور دلیل کے طور پر یہ آیتِ پاک پیش کرتے ہیں ﴿انک لاتسمع الموتیٰ﴾ بے شک تم مردوں کو نہیں سنا سکتے۔

جواب: (اس کا جواب تین طرح سے ہے:)

جواب اوّل: آیت کا صریح منطوق (ظاہری لفظ) نفیِ اسماع (سنانا) ہے۔ نہ نفی سماع (سننے کی نفی نہیں)، پھر اسے محل نزاع سے کیا علاقہ۔ نظیر اس کی آیہ کریمہ ﴿انک لا تھدی من احببت﴾ ہے۔

اسی لیے جس طرح وہاں فرمایا ﴿ولکن اللّٰہ یھدی من یشاء﴾ یعنی لوگوں کا ہدایت پانا نبی کی طرف سے نہیں خدا کی طرف سے ہے۔

یونہی یہاں بھی ارشاد ہوا ﴿ان اللّٰہ یسمع من یشاء﴾ (بیشک اللہ جسے چاہتا ہے سناتا ہے) وہی حاصل ہوا کہ اہلِ قبور کا سُننا تمھاری طرف سے نہیں اللہ عزوجل کی طرف سے ہے۔

مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے"الآیۃ من قبیل ﴿انک لا تھدی من احببت ولکن اللّٰہ یھدی من یشاء﴾۔"ترجمہ: یہ آیت اس آیت کی قبیل سے ہے۔ بیشک تم ہدایت نہیں دیتے مگر خدا دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔ (مرقاۃ المصابیح، ج7، ص591، مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ)

جواب دوم: نفی سماع ہی مانو تو یہاں سے سماع قطعاً بمعنی سمعِ قبول وانتفاع ہے، باپ اپنے عاق بیٹے کو ہزار بار کہتا ہے، وہ میری نہیں سنتا۔ کسی عاقل کے نزدیک اس کے یہ معنی نہیں کہ حقیقۃً کان تک آواز نہیں جاتی۔ بلکہ صاف یہی کہ سنتا تو ہے، مانتا نہیں، اور سننے سے اسے نفع نہیں ہوتا، آیہ کریمہ میں اسی معنے کے ارادہ پر ہدایت شاہد کہ کفار سے انتفاع (نفع) ہی کا انتفا (نفی) ہے نہ کہ اصل سماع کا۔ خود اسی آیہ کریمہ ﴿انک لا تسمع الموتٰی﴾ کے تتمہ میں ارشاد فرماتا ہے عزوجل ﴿ان تسمع الامن یو من بایٰتنا فھم مسلمون﴾ تم نہیں سناتے مگر انھیں جو ہماری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں تو وہ فرمانبردار ہیں۔

اور پُر ظاہر کہ پند ونصیحت سے نفع حاصل کا وقت یہی زندگی دنیا ہے، مرنے کے بعد نہ کچھ ماننے سے فائدہ نہ سننے سے حاصل، قیامت کے دن سبھی کافر ایمان لے آئیں گے، پھر اس سے کیا کام۔۔ تو حاصل یہ ہوا کہ جس طرح اموات کو وعظ سے انتفاع نہیں، یہی حال کافروں کا ہے کہ لاکھ سمجھائیے نہیں مانتے۔ امام ابوالبرکات نسفی نے تفسیر مدارک التنزیل میں زیر آیہ سورہ فاطر میں فرمایا"شبہ الکفار بالموتی حیث لا ینتفعون بمسموعھم "کفار کو مُردوں سے تشبیہ دی اس لحاظ سے کہ وہ جو سنتے ہیں اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ (تفسیر مدارک التنزیل، ج3، ص339، دارالکتاب العربیہ، بیروت)

جواب سوم: مانا کہ اصل سماع ہی منفی مگر کس سے، موتی سے، موتی کون ہے؟ ابدان، کہ روح تو کبھی مرتی ہی نہیں، اہل سنت وجماعت کا یہی مذہب ہے۔۔ ہاں کسی سے نفی فرمائی؟ من فی القبور سے یعنی جو قبر میں ہے۔ قبر میں کون ہے؟ جسم کہ روحیں تو علیّین یا جنّت یا آسمان یا چاہِ زمزم وغیرہا مقامات عزوکرام میں ہیں، جس طرح ارواحِ کفار سجین یا نار یا چاہ وادیٔ برہوت وغیرہا مقامات ذلت وآلام میں۔ امام سبکی شفاء السقام میں فرماتے ہیں"لاندعی ان الموصوف بالموت موصوف بالسماع انما السماع بعد الموت لحی وھو الروح "ہم یہ دعوٰی نہیں کرتے کہ جو موت سے متصف ہے وہی سننے سے بھی متصف ہے، مرنے کے بعد سننا ایک ذی حیات کا کام ہے جو روح ہے۔ (شفاء السقام، ص209، نوریہ رضویہ، سکھر)

شاہ عبدالقادر صاحب برادر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب موضح القرآن میں زیر کریمہ ﴿وما انت بمسمع من القبور

فرماتے ہیں "حدیث میں آیا ہے کہ مردوں سے سلام علیک کرو، سنتے ہیں، بہت جگہ مردوں کو خطاب کیا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ مردے کی روح سنتی ہے اور قبر میں پڑا ہے دھڑ، وہ نہیں سن سکتا ہے۔ (موضح القرآن، ص 697، ناشران قرآن مجید لمیٹڈ، اردو بازار لاہور)(ص 700)

روح کے ادراک پر دلالت کرنے والی چیزیں

سوال: روح کے لئے کون کون سی چیزیں قرآن وحدیث سے ثابت ہیں کہ جن سے ان کے حیات وادراک پر دلالت ہوتی ہے۔

جواب: (1) بعدِ انتقال عقل وہوش بدستور رہنا۔ (2) روح کا پس ازمرگ آسمانوں پر جانا۔ (3) اپنے رب کے حضور سجدے میں گرنا۔ (4) فرشتوں کو دیکھنا۔ (5) ان کی باتیں سننا۔ (6) ان سے باتیں کرنا۔ (7) اپنے منازل جنّت کا پیشِ نظر رہنا۔ (8) نیک ہمسایوں سے نفع پانا۔ (9) بد ہمسایوں سے ایذا اٹھانا۔ (10) ملائکہ کا ان کے پاس تحفے لانا۔ (11) ان کی مزاج پرسی کو آنا۔ (12) ان کا منتظرِ صدقات رہنا۔ (13) قبر کا ان سے بزبانِ فصیح باتیں کرنا۔ (14) ان کے منتہائے نظر تک وسیع ہونا۔ (15) زندوں کے اعمال انھیں سنائے جانا۔ (16) نیکیوں پر خوش ہونا، بُرائیوں پر غم کرنا۔ (17) پسماندوں کے لیے دعائیں مانگنا۔ (18) ان کے ملنے کا مشتاق رہنا۔ (19) روحوں کا باہم ملنا جلنا۔ (20) ہر گونہ کلام کے دفتر کُھلنا۔ (21) منزلوں کی فصل سے آپس کی ملاقات کو جانا۔ (22) اگلے اموات کا مُردہ نو کے استقبال کو آنا۔ (23) اس کا گزرے قریبوں کو دیکھ کر پہچاننا، ان سے مل کر شاد ہونا۔ (24) ان کا اس سے باقی عزیزوں دوستوں کے حال پوچھنا۔ (25) آپس میں خوبیِ کفن سے مفاخرت کرنا۔ (26) بُرے کفن والے کا ہم چشموں میں شرمانا۔ (27) اپنے اعمال حسنہ یا سیّئہ کو دیکھنا۔ (28) ان کی صحبت سے انس وفرحت یا معاذ اللہ خوف ووحشت پانا۔ (29) عالم دین کا علم شریعت۔ (30) اہلسنت کا مذہب سنّت۔ (31) مسلمان کے دل خوش کرنے والے کا اس سرور وفرحت سے صحبتِ دلکشا رکھنا۔ (32) تالیِ قرآن (قرآن پڑھنے والے) کا قرآن عظیم کی پاکیزہ طلعت سے صحبتِ دلکشا رکھنا۔ (33) دشمنانِ عثمان کا اپنی قبروں میں عیاذاً باللہ دجال پر ایمان لانا۔ (34) نیک بندوں کا خدمتِ اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعباد اللہ الصالحین (اللہ کے نیک بندوں) میں حاضر ہونا۔ (35) اپنی قبور میں نمازیں پڑھنا۔ (36) حج کرنا لبیک کہنا۔ (37) تلاوت قرآن میں مشغول رہنا۔ (38) بلکہ ملائکہ کا انھیں تمام وکمال قرآن عظیم حفظ کرانا۔ (39) اپنے رب جل جلالہ سے باتیں کرنا۔ (40) رب تبارک وتعالیٰ کا ان سے کلامِ جانفزا فرمانا۔ (41) بیل اور مچھلی کا لڑتے ہوئے ان کے سامنے آنا تماشا دیکھ کر جی بہلانا۔ (42) جنّت کی نہروں میں غوطے لگانا۔ (43) جو تلاوت قرآن میں مشغول مرے قرآن عظیم کا ہر وقت ان کی دلجوئی فرمانا، ہر صبح وشام ان کے اہل وعیال کی خبریں انھیں پہنچانا۔ (44) دودھ پیتے شہزادے کا انتقال ہوا، جنت کی دائیاں مقرر ہونا، مدّت رضاعت تمام فرمانا۔ (45) نیکوں کا شوقِ قیامت میں جلدی کرنا۔ (46) بدوں کا نامِ قیامت سے گھبرانا۔ (47) مقتولان راہِ خدا کے دل میں دوبارہ قتل کی

آرزو ہونا۔(48)مسلمانوں کا سبز یا سپید پرندوں کے روپ میں جہاں چاہنا اُڑتے پھرنا۔(49)جنت کے پھل پانی کھانا پینا۔(50)سونے کی قندیلوں میں عرش کے نیچے بسیرالینا۔ اللھم ارزقنا (اے اللہ ہمیں عطا فرما۔)

اوران کے سوا بہت سے امور وارد ہوئے۔جو ان کے علم وادراک وسمع وبصر وکلام سیر وغیرہا صفات واحوال حیات پر برہان ساطع (بلند دلیل)، بلکہ تمام آیات واحادیث عذاب قبر ونعیم قبر اس مدعا پر حجت قاطع (بلکہ وہ تمام آیات اور احادیث جن میں قبر کے اندر عذاب اور نعمتیں ملنے کی خبر ہے وہ اس مدعا یعنی ارواح کے لئے حیات وادراک ہے پر قطعی دلالت کرتی ہیں)۔ (ص703)

مردے کے کلام کرنے اور دیکھنے کا احادیث سے ثبوت

سوال: مردہ کلام کرتا اور دیکھتا ہے،اس بارے میں احادیث بیان فرمادیں۔

جواب: سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں((اذا وصف الجنازہ واحتملھا الرجال علی اعناقھم، فان کانت صالحۃ قالت قدمونی وانکانت غیر صالحۃ قالت لاھلھا یا ویلھا ان تذھبو بھا بسمع صوتھا کل شیء الا الانسان ولو سمع الانسان لصعق)) جب جنازہ رکھا جاتا ہے اور مرد اسے اپنی گردنوں پر اٹھاتے ہیں،اگر نیک ہوتا ہے،کہتا ہے مجھے آگے بڑھاؤ،اور اگر بد ہوتا ہے کہتا ہے ہائے خرابی اس کی کہاں لیے جاتے ہو،ہر شے اس کی آواز سنتی ہے مگر آدمی کہ وہ سُنے تو بیہوش ہو جائے۔ (صحیح البخاری،ج1،ص176،قدیمی کتب خانہ،کراچی)

اگر چہ اہلسنت کا مسلک ہے کہ نصوص ہمیشہ ظاہر پر محمول ہوں گے۔جب تک کہ اس میں محذور نہ ہو۔لہذا ہم اس کلامِ جنازہ کو یوں بھی کلام حقیقی پر محمول کرتے ہیں،مگر بحمداللہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان پچھلے لفظوں سے نص کو مفسر فرمادیا کہ ہر شے اس کی آواز سنتی ہے اب کسی طرح مجالِ تاویل وتشکیک باقی نہ رہی،وللہ الحمد!

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا((ان المیّت یعرف من یغسلہ ویحملہ ومن یکفنہ ومن یدلیہ فی حفرتہ)) بیشک مُردہ پہچانتا ہے اس کو جو اسے غسل دے اور جو اٹھائے اور جو کفن پہنائے اور جو قبر میں اتارے۔ (مسند احمد بن حنبل،ج3،ص3،دارالفکر،بیروت)

سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا((مامن میّت یموتُ الاوھو یعرف غاسلہ ویناشد حاملہ ان کان بُشّر بروح وریحان وجنۃ نعیم ان یجعلہ وان کان بشر بنزل من حمیم وتصلیۃ جحیم ان یحبسہ)) ہر مردہ اپنے نہلانے والے کو پہچانتا اور اٹھانے والے کو قسمیں دیتا ہے اگر اسے آسائش اور پھولوں اور آرام کے باغ کا مژدہ ملا،تو قسم دیتا ہے مجھے جلد لے چل،اور اگر آبِ گرم کی مہمانی اور بھڑکتی آگ میں جانے کی خبر ملتی ہے قسم دیتا ہے مجھے روک رکھ۔ (شرح الصدور،ص39،خلافت اکیڈمی،سوات)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ انھوں نے فرمایا((لا یقبض المومن حتّٰی یری البشرٰی فاذا قبض نادی فلیس فی الدار دابۃ صغیرۃ ولاکبیرۃ الاالله وھی تسمع صوتہ الاّ الثقلین الجن والانس، تعجلوا بی الٰی ارحم الراحمین

فاذا وضع علی سریرہ قال ما ابطاء ماتمشون)) مسلمانوں کی روح نہیں نکلتی جب تک بشارت نہ دیکھ لے۔ پھر جب نکل چکتی ہے تو ایسی آواز میں جسے انس وجن کے سوا گھر کا ہر چھوٹا بڑا جانور سنتا ہے، ندا کرتی ہے مجھے لے چلو ارحم الراحمین کی طرف، پھر جب جنازے پر رکھتے ہیں کہتی ہے کتنی دیر لگا رہے ہو چلنے میں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج13، ص348، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

ام درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ((ان المیّت اذا وضع علی سریرہ فانہ ینادی یااھلاہ ویاجیراناہ ویا حملۃ سریراہ لاتغرنکم الدنیا کما غرتنی)) بیشک مردہ جب چارپائی پر رکھا جاتا ہے پکارتا ہے اے گھر والو، اے ہمسایو، اے جنازہ اٹھانے والو! دیکھو دنیا تمہیں دھوکا نہ دے جیسا مجھے دیا۔ (شرح الصدور، ص40، خلافت اکیڈمی، سوات) (ص707 تا 710)

اہل مزارات کے ادراک پر احادیث سے ثبوت

سوال: اہل قبور دیکھتے اور ادراک کرتے ہیں، اس بارے میں احادیث بیان فرمادیں۔

جواب: اُم المومنین صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد جو مشکوٰۃ شریف میں بروایت امام احمد منقول اور اسے حاکم نے بھی صحیح مستدرک میں روایت کیا اور بشرط بخاری ومسلم صحیح کہا کہ فرماتیں ((کنت ادخل بیت الذی فیہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم وانی واضع ثوبی واقول انما ھو زوجی وابی فلما دفن عمر معھما فواللہ مادخلتہ الا وانا مشدودۃ علی ثیابی حیاء من عمر)) میں اس مکان جنت آستان میں جہاں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مزارِ پاک ہے یونہی بے لحاظ ستر وحجاب چلی جاتی اور جی میں کہتی وہاں کون ہے، یہی میرے شوہر یا میرے باپ صلی اللہ تعالیٰ علے زوجہا ثم ابیہا ثم علیہا وبارک وسلم۔ جب سے عمر دفن ہوئے خدا کی قسم میں بغیر سراپا بدن چھپائے نہ گئی عمر سے شرم کے باعث رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ص154، مطبع مجتبائی، دہلی)

فرمایئے! اگر اربابِ مزارات کو کچھ نظر نہیں آتا اس شرم کے کیا معنی تھے؟ اور دفن فاروق سے پہلے اس لفظ کا کیا منشاء تھا کہ مکان میں میرے شوہر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا میرے باپ ہی تو ہیں غیر کون ہے!

ابن ابی شیبہ وحاکم حضرت عقبہ بن عامر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ((ما ابالی فی القبور قضیت حاجتی اما فی السوق والناس تنظرون)) یعنی میں ایک سا جانتا ہوں کہ قبرستان میں قضائے حاجت کو بیٹھوں یا بیچ بازار میں کہ لوگ دیکھتے جائیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج3، ص339، ادارۃ القرآن، کراچی)

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ((أنس مایکون المیّت فی قبرہ اذازارہ من کان یحبہ فی دارالدنیا)) قبر میں مردے کا زیادہ جی بہلنے کا وقت وہ ہوتا ہے جب اس کا کوئی پیارا زیارت کو آتا ہے۔ (شرح الصدور، ص85، خلافت اکیڈمی، سوات) (ص713 تا 715)

سوال: زندوں کی بے اعتدالی سے مردوں کو ایذا ہوتی ہے، اس بارے کچھ روایات ارشاد فرمادیں۔

جواب: امام احمد بسند حسن عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے ایک قبر سے تکیہ

لگائے دیکھا، فرمایا ((لا تؤذ صاحب ھذا القبر)) یعنی اس قبر والے کوایذا نہ دے۔ یا فرمایا ((لا تؤذہ)) اسے تکلیف نہ پہنچا۔
(مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ احمد، ج1، ص76، مطبع مجتبائی، دہلی)

ابن ابی الدنیا ابوقلابہ بصری سے راوی، فرماتے ہیں "میں ملک شام سے بصرہ کو جاتا تھا، رات کو خندق میں اترا وضو کیا، دو رکعت نماز پڑھی، پھر ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا، جب جاگا تو صاحب قبر کو دیکھا کہ مجھ سے گلہ کرتا ہے اور کہتا ہے "لقد اذیتنی منذ اللیلۃ" اے شخص تو نے مجھے رات بھر ایذا دی۔ (مجمع الزوائد، ج3، ص61، دار الکتاب، بیروت)

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ((کسر عظم المیّت واذاہ ککسرہ حیا)) مردے کی ہڈی توڑنی اور اسے ایذا دینی ایسی ہے جیسی زندہ کی ہڈی توڑنی۔ (مسند احمد بن حنبل، ج6، ص105، دار الفکر، بیروت)

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ((احسنوا الکفن ولاتؤذوا موتاکم بعویل ولا بتاخیر وصیۃ ولا بقطعیۃ وعجلوا قضاء دینہ واعدلو عن جیران السوء)) کفن اچھا دو اور اپنی میت کو چلا کر رونے یا اس کی وصیت میں دیر لگانے یا قطع رحم کرنے سے ایذا نہ پہنچاؤ اور اس کا قرض جلد ادا کرو اور برے ہمسایہ سے الگ رکھو، یعنی قبورِ کفار و اہل بدعت و فسق کے پاس فن نہ کرو۔ (الفردوس بماثور الخطاب، ج1، ص98، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

ابن ابی شیبہ اپنے مصنف میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، فرماتے ہیں ((اذی المؤمن فی موتہ کاذاہ فی حیاتہ)) مسلمان کو بعدِ موت ایذا دینی ایسی ہے جیسے زندگی میں اسے تکلیف پہنچانی۔

(المصنف لابن ابی شیبہ، ج3، ص367، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی) (ص715 تا 718)

سوال: اہلِ قبور اپنی قبر پر آنے والوں کو پہچانتے ہیں، ان کا سلام سنتے اور جواب دیتے ہیں، اس بارے میں کچھ روایات بیان فرمائیے۔

جواب: حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ((مامن احدیمر بقبر اخیہ المؤمن کان یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الاعرفہ ورد علیہ السلام)) جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی قبر پر گزرتا اور اسے سلام کرتا ہے اگر وہ اسے دنیا میں پہچانتا تھا اب بھی پہچانتا اور جواب سلام دیتا ہے۔ (شرح الصدور، ص84، خلافت اکیڈمی، سوات)

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ((اذا مر الرجل بقبر یعرفہ فسلم علیہ رد علیہ السلام وعرفہ واذا مر بقبر لا یعرفہ فسلم علیہ ردعلیہ السّلام)) جب آدمی ایسی قبر پر گزرتا ہے جس سے دنیا میں شناسائی تھی اور اسے سلام کرتا ہے میّت جوابِ سلام دیتا اور اسے پہچانتا ہے، اور جب ایسی قبر پر گزرتا جس سے جان پہچان نہ تھی اور سلام کرتا ہے میّت اسے جواب سلام دیتا ہے۔ (شعب الایمان، ج7، ص17، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مصعب بن عمیر اور ان کے ساتھیوں کے قبور پر ٹھہرے اور فرمایا ((والذی نفسی بیدہ لایسلم علیھم احد الا ردوا الی یوم القیمۃ)) قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قیامت تک جوان پر سلام کرے گا جواب دیں گے۔ (شرح الصدور، بحوالہ المعجم الاوسط، ص84، خلافت اکیڈمی سوات)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زیارت شہدائے احد کو تشریف لے گئے اور عرض کی ((اللھم ان عبدك ونبيك يشهد ان ھؤلاء شھداء وانہ من زارھم اوسلم علیھم الیٰ یوم القیمۃ ردوا علیہ)) الٰہی! تیرا بندہ اور تیرا نبی گواہی دیتا ہے کہ یہ شہید ہیں اور قیامت تک جوان کی زیارت کو آئے گا اور ان پر سلام کرے گا یہ جواب دیں گے۔ (المستدرک للحاکم، ج3، ص29، دارالفکر، بیروت)

امام بیہقی نے ہاشم بن محمد عمری سے روایت کی: مجھے میرے باپ مدینہ سے زیارتِ قبورِ اُحد کو لے گئے، جمعہ کا روز تھا، صبح ہو چکی تھی، آفتاب نہ نکلا تھا، میں اپنے باپ کے پیچھے تھا، جب مقابر کے پاس پہنچے انھوں نے آواز کہا "سلامٌ علیکم بماصبر تم فنعم عقبی الدار" جواب آیا "وعلیکم السلام یا ابا عبد اللہ"۔ باپ نے میری طرف مڑ کر دیکھا اور کہا کہ اے میرے بیٹے! تو نے جواب دیا؟ میں نے کہا: نہ۔ انھوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی داہنی طرف کر لیا اور کلام مذکور کا اعادہ کیا، دوبارہ ویسا ہی جواب ملا، سہ بارہ کیا پھر وہی جواب ہوا۔ میرے باپ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ شکر میں گر پڑے۔" (دلائل النبوۃ، ج3، ص309، دارالکتب العربیہ، بیروت)

ابن ابی الدنیا اور بیہقی دلائل میں انھیں عطاف مخزومی کی خالہ سے راوی "ایک دن میں نے قبرِ سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس نماز پڑھی، اس وقت جنگل بھر میں کسی آدمی کا نام و نشان نہ تھا۔ بعدِ نماز مزارِ مطہر پر سلام کیا۔ جواب آیا اور اس کے ساتھ یہ فرمایا "من یخرج من تحت القبر اعرفہ کما اعرف ان اللہ خلقنی و کما اعرف اللیل والنھار" جو میری قبر کے نیچے سے گزرتا ہے میں اسے پہچانتا ہوں جیسا یہ پہچانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کیا ہے اور جس طرح رات اور دن کو پہچانتا ہوں۔ (دلائل النبوۃ، ج3، ص309، دارالکتب العربیہ، بیروت) (ص719 تا 724)

سوال: فوت شدگان سلام کے علاوہ کلام اور آوازیں سنتے ہیں، اس بارے میں دلائل ارشاد فرمادیجئے۔

جواب: حضور پرنور سید العالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((ان المیّت اذا وضع فی قبرہ انہ یسمع خفق نعالھم اذا انصرفوا)) مردہ جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور لوگ دفن کر کے پلٹتے ہیں بیشک وہ ان کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔

(صحیح مسلم، ج2، ص386، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ((ان المیّت یسمع خفق نعالھم اذاولوا مدبرین)) بیشک مردہ جوتیوں کی پہچل سنتا ہے جب لوگ اسے پیٹھ دے کر پھرتے ہیں۔ (مسند احمد بن حنبل، ج4، ص296، دارالفکر، بیروت)

سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((ان المیّت اذا دفن یسمع خفق نعالھم اذا ولّوا عنہ منصرفین)) بیشک جب مردہ دفن ہوتا ہے اور لوگ واپس آتے ہیں وہ ان کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔ (کنزالعمال، بحوالہ طبرانی، ج15، ص600، مکتبۃ التراث الاسلامی، مصر)

حدیث بیہقی کو امام سیوطی نے شرح الصدور میں فرمایا ''باسناد حسن'' (اس کی سند حسن ہے)۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ((والذی نفسی بیدہ ان المیّت اذا وضع فی قبرہ انہ لیسمع خفق نعالھم حین یولون عنہ)) قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جب مردہ قبر میں رکھا جاتا ہے کفش پائے مردم (لوگوں کے قدموں) کی آواز سنتا ہے جب اس کے پاس سے پلٹتے ہیں۔ (المستدرک للحاکم، ج 1، ص 380، دارالفکر، بیروت)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند حسن مروی، فرماتے ہیں ((شھدنا جنازۃ مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فلما فرغ من دفنھا وانصرف الناس قال انہ الان یسمع خفق نعالکم)) ہم ایک جنازہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب حاضر تھے۔ جب اس کے دفن سے فارغ ہوئے اور لوگ پلٹے حضور نے ارشاد فرمایا: اب وہ تمھاری جوتیوں کی آواز سن رہا ہے۔ (شرح الصدور، ص 54، خلافت اکیڈمی، سوات)

صحیح بخاری شریف وغیرہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ((اطلع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی اھل القلیب فقال وجدتم ما وعد ربکم حقافقیل لہ اتدعوا مواتا فقال ما انتم باسمع منھم ولکن لا یجیبون)) یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چاہ بدر (بدر کے کنویں) پر تشریف لے گئے، جس میں کفار کی لاشیں پڑیں تھیں۔۔ پھر فرمایا: تم نے پایا جو تمھارے رب نے تمھیں سچا وعدہ دیا تھا یعنی عذاب۔ کسی نے عرض کی: حضور مُردہ کو پکارتے ہیں، ارشاد فرمایا: تم کچھ ان سے زیادہ نہیں سننے والے، پر وہ جواب نہیں دیتے۔ (الصحیح للبخاری، ج 1، ص 183، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

صحیح مسلم شریف میں امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ((ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یرینا مصارع اھل بدر و ساق الحدیث الی ان قال فانطلق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حتی انتھی الیھم فقال یا فلان بن فلان ویا فلان بن فلان ھل وجدتم ما وعدکم اللہ ورسولہ حق فانی قد وجدت ماوعدنی اللہ حقا قال عمر یا رسول اللہ کیف تکلم اجسادا لا ارواح فیھا قال ما انتم باسمع لما اقول منھم غیر انھم لایستطیعون ان یردوا علی شیئا)) یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں کفارِ بدر کی قتل گاہیں دکھاتے تھے کہ یہاں فلاں کافر قتل ہوگا اور یہاں فلاں، جہاں جہاں حضور نے بتایا تھا وہیں وہیں ان کی لاشیں گریں۔ پھر بحکم حضور وہ جیفے (مردے) ایک کنویں میں بھر دئے گئے۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے اور نام بنام ان کفار لیام کو ان کا اور ان کے باپ کا نام لے کر پکارا، اور فرمایا: تم نے بھی پایا جو سچا وعدہ خدا اور رسول نے تمھیں دیا تھا کہ میں نے تو پالیا جو حق وعدہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا تھا۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! حضور ان جسموں سے کیونکر کلام کرتے ہیں جن میں روحیں نہیں۔ فرمایا: جو میں کہہ رہا ہوں اسے کچھ تم ان سے زیادہ نہیں سنتے مگر انھیں یہ طاقت نہیں کہ مجھے لوٹ کر جواب دیں۔ (صحیح مسلم، ج 2، ص 387، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

حدیث پاک میں ہے ((کانت امرأۃ تقم المسجد فماتت ولم یعلم بھا النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فمر علی قبرھا فقال ما ھذا القبر قالوا ام محجن، قال التی کانت تقم المسجد قالوا نعم فصف الناس فصلی علیھا ثم قال ای

العمل وجدت افضل قالوا یارسو ل اللہ اتسمع قال ما انتم باسمع منھا فذکر انھا اجابتہ ان اقم المسجد)) یعنی ایک بی بی مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی ان کا انتقال ہوگیا، نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کوکسی نے خبر نہ دی حضور ان کی قبر پر گزرے۔ دریافت فرمایا یہ قبر کیسی ہے؟ لوگوں نے عرض کی: ام محجن کی۔ فرمایا وہ ہی جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی عرض کی ہاں۔ حضور نے صف باندھ کر نماز پڑھائی پھر ان بی بی کی طرف خطاب کر کے فرمایا تو نے کون سا عمل افضل پایا، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا وہ سنتی ہے؟ فرمایا کچھ تم اس سے زیادہ نہیں سنتے پھر فرمایا اس نے جواب دیا کہ مسجد میں جھاڑو دینی۔ (شرح الصدور، ص40، خلافت اکیڈمی، سوات)

رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں ((اذا مات احد من اخوانکم فسویتم التراب علی قبرہ فلیقم احدکم علی راس قبرہ ثم لیقل یافلان بن فلانۃ فانہ یسمعہ ولایجیب ثم یقول یا فلان بن فلانۃ فانہ یستوی قاعداثم یقول یا فلان بن فلانۃ فانہ یقول ارشدنا رحمك الله ولکن لاتشعرونہ فلیقل ذکر ماخرجت علیہ من الدنیا شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ وانك رضیت باللہ ربّاوبالاسلام دینا وبمحمد نبیا وبالقران اماما فان منکراونکیرایاخذکل واحد منھما بید صاحبہ ویقول انطلق بنا مانقعدعندمن قدلقن حجتہ)) جب تمہارا کوئی مسلمان بھائی مرے اور اس کی قبر پر مٹی برابر کر چکو تم میں سے کوئی اس کے سرہانے کھڑا ہو اور فلاں بن فلانہ کہہ کر پکارے بیشک وہ سنے گا اور جواب نہ دے گا دوبارہ پھر یوں ہی ندا کرے وہ سیدھا ہو بیٹھے گا سہ بارہ پھر اسی طرح آواز دے اب وہ جواب دے گا کہ ہمیں ارشاد کر اللہ تجھ پر رحم کرے مگر تمہیں اس کے جواب کی خبر نہیں ہوتی اس وقت کہے یاد کر وہ بات جس پر تو دنیا سے نکلا تھا گواہی دے اس کی کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور یہ کہ تو نے پسند کیا اللہ تعالی کو پروردگار اور اسلام کو دین اور محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو نبی اور قرآن کو پیشوا، منکر و نکیر ہر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہیں گے چلو ہم کیا بیٹھیں اس کے پاس جسے لوگ اس کی حجت سکھا چکے۔ (المعجم الکبیر، ج8، ص298، مکتبۃ فیصلیہ، بیروت)

امام ابن الصلاح وغیرہ محدثین اس حدیث کی نسبت فرماتے ہیں ((اعتضد بشواھد وبعمل اھل الشام قدیما نقلہ العلامۃ ابن امیر الحاج فی الحلیۃ)) یعنی اس کو دو وجہ سے قوت ہے ایک تو حدیث اس کی مؤید، دوسرے زمانہ سلف سے علماء شام اس پر عمل کرتے آئے۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی الفلاح، ص338، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)(ص324 تا 732)

سوال: صحابہ کرام کے اہلِ قبور سے کلام کرنے کے کچھ واقعات بیان فرمادیجئے۔

جواب: عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں ((جاء اعرابی الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فذکر الحدیث الیٰ ان قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حیثما مررت بقبر مشرك فبشرہ بالنار، قال فاسلم الاعرابی بعد وقال لقد کلفنی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم تعبا مامررت بقبرکافرالا بشرتہ بالنار)) یعنی نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے فرمایا: جہاں کسی مشرک کی قبر پر گزرے اسے آگ کا مژدہ دینا۔ اس کے بعد وہ اعرابی

مسلمان ہوگیا تو وہ صحابی فرماتے ہیں مجھے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس ارشاد سے ایک مشقت میں ڈالا، کسی کافر کی قبر پر میرا گزر نہ ہوا مگر یہ کہ اسے آگ کا مژدہ دیا۔ (سنن ابن ماجہ، ص 114، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ((انہ مر بالبقیع فقال السلام علیکم یا اھل القبور اخبار ما عندنا ان نساء کم قد تزوجن ودیارکم قد سکنت واموالکم قد فرقت فاجابہ ھاتف یا عمر ابن الخطاب اخبار ما عندنا ان ماقدمناہ فقد وجدناہ وما انفقنا فقد ربحناہ وما خلفناہ فقد خسرناہ)) یعنی ایک بار امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بقیع پر گزرے اہل قبور پر سلام کر کے فرمایا: ہمارے پاس کی خبریں یہ ہیں کہ تمھاری عورتوں نے نکاح کر لیے اور تمھارے گھروں میں اور لوگ بسے، تمھارے مال تقسیم ہوگئے۔ اس پر کسی نے جواب دیا: اے عمر بن الخطاب! ہمارے پاس کی خبریں یہ ہیں کہ ہم نے جو اعمال کئے تھے یہاں پائے اور جو راہِ خدا میں دیا تھا اس کا نفع اٹھایا اور جو پیچھے چھوڑا وہ ٹوٹے میں گیا۔ (شرح الصدور، ص 87، خلافت اکیڈمی، سوات)

سعید بن المسیّب سے روایت ہے، فرماتے ہیں ((قال دخلنا مقابر المدینۃ مع علی ابن ابی الطالب فنادیٰ یا اھل القبور السلام علیکم ورحمۃ اللہ تخبرونا باخبارکم تریدون ان نخبرکم قال فسمعت صوتا وعلیک السلام ورحمہ اللہ وبرکاتہ یا امیر المومنین اخبرنا عما کان بعدنا فقال علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اما ازواجکم فقد تزوجن واما اموالکم فقد اقتسمت و اولاد فقد حشر وا فی زمرۃ الیتامیٰ والبناء الذی شیدتم فقد سکن اعدائکم فھذہ اخبار ما عندنا فما عندکم فاجابہ میّت فقد تخرفت الاکفان وانتثرت الشعور وتقطعت الجلود وسالت الاحداق علی الخدود وسالت مناخیر بالقیح والصدید وماقدمناہ ربحناہ وماخلفناہ خسرنا ونحن مرتھنون بالاعمال)) ہم مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ہمرکاب مقابرِ مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے، حضرت مولا علی نے اہلِ قبر پر سلام کر کے فرمایا: تم ہمیں اپنی خبریں بتاؤ گے یا یہ چاہتے ہو کہ ہم تمھیں خبر دیں؟ سعد بن میبّب فرماتے ہیں: میں نے آواز سنی کسی نے حضرت مولیٰ علی کو جواب سلام دے کر عرض کی: امیر المومنین! آپ بتایئے ہمارے بعد کیا گزری؟ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: تمھاری عورتوں نے تو نکاح کر لیے، اور تمھارے مال سو وہ بٹ گئے، اور اولاد یتیموں کے گروہ میں اٹھی، اور وہ تعمیر جس کا تم نے استحکام کیا تھا اس میں تمھارے دشمن بسے، ہمارے پاس کی خبریں تو یہ ہیں اب تمھارے پاس کیا خبر ہے؟ ایک مُردے نے عرض کی کہ کفن پھٹ گئے، بال جھڑ پڑے، کھالوں کے پرزے پُرزے ہوگئے، آنکھوں کے ڈھیلے بہہ کر گالوں تک آئے، نتھنوں سے پیپ اور گندا پانی جاری ہے اور جو آگے بھیجا تھا اس کا نفع ملا اور جو پیچھے چھوڑا اس کا خسارہ ہوا اور اپنے اعمال میں محبوس ہیں۔" (شرح الصدور، ص 87، خلافت اکیڈمی، سوات)

عہد فاروقی میں ایک جوان عابد تھا۔ امیر المؤمنین اس سے بہت خوش تھے، دن بھر مسجد میں رہتا، بعدِ نمازِ عشاء باپ کے پاس جاتا، راہ میں ایک عورت کا مکان تھا اس پر عاشق ہوگئی، ہمیشہ اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتی، جوان نظر نہ فرماتا، ایک شب قدم نے لغزش کی، ساتھ ہولیا، دروازے تک گیا، جب اندر جانا چاہا خدا یاد آ گیا اور بے ساختہ یہ آیہ کریمہ زبان سے نکلی ﴿ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطن تذکروا فاذا ھم

مبصرون﴾ ڈروالوں کو جب کوئی جھپٹ شیطان کی پہنچتی ہے خدا کو یاد کرتے ہیں اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

آیت پڑھتے ہی غش کھا کر گرا، عورت نے اپنی کنیز کے ساتھ اٹھا کر اس کے دروازے پر ڈال، باپ منتظر تھا، آنے میں دیر ہوئی، دیکھنے نکلا، دروازے پر بیہوش پڑا پایا۔ گھر والوں کو بلا کر اندر اُٹھوایا، رات گئے ہوش آیا، باپ نے حال پوچھا، کہا خیر ہے، کہا بتادے، ناچار قصہ کہا، باپ بولا جانِ پدر! وہ آیت کون سی ہے؟ جوان نے پھر پڑھی، پڑھتے ہی غش آیا، جنبش دی، مُردہ پایا، رات ہی کو نہلا کفنا کر دفن کر دیا، صبح کو امیر المؤمنین نے خبر پائی، باپ سے تعزیت اور خبر نہ دینے کی شکایت فرمائی، عرض کی: یا امیر المومنین! رات تھی، پھر امیر المؤمنین ہمراہیوں کو لے کر تشریف لے گئے، آگے لفظِ حدیث یوں ہیں ((فقال عمر یافلان ولمن خاف مقام ربه جنتٰن، فاجابه الفتی من داخل القبر یا عمر قد اعطانیها ربی فی الجنة مرتین)) یعنی امیر المومنین نے جوان کا نام لے کر فرمایا: اے فلان! جو اپنے رب کے پاس کھڑے ہونے کا ڈر کرے اس کے لیے دو باغ ہیں، جوان نے قبر میں سے آواز دی، اے عمر! مجھے میرے رب نے یہ دولت عظمٰی جنت میں دوبارعطا فرمائی۔

(کنز العمال، 2، ص516، موسسۃ الرسالہ، بیروت)(ص733تا736)

اہلِ قبور کے سننے اور دیکھنے پر صحابہ اور ائمہ کے اقوال

سوال: اہل قبور سنتے دیکھتے، اور محسوس کرتے ہیں، کیا اس کے اثبات میں صحابہ کرام اور ائمہ دین اقوال ہیں؟

جواب: فقیر غفرلہ اللہ تعالی (اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ) اگر بقدرِ قدرت ان کے حصر و استقصاء (احاطہ کرنے) کا ارادہ کرے موجز عجالہ حد مجلد سے گزرے، لہٰذا ولاً صرف سو (100) ائمہ دین وعلماء کاملین کے اسماء طیبہ شمار کرتا ہوں جن کے اقوال اس وقت میرے پیش نظر اور اس رسالہ کے فصول ومقاصد میں جلوہ گر و فضل اللہ سبحانہ اوسع و اکثر (اور اللہ سبحانہ کا فضل اور زیادہ وسیع و فزوں تر ہے) پھر دس نام ان عالموں کے بھی حاضر کروں گا جن پر اعتماد میں مخالف مضطر۔

فمن الصحابۃ رضوان اللہ تعالی اجمعین علیہم اجمعین (صحابہ علیہم الرضوان میں سے):

(1) امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم (2) امیر المؤمنین علی مرتضی (3) حضرت عبداللہ بن مسعود (4) حضرت سلیمان فارسی (5) عمرو بن عاص (6) عبداللہ بن عمر (7) ابوھریرہ (8) عبداللہ بن عمرو (9) عقبہ بن عامر (10) ابوامامہ باہلی (11) صحابی اعرابی صاحب حدیث حیثما مررت وغیرہم رضی اللہ تعالی عنہم۔

اور میں ان کے سوا ان صحابہ کرام کے نام یہاں شمار نہیں کرتا جنھوں نے سماع وادراکِ موتی حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے روایت کیا یا حضور کی زبان پاک سے سُنا۔

ومن التابعین رحمۃ اللہ تعالی علیہم اجمعین (تابعین علیہم الرحمہ میں سے):

(12) مجاہد مکی (13) عمرو بن دینار (14) بکر مزنی (15) ابن ابی لیلیٰ (16) قاسم بن مخیرہ (17) راشد بن

سعد (18) ضمرہ بن حبیب (19) حکیم بن عمیر (20) علاء بن لجلاج (21) بلال بن سعد (22) محمد بن واسع (23) اُم الدرداء وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ۔

ومن تبع تابعین لطف اللہ بھم یوم الدین (تبع تابعین علیہم الرحمہ میں سے):

(24) عالم قریش سیدنا ابو محمد بن ادریس شافعی (25) عالمِ کوفہ فقیہ مجتہد امام سفیان (26) عبدالرحمٰن بن العلاء وغیرہم روح اللہ تعالیٰ ارواحہم۔

ومن اعاظم السلف واکارم الخلف نور اللہ تعالیٰ مراقدھم:

(27) عالم اہلبیتِ رسالت حضرت امام علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی و بتول بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وبارک وسلم (28) امام اجل عارف باللہ محمد بن علی حکیم ترمذی (29) امام محدث جلیل کبیر اسمٰعیل (30) امام فقیہ عابد وزاہد احمد بن عصمہ ابوالقاسم صفار حنفی بدو واسطہ شاگرد امام ابو یوسف وامام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ (31) امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی (32) امام ابوعمر یوسف بن عبدالبر مالکی (33) امام ابوالفضل محمد بن احمد حاکم شہید حنفی صاحب کافی (34) امام ابوالفضل قاضی عیاض یحصبی مالکی (35) امام حجۃ السلام مرشد الانام ابو حامد محمد محمد محمد غزالی (36) امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن فرح قرطبی صاحب تذکرہ (37) امام شمس الائمہ حلوائی حنفی (38) امام عارف باللہ فقیہ زاہد (39) امام محدث محی الدین طبری شافعی (40) امام ربانی سیدنا علاء الدین سمنانی (41) امام ابوالمحاسن حسن بن علی ظہیر الدین کبیر مرغینانی حنفی استاذ امام قاضی خاں وصاحب خلاصہ (42) بعض اساتذہ امام شیخ الاسلام علی بن ابی بکر برہان الدین فرغانی حنفی صاحب التجنیس والمزید (43) امام فقیہ النفس قاضی حسن بن منصور فرغانی اوزجندی حنفی (44) امام ابو ذکریا یحیٰی بن شرف نووی شافعی صحیح مسلم (45) امام فخر الدین محمد رازی شافعی (46) امام سعد الدین تفتازانی مصنف وشارح مقاصد (47) امام ابوسلیمٰن احمد بن ابراہیم خطابی (48) امام ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد سہیلی صاحب الروض (49) امام عمر بن محمد بن عمر جلال الدین خبازی حنفی صاحب فتاوٰی خبازیہ (50) صاحب عیاب حنفی تلمیذ امامِ اجل قاضی خاں (51) علامہ محمود بن محمد لولوی بخاری حنفی صاحب حقائق شرح منظومہ نسفیہ تلمیذ التلمیذ امام شمس الائمہ کردی (52) سیدی یوسف بن عمر صوفی حنفی صاحب مضمرات (53) امام عارف باللہ صدر الدین قونوی (54) امام شہاب الدین فضل اللہ بن حسین تورپشتی حنفی (55) امام ملک العلماء عزالدین بن عبدالسلام شافعی (56) امام محدث زین الدین مراغی (57) امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن علی بن جابر اندلسی (58) قاضی ناصر الدین بیضاوی شافعی صاحب تفسیر (59) امام ابوعبداللہ بن النعمان صاحب سفینۃ النجاہ لاہل الالتجاء فی کرامات الشیخ ابی النجاء (60) امام عارف باللہ عبداللہ بن اسعد یافعی شافعی صاحب روض الریاحین (61) امام علامہ سید الحفاظ ابو علی ابوالفضل احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی صاحب فتح الباری شرح صحیح بخاری (62) امام شمس الدین محمد بن یوسف کرمانی حنفی صاحب کواکب الدراری شرح صحیح بخاری (63) امام علامہ شافعی صاحب شفاء السقام (64) امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی شافعی صاحب

ارتیاح الاکباد بفقد الاولیاء (65) امام خاتم الحفاظ مجدد المائۃ التاسعہ ابوالفضل جلال الدین بن عبدالرحمٰن سیوطی صاحب شرح الصدور و بدور سافرہ وانیس الغریب وزہرالربی شرح سنن نسائی وغیرہ (66) امام علامہ محمد بن احمد خطیب قسطلانی شافعی صاحب مواھب لدنیہ وارشاد الساری شرح صحیح بخاری (67) امام شہاب الدین رملی انصاری شافعی (68) سیدی ولی اللہ احمد زروق (69) سید عارف باللہ ابوالعباس حضرمی (70) امام احمد بن محمد بن حجر مکی شافعی شارح مشکوٰۃ (71) محقق علامہ محمد محمد محمد ابن امیر الحاج حنفی صاحب حلیہ شرح منیہ (72) امام محمد عبدری مکی مالکی (73) امام صدر کبیر حسام الدین شہید عمر بن عبدالعزیز صاحب فتاوٰی کبرٰی حنفی (74) امام محمد بن محمد بن شہاب الدین بزازی حنفی صاحب بزازیہ (75) علامہ نورالدین سمہودی شافعی صاحب خلاصۃ الوفاء فی اخبار دارالمصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (76) علامہ رحمۃ اللہ سندی حنفی صاحب مناسک ثلٰثہ (77) علامہ نورالدین علی بن ابراہیم بن احمد حلبی شافعی صاحب سیرۃ انسان العیون (78) امام عارف باللہ عبدالوہاب شعرانی شافعی صاحب میزان الشریعۃ الکبرٰی (79) علامہ محمد بن یوسف شامی صاحب سبل الہدٰی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (80) علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی مالکی صاحب شرح مواہب (81) علامہ عبدالرؤف محمد مناوی صاحب تیسیر شرح جامع صغیر (82) امام ابوبکر بن محمد بن علی حدادی حنفی صاحب جوہرہ نیرہ شرح قدوری (83) علامہ ابراہیم بن محمد ابراہیم حلبی حنفی صاحب غنیۃ شرح منیہ (84) فاضل علی بن سلطان محمد قاری مکی حنفی صاحب مرقاۃ شرح مشکوٰۃ (85) علامہ محمد بن احمد بن جموی حنفی استاد محقق شرنبلالی (86) علامہ ابوالاخلاص حسن بن عمار مصری شرنبلالی حنفی صاحب نورالایضاح وامداد الفتاح ومراقی الفلاح (87) علامہ خیر الدین رملی حنفی صاحب فتاوٰی خیریہ، استاذ صاحب درمختار (88) فاضل مدقق محمد بن علی دمشقی حصکفی شارح تنویر (89) سیدی عارف باللہ عبدالغنی بن اسمٰعیل بن عبدالغنی نابلسی حنفی صاحب حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ (90) سید علامہ ابوالسعود محمد حنفی (91) مولانا عارف باللہ نورالدین جامی حنفی صاحب نفحات (92) شیخ محقق برکۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الہند مولانا عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی حنفی صاحب لمعات واشعۃ اللمعات وجامع البرکات وجذب القلوب ومدارج النبوۃ (93) فاضل محدث مولٰنا محمد طاہر فتنی احمد آبادی حنفی صاحب مجمع بحارالانوار (94) فاضل شیخ الاسلام دہلوی حنفی صاحب کشف الغطا (95) مولٰنا شیخ جلیل نظام الدین وغیرہ جامعانِ فتاوٰی عالمگیری حنفیان (96) بحرالعلوم ملک العلماء مولانا ابوالعیاش محمد بن عبدالعلی لکھنوی حنفی (97) خاتمۃ المحققین علامہ غنیمی حنفی (98) فاضل سید احمد مصری طحطاوی حنفی (99) سیدی امین الدین محمد شامی حنفی محشیان شرح علائی (100) سیدی جمال بن عبداللہ بن عمر مکی حنفی وغیرہم بردالله تعالٰی مضاجعهم۔

تنبیہ: فقیر غفرالله تعالٰی لہ نے ان ائمۃ سلف وعلمائے خلف سے صرف انھی اکابر کے اسمائے طیبہ گنے جن کے کلام میں خاص سماع وادراک وعلم وشعور اہل قبور کے نصوص خاص قاہرہ یا دلائل باہرہ ہیں، پھر ان میں بھی حصر استیعاب کا قصد نہ کیا۔۔ بلکہ حاشا وہ بھی بالتمام ذکر نہ کیے جن کے اقوال ہدایت اشتمال اس وقت میرے سامنے جلوہ فرما ومتیسر حالت حاضرہ ہیں، فتلک مائۃ کاملۃ فیھم وفاء لقلوب عاقلۃ (یہ مکمل سو ہیں جو اصحاب فہم کے لیے کافی ہیں)

اب انھیں لیجیے جن پر اعتماد مخالف کو ضرور:(1) شاہ ولی اللہ صاحب (2) ان کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب (3) ان کے فرزند ارجمند مولنا شاہ عبدالعزیز صاحب (4) ان کے برادر مولنا شاہ عبدالقادر صاحب (5) ان کے ممدوح جناب میرزا مظہر جانجاناں (6) ان کے مرید رشید قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی (7) مولوی اسحاق صاحب دہلوی (8) ان کے شاگرد نواب قطب الدین خاں دہلوی (9) مولوی خرم علی صاحب بلہوری (10) ان سب سے قوی مجتہد نو میاں اسمٰعیل دہلوی۔ (ص736تا742)

<u>روحیں نہیں مرتی</u>

سوال: روحیں نہیں مرتیں، اس بارے میں علماء کے کچھ اقوال ارشاد فرمادیں؟

جواب: امام اجل سحنون بن سعید قدس سرہ سے کہا گیا ایک شخص کہتا ہے بدن کے مرنے سے روح بھی مرجاتی ہے۔ فرمایا: معاذاللہ ھذا من قول اھل البدع ''خدا کی پناہ یہ بدعتیوں کا قول ہے۔ (تاریخ دمشق، ج59، ص106، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

امام عزالدین بن عبدالسلام فرماتے ہیں''لا تموت ارواح الحیاۃ بل ترفع الی السماء حیۃ ''روحیں مرتی نہیں بلکہ زندہ آسمان کی طرف اُٹھالی جاتی ہیں۔ (شرح الصدور، ص134، خلافت اکیڈمی، سوات)

امام جلال الحق والدین سیوطی شرح الصدور میں ناقل''باقیہ بعد خلقھا بالاجماع ''روحیں پیدائش کے بعد بالاجماع جاوداں رہتی ہیں۔ (شرح الصدور، ص135، خلافت اکیڈمی، سوات)(ص743)

سوال: روحیں نہیں مرتی تو پھر موت کا کیا مطلب ہے؟

جواب: موت صرف ایک مکان سے دوسرے مکان میں چلا جاتا ہے نہ کہ معاذ اللہ جماد ہو جانا۔ ابونعیم حلیہ میں بلال بن سعد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے راوی کہ اپنے وعظ میں فرماتے''یااھل الخلوت یااھل البقاء انکم لم تخلقوا للفناء وانماخلقتم للخلوت والابداولکنکم تتقلون من دارالی دار ''اے ہمیشگی والو! اے بقاوالو! تم فنا کو نہ بنے بلکہ دوام وہمیشگی کے لیے بنے ہو، ہاں ایک گھر سے دوسرے گھر میں چلے جاتے ہو۔ (شرح الصدور، ص85، خلافت اکیڈمی منگورہ، سوات)

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرمایا''لافرق لھم فی الحالین ولذا قیل اولیاء اللہ لایموتون ولکن تنتقلون من دار الی دار ''اولیاء کی دونوں حالت حیات وممات میں اصلاً فرق نہیں، اسی لیے کہا گیا کہ وہ مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر تشریف لے جاتے ہیں۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ج3، ص241، مکتبہ امدادیہ، ملتان)

امام عارف باللہ استاذ ابوالقاسم قشیری قدس سرہ اپنے رسالہ میں بسندِ خود حضرت ولی مشہور سیدنا ابوسعید خراز قدس سرہ المتاز سے راوی کہ میں مکہ معظمہ میں تھا، بابِ بنی شیبہ پر ایک جوان مُردہ پڑا پایا، جب میں نے اس کی طرف نظر کی، مجھے دیکھ کر مسکرایا اور کہا''یا ابا سعید اماعلمت ان الاحباء احیاء و ان ماتوا وانما ینقلون من دار الی دار ''اے ابوسعید! کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ کے

پیارے زندہ ہیں اگر چہ مرجائیں، وہ تو یہی ایک گھر سے دوسرے گھر میں بلائے جاتے ہیں۔ (الرسالۃ القشیریۃ، ص140، مصطفی البابی، مصر)

وہی عالی جناب حضرت سیدی ابو علی قدس سرہ سے راوی، میں نے ایک فقیر کو قبر میں اتارا، جب کفن کھولا اوران کا سر خاک پر رکھ دیا کہ اللہ ان کی غربت پر رحم کرے، فقیر نے آنکھیں کھول دیں اور مجھ سے فرمایا" یا اباعلی أتذلنی بین یدی و من دللنی "اے ابو علی! مجھے اس کے سامنے ذلیل کرتے ہو جو میرے ناز اٹھاتا ہے۔ میں نے عرض کی: اے سردار میرے! کیا موت کے بعد زندگی؟ فرمایا: بل انا حی و کل محب اللہ حی لا یضرنك بجاهی غدا یاروذباری" میں زندہ ہوں اور خدا کا ہر پیارا زندہ ہے بیشک وہ وجاہت وعزت جو روز قیامت میں ملے گی اس سے تجھے کوئی ضرر نہ پہنچے گا بلکہ میں تیری مدد کروں گا اے روذباری۔ (الرسالۃ القشیریۃ، ص140، مصطفی البابی، مصر)

وہی جناب مستطاب حضرت ابراہیم بن شیبان قدس سرہ سے راوی، میرا ایک مرید جوان مرگیا، مجھے سخت صدمہ ہوا، نہلانے بیٹھا، گھبراہٹ میں بائیں طرف سے ابتداء کی، جوان نے وہ کروٹ ہٹا کر اپنی داہنی کروٹ میری طرف کی، میں نے کہا: جان پدر! تو سچا ہے مجھ سے غلطی ہوئی۔

وہی امام حضرت ابو یعقوب سوسی نہر جوری قدس سرہ سے راوی، میں نے ایک مرید کو نہلانے کے لیے تختے پر لٹایا اس نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا میں نے کہا: جان پدر! میں جانتا ہوں کہ تو مُردہ نہیں یہ تو صرف مکان بدلنا ہے، اس لئے میرا ہاتھ چھوڑ دے۔

(الرسالۃ القشیریۃ، ص170، مصطفی البابی، مصر) (ص744)

سوال: کیا موت سے روح میں اصلاً تغیر نہیں ہوتا؟ اس کے علوم وافعال وہی رہتے ہیں؟

جواب: موت سے روح میں اصلاً تغیر نہیں آتا اور اس کے علوم وافعال بدستور رہتے ہیں بلکہ زیادہ ہوجاتے ہیں۔

امام غزالی احیاء میں فرماتے ہیں" لاتظن ان العلم یفارقك بالموت فالموت لایهدم محل العلم اصلا ولیس الموت عدما محضاً حتی تظن انك اذا عدمت عدمت صفتك "یہ گمان نہ کرنا کہ موت سے تیرا علم تجھ سے جدا ہوجائیگا کہ موت محلِ علم یعنی روح کا تو کچھ نہیں بگاڑتی، نہ وہ نیست ونابود ہوجانے کا نام ہے کہ تو سمجھے جب تو نہ رہا تیرا وصف یعنی علم وادراک بھی نہ رہا۔ (التیسیر، ج1، ص310، مکتبۃ الامام الشافعی، الریاض السعودیہ)

امام نسفی عمدۃ الاعتقاد، پھر علامہ نابلسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں" الروح لا یتغیر بالموت "مرنے سے روح میں کچھ نہیں آتا۔ (الحدیقۃ الندیۃ، ج1، ص290، مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

امام سیوطی فرماتے ہیں" ذهب اهل الملل من المسلمین وغیر هم الی ان الروح تبقی بعد موت البدن "تمام اہل ملت مسلمین اوران کے سوا سب کا یہی مذہب ہے کہ روحیں بعدِ موتِ بدن باقی رہتی ہیں۔ (شرح الصدور، ص135، خلافت اکیڈمی، سوات)

امام جلال الدین سیوطی رسالہ منظومہ انیس الغریب میں فرماتے ہیں "یعرف من یغسله ویحمل ویلبس الاکفان ومن ینزل" "مُردہ اپنے نہلانے والے، اٹھانے والے، کفن پہنانے والے، قبر میں اتارنے والے سب کو پہچانتا ہے۔ (انیس الغریب)

امام ابن الحاج مدخل، امام قسطلانی مواہب، علامہ زرقانی شرح میں فرماتے ہیں "من انتقل الی عالم البرزخ من المؤمنین یعلم احوال الاحیاء غالباً وقد وقع کثیر من ذلك كما هو مسطور فی مظنة ذلك من الکتب" "جو مسلمان برزخ میں ہیں اکثر احوالِ احیاء پر علم رکھتے ہیں اور یہ امر بکثرت واقع ہے جیسا کہ کتابوں میں اپنے محل پر مذکور ہے۔ (المواہب اللدنیہ، ج4، ص581، المکتب الاسلامی، بیروت)

ابن ابی الدنیا کتاب القبور میں سلیم بن عمیر سے راوی، وہ ایک مقبرہ پر گزرے، پیشاب کی حاجت سخت تھی، کسی نے کہا یہاں اتر کر قضائے حاجت کر لیجئے، فرمایا "سبحان الله والله انی لاستحیی من الاموات کما استحیی من الاحیاء" "سبحان اللہ! خدا کی قسم میں مردوں سے ایسی ہی شرم رکھتا ہوں جیسی زندوں سے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ج4، ص117، بحوالہ ابن ابی الدنیا، مکتبہ امدادیہ، ملتان)

جب سیدنا امام شافعی مزارِ فائض الانوار حضرت امام اعظم پر تشریف لے گئے رضی اللہ تعالیٰ عنہما وعن اتباعہما نمازِ صبح میں قنوت نہ پڑھی، لوگوں نے سبب پوچھا، فرمایا "کیف اقنت بحضرة الامام وهو لا یقول به" "میں امام کے سامنے کیونکر قنوت پڑھوں حالانکہ وہ اس کے قائل نہیں۔ (المیزان الکبریٰ، ج1، ص61، مصطفیٰ البابی، مصر)

بعض روایات میں آیا بسم اللہ شریف بھی جہر سے نہ پڑھی۔ (ردالمحتار)

بعض میں ہے تکبیرات انتقال میں رفع یدین نہ فرمایا، سبب دریافت ہوا، جواب دیا "ادبنا مع هذا الامام اکثر من ان نظهر خلافه بحضرته" "اس امام کے ساتھ ہمارا ادب اس سے زائد ہے کہ ان کے حضور ان کا خلاف ظاہر کریں۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

شرح لباب میں خاص بلفظ استحیا نقل کیا کہ امام شافعی نے فرمایا "استحیی ان اخالف مذهب الامام فی حضوره" "مجھے شرم آتی ہے کہ امام کے سامنے ان کے مذہب کے خلاف کروں۔ (منسک متوسط مع ارشاد الساری)

سبحان اللہ اگر اموات دیکھتے سنتے نہیں تو جہر و اخفاء (بسم اللہ میں جہر و اخفاء کرنے) یا رفع و ترک (ہاتھ اٹھانے اور ترک کرنے) ومکث قنوت وتعجیل سجود (قنوت چھوڑنے اور جلدی سجدہ کرنے) میں کیا فرق تھا، للہ انصاف! اگر بنائے قبر حجاب مانع ہو تو امام ہمام کا سامنا کہاں تھا اور اس ادب ولحاظ کا کیا باعث تھا۔

حدیث میں جو تکیہ قبر پر لگانے سے ممانعت فرمائی اور اسے ایذائے میّت ارشاد ہوا جیسا کہ حدیث میں گزرا، شیخ محقق رحمہ اللہ اس پر شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں "شاید کہ مراد آنست کہ روحِ وے ناخوش می دارد وراضی نیست بہ تکیہ کردن بر قبرِ وے از جہت تضمن وے اہانت واستخفاف را بوی" "ہوسکتا ہے کہ یہ مراد ہو کہ اس کی روح کو ناگوار ہوتا ہے اور وہ اپنی قبر پر تکیہ لگانے سے راضی نہیں ہوتی اس لیے کہ اس میں اس کی اہانت اور بے وقعتی

پائی جاتی ہے، اور خدا خوب جاننے والا ہے۔ (اشعۃ اللمعات، ج 1، ص 699، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

عارف باللہ حکیم ترمذی پھر علامہ نابلسی حدیقہ میں فرماتے ہیں "معناہ ان الارواح تعلم بترك اقامة الحرمة والاستهانة فتاذی بذلك" اس کے یہ معنی ہیں کہ روحیں جان لیتی ہیں کہ اس نے ہماری تعظیم میں قصور کیا لہذا ایذا پاتی ہیں۔

(نوادر الاصول، ص 244، دار صادر، بیروت)

حاشیۂ طحطاوی وردالمحتار وغیرہ میں ہے کہ مقابر میں پیشاب کرنے کو نہ بیٹھے "لان المیّت یتاذی بما یتاذی به الحی" اس لیے کہ جس سے زندوں کو اذیت ہوتی ہے اس سے مُردے بھی ایذا پاتے ہیں۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر، ج 1، ص 381، دار المعرفۃ، بیروت) (ص 750 تا 756)

سوال: کیا زندوں کے قبرستان آنے اور ذکر وغیرہ سے مردے کا جی بہلتا ہے؟

جواب: ملاقاتِ احیاء و ذکرِ خدا سے اموات کا جی بہلتا ہے۔ امام سیوطی نے انیس الغریب میں فرمایا "و یانسون ان اتی المقابر" جب زائرین مقابر پر آتے ہیں مُردے ان سے اُنس حاصل کرتے ہیں۔

جذب القلوب میں فرمایا "زیارت گاہی از جہت ادائے حق اہل قبور باشد در حدیث آمدہ مانوس ترین حالتیکہ میّت رابود در وقت کہ یکے از آشنایانِ او زیارتِ قبر او کند و احادیث دریں باب بسیار است" زیارت کبھی قبر والوں کے حق کی ادائیگی کے لیے ہوتی ہے، حدیث میں آیا ہے کہ میّت کے لیے سب سے زیادہ اُنس کی حالت وہ ہوتی ہے جب اس کا کوئی پیارا آشنا اس کی زیارت کے لیے آتا ہے۔ اس باب میں احادیث بہت ہیں۔

(جذب القلوب، ص 213، منشی نولکشور لکھنؤ)

فتاوٰی قاضی خاں پھر فتاوٰی عالمگیری میں ہے "ان قرأ القران عند القبور نوی ذلك ان یونسه صوت القران فانه یقرأ" مقابر کے پاس قرآن پڑھنے سے اگر یہ نیت ہو کہ قرآن کی آواز سے مُردے کا جی بہلائے تو بیشک پڑھے۔

(فتاوٰی ہندیہ، ج 5، ص 350، نورانی کتب خانہ، پشاور)

طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں تلقینِ میّت کے مفید ہونے میں فرمایا "ان المیّت یستانس بالذکر علی ما ورد فی الاثار" بیشک اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مُردے کا جی بہلتا ہے جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص 306، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

امام قاضی خاں فتاوٰی خانیہ میں فرماتے ہیں "یکرہ قطع الحطب والحشیش من المقبرة فان کان یابسا لا باس لانه مادام رطبا یسبح فیونس المیّت" چوب و گیاہ سبز (تر لکڑی اور تر گھاس) کا مقبرہ سے کاٹنا مکروہ ہے اور خشک ہو تو مضائقہ نہیں کہ وہ جب تک تر رہتی ہے تسبیح خدا کرتی ہے اور اس سے میّت کا جی بہلتا ہے۔ (فتاوٰی قاضی خاں، ج 1، ص 93، نولکشور لکھنؤ)

علامہ شامی نے اسی حدیث سے مدلل کرکے فرمایا"اس بناء پر مطلقاً کراہت ہے اگر چہ خورد رَو ہو کہ قطع میں حق میّت کا ضائع کرنا ہے۔"

تنبیہ: فقیر کہتا ہے غفر اللہ تعالیٰ لہ علماء کی ان عبارات سے دو جلیل فائدے حاصل:

اولاً نباتات و جمادات وتمام اجزائے عالم میں ہر ایک کے موافق ایک حیات ہے کہ اس کی بقا تک ہر شجر و حجر زبان قال سے اس رب اکبر جل جلالہ کی پاکی بولتا ہے اور سبحان اللہ یا اس کے مثل اور کلمات تسبیح الٰہی کہتا ہے نہ کہ ان میں صرف زبانِ حال ہے جیسا کہ ظاہر بینی کا مقال ہے کہ اس تقدیر پر تر وخشک میں تفرقہ محض بے معنی تھا کما لا یخفی (جیسا کہ مخفی نہیں) اور آیۂ کریمہ ﴿ان من شیء الا یسبح بحمدہ﴾ خود اس پر برہان قاطع کہ اس میں فرمایا ﴿ولکن لا تفقھون تسبیحھم﴾ تم اس کی تسبیح نہیں سمجھتے۔ ظاہر کہ تسبیح حالی تو ہر شخص عاقل سمجھتا ہے۔

اور خود مذہب اہلسنت مقرر ہو چکا کہ تمام ذرات عالم کے لیے ایک نوع علم وادراک وسمع وبصر حاصل ہے، مولوی معنوی قدس سرہ نے مثنوی شریف میں اس مضمون کو خوب مشرح ادا فرمایا، اور اس پر قرآن واحادیث کے صدہا نصوص ناطق۔ جنھیں جمع کروں تو ان شاء اللہ پانسو سے کم نہ ہوں گے۔ ان سب کو بلا وجہ ظاہر سے پھیر کر تاویل کرنا تو قانونِ عقل ونقل سے خروج بلکہ صراحۃً سفاہات مبتدعین میں ولوج (دخول) ہے خصوصاً وہ نصوص (مثلاً وہ حدیثیں جن میں صاف ارشاد ہوا کہ نہ کوئی جانور شکار کیا جائے، نہ کوئی پیڑ کاٹا جائے جب تک تسبیح الٰہی میں غفلت نہ کرے۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((ماصید صید ولا قطعت شجرہ الابتضییع التسبیح)) جو صریح مفسر ہیں کہ تاویل کی گنجائش ہی نہیں رکھتے۔

ثانیاً اقوال مذکورہ سے یہ بھی منصۂ نبوت پر جلوہ گر ہوا کہ اہل قبور کی قوتِ سامعہ اس درجہ تیز وصاف وقوی تر ہے کہ نباتات کی تسبیح جسے اکثر احیاء نہیں سنتے وہ بلا تکلف سنتے اور اس سے اُنس حاصل کرتے ہیں۔ پھر انسان کا کلام تو واضح واظہر ہے واللہ تعالیٰ الھادی۔

مجمع البرکات میں مطالب المومنین سے اور کنز العباد وفتاوی غرائب وغیرہا میں ہے: وضع الورد والریاحین علی القبور حسن لانہ مادام رطبا یسبح ویکون للمیّت انس بتسبیحہ "گلاب وغیرہ کے پھول قبروں پر ڈالنا خوب ہے کہ جب تک تازہ رہیں گے تسبیح الٰہی کریں گے، تسبیح سے میّت کو انس حاصل ہوگا۔ (فتاوی ہندیۃ، ج5، ص351، نورانی کتب خانہ، پشاور) (ص 757)

سوال: کیا اہلِ قبور اپنے زائرین کو دیکھتے پہچانتے اور ان کی زیارت پر مطلع ہوتے ہیں؟ اس بارے میں کچھ اقوالِ علماء بیان فرمادیں؟

جواب: وہ اپنے زائرین کو دیکھتے پہچانتے اور ان کی زیارت پر مطلع ہوتے ہیں: مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری مسلک

منقسط شرح منسک متوسط، پھر فاضل ابن عابدین حاشیہ شرح تنویر میں فرماتے ہیں "من اداب الزیارة ماقالوا من انه لایاتی الزائر من قبل راسه لانه اتعب بصر المیّت بخلاف الاول لانه یکون مقابل بصره" زیارت قبور کے ادب سے ایک بات یہ ہے جو علماء نے فرمائی ہے کہ زیارت کو قبر کی پائنتی سے جائے نہ کہ سرہانے سے کہ اس میں میّت کی نگاہ کو مشقت ہوگی یعنی سر اٹھا کر دیکھنا پڑے گا، پائنتی سے جائے گا تو اس کی نظر کے خاص سامنے ہوگا۔ (ردالمحتار حاشیہ درمختار، ج1، ص665، مصطفی البابی، مصر)

مدخل میں فرمایا "کفی فی هذا بیانا قوله علیه الصلوة والسلام المومن ینظر بنور الله انتهی ونورالله لایحجبه شیء، هذا فی حق الاحیاء من المومنین، فکیف من کان منهم فی الدار الاخرة" اس امر کے ثبوت میں کہ اہلِ قبور کو احوالِ احیاء پر علم و شعور ہے، سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمانا بس ہے کہ مسلمان خدا کے نور سے دیکھتا ہے اور خدا کے نور کو کوئی چیز پردہ نہیں ہوتی، جب زندگی کا یہ حال ہے تو ان کا کیا پوچھنا جو آخرت کے گھر یعنی برزخ میں ہیں۔ (المدخل، ج1، ص253، دارالکتاب العربی، بیروت)

انیس الغریب میں فرمایا "ویعرفون من اتاهم زائرا" جو زیارت کو آتا ہے مُردے اسے پہچانتے ہیں۔ (انیس الغریب)

تیسیر میں ہے "الشعور باق حتی بعدالدفن حتی انه یعرف زائره" شعور باقی ہے یہاں تک کہ بعدِ دفن بھی، یہاں تک کہ اپنے زائر کو پہچانتا ہے۔ (التیسیر شرح جامع صغیر، ج1، ص303، مکتبۃ الامام الشافعی، الریاض السعودیہ)

تیسیر میں زیرِ حدیث من زار قبر ابویه (جس نے اپنے باپ کی قبر کی زیارت کی) نقل فرمایا "هذا نص فی ان المیّت یشعر من یزوره والا لما صح تسمیّته زائرا واذا لم یعلم المزور بزیارة من زاره لم یصح ان یقال زاره، هذا هو المعقول عند جمیع الامم" "یہ حدیث نص ہے اس بات میں کہ مُردہ زائر پر مطلع ہوتا ہے ورنہ اسے زائر کہنا صحیح نہ ہوتا کہ جس کی ملاقات کو جایئے جب اسے خبر ہی نہ ہو تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس سے ملاقات کی، تمام عالم اس لفظ سے یہی معنیٰ سمجھتا ہے۔ (تیسیر شرح جامع صغیر، ج2، ص420، مکتبۃ الامام الشافعی، الریاض السعودیہ) (ص760)

اہلِ قبور اپنے زائرین سے کلام کرتے اور ان کے سلام و کلام کا جواب دیتے ہیں

سوال: کیا اہلِ قبور اپنے زائرین سے کلام کرتے اور ان کے سلام و کلام کا جواب دیتے ہیں؟ اس بارے میں کچھ اقوالِ علماء ارشاد فرمادیں۔

جواب: وہ اپنے زائروں سے کلام کرتے اور ان کے سلام و کلام کا جواب دیتے ہیں۔ زہر الربیٰ شرح سنن نسائی میں نقل فرمایا "ان للروح شانا اخر فتکون فی الرفیق الاعلی وهی متصلة بالبدن بحیث اذا سلم المسلم علی صاحبه ردعلیه السلام وهی فی مکانها هناك الی ان قال انما یاتی الغلط ههنا من قیاس الغائب علی الشاهد فیعتقدون ان الروح من جنس مایعهد من الاجسام التی اذا شغلت مکانا لم یمکن ان تکون فی غیره وهذا غلط محض" "محض روح کی شان جُدا ہے حالانکہ ملاء اعلیٰ میں ہوتی ہے پھر بھی بدن سے ایسی متصل ہے کہ جب سلام کرنے والا سلام کرے جواب دیتی ہے۔ لوگوں کو

20

دھوکا اس میں یوں ہوتا ہے کہ بے دیکھے چیز کو محسوسات پر قیاس کر کے روح کا حال جسم کا سا سمجھتے ہیں کہ جب ایک مکان میں ہو اسی وقت دوسرے میں نہیں ہو سکتی حالانکہ یہ محض غلط ہے۔ (زہر الربیٰ حاشیہ علی النسائی، ج1، ص292، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

علامہ زرقانی شرح مواہب میں نقل فرماتے ہیں" رد السلام علی المسلم من الانبیاء حقیقی بالروح والجسد بحملته، ومن غیر الانبیاء والشهداء باتصال الروح بالجسد اتصالا یحصل بواسطته التمکن من الرد مع کون ارواحهم لیست فی اجساد هم وسواء الجمعة وغیرها علی الاصح، لکن لامانع ان الاتصال فی الجمعة والیومین المکتنفین به اقوی من الاتصال فی غیرها من الایام "انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا جوابِ سلام سے مشرف فرمانا تو حقیقی ہے کہ روح وبدن دونوں سے ہے اور انبیاء وشہداء کے سوا اور مومنین میں یوں ہے کہ ان کی روحیں اگر چہ بدن میں نہیں تاہم بدن سے ایسا اتصال رکھتی ہیں جس کے باعث جوابِ سلام پر انھیں قدرت ہے اور مذہبِ اصح یہ ہے کہ جمعہ وغیرہ سب دن برابر ہیں، ہاں اس کا انکار نہیں کہ پنجشنبہ و جمعہ وشنبہ میں اور دونوں کی نسبت اتصال اقوی ہے۔ (الزرقانی شرح المواہب، ج8، ص352، الطبعۃ العامرہ، مصر)

شرح الصدور وطحطاوی حاشیہ مراقی میں نقل فرمایا" الاحادیث والاثار تدل علی ان الزائر متی جاء علم به المزور وسمع سلام وانس به ورد علیه وهذا عام فی حتی الشهداء وغیرهم وانه لا توقیت فی ذلك "احادیث وآثار دلیل ہیں کہ جب زائر آتا ہے مُردے کو اس پر علم ہوتا ہے کہ اس کا سلام سُنتا ہے اور اس سے انس کرتا ہے اور اس کو جواب دیتا ہے اور یہ بات شہداء وغیر شہداء سب میں عام ہے نہ اس میں کچھ وقت کی خصوصیت کہ بعض وقت ہو اور بعض وقت نہیں۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص620، دار الکتب العلمیہ، بیروت)(ص764)

اولیاء کی کرامتیں، اولیاء کے تصرف بعدِ وصال بھی بدستور ہیں

سوال: کیا اولیاءاللہ سے بعدِ وصال بھی کرامات کا صدور ہوتا ہے؟

جواب: اولیاء کی کرامتیں، اولیاء کے تصرف بعدِ وصال بھی بدستور ہیں۔ علامہ نابلسی قدس سرہ نے حدیقہ ندیہ میں فرمایا"کرامات الاولیاء باقیة بعد موتهم ایضا ومن زعم خلاف ذلك فهو جاهل متعصب ولنا رسالة فی خصوص اثبات الکرامة بعد موت الولی "اولیاء کی کرامتیں بعدِ انتقال بھی باقی ہیں جو اس کے خلاف زعم کرے وہ جاہل ہٹ دھرم ہے ہم نے ایک رسالہ خاص اسی امر کے ثبوت میں لکھا ہے۔ (الحدیقۃ الندیہ، ج1، ص290، نوریہ رضویہ، فیصل آباد)

شیخ مشائخ رئیس المدرسین بالبلد الامین مولانا جمال بن عبداللہ بن عمر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں" قال العلامة الغنیمی وهو خاتمة محققی الحنفیة اذا کان مرجع الکرامات الی قدرة الله تعالیٰ کما تقرر فلا فرق بین حیاتهم ومماتهم (الی ان قال) قد اتفقت کلمات علماء الاسلام قاطبةً علیٰ ان معجزات نبینا صلی الله تعالی علیه وسلم لا تحصر لان منها ما اجره الله تعالی ویجریه لاولیائه من الکرامات احیاءً وامواتاً الی یوم القیٰمة "علامہ غنیمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہ محققینِ حنفیہ کے خاتم ہیں

،فرمایا جب ثابت ہو چکا کہ مرجع کرامات قدرت الٰہی کی طرف سے ہے،تو اولیاء کی حیات و وفات میں کچھ فرق نہیں،تمام علماءِ اسلام ایک زبان فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزے محدود نہیں کہ حضور ہی کے معجزات سے ہیں وہ سب کرامتیں جو اولیائے زندہ ومُردہ سے جاری کیں اور قیامت تک ان سے جاری فرمائے گا۔ (فتاویٰ جمال بن عمر مکی)

اس میں امام شیخ الاسلام شہاب رملی سے منقول ہوا"معجزات الانبیاء و کرامات الاولیاء لاتنقطع بموتهم "انبیاء کے معجزے اور اولیاء کی کرامتیں ان کے انتقال سے منقطع نہیں ہوتیں۔ (فتاویٰ جمال بن عمر مکی)

جامع البرکات میں ارشاد فرمایا"اولیاء را کرامات وتصرفات درا کوان حاصل است وآن نیست مگر ارواح ایشاں را چون ارواح باقی است بعد از ممات نیز باشد "اولیاء کو کائنات میں کرامات وتصرفات کی قوت حاصل ہے اور یہ قوت ان کی روحوں کو ہی ملتی ہے تو روحیں جب بعدِ وفات بھی باقی رہتی ہیں تو یہ قوت بھی باقی رہتی ہے۔ (جامع البرکات)(ص766)

سوال: کیا اولیاء کا فیض برزخ میں بھی جاری ہے،اور غلاموں کی امداد فرماتے ہیں؟

جواب: الحمدللہ برزخ میں بھی ان کا فیض جاری اور غلاموں کے ساتھ وہی شان امداد ویاری ہے۔امام اجل عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی میزان الشریعۃ الکبریٰ میں ارشاد فرماتے ہیں"جميع الائمة المجتهدين يشفعون فی اتباعهم ويلاحظونهم فی شدائدهم فی الدنيا والبرزخ ويوم القيامة حتى يجاوز الصراط " تمام ائمہ مجتہدین اپنے پیروؤں کی شفاعت کرتے ہیں اور دنیا و برزخ وقیامت ہر جگہ کی سختیوں میں ان پر نگاہ رکھتے ہیں یہاں تک کہ صراط سے پار ہو جائیں۔ (المیزان الکبریٰ،ج1،ص9،مصطفی البابی،مصر)

اسی امام اجل نے اسی کتاب اجمل میں فرمایا"قد ذكرنا فی كتاب الاجوبة عن ائمة الفقهاء و الصوفية كلهم يشفعون فی مقلديهم و يلاحظون احدهم عند طلوع روحه وعند سوال منكر و نكير له وعند النشر والحشر والحساب والميزان والصراط، والا يغفلون عنهم فی موقف من المواقف ولما مات شيخنا شيخ الاسلام الشيخ ناصرالدين اللقانی رآه بعض الصالحين فی المنام فقال له مافعل اللّٰه بك فقال لما اجلسنی الملكان فی القبر ليسئلانی اتاهم الامام مالك فقال مثل هذا يحتاج الی سوال فی ايمانه باللّٰه ورسوله تنحياعنه فتنحيا عنی اھ واذا كان مشائخ الصوفية يلاحظون اتباعهم ومريديهم فی جميع الاهوال والشدائد فی الدنياوالآخرة فكيف بائمة المذهب الذين هم أوتادالارض واركان الدين وأمناء الشارع صلى اللّٰه تعالى عليه وسلم على امته رضی اللّٰه تعالى عنهم اجمعين "ہم نے کتاب الاجوبہ عن الفقہاء والصوفیہ میں ذکر کیا ہے کہ تمام ائمہ فقہاء وصوفیہ اپنے اپنے مقلدوں کی شفاعت کرتے ہیں اور جب ان کے مقلد کی روح نکلتی ہے،جب منکر نکیر اس سے سوال کو آتے ہیں،جب اس کا حشر ہوتا ہے،جب نامہ اعمال کھلتے ہیں،جب حساب لیا جاتا ہے،جب عمل تلتے ہیں،جب صراط پر چلتا ہے،غرض ہر حال میں اس کی نگہبانی

فرماتے ہیں اور کسی جگہ اس سے غافل نہیں ہوتے، ہمارے استاد شیخ الاسلام امام ناصر الدین لقانی مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ کا جب انتقال ہوا بعض صالحوں نے انھیں خواب میں دیکھا، پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ کہا جب منکر نکیر نے مجھے سوال کے لئے بٹھایا امام مالک تشریف لائے اور ان سے فرمایا ایسا شخص بھی اس کی حاجت رکھتا ہے کہ اس سے خدا اور رسول پر ایمان کے بارے میں سوال کیا جائے الگ ہو (جایئے) اس کے پاس سے، یہ فرماتے ہیں نکیرین مجھ سے الگ ہوگئے اور جب مشائخ کرام صوفیہ قدست اسرارہم ہول وسختی کے وقت دنیا و آخرت میں اپنے پیروؤں اور مریدوں کا لحاظ رکھتے ہیں تو ان پیشوایانِ مذہب کا کہنا ہی کیا جو زمین کی میخیں ہیں اور دین کے ستون، اور شارع علیہ السلام کی اُمت پر اس کے امین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ (المیزان الکبریٰ، ج1، ص53، مصطفی البابی، مصر)

اللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد

حسبی من الخیرات ما اعددتہ یوم القیامۃ فی رضی الرحمٰن
دین النبی محمد خیر الورٰی ثم اعتقادی مذہب النعمٰن
وارادتی وعقیدتی ومحبتی للشیخ عبدالقادر الجیلانی

ترجمہ: میرے لیے نیکیوں سے وہ کافی ہے جو روز قیامت خوشنودی الٰہی کی راہ میں، میں نے تیار کر رکھا ہے، نبی اکرم مخلوق میں سب سے افضل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دین پاک، پھر مذہب نعمان امام اعظم ابوحنیفہ پر اعتقاد، اور سیدی شیخ عبدالقادر جیلانی سے ارادت اور عقیدت ومحبت۔

وی بخاک رضا شدم گفتم کہ تو چونی کہ ماچناں شدہ ایم
ہمہ روز از غمت بفکر فضول ہمہ شب در خیال بیہدہ ایم
خبری گو بماز تلخی مرگ سنیت را گدائے میکدہ ایم
شیر بودیم وشہد افروزند ما سراپا حلاوت آمدہ ایم

ترجمہ: ایک دن میں نے رضا کی خاک پر جا کر کہا تمھارا کیا حال ہے، ہمارا حال تو یہ ہے کہ دن رات تمھارے غم میں بیکار سوچتے اور فکر کرتے رہتے ہیں، بتاؤ کہ موت کی تلخی کا حال کیسا رہا؟ عرض کیا: یہ تلخ جام ہم نے تو کم ہی چکھا، قادریت ہمارا مشرب رہا اور سنیت ہمارا میکدہ۔ ہم دُودھ تھے ہی اس پر شہد کا اضافہ ہوا، ہم تو سراپا حلاوت نکلے۔

تنبیہ: ہاں مقلدان ائمہ کو خوشی وشادمانی اور ان کے مخالفوں کو حسرت وپشیمانی، مگر حاشا صرف فروع میں تقلید سے تمتع نہیں ہوتا، پہلے مہم امر عقائد ہے جو اس میں ائمہ سلف کے خلاف ہو، تو یہ، کہاں وہ اور کہاں اتباع، یوں تو بہتیرے معتزلی حنفیت جتاتے ہیں، بعض زیدیہ روافض شافعی کہلاتے ہیں، بہت مجسمہ موجھہ حنبلی کہے جاتے، پھر کیا ارواح طیبہ حضرات عالیہ امام اعظم وامام شافعی وامام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان

سے خوش ہوں گے، کلا واللہ! ان گمراہوں کا انتساب ایسا ہے جیسے روافض اپنے آپ کو امامیہ کہتے ہیں، حالانکہ ان سے پہلے بیزار روح پاک ائمہ اطہار ہے رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، یونہی نجد کے حنبلی، ہند کے حنفی جو مخترعانِ مذہب جدید و متبعانِ قرنِ طرید ہوئے ہرگز حنبلی و حنفی نہیں بلکہ غضبی (جن پر غضب کیا گیا ہو) و جنفی (ظلم وجور کرنے والے) ہیں۔

معہذا بالفرض اگر ایک فریق منکرین باعتبار فروع مقلدین سہی تاہم جب ان کے نزدیک ارواح گزشتگان مثل جماد اور محال امداد اور شرک استمداد، تو وہ اس قابل کہاں کہ ارواح ائمہ ان پر نظر فرمائیں، سنت الٰہیہ ہے کہ منکرین کو محروم رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ حدیث قدسی میں فرماتا ہے ((انا عند ظن عبدی بی)) میں بندہ سے وہ کرتا ہوں جو بندہ مجھ سے گمان رکھتا ہے۔ (الصحیح للبخاری، ج2، ص1101، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

جب ان کے گمان میں امداد محال تو ان کے حق میں ایسا ہی ہوگا۔

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حدیث متواتر میں فرماتے ہیں ((شفاعتی یوم القیٰمۃ حق فمن لم یؤمن بھا لم یکن من اھلھا)) رواہ ابن منیع عن زید بن ارقم وبضعۃ عشر من الصحابۃ رضوان اللّٰہ تعالیٰ اجمعین میری شفاعت قیامت کے روز حق ہے جو اس پر ایمان نہ لائے گا اس کے اہل نہ ہوگا۔ (الجامع صغیر مع فیض القدیر، ج2، ص301، دار المعرفۃ، بیروت لبنان)

امام ابن حجر مکی پھر شیخ نے شروح مشکوٰۃ میں فرمایا" صالحاں رامدد بلیغ است بہ زیارت کنند گانِ خود رابر اندازہ ادب ایشاں" صالحین اپنے زائرین کے ادب کے مطابق ان کی بے پناہ مدد فرماتے ہیں۔

(اشعۃ اللمعات، ج1، ص720، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

امام علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں اہلسنت کے نزدیک علم وادراک موتی کی تحقیق کرکے فرمایا" ولھذا ینتفع بزیارۃ قبور الابرار والاستعانۃ من نفوس الاخبار "اسی لیے قبورِ اولیاء کی زیارت اور ارواحِ طیبہ سے استعانت نفع دیتی ہے۔ (شرح المقاصد، ج2، ص43، دار المعارف النعمانیہ، لاہور)

ردالمحتار میں امام غزالی سے ہے"انھم متفاوتون فی القرب من اللّٰہ تعالیٰ ونفع الزائرین بحسب معارفھم واسرارھم "ارواح طیبہ اولیائے کرام کا حال یکساں نہیں بلکہ وہ متفاوت ہیں اللہ سے نزدیکی اور زائروں کو نفع دینے میں موافق اپنے معارف واسرار کے۔ (ردالمحتار، ج1، ص604، ادارۃ الطباعۃ العربیہ، مصر)

سید جمال مکی کے فتاوٰی میں امام شہاب الدین رملی سے منقول"للانبیاء والرسل والاولیاء والصالحین اغاثہ بعد موتھم "انبیاء ورسل واولیاء وصالحین بعدِ رحلت بھی فریاد رسی کرتے ہیں۔ (فتاوٰی جمال بن عمر مکی) (ص769)

سوال: فوت شدگان کو نداء کرنے اور ان سے کوئی حاجت طلب کرنے کے جواز کے بارے میں کچھ اقوالِ علماء وائمہ بیان فرمادیجئے۔

جواب: شیخ محقق جذب القلوب میں فرماتے ہیں"قیل لموسیٰ الرضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ علمنی کلاما اذا زرت واحدا منکم فقال ادن من القبر و کبراللہ اربعین مرّۃ ثم قل السلام علیکم یا اھل بیت الرسالۃ انی مستشفع بکم ومقدمکم امام طلبی وارادتی ومسائی وحاجتی واشھد اللہ انی مومن بسرکم وعلانیتکم وانی ابرأ الی اللہ من عدم محمد وال محمد من الجن والانس "امام موسیٰ رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی گئی مجھے ایک کلام تعلیم فرمائے کہ اہل بیت کرام کی زیارت میں عرض کروں؟ فرمایا: قبر سے نزدیک ہو کر چالیس بار تکبیر کہہ پھر عرض کر سلام آپ پر اے اہلبیت رسالت! میں آپ سے شفاعت چاہتا ہوں اور آپ کو اپنی طلب وخواہش وسوال وحاجت کے آگے کرتا ہوں، خدا گواہ ہے مجھے آپ کے باطن کریم وظاہر طاہر پر سچے دل سے اعتقاد ہے اور میں اللہ کی طرف بری ہوتا ہوں ان سب جن وانس سے جو محمد وآل محمد کے دشمن ہوں صلی اللہ تعالیٰ علی محمد وآل محمد وبارک وسلم آمین! (جذب القلوب، ص138، مکتبہ نعیمیہ چوک دالگراں، لاہور)

سیدی جمال مکی قدس سرہ کے فتاویٰ میں ہے"سئلت عمن یقول فی حال الشدائد یارسول اللہ اویا علی اویاشیخ عبدالقادر مثلاً ھل ھو جائز شرعاً ام لا فاجیت نعم الاستغاثۃ بالاولیاء ونداؤھم والتوسل بھم امرمشروع ومرغوب لاینکرہ الامکابر اومعاند وقد حرم برکۃ الاولیاء الکرام، و سئل شیخ الاسلام الشھاب الرملی الانصاری الشافعی عما یقع من العامۃ من قولھم عند الشدائد یا شیخ فلان ونحو ذلک من الاستغاثۃ بالانبیاء والمرسلین والصالحین فاجاب بما نصہ الاستغاثہ بالانبیاء والمرسلین والاولیاء الصالحین جائزۃ بعد موتھم "ترجمہ: مجھ سے سوال ہوا اس شخص کے بارے میں جو سختیوں کے وقت کہتا ہے یارسول اللہ، یا علی، یا شیخ عبدالقادر مثلاً آیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ میں نے جواب دیا: ہاں اولیاء سے مدد مانگنی اور انہیں پکارنا اور ان کے ساتھ توسل کرنا امر مشروع وشی ء مرغوب ہے جس کا انکار نہ کرے گا مگر ہٹ دھرم دشمنِ انصاف، اور بیشک وہ برکتِ اولیائے کرام سے محروم ہے، شیخ الاسلام شہاب رملی انصاری شافعی سے استفتاء ہوا کہ عام لوگ جو سختیوں کے وقت مثلاً یا شیخ فلاں کہہ کر پکارتے ہیں اور انبیاء واولیاء سے فریاد کرتے ہیں اس کا شرح میں کیا حکم ہے؟ امام ممدوح نے فتویٰ دیا کہ انبیاء ومرسلین واولیاء علماء صالحین سے ان کے وصال شریف کے بعد بھی استعانت واستمداد جائز ہے۔ (فتاویٰ جمال بن عمر مکی)

علامہ خیر الدین رملی حنفی استاذ صاحب درمختار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا فتاویٰ خیریہ میں فرماتے ہیں"قولھم یا شیخ عبدالقادر نداء فی الموجب لحرمتہ "لوگوں کا کہنا یا شیخ عبدالقادر یہ ایک نداء ہے پھر اس کی حرمت کا سبب کیا ہے۔

(فتاویٰ خیریہ، ج2، ص182، دارالمعرفۃ، بیروت)(ص791)

سوال: دیوبندی وہابی جو اہلِ قبور کے لئے سننا، دیکھنا اور دیگر تصرفات نہیں مانتے، اس بارے میں ان کے لئے شاہ

ولی اللہ اوران کے خاندان کے کچھ اقوال ارشاد فرمادیجئے کیونکہ وہ ان کو بہت مانتے ہیں؟

جواب: شاہ ولی اللہ فیوض الحرمین میں لکھتے ہیں ''اذا انتقلوا الی البرزخ کانت تلک الاوضاع والعادات والعلوم معھم لاتفارقھم'' جب برزخ کی طرف انتقال کرتے ہیں یہ وضعیں اور عادتیں اور علم سب ان کے ساتھ ہوتے ہیں جدا نہیں ہوتے۔ (فیوض الحرمین معہ ترجمہ اردو، ص42، محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل، کراچی)

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں ''چوں آدمی میرد روح راصلا تغیر نمی شود چنانچہ حاطل قوی بود حالا ہمر ست شعور وادراک کہ داشت حالا ہمر دارد بلکہ صاف تر وروشن تر۔اھ ملخصاً۔ جب آدمی مرتا ہے روح میں بالکل کوئی تغیر نہیں ہوتا جس طرح پہلے حال قوی تھی اب بھی ہے اور جو شعور وادراک اسے پہلے تھا اب بھی ہے بلکہ اب زیادہ صاف اور روشن ہے۔ (تفسیر عزیزی، ج1، ص559، افغانی دارالکتب لال کنواں، دہلی)

تفسیر عزیزی میں ارواح انبیاء واولیاء وعام صلحاء علی سیدہم وعلیہم الصلوۃ والسلام کا ذکر کرکے کہ بعض علیین اور بعض آسمان اور بعض درمیان آسمان وزمین اور بعض چاہ زمزم میں ہیں، لکھتے ہیں ''تعلقے بقبر نیز ایں ارواح رامی باشد کہ بحضور زیارت کنندگان واقارب ودیگر دوستاں بر قبر مطلع ومستانس می گردند وزیراں کہ روح راقرب وبعد مکانی مانع ایں دریافت نمی شود ومثال آں در وجود انسان روح بصری ست کہ ستارہائے ہفت آسمان رادر دن چاہ می تواند دید'' ترجمہ: ان روحوں کو قبر سے بھی ایک تعلق رہتا ہے جس کے سبب زائرین اور عزیزوں، دوستوں کی آمد کا انھیں علم ہوتا ہے اور ان سے انہیں اُنس حاصل ہوتا ہے اس لیے کہ مکان کی دوری ونزدیکی روح کے لیے اس ادراک سے مانع نہیں ہوتی، انسان کے وجود میں اس کی مثال روح بصر ہے جو ہفت آسمان کے ستارے کنویں کے اندر سے دیکھ سکتی ہے۔ (تفسیر عزیزی، ص193، مسلم بک ڈپو لال کنوان، دہلی)

یہ پچھلا جملہ زیادہ قابل لحاظ ہے۔

اسمٰعیل نے صراط مستقیم میں اپنے پیر کا حال لکھا ''روح مقدس جناب حضرت غوث الثقلین وجناب حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند متوجہ حال حضرت ایشاں گردیدہ تا قریب یک ماہ فی الجملہ تنازع در مابین روحین مقدسین درحق حضرت ایشاں ماندہ زیرا کہ ہر واحد ازیں دو امام تقاضائے جذب حضرت ایشاں بتمامہ بسوئے خود می فرمودتا ازینکہ بعد انقراض زمانہ تنازع ووقوع مصالحت بر شرکت روزے ہر دو روح مقدس بر حضرت ایشاں جلوہ گر شدند تا قریب یک پاس ہر دو امام برنفس نفیس حضرت ایشاں توجہ قوی وتاثیر زور آور می فرمودند تا انیکہ درہمان یک پاس حصول

نسبت ہر دو طریقہ نصیبہ حضرت ایشاں گردی ''حضرت غوث الثقلین اور حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کی روحیں حضرت کے حال پر متوجہ ہوئیں اور قریب ایک ماہ تک دونوں مقدس روحوں کے درمیان حضرت کے حق میں تنازع رہا اس لیے دونوں ماموں میں سے ہر ایک حضرت کو پورے طور سے اپنی طرف کھینچنے کا تقاضا کر رہے تھے یہاں تک کہ زمانہ تنازع کے ختم ہونے اور شرکت پر مصالحت واقع ہو جانے کے بعد ایک دن دونوں مقدس روحیں حضرت پر جلوہ گر ہوئیں ایک پہر کے قریب دونوں امام حضرت کے نفس نفیس پر قوئی توجہ اور پر زور تاثیر ڈالتے رہے یہاں تک کہ اسی ایک پہر کے اندر دونوں طریقتوں کی نسبت حضرت کو نصیب ہوگئی۔ (صراط مستقیم، ص166، المکتبۃ السلفیہ، لاہور)

اسی میں ہے ''روزے حضرت ایشاں بسوئے مرقد منور حضرت خواجہ خواجگان خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی قدس سرہ العزیز تشریف فرما شدند بر مرقد مبارک ایشاں مراقب نشستند دریں اثناء بروح پر فتور ایشاں توجھی جس قوی فرمودند کہ بسبب آں توجہ ابتدائے حصول نسبت چشتیہ متحقق شد ''ایک دن حضرت خواجہ خواجگان خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی قدس سرہ العزیز کے مرقد انور کی طرف حضرت تشریف لے گئے ان کے مرقد مبارک پر مراقبہ میں بیٹھے اس دوران حضرت کی روح پر فتوح پر علامات متحقق ہوئیں، اور آں حضور نے حضرت پر بہت قوی توجہ فرمائی جس کے سبب نسبت چشتیہ کے حصول کی ابتداء متحقق ہوئی۔ (صراط مستقیم، ص166، المکتبۃ السلفیہ، لاہور)

شاہ ولی اللہ نے ہمعات میں کہا: بزیارت قبر ایشان رو دو از آں جا انجذاب دریوزہ کند ''ان کی قبروں کی زیارت کو جائے اور وہاں بھیک مانگے۔ (ہمعات، ص34، اکادیمیہ شاہ ولی اللہ حیدر آباد)

شاہ ولی اللہ کتاب الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں لکھتے ہیں'' فقیر در سفر حج چوں بہ لاہور رسید و دست بوس شیخ محمد سعید لاہوری دریافت ایشاں اجازت ودعائے سیفی دادند بل اجازت جمیع اعمال جواہر خمسہ ''فقیر سفر حج میں جب لاہور پہنچا شیخ محمد سعید لاہوری کی دست بوسی پائی انھوں نے دعائے سیفی کی اجازت دی بلکہ جواہر خمسہ کے تمام عملیات کی اجازت دی۔ (الانتباہ فی سلاسل اولیاء، ص138، برقی پریس، دہلی)

(اس کے علاوہ دیگر سے اجازت کا بیان باحوالہ امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے فرمایا، پھر فرماتے ہیں):

ملاحظہ ہو کہ اسی جواہر خمسہ میں اسی دعائے سیفی کی ترکیب میں کیا لکھا ہے'' ناد علی ہفت بار یا سہ بار یا یک بار بخواندہ و آں ایں است۔ ناد علیا مظہر العجائب تجدہ عونالك فی النوائب کل ھم وغم سینجلی بولایتك یا علی یا علی یا علی ''سات بار، یا تین بار، یا ایک بار ناد علی پڑھے، اور وہ یہ ہے: حیرت انگیز چیزوں کے مظہر حضرت علی کو ندا کر انھیں ناگہانی آفتوں مصیبتوں میں اپنا مددگار پائے گا ہر رنج و غم دور ہو جائے گا

آپ کی ولایت سے اے علی، اے علی، اے علی ا۔ (جواہر خمسہ، ص282، دارالاشاعت مسافر خانہ، کراچی)

اگر مولا علی کو مشکل کشا ماننا، مصیبت کے وقت مددگار جاننا، ہنگام غم و تکلیف اس جناب کو ندا کرنا، یا علی یا علی کا دم بھرنا شرک ہو تو معاذ اللہ تمہارے نزدیک حضرات مذکورین سب کفار و مشرکین ٹھہریں، اور سب سے بڑھ کر بھاری مشرک کٹر کا فر عیاذاً باللہ شاہ ولی اللہ ہوں جو مشرکوں کو اولیاء اللہ جانتے، اپنا شیخ و مرشد و مرجع سلسلہ مانتے، احادیث نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سندیں ان سے لیتے، مدتوں ان کی خدمتگاری و کفش برداری کی داد دیتے، انھیں شیخ ثقہ و عادل بتلاتے، ان کی ملاقات کو بلفظہٖ دست بوس تعبیر فرماتے ہیں، محدثین کا تمغا، حدیث کی سندیں یوں برباد ہوئیں کہ اتنے مشرکین ان میں داخل، پھر شاہ عبدالعزیز صاحب کو شاہ ولی اللہ صاحب سے یہی نسبت خدمت و ارادت و تلمذ و بیعت و مدح عقیدت حاصل، اور ان کی سب سندوں میں تمہارے طور پر یہ مشرک اعظم و کافر اکبر شامل، کہاں کی شاہی، کیسی محدثی، اصل ایمان کی سلامتی مشکل، انا للہ و انا الیہ راجعون ، پھر مولوی اسحاق و میاں اسمٰعیل بیچارے کس گنتی میں کہ انکی تو ساری کرامات اسی شرکستان کی بھٹی میں مشرکوں کی نسل، مشرکوں کی اولاد، مشرک ہی پیر، مشرک ہی استاد، آنکھ کھلتے ہی مشرک نظر پڑے، ہوش سنبھلتے ہی مشرکوں میں بگڑے، مشرکوں کی گود، مشرکوں کی بغل، مشرکوں کا دودھ، مشرکوں کا عمل، مشرکوں میں پلے، مشرکوں میں بڑھے، مشرکوں سے سیکھے، مشرکوں سے پڑھے مشرک دادا، مشرک نانا، عمر بھر مشرکوں کو جانا مانا، العیاذ باللہ رب العلمین و لاحول و لاقوۃ الا باللہ الحق المبین ، مسلمان دیکھیں کہ یا علی یا علی کو شرک ٹھہرانے کی کیا سزا ملی، نہ ناحق مسلمانوں کو مشرک کہتے نہ اگلوں پچھلوں کے مشرک بننے کی مصیبت سہتے، اس سے یہی بہتر کہ راہ راست پر آئیں، سچے مسلمانوں کو مشرک نہ بنائیں ورنہ اپنوں کے ایمان کی فکر فرمائیں۔ (ص802)

سوال : فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ "اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ زید سے نہ بولوں گا، تو یہ قسم زید کی حالتِ حیات پر مقصور رہتی ہے، اگر بعدِ انتقال زید سے کلام کرے تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی" جب فوت شدگان سنتے ہیں، تو قسم نہ ٹوٹنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب : اس کی وجہ یہ کہ ہمارے نزدیک بنائے یمین (قسم کی بناء) عرف پر ہے، لفظ سے جو معنی عرفاً مراد و مفہوم ہوتے ہیں ان پر قسم وارد ہوتی ہے نہ کہ معنی لغوی یا شرعی پر، تمام کتبِ مذہب۔۔ میں اس امر کی تصریحاتِ جلیلہ ہیں، مثلاً قسم کھائی بچھونے پر نہ بیٹھے گا یا چراغ سے روشنی نہ لے گا یا چھت کے نیچے نہ آئے گا تو زمین پر یا دھوپ میں یا زیرِ آسمان بیٹھنے سے قسم نہ ٹوٹے گی اگرچہ قرآن عظیم میں زمین کو فرش اور آفتاب کو سراج (چراغ) اور آسمان کو سقف (چھت) فرمایا۔۔ بعینہ اسی وجہ سے مسئلہ مذکورہ میں بعدِ موت بولنے سے حنث زائل کہ کسی سے نہ بولنا عرفاً اس کی موت کے بعد سلام و کلام کے غیر کو شامل۔ فتح القدیر میں ہے "یمینہ لاتنعقد الا علی الحی لانی المتعارف ھو الکلام معہ" یعنی یہ قسم خاص حالتِ زندگی ہی پر منعقد ہوگی کہ عرف میں کسی سے بولنا اس کی زندگی ہی میں بات کرنے کو کہتے ہیں۔ (فتح القدیر، ج4، ص417، نوریہ رضویہ، سکھر)

علامہ علی قاری مکی حنفی فرماتے ہیں "ھذا منھم مبنی علی ان مبنی الایمان علی العرف فلایلزم نفی حقیقة

السماع کما قالوا فیمن حلف لا یاکل اللحم فاکل السمکۃ مع انہ تعالیٰ سماہ لحماً طریاً ''یعنی ہمارے علماء کا یہ ارشاد کہ بعدِ موت کلام سے قسم نہ ٹوٹے گی اس پر مبنی ہے کہ قسم کی بناء عرف پر ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مردے حقیقۃً نہیں سنتے، جس طرح ہمارے علماء نے فرمایا کہ جو گوشت نہ کھانے کی قسم کھائے مچھلی کھانے سے حانث نہ ہوگا حالانکہ اللہ عزوجل نے قرآن عظیم میں اسے تروتازہ گوشت فرمایا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، ج8، ص11، مکتبہ امدادیہ، ملتان) (ص838)

تلخیص فتاوی رضویہ

(جلد10)

مؤلف

استاذ الفقہ والحدیث حضرت علامہ مفتی محمد ہاشم خان العطاری المدنی مدظلہ العالی

کتاب الزکوۃ

نماز، زکوۃ اور روزہ کا ذکر قرآن مجید میں کتنی مرتبہ ہے؟

سوال: نماز اور زکوۃ کا ذکر قرآن مجید میں کتنی مرتبہ ہے؟ اسی طرح روزہ کا ذکر کتنی مرتبہ آیا ہے؟

جواب: نماز وزکوٰۃ کی فرضیت وفضیلت ومسائل تینوں قسم کا ذکر قرآن مجید میں بہت جگہ ہے یہاں تک کہ مناقب بزازی و بحرالرائق ومنح الغفار وفتح المعین وغیرہا میں واقع ہوا کہ علاوہ اُن مواقع کے جن میں نماز، زکوٰۃ کا ذکر جُدا جُدا ہے دونوں کا ساتھ ساتھ ذکر قرآنِ عظیم میں بیاسی 82 جگہ آیا ہے، مگر علامہ حلبی وعلامہ طحطاوی وعلامہ شامی سادات کرام محشیان درِمختار فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ اُن کا ساتھ ساتھ بتیس 32 جگہ فرمایا ہے۔ علامہ حلبی کے استاد نے وُہ سب مواقع گنادیئے۔

اور فرضیتِ روزہ کا ذکر ایک ہی جگہ ہے، ہاں عبارۃً واشارۃً اس کی فضیلت اور مواقع پر بھی ظاہر فرمائی گئی ہے۔ (ص63)

عشر کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے

سوال: کیا عشر کا ذکر بھی قرآن مجید میں ہے؟

جواب: عشر کا ذکر بھی قرآنِ عظیم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام میں فرمایا ﴿وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ﴾

ترجمہ: کھیتی کٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو۔ (پ8، سورۃ الانعام، آیت142)

حضرت ابن عباس، طاؤس، حسن، جابر بن زید اور سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان تمام حضرات نے اس سے عشر مراد لیا ہے جیسا کہ معالم التنزیل وغیرہ میں ہے۔

سوال: چند مسلمانوں نے ایک صاحب کے لیے ماہانہ کچھ رقم زکوۃ کے مال سے مقرر کی ہوئی ہے، مقصود ان لوگوں کا ایک مسلمان بزرگ ومسکین کے ساتھ سلوک کرنا ہے، کسی خدمت وغیرہ کا بدل نہیں، بلکہ ایسے شخص کا اپنے محلّہ ومسجد میں رہنا موجب خیر وبرکت سمجھا، اسی طور عرصہ قریب چار سال کی گزرا کہ یہ لوگ موافق اپنے وعدے اور نیّت کے خواہ وہ بزرگ اپنے وطن کو گئے یا یہاں رہے، دیتے اور ادا کرتے رہے، مگر بعض نے ان میں عذر کیا اور کہا ہم ایامِ غیر حاضری کا نہ دیں گے، تو اس صورت میں زکوٰۃ ان لوگوں کی ادا ہوئی یا نہ ہوئی؟

جواب: (اس سوال کے جواب سے پہلے امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے چند امور دلائل کے ساتھ ثابت فرمائے):

(1) اصل یہ ہے کہ زکوٰۃ میں نیّت شرط ہے بے اس کے ادا نہیں ہوتی۔

(2) اور نیت میں اخلاص شرط ہے بغیر اس کے نیّت مہمل۔

(3) اور اخلاص کے معنٰی یہ ہیں کہ زکوٰۃ صرف بہ نیت زکوٰۃ وادائے فرض وبجا آوری حکم الٰہی دی جائے، اس کے ساتھ اور کوئی امر منافیِ زکوٰۃ مقصود نہ ہو۔

(4) پھر اس میں اعتبار صرف نیت کا ہے اگر چہ زبان سے کچھ اور اظہار کرے، مثلاً دل میں زکوٰۃ کا ارادہ کیا اور زبان سے ہبہ یا قرض کہہ کر دیا صحیح مذہب پر زکوٰۃ ادا ہوجائیگی۔

(5) پھر نیت بھی صرف دینے والے کی ہے، لینے والا کچھ سمجھ کرلے، اس کا علم اصلاً معتبر نہیں۔

(6) لہٰذا اگر عید کے دن اپنے رشتہ داروں کو جنہیں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے کچھ روپے عیدی کا نام کرکے دیا اور انہوں نے عیدی ہی سمجھ کرلیا اور اس کے دل میں یہ نیت تھی ''میں زکوٰۃ دیتا ہوں'' بلاشبہ ادا ہوجائیگی۔ اسی طرح اگر کوئی ڈالی لایا رمضان مبارک میں سحری کو جگانے والا عید کا انعام لینے آیا یا کسی شخص نے دوست کے آنے یا اور کسی خوشی کا مژدہ سنایا اس نے دل میں زکوٰۃ کا قصد کرکے ان لوگوں کو کچھ دے دیا، یہ دینا بھی زکوٰۃ ہی ٹھہرے گا، اگر چہ ان کے ظاہر میں ڈالی لانے یا سحری کو جگانے یا خوشخبری کو سنانے کا انعام تھا، اور انہوں نے اپنی دانست میں یہی جان کرلیا۔

(7) پھر زکوٰۃ صدقہ ہے اور صدقہ شرطِ فاسد سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ وہ شرط ہی فاسد ہوجاتی ہے، مثلاً زکوٰۃ دی اور یہ شرط کرلی کہ یہاں رہے گا تو دُوں گا ورنہ نہ دونگا، اس شرط پر دیتا ہوں کہ تو یہ روپیہ فلاں کام میں صرف کرے، اس کی مسجد بنادے یا کفنِ اموات میں اٹھادے تو قطعاً زکوٰۃ ادا ہوجائیگی اور یہ شرطیں سب باطل ومہمل ٹھہریں گی۔

(8) پھر جب صریح شرط باوجود خلوصِ نیت ادائے زکوٰۃ میں خلل انداز نہیں تو ایسا برتاؤ جو بظاہر معنیِ شرط پر دلالت کرے مثلاً جب یہاں رہے تو دے اور نہ رہے تو نہ دے، بدرجۂ اولیٰ باعث خلل نہ ہوگا۔

جب یہ امور ذہن نشین ہولیے تو جوابِ مسئلہ بحمدہٖ تعالیٰ واضح ہوگیا، اگر وہ دینے والے بقصدِ معاوضہ وبطورِ اجرت دیتے یا نیتِ زکوٰۃ کے ساتھ یہ نیت بھی ملالیتے تو بیشک زکوٰۃ ادا نہ ہوتی۔

جبکہ تقریرِ سوال سے ظاہر کہ انہوں نے محض بہ نیت زکوٰۃ دیا اور اسے زکوٰۃ ہی خیال کیا، معاوضہ واُجرت کا اصلاً لحاظ نہ تھا تو بے شک زکوٰۃ ادا ہوگئی اگر چہ وہ شخص جسے زکوٰۃ دی گئی اپنے علم میں کچھ جانتا ہو، اگر چہ انہوں نے اس سے صاف کہہ بھی دیا کہ یہاں رہوگے تو دیں گے ورنہ نہ دیں گے، اگر چہ وُہ عمل بھی اس کے مطابق کریں یعنی ایامِ حاضری میں دیں غیر حاضری میں نہ دیں کہ جب نیت میں صرف زکوٰۃ کا خاص قصد ہے تو اُن میں کوئی امر اُس کا نافی ومنافی نہیں۔ (ص 65 تا 69)

زکوٰۃ میں نقد پیسوں کے بجائے غلہ وغیرہ بھی دے سکتے ہیں

سوال: زکوٰۃ میں نقد پیسوں کے بجائے غلہ وغیرہ محتاج کو دے دیا تو کیا زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؟

جواب: زکوٰۃ میں روپے وغیرہ کے عوض بازار کے بھاؤ سے اس قیمت کا غلہ مثلاً وغیرہ محتاج کو دے کر بہ نیت زکوٰۃ مالک کو دینا جائز وکافی ہے، زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔ (ص69)

سوال: اگر غلہ وغیرہ زکوٰۃ میں دیا تو غلہ فقیر شرعی تک پہنچانے میں جو خرچ ہوا اس کو بھی زکوٰۃ کی رقم میں شمار کریں گے یا صرف اتنی ہی رقم زکوٰۃ میں شمار ہوگی جتنی فقیر تک پہنچی؟

جواب: جس قدر چیز محتاج کی مِلک میں گئی بازار کے بھاؤ سے جو قیمت اس کی ہے وہی مجرا (شمار) ہوگی، بالائی (اوپر کے) خرچ محسوب (شمار) نہ ہوں گے، مثلاً آج کل مکا کا نرخ نو سیر ہے تو من مکا مول لے کر محتاجوں کو بانٹی تو صرف چالیس روپیہ زکوٰۃ میں ہوں گے، اُس پر جو پلّہ داری یا بار برداری دی ہے حساب میں نہ لگائی جائیگی، یا گاؤں سے منگا کر تقسیم کی تو کرایہ گھاٹ چونگی وضع نہ کریں گے، یا غلہ پکا کر دیا تو پکوائی کی اُجرت، لکڑیوں کی قیمت مجرا نہ دینگے، اس کی پکی ہوئی چیز کی جو قیمت بازار میں ہو وہی محسوب ہوگی۔ (ص70)

سوال: اگر کسی شخص نے زکوٰۃ کی رقم سے محتاجوں کو کھانا کھلا دیا یا کپڑے بنا دیئے تو زکوٰۃ ادا ہو جائیگی یا نہیں؟

جواب: عوض زرِ زکوٰۃ کے (زکوٰۃ کی رقم کے عوض) محتاجوں کو کپڑے بنا دینا، انھیں کھانا دے دینا جائز ہے اور اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائیگی، خاص روپیہ ہی دینا واجب نہیں مگر ادائے زکوٰۃ کے معنٰی یہ ہیں کہ اس قدر مال کا محتاجوں کو مالک کر دیا جائے، اسی واسطے اگر فقراء و مساکین کو مثلاً اپنے گھر بلا کر کھانا پکا کر بطریقِ دعوت کھلا دیا تو ہرگز زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کہ یہ صورت اباحت ہے نہ کہ تملیک، یعنی مدعو (جس کو دعوت دی گئی وہ) اس طعام (کھانے) کو ملکِ داعی (دعوت دینے والی کی ملکیت) پر کھاتا ہے اور اس کا مالک نہیں ہو جاتا، اسی واسطے مہمانوں کو روا (جائز) نہیں کہ طعامِ دعوت سے بے اذنِ میزبان گداؤں (مانگنے والوں) یا جانوروں کو دے دیں، یا ایک خوان والے دوسرے خوان والے کو اپنے پاس سے کچھ اٹھا دیں یا بعد فراغ جو باقی بچے اپنے گھر لے جائیں۔

ہاں اگر صاحبِ زکوٰۃ نے کھانا خام خواہ پختہ (بے پکا یا پکا ہوا) مستحقین کے گھر بھجوا دیا یا اپنے ہی گھر کھلایا مگر تصریح پہلے مالک کر دیا تو زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔ (ص70,71)

(ایک دوسرے سوال کے جواب میں امامِ اہلسنت علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں) کھانا جمع کر کے کھلا دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہُوئی۔ نہ بعینہ روپیہ دینا ضرور، بلکہ اگر اس کا اناج یا کپڑا خرید کر محتاجوں کو دے دیتا یا کھانا پکا کر اُن کے گھر بھیج دیتا یا حصّے انھیں تقسیم کر دیتا تو بازار کے بھاؤ سے جو اُس کی قیمت ہوتی اس قدر زکوٰۃ ادا ہو جاتی پکوائی وغیرہ میں جو صرف ہُوا وہ محسوب نہ ہوگا۔ (ص72)

سوال: گندم چھ 6 روپیہ کے بھاؤ سے ایک من خرید کر چار 4 روپیہ کے بھاؤ سے مسلمان غریب لوگوں کو دے دینا اور جو دو 2 روپیہ کا نقصان ہوا سے زکوٰۃ دینے میں شمار کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: زکوٰۃ اس طرح ادا نہیں ہوسکتی، فان البیع یبائن الصدقۃ والمحاباۃ لیست فی القدر الزائد المتروک من التملیک فی شئی فانک لم تملکہ حتی تملکہ۔ ترجمہ: کیونکہ بیع، صدقہ کی متضاد ہے، رعایت کرنا سودے سے زائد کسی چیز کی تملیک نہیں ہے کیونکہ رعایت تیری ملکیت نہیں، کہ تو کسی کو مالک بنائے۔

بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ چھ 6 ہی روپے من اُن کے ہاتھ بیچیں اور فی من دو 2 روپے اُن کو زکوٰۃ میں اپنے پاس سے دیں اور قیمت میں چھ 6 روپے اُن سے وصول کریں، اُن کے دو روپے زکوٰۃ میں محسوب (شمار) ہوں گے اور اُن کو من بھر گیہوں پر چار 4 روپے اپنے پاس سے دینے پڑے۔ (ص72)

سوال: ایک شخص نے دکان سے کپڑا اُچرالیا، معلوم ہونے کے بعد دُکاندار نے اس کو معاف کردیا اور نیت صدقہ یا زکوٰۃ کی کی، تو یہ کپڑا صدقہ یا زکوٰۃ میں شمار ہوگا یا نہیں؟

جواب: اگر وُہ کپڑا ہنوز (ابھی تک) موجود ہے تو نہ وُہ صدقہ میں محسوب (شمار) ہوگا، نہ زکوٰۃ میں، نہ اس کی معافی ہوگی فان الابراء عن الاعیان باطل (کیونکہ اعیان سے بری کرنا باطل ہے) ہاں اگر اسے ہبہ کردیا تو ہبہ ہوجائے گا، اور اگر ہبہ کرنے سے زکوٰۃ یا صدقہ کی نیت کی اور وُہ شخص اس کا مصرف ہو تو زکوٰۃ وصدقہ ادا ہوجائیں گے۔

اور اگر وُہ کپڑا اُس نے تلف کردیا یہاں تک کہ اُس کا اُس پر تاوان لازم آیا اور اُس نے وہ تاوان معاف کردیا تو معافی صحیح ہے اور نیت محمود ہو تو اجر پائے گا اور یہ خود ایک صدقہ نفل ہے مگر اس میں زکوٰۃ کی نیت صحیح نہیں، ہاں اس سے اتنے کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی جتنا تاوان اس پر واجب تھا مگر یہ اُس کے دیگر اموال کی زکوٰۃ ہوسکے یہ نہ ہوگا۔ (ص73)

سوال: زید کے ایک رشتہ دار پر قرض تھا، زید نے اس کے قرض میں اپنی زکوۃ کی رقم دے دی، مگر زید کو نہ بتایا کہ یہ زکوۃ کے پیسے ہیں، کیا زکوۃ ادا ہوگئی؟

جواب: اگر زید نے وُہ روپیہ اپنے اس عزیز کو دل میں نیتِ زکوٰۃ کرکے دیا تو زکوٰۃ ادا ہوگئی خواہ (وہ عزیز) کسی خرچ میں صرف کرے، اور اگر بطور خود بلا اجازت اس کے قرضہ میں دیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ (ص74)

سوال: زید کی دکان میں دو لاکھ کا مال ہے اور اس نے پچاس ہزار روپے لوگوں سے لینے ہیں، یہ زکوۃ کل (ڈھائی لاکھ) کی نکالے گا یا صرف موجودہ مال کی؟

جواب: زکوٰۃ کُل روپیہ کی واجب ہوگی مگر مقدارِ قرضہ کے ابھی ادا کرنا لازم نہیں، بعدِ وصول ادا کرسکتا ہے۔ (ص74)

سوال: زید کا ایک لاکھ روپے کا قرض بکر پر ہے، مگر بکر منکر ہے، زید کے پاس کوئی ثبوت بھی نہیں، کیا اس ایک لاکھ کی زکوۃ زید پر لازم ہوگی؟

جواب: جبکہ اس کے پاس ثبوت نہیں اور نہ وہ ادا پر آمادہ اور نہ اس کے پاس جائداد (بطورِ رہن کے ہے) تو اُس قرضہ کی زکوٰۃ لازم نہیں۔ (ص74)

زکوٰۃ تھوڑی تھوڑی کر کے ادا کرنا کیسا ہے؟

سوال: زکوٰۃ تھوڑی تھوڑی کر کے ادا کرنا کیسا ہے؟

جواب: اگر زکوٰۃ پیشگی ادا کرتا ہے یعنی ہنوز (ابھی تک) حولانِ حول نہ ہُوا (سال نہ گذرا) کہ وجوبِ ادا ہو جاتا، خواہ یُوں کہ ابھی نصاب نامی فارغ عن الحوائج (حاجت سے زائد) کا مالک ہُوئے سال تمام نہ ہُوا، یا یُوں کہ سالِ گزشتہ کی دے چکا ہے اور سالِ رواں ہنوز ختم پر نہ آیا تو جب انتہائے سال نہ ہو بلا شبہ تفریق و تدریج (تھوڑا تھوڑا، جدا جدا کر کے دینے) کا اختیارِ کامل رکھتا ہے جس میں اصلاً کوئی نقصان نہیں کہ حولانِ حول (سال گذرنے) سے پہلے زکوٰۃ واجب الادا نہیں ہوتی۔ تو ابھی شرع اس سے تقاضا ہی نہیں فرماتی، یکمشت (اکٹھی) دینے کا مطالبہ کہاں سے ہوگا، یہ پیشگی دینا تبرع ہے۔

اور اگر سال گزر گیا اور زکوٰۃ واجب الادا ہو چکی تو اب تفریق و تدریج ممنوع ہوگی بلکہ فوراً تمام و کمال زر واجب الادا ادا کرے کہ مذہبِ صحیح و معتمد مفتی بہ پر ادائے زکوٰۃ کا وجوب فوری ہے جس میں تاخیر باعثِ گناہ۔ ہمارے ائمہ ثلثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس کی تصریح ثابت۔

بلکہ ہمارے بہت ائمہ نے تصریح فرمائی کہ اس (زکوٰۃ) ادائیگی میں دیر کرنے والا مردود الشہادۃ ہے، یہی منقول ہے محررِ مذہب سیّدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے۔

اور شک نہیں کہ تدریج (تھوڑی تھوڑی دینے) میں اگر کُل کی تاخیر نہ ہوئی تو بعض کی ضرور ہوگی حالانکہ اس پر واجب تھا کہ کل مطالبہ فی الفور ادا کرے۔

پھر بعد وجوبِ ادا تدریج کی مضرت (نقصان) اظہر من الشمس (سورج سے زیادہ روشن) کہ مذہبِ صحیح پر ترکِ فور کرتے ہی گنہگار ہوگا اور مذہبِ تراخی پر بھی تدریج نامناسب کہ تاخیر میں آفات ہیں، ظاہر ہے کہ وقتِ موت معلوم نہیں، ممکن ہے کہ پیش از ادا (ادا کرنے سے پہلے) آجائے تو بالاجماع گنہگار ہوگا۔

اسی طرح تدریج میں اور دقتیں بھی محتمل، اور مالی و جانی حوادث سے محفوظ بھی رہا تو نفس پر اعتماد کسے ہے فان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم (شیطان، انسان میں خُون کی طرح گردش کرتا ہے) ممکن کہ بہکاوے اور آج جو قصدِ ادا ہے کل یہ بھی نہ رہے۔ سیّدنا امام ابن الامام کریم ابن الکرام حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ نے ایک قبائے نفیس بنوائی، طہارت خانے میں تشریف لے گئے، وہاں خیال آیا کہ اسے راہِ خدا میں دیجئے فوراً خادم کو آواز دی، قریب دیوار حاضر ہُوا، حضور نے قبائے معلّٰی اتار کر دی کہ فلاں محتاج کو دے آ۔ جب باہر

رونق افروز ہوئے خادم نے عرض کی اس درجہ تحمل کی وجہ کیا تھی؟ فرمایا: کیا معلوم تھا باہر آتے آتے نیت میں فرق آجاتا۔

سبحان اللہ! یہ اُن کی احتیاط ہے جو ﴿اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ﴾ (ترجمہ: بلاشبہ میرے بندوں پر تیری حکومت نہیں چلے گی۔) کی آغوش میں پلے اور ﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا﴾ (ترجمہ: اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اے اہلبیت نبوی! تم سے پلیدی کو دور کرے اور تمہیں خوب پاک فرمادے۔) کے دریا میں نہائے دُھلے۔ صلی اللہ تعالیٰ علی ابیھم الکریم الاکرم و علیھم اجمعین و بارک و سلم ترجمہ: ان کے والد گرامی پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں اور ان تمام پر بھی اور برکات وسلام۔

پھر ہم کہ مسخرہ دست شیطان (شیطان کے ہاتھوں مسخر) ہیں، کس امید پر بے خوف ومطلق العنان ہیں۔

میرے نزدیک چند باتیں لوگوں کو تدریج پر حامل ہوتی ہیں، کبھی یہ خیال کہ اہم فالاہم میں صرف کریں یعنی جس وقت جس حاجتمند کو دینا زیادہ مناسب سمجھیں اُسے دیں۔ کبھی یہ کہ سائل بکثرت آتے ہیں یہ چاہتا ہے مالِ زکوٰۃ ان کے لئے رکھ چھوڑے کہ وقتاً فوقتاً دیا کرے کبھی یکمشت دینا ذرا نفس پر بار ہے اور تھوڑا تھوڑا نکلتا جائے گا تو معلوم نہ ہوگا۔ جنھیں یہ خیال ہوں اُن کے لئے راہ یہی ہے کہ زکوٰۃ پیشگی دیا کریں مثلاً ماہِ مبارک رمضان میں اُن پر حولان حول (سال پورا) ہوتا ہے تو 8 ہجری کے رمضان کے لیے 7 ہجری کے شوال سے دینا شروع کریں اور ختمِ سال تک بتدریج حسبِ رائے ومصلحت دیتے رہیں کہ اس میں ان کے مقاصد بھی حاصل ہوں گے اور تدریج مذموم وممنوع سے بھی بچیں گے۔ (ص 75 تا 84)

سوال: سونے چاندی کس حالت میں ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟ اور ان کا نصاب کیا ہے؟

جواب: شریعتِ مطہرہ نے سونے کی نصاب پر کہ حوائجِ اصلیہ سے فارغ ہو خواہ وہ روپیہ اشرفی ہو، گہنا (زیور) یا برتن یا ورق یا کوئی شے، حولان حول قمری (اسلامی سال کے گذرنے) کے بعد چالیسواں حصہ زکوٰۃ مقرر فرمایا ہے، سونے کی نصاب ساڑھے سات تولے ہے اور چاندی کی ساڑھے باون تولے، پھر نصاب کے بعد جو کچھ نصابِ مذکور کے پانچویں حصہ تک نہ پہنچے معاف ہے اُس پر کچھ واجب نہیں۔ (ص 85)

سوال: زید کے پاس پہلے سے نصاب تھا، دورانِ سال کہیں سے مال آنے کی وجہ سے مال نصاب سے بڑھ گیا تو کس حساب سے زکوٰۃ ادا کرے؟

جواب: جو شخص مالکِ نصاب ہے اور ہنوز (ابھی تک) حولان حول نہ ہوا کہ سال کے اندر ہی کچھ اور مال اسی نصاب کی جنس خواہ بذریعہ ہبہ یا میراث یا شرایا وصیت یا کسی طرح ملک میں آیا تو وہ مال بھی اصل نصاب میں شامل کر کے اصل پر سال گزرنا اس سب پر حولان حول (سال گذرنا) قرار پائے گا اور یہاں سونا چاندی تو مطلقاً ایک ہی جنس ہیں خواہ ان کی کوئی چیز ہو اور مالِ تجارت بھی انہیں کی جنس

سے گنا جائے گا اگر چہ کسی قسم کا ہو کہ آخر اس پر زکوٰۃ یوں ہی آتی ہے کہ اس کی قیمت سونے یا چاندی سے لگا کر انھیں کی نصاب دیکھی جاتی ہے تو یہ سب مال زر وسیم ہی کی جنس سے ہیں اور وسط سال میں حاصل ہوئے تو ذہب وفضہ (سونا و چاندی) کے ساتھ شامل کر دیئے جائیں گے بشرطیکہ اس ملانے سے کسی مال پر سال میں دوبارہ زکوٰۃ لازم نہ آئے۔ مثلاً ایک نصاب بکریوں اور ایک دراہم کی تھی، اس نے دراہم کی زکوٰۃ ادا کر دی اور اُن کے عوض اور بکریاں لیں، ان نئی بکریوں کیلئے آج سے سال شمار کیا جائے گا، اگلی بکریوں میں ضم (شامل) نہ کریں گے کہ آخر یہ اُسی روپے کے بدل میں جس کی زکوٰۃ اس سال کی بابت ادا ہو چکی، اب اگر انھیں نصاب شاۃ میں ملاتے ہیں تو ایک مال پر ایک سال میں دوبارہ زکوٰۃ لازم آئی جاتی ہے اور یہ جائز نہیں۔ (ص86,87)

سوال: اگر آئندہ زیور کم ہو جائے تو کس حساب سے کمی کی جائے؟

جواب: زکوٰۃ صرف نصاب میں واجب ہوتی ہے، نہ (کہ) عفو میں، مثلاً ایک شخص آٹھ تولے سونے کا مالک ہے تو سوا دو ماشے سونا کہ اس پر واجب ہوا، وہ صرف ساڑھے سات تولے کے مقابل ہے نہ کہ پورے آٹھ تولے کے، کہ یہ چھ ماشے جو نصاب سے زائد ہے عفو ہے۔ یُوں ہی اگر دس تولے کا مالک ہو تو زکوٰۃ صرف نو تولہ یعنی ایک نصاب کامل اور ایک نصاب خمس کے مقابل ہے، دسواں تولہ معاف۔

پس اگر نقصان مقدارِ عفو سے تجاوز نہ کرے یعنی اُسی قدر مال کم ہو جائے جتنا عفو تھا، مثلاً مثال اوّل میں ۶ ماشہ اور دوم میں ایک تولہ، جب تو اصلاً قابلِ لحاظ نہیں کہ اس قدر پر تو پہلے بھی زکوٰۃ نہ تھی کل واجب بمقابلۂ مال باقی تھا وہ اب بھی باقی ہے تو زکوٰۃ اسی قدر واجب ہے اور کمی نظر سے ساقط۔

اور اگر مقدار عفو سے متجاوز ہو یعنی اُس کے باعث کسی نصاب میں نقصان آئے خواہ یُوں کہ مال میں جس قدر عفو تھا نقصان اس سے زائد کا ہوا۔ جیسے امثلۂ مذکورہ میں دو ۲ تولے یا یُوں کہ ابتداءً مال صرف مقادیر نصاب پر تھا عفو سرے سے تھا ہی نہیں۔۔ ایسا نقصان دو حال سے خالی نہیں یا حولان حول سے پہلے ہے یا بعد۔

بر تقدیر اوّل دو حال سے خالی نہیں: یا سال تمام پر رقم نصابہائے پیشیں (پہلے نصاب پر) پھر پُوری ہو گئی یا نہیں، اگر پُوری ہو گئی تو یہ نقصان بھی اصلاً نہ ٹھہرے گا اور اس مجموع رقم پر حولان حول سمجھا جائے گا۔۔۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ اصل مال سے کوئی پارہ محفوظ رہے سب بالکل فنا نہ ہو جائے ورنہ مِلک اوّل سے شمارِ سال جاتا رہے گا اور جس دن مِلک جدید ہو گی اُس دن سے حساب کیا جائے گا، مثلاً یکم محرم کو مالکِ نصاب ہُوا صفر میں سب مال سفر کر (چلا) گیا، ربیع الاوّل میں پھر بہار آئی تو اسی مہینہ سے حول گنیں گے حساب محرم جاتا رہا۔

بر تقدیر ثانی یعنی جبکہ مال پر سال گزر گیا اور زکوٰۃ واجب الاداء ہو چکی، اور ہنوز (ابھی تک) نہ دی تھی کہ مال کم ہو گیا، یہ تین حال سے خالی نہیں کہ سبب کمی استہلاک ہو گا یا تصدق یا ہلاک۔

استہلاک کے یہ معنی کہ اس نے اپنے فعل سے اُس رقم سے کچھ اتلاف کیا، صرف کرڈالا، پھینک دیا، کسی غنی کو ہبہ کردیا۔

اور یہاں تصدّق سے یہ مراد کہ بلانیتِ زکوٰۃ کسی فقیر محتاج کو دے دیا۔

اور ہلاک کے یہ معنی کہ بغیر اس کے فعل کے ضائع وتلف ہوگیا، مثلاً چوری ہوگئی یا زرِ دیور کسی کو قرض ورعایت دے دیا وہ مکر گیا اور گواہ نہیں یا مرگیا اور ترکہ نہیں یا مال کسی فقیر پر دین تھا مدیون محتاج کو ابرا (معاف) کردیا کہ یہ بھی حکم ہلاک میں ہے۔

اب **صورت اُولیٰ** یعنی استہلاک میں جس قدر زکوٰۃ سال تمام پر واجب ہولی تھی اُس میں سے ایک حبّہ (دانہ) نہ گھٹے گا یہاں تک کہ اگر سارا مال صرف کردے اور بالکل نادارِ محض ہوجائے تاہم قرضِ زکوٰۃ بدستور ہے۔

اور **صورت ثانیہ** یعنی تصدّق میں اگر نذر یا کفارے یا کسی اور صدقۂ واجبہ کی نیت کی تو بالاتفاق اس کا حکم بھی مثلِ استہلاک ہے یعنی زکوٰۃ سے کچھ ساقط نہ ہوگا جو اور باقی رہا سب کی زکوٰۃ سے کچھ ساقط نہ ہوگا جو دیا اور باقی رہا سب کی زکوٰۃ لازم آئیگی۔

اور اگر تطوّع یا مطلق تصدق کی نیت تھی اور سب تصدق کردے تو بالاتفاق زکوٰۃ ساقط ہوگئی۔

اور اگر بعض تصدّق کیے تو امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جس قدر صدقہ کیا اُس کی زکوٰۃ ساقط اور باقی کی لازم، مثلاً دوسو۲۰۰ درہم پر حولانِ حول ہوگیا اور زکوٰۃ کے پانچ درم واجب ہولئے، اب اس نے سَو درم لِلّٰہ دے دئے تو ان سَو کی زکوٰۃ یعنی ڈھائی درم ساقط ہوگئی صرف ڈھائی دین رہے۔

مگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بعض کا تصدق مطلقاً مثلِ استہلاک ہے کہ کسی نیت سے ہو اصلاً زکوٰۃ سے کچھ نہ گھٹے گا، تو صورتِ مذکورہ میں اگرچہ سو روپیہ خیرات کردے زکوٰۃ کے پانچ درم بدستور واجب رہے، یہ مذہب زیادہ قوی ومقبول وشایانِ قبول ہے۔

رہی **صورت ثالثہ** یعنی ہلاک، اس میں بالاتفاق کم یا بہت جس قدر تلف ہو بحساب اربعۂ متناسبہ اُتنے کی زکوٰۃ ساقط ہوگی اور جتنا باقی رہے اگرچہ نصاب سے بھی کم، اُتنے کی زکوٰۃ باقی۔ (ص88تا95)

سیدزادوں کوزکوٰۃ دینا اوران کالینا حرام ہے

سوال محتاج سیدزادوں کوزکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

جواب: زکوٰۃ ساداتِ کرام وسائرِ بنی ہاشم پر حرامِ قطعی ہے جس کی حرمت پر ہمارے ائمہ ثلثہ بلکہ ائمہ مذہبِ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا اجماع قائم۔ (ص99)

سوال: سادات پرزکوٰۃ حرام ہونے کی وجہ کیا ہے؟

جواب: اور بیشک اس تحریم کی علت اُن حضرات عالیہ کی عزّت وکرامت ونظامت وطہارت کہ زکوٰۃ مال کا میل ہے اور گناہوں کا دھوون، اس ستھری نسل والوں کے مقابل نہیں خود حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس تعلیل کی تصریح فرمائی۔ (ص100)

زکوٰۃ کے علاوہ محتاج سادات کی مدد کیسے کی جائے

سوال: سادات کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے تو پھر محتاج سادات کا کیا بنے گا؟

جواب: رہا یہ کہ پھر اس زمانہ پُر آشوب میں حضرات سادات کرام کی موسلات (مدد) کیونکر ہو، اقول (میں کہتا ہوں) بڑے مال والے اگر اپنے خالص مالوں سے بطور ہدیہ ان حضرات علیہ (بلند مرتبہ حضرات) کی خدمت نہ کریں تو ان کی بے سعادتی ہے، وُہ وقت یاد کریں جب ان حضرات کے جدِّ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا ظاہری آنکھوں کو بھی کوئی ملجا و ماوا نہ ملے گا، کیا پسند نہیں آتا کہ وُہ مال جو انھیں کے صدقے میں انھیں کی سرکار سے عطا ہوا، جسے عنقریب چھوڑ کر پھر ویسے ہی خالی ہاتھ زیرِ زمین جانے والے ہیں، اُن کی خوشنودی کے لیے ان کے پاک مبارک بیٹوں پر اُس کا ایک حصّہ صرف کیا کریں کہ اُس سخت حاجت کے دن اُس جواد کریم رؤف رحیم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے بھاری انعاموں، عظیم اکراموں سے مشرف ہوں۔

ابنِ عساکر امیر المومنین مولا علی کرم اللہ وجہہٗ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((من صنع الیٰ اھل بیتی یداً کافاته علیھا یوم القیٰمة)) ترجمہ: جو میرے اہلِ بیت میں سے کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا مَیں روزِ قیامت اس کا صلہ اسے عطا فرماؤں گا۔ (کنز العمال، ج12، ص95، موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

خطیب بغدادی امیر المومنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((من صنع صنیعة الی احد من خلف عبد المطلب فی الدّنیا فعلی مکافاته اذا لقینی)) ترجمہ: جو شخص اولادِ عبد المطلب میں کسی کے ساتھ دنیا میں نیکی کرے اس کا صلہ دینا مجھ پر لازم ہے جب وُہ روزِ قیامت مجھ سے ملے گا۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر! قیامت کا دن، وُہ قیامت کا دن، وہ سخت ضرورت سخت حاجت کا دن، اور ہم جیسے محتاج، اور صلہ عطا فرمانے کو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سا صاحب التاج، خدا جانے کیا کچھ دیں اور کیسا کچھ نہال فرما دیں، ایک نگاہِ لطف اُن کی جملہ مہمات دو جہاں کو بس ہے، بلکہ خود یہی صلہ کروڑوں صلے سے اعلیٰ و انفس ہے، جس کی طرف کلمہٗ کریمہ اذا لقینی (جب روز قیامت مجھ سے ملے گا) اشارہ فرماتا ہے، بلفظِ اذا تعبیر فرمانا بحمد اللہ بروزِ قیامت وعدۂ وصال و دیدارِ محبوبِ ذی الجلال کا مژدہ سُناتا ہے۔ مسلمانو! اور کیا درکار ہے دوڑو اور اس دولت و سعادت کو لو۔ باللہ التوفیق۔

اور متوسط حال والے اگر مصارف مستحبہ کی وسعت نہیں تو دیکھتے تو بحمد اللہ وُہ تدبیر ممکن ہے کہ زکوٰۃ کی زکوٰۃ ادا ہو اور خدمتِ سادات بھی بجا ہو یعنی کسی مسلمان مصرفِ زکوٰۃ معتمد علیہ (جس پر اعتماد ہو اس) کو کہ اس کی بات سے نہ پھرے، مالِ زکوٰۃ سے کچھ روپے بہ نیتِ زکوٰۃ دے کر مالک کر دے، پھر اس سے کہے تم اپنے طرف سے فلاں سیّد کی نذر کر دو، اس میں دونوں مقصود حاصل ہو جائیں گے کہ زکوٰۃ تو اس فقیر کو گئی اور یہ جو سیّد نے پایا نذرانہ تھا، اس کا فرض ادا ہو گیا اور خدمتِ سیّد کا کامل

ثواب اسے اور فقیروں دونوں کو ملا۔ (ص105,106)

سوال: اگر فقیر لے کر سیدزادے کو دینے سے انکار کردے تو؟

جواب: اگر اس نے نہ مانا تو اسے کوئی راہ جبر کی نہیں کہ آخر وہ مالکِ مستقل ہو چکا اسے اختیار ہے چاہیے دے یا نہ دے۔

لہٰذا فقیر غفراللہ تعالیٰ لہ کے نزدیک اس کا بےخلش طریقہ یہ ہے کہ مثلاً مالِ زکوٰۃ سے بیس(20) روپے سند کی نذر یا مسجد میں صرف کیا چاہتا ہے کسی فقیر عاقل بالغ مصرف زکوٰۃ کو کوئی کپڑا مثلاً ٹوپی یا سیر سوا سیر غلّہ دکھائے کہ یہ ہم تمہیں دیتے ہیں مگر مفت نہ دیں گے بیس روپے کو بیچیں گے، یہ روپے تمہیں ہم اپنے پاس سے دیں گے کہ ہمارے مطالبہ میں واپس کردو، وہ خواہ مخواہ راضی ہو جائے گا، جانے گا کہ مجھے تو یہ چیز یعنی کپڑا یا غلّہ مفت ہی ہاتھ آئے گا، اب بیع شرعی کرکے بیس(20) روپے بہ نیتِ زکوٰۃ اسے دے، جب وہ قابض ہو جائے اپنے مطالبۂ ثمن میں لے لے، اول تو وہ خود ہی دے دے گا کہ سرے سے اسے ان روپوں کے اپنے پاس رہنے کی اُمید ہی نہ تھی کہ ذو گرہ سے جاتا سمجھے، اسے تو صرف اس کپڑے یا غلّہ کی امید تھی وہ حاصل ہے تو انکار نہ کرے گا اور کرے بھی تو یہ جبراً چھین لے کہ وہ اس قدر میں اس کا مدیون ہے اور دائن جب اپنے دین کی جنس سے مالِ مدیون پائے تو بالاتفاق بےاس کی رضامندی کے لے سکتا ہے، اب یہ روپے لے کر بطورِ خود نذرِ سیّد یا بناءِ مسجد میں صرف کردے کہ دونوں مرادیں حاصل ہیں۔

اور فقیر غفراللہ تعالیٰ لہ نے اُس مصرف زکوٰۃ کے عاقل بالغ ہونے کی شرط اس لیے لگائی کہ اس کے ساتھ یہ غبن فاحش کی مبایعت (خرید و فروخت) بلا تکلّف روا (جائز) ہو اور کپڑے غلّے کی تخصیص اس لیے کی کہ اگر کچھ پیسے بعوض روپوں کے بیچنا چاہے گا تو ظاہر مفاد جامع صغیر پر تقابض البدلین شرط ہوگا وہ یہاں حاصل نہیں اگرچہ روایت اصل پر ایک ہی جانب کا قبضہ کافی اور اکثر علماء اسی طرف ہیں اور یہی قول منقّح۔

بہر حال اس حتی الوسع محلِ خلاف سے بچنا احسن۔

اور زرِ زکوٰۃ (زکوٰۃ کی رقم) پر اُس کا قبضہ کرا کر مطالبے میں لینے کی قید اس لیے کہ کوئی صدقہ بے قبضہ تمام نہیں ہوتا۔

اور یہ تو پہلے بیان میں آچکا کہ اغنیائے کثیر المال شکر نعمت بجا لائیں، ہزاروں روپے فضول خواہش یا دنیوی آسائش یا ظاہری آرائش میں اُٹھانے والے مصارف خیر میں ان حیلوں کی آڑ نہ لیں۔

متوسط الحال بھی ایسی ہی ضرورتوں کی غرض سے خالص خدا ہی کے کام صرف کرنے کے لیے ان طریقوں پر اقدام کریں نہ کہ معاذ اللہ اُن کے ذریعہ سے ادائے زکوٰۃ کا نام کرکے روپیہ اپنے خُرد بُرد میں لائیں کہ یہ امر مقاصدِ شرع کے بالکل خلاف اور اس میں ایجابِ زکوٰۃ کی حکمتوں کا یکسر ابطال ہے تو گویا اس کا برتنا اپنے ربّ عزّوجل کو فریب دینا ہے۔ (ص107تا109)

زکوٰۃ کے مصارف

سوال: زکوٰۃ کن مصارف میں دینا جائز ہے؟

جواب: مصرفِ زکوٰۃ ہر مسلمان حاجتمند ہے جسے اپنے مالِ مملوک سے مقدارِ نصاب فارغ عن الحوائج الاصلیہ (حاجتِ اصلیہ سے زائد) پر دسترس (قابو) نہیں بشرطیکہ نہ ہاشمی ہو، نہ اپنا شوہر، نہ اپنی عورت اگر چہ طلاق مغلظہ دے دی ہو جب تک عدّت سے باہر نہ آئے، نہ وُہ اپنی اولاد میں ہے جیسے بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی، نہ وُہ جن کی اولاد میں یہ ہے جیسے ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی، اگر چہ یہ اصلی وفرعی رشتے عیاذاً باللہ بذریعہ زنا ہوں، نہ اپنا یا ان پانچوں قسم میں کسی کا مملوک اگر چہ مکاتب ہو، نہ کسی غنی کا غلام غیر کاتب، نہ مردِ غنی کا نابالغ بچہ، نہ ہاشمی کا آزاد بندہ، اور مسلمان حاجتمند کہنے سے کافر وغنی پہلے ہی خارج ہوچکے۔ یہ سولہ شخص ہیں جنھیں زکوٰۃ دینی جائز نہیں، ان کے سواسب کو روا (جائز ہے)، مثلاً ہاشمیہ بلکہ فاطمیہ عورت کا بیٹا جبکہ باپ ہاشمی نہ ہو کہ شرع میں نسب باپ سے ہے، بعض مشہورین کہ ماں کے سیدانی ہونے سے سیّد بن بیٹھے ہیں اوراس پراصرار کرتے ہیں بحکمِ حدیثِ صحیح مستحقِ لعنتِ الٰہی ہوتے ہیں۔

اسی طرح غیر ہاشمی کا آزادشدہ بندہ اگر چہ خود اپنا ہی ہو یا اپنے اور اپنے اصول وفروع وزوج وزوجہ وہاشمی کے علاوہ کسی غنی کا مکاتب یا زنِ غنیّہ کا نابالغ بچہ اگر چہ یتیم ہو یا اپنے بہن، بھائی، چچا، پھوپھی، ماموں، بلکہ انھیں دینے میں دُونا ثواب ہے زکوٰۃ وصلۂ رحم یا اپنی بہو یا داماد یا ماں کا شوہر یا باپ کی عورت یا اپنے زوج یا زوجہ کی اولاد ان سولہ 16 کو بھی دینا روا جبکہ یہ سولہ اُن سولہ سے نہ ہوں از انجا کہ اُنھیں اُن سے مناسبت ہے، جس کے باعث ممکن تھا کہ ان میں بھی عدمِ جواز کا وہم جاتا، لہذا فقیر نے انہیں بالتخصیص شمار کردیا۔

اور نصابِ مذکورہ پر دسترس نہ ہونا چند صورت کو شامل:

(1) ایک یہ کہ سرے سے مال ہی نہ رکھتا ہو اسے مسکین کہتے ہیں۔ (2) دوم مال ہو مگر نصاب سے کم، یہ فقیر ہے۔ (3) سوم نصاب بھی ہو مگر حوائجِ اصلیہ میں مستغرق، جیسے مدیون۔ (4) چہارم حوائج سے بھی فارغ ہو مگر اسے دسترس نہیں، جیسے ابن السبیل یعنی مسافر جس کے پاس خرچ نہ رہا، تو بقدرِ ضرورت زکوٰۃ لے سکتا ہے اس سے زیادہ اُسے لینا روا نہیں، یا وُہ شخص جس کا مال دوسرے پر دینِ مؤجل (مقرر شدہ مدت تک لیے قرض) ہے ہنوز میعاد نہ آئی، اب اُسے کھانے پہننے کی تکلیف ہے تو میعاد آنے تک بقدرِ حاجت لے سکتا ہے یا وُہ جس کا مدیون غائب ہے یا لے کر مکر گیا اگر چہ یہ ثبوت رکھتا ہو کہ ان سب صورتوں میں دسترس نہیں۔

بالجملہ مدار کار حاجتمند بمعنی مذکور پر ہے، تو جو نصاب مزبور پر دسترس رکھتا ہے ہرگز زکوٰۃ نہیں پاسکتا اگر چہ غازی ہو یا حاجی یا طالب علم یا مفتی۔

مگر عاملِ زکوٰۃ جسے حاکمِ اسلام نے اربابِ اموال سے تحصیل زکوٰۃ پر مقرر کیا وہ جب تحصیل کرے تو بحالتِ غنا بھی بقدر اپنے عمل کے لے سکتا ہے اگر ہاشمی نہ ہو۔

پھر دینے میں تملیک شرط ہے، جہاں یہ نہیں جیسے محتاجوں کو بطورِ اباحت اپنے دسترخوان پر بٹھا کر کھلا دینا یا میّت کے کفن

دفن میں لگانا یا مسجد، کنواں، خانقاہ، مدرسہ، پُل، سرائے وغیرہ بنوانا ان سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اگر ان میں صرف کیا چاہے تو اس کے وہی حیلے ہیں جو ماقبل میں گذرے۔ (ص109,110)

سوال : صحیح مقدارِ زکوٰۃ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے جو ہر سال مقدارِ واجب سے کم زکوٰۃ میں دیا گیا ہے وہ زکوٰۃ میں شمار ہوگا یا نہیں؟

جواب : بیشک محسوب (شمار) ہُوا کہ ادائے زکوٰۃ کی نیت ضرور (لازم) ہے، مقدارِ واجب کا صحیح معلوم ہونا شرائطِ صحت سے نہیں، غایت (زیادہ سے زیادہ) یہ کہ ایک جزءِ واجب کے ادا میں تاخیر ہوئی اس سے مذہبِ راجح پر گناہ سہی، زکوٰۃ مؤدّی (ادا کی گئی زکوٰۃ) کی نفیِ صحت تو نہیں۔

پس ہر سال جتنا زکوٰۃ میں دیا وہ قطعاً ادا ہُوا اور جو باقی رہتا گیا وہ اس پر دین (قرض) ہوا حتی کہ اگر کسی نصاب سے معارض ہو جائے گا تو اُسی قدر مقدارِ واجب گھٹ جائے گی۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ دینِ عبد (یعنی بندوں میں جس کا کوئی مطالبہ کرنے والا ہو) اگر چہ دین حقیقۃً اللہ عزوجل کا ہو جیسے دینِ زکوٰۃ جس کا حقِ مطالبہ بادشاہِ اسلام اعزاللہ نصرہ کو ہے) انسان کے حوائجِ اصلیہ سے ہے ایسا دین جس قدر ہوگا اتنا مال مشغول بحاجتِ اصلیہ قرار دے کر کالعدم ٹھہرے گا اور باقی پر زکوٰۃ واجب ہوگی اگر بقدرِ نصاب ہو، مثلاً ہزار روپے پر حولانِ حول ہوا اور اس پر پانسو قرض ہیں تو پانسو پر زکوٰۃ آئے گی اور ساڑھے نو سو دین ہے تو اصلاً نہیں کہ نصاب سے کم ہے۔ (ص126)

سوال : کیا سونے کا نصاب ساڑھے سات اور چاندی کا ساڑھے باون تولے ہے؟ کیا پہننے کے زیور پر بھی زکوٰۃ ہے؟ زید کہتا ہے کہ اگر نصاب کی مقدار سونا چاندی ہو مگر زکوٰۃ نکالنے سے اسے خطرہ ہے کہ سال بھر کا خرچہ کیسے چلے گا، بال بچے کہاں سے کھائیں گے؟

جواب : فی الواقع سونے کا نصاب ساڑھے سات اور چاندی کا ساڑھے باون تولے ہے ان میں سے جو اُس کے پاس ہو اور سال پُورا اس پر گزر جائے اور کھانے پہننے مکان وغیرہ ضروریات سے بچے اور قرض اسے نصاب سے کم نہ کردے تو اُس پر زکوٰۃ فرض ہے اگر چہ پہننے کا زیور ہو زیور پہننا کوئی حاجت اصلیہ نہیں، گھر میں جو آدمی کھانے والے ہوں اس کا لحاظ شریعتِ مطہرہ نے پہلے ہی فرما لیا، سال بھر کے کھانے پینے پہننے تمام مصارف سے جو بچا اور سال بھر رہا اُسی کا تو چالیسواں حصہ فرض مطہرہ نے پہلے ہی فرما لیا، سال بھر کے کھانے پینے پہننے تمام مصارف سے جو بچا اور سال بھر رہا اُسی کا تو چالیسواں حصہ فرض ہوا ہے اور وہ بھی اس لیے کہ تمھیں آخرت میں بھی عذاب سے نجات ملے جس سے آدمی تمام جہان دے کر چھوٹنے کو غنیمت سمجھے اور دُنیا میں تمھارے مال میں ترقی ہو برکت ہو، یہ خیال کرنا کہ زکوٰۃ سے مال گھٹے گا بر اضعفِ ایمان ہے۔ مولیٰ تعالیٰ قرآن عظیم میں ارشاد فرماتا ہے کہ وہ زکوٰۃ کو ترقی وافزونی دیتا رہے جسے وہ بڑھائے وہ کیونکر گھٹ سکتا ہے، یہ خیال کہ اس وقت سو روپیہ سے ڈھائی روپے حکم ماننے میں اُٹھا دیں گے تو آئندہ بال بچے کیا کھائیں گے، محض شیطانی وسوسہ ہے۔

آئندہ سال اگر مال بڑھ گیا کہ سال بھر کا بال بچوں سب کا خرچ ہُوا وہ روپیہ بدستور رکھے رہے جب تو اس وسوسہ کا

جھوٹ ہونا علانیہ ظاہر ہوجائے گا اور اگر اُن میں سے کھانے پینے کی حاجت پڑی یہاں تک کہ نصاب سے کم رہ گیا تو اب آپ سے کوئی زکوٰۃ نہ مانگے گا مگر بال بچّوں کی فکر اگلے سال کے لیے کیا ہوگی، وُہ جو جمع تھے کھانے پینے میں اٹھ گئے اور اب زکوٰۃ بھی نہیں جس کا سرالزام دھرو، آگے کیونکر جیو گے، ایسی کمزوریاں شیطان سکھاتا ہے۔ (ص129)

سوال :عورت کا مہر جس کا مطالبہ بعد موت یا طلاق ہوتا ہے، اسے مال سے کم کرکے زکوٰۃ کا حساب لگائیں گے یا اسے کم نہیں کریں گے؟

جواب :عورت کا مہر جس کا مطالبہ بعد موت یا طلاق ہوتا ہے اور عمر بھر ادا کا خیال تک نہیں آتا اُسے زکوٰۃ نہ دینے کا حیلہ نہ بنانا چاہیئے۔ (ص130)

سوال :زید کی بیوی ہندہ کچھ زیورات کی مالک ہے جو کہ وہ میکے سے لائی ہے اور وہ بقدرِ نصاب ہیں، اس کی زکوٰۃ ہندہ پر ہے یا زید پر؟، زید اس کو ادائے زکوٰۃ کی ہدایت کرتا ہے مگر وہ ادا نہیں کرتی، تو یہ فرمائیے کہ شوہر سے اُس کے گناہ پر مواخذہ ہے یا نہیں؟ اور اگر زید نے اپنے روپیہ سے کچھ زیور بنوا کر ہندہ کو دیا ہو تو اس زیور پر کیا حکم ہے؟

جواب :زیور کہ ملکِ زن (عورت) ہے اس کی زکوٰۃ ذمہ شوہر ہرگز نہیں اگرچہ اموالِ کثیرہ رکھتا ہو، نہ اس کے دینے کا اس پر کچھ وبال ﴿لا تزر وازرۃ وزر اخری﴾ ترجمہ: کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائیگی۔

اس پر تفہیم وہدایت اور بقدر مناسب تنبیہ و تاکید (جس کی حالت اختلاف حالات مرد و زن سے مختلف ہوتی ہے) لازم ہے ﴿قوا انفسکم و اھلیکم نارا﴾ ترجمہ: اپنے آپ اور اپنے اہل کو آگ سے بچاؤ۔

اور وُہ زیور کہ عورت کو دیا اور اس کی مِلک کردیا اُس پر بھی یہی حکم ہے، اور اگر مِلک نہ کیا بلکہ اپنی ہی مِلک میں رکھا اور عورت کو صرف پہننے کو دیا تو بیشک اس کی زکوٰۃ مرد کے ذمّہ ہے جبکہ خود یا دوسرے مال سے مل کر قدر نصاب فاضل عن الحاجۃ الاصلیہ (حاجت اصلیہ سے زائد) ہو۔ (ص132)

سوال :ایک شخص نے ایک ہزار روپے کسی روزگار میں لگائے، سال ختم ہونے کے بعد اُس کے پاس مال دوسو روپیہ کا رہا اور قرض میں پانچ سو روپیہ رہا اور نقد چار سو روپیہ، آیا کُل گیارہ سو روپیہ کی زکوٰۃ نکالی جائے؟

جواب: سالِ تمام پر کُل گیارہ سو کی زکوٰۃ واجب ہے مگر چار سو نقد دو سو کا مال اُن کی زکوٰۃ فی الحال واجب الادا ہے اور پانچ سو کہ قرض میں پھیلا ہُوا ہے جب اس میں سے بقدر گیارہ روپے آنے ۲-۲/۵ پائی (اس وقت کے نصاب کا پانچواں حصہ) کے وصول ہوتا جائے اُس کا چالیسواں حصّہ ادا کرتا ہے اور اگر فی الحال سب کی زکوٰۃ دے دے تو آئندہ کے بار بار محاسبہ سے نجات ہے۔

نوٹ: امام اہلسنت علیہ الرحمہ کے دور میں 56 روپے نصاب تھا، لہذا اسی اعتبار سے جواب ہے۔

سوال: زیور کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں کس وقت کی قیمت اعتبار ہے، جس وقت زیور بنوایا تھا اس وقت کا یا ادائیگی کے وقت کا؟

جواب: سونے کے عوض سونا، چاندی کے عوض چاندی زکوٰۃ میں دی جائے جب تو نرخ (ریٹ) کی کوئی حاجت ہی نہیں، وزن کا چالیسواں حصہ دیا جائے گا، ہاں اگر سونے کے بدلے چاندی یا چاندی کے بدلے سونا دینا چاہیں تو نرخ کی ضرورت ہوگی، نرخ نہ بنوانے کے وقت کا معتبر ہو نہ وقت ادا کا، اگر ادا سال تمام کے پہلے یا بعد ہو جس وقت یہ مالکِ نصاب ہُوا تھا وہ ماہ عربی و تاریخ وقت جب عود کریں گے اس پر زکوٰۃ کا سال تمام ہوگا اس وقت نرخ لیا جائے گا۔ (ص133)

سوال: زکوٰۃ زیور پر کس حساب سے دی جائے، آیا قیمتِ خرید پر یا جو قیمت اس کی خرید کرنے سے ملتی ہے؟

جواب: سال تمام پر بازار کے بھاؤ سے جو قیمت ہو اس کا لحاظ ہوگا، اگر مختلف جنس سے زکوٰۃ دینا چاہیں مثلاً سونے کی زکوٰۃ میں چاندی' ورنہ سونے چاندی کی خود اپنی جنس سے زکوٰۃ دیں تو وزن کا اعتبار ہے قیمت کا کچھ لحاظ نہیں۔ (ص139)

سوال: بعض لوگ کل مال کی ڈھائی فی صد زکوٰۃ نکالتے ہیں، عفو کا لحاظ نہیں کرتے، ایسا کرنا کیسا؟

جواب: صاحبین کا یہی مذہب ہے اور اس میں فقیر کا نفع زیادہ ہے اور دینے والے کو بھی حساب کی آسانی ہے۔ (ص139)

سوال: زکوٰۃ کن کن اشیاء پر واجب ہے؟

جواب: سونا چاندی اور مالِ تجارت اور چرائی پر چھوٹے ہوئے جانور۔ (ص139)

سوال: صدقۂ فطر و زکوٰۃ والدین کی جانب سے اولاد اور اولاد کی جانب سے والدین جبکہ خورد و نوش یکجا ہو دے سکتے ہیں؟

جواب: خورونوش یکجا ہو یا ان میں دوسرے کی طرف سے کوئی فرض و واجب مالی ادا کرنے کے لیے اس کی اجازت کی حاجت ہے، اگر بالغ اولاد کی طرف سے صدقۂ فطر یا اس کی زکوٰۃ ماں باپ نے اپنے مال سے ادا کر دی یا ماں باپ کی طرف سے اولاد نے اور اصل جس پر حکم ہے اس کی اجازت نہ ہُوئی تو ادا نہ ہوگی۔ (ص139)

سوال: زید زیارتِ حرمین شریفین کے لیے رقم جمع کر رہا ہے، اب وہ عرصہ ڈیڑھ سال سے صاحبِ نصاب ہو گیا تو اس کو صدقۂ فطر و زکوٰۃ و قربانی کرنا چاہیے یا نہیں؟

جواب: اس پر زکوٰۃ فرض ہے اور صدقہ قربانی واجب۔ (ص140)

سوال: بینک میں جو روپیہ جمع کیا جاتا ہے اس کی نسبت زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

جواب: روپیہ کہیں جمع کسی کے پاس امانت ہو مطلقاً اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ (ص141)

سوال: میں نے دو سو روپے تین سال لیے بینک میں جمع کروا رکھے ہیں، وہ پورا سال میرے قبضہ میں نہیں رہے، اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

جواب : وہ جب تک بینک میں ہے اپنے قبضے میں سمجھا جائے گا اور ہر سال اُس پر زکوٰۃ واجب ہوگی خواہ سال بسال ادا کرتا رہے یا اس میں سے گیارہ روپے سوا تین آنے (نصاب کا پانچواں حصہ) وصول ہوں اُس میں سے چالیسواں حصہ دے اور جتنے برس رہا ہے سب برسوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی، ہاں ہر سال اگلے برسوں کی زکوٰۃ قدر اس پر دین سمجھ کر اتنا زکوٰۃ سے جُدا رہے، مثلاً دوسو روپیہ جمع ہیں تو پہلے سال دوسو پر پانچ روپیہ تقریباً واجب ہُوئے، دوسرے سال پانچ روپیہ سال گزشتہ کی زکوٰۃ کے اُس پر واجب ہیں لہذا اس سال اک سو پچانوے پر زکوٰۃ واجب ہوگی تقریباً چار روپے چودہ آنے۔ تیسرے سال اُس پر دو سال کی زکوٰۃ کے نو روپے چودہ آنے قرض ہیں یہ مستثنیٰ ہو کر ایک سو نوّے روپے دو آنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (ص142)

سوال : میں نے دوسو روپے کے پرامیسری نوٹ ڈاک خانے سے خریدے، اب اگر مجھے روپے کی ضرورت ہو تو فوراً وصول نہیں ہو سکتے جب تک کہ کوئی گاہک نہ مل جائے چاہے دو دن میں مل جائے یا سال میں ملے، اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

جواب : پرامیسری نوٹوں کا یہ قاعدہ ہے کہ روپیہ گورنمنٹ کو دے دیا جاتا ہے جس پر وُہ یہ نوٹ دیتی ہے اب یہ روپیہ کبھی واپس نہ ملے گا نہ خود اصل مالک لے سکتا ہے نہ اس کا وارث نہ اس کا کوئی قائم مقام، ہاں گورنمنٹ اس روپے چھ آنے فیصدی ماہوار کے حساب سے ہمشہ سود دے گی تو یہ نوٹ نوٹوں کی طرح خود مال نہیں بلکہ سند قرض ہیں لہذا اس پر گورنمنٹ سود دیتی ہے اور عام نوٹ خزانے سے خریدے جائیں تو ایک پیسہ سُود نہ دے گی کہ وہ بیع تھی معاوضہ تمام ہو گیا ہے اور یہاں قرض ہے اور عام نوٹ خزانے سے خریدے جائیں تو ایک پیسہ قرض رہا اور وہ قرض کسی طرح واپس نہیں مل سکتا تو قرض مردہ ہوا اور قرض مُردہ پر زکوٰۃ نہیں، نہ ان نوٹوں کا بیچنا جائز کہ وہ حقیقۃً غیر مدیون کے ہاتھ دین کی بیع ہے اور وُہ جائز نہیں تو ان کو بیچ کر جو روپیہ لے گا اس کے لیے خبیث ہوگا اور اس پر فرض ہوگا کہ جس سے لیا تھا اسے واپس دے اور اس بیع فاسد کو فسخ کرے تو زکوٰۃ ان نوٹوں پر ہے کہ یہ مال نہیں، نہ اس روپیہ پر جو انھیں بیچ کر ملے گا یہ تمام و کمال خبیث ہے، نہ اس روپیہ پر جو گورنمنٹ کو قرض دے کر یہ نوٹ لیے تھے کہ وُہ قرض مردہ ہے جو کبھی واپس نہ ملے گا۔ (ص142)

سوال : ایک شخص کے پاس ساٹھ روپے نقد ہیں اور پچاس روپے کا اس کی عورت کے پاس زیور ہے ... ہر وقت پہنتی ہے اور پچاس روپے تجارت میں ہیں، اور اس پر پچانوے روپے مہر عورت کا قرض ہے، اس زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

جواب : آج کل عورتوں کا مہر عام طور پر مہر مؤخر ہوتا ہے جس کا مطالبہ بعد موت یا طلاق ہوگا مرد کو اپنے تمام مصارف میں کبھی خیال بھی نہیں آتا کہ مجھ پر یہ دین ہے ایسا مہر مانع وجوب زکوٰۃ نہیں ہوتا' سال تمام پر اس کے پاس اگر یہ ساٹھ روپے بچے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، زکوٰۃ کا نصاب 56 روپے (ساڑھے باون تولہ چاندی) ہے' اور وہ اگر شوہر کی ملک ہے تو وہ بھی شامل کیا جائے گا ایک سو دس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر وہ مال تجارت بھی بچا تو وہ بھی شامل ہوگا ایک سو ساٹھ پر ہوگی، غرض ان تینوں مالوں میں سے سال تمام پر اگر 56 روپے کی قدر رہوگا تو زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں' اور اگر زیور عورت کی ملک ہے تو اس کی زکوٰۃ اس پر واجب ہوگی جبکہ

ؤہ خود یا اس کی ملک کا اور سونا چاندی ملا کر ساڑھے باون تولے چاندی ہو ورنہ نہیں۔ (ص143)

سوال: رمضان میں میرے پاس نصاب (56روپے) کی قدر مال آیا، دو ماہ بعد سو روپے ہو گئے، پھر دو ماہ بعد دو سو روپے ہو گئے، اب جب رمضان آئے گا تو میں نے 56روپے کی زکوٰۃ نکالنی ہے یا دو سو روپے کی؟

جواب: نصاب جبکہ باقی ہو تو سال کے اندر اندر جس قدر مال بڑھے اسی پہلے نصاب کے سال تمام پر اس کُل کی زکوٰۃ فرض ہو گی، مثلاً یکم رمضان کو سال تمام ہو گا اور اس کے پاس صرف سو روپے تھے تیس شعبان کو دس ہزار اور آئے کہ سال تمام چند گھنٹے بعد جب یکم رمضان آئے کہ سال تمام سے چند گھنٹے بعد جب یکم رمضان آئے گی اس پورے دس ہزار ایک سو پر زکوٰۃ فرض ہو گی۔ (ص143)

سوال: زید نے اپنے تین لڑکیوں کی شادی کے واسطے روپیہ علیحدہ کر دیا ہے، جس میں سے دو لڑکیاں نابالغ ہیں اور ایک بالغ ہے، اب اس روپیہ کی زید پر زکوٰۃ دینا واجب ہے یا نہیں؟

جواب: ضرور واجب ہے مگر اُس حالت میں (کہ) ہر نابالغہ کا حصّہ جُدا کر کے یہ کہہ دے کہ میں نے اسے اُس کا مالک کیا، اس کی زکوٰۃ ان کے بلوغ تک کسی پر واجب نہ ہو گی، بعد بلوغ اگر شرائطِ زکوٰۃ پائے گئے تو ان لڑکیوں پر واجب ہو گی اور بالغہ کا حصّہ جُدا کر کے اُسے مالک کر دے اور اس کے قبضے میں دے دے اگر پھر اس سے لے کر اپنے پاس رکھ لے، اس حصّہ کی زکوٰۃ حسبِ شرائط اُس بالغہ پر ہو گی۔ (ص144)

سوال: کیا نوٹ اور روپیہ کا ایک ہی حکم ہے، نوٹ تو چاندی سونے سے علیحدہ کاغذ ہے۔

جواب: نوٹ اور روپیہ حکم ایک نہیں ہو سکتا، روپیہ چاندی ہے کہ پیدائشی ثمن ہے اور نوٹ کاغذ کہ اصطلاحی ثمن ہے تو جب تک چلے اس کا حکم پیسوں کے مثل ہے کہ ؤہ بھی اصطلاحی ثمن ہے۔ (ص144)

سوال: زکوٰۃ کتنی نکالنی ہوتی ہے؟

جواب: زکوٰۃ ہر نصاب وخمس پر چالیسواں حصّہ ہے اور مذہب صاحبین پر نہایت آسان حساب اور فقراء کے لیے نافع ہے کہ فیصدی ڈھائی روپے۔ (ص144)

سوال: جس روپیہ سے زکوٰۃ پہلے سال میں دے دی اور باقی روپیہ بدستور دوسرے سال تک رکھا رہا، اب دوسرے سال آنے پر کیا پھر اُسی روپیہ میں سے جس میں پہلے سال زکوٰۃ دے چکا ہے زکوٰۃ دینا ہو گی؟

جواب: دس برس رکھا، ہر سال زکوٰۃ واجب ہو گی تک نصاب سے کم نہ رہ جائے، یہ اس لیے کہ جب پہلے سال کی زکوٰۃ نہ دی دوسرے سال اس قدر کا مدیون ہے تو اتنا کم کر کے باقی پر زکوٰۃ ہو گی، تیسرے سال اگلے دونوں برسوں کی زکوٰۃ اس پر دین ہے تو مجموع کم کر کے باقی پر ہو گی، یوُں اگلے سب برسوں کی زکوٰۃ منہا کر کے جو بچے اگر خود یا اس کے اور مال زکوٰۃ سے

مل کر نصاب ہے تو زکوٰۃ ہوگی ورنہ نہیں۔ (ص144)

سوال: وُہ زیور جو کسی نے اپنی نابالغ لڑکیوں کے لیے بنوایا اس پر زکوٰۃ ہوگی؟

جواب: نابالغ لڑکیوں کا جو زیور بنایا گیا اگر ابھی انھیں مالک نہ کیا گیا بلکہ اپنی ہی مِلک پر رکھا اور ان کے پہننے کے صرف میں آتا ہے اگر چہ نیت یہ ہو کہ بیاہ ہُوئے پر ان کے جہیز میں دے دیں گے، جب تو وُہ زیور ماں باپ جس نے بنایا ہے اُسی کی مِلک ہے، اگر تنہا یا اُس کے اور مال سے مل کر قدرِ نصاب اُسی مالک پر اس کی زکوٰۃ ہے۔

اور اگر نابالغ لڑکیوں کی مِلک کر دیا گیا تو اس کی زکوٰۃ کسی پر نہیں، ماں باپ پر تو یُوں نہیں کہ اُن کی مِلک نہیں، اور لڑکیوں پر یُوں نہیں کہ وہ نابالغہ ہیں، جب جوان ہوں گی اُس وقت سے ان پر احکام زکوٰۃ وغیرہ کے جاری ہوں گے۔ (ص145)

(اسی طرح کے ایک اور سوال کے جواب میں فرماتے ہیں) جو زیور بچّوں کو ہبہ کر دیا اس کی زکوٰۃ نہ اس پر نہ بچّوں پر، اُس پر اس لیے نہیں کہ یہ ملک نہیں، اُن پر اس لیے نہیں کہ وُہ بالغ نہیں۔ (ص145)

سوال: زید کا زیور سات برس تک کسی کے پاس رہن رکھا رہا، اب واپس ہوا ہے، کیا سات برسوں کی زکوٰۃ اس نے دینی ہے؟

جواب: ان برسوں کی زکوٰۃ واجب نہیں کہ جو مال رہن رکھا ہے اس پر اپنا قبضہ نہیں، نہ اپنے نائب کا قبضہ ہے۔ (ص146)

سوال: شوہر نے قرض لیا اور بیوی کی اجازت سے اس کا زیور بطورِ رہن کے رکھ دیا، کیا اس زیور پر زکوٰۃ ہوگی؟

جواب: اس نے اس کی اجازت سے رہن کیا تھا تو یہ رہن بھی رہن بالحق تھا، تو ظاہر یہاں بھی یہی ہے کہ اُس مدّت کی زکوٰۃ واجب نہ ہو۔

اور بعد تعلق حق مذکور کے کچھ یہ ضرور نہیں کہ وُہ دین خود اسی پر ہو لہٰذا اگر کوئی شخص کسی کی طرف سے اُس کے دَین کی ضمانت کر لے تو مقدار دَین اس کا مال مشغول سمجھا جائیگا کہ دائن کو حقِ استیفاء اس سے حاصل ہے اگر چہ دَین اصالتاً اس پر نہیں۔ (146)

سوال: بیوی کی ملکیت میں نصاب کی مقدار زیور تھا، وہ اس خیال سے زکوٰۃ نہیں دیتی رہی کہ شوہر پر قرض ہے، کیا اس کا ایسا کرنا درست تھا؟

جواب: قرضے کا خیال باطل خیال ہے کہ قرض شوہر پر تھا اور زیور عورت کا، زکوٰۃ عورت پر ہے نہ کہ شوہر پر۔ (ص148)

سوال: زید کے پاس چار سو روپے تھے، ایک مکان خریدنے کا ارادہ کیا، اور اسے ایڈوانس دو سو روپے دے دیئے، اس صورت میں زکوٰۃ کیسے اور کتنے مال کی نکالے گا؟

جواب: بیان سائل سے واضح ہُوا کہ ہنوز اُس مکان کی بیع نہیں ہُوئی، وعدہ خرید و فروخت درمیان آیا ہے، اور اسی بناء پر زید نے مالکِ مکان کو دو سو روپے پیشگی دے دئے اور اُسے اجازت دی کہ خرچ کر لے، یہ صورت قرض کی ہُوئی، ثمن کہہ

نہیں سکتے کہ ابھی بیع ہی نہیں ہوئی، امانت نہیں کہہ سکتے کہ خرچ کی اجازت دی لاجرم قرض ہے۔

تو دوسو کہ اس کے پاس رکھے ہیں اور دوسو جو مالکِ مکان کو دئے ہیں، چاروں سواسی کی ملک میں اور مالِ زکوٰۃ ہیں، زکوٰۃ کا نصاب ان روپوں (امام اہلسنت علیہ الرحمہ کے دور کے روپے) سے چھپن روپے ہے، جس تاریخ یہ شخص چھپن 56 روپے یا زائد کا مالک ہُوا اُسی تاریخ سے مالکِ نصاب سمجھا گیا، جب ہی سے سالِ زکوٰۃ کا حساب ہوگا، سال کے اندر جو مال اور ملتا گیا اُسی کے ساتھ ملتا رہے گا، تمام پر دیکھیں گے سب خرچوں سے بچ کر حوائجِ اصلیہ سے فاضل کتنا روپیہ اس کی مِلک میں ہے، خواہ اس کے اپنے پاس رکھا ہو یا کسی کے پاس امانت ہو یا کسی کو قرض دے دیا ہو اُس قدر پر زکوٰۃ واجب آئے گی۔

اور جو سال تمام ہونے سے پہلے صَرف ہوگیا ہو وُہ حسابِ زکوٰۃ میں محسوب (شمار) نہ ہوگا مثلاً یکم محرم (1433ھ) کو چھپن روپیہ کا مالک ہُوا تھا، ربیع الاوّل میں سَو اور ملے، جمادی الآخر میں دوسو اور ملے، یہ دوسو مالکِ مکان کو قرض دے دے تو اُس پر اُسی یکم محرم سے سال چل رہا ہے اور ابھی کہ سال تمام نہ ہوا کچھ نہیں کہہ سکتے کہ کس قدر پر واجب ہوگی اب اگر یکم محرم (1434ھ) کے آنے سے پہلے مکان کی بیع واقع ہوگئی اور وُہ دوسو کے قرض دئے تھے سال تمام سے پہلے قیمتِ مکان میں محسوب ہوگئے تو یہ دوسو حسابِ زکوٰۃ سے خارج ہوگئے کہ ان پر سال نہ گزرا، اسی طرح اگر بیع نہ ٹھہری اور روپیہ واپس لے لیا اور سال تمام سے پہلے کُل یا بعض خرچ ہوگیا تو اُس سے بھی تعلق نہ رہا، تمامی سال پر جو باقی رہے اُسے دیکھیں گے کہ 56 روپیہ یا اس سے زائد ہے تو اُس پر ایک سال کی زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر سال تمام پر 56 روپے سے بھی کم رہے تو کچھ نہیں کہ اگر چہ ابتداء میں نصاب بلکہ نصاب سے زائد کا مالک تھا مگر سال نہ گزرنے پایا کہ نصاب سے کم ہوگیا تو وجوبِ زکوٰۃ کا محل نہ رہا۔

اور اگر سال تمام تک یعنی جب سے یہ شخص مالکِ نصاب ہُوا سال پُورا ہونے تک نہ بیع ٹھہری نہ روپیہ واپس ہُوا، بلکہ مالکِ مکان پر قرض ہی رہا تو اب اس پر کہ خود نصاب بلکہ چند نصاب ہیں اور اسکے سوا اور جو نقد اُس وقت موجود ہو، غرض جس قدر روپیہ سونا یا چاندی حاجاتِ اصلیہ سے فاضل مِلک میں ہے خواہ شروع سال زکوٰۃ سے تھا خواہ بیچ میں ملا اُس سب پر زکوٰۃ واجب ہُوئی۔

جو نقد ہے اس پر تو واجب کے ساتھ وجوبِ ادا ابھی ہوگا فی الحال دی جائے، اور جو قرض ہے اس پر ہنوز وجوبِ ادا نہیں وصول پانے پر ہوگا (یعنی جب نصاب کا خُمس وصول ہوگا تو اس کا چالیسواں حصہ یعنی ڈھائی فی صد دینا ہوگا)۔ (ص149,150)

زکوٰۃ نہ دینے والے کا حکم

سوال: زکوٰۃ نہ دینے والے کا حکم کیا ہے؟

جواب: (زکوٰۃ) ادا نہ کرنے کی حالت میں جو مواخذہ زکوٰۃ دینے پر ہے اس کا سزاوار ہوگا معاذ اللہ، وہ نہ ہلکا ہے نہ قابلِ برداشت، اُن میں بعض کا خلاصہ یہ کہ جس سونے چاندی کی زکوٰۃ نہ دی جائے روزِ قیامت جہنّم کی آگ میں تپا کر اُس سے اُن کی پیشانیاں، کروٹیں، پیٹھیں داغی جائیں گی۔ اُن کے سر، پستان پر جہنم کا گرم پتھر رکھیں گے کہ چھاتی توڑ کر کروٹ

سے نکلے گا، کھوپڑی توڑ کر پیشانی سے اُبھرے گا، جس مال کی زکوۃ نہ دی جائے گی روزِ قیامت پُرانا خبیث خونخوار اژدہا بن کر اُس کے پیچھے دوڑے گا' یہ ہاتھ سے روکے گا' وہ ہاتھ چبالے گا' پھر گلے میں طوق بن کر پڑے گا' اس کا منہ اپنے منہ میں لے کر چبائے گا کہ میں ہوں تیرا مال، میں ہوں تیرا خزانہ۔ پھر اس کا سارا بدن چبا ڈالے گا۔ (ص153)

سوال :ہندہ رخصتی کے وقت جہیز کی مالک ہوئی، اس سے پہلے مالک نہ تھی، اس وقت اس کی مِلک میں زیور (نصاب کی قدر) آیا اور اخیر عمر تک اس کے پاس رہا، تین سال دس ماہ تیئس دن کے بعد ہندہ نے انتقال کیا، اُس وقت اُس کے پاس چار عدد زیورات اور تھے، ایک سات 7 تولہ گیارہ 11 ماشہ کا جس کی دس ماہ پیش از مرگ مالک ہوئی، دوسرا دو تولے کا کہ موت سے ڈیڑھ سال پہلے ملا تھا، تیسرا چار 4 تولے کا دو سال پہلے، چوتھا پانچ تولے کا تین سال پہلے، اس صورت میں ہندہ پر زکوۃ کس زیور کی لازم ہے؟

جواب :ہندہ پر تین سال زکوۃ واجب ہوئی کہ چوتھے سال میں ایک ماہ سات روز باقی تھے کہ اس نے وفات پائی۔ مال کہ وقتِ رخصت ملا اُس پر تینوں برسوں کی زکوۃ ہے، یوں ہی چوتھا عدد پانچ تولے کا جب مرگ سے تین سال پہلے ملا تو رخصت کے 10 ماہ 23 بعد، بالجملہ پہلے سالِ تمام سے پہلے پایا تو وہ بھی مالِ اوّل میں شامل ہوا اور تینوں سال کی زکوۃ اس پر آئی، اور یہیں سے واضح ہوا کہ تیسرے عدد پر دو سال اخیر کی زکوۃ ہے اور دوسرے پر ایک ہی برس کی، اور پہلے (سات تولہ گیارہ ماشے والا عدد کہ موت سے دس ماہ پہلے ملا) پر اصلاً (زکوۃ) نہیں۔ (ص153)

سوال :ایک آدمی کے پاس سو روپے تھے، اس نے ایک سال ان کی زکوۃ ادا کی، دوسرے سال بھی اس کے پاس وہ روپے محفوظ رہے، کیا اس برس بھی ان کی زکوۃ نکالنی ہے؟

جواب:ہر برس ضرور (نکالنی) ہے، جب تک مالِ زکوۃ جو اُس کی ملک ہے حقیقۃً یا حکماً نصاب یعنی ساڑھے سات تولہ سونے یا ساڑھے باون تولہ چاندی یعنی انگریزی چھپن 56 روپے سے کم نہ ہو جائے۔

حقیقۃً کم ہو جانا یہ کہ زکوۃ وغیرہ میں صَرف کرتے خواہ کسی اور طور سے گھٹ جائے اور حکماً یہ کہ ہر برس زکوۃ واجب ہوتی رہی اور ادا نہ کی کہ ہر سال زکوۃ کا دین اس پر چڑھتا رہا یہاں تک کہ مالِ زکوۃ قدر نصاب نہ رہا مثلاً صرف یہی سو روپے، مگر اس کے پاس مالِ زکوۃ تھا اور یہی رہا اور مال زیادہ نہ ہوا تو اب پہلے سالِ تمام پر بربنائے مذہبِ صاحبین ڈھائی روپے ہوئے مگر اس نے ادا نہ کی، دوسرے سال تمام پر زکوۃ صرف 97 روپے 8 آنے رہی کہ 2 روپے 8 آنے دینِ زکوۃ سالِ گزشتہ میں مشغول ہیں، اس سال 2 روپے 7 آنے واجب ہوئے، تیسرے سال تمام پر دو سال گزشتہ کا دین زکوۃ 4 روپے 15 آنے مستثنیٰ ہو کر فقط پچانوے روپے ایک آنہ پر زکوۃ آئی کہ دو (2) روپیہ چھ (6) آنے اور ایک پیسے کی چاندی دسواں حصّہ ہُوا، وعلی ھذا القیاس (اسی قیاس پر) جب گھٹتے گھٹتے 56 روپے سے کم رہ جائے تو زکوۃ واجب نہ ہوگی۔ (ص154)

سوال :زید کہتا ہے جس مال تجارت پر ایک مرتبہ زکوٰۃ ادا کر دی پھر دوسرے سال اس پر زکوٰۃ دینا نہ چاہیے بلکہ اس کے نفع پر زکوٰۃ دینا چاہیے۔

جواب :مالِ تجارت جب تک خود یا دوسرے مالِ زکوٰۃ سے مل کر قدرِ نصاب اور حاجتِ اصلیہ مثل دین زکوٰۃ وغیرہ سے فاضل رہے گا ہر سال اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی زید کا بیان محض غلط ہے۔ (ص155)

سوال :ایک شخص نے اپنی تجارت کے آغاز کے وقت یہ قرار دیا کہ جو نفع ہوگا، سولھواں حصّہ اللہ تعالیٰ کے نام پر صَرف کرے گا، منافع کے معلوم ہونے سے پہلے اُس نے کارِ خیر میں صَرف کرنا شروع کیا، حساب کے وقت منافع کی تعداد کا سولھواں حصّہ کم نکلا، وہ زائد روپیہ جو وہ کارِ خیر میں صَرف کر چکا، کیا زکوٰۃ میں شمار کر سکتا ہے؟

جواب :جبکہ بہ نیت زکوٰۃ وہ دینا نہ تھا جو زائد دیا گیا زکوٰۃ میں محسوب (شمار) نہیں ہو سکتا، ہاں آئندہ سال کے اُس سولھویں حصّہ میں مجرا ہو سکتا ہے جو اس نے اللہ عزّ وجل کے لیے دینا ٹھہرا رکھا ہے، مثلاً اس وقت دس روپیہ زیادہ پہنچے اور آئندہ سال منافع کا سولھواں حصّہ سو روپے ہو تو اُسے اختیار ہے کہ یہ دس 10 اس میں محسوب کر کے نوّے روپے دے۔ (ص156)

سوال:زید کسی شخص کے ساتھ کاروبار میں شریک ہے، زید کو صرف اپنی زکوٰۃ دینی ہے یا اپنے شریک کی بھی؟

جواب:دوسرے کی زکوٰۃ اس کے ذمہ عائد نہیں ہو سکتی، ایک پر اُس کے حصّہ کی زکوٰۃ لازم ہے۔ (ص156)

سوال:تجارت میں زکوٰۃ صرف نفع پر ہے یا کل مالِ تجارت پر؟

جواب :زکوٰۃ صرف منافع مالِ تجارت پر نہیں ہوتی، جس طرح مکان زمین دکان کے صرف منافع پر ہوتی ہے یہاں ایسا نہیں بلکہ کُل مالِ تجارت پر لازم ہوتی ہے۔
(ص156)

(ایک اور مقام پر فرماتے ہیں) تجارت کی نہ لاگت پر زکوٰۃ ہے نہ صرف منافع پر، بلکہ سالتمام کے وقت جو زر منافع ہے اور باقی مالِ تجارت کی جو قیمت اس وقت بازار کے بھاؤ سے ہے اُس پر زکوٰۃ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص158)

سوال :ایک شخص پر نصاب کا مالک ہے، زکوٰۃ کی ادائیگی وہ اپنی جائیداد کی آمدنی سے کرتا ہے، اس کی آمدنی ستمبر یا اکتوبر کو ہوتی ہے، کیا وہ ان زیورات کی زکوٰۃ ان مہینوں میں ادا کرے گا؟

جواب :ستمبر اکتوبر کا اعتبار حرام ہے، نہ اس کے اوقاتِ آمدنی پر لحاظ، بلکہ سب میں پہلی جس عربی مہینے کی جس تاریخ جس گھنٹے منٹ پر وہ 56 روپیہ کا مالک ہُوا اور ختمِ سال تک یعنی وہی عربی مہینہ وہی تاریخ وہی گھنٹہ منٹ دوسرے سال آنے تک اُس کے پاس نصاب باقی رہا وہی مہینہ تاریخ منت اس کے لیے زکوٰۃ کا سال ہے، آمدنی کا سال کبھی سے شروع ہوتا ہو، اس عربی مہینہ کی اس تاریخ منٹ پر اس کی زکوٰۃ دینا فرض ہے۔
(ص157)

سوال : گورنمنٹ ملازم کی تنخواہ سے ہر مال کچھ کٹوتی کرلیتی ہے، یہ رقم اس ملازم کو نفع کے ساتھ اکٹھی ختم ملازمت پر ملتی ہے، اسے جی پی فنڈ کہتے ہیں، اس کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

جواب : جب سے وُہ اصلی روپیہ خود یا مع اور زکوٰۃ مال کے جو زید کے پاس ہے، قدرِ نصاب یعنی 56 روپے تک پہنچا اور حوائج اصلیہ سے بچ کر اُس پر سال گزرا اُس وقت سے اُس پر زکوٰۃ واجب ہوئی اور سال بسال جدید زکوٰۃ واجب ہوتی رہی، ہاں اگلے سال کی جتنی زکوٰۃ واجب ہُوئی ہے اس سال جمع میں سے اُتنا کم کرلیں گے کہ اُتنا اس پر اللہ عزّ وجلّ کا دین ہے باقی مع جدید مقدار سال حال پر زکوٰۃ آئے گی، تیسرے سال کی جمع میں سے دو برس گزشتہ سال کی جمع میں سے تین سال کی زکوٰۃ مذکور مجرا کریں گے اور سال حال کا اضافہ شامل کریں گے اس قدر زکوٰۃ آئے گی، چوتھے سال کی جمع میں سے تین سال کی زکوٰۃ مذکور مجرا اور امسال کا اضافہ شامل ہوگا، اخیر تک یونہی کرینگے۔۔۔اس طور پر زکوٰۃ سال بہ سال واجب ہوا کرے گی، مگر اس روپیہ کی زکوٰۃ ادا کرنا اس وقت لازم ہوگا جب وُہ وصول ہوگا، اور جو اضافہ کمپنی سُود کے طریقے پر کرتی ہے اُس پر کبھی زکوٰۃ نہ ہوگی، نہ وہ اس کی مِلک ہے نہ اُسے سُود کی نیت سے کسی طرح جائز ہے، ہاں بعد ختم اگر کمپنی بطور خود اس کو وُہ اضافہ دے اور کمپنی میں کوئی مسلمان شریک نہ ہو تو یہ اُس اضافہ کو اس نیت سے لے سکتا ہے کہ ایک غیر مسلم جماعت ایک مال بخوشی دیتی ہے، یُوں مال مباح سمجھ کر لے سکتا ہے سُود نیت نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص158)

سوال : زکوٰۃ اعلان سے دینا بہتر ہے یا خفیہ طور سے؟

جواب : زکوٰۃ اعلان کے ساتھ دینا بہتر ہے اور خفیہ دینا بھی بے تکلّف روا ہے، اور اگر کوئی صاحبِ عزّت حاجتمند ہو کہ اعلانیہ نہ لے گا یا اس میں سبکی سمجھے گا تو اُسے خُفیہ بھی دینا بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص158)

سوال : زید نے بکر کو کچھ دیا اور کہا اس کو مساکین کو جہاں مناسب سمجھیں دے دیں، اگر زید خود اس کا معرف ہو اپنے اوپر اس کو صرف کرسکتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح اپنی اولاد کو دے سکتا ہے؟

جواب : جس کے مالک نے اُسے اذنِ مطلق دیا کہ جہاں مناسب سمجھ، دو، تو اسے اپنے نفس پر بھی صرف کرنے کا اختیار حاصل ہے، جبکہ یہ اس کا مصرف ہو۔ ہاں اگر یہ لفظ نہ کہے جاتے اُسے اپنے نفس پر صَرف کرنا جائز نہ ہوتا مگر اپنی یا اولاد کو دے دینا جب بھی جائز ہوتا اگر وُہ مصرف تھے۔ (ص158)

سوال : اگر چند اشخاص دولتمند کئی ہزار روپے زکوٰۃ کا جمع کرکے چند معتبر لوگوں کے سپرد اس غرض سے کریں کہ وہ روپیہ حقداران زکوٰۃ حسبِ ضرورت ان کے دیا جائے۔ وُہ لوگ جن کی سپردگی میں مالِ زکوٰۃ دیا گیا ہے وہ اس مال کو بڑھانے کی غرض سے تجارت میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب : ان لوگوں پر فرض ہے کہ وُہ روپیہ مستحقین زکوٰۃ پر تقسیم کردیں اُس سے تجارت کرنا ان کو حرام ہے جب تک

اذنِ جملہ مالکان (تمام مالکوں کی اجازت) نہ ہو، اور مالکوں کو بھی جائز نہیں کہ اگر اُن پر زکوٰۃ کا پورا سال ہو چکا ہو تو زکوٰۃ روکیں اور تجارت کے منافع حاصل ہونے پر ملتوی کریں، سال تمام پر زکوٰۃ فوراً فوراً ادا کرنا واجب ہے، ہاں جس نے پیشگی دیا ہُوا ابھی سال تمام اُس پر نہ آیا ہو وہ سال تمام آنے تک ٹھہر سکتا ہے، پھر اگر یُوں کرے کہ مثلاً ہزار روپے سال آئندہ کی زکوٰۃ کی نیت سے تجارت میں لگائے کہ ان سے جو نفع ہو وہ بھی مع ان ہزار کے فقراء کو دے گا تو یہ نہایت محبوب عمل ہے۔

مگر یہ ضرور ہے کہ اگر تجارت میں نقصان ہو تو نقصان فقراء پر نہیں ڈال سکتا، اُن کو سال تمام پر پورے ہزار دینے لازم ہوں گے۔ (ص159)

سوال : ایک ایسا شخص کہ جس کا اپنا ذاتی مکان ہے اور اس مکان کی سالانہ آمدنی سو روپے ہے مگر بوجہ عیالدار ہونے کے اُس کا خرچ تین سو روپے سالانہ ہے تو ایسے شخص کو زکوٰۃ کے مال سے امداد دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ہاں اُسے زکوٰۃ دے سکتے ہیں اگرچہ اُس کی حاجت سکونت کا مکان ہزار روپے کا ہو یا کرائے پر چلا لے کہ مکان سے ہزار روپے سالانہ آتا ہو اور اُس کا ضروری مصارف ونفقہ اہل وعیال سے اتنا نہ بچتا ہو کہ وُہ اپنی حاجت اصلیہ سے فارغ 56 روپے کا مالک ہو۔ (ص160)

سوال: ایک شخص نے چالیس یا پچاس ہزار کے مکانات اپنی حاجات سے زیادہ صرف کرایہ وصول کرنے کی غرض سے خرید ے، آیا اس صُورت میں حاجت سے زیادہ مکانات میں ان کی قیمت کے اوپر زکوٰۃ فرض ہے یا جو کرایہ ہے اس کے اوپر ہے؟

جواب : مکانات پر زکوٰۃ نہیں اگرچہ پچاس کروڑ کے ہوں، کرایہ سے جو سال تمام پر پس انداز (بچا) ہوگا اس پر زکوٰۃ آئے گی اگر خود یا اور مال سے مل کر قدر نصاب ہو۔ (ص161)

سوال: جو صاحب مکان کی زینت کے لیے تانبے، پیتل، چینی وغیرہ کے برتن خرید کر کے مکان کو سجاتا ہے اور کبھی وہ برتن استعمال میں بھی آتے ہیں اور کبھی نہیں بھی آتے ہیں، اس صورت میں کیا حکم ہے؟

جواب : برتن وغیرہ اسباب خانہ داری میں زکوٰۃ نہیں اگرچہ لاکھوں روپے کے ہوں، زکوٰۃ صرف تین چیزوں پر ہے: (1) سونا، چاندی کیسے ہی ہوں، پہننے کے ہوں یا برتنے کے، سکّہ ہو یا ورق۔ (2) دوسرے چرائی پر چھوٹے جانور۔ (3) تیسرے تجارت کا مال۔ باقی کسی چیز پر نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص161)

سوال : ایک شخص کے پاس مال زکوٰۃ کے قابل ہے، اُس نے سال گزشتہ کے بعد یکمشت روپیہ مسلمان محتاج کو دیا لیکن اس نے زکوٰۃ کی نیت بروقت دینے کے نہ کی، نہ اس کے دل میں خیال آیا کہ زکوٰۃ ادا کرتا ہوں، بعد کو خیال ہوتو یہ دیا روپیہ زکوٰۃ میں داخل ہُوا یا نہیں؟ بینوا توجروا

جواب: اگر یہ مال محتاج کو دیا خالص بہ نیتِ زکوٰۃ الگ رکھا تھا یعنی اس نیت سے جُدا کر کے رکھ چھوڑا کہ اسے زکوٰۃ میں دیں گے تو جس وقت اس میں سے محتاج کو دیا گیا زکوٰۃ ادا ہو گئی اگر چہ دیتے وقت زکوٰۃ کا خیال نہ آیا اور ایسا نہ تھا تو مال جب تک محتاج کے پاس موجود ہے اب اس میں زکوٰۃ کی نیت کرلے صحیح ہو جائے گی، اور اگر اس کے پاس نہ رہا تو اب نہیں کر سکتا، یہ مال خیرات نفل میں گیا زکوٰۃ جُدا ادا کرے۔ (ص161)

سوال: لوگوں سے جو روپیہ قرض لینا ہے، اس کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

جواب: دین (قرض) تین قسم ہے:

(1) قوی یعنی قرض؛ جس عرف میں دست گردان کہتے ہیں اور تجارتی مال کا ثمن یا کرایہ، مثلاً اُس نے بہ نیت تجارت کچھ مال خریدا وہ قرضوں کسی کے ہاتھ بیچا تو یہ دین جو خریدار پر آیا دینِ قوی ہے، یا کوئی مکان یا دکان یا زمین بہ نیتِ تجارت خریدی تھی اب اسے کسی کے ہاتھ سکونت یا نشست یا زراعت کے لیے کرایہ پر دیا، یہ کرایہ اگر اس پر دین ہوگا تو دینِ قوی ہوگا۔

(2) متوسط کہ کسی مال غیر تجارتی کا بدل ہو، مثلاً گھر غلّہ یا اثاث البیت (گھر کا سامان)، یا سواری کا گھوڑا کسی کے ہاتھ بیچا، یونہی اگر کسی پر کوئی دین اپنے مورث کے ترکہ میں ملا تو مذہبِ قوی پر وُہ بھی دین متوسط ہے۔

(3) ضعیف کہ کسی مال کا بدل نہ ہو، جیسے عورت کا مہر کہ منافع بضع کا عوض ہے، یا وُہ دین جو بذریعہ وصیت اسے پہنچا یا بسبب خلع عورت پر لازم آیا، یا مکان دکان زمین کہ بہ نیت تجارت نہ خریدی تھی اُن کا کرایہ چڑھا۔

قسم سوم کے دین پر جب تک دین رہے اصلاً زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اگر چہ دس برس گزر جائیں، ہاں جس دن سے اس کے قبضہ میں آئے گا شمارِ زکوٰۃ میں محسوب (شمار) ہوگا یعنی اس کے سوا اور کوئی نصاب زکوٰۃ اسی کی جنس سے اس کے پاس موجود تھا اس پر سال چل رہا تھا تو جو وصول ہُوا اس میں ملا لیا جائے گا اور اسی کے سال تمام پر کل کی زکوٰۃ لازم ہوگی' اور اگر ایسا نصاب نہ تھا تو جس دن سے وصول ہُوا اگر بقدرِ نصاب ہے اُسی وقت سے سال شروع ہوا ورنہ کچھ نہیں۔

اور دو قسم سابق (دین قوی اور متوسط) میں بحالت دین ہی سال بسال زکوٰۃ واجب ہوتی رہے گی مگر اُسی وقت لازم ہوگا جبکہ اُس کے قبضہ میں دین قوی سے بقدر خمس نصاب یا متوسط سے بقدر کامل نصاب آئے گا۔ (ص162)

سوال: (ایک خاتون نے امام اہلسنت علیہ الرحمہ سے پوچھا) میرا زیور (نصاب کی مقدار سے زیادہ) شوہر نے فروخت کر ڈالا اور روپیہ تجارت میں لگایا' بیچنا مجھ کو منظور نہ تھا مگر مجبوری تھی کہ روزگار نہ تھا، شوہر کی بیکاری تھی، ان پیسوں سے شوہر نے تجارت کی، مالکِ تجارت شوہر ہی سمجھا جاتا تھا، اس کی آمدن گھر میں سب بال بچّوں کے خرچ میں صرف ہوتی تھی، کبھی ذکر درمیان نہ آیا کہ میرے زیور کا روپیہ ہے کیونکہ معاملہ ایک سمجھا جاتا تھا، اب کیا مجھ پر اس زیور کی یا اس کے پیسوں کی زکوٰۃ بنے گی؟

22/22

جواب: اگر زیور تمھاری اجازت سے بیچ کر شوہر نے اپنی تجارت میں لگایا اگرچہ وُہ اجازت اسی مجبوری سے تھی کہ شوہر کی بیکاری ہے تو اس کی قیمت شوہر پر قرض رہی' اور اگر بے تمھاری اجازت کے بطور خود بیچ ڈالا اگرچہ تم نے سکوت کیا تو حکم غصب میں تھا، بہر حال سال بسال اُس کی زکوٰۃ تم پر واجب ہوتی رہی اور واجب ہُوا کرے گی، جب تک نصاب باقی ہے مگر اس زکوٰۃ کا دینا تم پر واجب نہ ہوگا جب تک شوہر اس میں سے بقدر گیارہ روپے سوا تین آنہ کچھ کوڑیاں کم کے (اس وقت کے نصاب 56 روپے کا خمس یعنی پانچواں حصہ) تمھیں ادا نہ کرے، جس وقت اس قدر اس میں سے تمھارے قبضہ میں آئے گا اُس وقت اس مقدار کا چالیسوں حصہ دینا واجب ہوگا اور اگر کچھ قبضہ میں نہ آئے گا تو اس زکوٰۃ کا ادا کرنا تو واجب نہ ہوگا۔

ہاں اگر تم نے وہ زیور انھیں دے ہی دیا تھا اس کی قیمت کبھی لینے کا خیال نہ تھا تو تم پر اس کی زکوٰۃ واجب ہی نہیں کہ ایسی حالت میں تمھیں استحقاقِ واپسی نہ رہا جبکہ کسی قرینہ سے شوہر کو مالک کر دینا سمجھا گیا ہو۔ و اللّٰہ تعالیٰ اعلم (ص167)

سوال: کسی شخص کا روپیہ اگر قرض میں پھیلا ہو تو اس کی زکوٰۃ اس کے ذمہ فرض ہے یا نہیں؟

جواب: جو روپیہ قرض میں پھیلا ہے اس کی بھی زکوٰۃ لازم ہے مگر جب بقدر نصاب (دین متوسط کی صورت میں) یا خمس نصاب (دین قوی کی صورت میں) وصول ہوا اُس وقت ادا واجب ہوگی جتنے برس گزرے ہوں سب کا حساب لگا کر۔ و اللّٰہ تعالیٰ اعلم (ص167)

سوال: شوہر میرا قرضدار ہے اور میرے پاس زیور ہے زکوٰۃ کے لائق، اور میرا شوہر کا معاملہ ایک ہے، اور میرے پاس جو کچھ روپیہ تھا شوہر کے قرضہ میں دے دیا یہ سمجھ کر کہ میرا اور اُن کا معاملہ واحد ہے بلکہ شوہر کو بھی بعد میں معلوم ہوا، اب میرا نہ شوہر تقاضا ہے نہ یہ گفتگو ہُوئی کہ میں معاف کر دیا بلکہ اپنا اُن کو معاملہ ایک سمجھ کر قرضہ میں دے دیا' اب جو زیور ہے وہ قرضہ سے بہت کم ہے لیکن زکوٰۃ کے لائق ہے، اس صورت میں زکوٰۃ دینا فرض ہے یا نہیں؟ اور خرچ بال بچّوں کا بہت ہے آمد بہت کم ہے، اگر زکوٰۃ فرض ہو تو کچھ ایسی صورت بتائے کہ جس میں زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے اور خرچ کو تکلیف نہ ہو۔

جواب: عورت اور شوہر کا معاملہ دنیا کے اعتبار سے کتنا ہی ایک ہو مگر اللہ عزّ وجل کے حکم میں وُہ جدا جدا ہیں، جب تمھارے پاس زیور زکوٰۃ کے قابل ہے اور قرض تم پر نہیں شوہر پر ہے تو تم پر زکوٰۃ ضرور واجب ہے اور ہر سال تمام پر زیور کے سوا جو روپیہ یا اور زکوٰۃ کی کوئی چیز تمھاری اپنی ملک میں تھی اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہُوئی، جو روپے تم نے بغیر شوہر کے کہے بطور خود ان کے قرضہ میں دے دیا وہ تمھارا احسان سمجھا جائے گا، اس کا مطالبہ شوہر سے نہیں ہو سکتا، بال بچّوں کا خرچ باپ کے ذمّہ ہے تمھارے ذمّہ نہیں، زکوٰۃ دینے سے خرچ کی تکلیف نہ سمجھو بلکہ اس کا نہ دینا ہی تکلیف کا باعث ہوتا ہے، نحوست اور بے برکتی لاتا ہے اور زکوٰۃ دینے سے مال بڑھتا ہے اللہ تعالیٰ برکت و فراغت دیتا ہے، قرآن مجید میں اللہ کا وعدہ ہے، اللہ تعالیٰ سچّا اور اس کا وعدہ سچّا۔ (ص168)

سوال: عورت نے شوہر سے مہر لینا ہے، کیا اس پر زکوٰۃ ہے؟

جواب: معجّل مہر سے جب بقدرِ نصاب ہو اُس وقت عورت پر زکوٰۃ واجب الادا ہوگی اور پہلے دیتی رہے تو بہتر ہے اور یہ مہر جو عام طور پر بلا تعیّنِ وقت باندھا جاتا ہے جس کا مطالبہ عورت قبلِ موت وطلاق نہیں کر سکتی اس پر زکوٰۃ کی صلاحیّت بعد وصول ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص169)

زکوٰۃ دینے کی اہمیت اور نہ دینے پر وعیدیں

سوال: زکوٰۃ کی اہمیت اور نہ دینے کی وعیدیں بیان فرمادیں۔

جواب: زکوٰۃ اعظم فروضِ دین واہم ارکانِ اسلام سے ہے ولہٰذا قرآن عظیم میں بتیس 32 جگہ نماز کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا اور طرح طرح سے بندوں کو اس فرضِ اہم کی طرف بُلایا، صاف فرمایا کہ زنہار نہ سمجھنا کہ زکوٰۃ دی تو مال میں سے اتنا کم ہوگیا، بلکہ اس سے مال بڑھتا ہے۔ ﴿یمحق اللہ الربٰو ویربی الصدقات﴾ ترجمہ: اللہ ہلاک کرتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو۔ (سورۃ2، آیت276)

بعض درختوں میں کچھ اجزائے فاسدہ اس قسم کے پیدا ہوجاتے ہیں کہ پیڑ کی اُٹھان کو روک دیتے ہیں، احمق نادان انھیں نہ تراشے گا کہ میرے پیڑ سے اتنا کم ہوجائے گا، پر عاقل ہوشمند تو جانتا ہے کہ ان کے چھانٹنے سے یہ نونہال لہلہا کر درخت بنے گا ورنہ یُوں ہی مرجھا کر رہ جائے گا، یہی حساب زکوتی مال کا ہے۔

حدیث1: حضورِ پُرنور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((ماخالطت الصدقۃ او مال الزکوٰۃ مال الا افسدتہ)) ترجمہ: زکوٰۃ کا مال جس میں ملا ہوگا اسے تباہ وبرباد کردے گا۔ (شعب الایمان للبیہقی، ج3، ص273، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

حدیث2: حضورِ والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((ماتلف مال فی بر ولا بحر الّا بحبس الزکوٰۃ)) ترجمہ: خشکی و تری میں جو مال تلف ہوا ہے وُہ زکوٰۃ نہ دینے ہی سے تلف ہوا ہے۔ (مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط، ج3، ص63، دارالکتاب العربی، بیروت)

حدیث3: حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((من ادی زکوٰۃ مالہ فقد اذھب اللہ شرہ)) ترجمہ: جس نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کردی بیشک اللہ تعالیٰ نے مال کا شر اس سے دُور کردیا۔ (صحیح ابن خزیمۃ، ج4، ص13، المکتب الاسلامی، بیروت)

حدیث4: حضورِ اعلیٰ صلوٰۃ اللہ وسلامہٗ علیہ فرماتے ہیں ((حصّنوا اموالکم بالزکوٰۃ وداووا مرضاکم بالصدقۃ)) ترجمہ: اپنے مالوں کو مضبوط قلعوں میں کرلو زکوٰۃ دے کر، اور اپنے بیماروں کا علاج کرو خیرات سے۔ (کتاب المراسیل، ص62، مکتبہ علمیہ، لاہور)

اے عزیز! ایک بے عقل گنوار کو دیکھ کہ تخمِ گندم اگر پاس نہیں ہوتا بہزار دقت (بہت مشکل سے) قرض دام سے حاصل کرتا اور اسے زمین میں ڈال دیتا ہے، اس وقت تو وُہ اپنے ہاتھوں سے خاک میں ملا دیا مگر امید لگی ہے کہ خدا چاہے تو یہ کھونا بہت کچھ پانا ہوجائے گا، تجھے اس گنوار کے برابر بھی عقل نہیں۔

یا جس قدر ظاہری اسباب پر بھروسہ ہے اپنے مالک جل وعلا کے ارشاد پر اتنا اطمینان بھی نہیں کہ اپنے مال بڑھانے اور

ایک ایک دانہ ایک ایک پیڑ بنانے کو زکوۃ کا بیج نہیں ڈالتا۔ وہ فرماتا ہے: زکوۃ دو تمھارا مال بڑھے گا۔ اگر دل میں اس فرمان پر یقین نہیں جب تو کھلا کفر ہے، ورنہ تجھ سے بڑھ کر احمق کون کہ اپنے یقینی نفع دین و دنیا کی ایسی بھاری تجارت چھوڑ کر دونوں جہانوں کا زیان (نقصان) مول لیتا ہے۔

حدیث 5: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((ان تمام اسلامکم ان تؤدوا زکوٰۃ اموالکم)) ترجمہ: تمھارے اسلام کا پورا ہونا یہ ہے کہ اپنے مالوں کی زکوۃ ادا کرو۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار، ج1، ص416، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

حدیث 6: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرتے ہیں ((من کان یؤمن باللہ ورسولہ فلیؤد زکوٰۃ مالہ)) ترجمہ: جو اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لاتا ہو اسے لازم ہے کہ اپنے مال کی زکوۃ ادا کرے۔ (المعجم الکبیر، ج12، ص424، مکتبہ فیصلیہ، بیروت)

حدیث 7: حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جس کے پاس سونا یا چاندی ہو اور اس کی زکوۃ نہ دے قیامت کے دن اس زر وسیم کی تختیاں بنا کر جہنم کی آگ میں تپائیں گے' پھران سے اس شخص کی پیشانی اور کروٹ اور پیٹھ پر داغ دیں گے، جب وہ تختیاں ٹھنڈی ہو جائیں گی پھر انھیں تپا کر داغیں گے، قیامت کے دن کہ پچاس ہزار برس کا ہے، یونہی کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ تمام مخلوق کا حساب ہو چکے۔ (صحیح مسلم، ج1، ص318، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

مولیٰ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم ○ یوم یحمٰی علیھا فی نار جھنم فتکوٰی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون ○﴾ ترجمہ: اور جو لوگ جوڑتے ہیں سونا چاندی اور اسے خدا کی راہ میں نہیں اٹھاتے یعنی زکوۃ ادا نہیں کرتے انھیں بشارت دے دُکھ کی مار کی، جس دن تپایا جائے گا وہ سونا چاندی جہنم کی آگ سے، پس داغی جائیں گی اس سے ان کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں، یہ ہے جو تم نے اپنے لیے جوڑ کر رکھا تھا اب چکھو مزا اس جوڑنے کا۔ (القرآن، ۹/۳۴)

پھر اس داغ دینے کو بھی نہ سمجھے کہ کوئی چہکا لگا دیا جائے گا یا پیشانی و پشت و پہلو کی چربی نکل کر بس ہوگی بلکہ اس کا حال بھی حدیث سے سُن لیجئے:

حدیث 8: سیّدنا ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ان کے سر، پستان پر وہ جہنم کا گرم پتھر رکھیں گے کہ یہ توڑ کر شانہ سے نکل جائے گا اور شانہ کی ہڈی پر رکھیں گے کہ ہڈیاں توڑتا سینہ سے نکلے گا۔ (صحیح بخاری، ج1، ص189، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اور اس کے ساتھ اور بھی ایک کیفیت سن رکھئے:

حدیث 9: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کوئی روپیہ دوسرے روپے پر نہ رکھا جائے نہ کوئی اشرفی دوسری اشرفی سے چُھو جائے گی بلکہ زکوۃ دینے والے کا جسم اتنا بڑھا دیا جائے گا کہ لاکھوں کروڑوں جوڑے ہوں تو ہر روپیہ جُدا

داغ دے گا۔ (مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الکبیر، ج3،ص65، دارالکتاب العربی، بیروت)

اے عزیز! کیا خدا اور رسول کے فرمان کو یونہی ہنسی ٹھٹھا سمجھتا ہے یا پچاس ہزار برس کی مدت میں یہ جانکاہ مصیبتیں جھیلنی سہل جانتا ہے، ذرا یہیں کی آگ میں ایک آدھ روپیہ گرم کر کے بدن پر رکھ دیکھ، پھر کہاں یہ خفیف گرمی کہاں وہ قہر آگ، کہاں یہ ایک ہی روپیہ کہاں وُہ ساری عمر کا جوڑا ہوا مال، کہاں یہ منٹ بھر دیر کہاں وہ ہزاردن برس کی آفت، کہاں یہ ہلکا سا چہکا کہاں وُہ ہڈیاں توڑ کا پار ہونے والا غضب۔ اللہ تعالےٰ مسلمان کو ہدایت بخشے، آمین!

حدیث10: مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ نہ دے گا وہ مال روزِ قیامت گنجے اژدہے کی شکل بنے گا اور اس کے گلے میں طوق ہو کر پڑے گا۔ پھر سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتاب اللہ سے اس کی تصدیق پڑھی کہ رب عزوجل فرماتا ہے ﴿سیطوقون ما بخلوا به یوم القیامة﴾ ترجمہ: جس چیز میں بخل کر رہے ہیں قریب ہے کہ طوق کر ان کے گلے ڈالی جائے قیامت کے دن۔ (سنن النسائی، ج1،ص272، مکتبہ سلفیہ، لاہور)

حدیث11: فرماتے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: وُہ اژدہا منہ کھول کر اس کے پیچھے دوڑے گا' یہ بھاگے گا، اس سے فرمایا جائے گا: لے اپنا وُہ خزانہ کہ چھپا کر رکھا تھا کہ میں اس سے غنی ہُوں۔ جب دیکھے گا کہ اس اژدہا سے کہیں مفر نہیں، ناچار اپنا ہاتھ اس کے مُنہ میں دے دے گا' وہ ایسا چبائے گا جیسے نر اونٹ چباتا ہے۔ (صحیح مسلم، ج1،ص321، نورمحمد اصح المطابع، کراچی)

حدیث12: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: جب وُہ اژدہا اس پر دوڑے گا یہ پُوچھے گا تُو کون ہے؟ کہے گا میں تیرا وُہ مال ہوں جو چھوڑ مرا تھا جب یہ دیکھے گا کہ وُہ پیچھا کیے ہی جارہا ہے ہاتھ اس کے منہ میں دے دے گا وہ چبائے گا، پھر اس کا سارا بدن چبا ڈالے گا۔ (المعجم الکبیر، ج2،ص91، مکتبہ فیصلیہ، بیروت)

حدیث13: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: وُہ اژدہا اُس کا منہ اپنے پھن میں لے کر کہے گا: میں تیرا مال ہوں خزانہ ہُوں۔ (صحیح البخاری، ج1،ص188، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

حدیث14: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: فقیر ہرگز ننگے بھُوکے ہونے کی تکلیف نہ اُٹھائیں گے مگر اغنیاء کے ہاتھوں، سُن لو ایسے تونگروں (امیر لوگوں) سے اللہ تعالیٰ سخت حساب لے گا اور انھیں دردناک عذاب دے گا۔

(مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط، ج3،ص63، دارالکتاب العربی، بیروت)

حدیث15: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: زکوٰۃ نہ دینے والا ملعون ہے زبانِ پاک محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر۔ (صحیح ابن خزیمہ، ج4،ص9، المکتب الاسلامی، بیروت)

حدیث16: مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سُود کھانے والے اور کھلانے

والے اور اس پر گواہی کرنے والے اور اس کا کاغذ لکھنے والے، زکوٰۃ نہ دینے والے ان سب کو قیامت کے دن ملعون بتایا۔

(کنزالعمال، ج4،ص109،مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

حدیث 17: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: قیامت کے دن تونگروں کے لیے محتاجوں کے ہاتھ سے خرابی ہے۔ محتاج عرض کریں گے اے رب ہمارے انہوں نے ہمارے وُہ حقوق جو تُو نے ہمارے لیے ان پر فرض کیے تھے ظلماً نہ دئے اللہ عزوجل فرمائے گا: مجھے قسم ہے اپنے عزّت کی وجلال کی کہ تمھیں اپنا قُرب عطا کروں گا اور انھیں دُور رکھوں گا۔ (مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الاوسط، ج3،ص62، دارالکتاب العربی، بیروت)

حدیث 18: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کچھ لوگ دیکھے جن کے آگے پیچھے غرقی لنگوٹیوں کی طرح کچھ چیتھڑے تھے اور جہنّم کی گرم آگ پتّھر اور تھوہر اور سخت کڑوی جلتی بدبو گھانس چوپایوں کی طرح چرتے پھرتے تھے۔ جبریل امین علیہ الصّلوٰۃ والسلام سے پُوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ عرض کی: یہ زکوٰۃ نہ دینے والے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا، اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں فرماتا۔

(کشف الاستار، ج1،ص38،مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

حدیث 19: دوعورتیں خدمتِ والا میں سونے کے کنگن پہنے ہُوئیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کی زکوٰۃ دوگی؟ عرض کی؟ نہ۔ فرمایا: کیا چاہتی ہو کہ اللہ تعالیٰ تمھیں آگ کے کنگن پہنائے؟ عرض کی: نہ فرمایا: زکوٰۃ دو۔ (جامع الترمذی، ج1،ص81، آفتاب عالم پریس، لاہور)

حدیث 20: ایک بی بی چاندی کے چھلّے پہنے تھیں، فرمایا: ان کی زکوٰۃ دوگی؟ انہوں نے کچھ انکار سا کیا، فرمایا: تو یہ ہی تجھے جہنّم میں لے جانے کو بہت ہیں۔ (سنن ابی داوٗد، ج1،ص218، آفتاب عالم پریس، لاہور)

حدیث 21: حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: زکوٰۃ نہ دینے والا قیامت کے دن دوزخ میں ہوگا۔

(مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الصغیر، ج3،ص64، دارالکتاب العربی، بیروت)

حدیث 22: فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: دوزخ میں سب سے پہلے تین شخص جائیں گے، ان میں ایک وُہ تونگر کہ اپنے مال میں عزوجل کا حق ادا نہیں کرتا۔ (صحیح ابن خزیمہ، ج4،ص8، المکتب الاسلامی، بیروت)

غرض زکوٰۃ نہ دینے کی جانکاہ آفتیں وُہ نہیں جن کی تاب آسکے، نہ دینے والے کو ہزار سال ان سخت عذابوں میں گرفتاری کی امید رکھنا چاہئے کہ ضعیف البنیان انسان کی کیا جان، اگر پہاڑوں پر ڈالی جائیں سُرمہ ہوکر خاک میں مل جائیں۔ (ص172تا178)

سوال: ایک شخص اپنے مال کا ایک بہت بڑا حصہ مختلف قسم کے نیک کاموں میں صرف کرتا ہے، مگر زکوٰۃ نہیں دیتا، اس کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب: اس سے بڑھ کر احمق کون کہ اپنا مال جُھوٹے سچے نام کی خیرات میں صرف کرے اور اللہ عزوجل کا فرض اور اس بادشاہ قہار کا وُہ بھاری قرض گردن پر رہنے دے، شیطان کا بڑا دھوکا ہے کہ آدمی کو نیکی کے پردے میں ہلاک کرتا ہے، نادان

سمجھتا ہی نہیں، نیک کام کررہا ہوں، اور نہ جانا کہ نفل بے فرض نرے دھوکے کی ٹٹی ہے، اس کے قبول کی امید تو مفقود اور اس کے ترک کا عذاب گردن پر موجود۔

اے عزیز! فرض خاص سلطانی قرض ہے اور نفل گویا تحفہ ونذرانہ۔ قرض نہ دیجئے اور بالائی بیکار تحفے بھیجئے، وہ قابلِ قبول ہوں گے خصوصاً اس شہنشاہ وغنی کی بارگاہ میں جو تمام جہان وجہانیاں سے بے نیاز؟ یوں یقین نہ آئے تو دنیا کے جُھوٹے حاکموں ہی کو آزمالے، کوئی زمین دار مال گزاری تو بند کرلے اور تحفے میں ڈالیاں بھیجا کرے، دیکھو تو سرکاری مجرم ٹھہرتا ہے یا اس کی ڈالیاں کچھ بہبود کا پھل لاتی ہیں!

حضور پُرنور سیّدنا غوث اعظم مولائے اکرم حضرت شیخ محی الملّۃ والدّین ابو محمد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتاب مستطاب فتوح الغیب شریف میں کیا کیا جگر شگاف مثالیں ایسے شخص کے لیے ارشاد فرمائی ہیں جو فرض چھوڑ کر نفل بجالائے۔ فرماتے ہیں: اس کی کہاوت ایسی ہے جیسے کسی شخص کو بادشاہ اپنی خدمت کے لیے بلائے، یہ وہاں تو حاضر نہ ہُوا اور اس کے غلام کی خدمتگاری میں موجود ہے۔

پھر حضرت امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا مولیٰ علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے اس کی مثال نقل فرمائی کہ جناب ارشاد فرماتے ہیں: ایسے شخص کا حال اس عورت کی طرح ہے جسے حمل رہا جب بچّہ ہونے کے دن قریب آئے اسقاط ہوگیا اب وہ نہ حاملہ ہے نہ بچّے والی۔ یعنی جب پُورے دنوں پر اگر اسقاط ہو تو محنت تو پُوری اٹھائی اور نتیجہ خاک نہیں کہ اگر بچہ ہوتا تو ثمرہ خود موجود تھا حمل باقی رہتا تو آگے امید لگی تھی، اب نہ حمل نہ بچّہ، نہ اُمید نہ ثمرہ اور تکلیف وہی جھیلی جو بچّہ والی کو ہوتی۔ ایسے ہی اس نفل خیرات دینے والے کے پاس روپیہ تو اٹھا مگر جبکہ فرض چھوڑا یہ نفل بھی قبول نہ ہُوا تو خرچ کا خرچ ہوا اور حاصل کچھ نہیں۔ (ص178تا180)

زکوٰۃ نہ دینا اور نفلی صدقہ خیرات کرنا

سوال: زید نے اپنے مال سے مسجد بنائی، ایک گاؤں فقراء کے لیے وقف کردیا، اس کے علاوہ فقراء میں خیرات بھی کرتا رہا، مگر کافی سالوں سے زکوٰۃ ادا نہ کی، جس کی رقم بہت زیادہ بنتی ہے، اس کے لیے اب کیا حکم ہے؟

جواب: اس شخص نے آج تک جس قدر خیرات کی، مسجد بنائی، گاؤں وقف کیا، یہ سب امور صحیح ولازم تو ہوگئے کہ نہ دی ہوئی خیرات فقیر سے واپس لے سکتا ہے، نہ کیے ہوئے وقف کو پھیر لینے کا اختیار رکھتا ہے، نہ اس گاؤں کی توفیر ادائے زکوٰۃ، نہ اپنے اور کسی کام میں صرف کرسکتا ہے کہ وقف بعد تمامی لازم وحتمی ہوجاتا ہے جس کے ابطال کا ہرگز اختیار نہیں رہتا۔

مگر بااِیں ہمہ جب تک زکوٰۃ پُوری پُوری نہ ادا کرے ان افعال پر امیدِ ثواب وقبول نہیں کہ کسی فعل کا صحیح ہوجانا اور بات ہے اور اس پر ثواب ملنا مقبول بارگاہ ہونا اور بات ہے، مثلاً اگر کوئی شخص دکھاوے کے لیے نماز پڑھے نماز تو ہوگئی فرض اُتر گیا، پر نہ قبول ہوگی نہ ثواب پائے گا، بلکہ الٹا گناہگار ہوگا، یہی حال اس شخص کا ہے۔

اے عزیز! اب شیطان لعین کہ انسان کا عدو مبین (کھلا دشمن) ہے بالکل ہلاک کردینے اور یہ ذرا سا ڈورا جو قصد خیرات کا لگا

رہ گیا ہے جس سے فقیر کو تو نفع ہے، اسے بھی کاٹ دینے کے لیے یوں فقرہ سُجھائے گا کہ جو خیرات قبول نہیں تو کرنے سے کیا فائدہ، چلو اسے بھی دُور کرو، اور شیطان کی پوری بندگی بجالاؤ، مگر اللہ عزوجل کو تیری بھلائی اور عذاب شدید سے رہائی منظور ہے، وہ تیرے دل میں ڈالے گا کہ اس حکم شرعی کا جواب یہ نہ تھا جو اس دشمنِ ایمان نے تجھے سکھایا اور رہا سہا بالکل ہی متمرد و سرکش بنایا بلکہ تجھے تو فکر کرنی تھی جس کے باعث عذابِ سلطانی بھی نجات ملتی اور آج تک کہ یہ وقف و مسجد و خیرات بھی سب قبول ہوجانے کی اُمید پڑتی۔

بھلا غور کرو وُہ بات بہتر کہ بگڑتے ہُوئے کام پھر بن جائیں، اکارت جاتی محنتیں از سرِ نو ثمرہ لائیں یا معاذ اللہ یہ بہتر کہ رہی سہی نام کو جو صورتِ بندگی باقی ہے اسے بھی سلام کیجئے اور کھلے ہوئے سرکشوں، اشتہاری باغیوں میں نام لکھا لیجئے۔

وہ نیک تدبیر یہی ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے سے توبہ کیجئے، آج تک جتنی زکوٰۃ گردن پر ہے فوراً دل کی خوشی کے ساتھ اپنے رب کا حکم ماننے اور اسے راضی کرنے کو ادا کردیجئے کہ شہنشاہِ بے نیاز کی درگاہ میں باغی غلاموں کی فہرست سے نام کٹ کر فرماں بردار بندوں کے دفتر میں چہرہ لکھا جائے۔ مہربان مولا جس نے جان عطا کی، اعضا دئے، مال دیا، کروڑوں نعمتیں بخشیں، اس کے حضور منہ اُجالا ہونے کی صورت نظر آئے اور مژدہ ہو، بشارت ہو، نوید ہو، تہنیت ہو کہ ایسا کرتے ہی اب تک جس قدر خیرات دی ہے وقف کیا ہے، مسجد بنائی ہے، ان سب کی بھی مقبولی کی اُمید ہوگی کہ جس جُرم کے باعث یہ قابلِ قبول نہ تھے جب وہ زائل ہو گیا انھیں بھی باذن اللہ تعالیٰ شرفِ قبول حاصل ہو گیا۔ چارہ کار تو یہ ہے آگے ہر شخص اپنی بھلائی بُرائی کا اختیار رکھتا ہے۔

مدّتِ دراز گزرنے کے باعث اگر زکوٰۃ کا تحقیقی حساب نہ معلوم ہوسکے تو عاقبت پاک کرنے کے لیے بڑی سے بڑی رقم جہاں تک خیال میں آسکے فرض کرلے کہ زیادہ جائے گا تو ضائع نہ جائے گا' بلکہ تیرے رب مہربان کے پاس تیری بڑی حاجت کے وقت کے لیے جمع رہے گا ، وہ اس کا کامل اجر جو تیرے حوصلہ وگمان سے باہر ہے عطا فرمائے گا، اور کم کیا تو بادشاہ قہار کا مطالبہ جیسا ہزار روپیہ کا ویسا ہی ایک پیسے کا۔

اگر بدیں وجہ (اس وجہ سے) کہ مال کثیر اور قرنوں (مدتوں) کی زکوٰۃ ہے یہ رقم وافر (زیادہ) دیتے ہُوئے نفس کو درد پہنچے گا، تو اول تو یہی خیال کرلیجئے کہ قصور اپنا ہے سال بہ سال دیتے رہتے تو یہ گٹھڑی کیوں بندھ جاتی۔

پھر خدائے کریم عزّ وجل کی مہربانی دیکھئے، اس نے یہ حکم نہ دیا کہ غیروں ہی کو دیجئے بلکہ اپنوں کو دینے میں دُونا ثواب رکھا ہے، ایک تصدّق کا، ایک صلۂ رحم کا۔ تو جو اپنے گھر سے پیارے دل کے عزیز ہوں جیسے بھائی، بھتیجے، بھانجے، انھیں دے دیجئے کہ ان کا دینا چنداں ناگوار نہ ہوگا، بس اتنا لحاظ کرلیجئے کہ نہ وہ غنی ہو نہ غنی باپ زندہ کہ نابالغ بچے، نہ اُن سے علاقۂ زوجیت یا ولادت ہو یعنی نہ وُہ اپنی اولاد میں نہ آپ انکی اولاد میں۔

پھر اگر رقم ایسی ہی فراواں ہے کہ گویا ہاتھ بالکل خالی ہُوا جاتا ہے تو دئے بغیر تو چھٹکارا نہیں، خدا کے وہ سخت عذاب ہزاروں برس تک جھیلنے بہت دشوار ہیں، دُنیا کی یہ چند سانسیں تو جیسے بنے گزر ہی جائیں گی، تاہم اگر چہ یہ شخص اپنے ان عزیزوں کو بہ نیتِ زکوٰۃ دے کر قبضہ

دلائے پھر وہ ترس کھا کر بغیر اس کے جبر و اکراہ کے اپنی خوشی سے بطورِ ہبہ جس قدر چاہیں واپس کر دیں تو سب کے لیے سراسر فائدہ ہے، اس کے لیے یہ کہ خدا کے عذاب سے چھوٹا، اللہ تعالیٰ کا قرض وفرض ادا ہوا اور مال بھی حلال و پاکیزہ ہو کر واپس ملا، جو راہِ خدا اپنے جگر پاروں کے پاس رہا، ان کے لیے یہ فائدے ہیں کہ دنیا میں مال ملا عقبیٰ (آخرت) میں اپنے عزیز مسلمان بھائی پر ترس کھانے اور اسے ہبہ کرنے اور اس کے ادائے زکوٰۃ میں مدد دینے سے ثواب پایا۔

پھر اگر ان پر پُورا اطمینان ہو تو زکوٰۃ سالہا سال حساب لگانے کی بھی حاجت نہ رہے گی، اپنا کل مال بطورِ تصدّق انھیں دے کر قبضہ دلا دے پھر وہ جس قدر چاہیں اسے اپنی طرف سے ہبہ کر دیں، کتنی ہی زکوٰۃ اس پر تھی سب ادا ہو گئی اور سب دلا دے پھر وہ جس قدر چاہیں اسے اپنی طرف سے ہبہ کر دیں، کتنی ہی زکوٰۃ اس پر تھی سب ادا ہو گئی اور سب مطلب بر آئے اور فریقین نے ہر قسم کے دینی و دنیوی نفع پائے، مولیٰ عزوجل اپنے کرم سے توفیق عطا فرمائے آمین آمین یارب العالمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم (ص181 تا 183)

سوال: زکوٰۃ کس ماہ دینا اولیٰ ہے؟

جواب: جب سال تمام ہو فوراً پُورا کرے، ہاں اوّلیت چاہے تو سال تمام ہونے سے پہلے پیشگی ادا کرے، اس کے لیے ماہِ مبارک رمضان ہے جس میں نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ستر فرضوں کے برابر۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص183)

سوال: زید ڈاکٹر ہے، کچھ گولیاں اس کے پاس ہیں کہ عام طور پر بیماروں کو ایک روپیہ کی چا گولیاں دیتا ہے لیکن لاگت اصل چار گولیوں کی چار پیسے ہے، جب مطب میں کوئی غریب مصرفِ زکوٰۃ آجاتا ہے تو چار گولیاں جن کی اصلی قیمت چار پیسے ہے، دے کر ایک روپیہ ادائے زکوٰۃ میں شمار کرتا ہے، اس کا ایسا کرنا کیسا ہے؟

جواب: ہر چند شخص کو اختیار ہے کہ اپنے پیشہ کی چیز برضائے مشتری (خریدار کی رضا مندی کے ساتھ) ہزار روپے کو بیچے جبکہ اس میں کذب و فریب و مغالطہ نہ ہو، مگر زکوٰۃ و غیرہا صدقاتِ واجبہ میں جہاں واجب شئی کی جگہ اس کی غیر کوئی چیز دے جائے تو صرف بلحاظِ قیمت جانبین ہی دی جا سکتی ہے۔

اور قیمت وُہ کہ نرخ بازار سے جو حیثیت شے کی ہو، نہ وہ کہ بائع اور مشتری میں اُن کی تراضی سے قرار پائے کہ وہ ثمن ہے۔ تو اُن گولیوں کی بہ لحاظ نرخ بازار جس قدر مالیت ہو اسی قدر زکوٰۃ میں مجرا ہوں گے اُس سے زائد دینِ الٰہی رہا کہ فوراً واجب الادا ہے۔

ہاں اگر زیادہ محسوب (شمار) کرنا چاہے تو اس کی سبیل یہ نہیں بلکہ یُوں ہے کہ مصرف زکوٰۃ کو گولیاں ہبۃً نہ دے اس کے ہاتھ بیع کرلے، اب بیع میں اختیار ہے جو ثمن چاہے اس کی رضا مندی سے ٹھہرالے اگرچہ شئی کی حیثیت سے کتنا ہی زائد ہو بشرطیکہ مشتری عاقل بالغ ہو، اور اسے سمجھا دے کہ اگر تیرے پاس قیمت نہیں تو اس کا اندیشہ نہ کر میں خود اپنے پاس سے تجھے دے کر سبکدوش کر دوں گا، اب مثلاً چار گولیاں ایک روپیہ کو اس کے ہاتھ بیچے وُہ خریدے اس کا یک روپیہ اس پر دین ہو گیا پھر ایک روپیہ بہ نیت زکوٰۃ اسے

دے کر قبضہ کرادے پھر اپنے آتے میں روپیہ اس سے واپس لے، اگر وہ عذر کرے تو جبراً لے سکتا ہے کہ اتنی میں وُہ اس کا مدیون ہے، یوں اسے چار گولیاں مفت ملیں گی اور اس کی زکوٰۃ سے ایک روپیہ ادا ہو جائے گا۔ (ص184,185)

سوال: ایک شخص نے کچھ زمین کسی زمیندار سے ٹھیکہ میں لی اس کے پاس دس ہزار روپیہ جمع کرادیا، میعاد ٹھیکہ مقرر نہیں، یہ طے ہوا کہ جس وقت روپیہ واپس کریں گے زمین ٹھیکہ سے نکالیں گے اور اس شخص نے زمین سے نفع حاصل کرنے کی اجازت دی، اس روپیہ کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہے اور کس طریقہ سے اس زکوٰۃ دی جائے؟

جواب: یہ کوئی صورت ٹھیکہ کی نہیں، ٹھیکہ میں نفع کے مقابل روپیہ ہوتا ہے نہ یہ کہ نفع لیا جائے اور واپسی زمین پر روپیہ واپس ہو جائے، یہ صورت قرض کی ہے اور زمین رہن اور اس سے نفع لینا جائز نہیں اور اس کی زکوٰۃ اس روپے والے پر واجب، اگرچہ واجب الادا اس وقت ہوگی جب وُہ قرض بقدر نصاب یا خُمس نصاب اُس کو وصول ہو۔ (ص186)

سوال: اگر ایک شخص کے پاس کچھ زمین کاشتکاری کی ہے اور وُہ آدھی زمین میں بارش سے غلّہ اگاتا ہے اور آدھی زمین کو کنویں یا دریائی پانی سے سینچ کر غلّہ پیدا کاتا ہے اور غلّہ صرف اتنا ہی ہوتا ہے کہ جو خاندان کے لیے کافی ہوتا ہے بچت نہیں، اس صورت میں اس کے عشر اور زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

جواب: زکوٰۃ تو نہ غلّہ پر ہے نہ زمین پر، اگر سونا یا چاندی تمام حاجاتِ اصلیہ سے فارغ بقدر نصاب ہو اور سال گزرے تو زکوٰۃ واجب ہوگی اور عشر بہر حال واجب ہے، مینہ کی پیداوار پر دسواں حصّہ اور پانی دی ہوئی پر بیسواں۔ (ص186)

سوال: اگر کسی نے ایک دُکان میں دس ہزار روپیہ کا سامان یعنی میز کرسی اور برتن وغیرہ خرید کر بیچنے کے لیے رکھا ہو اور دُکان میں فروخت کی اشیاء روزانہ یا دوسرے تیسرے دن لا کر فروخت کرتا ہے تو اس دس ہزار روپیہ کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہے اور روزانہ جو آمدنی ہوتی ہے اس کو اپنے خرچ میں لاتا ہے، اس کی زکوۃ کا کیا حکم ہے؟

جواب: جس دن وُہ مالکِ نصاب ہُوا تھا جب اُس پر سال پُورا گزرے گا اُس وقت جتنا سونا چاندی یا تجارت کا مال میز کرسی وغیرہ جو کچھ بھی ہو بقدر نصاب اس کے پاس تمام حاجات اصلیہ سے فارغ موجود ہوگا اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی، روزمرہ کے خرچ میں جو خرچ ہو گیا ہو گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص186)

سوال: یہ جو حکم ہے کہ زکوۃ پہلے اپنے محتاج عزیزوں کو دینی چاہیے، پھر دوسروں کو، اس میں عزیزوں سے مراد کون سے لوگ ہیں؟

جواب: عزیزوں میں ذورحم محرم مقدم ہیں پھر باقی ذورحم، ان سے پھیر کر اجنبی کو صدقہ نہ دے، پھیرنے کے معنیٰ کا صدق چاہیئے، مثلاً گداگروں کو جو ایک آدھ پیسہ یا روٹی کا ٹکڑا جاتا ہے کہ اپنے اعزّا کو نہیں دے سکتا، اور دے تو وہ نہ لیں گے، وُہ ان سے پھیر کر دینا نہ ہُوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص186)

سوال: ایک غیر مقلد نے اپنی کتاب میں احناف پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام ابو یوسف آخر سال پر اپنا مال اپنی بیوی کے نام ہبہ کر دیا کرتے تھے اور اس کا مال اپنے نام ہبہ کرا لیا کرتے تھے تاکہ زکوٰۃ ساقط ہو جائے، یہ بات امام ابو حنیفہ سے کہی گئی تو جواب دیا کہ یہ ان کی فقہ کی جہت سے درست ہے، اس معاملے کو امام بخاری نے بھی صحیح بخاری میں لکھا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: اوّلاً: صحیح بخاری شریف میں اوّل تا آخر کہیں اس حکایت کا پتا نہیں کہ امام ابو یوسف اس کے عامل تھے امام اعظم مصدّق ہوئے، امام بخاری نے صرف اس قدر لکھا کہ بعض علماء کے نزدیک اگر کوئی شخص سال تمام سے پہلے مال کو ہلاک کو دے یا دے ڈالے یا بیچ کر بدل کے کہ زکوٰۃ واجب نہ ہونے پائے تو اس پر کچھ واجب نہ ہوگا، اور ہلاک کر کے مر جائے تو اس کے مال سے کچھ نہ لیا جائے گا، اور سال تمام سے پہلے اگر زکوٰۃ ادا کر دے تو جائز و روا۔

ثانیاً: ہمارے کتب مذہب نے اس مسئلہ میں امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا اختلاف نقل کیا اور صاف لکھ دیا کہ فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے کہ ایسا فعل جائز نہیں۔

ثالثاً: بلکہ خزانۃ المفتین میں فتاوٰی کبریٰ سے ہے "الحیلة فی منع وجوب الزکوٰة تکرہ بالاجماع" ترجمہ: اور وجوب زکوٰۃ میں رکاوٹ کے لیے حیلہ کرنا بالاجماع مکروہ ہے۔ (خزانۃ المفتین، ج2، ص192، قلمی نسخہ)

یہاں سے ثابت کہ ہمارے تمام ائمہ کا اس کے عدمِ جواز پر اجماع ہے، حضرت امام ابو یوسف بھی مکروہ رکھتے ہیں، ممنوع و ناجائز جانتے ہیں کہ مطلق کراہت کراہتِ تحریم کے لیے ہے خصوصاً نقل اجماع کہ یہاں ہمارے سب ائمہ کا مذہب متحد بتا رہی ہے اور شک نہیں کہ مذہبِ امام اعظم و امام محمد اس حیلہ کا ناجائز ہونا ہے، غمز العیون کے لفظ سُن چکے کہ صاف عدمِ جواز کی تصریح ہے۔

اقول (میں کہتا ہوں) اگر بنظر نقول خلاف (اقوال جب مختلف ہوں تو) بغرض توفیق (آپس میں تطبیق دیتے ہوئے) اس روایت اجماع میں کراہت کو معنی اعم پر حمل کریں، تو حاصل یہ ہوگا کہ اس حیلہ کے مکروہ و ناپسند ہونے پر ہمارے ائمہ کا اجماع ہے، خلاف اس میں ہے کہ امام ابو یوسف مکروہِ تنزیہی فرماتے ہیں اور امام اعظم و امام محمد مکروہِ تحریمی۔

اور فقیر نے بچشمِ خود امام ابی یوسف رضی اللہ عنہ کی متواتر کتاب مستطاب الخراج مین یہ عبارت شریفہ مطالعہ کی "قال ابو یوسف رحمہ اللہ لا یحل لرجل یؤمن باللّٰہ و الیوم الاٰخر منع الصدقة و لا اخراجها من ملکه الی ملك جماعة غیره لیفرقها بذٰلك فتبطل الصدقة عنها بان یصیر لکل واحد منهم من الابل و البقر و الغنم مالا یجب فیه الصدقة و لا یحتال فی ابطال الصدقة بوجه و لا سبب بلغنا عن ابن مسعود رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه انه قال مامانع الزکوٰة بمسلم و من لم یؤدها فلا صلوٰة له" ترجمہ: امام ابو یوسف فرماتے ہیں: کسی شخص کو جس اللہ و قیامت پر ایمان رکھتا ہو یہ حلال نہیں کہ زکوٰۃ نہ دے یا اپنی ملک سے دوسروں کی ملک میں دے دے جس سے ملک متفرق ہو جائے اور زکوٰۃ لازم نہ آئے کہ اب ہر ایک کے پاس نصاب سے

کم ہے اور کسی طرح کسی صورت ابطالِ زکوٰۃ کا حیلہ نہ کرے، ہم کو ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث پہنچی ہے کہ انہوں نے فرمایا زکوٰۃ نہ دینے والا مسلمان نہیں رہتا، اور جو زکوٰۃ نہ دے اس کی نماز مردود ہے۔ (کتاب الخراج، ص 86، مطبعہ بولاق، مصر)

فتاویٰ کبریٰ وخزانۃ المفتیین کی نقلِ اجماع عبارتِ اطلاق کی تائید کررہی ہے اور اس کا اطلاق اُس اجماع کی۔

امام ابو یوسف نے یہ کتاب مستطاب خلیفہ ہارون کے لیے تصنیف فرمائی ہے جبکہ امام خلافت ہارونی میں قاضی القضاۃ وقاضی الشرق والغرب تھے اُس میں کمال اعلانِ حق کے ساتھ خلیفہ کو وُہ ہدایات فرمائی ہیں جو ایک اعلیٰ درجے کے امام ربّانی کے شایانِ شان تھیں کہ اللہ کے معاملے میں سُلطان وخلیفہ کسی کا خوف ولحاظ نہ کرے اور خلیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان ہدایات کو اسی طرح سنا ہے جو ایک خدا پرست سلطان وامیر المومنین کے لائق ہے کہ نصائحِ ائمہ وعلماء اگر چہ بظاہر تلخ ہوں گوشِ قبول سے سُنے اور اُن کے حضور فروتنی (عاجزی) کرے، یہ زمانہ امام کا آخر زمانہ تھا، حاضرینِ مجلس مبارک سیّدنا امام اعظم یا اُس کے بعد کا قریب زمانہ جس میں خلافاتِ ائمہ ثلٰثہ منقول ہُوئی ہیں، اس سے متقدم تھا۔

تو اس تقدیر پر نقلِ اجماع کو ظاہر سے پھیرنے کی حاجت نہیں، تطبیق یوں ہوگی کہ امام ابی یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس قول سے رجوع فرمایا اور اُن کا آخر قول یہی ٹھہرا جو ان کے استاذ اعظم امام الائمہ اور شاگرد اکبر امام محمد کا ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، اور ایک امام دین جب ایک قول سے رجوع فرمائے تو اب وہ اس کا قول نہ رہا، نہ اس پر طعن روا، نہ سیّدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر طعن کیا کہ وُہ ابتداء میں جوازِ متعہ مدتوں قائل رہے ہیں یہاں تک کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے زمانۂ خلافت میں اُن سے فرمایا کہ اپنے ہی اُوپر آزما دیکھئے، اگر متعہ کروتو میں سنگسار کروں، آخر زمانہ میں اس سے رجوع کیا اور فرمایا: اللہ عزوجل نے زوجہ وکنیز شرعی بس ان دو کو حلال فرمایا ہے فکل فرج سواھما حرام ان دو کے سوا جو فرج ہے حرام ہے۔ (جامع الترمذی، ج 1، ص 134، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی)

نہ زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کیا جائے کہ وُہ پہلے سُود کی بعض صُورتیں حلال بتاتے ہیں یہاں تک ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ زید کو خبر دے دو کہ اگر وہ اس قول سے باز نہ آئے تو انہوں نے جو حج وجہاد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہِ رکاب کیا اللہ تعالیٰ اسے باطل فرمادے گا۔ (سنن الدار قطنی، ج 3، ص 52، نشر السنہ، ملتان)

رابعـــاً: یہ حکایت کسی سند مستند سے ثابت نہیں، اور بے سند مذکور ہونا طعن کے لیے کیا نفع دے سکتا ہے، وہ بھی ایسی کتاب میں خصوصاً جس میں تو وُہ حدیثیں خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ایسی منسوب ہیں جن کی نسبت ائمۂ حدیث نے جزم کیا کہ باطل وموضوع ومکذوب ہیں۔

مجتہد کے اجتہاد میں کسی فعل کا جواز آنا اور بات اور خود اس کا مرتکب ہونا اور بات، یہ اساطین دین الٰہی بارہا عوام کے لیے رخصت بتاتے اور خود عزیمت پر عمل کرتے۔ سیّدنا امام اعظم امام الائمہ سراج الامہ کاشف الغمہ مالک الازمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے

ہیں ''لا احرم النبیذالشدید دیانة و لا اشربة مروء ۃ'' ترجمہ: میں نبیذ کو دیانۃً حرام نہیں کہتا لیکن مروتاً اسے پیتا نہیں ہوں۔

اُن کے شاگرد کے شاگرد محمد بن مقاتل رازی کہتے ہیں ''لو اعطیت الدنیا افیرھا ماشربت المسکر یعنی نبیذالتمر والزبیب ولو اعطیت الدّنیا بحذافیرھا ماافتیت بانه حرام'' ترجمہ: اگر تمام دنیا مجھے دے دی جائے تو میں نشہ آور چیز یعنی تمر اور زبیب کا نبیذ نہ پیوں گا، اور اگر مجھے تمام دنیا عطا کر دی جائے تو میں اس کے حرام ہونے کا فتوٰی نہیں دے سکتا۔

خامساً: یہ فعل امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے حکایت کیا جاتا ہے آیا خطاء اجتہادی ہے یا اس کی قابلیت نہیں رکھتا بلکہ معاذ اللہ عمداً فریضۃ اللہ سے معاندت (مخالفت) ہے، بر تقدیر اوّل اس سے طعن کے کیا معنی مجتہد اپنی خطا پر ثواب پاتا ہے اگر چہ صواب (درستگی) کا ثواب دونا ہے۔

اور اگر عیاذاً باللہ شق ثانی فرض کی جائے فرض خود سے معاذت قطعاً کبیرہ ہے خصوصاً وہ بھی بر سبیل عادت جو (کر دیا کرتے تھے) کا مفاد ہے خصوصاً اس زعم کے ساتھ کہ آخرت میں اس کا ضرر ہو گناہ سے زائد ہے تو معاذ اللہ اکبر الکبائر ہوا پھر کیونکر حلال ہو گیا کہ ایسے سخت کبیرہ شدید نہ کبیرہ بلکہ اکبر الکبائر کو ایک مسلمان نہ صرف مسلمان بلکہ امام المسلمین کی طرف بلا تواتر نہ فقط نے تواتر بلکہ محض بلا سند صرف حکّی کی بنا پر نسبت کر دیا جائے۔

سادساً: مجرد (صرف) استقباح (برا سمجھنا) واستبعاد (بعید سمجھنا) بے دلیل شرعی مسموع نہیں، نہ احکام زہد احکامِ شرع پر حاکم نماز میں قلّتِ خشوع کو اہلِ سلوک کیا کیا سخت و شنیع مذمتیں نہیں کرتے، ایسی نماز کو باطل و مہمل و فاسد و مختل سمجھتے ہیں اور فقہاء کا اجماع ہے کہ خشوع نہ رکنِ نماز ہے نہ فرض نہ شرط۔

مانحن فیه (جس مسئلہ میں ہم بات کر رہے ہیں) کا محلِ اجتہاد نہ ہونا مخالف نے نہ بتایا، نہ قیامت تک بتا سکتا ہے، پھر اجتہاد مجتہد پر طعن کیا معنی رہا۔

فعل اگر بفرضِ غلط ایک آدھ بار وقوع بسندِ معتمد ثابت بھی ہو جائے تو کرنے اور کیا کرنے میں زمین آسمان کا بل (فرق) ہے، نہ ''کان یفعل'' تکرار میں نص۔

واقعہ حال محتمل صد احتمال ہوتا ہے (واقعہ میں سینکڑوں احتمالات ہو سکتے ہیں) عروض ضرورت (ضرورت کا پیش آنا) یا امر اہم یا کچھ نہ سہی تو بیان جواز ہی کہ فعلاً (کرنا) قولاً (کہنے) سے اکمل واتم (ہوتا ہے)۔

اور (یہ اُن کی فقہ سے ہے) تصویب نہیں، اس کے معنی اس قدر کہ یہ اُنکا اجتہاد ہے جس کا حاصل صرف منع طعن ہے کہ مجتہد اپنے اجتہاد پر ملام نہیں، جس طرح حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے عکرمہ کو جب اُنھوں نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شکایت کی کہ وتر کی ایک رکعت پڑھی' جواب دیا ((دعه فانه فقیه)) انھیں کچھ نہ کہہ کہ وہ مجتہد ہیں۔

ہاں دربارۂ تصویب وتصدیق یہ حکایت کُتب میں منقول ہے کہ امام زین الملّۃ والدّین ابوبکر خواب میں زیارتِ اقدسِ حضورسیّدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مشرف ہُوئے کسی شافعی المذہب نے امام ابویوسف کا یہ قول حضور کے سامنے عرض کیا: حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ابویوسف کی تجویز حق ہے، یا فرمایا درست ہے۔

سابعاً بعدِ وجوب منع کا حیلہ بالاجماع حرام قطعی ہے، یہاں کلام منعِ وجوب میں ہے یعنی وُہ تدبیر کرنی کہ ابتداءً زکوٰۃ واجب ہی نہ ہو۔ امام ابویوسف فرماتے ہیں اس میں کون سے حکم کی نافرمانی ہوئی، اللہ عزوجلّ نے سال تمام ہونے پر زکوٰۃ فرض کی جو بعد وجوب ادا نہ کرے بالاجماع عاصی ہے، یہ کہاں فرض کیا ہے کہ اپنے زاد(راستہ کا خرچہ)وراحلہ(سواری) واستطاعت کے قابل مال جمع بھی کر۔

یونہی ہرگز واجب کیا مستحب بھی نہیں کہ قدرِ نصاب مال جوڑ کر سال بھر رکھ چھوڑ و تا کہ زکوٰۃ واجب ہو، ائمۂ دین کو تعلیمِ غل کی طرف منسوب کرنا بدگمانی ہے جو عوام مسلمین پر بھی جائز نہیں، اور حق یہ ہے کہ امامِ ممدوح کا یہ قول بھی اس لیے نہیں کہ لوگ اسے دستاویز بنا کر زکوٰۃ سے بچیں بلکہ وہ وقتِ ضرورت وحاجت پر محمول ہے، مثلاً کسی پر حج فرض ہوگیا تھا، مال چوری ہوگیا، مصارفِ حج ونفقۂ عیالی کے لیے ہزار درم کی ضرورت ہے اس سے کم میں نہ ہوگا محنت وکوشش سے جمع کئے، آج قافلہ جائے گو ہے کل سالِ زکوٰۃ تمام ہوگا، اگر پچیس درہم نکل جائیں گے مصارف میں کمی پڑے گی، یہ ایسا حیلہ کرے کہ حجِ فرض سے محروم نہ رہے، یا کوئی شخص اپنے حال کو جانتا ہے کہ زکوٰۃ اُس سے ہرگز ہرگز قطعاً نہ دی جائے گی، اُس کا نفس ایسا غالب ہے کہ کسی طرح اس فرض کی ادا پر اصلاً قدرت نہ دے گا' یہ اس خیال سے ایسا کرے کہ بعد فرضیّت ترک ادا وارتکابِ گناہ سے بچوں تو از قبیل من ابتلی ببلتیین اختار اھو نھما (جو شخص دو مشکلات میں گِھر جائے ان میں سے آسان کو اختیار کرے) ہوگا۔

حیلِ شرعیہ کا جواز خود قرآن واحادیثِ سیّد المرسلین صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے، ایّوب علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے قسم کھائی تھی کہ اپنی زوجہ مقدسہ کو سو ۱۰۰ کوڑے ماریں گے، رب العزت عزجلالہ نے فرمایا﴿وخذ بیدک ضغثاً فاضرب بہ ولا تحنث﴾ یعنی سَو تیلیوں کی ایک جھاڑو بنا کر اُس سے ایک دفعہ مار لو اور قسم جھوٹی نہ کرو۔

حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک کمزور شخص پر حد لگانے میں اسی حیلہ جمیلہ پر عمل فرمایا ارشاد ہوا ((خذوالہ عثکالا فیہ مائۃ شمراخ ثم اضربوہ بہ ضربۃ واحدۃ)) ترجمہ: شاخہائے خرما کا ایک گچھا لے کر جس میں سو شاخیں ہوں اُس سے ایک بار مار دو۔ (مسند امام احمد بن حنبل، ج5، ص222، دار الفکر، بیروت)

خود صحیح بخاری شریف بلکہ صحیحین میں حضرت ابوسعید وحضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک صاحب کو خیبر پر عامل بنا کر بھیجا، وُہ عمدہ خرمے (کھجوریں) وہاں سے لائے، فرمایا: کیا خیبر کے سب

خرمے ایسے ہی ہیں؟ نہیں یا رسول اللہ! واللہ کہ ہم چھ سیر خرموں کے بدلے یہ خرمے تین سیر، اور نو سیر دے کر اس کے چھ سیر خریدتے ہیں۔ فرمایا ((لاتفعل بع الجمع بالدراھم ثم ابتع بالدراھم جنیبا)) ترجمہ: ایسا نہ کرو بلکہ ناقص خرمے پہلے روپوں کے عوض بیچو پھر ان روپوں سے یہ عمدہ خرمے خریدو۔ (صحیح البخاری، ج1، ص293، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یہ شرعی حیلے نہیں تو اور کیا ہیں، باب حیل واسع ہے، اگر کلام کو وسعت دی جائے تطویل لازم آئے۔ اہلِ انصاف کو اسی قدر بس ہے، پھر جب اللہ ورسول اجازت دیں تعلیمیں فرمائیں تو ابو یوسف پر کیا الزام آسکتا ہے۔

ہاں ہمارے امام اعظم و امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ خیال فرمایا کہ کہیں اس کی تجویز عوام کے لیے مقصد شنیع کا دروازہ کھولے، لہٰذا ممانعت فرمادی، اور ائمہ فتویٰ نے اسی منع ہی پر فتویٰ دیا۔

امام بخاری بھی اگر امام محمد کا ساتھ دیں اور یہ قول امام ابی یوسف پسند نہ کریں تو امام ابی یوسف کی شانِ جلیل کو کیا نقصان، وُہ کون سا مجتہد ہے جس کے بعض اقوال دوسروں کی مرضی (پسندیدہ) نہ ہوئے، یہ رَدّ و قبول تو زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بلا نکیر رائج و معمول ہے، نہ بخاری کے اقوال مذکورہ میں کوئی کلمہ سخت نفرت کا ہے، اُن سے صرف اتنا نکلتا ہے کہ یہ قول انھیں مختار نہیں۔

اور ہو بھی تو ان کی نفرت امامِ مجتہد کو کیا ضرر دے سکتی ہے خصوصاً ائمہ حنفیہ لاسیما امام الائمہ امام اعلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم کہ امام بخاری کے امام و متبوع سیّدنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی نسبت شہادت دیتے ہیں کہ تمام مجتہدین امام ابوحنیفہ کے بال بچّے ہیں' حفظِ حدیث و نقدِ رجال و تنقیحِ صحت وضعفِ روایات میں امام بخاری کا اپنے زمانے میں پایۂ رفیع والا، صاحبِ رتبۂ بالا، مقبولِ معاصرین و مقتدائے متاخرین ہونا مسلّم۔ کتبِ حدیث میں حدیث میں ان کی کتاب بیشک نہایت چیدہ وانتخاب جس کے تعالیق و متابعات و شواہد کو چھوڑ کر اصولِ مسانید پر نظر کیجئے تو ان میں گنجائش کلام تقریباً شاید ایسی ہی ملے جیسے مسائل ثانیہ امام اعظم میں' اور یہ بھی بحمد اللہ حنفیہ و شاگردان ابوحنیفہ و شاگردانِ شاگرد ابوحنیفہ مثل امام عبداللہ بن المبارک و امام یحیٰی بن سعید قطان و امام فضیل بن عیاض و امام مستعبر بن کرام و امام وکیع الجراح و امام لیث بن سعد و امام معلّٰی بن منصور رازی و امام یحیٰی بن معین وغیرہم ائمۂ دین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا فیض تھا کہ امام بخاری نے اُن کے شاگردوں سے علم حاصل کیا اور اُن کے قدم پر قدم رکھا اور خود امام بخاری کے استاذ اجل امام احمد بن حنبل، امام شافعی کے شاگرد ہیں' وہ امام محمد کے' وہ امام ابویوسف کے' وہ امام ابوحنیفہ کے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

مگر یہ کارِ اہم ایسا نہ تھا کہ امام بخاری اس میں ہمہ تن مستغرق ہو کر دوسرے کار اجل و اعظم یعنی فقاہت و اجتہاد کی بھی فرصت پاتے، اللہ عزوجل نے انھیں خدمت الفاظ کریمہ کے لیے بنایا تھا' خدمتِ معانی ائمہ مجتہدین خصوصاً امام الائمہ ابوحنیفہ کا حصّہ تھا، محدّث و مجتہد کی نسبت عطّار (ڈسپنسر) و طبیب (ڈاکٹر) کی مثل ہے، عطّار دوا شناس ہے اُس کی دُکان عمدہ عمدہ دواؤں سے مالا مال ہے مگر تشخیصِ مرض و معرفتِ علاج و طریقِ استعمال طبیب کا کام ہے۔

عطارِ کامل (اچھا ڈسپنسر) اگر طبیب حاذق (ماہر ڈاکٹر) کے مدارک عالیہ تک نہ پہنچے معذور ہے خصوصاً ملک اطبائے حذّاق امام ائمہ آفاق جو ثریا سے علم لے آیا، جس کی وقتِ مقاصد کو اکابر ائمہ نے نہ پایا، بھلا امام بخاری تو نہ تابعین سے ہیں نہ تبع تابعین سے، امام اعظم کے پانچویں درجے میں جا کر شاگرد ہیں۔

خود حضرت اجل سلیمٰن اعمش کہ اجلۂ تابعین و امام ائمۂ محدثین سے ہیں حضرت سیّدنا انس بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ خادمِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شاگرد اور ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاد، ان سے کچھ مسائل کسی نے پُوچھے اس وقت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی وہاں تشریف فرما تھے، امام اعمش نے ہمارے امام سے فتوٰی لیا، ہمارے امام نے سب مسائل کا فوراً جواب دیا، اعمش نے کہا یہ جواب آپ نے کہاں سے پیدا کیے؟ فرمایا ان حدیثوں سے جو میں خود آپ سے سُنیں اور وُہ احادیث مع اسانید پڑھ کر بتا دیں، امام اعمش نے کہا ''حسبك ماحدثتك فی مائة یوم تحدثنی به فی ساعة واحدة، ماعلمت انك تعمل بهذہ الاحادیث' یا معشر الفقهاء انتم الطباء ونحن الصیادلة وانت ایها الرجل بکلا الطرفین '' ترجمہ: بس کیجئے میں جو حدیثیں سَو دن میں بیان کیں آپ نے گھڑی بھر میں مجھے سنا دیں، مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ احادیث میں یہ کام کرتے ہیں اے مجتہدو! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار۔ اور اے ابوحنیفہ! تم نے دونوں کنارے گھیر لیے۔ یہ روایت امام ابنِ حجر مکّی شافعی وغیرہ ائمہ شافعیہ وغیرہم نے اپنی تصانیف خیرات الحسان وغیرہا میں بیان فرمائی۔ (الخیرات الحسان، ص 144، ایم ایچ سعید کمپنی، کراچی)

یہ تو یہ خود ان سے بدرجہا اجل و اعظم ان کے استاذ اکرم و اقدم امام عامر شعبی جنھوں نے پانسو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پایا، حضرت امیر المومنین مولیٰ علی و سعد بن ابی وقاص و سعید بن زید و ابوہریرہ و انس بن مالک و عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن زبیر و عمران بن حصین و جریر بن عبداللہ و مغیرہ بن شعبہ و عدی بن حاتم و امام حسن و امام حسین وغیرہم بکثرت اصحابِ کرام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شاگرد اور ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ جن کا پایۂ رفیع حدیث میں ایسا تھا کہ فرماتے ہیں بیس ۲۰ سال گزرے ہیں کسی محدّث سے کوئی حدیث میرے کان تک ایسی نہیں پہنچی جس کا علم مجھے اس محدث سے زائد نہ ہو۔ ایسے مقام والا مقام باآں جلالتِ شان فرماتے ہیں ''انا لسنا بالفقهاء ولکنا سمعنا الحدیث فرویناه للفقهاء من اذا علم عمل '' ترجمہ: ہم لوگ فقیہ و مجتہد نہیں ہم نے تو حدیثیں سُن کر فقیہوں کے آگے روایت کر دی ہیں جو ان پر مطلع ہو کر کاروائی کرینگے۔
(تذکرۃ الحفاظ، ج 1، ص 79، دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدر آباد دکن)

کاش امامِ اجل سیّدنا امام بخاری علیہ رحمۃ الباری اگر فرصت پاتے اور زیادہ نہیں دس بارہ برس امام حفص کبیر بخاری وغیرہ ائمۂ حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے فقہ حاصل فرماتے تو امام ابوحنیفہ کے اقوال شریفہ کی جلالتِ شان و عظمتِ مکان سے آگاہ ہو جاتے، امام ابوجعفر طحاوی حنفی کی طرح ائمہ محدثین و ائمہ فقہاء دونوں کے شمار میں یکساں آتے مگر تقسیمِ ازل جو حصّہ دے۔

اور انصافاً یہ تمنا بھی عبث ہے، امام بخاری ایسے ہوتے تو امام بخاری ہی نہ ہوتے، ان ظاہر بینوں کے یہاں تو وہ بھی ائمہ حنفیہ کی طرح معتوب ومعیوب قرار پاتے فالی اللہ المشتکی و علیہ التکلان (اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہی درخواست ہے اور اسی پر بھروسا ہے)

بالجملہ ہم اہلِ حق کے نزدیک حضرت امام بخاری کو حضور پُر نور امام اعظم سے وہی نسبت ہے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور پُر نور امیر المومنین مولی المسلمین سیدان مولنا علی المرتضٰی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنی سے کہ فرقِ مراتب بے شمار اور حق بدست حیدر کرار، مگر معاویہ بھی ہمارے سردار، طعن اُن پر بھی کارِ فجار، جو معاویہ کی حمایت میں عیاذاً باللہ اسد اللہ واولیت و عظمت واکملیت سے آنکھ پھیر لے وہ ناصبی یزیدی، اور جو علی کی محبت میں معاویہ کی صحابیت ونسبت بارگاہِ حضرت رسالت بُھلا دے وہ شیعی زیدی، یہی روشِ آداب بحمد اللہ تعالےٰ ہم اہلِ توسط واعتدال کو ہر جگہ ملحوظ رہتی ہے' یہی نسبت ہمارے نزدیک امام ابن الجوزی کو حضور سیّدنا غوثِ اعظم اور مولانا علی قاری کو حضرت خاتم ولایت محمدیہ شیخ اکبر سے ہے، نہ ہم بخاری وابن جوزی وعلی قاری کے اعتراضوں سے شان رفیع امام اعظم وغوثِ اعظم وشیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر کچھ اثر سمجھیں نہ ان حضرات سے کہ بوجہ خطائی الفہم معترض ہوئے الجھیں، ہم جانتے ہیں کہ ان کا منشاءِ اعتراض بھی نفسانیت نہ تھا بلکہ ان اکابر محبوبان خدا کے مدارک عالیہ تک درس ادراک نہ پہنچنا لاجرم اعتراض باطل اور معترض معذور، اور معترض علیہم کی شان ارفع واقدس۔ (ص187 تا 201)

سوال محتاج سالے کو دینے سے صلہ رحمی کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

جواب: سالے سے اگر نسبی رشتہ نہیں تو رحم میں شامل نہیں۔ (ص202)

سوال: کیا زکوۃ دوسرے شہر بھیج سکتے ہیں؟

جواب: دوسرے شہر کو وہ زکوٰۃ بھیج سکتے ہیں جو ابھی واجب الادا نہ ہوئی، حولانِ حول نہ ہوا، اس کے بعد نہیں۔ (ص203)

سوال: زکوۃ اگر دوسرے شہر بھیجی تو بھیجنے کی اجرت زکوۃ میں شمار کریں گے یا نہیں؟

جواب: جتنا روپیہ زکوٰۃ گیرندہ (جس کو بھیجی گئی) کو ملے گا اتنا زکوٰۃ میں محسوب ہوگا، بھیجنے کی اُجرت وغیرہ اس پر جو خرچ ہو شامل نہ کی جائے گی۔ (ص203)

سوال: اگر زمیندار زمین بٹائی پر جتوائے یا کاشتکار دیگر کاشت کار سے کاشت کرائے اور نصف پیداوار کے مستحق ہوں تو دونوں پر زکوٰۃ فرض ہوگی؟

جواب: صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ عشر صرف کاشتکار پر ہے اس پر فتوی دینے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ان ملکوں میں جہاں اُجرت مین نقدی ٹھہری ہوتی وہاں اسی پر فتوی ہونا چاہئے اور بٹائی میں حسبِ قولِ امام فقط زمیندار ہے۔ (ص203)

سوال: فصل میں سے کب دسواں حصہ اور بیسواں حصہ فقراء کے لیے نکالا جائے گا؟

جواب: جسے بارش بہریا تالاب کا پانی دیا گیا اُس میں دسواں حصّہ ہے اور جسے چرسے یا ڈھکلی سے پانی دیا گیا اس میں بیسواں حصّہ اور جسے مول کا پانی دیا گیا اس میں بھی بیسواں حصّہ چاہیئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص203)

سوال: جس پیداوار کا عشر دیا جا چکا ہے، اگر اس پیداوار پر سال گذر جائے تو کیا اس کی زکوۃ نکالی جائے گی؟

جواب: کھیت کی پیداوار پر زکوۃ نہیں، وہی عشر ہے، اس سوا سال تمام پر اور کوئی زکوۃ نہیں آتی، زکوۃ صرف تین ۳ مالوں پر ہے: سونا چاندی یا وہ مال جو تجارت کی نیت سے خریدا یا جنگل میں چرتے ہو جائے جانور۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص203)

زمین کن صورتوں میں عشری ہوتی ہے اور کن صورتوں میں خراجی

سوال: زمین کن صورتوں میں عشری، کن صورتوں میں خراجی اور کن صورتوں میں عشری اور خراجی دونوں نہیں ہوتی؟

جواب: زمین بہت سی صورتوں میں عشری ہوتی ہے، مثلاً (1) زمین مفتوحہ اور مسلمانوں میں تقسیم شدہ ہے۔ (2) وہاں کے باشندوں نے مسلمانوں کے غلبہ سے پہلے پہلے خوشی سے اسلام قبول کر لیا۔ (3) زمین عشری تھی اسے کسی ذمّی نے مسلمان سے خرید لیا پھر کسی مسلمان نے بذریعہ شفعہ حاصل کر لی۔ (4) یا فساد بیع کی وجہ سے (5) یا خیار شرط (6) یا خیار رؤیت ہر حال میں (7) یا عیب کی صورت میں قاضی کی قضا سے وُہ زمین بیچنے والے مسلمان کی طرف واپس لوٹ آئی ہے (8) جو مسلمان نے آباد کی ہو عشری زمین کے مساوی ہے امام ابو یوسف کے مفتی بہ قول کے مطابق، اور اسے صرف عشری پانی یا عشری اور خراجی دونوں پانی سیراب کرتے ہوں فرقین کے قول کے مطابق (10,11) اور دار کی زمین کو باغ یا زرعی بنانا، آباد بنانے کی طرح ہے۔

اور بہت سی صورتوں میں زمین خراجی ہوتی ہے (1) زمین فتح کر لی گئی مگر اس کے باشندوں کو ہی بطورِ حسن سلوک واپس کر دی گئی (2) ایسی زمین کی طرف دوسرے کفار کی منتقلی کی گئی ہو (3) وُہ زمین بطور صلح فتح کی گئی ہو (4) زمین عشری تھی مگر کسی ذمّی نے مسلمان سے خرید لی۔ (5) ایسی زمین خراجی جسے کسی مسلمان نے خرید لیا۔ (6) ایسی زمین جسے اذنِ امام سے کسی ذمی نے آباد کیا۔ (7) جو زمین ذمّی کو بطور عطیہ دے دی گئی (8) کسی مسلمان نے اس زمین کو خراجی زمین کے قریب آباد کیا یا اسے دونوں قولوں کے مطابق محض خراجی پانی سے سیراب کیا (9) اسی کی مثل مسئلۂ دار ہے مسلمان اور ذمی کے حق میں کہ ذمی کیلئے خراجی ہے۔

بعض اوقات زمین نہ شرعی ہوتی ہے اور نہ ہی خراجی، مثلاً (1) ہم نے زمین فتح کی اور تا قیامت اسے مسلمانوں کے لیے وقف رکھا (2) یا اس زمین کے مالک فوت ہو گئے اور وُہ زمین بیت المال کی طرف لوٹ آئی، اس میں نزاع ہے۔ (ص204 تا 206)

سوال: ہندوستان کی زمینیں کس قسم میں آتی ہیں؟

جواب: ہندوستان میں مسلمانوں کی زمینیں خراجی نہ سمجھی جائیں گی جب تک کسی خاص زمین کی نسبت خراجی ہونا دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو۔ بلکہ وہ عشری ہیں یا نہ عشری نہ خراجی، اور دونوں صورتوں میں ان کا وظیفہ (مقرر شدہ زکوۃ کی ادائیگی) عشر ہے۔ (ص213)

سوال: عشر تمام پیداوار پر دینا ہوگا یا اخراجات نکال کر صرف منافعِ خالص کا؟

جواب: عشر پوری پیداوار کا لیا جائے گا، نہ (کہ) صرف منافعِ خالص کا۔ (ص216)

سوال: اگر زمین بٹائی پر دی ہے تو عشر کس پر ہوگا مالکِ زمین پر یا مزارع پر؟

جواب: زمین اگر بٹائی پر دی جائے یعنی مزارع سے پیداوار کا حصہ مثلاً نصف یا ثلث غلہ قرار دیا جائے تو مالک زمین پر صرف بقدر حصہ کا عشر آئے گا مثلاً مزارعت بالمناصفہ (نصف نصف) کی صورت میں سو 100 من غلہ پیدا ہوا تو زمیندار پانچ من عشر میں دے، اور اگر اجارہ میں دی گئی جسے لوگ نقشی کہتے ہیں مثلاً سو ۱۰۰ روپیہ بیگھ پر اٹھائی تو سیّدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک کل عشر مالکِ زمین پر ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک کل مزارع پر ہے زمیندار سے کچھ مطالبہ نہیں۔ امام قاضی خاں نے قولِ اوّل کے اظہر ہونے کا ارشاد کیا۔

مگر حاوی قدسی میں قول دوم پر فتوی اور وُہ بھی لفظ ناخذ (ہم اسی کو لیں گے) کہ آکد الفاظ فتوی سے ہے وہ تصحیح التزامی تھی اور یہ صریح ہے۔

بالجملہ قول دوم بھی ضعیف نہیں اور ہمارے بلاد میں وہی ارفق بالناس ہے یہاں اجرتیں بلحاظ عشر ہرگز مقرر نہیں ہوتیں، اگر پیداوار کا عشر اُجرت سے دلائیں تو غالباً کچھ نہ بچے بلکہ بہت جگہ عشر ہی میں گھر سے دینا پڑے باقی مصارف دیہی و مالگزاری انگریز جُدا رہے اور اس پر مجبور کیجئے کہ اب وہ اجرتیں مقرر کر لیجئے کہ عشر و مالگزاری و جملہ مصارف دے کر تمھارے لیے بقدر کفالت بچے تو یہ ہرگز میسر نہیں، مزارعین اس پر کیوں راضی ہونے لگے۔ (ص216)

سوال: اگر کسی زمین میں خراج متحقق ہوتا ہو تو کسے دیں؟ سنا ہے کہ اس کا مصرف لشکرِ اسلام ہے۔

جواب: مصرفِ خراج صرف لشکر اسلام نہیں بلکہ تمام مصالح عامہ مسلمین جن میں تعمیر مساجد و وظیفہ امام و مؤذن و بنائے پل و سرا و تنخواہ مدرسین علم دین و خبر گیری طلبہ علوم دین خدمت علمائے اہلِ حق حامیانِ دین مشغولین درس و وعظ و افتا وغیرہا امور دین سب داخل ہیں۔ (ص223)

سوال: خراج کتنا دینا پڑے گا؟

جواب: خراج دو قسم ہے:

(1) خراج مقاسمہ یعنی کہ پیداوار کا نصف یا ثلث (تیسرا حصہ) یا ربع (چوتھا حصہ) یا خمس (پانچواں حصہ) مقرر ہو۔

(2) اور خراج موظف کہ ایک مقدار معین ذمے پر لازم کر دی جائے خواہ روپیہ، مثلاً سالانہ دو روپے بیگھ اور کچھ جیسے ...منین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غلّے کی ہر جریب پر ایک صاع غلّہ اور ایک درہم مقرر فرمایا۔

ظاہر یہ ہے کہ ان بلاد کا خراج موظف ہی تھا، بیت المال میں روپیہ ہی لیا جاتا نہ کہ غلّہ، میوہ، ترکاری وغیرہ۔ بلکہ

مدتوں سے عامہ بلاد میں سلاطین کا یہی داب (طریقہ) معلوم ہوتا ہے۔

تو ظاہراً یہاں کا خراج موظف ہی سمجھنا چاہئے مگر جس زمین کی نسبت ثابت ہو کہ زمانِ سلطنتِ اسلام میں اُس پر خراج مقاسمہ تھا۔

خراج موظف بالاتفاق مالک زمین پر ہے اور خراج مقاسمہ صاحبین کے نزدیک مزارع پر امام کے نزدیک زمیندار پر۔

(لہذا) اگر مقدار معلوم ہو کہ زمانۂ اسلام میں کیا مقرر تھا، جب تو ظاہر ہے کہ اُسی قدر دیں دو شرط سے:

اوّلاً: خراج موظف میں جہاں جہاں مقدار مقرر فرمودۂ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ منقول ہے وہاں اس پر زیادت نہ ہو کہ مذہب صحیح میں اس پر اضافہ کسی سلطان کو نہیں پہنچتا، زائد ہو تو زیادت نہ دیں، اور جہاں کوئی مقدار امیر المومنین سے منقول نہیں وہاں اور خراج مقاسمہ میں نصف سے زیادت نہ ہو کہ خلافِ انصاف ہے، زائد ہو تو نصف ہی دیں۔

ثانیاً: اُتنے کی ادا اس زمین سے اب بھی ممکن ہو ورنہ بلحاظِ طاقت دیں۔

اور اگر معلوم نہ ہو کہ سلطنت اسلام میں کیا معین تھا تو ظاہراً خراج مقاسمہ و خراج موظف غیر مقرر امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نصف اور مقرراتِ امیر المومنین میں اُسی کا لحاظ رکھیں، غرض ہر جگہ پوری مقدار دیں جس سے زیادت جائز نہ تھی۔

وظیفۂ مقررۂ فاروقیہ فی جریب سالانہ یہ ہے ہر قسم غلّے پر اُسی سے ایک صاع اور ایک درہم اور کہ طاب یعنی خربوزے تربوز کی پالیزوں، کھیرے ککڑی بینگن وامثالہا کی باڑیوں پر پانچ درہم انگور و خرما کے گھنے باغوں پر، جن کے اندر زراعت نہ ہو سکے، کھیرے ککڑی بینگن وامثالہا کی باڑیوں پر پانچ درہم انگور و خرما کے گھنے باغوں پر، جن کے اندر زراعت ہو سکے۔

دس درہم ان کے ماوراء میں وہی تقدیر طاقت ہے جس کی انتہا نصف تک، پھر ان اقسام میں حیثیت زمین و قدرت کا اعتبار ہے جو زمین جس چیز کے بونے کی لیاقت رکھتی ہو اور یہ شخص اس پر قادر ہو اُس کے اعتبار سے خراج ادا کرے مثلاً انگور بو سکتا ہے تو انھیں خراج دے اگر چہ گیہوں بوئے ہوں، اور گیہوں کے قابل ہے تو اس کا خراج دے، اگر چہ جو بوئے ہوں ہر حال میں خراج سال بھر میں ایک ہی بار لیا جائے گا اگر چہ سال میں چار بار زراعت کرے یا باوصف قدرت بالکل معطل رکھ چھوڑے اور یہ جریب انگریزی گز سے کہ ان بلاد میں رائج ہے (جس کی مقدار سولہ ۱۶ گرہ ہے ہر گرہ تین ۳ انگل) پینتیس گز مسطح ہے یعنی ۳۵ گز طول ۳۵ گز عرض۔ (ص237تا239)

سوال: کس حد تک آم پہنچ جائیں تو آم کی بہار فروخت کر سکتا ہے اور اس کی زکوۃ کب نکالے گا؟ نیز اس کی زکوۃ بیچنے والے پر ہے یا خریدنے والے پر؟

جواب: بہار اس وقت بیچنی چاہئے جب پھل ظاہر ہو جائیں اور کسی کام کے قابل ہوں، اس سے پہلے بیع جائز نہیں اور اس وقت اُس میں عشر واجب ہوتا ہے پھل اپنی حد کو پہنچ جائیں کہ اب کچے اور نا تمام ہونے کے باعث ان کے بگڑ جانے،

سُوکھ جانے، مارے جانے کا اندیشہ نہ رہے اگرچہ ابھی توڑنے کے قابل نہ ہُوئے ہوں، یہ حالت جس کی ملک میں پیدا ہوگی اُسی پر عشر ہے، بائع کے پاس پھل ایسے ہوگئے تھے اُس کے بعد بیچے تو عشر بائع پر ہے، اور جو اس حالت تک پہنچنے سے پہلے کچے بیچ ڈالے اور اس حالت پر مشتری کے پاس پہنچے تو عشر مشتری پر ہے بعینہ یہی حکم کھیتی کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص241)

سوال: تجارت کے علاوہ کے جانوروں پر زکوۃ لازم ہونے کی کیا شرائط ہیں؟

جواب: اونٹ، گائے، بھینس، بکری، بھیڑ نر خواہ مادہ خواہ دونوں مختلط، جبکہ

(1) قدر نصاب ہوں (کہ اونٹ میں پانچ، گائے بھینس میں تیس، بھیڑ بکری میں چالیس ہے)۔ (2) اور بونے جوتنے لادنے، کھانے کے لیے نہ رکھے گئے ہوں بلکہ تمام حاجاتِ اصلیہ سے فارغ صرف دُودھ یا نسل یا قیمت بڑھنے کے لیے پالے جاتے یا شوقیہ پرورش وفربہی کے واسطے ہوں۔ (3) اور سال کا اکثر حصہ جنگل میں چھوٹے ہُوئے چرنے پر اکتفا کرتے ہوں۔ (4) اور اُن پر سال پُورا گزرے۔ (5) اور تمامی سال کے وقت وہ سب جانور ایک نوع کے یعنی سب اونٹ یا سب گائے بھینس یا سب بھیڑ بکری ایک سال سے کم کے نہ ہوں بلکہ اُن میں کوئی ایک سال کامل کا بھی ہو اگرچہ ایک ہی ہو تو ان پانچوں باتوں کے اجتماع سے ان کی زکوۃ دینی فرض ہوگی ورنہ نہیں۔ (ص242)

سوال: گائے بھینسوں پر کتنی مقدار پر زکوۃ لازم ہوتی ہے، تفصیلاً بیان کردیں؟

جواب: زکوٰۃ میں گائے بھینس ایک ہی نوع ہیں اور ان کا حساب زکوٰۃ یہ ہے کہ تیس 30 سے کم پر کچھ نہیں، تیس 30 پر ایک بچہ ایک سال کا اور 39 تک وہی ایک سالہ بچہ، پھر چالیس پر ایک بچہ دوسال کامل کا، پھر اُنسٹھ تک یہی واجب رہے گا، ساٹھ پر کہ دو تیس کا مجموعہ ہے، انہتر تک دو بچے ایک سالہ، ستر پر کہ ایک تیس اور ایک چالیس کا مجموعہ ہے۔ اُناسی تک ایک بچہ یک سالہ ایک دوسالہ، اسّی پر کہ دو چالیس ہیں، نواسی تک دو بچے دوسالہ، نوے پر تین تیس ہیں، ننانوے تین بچے یک سالہ، سو پر دو تیس اور ایک چالیس ہے، ایک سو نو تک دو بچے یک سالہ ایک دوسالہ، ایک سو دس پر کہ ایک تیس دو چالیس ہے، ایک سو انیس تک ایک بچہ یک سالہ اور دو دوسالہ، ایک سو بیس پر کہ چاہے چار تیس سمجھ لو چاہے تین چالیس، ایک سو انتیس تک چاہے چار بچے یک سالہ دے چاہے تین بچے دوسالہ۔

اسی قیاس پر ہر تیس پر ایک بچہ یکسالہ، اور ہر چالیس پر ایک بچہ دوسولہ لازم آتا جائے گا اور دہائیوں کے بیچ میں جو اکائیاں نو تک آتی جائینگی سب معاف ہوں گی۔

اور گائے بھینس مخلوط ہوں تو جو گنتی میں زیادہ ہو اُسی کا بچہ یک سالہ یا دوسالہ لیں گے، اور برابر ہوں تو اُن میں جو قسم اعلیٰ ہے اس کا ادنیٰ لیا جائے گا یا ادنیٰ کا اعلیٰ۔ (ص242)

سوال: جس پر دین (قرض) ہو کیا اسے زکوۃ دے سکتے ہیں؟

جواب: جس پر اتنا دین ہو کہ اُسے ادا کرنے کے بعد اپنی حاجاتِ اصلیہ کے علاوہ چھپن روپے کے مال کا مالک نہ رہے گا اور وہ ہاشمی نہ ہو، نہ یہ زکوٰۃ دینے والا اس کے اولاد میں ہو، نہ باہم زوج و زوجہ ہوں، اسے زکوٰۃ دینا بیشک جائز بلکہ فقیر کو دینے سے افضل، ہر فقیر کو چھپن روپے دفعۃً نہ دینا چاہئیں، اور مدیون پر چھپن ہزار دین ہو تو زکوٰۃ کے چھپن ہزار ایک ساتھ دے سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ﴿ والغارمین ﴾ ترجمہ: اور مقروض لوگوں پر زکوٰۃ خرچ کو جائے۔ (ص250)

سوال: کیا چچا، چچی و چچازاد بھائی و بہنوں زکوٰۃ دینا جائز ہے؟

جواب: ہاں جائز ہے جبکہ مصرف ہو۔ (ص252)

سوال: ماموں و ممانی و نانا و نانی اور ماموں زاد بھائی اور بہنوں کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: نانا نانی کو ناجائز باقی چاروں کو جائز۔ (ص252)

سوال: پھوپھا و پھوپھی اور ان کی اولاد کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ان سب کو دے سکتے ہیں جبکہ نہ غنی ہوں نہ غنی باپ کے بچّے نہ ہاشمی۔ (ص252)

سوال: اپنی ہمشیرہ ہے اور اس کی شادی کر دی اور اس کا خاوند کم توجہ کرتا ہے تو اس کو زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے جبکہ محتاج ہو۔ (ص252)

سوال: بھانجی بھانجے زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ان کو بھی بشرائط مذکورہ جائز ہے۔ (ص252)

سوال: زکوٰتی روپے سے لحاف میں رُوئی ڈلوا کر غریبوں کو تقسیم کر دیں تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ہاں رُوئی کی قیمت زکوٰۃ میں لگا سکتا ہے جبکہ بہ نیت زکوٰۃ دے مگر بھرائی کی اُجرت زکوٰۃ میں شمار نہ ہوگی۔

(ص252)

سوال: طالب علم دے سکتے ہیں یا نہیں

جواب: جائز ہے جبکہ غنی ہاشمی نہ ہو۔ (ص252)

(ایک اور مقام پر فرماتے ہیں) طلبہ کہ صاحبِ نصاب نہ ہوں انھیں زکوٰۃ دی جا سکتی ہے بلکہ اُنھیں دینا افضل ہے جبکہ وہ طلبہ علمِ دین بطورِ دین پڑھتے ہوں۔ (ص253)

سوال: بہنوئی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: بشرطِ مذکورہ جائز ہے۔ (ص252)

سوال: ایک شخص غریب معلوم ہوتا ہے اور پوشیدہ اس کے پاس چاہے کچھ ہو اس کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جبکہ اُسے اُس کا اندرونی حال معلوم نہیں تو ظاہر محتاجی پر عمل کر کے زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ (ص252)

سوال: فقیر جو مانگتے پھرتے ہیں ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے مگر جوان سے تندرست جو بھیک مانگنے کا پیشہ کر لیتے ہیں جیسے جوگی سادھو بچے ان کو دینا جائز نہیں۔ (ص252)

سوال: زکوٰۃ کن کن کو دے سکتے ہیں، مختصراً بیان فرما دیں؟

جواب محتاج فقیر جو نہ ہاشمی ہو نہ غنی باپ کا نابالغ بچہ، نہ اپنی اولاد جیسے بیٹا بیٹی، پاتا پوتی، نواسا نواسی، نہ یہ کہ اس کی اولاد جیسے ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی، نہ اپنی زوجہ، نہ عورت کا اپنا شوہر، ایسے محتاج جوان سب کے سوا ہو بہ نیت زکوٰۃ دے کر مالک کر دینے سے زکوٰۃ ادا ہوتی ہے وبس۔ (ص252)

سوال: زکوٰۃ کی رقم اگر مولود شریف میں یا نیاز میں صرف کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مجلس میلاد پاک میں حصہ عام تقسیم ہوتا ہے غنی فقیر مصرف غیر مصرف کی تخصیص نہیں ہوتی، یونہی نیاز کی تقسیم میں، تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہو سکتی، ہاں جو حصے خاص فقراء مصرف زکوٰۃ کو دے اُس کا شمار ان کو دینے میں زکوٰۃ کی نیت کرے تو وہ زکوٰۃ میں محسوب ہو سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص252)

سوال: صدقۂ فطر کس قدر دینا چاہئے اور کس کو دینا چاہئے اور کس وقت ادا کرے اور کس طرف سے؟

جواب: صدقۂ فطر سو روپے کے سیر سے پونے دو سیر اٹھنی بھر اوپر دیا جائے اور اس کے مصرف وہی لوگ ہیں جو مصرف زکوٰۃ ہیں اور اس کے دینے کا وقت واسع ہے، عیدالفطر سے پہلے بھی دے سکتا ہے اور بعد بھی، مگر بعد کو تاخیر نہ چاہئے بلکہ اولیٰ یہ ہے کہ نمازِ عید سے پہلے نکال دے کہ حدیث میں ہے: صاحبِ نصاب کے روزے معلق رہتے ہیں جب تک یہ صدقہ ادا نہ کرے گا۔

اپنی طرف سے اور اپنے بچوں کی طرف سے دینا واجب ہے اور باندی غلام کی طرف سے بھی جو اس کی ملک ہیں، بی بی یا بالغ بچوں کی طرف سے دینا واجب نہیں اگر وہ صاحبِ نصاب ہیں، آپ دیں یا اُن کی اجازت سے یہ دے، بلا اجازت ان کی طرف سے ادا نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص253)

سوال: میرے عزیزوں میں ایک شخص نابینا ہے، قرضدار ہے جائیداد اس کی ہے لیکن قرضے سے کم ہے، اس کو زکوٰۃ دینی چاہئے یا نہیں؟

جواب: ہاں بلکہ عزیزوں کو دینے میں دُونا ثواب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص253)

سوال: پیشہ ور گداگروں کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

جواب: گدائی تین قسم ہے:

(1) ایک غنی مالدار جیسے اکثر اور سادھو بنے، انھیں سوال کرنا حرام اور انھیں دینا حرام، اور اُن کے دئے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوسکتی، فرض سر پر باقی رہے گا۔

(2) دوسرے وُہ کہ واقع ہیں قدرِ نصاب کے مالک نہیں مگر قوی وتندرست کسب پر قادر ہیں اور سوال کسی ایسی ضروریات کے لیے نہیں جو ان کے کسب سے باہر ہو کوئی حرفت یا مزدوری نہیں کی جاتی، مفت کا کھانا کھانے کے عادی ہیں اور اس کے لیے بھیک مانگتے پھرتے ہیں انھیں سوال کرنا حرام، اور جو کچھ انھیں اس سے ملے وہ ان کے حق میں خبیث کہ حدیث شریف میں فرمایا ((لاتحل الصدقة لغنى ولا لذى مرة سوى)) ترجمہ: صدقہ حلال نہیں کسی غنی کے لیے اور نہ کسی توانا وتندرست کے لیے۔

انھیں بھیک دینا منع ہے کہ معصیت پر اعانت ہے، لوگ اگر نہ دیں تو مجبور ہوں کچھ محنت مزدوری کریں۔

مگر ان کے دئے سے زکوٰۃ ادا ہو جائیگی جبکہ اور کوئی مانع شرعی نہ ہو کہ فقیر ہیں۔

(3) تیسرے وُہ عاجز ناتواں کہ نہ مال رکھتے ہیں نہ کسب پر قدرت، یا جتنے کی حاجت ہے اتنا کمانے پر قادر نہیں، انھیں بقدرِ حاجت سوال حلال، اور اس سے جو کچھ ملے ان کے لیے طیّب، اور یہ عمدہ مصارفِ زکوٰۃ سے ہیں اور انھیں دینا باعثِ اجرِ عظیم، یہی ہیں وُہ جنھیں جھڑکنا حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص253,254)

سوال: مالِ زکوٰۃ مدرسہ اسلامیہ میں دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مدرسہ اسلامیہ اگر صحیح اسلامیہ خاص اہلسنت کا ہو۔ نیچریوں، وہابیوں، قادیانیوں، رافضیوں، دیوبندیوں وغیرہم مرتدین کا نہ ہو تو اس میں مالِ زکوٰۃ اس شرط پر دیا جاسکتا ہے کہ مہتمم اس مال کو جُدا رکھے اور خاص تملیک فقیر کے مصارف میں صرف کرے مدرسین یا دیگر ملازمین کی تنخواہ اس سے نہیں دی جاسکتی۔

نہ مدرسہ کی تعمیر یا مرمت یا فرش وغیرہ میں صرف ہوسکتی ہے، نہ یہ ہوسکتا ہے کہ جن طلبہ کو مدرسہ سے کھانا دیا جاتا ہے اُس روپے سے کھانا پکا کر اُن کو کھلایا جائے کہ یہ صورتِ اباحت ہے اور زکوٰۃ میں تملیک لازم ہاں یوُں کر سکتے ہے کہ جن طلبہ کو کھانا دا جاتا ہے اُن کو نقد روپیہ بہ نیت زکوٰۃ دے کر مالک کردیں پھر وُہ اپنے کھانے کیلئے واپس دیں یا جن طلبہ کو وظیفہ نہ اجرۃً بلکہ بطور امداد ہے اُن کے وظیفے میں دیں یا کتابیں خرید کر طلبہ کو اُن کا مالک کردیں۔

ہاں اگر روپیہ بہ نیت زکوٰۃ کسی مصرف زکوٰۃ دے کر مالک کردیں وُہ اپنی طرف سے مدرسہ کو دے دے تو تنخواہ مدرسین و ملازمین وغیرہ جملہ مصارف مدرسہ میں صرف ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص254)

سوال: کیا زکوٰۃ کی رقم سے کتب خرید کر کسی مدرسہ وغیرہ کے لیے وقف ہوسکتی ہیں کہ وہاں پڑھی جاتی رہیں؟

جــــواب: مال زکوٰۃ سے وقف ناممکن ہے کہ وقف کسی کی ملک نہیں ہوتا اور زکوٰۃ میں فقیر کی تملیک شرط ہے اس کی تدبیر یوں ہوسکتی ہے کہ کسی نیک بندہ کو جو زکوٰۃ کا مصرف ہے بہ نیت زکوٰۃ دے کر ملک کر دیا جائے اور وُہ اپنی طرف سے کتابیں خرید کر وقف کر دے۔ (ص255)

ســــوال: وسعتِ مسجد کی سخت حاجت ہے، کوئی شخص اگر اپنے زکوۃ کے پیسے کسی فقیر شرعی کو دے اور وہ فقیر مسجد کی تعمیر میں صرف کرے تو کیا یہ درست ہے؟

جــواب: جبکہ اس نے فقیر مصرف زکوٰۃ کو بہ نیّت زکوٰۃ دے کر مالک کر دیا زکوٰۃ ادا ہوگئی اب وہ فقیر مسجد میں لگا دے دونوں کے لیے اجرِ عظیم ہوگا۔ (ص256)

ســوال: ایسی کتاب دینی جو اگر طبع کی جائے تمام مسلمانانِ عالم میں مفید ثابت ہوسکتی ہے، اگر کوئی شخص زکوٰۃ کی رقم لوگوں سے جمع کر کے طبع کروائے، تو کیا یہ درست ہے؟

جــــواب: جائز ہے اور اس میں چندہ دہندوں کے لیے اجرِ عظیم اور ثواب جاری ہے، جب تک وہ کتاب باقی رہے گی اور نسلاً بعد نسلٍ جن جن مسلمانوں کو فائدہ دے گی ہمیشہ ان کا اجر ایک چندہ دہندے کو اُس کی حیات میں اور اُس کی قبر میں پہنچتا رہے گا۔

مگر اولاً فقیر کو بہ نیت زکوٰۃ دے کر مالک کر دینا ضرور ہے پھر وُہ فقیر طبع کتاب میں خود دے دے یا اس سے دلوا دے۔

اور سب سے آسان یہ ہے کہ ایک دیندار شخص کے پاس سب زکوٰۃ دہندہ اپنا چندہ جمع کریں اور اس سے کہہ دیں کہ زرِ زکوٰۃ ہے طریقہ شرعیہ پر بعد تملیکِ فقیر طبع میں ہمارے ثواب کے لیے صرف کر۔ وہ ایسا ہی کرے، سب زکوٰتیں بھی ادا ہو جائیں گی اور وُہ دینی ضروری نافع کام بھی ہو جائے گا اور یہ اموال کا ملانا کہ باذن مالکانہ ہے کہ چندہ کا یہی طریقہ معروفہ معہودہ ہے کچھ مانع نہ ہوگا۔ (ص256,257)

ســوال: جنگ اٹلی وشہنشاہِ روم کو بھیجنے کے لیے اہل اسلام زکوۃ جمع کر کے بھیج رہے ہیں، کیا زکوۃ کی رقم اس میں دے سکتے ہیں؟

جــواب: زکوٰۃ جہاد کے اُن مصارف میں جن میں فقیر کو تملیک نہ ہو جیسے گولے بارود کی خریداری یا فوج کی بار برداری یا فوجی افسروں کی تنخواہ یا فوجی دواخانہ کی دواؤں میں دینا جائز نہیں، نہ اس سے زکوٰۃ ادا ہو۔

ہاں فقیر مجاہدوں کو دی جائے یا شہیدوں کے فقیر پس ماندوں کو یا ان مجاہدوں کو جو سفر کر کے آئے، گھر پر اموال رکھتے ہیں یہاں مصارف کے لیے کچھ پاس نہیں ان کو دینا جائز ہے اول فی سبیل اللہ ہے ثانی فقراء اور ثالث ابن السبیل، اور یہ سب مصارف زکوٰۃ ہیں۔

یا یہ ہو کہ یہاں کسی معتمد فقیر کو دے کر مالک کر کے قبضہ دے دیں وُہ اپنی طرف سے اس چندہ میں دے دے، اب کوئی شرط نہیں ہر مصرف میں صرف ہوسکتی ہے، اور زکوٰۃ دہندہ اور فقیر دونوں کو ثواب ملے گا۔

پھر صورت اولیٰ میں کہ خود زکوٰۃ ہی ان جائز مصارف کے لیے وہاں بھیجے، اگر ابھی اس کی زکوٰۃ کا سال تمام نہ ہُوا تھا پیشگی دیتا ہے جب تو دوسرے شہر کو بھیجا مطلقاً جائز ہے اور اگر سال تمام کے بعد بھیجے جب بھی اس صورت میں حکم جواز ہے کہ مجاہدوں کی اعانت میں اسلام کا زیادہ نفع ہے۔

مگر اطمینان ضرور ہو کہ ٹھکانے پر پہنچے بیچ میں خورد بُرد نہ ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص258)

سوال: مسلمان جہاں کفار سے جنگ کر رہے ہیں، مسلمان ان کے لیے چندہ کر کے امداد بھیج رہے ہیں، کیا اس میں زکوٰۃ کی رقم بھیجی جا سکتی ہے؟

جواب: اس طریقہ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہو سکتی، یہ لوگ بطور خود چندہ کرتے ہیں اور زکوٰۃ و غیر زکوٰۃ بلکہ مسلم و غیر مسلم سب کے چندے غلط کر لیتے ؤہ روپیہ فوراً ہلاک ہو جاتا ہے اور قابل اداز کوٰۃ نہیں رہتا۔

اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ زکوٰۃ دینے والے خالص مسلمان اپنی اپنی زکوٰۃ ایک معتمد متدین کے پاس جمع کریں اور ؤہ روپیہ ملا لینے کی اجازت دیں اور اُس میں کوئی روپیہ غیر زکوٰۃ کا خلط نہ کیا جائے نہ کسی وہابی یا رافضی یا نیچری یا قادیانی یا حدِ کفر تک پہنچے ہُوئے گاندھوی کی زکوٰۃ اس میں شامل ہو کہ ان لوگوں کی زکوٰۃ شرعاً زکوٰۃ نہیں، یہ خالص شرعی کا جمع کیا ہوا مال کہ مالکوں سے اذن سے خلط کیا گیا اُن فقراء مظلومین کو پہنچایا جائے۔ (ص260)

سوال: مالدار کے لیے صدقہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: صدقہ واجبہ مالدار کو لینا حرام اور دینا حرام، اور اس کے دئے ادا نہ ہوگا، اور نافلہ مانگ کر مالدار کو لینا حرام اور بے مانگے مناسب نہیں جبکہ دینے والا مالدار جان کر دے اور اگر وہ محتاج سمجھ کر دے تو لینا حرام، اور اگر لینے کے لیے اپنے آپ کو محتاج ظاہر کیا تو دوہرا حرام۔

ہاں وہ صدقاتِ نافلہ کہ عام خلائق کے لیے ہوتے ہیں اور ان کے لینے میں کوئی ذلّت نہیں ؤہ غنی کو بھی جائز ہیں جیسے حوض کو پانی، سقایہ کا پانی، نیاز کی شیرینی، سرائے کا مکان، پل پر سے گزرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص261)

سوال: مدرسہ دینیہ میں زکوٰۃ مدرسیند کی تنخواہوں میں دینا جائز ہے یا نہیں؟ یتیم فقیر طلبہ کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: تنخواہِ مدرسین میں نہیں دے سکتے، ہاں طلبہ کو تملیک کر سکتے ہیں اگرچہ یتیم نہ ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص262)

سوال: یتیموں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ بچہ اپنی قرابت کا ہے اُس کا وارث کوئی نہیں۔

جواب: یتیم بچہ خصوصاً جبکہ اپنا قرابت دار ہو زکوٰۃ دینا بہت افضل ہے جبکہ وہ نہ مالدار نہ سید وغیرہ نہ ہاشمی ہو نہ اپنی اولاد یا اولاد کی اولاد ہو، ہاں بھائی بھانجی ہو تو وہ بشرائط مذکورہ سب سے زیادہ مستحق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص262)

سوال: زکوٰۃ کی رقم سے اگر یتیموں مساکین کو کھلایا جائے یا کپڑا بنا کر دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب: کپڑا بنا کر ان کو دے کر مالک کر دینا، کھانا پکا کر اُن کے گھر کو بھیج کر قبضہ میں دے کر مالک کر دینا تو حالت موجود پر یہ سِلا ہو کپڑا اور پکا ہوا کھانا بازار کے بھاؤ سے جتنے کا ہے اُس قدر زکوٰۃ میں مجرا ہوگا، سلائی پکوائی وغیرہ مجرا نہ ملے گی اور اگر اپنے یہاں پکا کر دستر خوان پر بٹھلا کر کھلا دیا جس طرح دعوتوں میں ہوتا ہے تو وہ زکوٰۃ نہیں ہوسکتا۔ (ص262)

سوال: کیا زکوٰۃ کی رقم یتیم خانہ کی خریداری میں لگ سکتی ہے؟ اسی طرح کیا کسی شخص کے دینی یا دنیوی مقدمہ میں خرچ کی جاسکتی ہے؟

جواب: یتیم خانہ کی خریداری میں روپیہ لگا دینے سے زکوٰۃ ہرگز ادا نہ ہوگی لانہ ان کان وقفا والزکوٰۃ تملیك فلا یجتمعان (کیونکہ یتیم خانہ اگر وقف ہے اور زکوٰۃ میں تملیک ہوتی ہے لہٰذا ان دونوں کا اجتماع نہیں ہوسکتا۔)

نہ کسی غنی کو صرف مقدمہ کے لیے دینے سے ادا ہو سکے اگرچہ وہ مقدمہ مذہبی دینی ہو فان الغنی لیس بمصرف (کہ غنی زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے) نہ کسی فقیر نہ مسکین کے دینی خواہ دنیوی مقدمہ میں وکیلوں مختاروں کو دینے یا اور خرچوں میں اٹھانے سے ادا ممکن، جب تک فقیر کو دے کر اُس کے قبضے کے بعد اُس سے لے کر صرف نہ کیا جائے فان الصدقة لا تحصل الا بتمليك مصرفها ولا تتم الابقبضة (کیونکہ صدقہ تب ادا ہوگا جب کسی مصرف کو مالک بنایا جائے گا اور تملیک کا اتمام قبضہ کے بغیر نہیں ہوسکتا)

پس اگر اس قسم کے معاملات میں اٹھانا چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ جو شخص شرعاً مصرفِ زکوٰۃ ہے اسے بہ نیتِ زکوٰۃ دے کر اُس کا قبضہ کرادیں پھر وُہ اپنی طرف سے اپنے آپ خواہ اُسے دے کر خریداری یتیم خانہ خواہ کسی دینی مقدمہ وغیرہا امورِ خیر میں لگا دے۔ (ص262)

سوال: ایک خاتون نے امام اہلسنت علیہ الرحمہ سے سوال کیا کہ میرے پاس زیور ہے، میری آمدن کا کوئی ذریعہ نہیں، شوہر جو خرچہ میرا اور بچوں کا دیتا ہے، کیا اس سے زکوٰۃ ادا کر سکتی ہوں؟ کیا زکوٰۃ اپنے بچوں پر صرف کر سکتی ہوں؟ بڑی مشکل پیش آتی ہے، کوئی حیلہ بتائیں کہ آسانی ہو۔

جواب: زیور خود مال ہے اُس میں سے زکوٰۃ ادا کی جائے، شوہر سے جو کچھ خرچ بچوں کے لیے ملتا ہے اُس میں سے زکوٰۃ دینے کا ہرگز اختیار نہیں تمہارے خرچ کو جو کچھ دیتے ہیں اُس میں سے زکوٰۃ دے سکتی ہو، اپنے مال کی زکوٰۃ اپنے بچّوں کے صَرف میں نہیں کی جاسکتی، اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، ماں کا جو کچھ بچّوں کے صَرف میں اُٹھ گیا زکوٰۃ میں مجرا نہیں ہوسکتا اگرچہ بچوں کا خرچ باپ پر ہے ماں پر نہیں۔

وہ طریقہ زکوٰۃ کا مال بہ نیت زکوٰۃ کسی محتاج کو دے کر مالک کر دیا جائے پھر اس کی رضامندی سے تھوڑے داموں کو اس سے خرید لیں، یہ حیلہ بضرورت صرف ایسی جگہ ہو کہ مثلاً کسی سیّد صاحب کو حاجت ہے مالِ زکوٰۃ انھیں دے نہیں سکتے اور

اپنے پاس زرِ زکوٰۃ سے زیادہ دینے کی وسعت نہیں تو اس طرح زکوٰۃ ادا کر کے برضا مندی مول لے کر سید صاحب نذر کر دیا جائے یا مسجد کی تعمیر یا میّت کے کفن میں لگا لیا جائے کہ یہ سب نیتیں اللہ ہی کے لیے ہیں، خرید کر اپنے یا اپنے بچوں کے صرف میں لانے کی غرض سے یہ حیلہ نہیں کہ اس میں راہِ خدا میں مال خرچ کر کے' پھر جانا پایا جائے گا والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

آسان طریقہ جو یہاں ہو سکے یہ ہے کہ آدمی جن کی اولاد میں خود ہے یعنی ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی یا جو اپنی اولاد میں ہیں یعنی بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی اور شوہر و زوجہ ان رشتوں کے سوا اپنی جو عزیز قریب حاجتمند مصرفِ زکوٰۃ ہیں اپنے مال کی زکوٰۃ انھیں دے جیسے بہن بھائی، بھتیجا بھانجے کا دیا ہو آدمی اپنے کام میں ہی اٹھنا جانتا ہے پھر یہ بھی کچھ ضرور نہیں کہ انھیں زکوٰۃ جتا ہی کر دے بلکہ دل میں زکوٰۃ کی نیت ہو انھیں عیدی وغیرہا یا شادیوں کی رسوم خواہ کسی بات کا نام کر کے مالک کر دے زکوٰۃ ادا ہو جائیگی، پھر اگر مثلاً اپنے بہن بھائی کو دیا اور اُنھوں نے اُس کے بچوں پر خرچ کی دونوں مطلب یعنی ادائے زکوٰۃ اور بچوں کے خرچ کی وسعت حاصل ہو جائیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص264)

سوال: اپنی بیٹی یا حقیقی ہمشیرہ کو زکوٰۃ یا زمین کا عشر دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: بہن کو جائز ہے جبکہ مصرفِ زکوٰۃ ہو اور بیٹی کو جائز نہیں۔ (ص264)

سوال: میں اپنی زکوٰۃ کا روپیہ اپنے والد کو کسی حیلہ سے دے سکتی ہُوں یا نہیں، کیونکہ ایسی غربت میں ہیں کہ باہر نکلنے میں شرم آتی ہے اور وہ ایک آبرودار آدمی ہیں، کوئی ایسا قابلِ اطمینان فقیر شرعی نہیں جسے دے دوں اور میرے والد کو دے دے، کوئی طریقہ ارشاد فرمائیں۔

جواب: باپ کو زکوٰۃ دینا کسی طرح جائز نہیں، نہ اُس کی دی زکوٰۃ ادا ہو سکے۔ یہ بات اگر واقعی ہے کہ باپ ایسا ہی حاجتمند ہے اور سائلہ میں یہ طاقت نہیں کہ زکوٰۃ بھی دے اور باپ کی بھی خدمت کرے اور ایسا اطمینان کا شخص کوئی نہیں پاتی کہ اسے زکوٰۃ دے اور وُہ اپنی طرف سے اُس کے باپ کو دیں تو اس کا یہ طریقہ ممکن ہے کہ مثلاً دس روپیہ زکوٰۃ کے دینے ہیں اور چاہتی ہے کہ یہ روپیہ اُس کے باپ کو پہنچے تو کسی فقیر مصرف زکوٰۃ کے ہاتھ مثلاً دس سیر یا پانچ سیر گیہوں دس روپیہ کو بیچے اور اسے سمجھا دے کہ زرِ ثمن ادا کرنے کی تمھیں دقت نہ ہوگی ہم زکوٰۃ دیں گے اسی سے ادا کر دینا' جب وُہ بیع قبول کرے گیہوں اس کو دے دے اب اُس کے دس درم بابت ثمن گندم اُس پر قرض ہو گئے اُس کے بعد اسے دس روپیہ زکوٰۃ میں دے کر قبضہ کرا دے زکوٰۃ ادا ہو گئی پھر گیہوں کی قیمت میں روپے واپس لے وہ یوں نہ دے تو جبراً لے سکتی ہے کہ وہ اس کا مدیون ہے اب یہ روپیہ اپنے باپ کو دے دے۔

مگر اس کا لحاظ لازم ہے کہ محتاج باپ کا نفقہ اُس کی سب غنی اولاد پر لازم ہے، بیٹا بیٹی سب پر برابر، تو اگر تنہا یہی اس کی اولاد ہے تو اس پر اس کا کل خرچ کھانے پہننے رہنے کے مکان کا لازم ہے' اور اگر اور بھی تو حصّہ رسد' اور زکوٰۃ بھی اللہ عزوجل کا غنی پر فرض ہے حیلہ کر کے دو واجبوں میں ایک کو ساقط نہ کرے، اللہ عزّ وجل دلوں کی نیت جانتا ہے، ہاں حقیقۃً قدرت نہ ہو تو حیلہ

مذکورہ عمدہ وسیلہ ہے جس سے دونوں واجب ادا ہوسکیں۔ (ص265)

سوال: فطرہ کا پیسہ کون کون سے کام میں صرف ہوسکتا ہے اور کس کس شخص کو دیا جاسکتا ہے؟

جواب: فطرہ کے مصارف بعینہٖ مصارفِ زکوٰۃ ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص266)

سوال: جو شخص اپنی والدہ اور ہمشیرہ کو باوجود بیوہ اور یتیم ہونے کے کچھ نہ دے اور وہ تکالیف اٹھاتی ہوں، اس حالت میں اگر زید صاحبِ نصاب ہو اور زکوٰۃ صدقہ ادا کرے تو وہ قبول ہوگا یا نہیں؟

جواب: زید کی ماں اگر کوئی ذریعۂ معاش نہیں رکھتی تو اس کا نفقہ زید پر فرض ہے، یُونہی یتیم بہن کہ جس کی شادی نہ ہوئی ہو، نہ اس کے پاس کچھ مال ہو، ان کو نہ دینے سے اس پر گناہِ عظیم ہے۔

رہی زکوٰۃ، وہ ماں کو نہیں دے سکتا بہن کو دے اور ماں کی خدمت اپنے پاس سے کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص266)

سوال: زکوٰۃ کا روپیہ کوئی مسلمان قبضہ کرکے جو خود بھی مستحقِ زکوٰۃ ہو توسیع مسجد میں صرف کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب: زکوٰۃ دہندہ نے اگر زرِ زکوٰۃ مصرفِ زکوٰۃ کو دے کر اس کی تملیک کردی تو اب اُسے اختیار ہے جہاں چاہے صرف کرے کہ زکوٰۃ اس کی تملیک سے ادا ہوگئی، یُوں ہی اگر مزکی (زکوٰۃ نکالنے والے) نے زرِ زکوٰۃ (زکوٰۃ کا پیسہ) اسے دیا اور ماذون مطلق کیا (مطلق اجازت دی) کہ اس سے جس طور پر چاہو میری زکوٰۃ ادا کردو اس نے خود بہ نیتِ زکوٰۃ لے لیا، اس کے بعد مسجد میں لگادیا تو یہ بھی صحیح وجائز ہے یونہی اگر مزکی نے زرِ زکوٰۃ نکال کر رکھا تو فقیر نے بے اس کی اجازت کے لے لیا اور مالک نے بعد اطلاع اس کا لینا جائز کردیا اور اس کے بعد فقیر نے مسجد میں صَرف کیا تو یہ بھی صحیح ہے۔

اور اگر فقیر نے بطورِ خود قبضہ کرلیا اور مالک نے اُسے جائز نہ کیا یا بعد اس کے کہ یہ مسجد میں لگا چُکا' جائز کیا، تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ یونہی اگر مالک نے اسے روپیہ دیا اور وکیل کیا کہ میری طرف سے کسی فقیر کو دے دو یہ بھی فقیر ہے خود لے لیا اور مسجد میں لگادیا تو اب بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوئی اگرچہ اسے ماذون مطلق کیا ہو کہ تملیک نہ پائی گئی اور اس پر روپے کا تاوان آئے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص267)

سوال: فی زمانہ سیّدوں کا کوئی پُرسانِ حال نہیں، فاقوں تک بعض کی نوبت پہنچی ہے، ایسی صورت میں زکوٰۃ لینا یا بغیر اس عذر کے بھی زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: سیّد کو زکوٰۃ لینا دینا حرام ہے اور اسے دیئے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، اور فاقوں پر نوبت اگر اس بنا پر ہو کہ نوکری یا مزدوری پر قدرت ہے اور نہیں کرنا چاہتا تو یہ فاقہ بھی عذر نہیں ہوسکتا کہ یہ اپنے ہاتھ کا ہے کیوں نہیں کسبِ حلال کرتا' اور اگر واقعی کسب پر قادر نہیں تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس کی اعانت کریں، اور اگر لوگ بے پروائی کریں اور اُسے کوئی ذریعہ رزق کا سوا زکوٰۃ لینے کے نہ ہو تو بقدرِ ضرورت لے اور قدرِ ضرورت میں صرف کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص267)

سوال: زید نے بکر کو صدقہ دیا' بکر کو علم ہے کہ صدقہ ہے، ایسی صورت میں بکر اُس مال کو سیّد کو دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور وُہ مال بکر کی ملکیت ہے یا زید کی، جبکہ زید بکر کو دے چکا۔

جواب: جب زید نے بکر کو مال صدقہ میں دیا اور بکر قابض ہو گیا اور وہ محل صدقہ تھا یا نہ تھا اور زید جانتا تھا کہ بکر محلِ صدقہ نہیں غنی جان کر صدقہ دیا تو دونوں صورتوں میں بکر مالک ہو گیا۔

اور جب وہ مالک ہو گیا اور اپنی طرف سے سیّد کو نذر کرے نہ بطور صدقہ زکوٰۃ بلکہ بطور ہدیہ وہبہ تو سیّد کو اس کا لینا جائز ہے اگرچہ بکر کو زکوٰۃ ہی دی گئی ہو۔ (ص268)

سوال: مدرسہ میں زکوٰۃ کا مال لگانا کیسا ہے؟

جواب: زکوٰۃ کا رکن تملیک فقیر ہے جس کام میں فقیر کی تملیک نہ ہو کیسا ہی کارِ حسن ہو جیسے تعمیر مسجد یا تکفینِ میّت یا تنخواہِ مدرسانِ علمِ دین، اس سے زکوٰۃ نہیں ادا ہو سکتی۔ مدرسۂ علمِ دین میں دینا چاہیں تو اس کے تین حیلے ہیں:

ایک یہ متولیِ مدرسہ کو مالِ زکوٰۃ دے اور اُسے مطلع کر دے کہ یہ مال زکوٰۃ کا ہے۔ اسے خاص مصارفِ زکوٰۃ میں صرف کرنا، متولی اس مال کو جُدا رکھے اور مال میں نہ ملائے اور اس سے غریب طلبہ کے کپڑے بنائے، کتابیں خرید کر دے یا اُن کے وظیفہ میں دے جو محض بنظرِ امداد ہو، نہ کسی کام کی اُجرت۔

دوسرے یہ کہ زکوٰۃ دینے والا کسی فقیر مصرفِ زکوٰۃ کو بہ نیتِ زکوٰۃ دے اور وُہ فقیر اپنی طرف سے کُل یا بعض مدرسہ کی نذر کر دے۔

تیسرے یہ کہ مثلاً سَو روپے زکوٰۃ کے دینے ہیں اور چاہتا ہے کہ مدرسۂ علمِ دین کی ان سے مدد کرے تو مثلاً سیر گیہوں کسی محتاج مصرفِ زکوٰۃ کے ہاتھ سَو روپے کو بیچے اور اسے مطلع کر دے کہ یہ قیمت ادا کرنے کو تمھیں ہم ہی دیں گے تم پر اس کا بار نہ پڑے گا، وُہ قبول کر لے اس کے بعد سو روپیہ بہ نیتِ زکوٰۃ اس کو دے کر قابض کر دے اس کے بعد اپنے گیہوں کی قیمت میں وُہ روپے اس سے لے لے، اگر وُہ نہ دینا چاہے تو یہ خود اس سے لے سکتا ہے کہ یہ اس کا عین حق ہے، اب یہ روپے مدرسہ میں دے، ان پچھلی دونوں صورتوں میں یہ روپیہ تنخواہ مدرسین وغیرہ ہر کارِ مدرسہ میں صرف ہو سکتا ہے۔ (ص269)

سوال: زکوٰۃ اپنے قریبی رشتہ داروں کو دینا افضل ہے، اگر اپنے قریبی ہاشمی ہوں تو؟

جواب: بیشک زکوٰۃ اور سب صدقات اپنے عزیزوں قریبوں کو دینا افضل اور دو چند اجر کا باعث ہے، زینب ثقفیہ زوجہ عبداللہ بن مسعود اور ایک بی بی انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم درِ اقدس پر حاضر ہوئیں اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی عرض کرا بھیجا کہ ہم اپنے صدقات اپنے اقارب کو دیں، حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ((لھما اجران اجر القرابۃ واجر الصدقۃ)) ترجمہ: ان کے لیے دو ثواب ہوں گے ایک ثواب قرابت اور دوسرا التصدق کا۔ (صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، ج1، ص323 فصل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اورفرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ((الصدقة علی المسکین صدقة وعلیٰ ذی الرحم ثنتان صدقة وصلة)) ترجمہ: مسکین کو دینا اکہرا صدقہ ہے اور رشتہ دار کو دینا دوہرا، ایک تصدق اور ایک صلۂ رحم۔

(جامع الترمذی، ابواب الزکوٰۃ، باب ماجاء فی الصدقۃ علی ذی القرابۃ، ج1، ص83، امین کمپنی، دہلی)

بلکہ میں حدیث ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((یا امّة محمد والذی بعثنی بالحق لا یقبل اللہ صدقة من رجل وله قرابة محتاجون الی صلته ویصرفها الی غیرهم والذی نفسی بیده لا ینظر اللہ الیه یوم القیامة)) ترجمہ: اے امت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) قسم اس کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا اللہ تعالیٰ اس کا صدقہ قبول نہیں فرماتا جس کے رشتہ دار اُس کے سلوک کی حاجت رکھیں اور وہ انھیں چھوڑ کر اوروں پر تصدّق کرے، قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اُس پر نظر نہ فرمائے گا۔ (مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط، باب الصدقۃ علی الاقارب الخ، ج3، ص117، دارالکتاب العربی، بیروت)

مگر یہ صورت میں ہے کہ وُہ صدقہ اس کے قریبوں کو جائز ہو، زکوٰۃ کے لیے شریعتِ مطہرہ نے مصارف معیّن فرمادیے ہیں اور جن جن کو دینا جائز ہے صاف بتادیے، اس کے رشتہ داروں میں وُہ لوگ جنھیں دینے سے ممانعت ہے ہرگز استحقاق نہیں رکھتے، نہ اُن کے دیے زکوٰۃ ادا ہو جیسے اپنے غنی بھائی یا فقیر بیٹے کو دینا، یونہی اپنا قریب ہاشمی کہ شریعت مطہرہ نے بنی ہاشم کو صراحۃً مستثنیٰ فرمالیا ہے۔ (ص287،288)

سوال: زکوٰۃ کا روپیہ کافر، مشرک، وہابی، رافضی، قادیانی وغیرہ کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ان کو دینا حرام ہے اور ان کو دیے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص290)

سوال: خالصاً لوجہ اللہ جو چیز دی جائے اس کا کھانا غنی کو کیسا ہے؟

جواب: صدقۂ واجبہ جیسے زکوٰۃ صدقۂ فطر غنی پر حرام ہے اور صدقۂ نافلہ جیسے حوض یا سقایہ کا پانی یا مسافر خانے کا مکان غنی کو بھی جائز ہے، مگر میّت کی طرف سے جو صدقہ ہوتا ہے غنی نہ لے نہ غنی کو دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص290)

سوال: آج کل سمرنا فنڈ میں صاحب زکوٰۃ سے زکوٰۃ اور جن پر قربانی واجب ہے اُن سے قربانی کی قیمت طلب کر رہے ہیں، ان کو قربانی اور زکوٰۃ کے پیسے جمع کروانا کیسا ہے؟

جواب: جس پر قربانی واجب ہے اُسے حرام ہے کہ قربانی نہ کرے اور اس کی قیمت کسی فنڈ میں دے دے اس سے ہرگز قربانی ادا نہ ہوگی واجب کا تارک ہوگا اور عذاب کا مستحق، اور ایسے چندوں میں دینے سے کہ لوگ بطور خود کرتے ہیں اور سب کے چندے زکوٰۃ و غیر زکوٰۃ کے بلکہ مرتدین نااہل زکوٰۃ مثل وہابیہ وغیرہم کے سب خلط کر لیتے ہیں زکوٰۃ ادا نہیں ہوسکتی، ہاں اعانتِ مسلمین کی نیّت پر ثواب پائے گا مگر فرضِ زکوٰۃ سر پر باقی رہے گا۔ وھو تعالیٰ اعلم (ص290)

سوال: کان پور میں مسلمانوں کا مسجد کے معاملے میں پولیس سے فساد ہوگیا، پولیس نے اُنھیں نشانۂ بندوق بنایا،

اب ان کے غریب بچے یتیم ہو گئے اور نادار مسلمان زخمی ہو کر گرفتار کر لیے گئے، اب ان کی رہائی اور پرورش حفاظت جان وعزت کے لیے روپے کی ضرورت ہے، مسلمان چاہتے ہیں کہ صدقۂ فطر اس کارِ خیر کے لیے دے دیا جائے عندالشرع دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: صدقۂ فطر میں مسلمان فقیر کو دے کر مالک کر دینا شرط ہے، تو اگر غرباء کو دے کر مالک کر دیں تو جائز ہے یا فقیر کو دیں اور وہ اپنی طرف سے مقدمہ میں لگانے کو دے دیں تو جائز ہے، ورنہ مقدمے اٹھانے یا وکیلوں کو دینے سے صدقہ ادا نہ ہوگا۔

سوال: صدقۂ فطر لینا امام مسجد کو جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح اموات کی طرف سے کیا گیا صدقہ اسے جائز ہے یا نہیں؟ حالانکہ امام مسجد صاحبِ زکوٰۃ وصاحبِ مال ہو، نیز قربانیوں کی کھالیں وغیرہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ مسجد کے چراغ کے لیے لوگوں سے نقد پیسے منگوانا اور جو بچے خود رکھ لینا کیسا ہے؟

جواب: صاحبِ نصاب کو اگرچہ امام ہو، کوئی صدقۂ واجبہ مثل زکوٰۃ یا صدقات عیدالفطر یا کفارات جائز نہیں حرام ہے، اور اس کے دیے ہوئے زکوٰۃ وصدقہ ادا نہ ہوں گے۔ قربانی کی کھال اگر لوگ اپنی خوشی سے دیں لے سکتا ہے مانگ کا اپنا حق قرار دے کر لینا جائز نہیں، اموات کی طرف سے جو نفل صدقہ دیا جاتا ہے اگر دینے دینے والے نے اسے فقیر سمجھ کر دیا اور اس نے اپنا صاحبِ نصاب ہونا چھپایا تو یہ بھی حرام ہے ورنہ مکروہ وناپسند۔ تیل وغیرہ کے لیے نقد منگا کر جو بچے اپنے صَرف میں کرانا بھی حرام ہے مگر اس صورت میں کہ دینے والے اس بات سے آگاہ اور اس پر راضی ہوں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص292)

سوال: اگر چاول سے صدقۂ فطر دیں، تو کتنی مقدار دینی پڑے گی؟ ہمارے ہاں گندم اور جو غذا کے طور پر استعمال نہیں کیا جاتا۔

جواب: شرع مطہر نے یہ صدقہ صرف چار چیزوں سے مقرر فرمای ہے: گیہوں (گندم)، جَو، خرما (کھجور)، زبیب (کشمش)۔ ان کے سوا پانچویں کوئی چیز چاول ہو یا دھان یا کپڑا وہ انھی میں ایک کی قیمت کے اعتبار سے جائز ہے ورنہ نہیں۔ گیہوں سے نیم (نصف) صاع واجب ہے۔ اور جَو سے اس کا دونا (دوگنا)، گیہوں یا جَو کا وہاں کم پیدا ہونا یا غذا میں مستعمل نہ ہونا یا دیہات میں نہ ملنا چاول کو بے لحاظ قیمت صرف صاع یا نیم صاع دے دینے کے قابل نہیں کر سکتا' بلکہ واجب ہے کہ اپنے ضلع میں گیہوں نیم صاع یا جَو، ایک صاع کی جو قیمت ہو اُس قدر دام اُتنے دام کے چاول یا اور چیز ادا کر دیں۔ (ص292)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: چاول کی قیمت کے اعتبار سے دیے جائیں گے خواہ وزن میں نصف صاع ہوں یا زیادہ یا کم یعنی نصف صاع گندم کی قیمت میں جتنے چاول آئیں اتنے دیے جائیں گے۔ (ص296)

سوال: کسی شخص نے اپنے چھوٹے (نابالغ) بچوں، بڑے بالغ بچوں اور بیوی کی طرف سے صدقہ فطر دیا کیا ادا ہو گیا؟

جواب: چھوٹے بچّوں کی طرف سے جو ادا کیا ؤہ ادا ہو جائے گا کیونکہ وہ واجب ہی والد پر تھا۔ اور جو بیوی اور بڑی اولاد کی طرف سے ادا کیا اگر ان کا اذن تھا تو بھی ادا ہو جائیگا اور اگر اذن نہ تھا تو صدقہ ادا نہ ہوگا۔ (ص294)

سوال: زکوٰۃ اور صدقۂ فطر کا نصاب برابر ہے یا کچھ فرق ہے؟

جواب: مقدار نصاب سب کے لیے ہے کچھ فرق نہیں، ہاں زکوٰۃ میں مال نامی ہونا شرط ہے کہ سونا چاندی، چرائی پر چھوٹے جانور، تجارت کا مال ہے وبس، اور سال گزرنا شرط ہے، صدقۂ فطر و قربانی میں یہ کچھ درکار نہیں۔ (ص294)

سوال: زید کی بیوی ہندہ جو مالکِ نصاب نہیں ہے مع اپنے ایک خوردسال بچّے کے اپنے باپ کے یہاں یعنی میکے میں عیدالفطر کو قیام رکھتی ہے، تو اُس کا اور اس کے لڑکے کا صدقہ کس کو دینا چاہیے؟

جواب: خوردسال بچّے کا صدقۂ فطر اُس کے باپ پر ہے، اور عورت کا نہ باپ پر نہ شوہر پر، صاحبِ نصاب ہوتی تو اس کا صدقہ اسی پر ہوتا ہے۔ (ص296)

سوال: اگر کوئی مہمان 27 یا 28 رمضان شریف سے ہی کسی میزبان کے ہاں مقیم ہے، عیدالفطر بھی وہاں ہی گزارے گا، اس کا صدقۂ فطر کس پر ہے؟

جواب: مہمان کا صدقہ میزبان پر نہیں، وہ اگر صاحبِ نصاب ہیں اپنا صدقہ آپ دیں۔ وھو تعالیٰ اعلم (ص296)

سوال: اس ملک میں رواج ہے نماز کے بعد ایک شخص اُٹھ کر مسافروں مسکینوں کے واسطے مسجد کے اندر مقتدیوں میں چندہ کرتا ہے، اس کو مسافروں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیتے ہیں، آیا یہ امر اس طرح مسجد کے اندر جائز ہے؟

جواب: جائز ہے جبکہ وُہ چندہ کرنے والا خود اس میں سے نہ لیتا ہو، بلکہ مسجد میں مسکین کے لیے اس طرح چندہ کرنا خود سنّت سے ثابت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص302)

سوال: بے ضرورتِ شرعی سوال کرنا اور ان کو دینا کیسا ہے؟ اور اگر بن مانگے کوئی دے تو لینا کیسا ہے؟

جواب: بے ضرورتِ شرعی سوال کرنا حرام ہے، اور جن لوگوں نے باوجود قدرت کسب بلاضرورت سوال کرنا اپنا پیشہ کر لیا ہے وہ جو کچھ اس سے جمع کرتے ہیں سب ناپاک و خبیث ہے اور ان کا یہ حال جان کر اُن کے سوال پر کچھ دینا داخلِ ثواب نہیں بلکہ ناجائز و گناہ، اور گناہ میں مدد کرنا ہے۔ اور جب انھیں دینا ناجائز تو دلانے والا بھی دال علی الخیر (خیر پر راہنمائی کرنے والا) نہیں بلکہ دال علی الشر (شر پر راہنمائی کرنے والا) ہے۔

لیکن اگر بے سوال کوئی کچھ دے جیسے لوگ علماء و مشائخ کی خدمت کرتے ہیں تو اس کے لے لینے میں کوئی حرج نہیں بلکہ نیت نیک ہو تو دینے اور لینے والے دونوں داخلِ ثواب ہیں خصوصاً جبکہ لینے والا حاجت رکھتا ہو، سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو کچھ عطا بھیجی اُنھوں نے واپس حاضر کی کہ حضور نے ہمیں حکم دیا تھا کہ کسی سے کچھ نہ لینے میں بھلائی ہے، فرمایا: یہ بحالتِ سوال ہے اور جو بے سوال آئے وُہ تو ایک رزق ہے کہ مولیٰ تعالیٰ نے تجھے بھیجا، امیر المومنین نے عرض کی واللہ اب کسی سے کچھ

سوال نہ کروں گا اور بے سوال جو چیز آئے گی لے لوں گا۔ (صحیح البخاری، باب من اعطاہ اللہ شیئا من غیر مسئلۃ، ج1، ص119، قدیمی کتب خانہ کراچی)(ص303)

سوال: زید مالدار ہے چھ سات ہزار روپے یا کچھ کم و بیش کی زمین رکھتا ہے اور اس پر پانچ چھ سو روپیہ قرض ہے، آیا وہ زمین بیچ کر قرض ادا کرے یا بھیک مانگ کر، شرعاً اس کو اس غرض سے بھیک مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اگر اس کا ذریعۂ رزق اس زمین کے سوا کچھ نہیں، نہ وہ کسی کسب پر قادر ہے نہ اس زمین کا کوئی حصہ جدا کرکے باقی لائق کفایت بچے یا کوئی حصہ لینے پر راضی نہ ہو، غرض یہ کہ سوائے سوال جمیع اسباب بند ہوں تو بحکم ضرورت بقدرِ ضرورت سوال حلال، ورنہ حرام۔ (ص304)

سوال: ایک شخص حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام پر غرباء و مساکین کو ہر ماہ کھانا کھلاتے ہے، اگر وہ غرباء کو کھانا کھلانے کے بجائے ایک سید زادے کی دینی تعلیم پر خرچ کردیں تو کیا یہ اس کا نعم البدل ہوجائے گا؟ اور ثواب میں کمی تو نہیں آئے گی؟ بالخصوص جبکہ تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے سید زادے کے بدعقیدہ ہونے کا اندیشہ ہو۔

جواب: یہ اُس کا نعم البدل ہوگا اور ثواب میں کمی کیا معنی، اُس سے ستر گنا ثواب کی زیادہ اُمید ہے بطور مذکور کھانا پکا کر کھلانے یا بانٹنے میں ایک کے دس ہیں۔ اور طالبِ علمِ دین کی اعانت میں کم سے کم ایک کے سات سو۔

جبکہ اس میں حفظِ ہدایت ہو، صحیح حدیث ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں ((لان یھدی اللہ بک رجلا خیر لک مما طلعت علیک شمس و غربت)) ترجمہ: تیری وجہ سے کسی ایک کا ہدایت پاجانا ہر اس شئی سے بہتر ہے جس پر طلوعِ آفتاب ہو۔ (الجامع الصغیر مع فیض القدیر، حدیث ۷۲۱۹، ج5، ص259، دار المعرفۃ، بیروت)(ص305)

بطورِ پیشہ کے بھیک مانگنے پر وعیدیں

سوال: پیشہ ور گداگری کرنا کا کیا حکم ہے؟

جواب: جو اپنی ضروریات شرعیہ کے لائق مال رکھتا ہے یا اس کے کسب پر قادر ہے اُسے سوال حرام ہے اور جو اس مال سے آگاہ ہو اُسے دینا حرام، اور لینے اور دینے والا دونوں گنہگار و مبتلائے آثام۔ صحاح میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں ((لاتحل الصدقۃ لغنی ولذی مرۃ سوی)) ترجمہ: صدقہ حلال نہیں ہے کسی غنی کے لیے، نہ کسی تندرست کے لیے۔ (جامع الترمذی، ابواب الزکوٰۃ، ج1، ص83، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی)

نیز صحاح میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں ((من سأل الناس ولہ مایغنیہ جاء یوم القیامۃ ومسئلتہ فی وجھہ خموش)) ترجمہ: جو لوگوں سے سوال کرے اور اس کے پاس وہ شئے ہو جو اُسے بے نیاز کرتی ہو روزِ قیامت اس حال پر آئیگا کہ اُس کا وہ سوال اس کے چہرہ پر خراش و زخم ہو۔ (جامع الترمذی، ابواب الزکوٰۃ، ج1، ص82، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی)

نیز فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ((من سأل الناس اموالھم تکثرا فانما یسأل جمر جھنم فلیستقل منہ او یستکثر)) ترجمہ: جو اپنا مال بڑھانے کے لیے لوگوں سے اُن کے مال کا سوال کرتا ہے وہ جہنم کی آگ کا ٹکڑا مانگتا ہے اب چاہے تھوڑی لے یا بہت۔ (صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، ج1، ص333، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

نیز فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ((من سأل من غیر فقر فانما یاکل الجمر)) ترجمہ: جو بے حاجت وضرورت شرعیہ سوال کرے وہ جہنم کی آگ کھاتا ہے۔ (مسند احمد بن حنبل، حدیث حبشی بن جنادۃ السلولی رضی اللہ عنہ، ج4، ص165، دار الفکر، بیروت) (ص 307)

سوال: میلاد شریف اور گیارھوں شریف اور فاتحہ اولیاء اللہ کی شیرینی کھانا اور شربت محرّم کا پینا درست ہے یا نہیں؟ جو شخص کہے کہ یہ فقراء ومساکین کے علاوہ پر حرام ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ یہ شخص مقلد ہے یا غیر مقلد؟ اس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: اشیاءِ مذکورہ سے کوئی چیز نہ زکوٰۃ ہے نہ صدقہ واجبہ، اس کا کھانا غنی، فقیر، سیّد وغیرہ سب کو بالاتفاق حلال ہے، اُسے سوائے مساکین اوروں پر حرام بتانے والا اللہ عزوجل پر افتراء کرتا ہے اور سخت عذاب شدید کا مستحق ہے۔

معہذا ان اشیاء میں تصدق کی نیت نہیں ہوتی بلکہ عام حاضرین پر ہدیہ تقسیم اور ہدیہ یقیناً مطلقاً سب کے لیے جائز اور زمانہ رسالت سے علی العموم بلا تخصیص مساکین رائج ہے، ایسا شخص کہ صراحۃً اللہ ورسول پر افتراء کرتا ہے اور حلالِ خدا کو حرام بتاتا ہے، اگر جاہل بے علم ہے اور اپنے قولِ باطل پر مُصِر ہے تو دو وجہ سے فاسق ہے: اولا حلال کو حرام کرنا، دوسرے بے علم فتویٰ دینا، حلال حرام میں زبان کھولنا۔۔۔اور فاسق کی امامت مکروہِ تحریمی ہے۔۔۔اور اگر ذی علم ہے تو اُس حکم اور سخت تر ہے کہ وہ دانستہ اللہ عزوجل پر افتراء کرتا ہے۔

اور اس کے غیر مقلد ہونے میں شک نہیں وہ نہ حنفی ہے نہ شافعی نہ مالکی نہ حنبلی کہ کسی مذہب میں ہدیہ تقسیم اغنیاء پر حرام نہیں، ہاں وہ شیطان کا مقلد ہے، جس نے صحابہ کرام کے زمانہ سے اس وقت تک تمام مسلمانوں کو مرتکبِ حرام واکلِ حرام بنانے کا ناپاک وسوسہ اُس کے بے باک دل میں ڈالا اور غیر مقلد کے پیچھے نماز حرام بلکہ محض باطل ہے۔ (ص 309)

سوال: ایک شخص اہل وعیال رکھتا ہے اپنی ماہانہ یا سالانہ آمدنی سے بلا افراط وتفریط اپنے بال بچوں پر ایک حصہ خرچ کرکے باقی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیتا ہے، آئندہ کو اہل عیال کے لیے کچھ نہیں چھوڑتا، اور دوسرا شخص آمدنی کا ایک حصہ بچوں پر خرچ کرتا ہے، دوسرا حصہ خیرات کرتا اور تیسرا حصہ آئندہ ان کی ضرورتوں میں کام آنے کی غرض سے رکھ چھوڑتا ہے، ان دونوں میں افضل کون ہے؟

جواب: حُسنِ نیت سے دونوں صورتیں محمود ہیں، اور باختلافِ احوال ہر ایک افضل، کبھی واجب، ولہذا اس بارہ میں احادیث بھی مختلف آئیں اور سلف صالح کا عمل بھی مختلف رہا۔

اس میں قول موجز وجامع اِن شاء اللہ تعالیٰ یہ ہے کہ آدمی دو قسم ہیں (1) منفرد کہ تنہا ہو (2) اور معیل کہ عیال رکھتا ہو۔

سوال اگرچہ معیل سے متعلق ہے مگر ہر معیل اپنے حق نفس میں منفرد اور اس پر اپنے نفس کے لحاظ سے وہی احکام ہیں جو

منفرد پر ہیں لہٰذا دونوں کے احکام سے بحث درکار۔

اوّل: ذو اہلِ انقطاع (دنیا سے منقطع) وتبتل الی اللہ (اللہ تعالٰی کی طرف متوجہ) اصحابِ تجرید وتفرید جنھوں نے اپنے رب سے کچھ نہ رکھنے کا عہد باندھا ان پر اپنے عہد کے سبب ترکِ ادّخار (ذخیرہ نہ کرنا) لازم ہوتا ہے اگر بچا رکھیں تو نقضِ عہد ہے اور بعد عہد پھر جمع کرنا ضرور ضعفِ یقین سے ناشئی یا اُس کا موہم ہوگا، ایسے اگر کچھ بھی ذخیرہ کریں مستحقِ عقاب ہوں، حضور پُر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس کچھ ٹُرمے (کھجوریں) جمع دیکھے، فرمایا: یہ کیا ہے؟ عرض کی ((شئی ادخرتہ لغد)) میں نے آئندہ کے لیے جمع کر رکھے ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے ((اعد ذٰلك لا ضيافك)) حضور کے مہمانوں کے خیال سے انھیں رکھا ہے۔ فرمایا ((اما تخشی ان یکون لك دخان فی نار جھنم انفق یا بلال ولا تخش من ذی العرش اقلالا)) کیا ڈرتا نہیں کہ تیرے آتشِ دوزخ کا دُھواں ہو، اے بلال! خرچ کر اور عرش کے مالک سے کمی کا اندیشہ نہ کرو۔ (شعب الایمان، باب فی الزکوۃ، حدیث ۳۳۴۸، ج3، ص209، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

ایک بار انہی بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا: اے بلال! فقیر مرنا اور غنی ہوکر نہ مرنا، عرض کی: اس کی دی سبیل ہے؟ فرمایا: جو ملے نہ چھپانا اور جو مانگا جائے منع نہ کرنا (ظاہر کے جب نہ مال چھپانا ہو نہ کسی سوال رَد کیا جائے تو سائلین کسی وقت بھی کچھ پاس نہ چھوڑیں گے) عرض کی: ایسا کیونکر کروں؟ فرمایا ((ھو ذاك او النار)) یا تو یونہی کرنا ہوگا یا آگ۔

(المعجم الکبیر، مروی از بلال رضی اللہ عنہ، حدیث ۱۰۲۱، ج1، ص341، المکتبۃ الفیصلیہ، بیروت)

دوم: فقر وتوکل ظاہر کرکے صدقات لینے والا اگر یہ حالت مستمر رکھنا چاہے تو اُن صدقات میں سے کچھ جمع کر رکھنا اُسے ناجائز ہوگا کہ یہ دھوکا ہوگا اور اب جو صدقہ لے گا حرام وخبیث ہوگا، انہی دونوں باب سے ہیں وہ احادیث جن میں ایک اشرفی ترکہ چھوڑنے والے کو ایک داغ فرمایا، دو پر دو، تین پر تین یعنی فی اشرفی ایک داغ دیا جائیگا۔ (مسند احمد بن حنبل، مروی از ابوامامہ، ج5، ص253، دارالفکر، بیروت)

ظاہر ہے کہ ان حدیثوں کا محل ذ ہ نہیں ہوسکتا جو آیۂ کریمہ ﴿والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم ○ یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون﴾ (ترجمہ: جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے رہتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انھیں دردناک عذاب کی بشارت دیجئے کہ جس دن جہنم کی آگ میں انھیں پگھلایا جائے گا اور ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھیوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ خزانہ جسے تم اپنے لیے جمع کرتے تھے اب اپنے جمع کیے ہوئے کا عذاب چکھو۔) کا محل ہے کہ جب زکوٰۃ دے دے حقوقِ واجبۂ شرعیہ ادا کردے کنز نہ رہا اور سبیل اللہ میں خرچ نہ کرنا صادق نہ آیا لہٰذا استحقاقِ داغ نہ رہا۔ اور یہ اس لیے کہ بیس دینار سے کم پر نہ زکوٰۃ ہے نہ کوئی صدقہ واجبہ۔ لاجرم یہاں استحقاقِ داغ انہی دو وجہ سے ایک پر ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے﴿ واوفوا بالعهد ان العهد كان مسئولا﴾ ترجمہ: عہد پُورا کرو عہد کے بارے میں پُوچھا جائے گا۔ (القرآن،۱۷/۳۴)

قوت القلوب اور الترغیب میں ہے''انما کان کذلك لانه ادّخر مع تلبسه بالفقر ظاهرا و مشاركته الفقراء فيما يأتيهم من الصدقة'' ترجمہ: یہ داغ اس لیے ہے کہ ذخیرہ کرنے کے ساتھ اس نے ظاہراً فقر کا اظہار کیا اور وہ صدقات میں فقراء کے ساتھ شریک ہو گیا۔ (الترغیب والترھیب، کتاب الصدقات الترغیب فی الانفاق فی وجوہ الخیر الخ، ج2، ص58، مصطفے البابی، مصر)

یہ اُسی تقدیر ہے کہ داغ سے مراد عیاذاً باللہ آتشِ دوزخ میں تپا کر داغ دینا ہو، اور اگر اس سے دھبّا مراد ہو یعنی اس کے جمال و نورانیت میں وہ ایسے معلوم ہوں گے جیسے چہرہ چیچک وغیرہ کا داغ، اور جن موردوں کے بارے میں یہ حدیثیں آئیں وہاں بلاشبہ یہی معنی دوم انسب و اقرب ہیں تو وہ ان دونوں قسموں سے الگ ہیں۔

سوم : جسے اپنی حالت معلوم ہو کہ حاجت سے زائد جو کچھ بچا کر رکھتا ہے نفس اُسے طغیان و عصیان پر حامل ہوتا' یا کسی معصیت کی عادت پڑی ہے اس میں خرچ کرتا ہے تو اس پر معصیت سے بچنا فرض ہے اور جب اُس کا یہی طریقہ معین ہو کہ باقی مال پانے پاس نہ رکھے تو اس حالت میں اس پر حاجت سے زائد سب آمدنی کو مصارفِ خیر میں صرف کر دینا لازم ہوگا۔

چہارم : جو ایسا بے صبرا ہو کہ اُسے فاقہ پہنچے تو معاذ اللہ رب عزوجل کی شکایت کرنے لگے اگرچہ صرف دل میں، نہ زبان سے، یا طرق ناجائز مثل سرقہ (چوری) یا بھیک وغیرہ کا مرتکب ہو، اس پر لازم ہے کہ حاجت کے قدر جمع رکھے، اگر پیشہ ور ہے کہ روز کا روز کھاتا ہے' تو ایک دن کا، اور ملازم ہے کہ ماہوار ملتا ہے یا مکانوں دکانوں کے کرایہ پر بسر ہے کہ مہینہ پیچھے آتا ہے' تو ایک مہینہ کا، اور زمیندار ہے کہ فصل یا سال پر پاتا ہے تو چھ مہینہ یا سال بھر کا، فان درء المفاسد اهم من جلب المصالح (مصالح کے حصول سے مفاسد کا ختم کرنا اہم ہوتا ہے) اور اصل ذریعۂ معاش مثلاً آلاتِ حرفت یا دکان مکان دیہات بقدر کفایت کا باقی رکھنا تو مطلقاً اس پر لازم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((من رزق فی شئی فلیلزمه)) ترجمہ: جو شئی کسی کا ذریعۂ رزق ہو وُہ اسے لازم پکڑے۔ (شعب الایمان، باب التوکل والتسلیم، حدیث ۱۲۴۱، ج2، ص89، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

دوسری حدیث میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ((مامن عبد يبيع تالداً الاسلط الله عليه تالفا)) ترجمہ: جو بندہ قدیم جائیداد کو بیچ دے اللہ تعالیٰ اس پر تلف کونے والا مسلط کر دیتا ہے۔ (المعجم الکبیر، مروی از عمران بن حصین، ج18، ص222، المکتبۃ الفیصلیہ، بیروت)

پنجم : جو عالمِ دین مفتیِ شرع یا مدافع بدع ہو اور بیت المال سے رزق نہیں پاتا، جیسا یہاں ہے، اور وہاں اس کا غیر ان مناصب دینیہ پر قیام نہ کرسکے کہ افتایا دفع بدعات میں اپنے اوقات کا صرف کرنا اس پر فرضِ عین ہو اور وُہ مال و جائداد رکھتا ہے جس کے باعث اسے غنا اور ان فرائضِ دینیہ کے لیے فارغ البالی ہے کہ اگر خرچ کر دے محتاجِ کسب ہو اور ان امور میں خلل پڑے، اس پر بھی اصل ذریعہ کا ابقا اور آمدنی کا بقدر مذکور جمع رکھنا واجب ہے فان مقدمة الفريضة فريضة (کسی فریضہ کا مقدمہ فرض

ہوتا ہے۔) ایسے عالم کو جہاد کے لیے جانے کی اجازت نہیں کسبِ مال میں وقت صرف کرنے کی کیونکر اجازت ہوسکتی ہے۔

ششم: اگر وہاں اور بھی عالم یہ کام کر سکتے ہوں تو ابقاء و جمع مذکور اگرچہ واجب نہیں مگر اہم و موکد بیشک ہے کہ علمِ دین و حمایتِ دین کے لیے فراغ بال، کسبِ مال میں اشتغال سے لاکھوں درجے افضل ہے معہذا ایک سے دو اور دو سے چار بھلے ہوتے ہیں، ایک کی نظر کبھی خطا کرے تو دوسرے اسے صواب کی طرف پھیر دیں گے، ایک کو مرض وغیرہ کے باعث کچھ عذر پیش آئے تو جب اور موجود ہیں کام بند نہ رہے گا لہٰذا تعددِ علمائے دین کی طرف ضرور حاجت ہے۔

ہفتم: عالم نہیں مگر طلبِ علمِ دین میں مشغول ہے اور کسب میں اشتغال اُس سے مانع ہوگا تو اس پر بھی اُسی طرح ابقاء و جمع مسطور آکدہ و اہم ہے۔

ہشتم: تین صورتوں میں جمع منع ہُوئی، دو میں واجب، دو میں مؤکدہ۔ جو ان آٹھ سے خارج ہو، وہ اپنی حالت پر نظر کرے اگر جمع نہ رکھنے میں اس کا قلب پریشان ہو توجہ بعبادت و ذکرِ الٰہی میں خلل پڑے تو بمعنی مذکور بقدرِ حاجت جمع رکھنا ہی افضل ہے اور اکثر لوگ اسی قسم کے ہیں۔

شب چو عقد نماز بر بندم ۔ چہ خورد بامداد فرزندم

ترجمہ: رات کو نماز میں دل کیا لگے جب یہ پریشانی ہو کہ صبح بچے کیا کھائیں گے۔

یہاں وہ لوگ مراد ہیں جن کو توجہ بخدا کا قصد ہے ورنہ منھمکین فی الدنیا تو کسی وقت بھی متوجہ نہیں ہوتے، غنی ہوں تو بھول جائیں۔

نہم: اگر جمع رکھنے میں اس کا دل متفرق اور مال کے حفظ یا اس کی طرف یا میلان سے متعلق ہو تو جمع نہ رکھنا ہی افضل ہے کہ اصل مقصود ذکرِ الٰہی کے لیے فراغ بال ہے جو اُس میں مخل ہو وہی ضم ہے۔

دھم: اصحاب نفوس مطمئنہ ہوں، عدم مال سے اُن کا دل پریشان نہ وجودِ مال سے ان کی نظر، وہ مختار ہیں۔ حق سبحانہٗ اپنے نبی سیّدنا سلیمان علیہ السلام سے فرماتا ہے ﴿ھذا عطآؤنا فامنن او امسک بغیر حساب﴾ ترجمہ: یہ ہماری عطا ہے اب تُو چاہے تو احسان کر یا روک رکھ، تجھ پر کچھ حساب نہیں۔ (القرآن ۳۸/۳۹)

یازدھم: حاجت سے زیادہ کا مصارفِ خیر میں صرف کر دینا اور جمع نہ رکھنا صورتِ سوم میں تو واجب تھا باقی جملہ صُوَر میں ضرور مطلوب، اور جوڑ کر رکھنا اس کے حق ناپسند و معیوب کہ منفرد کو اس کا جوڑنا طولِ امل یا حبِ دنیا ہی سے ناشئ ہوگا اور طولِ امل غرور ہے، اور دُنیا اشر الشرور۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں ((کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل وعدّ نفسک من اصحاب القبور اذا اصبحت فلا تحدّث نفسک بالمساء واذا امسیت فلا تحدث نفسک بالصباح)) ترجمہ: دنیا میں یُوں رہ گویا تُو مسافر بلکہ راہ چلتا ہے اور اپنے آپ کو قبر میں سمجھ کر صبح کرے تو دل یہ خیال نہ لا کہ شام ہو

گی، اور شام ہو تو یہ نہ سمجھ کہ صبح ہو گی۔ (جامع الترمذی، ابواب الزہد، باب ماجاء فی قصر الامل، ج2، ص57، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی)

یہ سب منفرد کا بیان، رہا عیالدار ظاہر ہے کہ وہ اپنے نفس کے حق میں منفرد ہے، تو خود اپنی ذات کے لیے اُسے انھیں احکام کا لحاظ چاہیئے اور عیال کی نظر سے اس کی صورتیں اور ہیں ان کا بیان کریں۔

دوازدھم : عیال کی کفایت شرع نے اس پر فرض کی وہ ان کو توکل وتبتل وصبر علی الفاقہ پر مجبور نہیں کر سکتا، اپنی جان کو جتنا چاہے کَسے مگر ان کو خالی چھوڑنا اس پر حرام ہے۔

• حضور پُر نور سیّد المتوکلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے نفس کریم کے لیے کل کا کھانا بچا رکھنا پسند نہ فرماتے۔۔ اور اپنی عیال کے لیے مال سال بھر کا قوت جمع فرمادیتے۔

سیزدھم : وہ جس کی عیال میں صورت چہارم کی طرح بے صبرا ہو اور بے شک بہت عوام ایسے نکلیں گے تو اس کے لحاظ سے تو اس پر دوہرا وجوب ہوگا کہ قدر حاجت جمع رکھے۔

چہاردھم : ہاں جس کی سب عیال صابر ومتوکل ہوں اسے روا ہوگا کہ سب راہِ خدا میں خرچ کردے۔ سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک بار صدقہ کا حکم فرمایا، امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مَیں خوش ہُوا کہ اگر صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سبقت لے جاؤں گا تو اس بار میرے پاس مال بہت ہے اور ان کے پاس کم۔ فاروق اپنے تمام مال کا نصف حاضر لائے۔ ارشاد ہُوا: عیال کے لیے کیا چھوڑا؟ عرض کی: اتنا ہی۔

صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام وکمال اتنا اپنا سارا مال حاضر لائے، ارشاد ہُوا: عیال کے لیے کیا چھوڑا؟ عرض کی: اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ حضور اقدس نے فرمایا ((بینکما مابین کلمتیکما)) ترجمہ: تم دونوں کے مرتبوں میں وُہ فرق ہے جو تمھاری ان باتوں میں ہے۔

اگر صاحب جائیداد ہے اور اسکی آمدنی خرچ سے زائد ہے تو اس کی آمدنی سے بقدر خرچ رکھ کر باقی کا تصدق مطلقاً افضل ہے، اگر دخل ماہانہ ہے تو ایک مہینہ کا خرچ رکھ کر، اور سالانہ تو ایک سال کا، اس سے زائد کا جمع رکھنا حرص وحُبِ دنیا سے ناشئی ہوتا ہے، اور حُبِ دنیا خطا کی جڑ ہے۔ صحیحین میں امیر المومنین فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے ((ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان ینفق علیٰ اھلہ نفقۃ سنتھم من ھذا المال ثم یاخذ مابقی فیجعلہ مجعل مال اللہ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی مال سے اپنے اہل پر سال بھر خرچ کرتے پھر بقیہ کو اللہ کے راہ میں خرچ کردیتے۔ (صحیح البخاری، کتاب النفقات، ج2، ص806، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

اور اگر جائداد نہیں رکھتا عیال کے لیے اتنا پس انداز کرنا کہ اگر یہ مرجائے تو وہ اس بقیہ سے منتفع ہوں اور انھیں بھیک مانگنی نہ پڑے افضل ہے۔

اوراس کی مقدار جواُن کے لیے چھوڑنا مناسب ہے ہمارے امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چار ہزار درہم مروی ہے یعنی ہر ایک کو اتنا حصّہ پہنچے، اور امام ابوبکر فضل سے دس ہزار درہم، اور اگر ان کے حصّے مختلف ہیں تو لحاظ اس کا کیا جائیگا جس کا حصّہ سب سے کم ہے، اور اس سے زیادہ ٹھہر (اس سے زیادہ جمع کرنا) ہوس ہے۔

ہاں اگر عیال خود غنی ہوں تو پس انداز نہ کرنا ہی افضل، یُونہی اگر فاسق ہوں کہ مال معصیت میں خرچ کریں گے تو اُن کے لیے کچھ نہ چھوڑنا ہی بہتر۔ (ص311تا326)

سوال: ہم ہر سال حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گیارھویں میں سو من بریانی پکوا کر نیاز دلاتے ہیں اور مساکین کو تقسیم کرتے ہیں، کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ اس سال یہ رقم لشکرِ عثمانیہ کے شہداء و یتامیٰ کی امداد کے لیے بھیج دی جائے اور گیارھویں شریف تھوڑی نیاز پر دلا دی جائے؟

جواب: یہی بہتر ہے کہ قدرے نیاز دے کر دُوہ تمام قیمت امداد مجاہدین میں بھیج دی جائے اور اس کا ثواب بھی نذرِ رُوح اقدس حضرت سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا جائے۔ (ص327)

سوال: زید چاہتا ہے کہ زکوٰۃ کی رقم سے کوئی جائیداد خرید کر فقراء پر وقف کردے، کیا ایسا کرسکتا ہے؟

جواب: زکوٰۃ تملیکِ فقیر ہے، نہ جائیداد خریدنے سے ادا ہوسکتی ہے نہ جائیداد فقراء پر وقف کردینے سے۔ ہاں اگر وُہ روپیہ کسی فقیر مصرفِ زکوٰۃ کو باجازتِ شرعی دے کر بہ نیتِ زکوٰۃ مالک کردے تو اُس فقیر کی اجازت سے اس کی جائیداد خرید کر وقفِ فقراء کرے تو یہ صورت بہت مستحسن ہے اور اُس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ مثلاً دس ہزار روپیہ زکوٰۃ کے دینے ہیں اور چاہتا ہے کہ ان کی جائداد خرید کر وقفِ فقراء کرے تو کسی فقیر مصرفِ زکوٰۃ کے ہاتھ مثلاً سو پچاس روپیہ کا مال ہزار روپیہ کو بیچے اور وہ قبول کرلے تو دس ہزار روپیہ اس کو بہ نیتِ زکوٰۃ اور اُس قمت کے مطالبہ میں واپس لے کر اُن کی جائیداد خرید کر وقفِ فقراء کردے، یوُں وقف بھی ہوجائیگا اور زکوٰۃ بھی ادا ہوجائیگی اور فقیر کو بھی سو پچاس روپیہ کا مال مل جائے گا اور وُہ بعد ادائے زکوٰۃ دس ہزار روپیہ واپس دینا نہ چاہئے یہ جبراً لے سکتا ہے کہ اس کا اتنا اس پر آتا ہے۔ (ص327)

سوال: فقہاء حربی کافر پر صدقہ کرنے سے منع کرتے ہیں، جبکہ حدیث شریف میں ہے ((تصدقوا علی اهل الادیان کلها)) ترجمہ: تمام دینوں والوں پر صدقہ کرو۔ (کنزالحقائق، ج1، ص232، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

اور دوسری حدیث سے ثابت ہے کہ ہر جاندار سے بھلائی صدقہ ہے۔

جواب: ((تصدقوا علی اهل الادیان کلها)) میں امر بتصدق ہے اور تصدق قربت، جہاں قربت نہ ہو صدقِ تصدق محال ہے اور بہ تصریح ائمہ اہل حرب کو کچھ دینا اصلاً قربت نہیں تو وہاں صدق تصدق ناممکن اور قطعاً حاصلِ حدیث یہ کہ جن

کو دینا قربت ہے وہ کسی دین کے ہوں ان پر تصدق کردیہ ضرور صحیح ہے اور صرف اہلِ ذمّہ کو شامل نصرانی ہوں خواہ یہودی خواہ مجوسی خواہ وثنی، کسی دین کے ہوں اگر وہ قول لیں کہ غنی کو دینا صدقہ نہیں ہوسکتا تو مسلمان غنی بھی اس عموم ((اھل ادیان کلھا)) میں نہیں آسکا کہ وہ محلِ صدقہ ہی نہیں اور کلام تصدق میں ہے۔

یہی جواب اس حدیث سے ہے کہ ہر جاندار سے بھلائی صدقہ ہے، ورنہ صحیح مسلم شریف کی صحیح حدیث میں فرمایا کہ جو وزغ کو ایک ضرب مارے سَو نیکیاں پائے۔ (صحیح مسلم، کتاب قتل الحیات، باب استحباب قتل الوزغ، ج2، ص236 قدیمی کتب خانہ کراچی)

دوسری حدیث میں ہے: جس نے سانپ کو قتل کیا اس نے گویا ایک مشرک حلال الدم کو قتل کیا۔

(مسند احمد بن حنبل، مروی از عبداللہ بن مسعود، ج1، ص395، دار الفکر، بیروت)

کفار کی نسبت تو قرآن عظیم میں ہے ﴿فاقتلوھم حیث ثقفتموھم﴾ ترجمہ: اور ان کو جہاں پاؤ مارو۔ (القرآن ۲/۱۹۱ و ۴/۹۱)

تو وہ اصلاً محلِ احسان نہیں۔ (ص328)

روزے کا بیان

سوال: کسی نے حرام کھانا کھا کر روزہ رکھا اور حرام چیز سے افطار کیا، فرضِ روزہ اُس پر سے ساقط ہُوا ہے یا نہیں؟

جواب: بیشک صورتِ مستفسرہ میں فرض ساقط ہوگیا فان الصوم انماھو الامساك من المفطرات الثلثة من الفجر الی اللیل ترجمہ: روزہ صبح سے لے کر شام تک تین چیزوں یعنی کھانا، پینا اور ہمبستری سے رک جانا ہے۔

سحری کھانا یا افطار کرنا روزے کی حقیقت میں داخل نہ اس کی شرائط سے، پھر اگر یہ مالِ حرام سے واقع ہوئی تو اس کا گناہ جُدا رہا مگر سقوطِ فرض میں شبہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص331)

سوال: ایک حافظ قرآن رمضان کا فرض روزہ نہیں رکھتا اور عذر یہ بیان کرتا ہے کہ رات کو تراویح میں قرآن سناتا ہوں، کیا اس کا یہ عذر قابلِ قبول ہے؟

جواب: تراویح میں ختمِ قرآن سنت سے بڑھ کر نہیں، سنت اور فرض میں جو فرق ہے وُہ نہایت ہی ظاہر و باہر ہے، یہ کتنی بیوقوفی اور کم عقلی ہے کہ سنت کی خاطر فرض چھوڑ دیا جائے، یہ دین برگشتگی، بلکہ یہ جُھوٹا بہانہ سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ قرأت قرآن روزہ رکھنے سے مانع نہیں ہوسکتی۔ پُوری دُنیا میں ہزار ہا حفّاظِ قرآن جن میں بُوڑھے، بچّے اور کمزور شامل ہیں دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات کو قرآن سناتے ہیں اور کبھی کسی کو ایسا معاملہ نقصان دہ نہیں ہُوا اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ روزہ بھی صحت ہے اور قرآن سراپا شفا ہے لیکن اعتقاد کا صحیح ہونا ضروری ہے تا کہ اللہ تعالیٰ یہ نفع عطا فرمائے۔

کسی طرح بھی یہ باور نہیں کیا جاسکتا کہ اس شخص کو قرأتِ روزہ رکھنے سے مانع ہے، یہ صرف عذر باطل، کم ہمتی اور العیاذ باللہ اگر بالفرض قرآن پڑھنا اتنا کمزور کردیتا ہے کہ اسے روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رہتی تو اس صورت میں اس کے لیے قرآن پڑھنا نہ سنت ہے نہ باعثِ ثواب، بلکہ حرام اور موجبِ عذاب ہے۔ جس طرح کوئی شخص قرآن کی تلاوت اتنی طویل کرے کہ نماز کا وقت ہی فوت ہوجائے تو وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کے تحت داخل ہوگا ((رب تالی القرأن والقرآن یلعنه)) ترجمہ: بہت سے لوگ قرآن پڑھتے ہیں مگر قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔" (المدخل لابن الحاج، بیان فضل تلاوۃ القرآن الخ، ج1، ص85، دار الکتاب العربی، بیروت)

علماء نے مطلقاً فرمایا ہے کہ جو بھی عمل روزہ رکھنے سے کمزور کرے یا مانع ہو وہ جائز نہیں۔

اگر روزے کی وجہ سے کوئی شخص اتنا کمزور ہوجاتا ہے کہ نماز میں قیام کی طاقت نہیں بلکہ وہ روزہ رکھے اور نماز بیٹھ کر ادا کرے۔ سبحان اللہ! علماء کے نزدیک روزہ کی خاطر نماز میں قیام ساقط ہوجاتا ہے حالانکہ یہ قیام فرض ہے صورتِ مذکورہ میں تو سنت کی خاطر نہیں بلکہ حصول امامت پر تفاخر کے لیے روزۂ رمضان ترک کیا جارہا ہے بلکہ ناجائز، حرام اور گناہ فعل کے لیے ترک

ہے، اللہ نے تجھ پر روزۂ رمضان فرضِ عین فرمایا ہے اور تراویح میں قرآن ختم کرنا نہ فرض نہ سنّتِ عین۔ اگر بسبب کثرت تلاوت دور کی وجہ سے جو حفّاظ کے لیے ناگزیر ہوتا ہے ایسا ضُعف لاحق ہونے کا خطرہ ہے تو یہ بوجھ اپنے اوپر ادا کرے اور روزہ رکھے، فرض کو بجالائے اور سنّت بھی حاصل کرے، اور اگر اس قدر کی بھی طاقت نہیں تو تمام قرآن تراویح میں نہ پڑھے اور نہ سُنے، جس طریقہ سے بیس تراویح ادا کرنے پر قادر ہے ادا کرے۔ (ص332تا335)

سوال: نابالغ لڑکا کہ نوافل میں قرآن شریف پڑھتا ہے اگر بوجہ کثرت ضعف ومحنت دَور، روزہ نہ رکھے تو کیا حکم ہے؟

جواب: نابالغ پر تو قلمِ شرع جاری ہی نہیں وُہ اگر بے عذر بھی افطار کرے اُسے گنہ گار نہ کہیں گے۔ مگر بیان کرنا اس کا ہے کہ بچہ جیسے آٹھویں سال میں قدم رکھے اس کے ولی پر لازم ہے کہ اسے نماز روزے کا حکم دے، اور جب اُسے گیارھواں شروع ہو تو ولی واجب ہے کہ صوم وصلوٰۃ پر مارے بشرطیکہ روزے کی طاقت ہو اور روزہ ضرر نہ کرے۔

اور پُر ظاہر کہ یہ احکام حدیث وفقہ میں مطلق وعام، تو ولی نابالغ ہفت سال (سات سال کے نابالغ) یا اس سے بڑے کہ اُسی وقت ترکِ صوم کی اجازت دے سکتا ہے جبکہ فی نفسہٖ روزہ اُسے ضرر پہنچائے ورنہ بلا عذر شرعی اگر روزہ چُھڑائے گا یا چھوڑنے پر سکوت کرے گا گنہ گار ہوگا کہ اس پر امر یا ضرب شرعاً لازم اور تارک واجب۔

اور دَورِ کلام اللہ کی محنت عذر افطار نہیں۔ اوّلاً اکثر ہوتا ہے کہ بچّے بہت جوان قوی تندرست لوگ ایسے امور میں کم ہمتی کو بے قدرتی سمجھ لیتے حالانکہ کمرِ ہمّت چست باندھیں تو کھل جائے کہ عجز سمجھنا صرف وسوسہ تھا' اور واقعہ میں عجز ہو بھی یعنی روزہ رکھ کر کلام اللہ شریف پر محنتِ شاقہ نہیں ہوسکتی تو راہ یہ ہے کہ روزہ رکھوائیں اور قرآن مجید کا جتنا شغل بے کلفت (بلا تکلیف) ہوسکے لیں' اور جس قدر کی طاقت نہ دیکھیں بعد رمضان دورِ آئندہ پر ملتوی رکھیں کہ شرعاً صیام کے لیے ایام معیّن ہیں جن کے فوت سے ادا ہوگیا اور دور کے لیے کوئی دن مقرر نہیں ہمیشہ وہر وقت کرسکتے ہیں فرض کیجئے اگر مرد نوجوان تندرست مقیم کی یہی حالت ہوتی ہے کہ روزے کے ساتھ محنت دَور نہ کرسکتا تو کیا شرع اسے اجازت دیتی کہ دُور کے لیے روزہ ترک کرے، حاشاو کلّا، بلکہ لازم فرماتی کہ روزہ رکھ اور دَور دَور دیگر پر موقوف رکھ، تو معلوم ہوا اسی میں خیر ہے، اور اس کے عکس میں شر، اور ولی کو چاہئے بچّے کو ہر خیر کا حکم دے اور ہر شر سے باز رکھے۔ (ص345تا347)

سوال: جو30 رمضان میں چاند کی رؤیت میں اختلاف کی وجہ سے روزہ افطار کیا گیا، بعد کو پتا چلا کہ چاند نظر آنے کی خبر غلط تھی، بعضوں نے کھانا پینا جاری رکھا اور بعضوں نے فوراً کلی کرکے روزہ کی حالت پر ہوگئے، ان کے واسطے کیا حکم ہے؟

جواب: جنھوں نے اکل وشرب قائم رکھا حالانکہ کذب پر مطلع ہوچکے تھے وُہ گنہ گار ہُوئے لیکن کفارہ ان پر بھی نہیں' جنھوں نے فوراً کلی غرارہ کرلیا وُہ ثواب پائیں گے اور ایک روزہ اُس کا وُہ بھی رکھیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ص347)

سوال: سفر میں روزہ رکھنا کیسا ہے؟ خاص کر کے لڑائی کے لیے جانا ہو۔

جواب: جو اپنے گھر سے تین منزل کامل (92 کلومیٹر) یا زیادہ کی راہ کا ارادہ کر کے چلے خواہ کسی نیت اچھی یا بُری سے جانا ہو، وُہ جب تک مکان کو پلٹ کر نہ آئے یا بیچ میں کہیں ٹھہرنے کی جگہ پندرہ دن قیام کی نیت نہ کر لے مسافر ہے، ایسے شخص کو جس دن کی صبح صادق مسافرت کے حال میں آئے اُس دن کا روزہ ناغہ کرنا اور پھر کبھی اس کی قضا رکھ لینا جائز ہے' پھر اگر روزہ اسے نقصان نہ کرے نہ اُس کے رفیق کو اُس کے روزہ سے ایذا ہو جب تو روزہ رکھنا ہی بہتر ہے ورنہ قضا کرنا بہتر ہے۔

یُونہی غازی اگر یقیناً جانے کہ اب دشمن سے مقابلہ ہونے والا ہے اور روزہ رکھوں گا تو ضعف کا اندیشہ ہے تو وُہ بھی ناغہ کرے اگرچہ سفر میں نہ ہو۔

مگر یہ اجازت بلا سفر صرف اُسی کو مل سکتی ہے جو حمایت یا اعانتِ دینِ اسلام میں لڑتا ہو' باقی ملکی لڑائیاں یا معاذ اللہ کفر کی حمایت یا کافر کی طرف ہو کر اگرچہ دوسرے کافر ہی سے لڑنا' یہ سب گناہ ہیں۔ گناہ پر طاقت کے لیے روزہ قضا کرنے کی اجازت ممکن نہیں۔

ہاں جب یہ لوگ سفر میں ہوں تو بوجہ سفر اجازت ہوگی اگرچہ وُہ سفر جانب سقر (جہنم کی جانب) ہو۔ (ص 347تا349)

سوال: ماہ رمضان شریف کبھی موسمِ گرما میں ہوتا ہے کبھی موسمِ سرما، کبھی موسمِ بہار میں کبھی برسات میں، ایسا کیوں ہے؟

جواب: موسموں کی تبدیلی خالق عزوجل نے گردشِ آفتاب پر رکھی ہے مثلاً تحویلِ برج حمل سے ختمِ جوزا تک فصل ربیع ہے، پھر تحویل سرطان سے ختمِ سنبلہ تک گرمی، پھر تحویلِ میزان سے ختمِ قوس تک خریف، پھر تحویل جدی سے ختمِ حوت تک جاڑا (سردیاں)، یہ آفتاب کا ایک دَور ہے کہ تقریباً 365 دن اور پونے چھ گھنٹے میں کہ پاؤ دن کے قریب ہُوا پُورا ہوتا ہے۔

اور عربی شرعی مہینے قمری ہیں کہ ہلال سے شروع اور 29 یا 30 دن میں ختم ہوتے ہیں۔ یہ بارہ مہینے یعنی قمری سال 354 یا 355 دن کا ہوتا ہے تو شمسی سال سے دس گیارہ دن چھوٹا ہے، سمجھنے کے لیے کسرات چھوڑ کر شمسی سال 365 قمری 355 میں رکھے کہ دس دن کا فرق ہوا، اب فرض کیجئے کہ کسی سال یکم رمضان شریف یکم جنوری کو ہُوئی تو آئندہ سال 22 دسمبر کو یکم رمضان ہوگی کہ قمری 12 مہینے 355 دن میں ختم ہو جائیں گے اور شمسی سال پورا ہونے کو ابھی دس دن اور درکار ہیں، پھر تیسرے سال یکم رمضان 12 دسمبر کو ہوگی، چوتھے سال یکم دسمبر کو ہوگی، تین برس میں ایک مہینہ بدل گیا، پہلے یکم جنوری کو تھی اب یکم دسمبر کو ہُوئی، یونہی ہر تین برس میں ایک مہینہ بدلے گا اور رمضان المبارک ہر شمسی مہینہ میں دورہ فرمائے گا۔

بعینہٖ یہی حالت ہندی مہینوں کی ہوگی، اگر وہ لوند نہ لیتے، انھوں نے سال رکھا شمسی اور مہینے لیے قمری، تو ہر برس دس دن گھٹ گھٹ کر تین سال بعد ایک مہینہ گھٹ گیا، لہذا ہر تین سال پر وہ ایک مہینہ مکرر کر لیتے ہیں تا کہ شمسی سال سے مطابقت رہے، ورنہ کبھی جیٹھ جاڑوں میں آتا اور پوس گرمیوں میں۔

بلکہ نصارٰی جنہوں نے سال وماہ سب شمسی لیے اگر یہ چوتھے سال ایک دن بڑھا کر فروری 29 کا نہ کرتے تو اُن کو بھی یہی صورت پیش آتی کہ کبھی جُون کا مہینہ جاڑوں میں ہوتا اور دسمبر گرمیوں میں، یوں کہ سال 365 دن کا لیا اور آفتاب کا دَورہ ابھی چند گھنٹے بعد پُورا ہوگا کہ جس کی مقدار تقریباً چھ 6 گھنٹے، تو پہلے سال شمسی سال دورہ یافتہ سے 6 گھنٹے پہلے ختم ہوا دوسرے سال 12 گھنٹے پہلے، تیسرے سال 18 گھنٹے پہلے، چوتھے سال تقریباً 24 گھنٹے، اور 24 گھنٹے کا ایک دن رات ہوتا ہے لہٰذا ہر چوتھے سال ایک دن بڑھادیا کہ دورۂ آفتاب سے مطابقت رہے، لیکن دورۂ آفتاب پُورے چھ گھنٹے زائد نہ تھا بلکہ چوتھے تقریباً پونے چھ گھنٹے، تو چوتھے سال پورے ۲۴ گھنٹے کا فرق نہ پڑا تھا بلکہ تقریباً ۲۳ گھنٹے کا اور بڑھالیا ایک ایک کہ ۲۴ گھنٹے ہے، تو یوں ہر سال میں شمسی سال دورۂ آفتاب سے کچھ کم ایک گھنٹہ بڑھے گا، سَو برس بعد تقریباً ایک دن، لہٰذا صدی بعد گھٹا کر پھر فروری ۲۸ دن کا کرلیا، اسی طرح اور دقیق کسرات کا حساب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص349)

سوال: شعبان کی 29 کو اگر چاند نظر نہ آئے تو 30 کو روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ قاضی ومفتی اور عوام سب کا حکم بیان فرمادیں۔

جواب: اگر 29 کی شام کو مطلع صاف ہو اور چاند نظر نہ آئے تو 30 کو قاضی مفتی کوئی بھی روزہ نہ رکھے اور اگر مطلع پرابر وغبار ہو تو مفتی کو چاہیئے کہ عوام کو ضحوۂ کبرٰی یعنی نصف النہار شرعی تک انتظار کا حکم دے کہ جب تک کچھ نہ کھائیں پیئیں، نہ روزے کی نیّت کریں، بلانیّتِ روزہ مثلِ روزہ رہیں، اس بیچ میں اگر ثبوت شرعی سے رویت ثابت ہوجائے تو سب روزے کی نیت کرلیں روزۂ رمضان ہوجائے گا، اور اگر یہ وقت گزر جائے کہیں سے ثبوت نہ آئے تو مفتی عوام کو حکم دے کہ کھائیں پیئیں، ہاں جو شخص خاص دن کے روزے کا عادی ہو، اور اگر اس تاریخ وہ دن آکر پڑے مثلاً ایک شخص ہر پیر کو روزہ رکھتا ہے اور یہ دن پیر کا ہو تو وہ اپنے اسی نفلی روزے کی نیت کرسکتا ہے، شک کی وجہ سے رمضان کے روزے کی نیت کرے گا یا یہ کہ چاند ہوگیا تو آج رمضان کا روزہ رکھتا ہوں ورنہ نفل، تو گنہ گار ہوگا۔ حدیث میں ہے ((من صام یوم الشك عصی ابا القاسم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم)) ترجمہ: جس نے یومِ شک کا روزہ رکھا اس نے حضرت ابوالقاسم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔ واللہ تعالیٰ اعلم (صحیح بخاری، ج1، ص256، قدیمی کتب خانہ، کراچی) (ص350)

سوال: پانچ دن روزہ رکھنے کی ممانعت ہے، ایک عید الفطر، چار عید الاضحیٰ میں، ان کی ممانعت کی وجہ کیا ہے؟

جواب: یہ دن اللہ عزوجل کی طرف سے بندوں کی دعوت کے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص351)

سوال: رمضان اور غیرِ رمضان میں نیک کام کا ثواب برابر ہے یا فرق ہے؟

جواب: رمضان المبارک میں ہر عمل نیک کا ثواب باقی مہینوں کے عمل سے اکثر واوفر ہے، رمضان کا نفل اور مہینوں کے فرض اور اس کا فرض اور مہینوں کے ستّر فرض کے برابر ہے۔ اور اللہ عزوجل کا فضل اوسع واکبر ہے۔ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ

عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شہر مبارک کی نسبت فرمایا ((من تقرب فیہ بخصلة من الخیر کان کمن ادی فریضة فیما سواہ ومن ادی فیہ فریضة کان کمن ادی سبعین فریضة فیما سواہ)) ترجمہ: جس نے رمضان میں کوئی نفلی نیکی کا کام کیا اسے اس شخص جیسا ثواب ملے گا جس نے رمضان کے علاوہ میں فرض ادا کیا، اور جس نے اس میں فرض ادا کیا وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے رمضان کے علاوہ میں ستر فرض ادا کیے۔ (صحیح ابن خزیمہ، ج3، ص191، المکتب الاسلامی، بیروت) (ص352)

سوال: مونگیر میں 29 رمضان کو باوجود صفائے مطلع چاند نظر نہ آیا مگر کلکتہ سے بذریعہ تار برقی خبر آئی کہ یہاں 29 رمضان چاند دیکھا گیا بعد اس کے یہاں کے ایک رئیس نے مع اور چند آدمیوں کے روزے توڑ ڈالے مگر کسی ذی علم نے ان کی موافقت نہ کی ان اشخاص کے لیے شرعا کیا حکم ہے؟

جواب: تار کی خبر شرعا محض نامعتبر۔۔۔اس کی بناء پر افطار محض ناجائز واقع ہوئی اور اشخاص مذکورین بیشک مرتکب گناہ ہوئے اگرچہ بعد کو تحقیق ہو جائے کہ اس دن واقعی عید ہی تھی کہ جب تک انھوں نے روزے توڑے اصلاً ثبوتِ شرعی نہ تھا اور اُنھوں نے بے اذنِ شرعی افطار پر اقدام کیا اور یہ قطعاً گناہ ہے۔

شرع مطہر نے صوم وافطار کو رؤیت پر معلق فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ((صوموالرؤیتہ وافطر والرؤیتہ)) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر عید کرو۔ (صحیح بخاری، ج1، ص256، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

انہوں نے بے ثبوتِ رؤیت عید کر لی اور حکم احکم حاکم اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مخالفت کی۔

پھر اگر طرق مقبولہ شرع سے ثابت ہو جائے کہ وہ خبر سچی اور عید واقعی تھی تو ان پر اس روزے کی قضا نہیں کہ تحقیق ہوا وہ دن روزے کا نہ تھا۔

نظیر اس کی یہ ہے کہ ابھی غروبِ شمس محقق نہ ہوا اور کسی شخص نے جزافاً (اندازے سے) روزہ کھول لیا، یہ امر اسے روا نہ تھا، لیکن اگر بعد کو ثابت ہو کہ فی الواقع اُس وقت آفتاب ڈوب ہو چکا تھا تو روزے کی قضا نہیں کہ ظاہر ہوا کہ وقوعِ افطار اپنے محل میں تھا۔

اور اگر منکشف ہو کہ خبر غلط تھی اور وہ دن رمضان کا تھا یا کچھ تحقیق نہ ہو تو بے شک اُس روزے کی قضا لازم ہے، تقدیر اول پر تو وجہ واضح اور بر تقدیر ثانی رمضان کا آنا یقینی تھا اور اُس کا جانا شرعاً ثابت نہ ہوا، تو وہ دن عندالشرع رمضان ہی کا تھا کہ شرع نے عدم رؤیت میں تیس دن پورے کا مہینہ رکھا ہے۔

نظیر اس کی یہ ہے کہ بے تحقیقِ غروب افطار کر لیا پھر ثابت ہوا کہ آفتاب باقی تھا یا کچھ نہ کھلا، دونوں حالت میں قضا ہے۔

کفارہ کسی تقدیر پر نہیں کہ آخر انہوں نے اپنے نزدیک عید ہی جان کر روزے توڑے اور وہ خبریں اگرچہ شرعاً نامقبول ہیں۔ مگر ان عامیوں کے لیے مورثِ ظن بلکہ اُن کے گمان میں موجب یقین ہو چکی تھیں تو اُن کی طرف سے جنایت کاملہ نہ پائی گئی۔ (ص352 تا 357)

چاند دیکھنے میں تار کی خبر غیر معتبر ہے

سوال: چاند دیکھنے کے بارے میں تار کی خبر شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟

جواب: امورِ شرعیہ میں تار کی خبر محض نا معتبر، اور یہ طریقہ کہ تحقیق ہلال کیلئے تراشا گیا باطل و بے اثر، مسلمانوں کو ایسے اعلان پر عمل حرام اور جو اس کی بنا پر مرتکب اعلان ہو سب سے زیادہ مبتلائے آثام (سب سے زیادہ گناہوں میں مبتلا ہے)۔ اس طریقے میں جو غلطیاں اور احکامِ شرع سے سخت بیگانگیاں ہیں اُن کی تفصیل کو دفتر درکار، لہذا یہاں بقدرِ ضرورت وفہم مخاطب چند آسان تنبیہوں پر اقتصار:

تنبیہ اول: شریعتِ مطہرہ نے دربارۂ ہلال (چاند کے بارے میں) دوسرے شہر کی خبر کو شہادت کافیہ یا تواتر شرعی پر بنا فرمایا اور ان میں بھی کافی و شرعی ہونے کے لیے بہت قیود و شرائط لگائیں جس کے بغیر ہرگز گواہی و شہرت بکار آمد نہیں اور پُر ظاہر کہ تار نہ کوئی شہادتِ شرعیہ ہے نہ خبر متواتر، پھر اس پر اعتماد کیونکر حلال ہوسکتا ہے۔

جو یہاں تار کی خبر پر عمل چاہے اس پر لازم کہ شرعاً اس کا موجب و ملزم ہونا ثابت کرے مگر حاشا نہ ثابت ہوگا جب تک ہلال مشرق اور بدر مغرب سے نہ چمکے، پھر شرع مطہر پر بے اصل زیادت اور منصب رفیع فتوی پر جرأت کس لیے والعیاذ باللہ سبحانہ وتعالیٰ اور یہ خیال کہ تار میں خبر تو شہادت کافیہ کی آئی محض نادانی کہ ہم تم تک تو نامعتبرہ طریقے سے پہنچی، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ معتبر کس کی خبر، پھر جو حدیث نامعتبر راویوں کے ذریعہ سے آتی ہے کیوں پایۂ اعتبار سے ساقط ہوجاتی ہے!

تنبیہ دوم: تار کی حالت خط سے زیادہ ردی و سقیم کہ اس میں کاتب کا خط تو پہچانا جاتا ہے' طرزِ عبارت شناخت میں آتا ہے، واقف کار دیگر قرائن سے اعانت پاتا ہے، بایں ہمہ (اس کے باوجود) ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ امورِ شرعیہ میں ان خطوط ومراسلات کا کچھ اعتبار نہیں کہ خط خط کے مشابہ ہوتا ہے اور بن بھی سکتا ہے تو یقین شرعی نہیں ہوسکتا کہ یہ اُسی شخص کا لکھا ہُوا ہے۔

تنبیہ سوم: قطع نظر اس سے کہ خبر شہادت منگانے کے لیے جنہیں مرسلات بھیجے جائیں گے غالباً ان کا بیان حکایت واخبار محض سے کتنا جُدا ہوگا جس کی بے اعتباری تمام کتبِ مذہب میں مصرح۔ بالفرض اگر اصل خبر میں کوئی خلل شرعی نہ ہوتا ہم اس کا جامۂ اعتبار تار میں آکر یکسر تار تار کہ وُہ بیان ہم تک اصالتاً نہ پہنچا بلکہ نقل در نقل ہو کر آیا، صاحبِ خبر تو وہاں کے تار والے سے کہہ کر الگ ہوگیا، اُس نے تار کو جنبش دی اور اس کے کھٹکوں سے جن کے اطوارِ مختلفہ کو اپنی اصطلاحوں میں علامتِ حروف قرار دے رکھا ہے، اشاروں میں عبارت بتائی اب وہ بھی جُدا ہوگیا یہاں کے تار والے نے اُن کھٹکوں پر نظر کی، اور ضرباتِ معلومہ سے جو فہم میں آیا نقوش معرفہ میں لایا اب یہ بھی الگ رہا وہ کاغذ کا پرچہ کسی ہرکارے کے سپرد ہُوا کہ یہاں پہنچا کر چلتا بنا۔ سبحان اللہ! اس نفیس روایت کا سلسلۂ سند تو دیکھئے مجہول عن مجہول عن مجہول' نامقبول از نامقبول از نامقبول، اس قدر وسائط تو لابدی ہیں

پھر شاید کبھی نہ ہوتا ہو کہ معزز لوگ بذاتِ خود جا کر تار دیں، اب جس کے ہاتھ کہلا بھیجا ما بیچ وُہ جدا واسطہ، اس پر فارم کی حاجت ہُوئی تو تحریر کا قدم درمیان' آپ نہ آئے تو کسی انگریزی دان کی وساطت، اُدھر تار کا بابُو اردو نہ لکھے تو یہاں مترجم کی جُدا ضرورت، با اینہمہ فصل زائد ہُوا اور تار وصل نہیں، جب تو نقل در نقل کی گنتی ہی کیا ہے، وائے بے انصافی اس طریقہ تراشیدہ پر عمل کرنے والوں سے پُوچھا جائے ان سب وسائط کی عدالت وثقاہت سے کہاں تک آگاہ ہیں، حاش للہ نام بھی نہیں معلوم ہوتا، نام در کنار اصل شمار وسائط بتانا دشوار، سب جانے دیجئے اسلام پر بھی علم نہیں اکثر ہنود وغیرہم کفار ان خدمات پر معیّن، غرض کوئی موضوع سی حدیث اس نفیس سلسلے سے نہ آتی ہوگی، پھر ایسی خبر پر امورِ شرعیہ کی بنا کرنا استغفر اللہ علماء تو علماء میں نہیں جانتا کہ کسی عاقل کا کام ہو۔

تنبیہ چہارم: علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دوسرے شہر سے بذریعہ خط خبر شہادت دینا صرف قاضیِ شرع سے خاص جسے سلطان نے مقدمات پر والی فرمایا ہو، یہاں تک کہ حَکَم کا خط مقبول نہیں۔

غیر قضاۃ تو یہیں سے الگ ہُوئے، رہے قاضی' ان کی نسبت صریح ارشاد کہ اس بارے میں نامۂ قاضی کا قبول بھی اس وجہ سے ہے کہ صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے برخلاف قیاس اسکی اجازت پر اجماع فرمالیا ورنہ قاعدہ یہی چاہتا تھا کہ اس کا خط بھی اُنہی وجوہ سے جو اوپر گزریں مقبول نہ ہو' اور پُر ظاہر کہ جو حکم خلافِ قیاس مانا جاتا ہے مورد سے آگے تجاوز نہیں کرسکتا، اور دوسری جگہ اس کا اجرا محض باطل وفاحش خطا، پھر حکم قبولِ خط سے گزر کر تار تک پہنچنا کیونکر روا۔

ائمۂ دین تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ اگر قاضی اپنا آدمی بھیجے بلکہ بذاتِ خود ہی آکر بیان کرے کہ میرے سامنے گواہیاں گزریں ہر گز نہ سُنیں گے کہ اجماع تو صرف دربارۂ خط منعقد ہوا ہے۔

سبحان اللہ! پھر تار بیچارے کی کیا حقیقت کہ اسے کتاب القاضی پر قیاس کریں۔

تنبیہ پنجم: قاضیِ شرع کا نامہ بھی صرف اُسی وقت مقبول جب دو مرد ثقہ یا ایک مرد دو عورتیں عادل دار القضاء سے یہاں آکر شہادت شرعیہ دیں کہ یہ خط بالیقین اُسی قاضی کا ہے اور اس نے ہمارے سامنے لکھا ہے ورنہ ہر گز قبول نہ ہوگی اگرچہ ہم اس قاضی کا خط پہچانتے ہوں اور اس کی مُہر بھی لگی ہو اور اُس نے خاص اپنے آدمی کے ہاتھ بھیجا ہو۔

سبحان اللہ! یہ خطوط یا تار جو یہاں آتے ہیں اُن کے ساتھ کون سے دو گواہ عادل آکر گواہی دیتے ہیں کہ کہ فلاں نے ہمارے سامنے لکھایا تار دیا مگر ہے یہ کہ ناواقفی کے ساتھ امورِ شرع میں بے جا مداخلت سب کچھ کراتی ہے۔

اے عزیز! اس زمانۂ فتن میں لوگوں کو احکامِ شرع پر سخت جرأت ہے خصوصاً ان مسائل میں جنہیں حوادثِ جدیدہ سے تعلق ونسبت ہے جیسے تار برقی وغیرہ، سمجھتے ہیں کہ کتبِ ائمۂ دین میں ان کا حکم نہ نکلے گا جو مخالفت شرع کا ہم پر الزام چلے گا مگر نہ جانا کہ علمائے دین شکر اللہ تعالیٰ مساعیہم الجمیلۃ (اللہ تعالیٰ ان کی مساعیِ جمیلہ کو قبول فرمائے) نے کوئی حرف ان

عزیزوں کے اجتہاد کو اٹھا نہیں رکھا ہے تصریحاً تلویحاً تفریعاً تاصیلاً سب کچھ فرمادیا ہے زیادہ علم اسے ہے جسے زیادہ فہم ہے اوران شاء اللہ العزیز زمانہ بندگانِ خدا سے خالی نہ ہوگا جو مشکل کی تسہیل معضل کی تحصیل، صعب کی تذلیل، مجمل کی تفصیل سے ماہر ہوں۔ بحر سے صدف سے گوہر، بذر سے درخت، درخت سے ثمر نکالنے پر باذن اللہ تعالیٰ قادر ہوں۔ (ص360 تا367)

سوال: 29 تاریخ کو کسی شہر میں چاند نظر نہ آئے، دوسرے شہر میں نظر آیا اور وہاں کے لوگ ٹیلی فون یا ٹیلی گراف میں اطلاع دیں تو وہ خبر معتبر ہوگی یا نہیں؟

جواب: ہرگز معتبر نہیں ہوسکتی، اصلاً قابل لحاظ نہیں ہوسکتی، تار کی سخت بے اعتباری میں فقیر کا فتویٰ مفصلہ طبع ہو چکا ہے، اُس کی حالت ٹیلی فون درکنار خط سے بہت گری ہوئی ہے کہ اس میں مرسل (بھیجنے والے) کے ہاتھ کی علامت تک نہیں ہوتی اور اکثر بنگالی بابوؤں وغیرہم کفّار کا توسط ہوتا ہے ورنہ مجاہیل ہونا ضروری ہے، اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ خط بھی معتبر نہیں تو شرعاً تار پر عمل کیونکہ ممکن!

یُونہی ٹیلیفون کہ اس میں شاہد و مشہور نہیں ہوتا صرف آواز سنائی دیتی ہے اور علماء تصریح فرماتے ہیں آڑ سے جو آواز مسموع ہو اُس پر احکامِ شرعیہ کی بناء نہیں ہوسکتی کہ آواز آواز سے مشابہ ہوتی ہے۔ (ص367)

سوال: ایک جگہ پہاڑ میں ایسی ہے جہاں بہت دقت (مشکل) سے اونچی چوٹیوں پر جا کر ہی چاند دیکھا جاسکتا ہے اور چوٹیوں پر جا کر بھی اکثر بسبب ابر (بادل) کے چاند نہیں دکھائی دیتا ہے، ایسی جگہ میں مسلمانوں کو شوال کی رؤیت ہلال کی اطلاع بذریعہ تار کے پاکے روزہ افطار کردینا اور عید کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ تار اگر ایک ہو، دو ہوں، یا دس ہوں، کسی صورت میں ان پر اعتبار جائز ہے یا نہیں؟ اگر خبر بذریعہ تار کی نہ مانی جائے تو پہاڑوں میں کبھی رمضان کا مہینہ انتیس کو نہیں ختم ہوسکتا ہے۔

جواب: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((صوموا لرؤیته وافطر والرؤیته)) ترجمہ: چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو۔ (صحیح بخاری، ج1، ص256، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

تار اگرچہ دس ہوں اصلاً شرعاً امورِ دینیہ میں قابلِ التفات نہیں کہ اس کی حالت خط سے بھی بدتر ہے (اس پر دینے کے بعد ارشاد فرمایا:) رہا یہ کہ اس صورت میں کہ انتیس کا چاند ہی وہاں نہ ہوگا، شعبان سے ذی الحجہ تک پانچ ہلالوں کا بغور دیکھنا تلاش کرنا ہر جگہ کے مسلمانوں پر واجب ہے، اونچی چوٹیوں پر جانے کی دقت اگر صرف بوجہ تکلیف یا کاہلی ہو تو یہ عذر ہرگز نہ سُنا جائے گا، اور اوپر جا کر دیکھنا واجب ہوگا۔ اگر کوئی نہ جائے گا سب گنہ گار رہیں گے اور اگر واقعی نا قابلِ برداشت تکلیف ہے تو معاف ہے۔ ((فان غم علیکم فاکملوا العدة ثلثین)) ترجمہ: چاند تم پر پوشیدہ رہے تو تیس کی گنتی پوری کرو۔ (سنن دار قطنی، ج1، ص163، نشر السنۃ، ملتان)

مسلمانوں کو حکم سے غرض ہے 29،30 سے کیا کام!

اور اگر یہ خیال ہے کہ 29 کے رمضان کی خوشی زیادہ ہوتی ہے، یہ کیونکر ہوگی، تو یہ محض بے معنی خیال ہے، اور غور کریں تو

اُس کی کسر ادھر شعبان میں نکل جائیگی کہ وُہ بھی کبھی 29 کا نہ ہوگا، تو رمضان کہ 30 کا چاند وہاں 29 کو نظر آئے گا۔

اہتمام کریں تو 29 تاریخ نزدیک کی آبادیوں میں دو چار معتبر مسلمان بھیج کر پہاڑ سے باہر بھی رؤیت کر سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص368)

سوال: بذریعہ ٹیلیفون رمضان یا عید کے چاند دیکھنے کی خبر رُوبرو آمنے سامنے ایک جگہ کا مسلمان دوسرے کو خبر دے کہ میں نے چاند دیکھا اور دوسری جگہ والا بھی مسلمان ہو اور اس کی آواز پہچانتا ہو کہ فلاں شخص یہ خبر دے رہا ہے تو اس کی آواز پہچان کر اس کے قول پر عمل کیا جائیگا یا نہیں؟

جواب: ٹیلی فون دینے والا اگر سُننے والے کے پیشِ نظر نہ ہو تو امورِ شرعیہ میں اس کا کچھ اعتبار نہیں اگر چہ آواز پہچانی جائے کہ آواز مشابہ آواز ہوتی ہے، اگر وہ کوئی شہادت دے معتبر نہ ہوگی، اور اگر کسی بات کا اقرار کرے سننے والے کو اس پر گواہی دینے کی اجازت نہیں۔

ہاں اگر وہ اس کے پیش نظر ہے جسے دو بدو آمنے سامنے سے تعبیر کرتے ہیں، یعنی اس کی دونوں آنکھیں اس کی دونوں کے سامنے ہوں، ایک دوسرے کو دیکھ رہا ہو، اور ٹیلی فون کا واسطہ صرف بوجہ آسانی آواز رسانی کے لیے ہو کہ اتنی دُور سے آواز پہنچنا دشوار تھا، تو اس صورت میں اس کی بات جس حد تک شرعاً معتبر ہوتی اب بھی معتبر ہوگی، مثلاً خود اپنی رؤیت کی شہادت ادا کرے تو مانی جائے گی اگر وہ مقبول الشہادۃ ہے، لیکن اتنی بات کہ فلاں جگہ رؤیت ہُوئی اگر چہ متصل آکر ادا کرے جب بھی معتبر نہیں کہ یہ محض حکایت ہے نہ کہ شہادت، اور یہ کہ فلاں نے مجھ سے کہا کہ فلاں جگہ ہُوئی، اور زیادہ مہمل کہ حکایت در حکایت ہے۔ (ص369,370)

سوال: جناب والا کا ایک مختصر سا پرچہ جس پر جناب کی مہر لگی ہوتی ہے اور ایک سطر میں یہ عبارت مرقوم ہے (میرے سامنے شہادتیں گزر گئیں کل جمعہ کو عید ہے) خاکسار کو موصول ہُوا اس کے متعلق فتویٰ شرعی دریافت طلب ہے کہ جس جگہ یہ پرچہ پہنچے تو وہاں کے لوگوں کو جمعہ کو عید کرنا تھی یا نہیں؟ اور روزے توڑ دینا ضرور تھے یا نہیں؟ اور اس کی عام تشہیر اور دیگر بلاد میں اشاعت سے کیا مفاد تھا؟

جواب: وہ پرچے دیگر بلاد میں نہ بھیجے گئے، تقسیم کرنے والوں نے اسٹیشن پر بھی دیئے، ان میں سے کوئی لے گیا ہوگا۔ بعض لوگوں نے پیلی بھیت کے واسطے چاہ اور ان کو جواب دے دیا گیا کہ جب تک دو شاہد عادل لے کر نہ جائیں پرچہ کافی نہ ہوگا اور بلاد بعیدہ کو کیونکر بھیجے جاتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص376)

سوال: جہاں چاند 29 کو نظر نہ آئے، وہاں چاند کی رؤیت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کن کن ذرائع سے ثابت ہو سکتی ہے؟

جواب: ثبوتِ ہلال کے لیے ضرور ہے کہ یا تو رؤیت پر عینی شہادت ہو یا عینی شاہدوں نے جن شاہدوں کو حسب شرائطِ شرعیہ اپنی شہادت کا حامل کیا ہو اُن کی شہادت شہادت پر ہو یا حاکم شرعی کے حکم شرعی پر شہادت بروجہ شرعی ہو یا شرائط معتبرہ

فقہیہ کے ساتھ کتاب القاضی الی القاضی ہو یا جس شہر میں قاضیِ شرع ہو اور اس کے حکم سے وہاں روزہ وعید ہُوا کرتے ہیں، وہاں سے لوگ گروہ کے گروہ آئیں اور بالاتفاق اُس حاکمِ شرع کا حکم بیان کریں، اور ان میں سے کچھ نہ ہو تو اخیر درجہ تیس 30 کی گنتی پُوری کرنا ہے یعنی جب اگلے مہینہ کی رؤیت ہولی یا کافی ثبوتِ شرعی سے ثابت ہُوئی اور اس مہینے 29 کو رؤیت نہ ہُوئی تو تیس دن پُورے ہو کر ہلال خواہی نخواہی ہوگا کہ شرعی مہینہ تیس 30 سے زائد نہیں ہوسکتا۔ (ص379)

سوال: اخباروں کے اندر جو تاریخ لکھی ہوتی ہے مثلاً 8 شعبان یا 5 رمضان یا 4 ذی الحجہ، اور رؤیت ہلال کا ذکر نہیں ہوتا تو فقط تاریخ لکھ دینے سے وہاں جہاں 29 کو رؤیت نہ ہُوئی، اُس ماہ کے ہلال کی رؤیت ثابت ہوسکتی ہے؟

جواب: اخباروں کا صرف تاریخ لکھنا تو کوئی چیز نہیں' اخباروں میں اگر رؤیت کی خبر چھپے تو ہو بھی محض نامعتبر ہے کہ نہ شہادت علی الرؤیۃ ہے' نہ شہادت علی الشہادت، نہ شہادت علی الحکم، پھر اخبار نہیں مگر ایک خط اور اُو پر گزرا کہ ان امور میں خط اصلاً معتبر نہیں، خصوصاً اخباری دُنیا کہ بے سروپا اُڑانے میں ضرب المثل ہے۔ (ص380)

سوال: یہ جو فقہاء نے فرمایا کہ 29 کو اگر چاند نظر نہ آئے تو 30 دن پُورے کرنا چاہئیں، یہ رمضان اور عید الفطر کے ساتھ خاص یا سب مہینوں کے لئے ہے؟

جواب: یہ حکم بارہ مہینے کے لیے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک بار دسوں انگشتانِ مبارک تین دفعہ اٹھا کر فرمایا ((الشهر هكذا وهكذا وهكذا)) مہینہ اتنا اور اتنا اور اتنا ہوتا ہے، یعنی تیس 30 دن کا، اور ایک بار دسوں انگشت مبارک تین دفعہ اٹھائیں مگر اخیر میں ایک انگشت مبارک بند فرما کر فرمایا ((الشهر هكذا وهكذا وهكذا)) مہینہ اتنا اور اتنا اور اتنا ہوتا ہے یعنی ۲۹ دن کا۔

تو کوئی قمری عربی مہینہ کہ یہی شریعتِ مطہرہ میں معتبر ہیں نہ 29 دن سے کم ہوسکتا ہے نہ تیس 30 سے زائد، جس مہینے کی رؤیت کافی ثبوتِ شرعی سے ثابت ہوا اس کی 29 کو رؤیت نہ ہو تو 30 پُورے کر کے خواہی نخواہی دوسرے مہینے کا ہلال ہے۔ (ص380)

سوال: جنتری کے حساب سے روزہ رکھنا یا عید کرنا یا کسی دیگر ماہ کی تاریخ مقرر کرنا درست ہے؟

جواب: شریعتِ مطہرہ میں جنتری کا حساب اصلاً معتبر نہیں، درمختار میں ہے "وقول اولی التوقیت لیس بموجب" ترجمہ: اہلِ توقیت کا قول سببِ وجوب نہیں بن سکتا۔ (درمختار، ج1، ص148، مطبع مجتبائی، دہلی)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((انا امة امية لا نكتب ولا نحسب)) ترجمہ: ہم امی ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں۔ (صحیح بخاری، ج1، ص256، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یہ ان کے بارے میں ہے جو واقعی ہیئت داں تھے' نہ کہ آج کل کے جنتری والے جنہیں ہیئت کی ہوا بھی نہیں لگی، بڑے

بڑے نامی جنتری دانوں کی نہایت واضح تقاویم شمسیہ میں وُہ اغلاط فاحشہ دیکھے ہیں کہ مدہوش کے سوا دوسرے سے متوقع نہیں ،تا بہ حساب ہلال چہ رسد حساب ہلال وُہ دشوار چیز ہے جہاں اہلِ ہیئت کے مسلم امام بطلیموس نے گھٹنے ٹیک دیئے، مجسطی میں ظہور و خفائے کواکب وثوابت تک کے لیے باب وضع کیا اور ظہورِ ہلال کو ہاتھ نہ لگایا۔ (ص380)

سوال :شعبان کی 29 کو چاند نظر نہ آئے اور افواہ ہو کہ چاند ہو گیا لیکن شہادت دینے والا نہ ملے تو شب کو تراویح مع جماعت کرنا جائز ہے یا نہیں اور صبح کو روزہ رکھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب :ایسی صورت میں نہ شب کو تراویح پڑھنی جائز، نہ صبح کو روزۂ رمضان رکھنا حلال۔ بلکہ اگر جماعت نہ کریں اکیلے بیس رکعتیں پڑھیں اور تراویح کی نیت کریں جب بھی شرع مطہر پر زیادت کرنے والے ہوں گے شرع مطہر نے شب ہائے رمضان میں رکھی ہیں اور یہ رات اُن کے لیے شبِ رمضان نہیں۔ (ص380)

سوال :یہ جو مشہور ہے کہ رجب کی چوتھی جس دن کی ہوتی ہے اُسی دن رمضان کی پہلی ہوتی ہے اور جو شوال کی پہلی ہوتی ہے اُسی روز عاشورہ ہوتا ہے یہ معتبر ہے یا نہیں؟

جواب:یہ محض بے اصل ہے اور تجربہ بھی اس کے خلاف پر شاہد، اور اس پر اعتماد شرعاً ہرگز جائز نہیں۔ تمام قیاسات وحسابات وقرائن کہ عوام میں مشہور ہیں شرعاً باطل ومہجور ہیں، صرف انہی طریقوں پر اعتماد جائز ہے جو ماقبل (چار سوال پہلے) گزرے ہیں۔ (ص381)

سوال :اگر لگا تار تین ماہ میں رؤیت کے دن ابر ہو جائے تو ایسے موقع پر ایک ماہ 29 کا اور ایک ماہ تیس 30 کا لے کر عید لوگ اپنی رائے سے مقرر کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر یوں کر لیا ہو تو کیا حکم ہے؟

جواب:جب تک رُؤیت نہ ہو یا ثبوت صحیح شرعی سے ثابت نہ ہو ہر مہینہ تیس کا لیا جائے گا۔ یہ قاعدہ کہ ایک مہینہ 30 اور ایک 29 کا محض باطل ہے جس کے بطلان پر مشاہد شاہد عادل ہے کئی کئی مہینے متواتر 30 کے ہو جاتے ہیں کئی کئی 29 کے، اور علمِ ہیئت کی رُو سے 4 مہینے پے در پے 30 کے ہو سکتے ہیں اور تین 29 کے۔

شریعت مطہرہ میں ہیئت والوں کی اس تحدید استقرائی کا بھی اعتبار نہیں۔ ثبوت شرعی سے اگر 4 مہینے لگا تار 29 کے ہوں تو مانے جائیں گے، اور مثلاً چھ مہینے متواتر روزِ ہلال ابر رہے اور ثبوت نہ ہو تو سب مہینے 30 کے لیے جائیں گے۔

جن لوگوں نے ایک مہینہ 30 ایک 29 کا لے کر عید لی اُن کی وہ عید اور نماز سب باطل ہُوئی اور ان پر چار گناہ رہے:

اوّل: گناہ عظیم روزۂ رمضان کا عمداً ترک کہ وُہ اُن کے لیے رمضان تھا۔

دوم: نفل کا بجماعتِ کثیرہ پڑھنا کہ وُہ نمازِ عید کہ اُنہوں نے پڑھی نمازِ عید نہ تھی نافلۂ محضہ ہُوئی اور نفل کا جماعت کثیر

کر کے پڑھنا گناہ۔

سوم: واجب نماز عید کا ترک کہ دُوسرے دن اُن کے لیے عید تھی اُس دن نماز نہ پڑھی۔

چہارم: شریعت میں دل سے نیا حکم گھڑنے کا وبال شدید سب سے علاوہ، اگر چہ بعد کو تحقیق ہو جائے کہ جس دن انہوں نے نماز پڑھی واقعی اسی دن عید تھی، اگر چہ وہ سارا شہر ہو۔

اور جنہوں نے تیس کی گنتی پُوری کر کے عید کی اُن کی عید اور نماز سب صحیح ہُوئی اور وہ ان سب گناہوں سے بچے، اگر چہ بعد کو تحقیق ہو کہ عید ایک دن یا دو دن پہلے تھی اگر چہ صرف یہ دو ہی شخص ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص381.382)

سوال: ہمارے یہاں کلکتہ میں 29 شعبان روز جمعرات شام کو مطلع بالکل صاف تھا سب لوگوں نے چاند پر غور کیا رؤیت نہ ہوئی مگر ایک پیر صاحب نے پیش گوئی کی تھی کہ جمعہ کو یکم رمضان ہوگی اُن کے معتقدین نے بلا رؤیت جمعہ سے روزہ رکھ لیا اب ایک صاحب کہ شاید بغداد شریف کے ہیں یہاں آئے، اُن پیر صاحب نے انہیں پیش کیا اپنی پیشگوئی کی تصدیق کے لیے انہوں نے اپنی رؤیت نہر سویز میں شام جمعرات کی بیان کی، پھر اُسی جلسہ میں دوسرا شخص کھڑا ہُوا کہ میں نے اور بہت آدمیوں نے امرتسر میں جمعرات کی شام کو دیکھا، یونہی تیسرے شخص نے کہ وُہ بھی کہیں سے آیا ہے اُس جلسہ سے جُدا اپنی رؤیت بیان کی مگر یہ سب لوگ اُن پیر صاحب کے موافقین ہیں اس صورت میں رمضان شریف کی پہلی بروز جمعہ قرار پائیگی؟

جواب: صورتِ مستفسرہ میں وُہ پیشگوئی اور بلا رؤیت اس پر عمل کرنے والے سب گنہ گار ہُوئے اگر چہ اب کیسے ہی قطعی ثبوت سے یکم جمعہ کی ثابت ہو جائے کہ جس وقت انہوں نے حکم دیا اور عمل کیا تھا اُس وقت ثبوتِ شرعی نہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((صوموا لرؤیته وافطر والرؤیته)) ترجمہ: چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر ہی عید کرو۔

دوسری حدیث میں ہے ((لا تقدموا الشھر حتی تروا الھلال وتکملوا لعدۃ)) ترجمہ: چاند دیکھنے سے پہلے مہینے کو شروع نہ کرو بلکہ گنتی پوری کرو، الحدیث، اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

جب صوم شک کے لیے ہے ((قد عصی ابا القاسم محمداصلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم)) اُس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔

تو باوصف صفائی مطلع رؤیت نہ ہونے پر رمضان بنالینا کیسی سخت بیجا کی و نافرمانی تھی۔

رہا ان گواہیوں کا حال مذہب مشہور و مختار متون و مصحح کبار ائمہ پر تو یہ شہادت محض مہمل و نامسموع ہیں کہ بحالت صفائی مطلع دو چار کی شہادت سے کچھ نہیں ہوتا جمع عظیم چاہئے، اور جبکہ مسلمین نے تلاشِ ہلال میں تقصیر و تکاسل کو راہ نہ دی جیسا کہ بحمد اللہ تعالیٰ اب یہاں مشاہد ہے، تو ایسی جگہ اُس روایت پر عمل کی بھی ضرورت متحقق نہیں کہ دو کافی ہیں۔

مگر راجح یہ ہے کہ جب شاہد (گواہ) میں کوئی خصوصیت خاصہ ایسی ہو جس سے اُس کا دیکھنا اور اوروں کو نظر نہ آنا مستبعد نہ رہے، مثلاً عام لوگ شہر میں تھے اس نے جنگل میں دیکھا یا وُہ زمین پر تھے اس نے بلندی پر دیکھا تو درباره ہلال رمضان المبارک ایسے ایک کی بھی گواہی مقبول ہوگی جبکہ وُہ شرعاً قابل قبول شہادت ہو۔

صورتِ مستفسرہ میں شاہد بغدادی میں خصوصیت مذکورہ تو بیشک ہے کہ اگر یہ بیان صحیح ہے تو ایک تو آبادی سے دور، دوسرے دریا کہ اُس کی ہوا گرد وغبار و دُخان (دھواں) سے صاف تر ہوتی ہے، پھر کلکتہ کا طول بلد نہر سویز سے اتنا زائد کہ کلکتہ میں پہر بھر رات سے زائد گزر لیتی ہے تو وہاں شام ہوتی ہے، اس مدت میں چاند آفتاب سے اور زیادہ ہٹ آئے گا اور رؤیت آسان تر ہوگی۔

بلکہ یہ وجہ گواہِ امرتسری میں ہے کہ اقل درجہ بہتر 72 میل کے تفاوت طول پر ایسا فرق ممکن ہے۔

بس یہ دیکھنا رہا گواہ خود بھی مقبول الشہادۃ میں یا نہیں، اگر خصوصیت مذکورہ کے ساتھ ایک گواہ بھی مستور الحال تک ہے یعنی اس کے وضع لباس حرف معیشت کلام وغیرہ سے اُس کا مرتکب کبیرہ یا مصر صغیرہ یا خفیف الحرکات ہونا ظاہر نہیں، نہ کسی دوسرے طریقہ سے اس میں یہ امور معلوم تو ازانجا کہ ہلال رمضان مبارک میں مستور کی گواہی بھی مقبول ہے۔

اُس کی شہادت مان کر روزۂ جمعہ کی قضاء کی جائے گی مگر جبکہ گواہ کی حالت اور پیر مسطور سے اُس کی شدّت عقیدت پر نظر کرنے سے وہ اس کی بات سچّی بنانے پر متہم ٹھہرتا ہو جیسا کہ آجکل بہت لاابالی لوگوں کا اپنے ساختہ مشائخ کے ساتھ حال ہے تو البتہ اس کی گواہی نہ سُنی جائے گی کہ تہمت بھی اسباب ردِّ شہادت سے ہے۔

یُونہی اگر سب گواہ ظاہر الفسق وُہ لوگ کہ جماعت کے پابند نہیں یا ناجائز تماشا دیکھا کرتے یا حرام نوکری یا پیشہ رکھتے یا داڑھی حدِ شرع سے کم رکھواتے یا ریشمیں کپڑے یا سونے چاندی کے ناجائز لباس یا زیور پہنا کرتے یا ضروریاتِ دین سے غافل، بے علم جاہل ہیں کہ نماز، روزہ، وضو، غسل کے فرائض وشرائط ومفسدات سے آگاہ نہیں یا تجارت کرتے ہیں اور بیع وشراء کے ضروری احکام نہ سیکھے وعلیٰ ھذا القیاس جن مسائل کی ضرورت پڑے اُن کی تعلیم سے باز رہنے والے کہ یہ سب فساق مردود الشہادۃ ہیں تو ایسوں کی گواہی تو شرع مطہر میں اصلاً معتبر نہیں۔ (ص384 تا 387)

سوال: تیسویں کا چاند اکثر تیسرے پہر سے نظر آتا ہے تو آیا اُسی وقت روزہ کھول لیں یا غروبِ آفتاب کے بعد؟

جواب: کسی تاریخ کا روزہ دن سے افطار کرلینا ہرگز جائز نہیں بلکہ حرام قطعی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرض کیا کہ روزہ رات تک پُورا کرو یعنی جب آفتاب ڈوبے اور دن ختم اور رات شروع ہو اُس وقت کھولو۔ (ص388)

سوال: ایک شہر میں چاند نظر نہ آیا اور دوسرے شہر میں چاند نظر آگیا، کافی لوگوں نے آکر بتایا، کیا اس کا اعتبار کرکے پہلے شہر میں عید کرسکتے ہیں؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ((صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ)) ترجمہ: چاند دیکھنے

پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر عید کرو۔ پس ہر شہر اور اس کی رؤیت اور اسی پر ابتنائے عدت (30 کی گنتی پوری کرنا ہے)' مجرد اخبارات وخطوط' صالح تعویل واعتماد نہیں، نہ صرف شہرت افواہ (کہ فلاں بلدہ میں فلاں روز چاند ہوا جیسے بعض خبریں شہر میں مشتہر ہو جاتی ہیں اور اُن کا اشاعت کنندہ معلوم نہیں) قابلِ اعتبار۔

ہاں اگر کسی شہر سے جماعات متعددہ آئیں اور ہر ایک بیان کرے کہ فلاں روز وہاں رؤیت ہوئی تو بیشک اس خبر مستفیض پر عمل واجب ہوگا اگرچہ ان دو بقاع میں بعد المشرقین ہو کہ مذہبِ معتمد اختلاف مطالع غیر معتبر ہے۔

پس ہر شہر میں اپنی رؤیت خواہ غیر شہر کی شرعاً معتبر خبر پر جو پہلی رمضان کی قرار پائے اسی پر بنائے کار رکھیں اور روزہ متروک ہو جانا ثابت ہو تو بعد رمضان قضا کریں، اُسی یکم کے اعتبار سے شمار ثلاثین (30 کی گنتی) کامل کر کے عید کرلیں لیکن اگر اکتیسویں شب کو باوجود صفائیِ مطلع چاند نظر نہ آئے اور ابتدائے صیام صرف ایک شاہد کی شہادت پر کی گئی ہو تو اس صورت میں تیس کے بعد عید حضرت امام اعظم وامام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما روا فرماتے ہیں کہ کذب اُس شاہد واحد کا ظاہر و بیں ہو گیا اور یہی مذہب ومرجح۔ (ص390تا392)

ثبوتِ رؤیت ہلال کے طریقے

سوال: رؤیتِ ہلال (چاند دیکھنے) کا شریعت میں کس طرح ثبوت ہوتا ہے؟

جواب: ثبوتِ رؤیتِ ہلال کے لیے شرع میں سات (7) طریقے ہیں:

طریقِ اوّل: خود شہادتِ رؤیت یعنی چاند دیکھنے والے کی گواہی، ہلال رمضان مبارک کے لیے ایک ہی مسلمان عاقل، بالغ، غیر فاسق کا مجرد بیان کافی ہے کہ میں نے اس رمضان شریف کا ہلال فلاں دن کی شام کو دیکھا اگرچہ کنیز ہو اگرچہ مستور الحال ہو، جس کی عدالت باطنی معلوم نہیں' ظاہر حال پابندِ شرع ہے اگرچہ اس کا بیان مجلسِ قضاء میں نہ ہو اگرچہ گواہی دیتا ہوں نہ کہے، نہ دیکھنے کی کیفیت بیان کرے کہ کہاں سے دیکھا کدھر تھا کتنا اونچا تھا وغیرذٰلک۔

یہ اس صورت میں ہے کہ 29 شعبان کو مطلع صاف نہ ہو، چاند کی جگہ ابر یا غبار ہو' اور بحال صفائی مطلع اگر ویسا ایک شخص جنگل سے آیا یا بلند مکان پر تھا تو بھی ایک ہی کا بیان کافی ہو جائے گا' ورنہ دیکھیں گے کہ وہاں کے مسلمان چاند دیکھنے میں کوشش رکھتے ہیں، بکثرت لوگ متوجہ ہوتے ہیں یا کاہل ہیں دیکھنے کی پروا نہیں، بے پروائی کی صورت میں کم سے کم دو درکار ہوں گے اگرچہ مستور الحال ہوں۔

ورنہ ایک جماعتِ عظیم چاہئے کہ اپنی آنکھ سے چاند دیکھنا بیان کرے جس کے بیان سے خوب غلبہ ظن حاصل ہو جائے کہ ضرور چاند ہوا اگرچہ غلام یا کھلے فساق ہوں' اور اگر کثرت حدِ تواتر کو پہنچ جائے کہ عقل اتنے شخصوں کا غلط خبر پر اتفاق محال جانے تو ایسی خبر مسلم و کافر سب کی مقبول ہے۔

باقی گیارہ ہلالوں کے واسطے مطلقاً ہر حال میں ضرور ہے کہ دو مرد عادل یا ایک مرد دو عورتیں عادل آزاد جن کا ظاہری و

باطنی حال تحقیق ہو کہ پابند شرع ہیں' قاضی شرع کے حضور لفظ اشھد گواہی دیں یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اس مہینے کا ہلال فلان دن کی شام کو دیکھا۔

اور جہاں قاضی شرع نہ ہو تو مفتی اسلام اُس کا قائم مقام ہے جبکہ تمام اہلِ شہر سے علمِ فقہ میں زائد ہو اُس کے حضور گواہی دیں اور اگر کہیں قاضی و مفتی کوئی نہ ہو تو مجبوری کو اور مسلمانوں کے سامنے ایسے عادل دو مرد یا ایک مرد دو عورتوں کا بیان بے لفظ اشھد بھی کافی سمجھا جائے گا، ان گیارہ ہلالوں میں ہمیشہ یہی حکم ہے۔

مگر عیدین میں اگر مطلع صاف ہو اور مسلمان رؤیتِ ہلال میں کاہلی نہیں کرتے ہوں اور وہ دو گواہ جنگل یا بلندی سے نہ آئے ہوں تو اس صورت میں وہی جماعتِ عظیم درکار ہے، اسی طرح جہاں اور کسی چاند مثلاً ہلالِ محرم کا عام مسلمان پُورا اہتمام کرتے ہوں تو بحالتِ صفائی مطلع جبکہ شاہدین یا بلندی سے نہ آئیں ظاہراً جماعت عظیم ہی چاہئے کہ جس وجہ سے اُس کا ایجاب رمضان و عیدین میں کیا گیا تھا یہاں بھی حاصل ہے۔

طریق دوم: شہادۃ علی الشہادۃ یعنی گواہوں نے چاند خود نہ دیکھا بلکہ دیکھنے والوں نے ان کے سامنے گواہی دی اور اپنی گواہی پر انہیں گواہ کیا، اُنہوں نے اُس گواہی دی، یہ وہاں ہے کہ گواہانِ اصل حاضری سے معذور ہوں.

اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ گواہ اصل گواہ سے کہے میری اس گواہی پر گواہ ہو جا کہ میں گواہی دیتا ہوں میں نے ماہ فلاں سنہ فلاں کا ہلال دن کی شام کو دیکھا۔ گواہانِ فرع یہاں آکر یُوں شہادت دیں کہ میں گواہی دیتاہُوں کہ فلاں بن فلاں نے مجھے اپنی اس گواہی پر گواہ کیا کہ فلاں بن فلاں مذکور نے ماہ فلاں سنہ فلاں کا ہلال فلاں دن کی شام کو دیکھا اور فلاں بن فلاں مذکور نے مجھ سے کہا کہ میری اس گواہی پر گواہ ہو جا۔

پھر اصل شہادت رؤیت میں اختلافِ احوال کے ساتھ جو احکام گزرے ان کا لحاظ ضرور ہے، مثلاً ماہِ رمضان میں مطلع صاف تھا تو صرف ایک کی گواہی مسموع نہ ہونی چاہئے جب تک جنگل میں یا بلند مکان پر دیکھنا نہ بیان کرے ورنہ ایک کی شہادت اور اس کی شہادت پر بھی صرف ایک ہی شاہد اگر چہ کنیز مستورۃ الحال ہو بس ہے۔

اور باقی مہینوں میں یہ تو ہمیشہ ضرور ہے کہ ہر گواہ کی گواہی پر دو مرد یا ایک مرد دو عورت عادل گواہ ہوں اگر چہ یہی دو مرد اُن دو اصل میں ہر ایک کے شاہد ہوں مثلاً جہاں عیدین میں صرف دو عادلوں کی گواہی مقبول ہے زید و عمرو دو عادلوں نے چاند دیکھا اور ہر ایک نے اپنی شہادت پر بکر و خالد دو مرد عادل کو گواہ کر دیا کہ یہاں آکر بکر اور خالد ہر ایک نے زید و عمرو دونوں کی گواہی پر گواہی دی کافی ہے، یہ ضرور نہیں کہ ہر گواہ کے جُدا جُدا دو گواہ ہوں، اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک اصل خود آکر گواہی دے اور دوسرا گواہ اپنی گواہی پر دو گواہ جدا گانہ کر بھیجے، ہاں یہ جائز نہیں کہ ایک گواہ اصل کے دو گواہ ہوں اور انہیں دونوں میں سے ایک خود اپنی شہادت ذاتی بھی دے۔

شہادۃ علی الشہادۃ میں یہ بھی ضرور ہے کہ اُسکے مطابق حکم ہونے تک، گوہانِ اصل بھی اہلیتِ شہادت پر باقی رہیں اور شہادت کی تکذیب نہ کریں مثلاً گواہانِ فرع نے ابھی نہ دی یا دی اور اس پر ہنوز حکم نہ ہوا تھا کہ گواہان اصل سے کوئی گواہ اندھا یا گونگا یا مجنون یا معاذ اللہ مرتد ہوگیا کہا کہ میں نے ان گواہوں کو اپنی شہادت کا گواہ نہ کیا تھا یا غلطی سے گواہ کر دیا تھا تو یہ شہادت باطل ہو جائے گی۔

طریق سوم: شہادۃ علی القضاء یعنی دوسرے کسی اسلامی شہر میں حاکم اسلام قاضیِ شرع کے حضور رؤیت ہلال پر شہادتیں گزریں اور اُس نے ثبوتِ ہلال کا حکم دیا، دو شاہدانِ عادل اس گواہی وحکم کے وقت حاضر دار القضاء تھے، انہوں نے یہاں حاکم اسلام قاضیِ شرع یا وُہ نہ ہو تو مفتی کے حضور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں ہمارے سامنے فلاں شہر کے فلاں حاکم کے حضور فلاں ہلال کی نسبت فلاں دن کی شام کو ہونے کی گواہیاں گزریں اور حاکم موصوف نے اُن گواہیوں پر ثبوت ہلال مذکور شام فلاں روز کا حکم دیا۔

طریق چہارم: کتاب القاضی الی القاضی یعنی قاضیِ شرع جسے سلطانِ اسلام نے فصلِ مقدمات کے لئے مقرر کیا ہو اس کے سامنے شرعی گواہی گزری اُس نے دوسرے شہر کے قاضیِ شرع کے نام خط لکھا کہ میرے سامنے اس مضمون پر شہادتِ شرعیہ قائم ہُوئی اور اُس خط میں اپنا اور مکتوب الیہ کا نام ونشان پُورا لکھا جس سے امتیاز کافی واقع ہو اور وُہ خط دو گواہانِ عادل کے سپرد کیا کہ یہ میرا خط قاضیِ فلاں شہر کے نام ہے، وُہ باحتیاط اس قاضی کے پاس لائے اور شہادت ادا کی آپ کے نام یہ خط فلاں قاضی فلاں شہر نے ہم کو دیا اور ہمیں گواہ کیا کہ یہ خط اس کا ہے، اب یہ قاضی اگر اُس شہادت کو اپنے مذہب کے مطابق ثبوت کے لیے کافی سمجھے تو اس پر عمل کر سکتا ہے (اور بہتر یہ ہے کہ قاضی کاتب خط لکھ کر ان گواہوں کو سُنا دے یا اس کا مضمون بتا دے اور خط بند کر کے اُن کے سامنے سربمہر کر دے، اور اولیٰ یہ کہ اُس کا مضمون ایک کُھلے ہُوئے پرچے پر الگ لکھ کر بھی ان شہود کو دے دے کہ اُسے یاد کرتے رہیں، یہ آکر مضمون پر بھی گواہی دیں کہ خط میں یہ لکھا ہے اور سربمہر خط اس قاضی کے حوالہ کریں، یہ زیادہ احتیاط کے لیے ہے ورنہ خیر اُسی قدر کافی ہے کہ دو مردوں یا ایک مرد دو عورتیں عادل کو خط سپرد کر کے گواہ کرلے اور وُہ باحتیاط یہاں لاکر شہادت دیں)۔

بغیر اس کے اگر خط ڈاک میں ڈال دیا یا اپنے آدمی کے ہاتھ بھیج دیا تو ہرگز مقبول نہیں اگرچہ وُہ خط اُسی قاضی کا معلوم ہوتا ہو اور اس پر اس کی اور اس کے محکمۂ قضا کی مہر بھی لگی ہو (اور یہ بھی ضرور ہے کہ جب تک یہ خط قاضی مکتوب الیہ کو پہنچے اور وہ اُسے پڑھ لے اُس وقت تک کاتب زندہ رہے اور معزول نہ ہو ورنہ اگر خط پڑھے جانے سے پہلے مر گیا یا برخاست ہو گیا تو اس پر عمل نہ ہوگا اور بحالتِ زندگی یہ بھی ضرور ہے کہ جب تک مکتوب الیہ اس خط کے مطابق حکم نہ کرلے اُس وقت تک کاتب عہدۂ قضا کا اہل رہے ورنہ اگر حکم سے پہلے کاتب مثلاً مجنوں یا مرتد یا اندھا ہو گیا تو بھی خط بیکار ہو جائے گا۔

طریق پنجم: استفاضہ یعنی جس اسلامی شہر میں حاکم شرع قاضی اسلام ہو کہ احکامِ ہلال اُسی کے یہاں سے صادر ہوتے ہیں اور خود عالم اور ان احکام میں علم پر عامل و قائم یا کسی عالمِ دین محقق معتمد پر اعتماد کا ملتزم و ملازم ہے یا جہاں قاضیِ شرع نہیں تو مفتیِ اسلام مرجع

عوام وتبع الاحکام ہو کہ احکامِ روزہ وعیدین اُسی کے فتوے سے نفاذ پاتے ہیں، عوام کالانعام بطورِ خود عید ورمضان نہیں ٹھہرا لیتے، وہاں سے متعدد جماعتیں آئیں اور سب یک زبان اپنے علم سے خبر دیں کہ وہاں فلاں دن بر بنائے رؤیت روزہ ہُوا یا عید کی گئی۔

مجرد بازاری افواہ خبر اُڑ گئی اور قائل کا پتا نہیں، پُوچھے تو یہی جواب ملتا ہے کہ سُنا ہے یا لوگ کہتے ہیں' یا بہت پتا چلا تو کسی مجہول کا انتہا درجہ، منتہائے سند دو ایک شخصوں کے محض حکایت کہ اُنہوں نے بیان کیا اور شدہ شدہ شائع ہو گئی، ایسی خبر ہرگز استفاضہ نہیں۔

بلکہ خود وہاں کی آئی ہُوئی متعدد جماعتیں درکار ہیں جو بالا تفاق وُہ خبر دیں، یہ خبر اگر چہ نہ خود اپنی رؤیت کی شہادت ہے نہ کسی شہادت پر شہادت، نہ بالتصریح قضائے قاضی پر شہادت نہ کتاب قاضی پر شہادت، مگر اس مستفیض خبر سے بالیقین یا بہ غلبۂ ظن ملتحق بالیقین وہاں رؤیت وصوم وعید کا ہونا ثابت ہوگا اور جبکہ وُہ شہر اسلامی اور احکام وحکام کی وہاں پابندی دوامی ہے تو ضرور مظنون ہوگا کہ امر بحکم واقع ہُوا تو اس طریق سے قضائے قاضی کہ حجتِ شرعیہ ہے ثابت ہو جائیگی۔

اور یہیں سے واضح ہُوا کہ تاریک شہر جہاں نہ کوئی قاضیِ شرع نہ مفتیِ اسلام، یا مفتی ہے مگر نا اہل جسے خود احکامِ شرع کی تمیز نہیں' جیسے آج کل کے بہت مدعیان خامکار، خصوصاً وہابیہ، خصوصاً غیر مقلدین وغیرہم فجار' یا بعض سلیم الطبع سُنّی ناقص العلم ناتجربہ کار، یا مفتی محقق معتمد عالم مستند ہے مگر عوام خود سر' اس کے منتظر احکام نہیں، پیش خویش اپنے قیاساتِ فاسدہ پر جب چاہیں عید ورمضان قرار دے لیتے ہیں، ایسے شہروں کی شہرت بلکہ تواتر بھی اصلاً قابلِ قبول نہیں کہ اس سے کسی حجتِ شرعیہ کا ثبوت نہ ہُوا۔

اور ایک صُورت یہ بھی متصوّر کہ دوسرے شہر سے جماعاتِ کثیرہ آئیں اور سب بالاتفاق بیان کریں کہ وہاں ہمارے سامنے لوگ اپنی آنکھ سے چاند دیکھنا بیان کرتے تھے، جن کا بیان مورثِ یقین شرعی تھا، ظاہر اس تقدیر پر وہاں کسی ایسے حاکم شرع کا ہونا ضرور نہیں کہ رؤیت فی نفسہا حجتِ شرعیہ ہے۔

جب جماعت تواتر' جماعت تواتر سے اُن کی رؤیت کی ناقل ہے تو رؤیت بالیقین ثابت ہوگئی اور شہادت کی حاجت نہ رہی کہ اثباتِ احکام میں تواتر بھی قائم مقام شہادت بلکہ اُس سے اقوی ہے کہ شہادت برخلاف تواتر آئے تو رَد کردی جائے اور نفی پر تواتر مقبول ہے اور شہادت نامسموع۔

طریق ششم: اکمالِ عدت یعنی جب ایک مہینہ کے تیس 30 دن کامل ہوجائیں تو ماہِ متصل کا ہلال آپ ہی ثابت ہو جائیگا اگر چہ اس کے لیے رویتِ شہادت حکمِ استفاضہ وغیرہ کچھ نہ ہو کہ مہینہ تیس سے زائد کا نہ ہونا یقینی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((فان غم علیکم فاکملو العدّۃ ثلثین)) اگر مطلع ابر آلود ہو تو تیس کی تعداد مکمل کرو۔

یہ طریقہ صفائی مطلع کی حالت میں کافی ہے اگر چہ ہلال نظر نہ آئے جبکہ گزشتہ ہلال رؤیت واضحہ یا دو گواہان عادل کی شہادت سے ثابت ہولیا ہو، ہاں اگر ایک گواہ کی شہادت پر ہلالِ رمضان مان لیا اور اُس حساب سے تیس دن آج پُورے ہوگئے اور اب مطلع روشن ہے

اورعید کا چاندنظرنہیں آتا تو یہ اکمال عدّت کافی نہ ہوگا بلکہ صبح ایک روزہ اور رکھیں کہ اگلے ہلال کا ثبوت حجت تامہ سے نہ تھا اور باوصف صفائی مطلع تیس کے بعد بھی چاند نظر نہ آنا صاف گواہ ہے کہ اس گواہ نے غلطی کی اور جب کہ وہ ہلال حجتِ تامہ دوگواہوں عادل سے ثابت تھا تو آج بوصفِ صفائی مطلع نظر نہ آنا اس پر محمول ہوگا کہ ہلال بہت باریک ہے اور کوئی بخار قلیل المقدار خاص اُسی کے سامنے حاجب ہے، جسے صفائی عامہ افق کے سبب نظر صفائی مطلع گمان کرتی ہے یا اس کے سوا کوئی اور مانع خفی خلاف معتاد ہے، ہاں اگر آج ابر غبار ہے تو مطلقاً تیس پورے کر کے عید کرلیں گے اگرچہ ہلالِ رمضان ایک ہی شاہد کی شہادت سے مانا ہو کہ اب اس کی غلطی ظاہر نہ ہوئی۔

طریق ہفتم: علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے توپیں سُننے کو بھی حوالی شہر کے دیہات والوں کے واسطے دلائلِ ثبوتِ ہلال سے گنا۔ ظاہر ہے کہ یہاں بھی وہی شرائط مشروط ہوں گے کہ اسلامی شہر میں حاکمِ شرع معتمد کے حکم سے انتیس کی شام کو توپوں کے فائر صرف بحالتِ ثبوت شرعی رویت ہلال ہوا کرتے ہوں، کسی کے آنے جانے کی سلامی وغیرہ کا اصلاً احتمال نہ ہو ورنہ شہر اگرچہ اسلامی ہو مگر وہاں احکام شرعیہ کی قدر نہیں احکام جہال بے خرد یا نیچری رافضی وغیرہم بدمذہبوں کے حوالے ہیں جنہیں نہ قواعد شرعیہ معلوم نہ اُن کے اتباع کی پرواہ، اپنی رائے ناقص میں جو آیا اس پر حکم لگا دیا، توپیں چل گئیں، تو ایسی بے سروپا باتیں کیا قابل لحاظ ہوسکتی ہیں کما لا یخفی۔

پھر جہاں کی توپیں شرعاً قابلِ اعتماد ہوں اُن پر عمل اہلِ دیہات ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عندالتحقیق خاص اس شہر والوں کو بھی اُن پر اعتماد سے مفر نہیں کہ حاکمِ شرع کے حضور شہادتیں گزرنا اُس کا اُن پر حکم نافذ کرنا ہر شخص کہاں دیکھتا سُنتا ہے بحکمِ حاکم اسلام اعلان عام کے لیے ایسی ہی کوئی علامتِ معہودہ معروفہ قائم کی جاتی ہے جیسے توپوں کے فائر یا ڈھنڈورا وغیرہ۔

اقول: یہیں سے ظاہر ہوا کہ ایسے اسلامی شہر میں مناوی پر بھی عمل ہوگا حتی کہ اس کی عدالت بھی شرط نہیں جبکہ معلوم ہو کہ بے حکم سلطانی ایسا اعلان نہیں ہوسکتا۔ (ص405تا420)

چاند کے ثبوت کے غلط طریقے

سوال: چاند کے ثبوت کا غلط طریقے جو لوگوں میں رائج ہیں وہ کون سے ہیں؟

جواب: ان (مذکورہ بالا) کے سوا جس قدر طُرق لوگوں نے ایجاد کیے محض باطل ومخذول وناقابلِ قبول ہیں، خیالاتِ عوام کا حصر کیا ہو مگر آج کل جہال میں غلط طریقے جو زیادہ رائج ہیں وُہ بھی سات ہیں:

(1) حکایتِ رؤیت: یعنی کچھ لوگ کہیں سے آئے اور خبر دی کہ وہاں فلاں دن چاند دیکھا گیا وہاں کے حساب سے آج تاریخ یہ ہے ظاہر ہے کہ یہ نہ شہادت رؤیت ہے کہ اُنہوں نے خود نہ دیکھا، نہ شہادت علی الشہادت کہ دیکھنے والے ان کے سامنے گواہی دیتے اور اُنہیں اپنی گواہیوں کا حامل بناتے اور یہ حسبِ قواعدِ شرعیہ یہاں شہادت دیتے بلکہ مجرد حکایت جس کا شرع میں اصلاً اعتبار نہیں اگرچہ یہ لوگ بھی ثقہ معتمد ہوں اور جن کا دیکھنا بیان کریں وُہ بھی ثقہ مستند ہوں نہ کہ جہال، جہال میں تو یہ رائج ہے کہ کوئی آئے، کیسا ہی آئے، کسی کے دیکھنے کی خبر

لائے اگرچہ خود اُس کا نام بھی نہ بتائے بلکہ سرے سے اُس سے واقف ہی نہ ہو، ایسی مہمل خبروں پر اعتماد کر لیتے ہیں۔

(2) **افواہ**: شہر میں خبر اُڑ جاتی ہے کہ فلاں جگہ چاند ہُوا، جاہل اسے تواتر و استفاضہ (شہرت) سمجھ لیتے ہیں حالانکہ جس سے پوچھیے سُنی ہُوئی کہتا ہے، ٹھیک پتا کوئی نہیں دیتا، یا منتہائے سند صرف دو ایک شخص ہوتے ہیں اسے استفاضہ سمجھ لینا محض جہالت ہے، اُس کی صورتیں وُہ ہیں جو ہم نے طریق پنجم میں ذکر کیں۔

فقیر کو بارہا تجربہ ہُوا کہ ایسی شہرتیں محض بے سر و پا نکلتی ہیں، اسی ذی الحجہ میں خبر شائع ہُوئی کہ "آنولے" میں چاند ہُوا ہے، وہاں عام لوگوں نے دیکھا اور فقیر کے ایک دوست کا خاص نام بھی لیا گیا، وُہ آئے اور خود اپنی رؤیت اور وہاں سب کا دیکھنا بیان کرتے تھے، فقیر نے اُن کے پاس ایک معتمد کو بھیجا وہاں سے جواب ملا کہ یہاں ابر غلیظ تھا نہ میں نے دیکھا نہ کسی اور نے دیکھا۔

پھر خبر اُڑی کہ شاہجہان پور میں تو ایک ایک شخص نے دیکھا، فقیر نے وہاں بھی ایک معتمد ثقہ کو اپنے ایک دوست عالم کے پاس بھیجا انہوں نے فرمایا اس کا حال میں آپ کو مشاہدہ کرائے دیتا ہوں، اُن کا ہاتھ پکڑ کر شہر میں گشت کیا، دروازہ دروازہ دریافت کرتے پھرتے عید کب ہے، کہا جمعہ کی، کہا کیا چاند دیکھا، کہا کہ دیکھا تو نہیں، کہا پھر کیوں؟ اس کا جواب کچھ نہ تھا، شہر بھر سے یہی جواب ملا، صرف ایک شخص نے کہا میں نے منگل کو چاند دیکھا تھا اور میرے ساتھ فلاں فلاں صاحب نے بھی۔ اب یہ عالم مع اُن معتمد کے دوسرے صاحب کے پاس گئے اُن سے دریافت کیا، کہا وہ غلط کہتا تھا' اور خود ان دونوں صاحبوں کے ساتھ اُن گواہ صاحب کے پاس آئے، اب یہ بھی پلٹ گئے کہ ہاں کچھ یاد نہیں۔

پھر خبر گرم ہُوئی کہ رامپور میں چاند دیکھا گیا اور جمعہ کی عید قرار پائی' فقیر نے دو ثقہ شخصوں کو وہاں کے دو علمائے کرام اپنے احباب کے پاس بھیجا معلوم ہُوا وہاں بھی ابر تھا کسی نے بھی نہ دیکھا، اتنا معلوم ہُوا کہ وہاں دو شخص دہلی سے دیکھ کر آئے ہیں' ان علماء نے ان دو شاہدوں کو بلا کر ان دو ثقات کے سامنے شہادت دلوائی اور جو الفاظ فقیر نے انہیں لکھوا دئے تھے وُہ ان سے کہلوا کر ان کو تحمیلِ شہادت کرائی اور دونوں عالم صاحبوں نے خود ان دونوں شہود اصل کا تزکیہ کیا، ان دونوں فرع نے یہاں آ کر شہادت علی الشہادت حسبِ قاعدہ شرعیہ دی، اُس وقت فقیر نے عید کا فتوی دیا، دیکھئے افواہِ اخبار کی یہ حالت ہوتی ہے، و لا حول و لا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم۔

(3) **خطوط و اخبار**: بڑی دوڑ یہ ہوتی ہے کہ فلاں جگہ سے خط آیا، فلاں اخبار میں یہ لکھا پایا، حالانکہ ہم طریقِ چہارم میں بیان کر چکے کہ حاکم شرع کا خاص مُہری دستخطی خط جس پر خود اس کی اور محکمہ دار القضا کی مُہر لگی اور اُس کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہُوا اور یہاں بھی حاکمِ شرع کے نام آئے، ہرگز بغیر دو شاہدوں عادل کے جنہیں لکھ کر اپنی کتاب کا گواہ بنا کر خط سپرد کیا اور یہاں اُنہوں نے حاکمِ شرع کو دے کر شہادت ادا کی ہو، مقبول نہیں، پھر یہ ڈاک کے پرچے کیا قابل التفات ہو سکتے ہیں، اور اخباری گپیں تو اصلاً نام لینے کے بھی قابل نہیں۔

(4) تــار: یہ خط سے بھی زیادہ بے اعتبار، خط میں کاتب کے ہاتھ کی علامت تو ہوتی ہے، یہاں اُس قدر بھی نہیں، تو اس پر عمل کو کون کہے گا مگر اجہل سا اجہل جسے علم کے نام سے بھی مَس نہیں، فقیر نے اس کے رَد میں ایک مفصل فتویٰ لکھا اور بحمد اللہ تعالیٰ اس پر ہندوستان کے بکثرت علماء نے مُہریں کیں کلکتے میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔

گنگوہی مُلّا نے اپنے ایک فتویٰ میں تار کی خبر اسباب میں معتبر ٹھہرائی اور اُسے تحریر خط پر قیاس کیا تھا کہ تار کی خبر مثل تحریر خط کے ہے کیونکہ تحریر میں حروف اصطلاحی ہیں جس سے مطلب معلوم ہو جاتا ہے خواہ بحرکتِ قلم پیدا ہوں خواہ کسی لاٹھی یا بانس طویل کی حرکت سے، بہر حال خبر تار کی مثل ہے اور معتبر ہے، یعنی خط میں قلم سے لکھتے ہیں تار دینا ایسا ہے کہ کسی بڑے بانس سے جو ہزاروں کوس تک لمبا ہے لکھ دیا تو جیسے وہ معتبر ہے ویسے ہی یہ، بلکہ یہ تو زیادہ معتبر ہونا چاہئے کہ وہاں چھوٹا سا قلم ہے اور یہاں اتنا بڑا بانس، تو اعتبار بھی اسی نسبت پر بڑھنا چاہئے، شملہ بہ مقدار قلم' قیاس تو اچھا دوڑا تھا مگر افسوس کہ شرعاً محض مردود ونا کام رہا۔ اوّلاً خط و تار میں جو فرق ہیں ہم نے اپنے فتویٰ مفصلہ میں ذکر کیے جو اس قیاس کو از بیخ بر کندہ کرتے اور ان سے قطع نظر بھی کیجئے تو بحکم شرع خط ہی پر عمل حرام، پھر اس بانس کے قیاس کا کیا کام، حکم مقیس علیہ میں باطل ہے تو مقیس آپ ہی عاری و عاطل ہے۔

مولوی صاحب لکھنوی نے اپنے فتاوٰی میں خط و تار کو بے اعتبار ہی ٹھہرایا اور اس حکم میں حق کی موافقت کی مگر یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں کہ خبر تار یا خط بدرجہ کثرت پہنچ جائے تو اس پر عمل ہو سکتا ہے، اسے استفاضہ میں داخل سمجھنا صریح غلط، استفاضے کے معنے جو علماء نے بیان فرمائے تھے وہ تھے کہ طریق پنجم میں مذکور ہوئے، متعدد جماعتوں کا آنا اور یک زبان بیان کرنا چاہئے، یہاں اگر متعدد جگہ سے خط یا تار آئے بھی تو اوّلاً وہ اُن وجوہ ناجوازی سے جنہیں ہم نے اس فتویٰ میں مفصلاً ذکر کیا ہرگز بیان مقبول کے سلسلے میں نہیں آسکتے، ڈاک کے منشی، تار کے بابو، چھٹی رساں اکثر کفار یا عموماً مجاہیل یا فساق فجار ہوتے ہیں، اور بفرضِ باطل آئیں بھی تو یہ تعدد مخبر عنہ میں ہوا نہ کہ مخبرین میں کہ یہاں تار لینے والے بابو اگر مسلمان ثقہ ہوں بھی تو ہرگز اتنی جماعاتِ متعددہ نہ ہوں گی جن کی اخبار پر یقینِ شرعی حاصل ہو بلکہ عامۂ بلاد میں صرف دو ایک ہی تار گھر ہوتے اور صدر ڈاک خانہ تو ایک ہی ہوتا ہے اگرچہ بڑے بڑے شہر میں تقسیم کے لیے دو چار برانچ اور بھی ہوں، بہر حال یہ خط یا تار ہم کو تو معدود ہی شخصوں کے ذریعہ سے ملیں گے پھر استفاضے سے کیا علاقہ ہُوا، کیا اگر زید آ کر کہہ دے کہ فلاں جگہ لاکھ آدمیوں نے چاند دیکھا تو یہ خبر مستفیض کہلائے گی ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

(5) جنتریوں کا بیان: کہ فلاں دن پہلی ہے، اول بعض علمائے شافعیہ و بعض معتزلہ وغیرہم کا خیال اس طرف گیا تھا کہ مسلمان عادل منجموں کا قول اس بارے میں معتبر ہو سکتا ہے اور بعض نے قید لگائی تھی کہ جب اُن کی ایک جماعت کثیر یک زبان کرے کہ فلاں مہینے کی یکم فلاں روز ہے تو مقبول ہونے کے قابل ہے اگرچہ واجب العمل کسی کے نزدیک نہیں، مگر ہمارے ائمہ کرام اور جمہور محققین اعلام اسے اصلاً تسلیم نہیں فرماتے اور اس پر عمل جائز ہی نہیں رکھتے اور یہی حق ہے کہ حضور پُر نور سیّد عالم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحیح حدیث میں یہاں قولِ منجمین سے قطع نظر وعدم لحاظ کی تصریح فرما چکے، پھر اب اُس پر عمل کا کیا محل۔

جب منجمین مسلمین ثقات عدول کے بیان کا یہ حال تو آجکل کی جنتریوں جوعموماً ہنود وغیرہم کفار شائع کرتے ہیں یا بعض نیچری نام کے مسلمان یا بعض مسلمان بھی، تو وہ بھی انہی ہندوانی جنتریوں کی پیروی سے' کیا قابلِ التفات ہوسکتی ہیں؟ فقیر نے بیس برس سے بڑی بڑی نامی جنتریاں دیکھیں، اول مصرانی ہیئت ہی ناقص ومختل ہے پھران جنتری سازوں کو اس کی بھی پوری تمیز نہیں، تقویاتِ کواکب میں وہ وہ سخت فاحش غلطیاں دیکھنے میں آئیں جن میں کوئی سمجھدار بچہ بھی نہ پڑتا۔ پھر یہ کیا اور ان کی جنتری کیا۔

(6)قیاسات و قرائن: مثلاً چاند بڑا تھا روشن تھا دیر تک رہا تو ضرور کل کا تھا، آج بیٹھ کر نکلا تو ضرور پندرھویں ہے، اٹھائیسویں کو نظر آیا تھا مہینہ تیس کا ہوگا، اٹھائیسویں کو بہت دیکھا نظر نہ آیا مہینہ انتیس کا ہوگا۔ یہ قیاسات تو حسابات کی بھی قعت بھی نہیں رکھتے، پھر ان پر عمل جہل وزلل۔ حدیث میں ہے حضور پرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں((من اقتراب الساعة انتفاخ الاھلة)) ترجمہ: قُربِ قیامت کی علامات سے ہے کہ ہلال پُھولے ہوتے نکلیں گے۔ یعنی دیکھنے میں بڑے معلوم ہوں گے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی، ج10، ص244، المکتبۃ الفیصلیہ، بیروت)

دوسری حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں((من اقتراب الساعة ان یری الھلال قبلا ویقال ھو للیلتین)) ترجمہ: علاماتِ قیامت سے ہے کہ چاند بے تکلف نظر آئے گا، کہا جائے گا یہ دورات کا ہے۔

(کنز العمال، بحوالہ طبرانی اوسط، ج14، ص220، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

(7)کچھ استقرائی کچھ اختراعی قاعدے: مثلاً رجب کی چوتھی رمضان کی پہلی ہوگی، رمضان کی پہلی ذی الحجہ کی دسویں ہوگی، اگلے رمضان کی پانچویں اس رمضان کی پہلی ہوگی، چار مہینے برابر تیس کے ہوچکے ہیں یہ ضرور تیس کا ہوگا، ان کا جواب اسی قدر ہے﴿ما انزل اللہ بھا سلطان﴾ ترجمہ: حق سبحانہ نے ان باتوں پر کوئی دلیل نہ اتاری۔ (ص424تا429)

سوال: منڈی شہر میں 30 کی رات کو ابر بہت ہونے سے سبب سے چاند دیکھنے میں نہیں آیا، لیکن بعد نماز مغرب کے تین شہروں سے ٹیلی گراف آئے کہ ہم نے شوال کا چاند دیکھ لیا مگر یہاں کے قاضی نے ٹیلی گراف کی خبر کو قبول نہ کیا اور تراویح کی نماز پڑھی اور پڑھائی اور روزہ بھی سب سے رکھایا، لیکن جب سورج طلوع ہوا تو منڈی شہر کے آس پاس کے باغیچوں سے آدمی آئے اُنہوں نے گواہی دی کہ ہم نے چاند دیکھا، تب قاضی صاحب نے شاہدون سے گواہی لے کر روزہ کھولنے کا حکم دیا، تب تمام آدمیوں نے روزہ توڑ دیا اور خود بھی قاضی صاحب نے روزہ توڑ دیا ہم کو ایک روزہ قضا کرنا چاہیے یا نہیں؟

جواب: تار برقیوں پر کہ قاضی اعتبار نہ کیا بہت صواب (درست) کیا، ایسا ہی چاہئے تھا، درباره ہلال خط یا تار کا کچھ اعتبار نہیں، صبح کو جو چند شہادتیں گزریں وہ لوگ اگر ثقہ اور ہلال عید میں قابلِ عید شہادت تھے اور اتنے فاصلہ پر تھے کہ رات آ کر

گواہی نہ دے سکتے تھے تو اُن کی گواہی مان کر روزہ کھولنے کا حکم دینا بھی صحیح ہے اور اُس روزہ کی قضا نہیں کہ ثبوتِ شرعی سے ثابت ہوگیا کہ وہ روزِ عید تھا نہ کہ روزہ رمضان کا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص431)

سوال: رمضان شریف کا چاند غبار یا ابر ہونے کی حالت میں صرف ایک شخص نے دیکھا اور قاضی نے اُس پر فتوٰی چاند ہونے کا دے دیا، اب کیا شوال اُس سے تیس دن پُورے ہوجانے پر ثابت ہو جائے گا گو چاند بوجہ غبار یا ابر کے اُس رات کو نظر نہ آئے۔

جواب: جبکہ ہلال ماہ مبارک بوجہ غبار ایک کی شہادت سے مان کر 30 روزے پُورے کیے اور ہلالِ شوال بوجہ ابر نظر نہ آیا تو صحیح یہ ہے کہ بالاتفاق اس صورت میں عید کر لی جائے، ہاں اگر تیس روزوں کے بعد مطلع صاف ہُوا اور عید کا چاند نظر نہ آئے اور رمضان کا چاند شاہد واحد کے قول پر مانا تھا تو راجح یہ ہے کہ عید نہ کریں گے اور اگر دو عادلوں کی گواہی سے روزے رکھے تھے تو قول ارجح پر 30 کے بعد عید کرلیں گے اگرچہ مطلع صاف ہو اور ہلال نظر نہ آئے۔ (ص436)

سوال: جس کے سامنے چاند کی گواہی دینی ہوتی ہے وہ شرعی حاکم اور اس کے ہونے کی صورت میں جو عالم ان کا قائم مقام ہوتا ہے ان سے کون لوگ مراد ہیں، کیا درس نظامی پڑھانے والے یا وعظ وغیرہ کرنے والے یا کوئی اور؟

جواب: حاکمِ شرعی سلطانِ اسلام یا قاضی مولیٰ من قبلہ (حاکم شرعی کی طرف سے بنایا ہوا قاضی) ہے، یا مورِ فقہ بصیر (بصارت رکھنے والا) افقہ بلد (شہر کا بڑا فقیہ)، نہ آج کل کے عام مولوی۔ آج کل درسی کتابیں پڑھنے پڑھانے سے آدمی فقہ کے دروازے میں بھی داخل نہیں ہوتا، نہ کہ واعظ جسے سوائے طاقت لسان (زبان کی طاقت کے علاوہ) کوئی لیاقت جہاں درکار نہیں۔ (ص442)

سوال: ہلالِ رمضان مبارک یا عیدین اگر دس یا پانچ آدمیوں مسلمانوں نے مشاہدہ کیا اور سب فاسق ہیں لیکن معاملات میں ایسے ثقہ ہیں کہ مفتی کو ان کی شہادت پر یقین تام ہوتا ہے، اس صورت میں روزہ رمضان شریف کا فرض ہوگا یا نہیں؟ اور نمازِ عید درست ہوگی یا نہیں؟

جواب: صحیح یہ ہے کہ مسلمان اگرچہ فاسق ہو اہلِ شہادت ہے مگر اس کی شہادت قبول کرنی ناجائز ہے ماسوا اُس حالت کے کہ اُس کے بارے میں کہ حاکم کو تحرّی صدق ہو کہ یہ بھی تبین میں داخل ہے۔ جب مفتی اہلِ فتوٰی کو ان کے بارے میں تحرّی صدق ہو تو اُس کا حکم حجتِ شرعیہ ہے، رمضان و فطر واجب ہو جائیں گے اور اسکے حکم کے بعد عوام میں کسی کو خلاف کی گنجائش نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص446)

سوال: دو علاقوں میں کتنا فاصلہ ہو کہ ایک جگہ کی رؤیتِ ہلال سے دوسری جگہ رؤیت ثابت ہو جاتی ہے؟

جواب: ہمارے ائمہ کے مذہب صحیح معتمد میں دربارۂ رمضان و عید فاصلہ بلاد کا اصلاً اعتبار نہیں، مشرق کی رؤیت مغرب والوں پر حجت ہے وبالعکس، ہاں دوسری جگہ کی رؤیت کا ثبوت بروجہ صحیح شرعی ہونا چاہئے، خط یا تار یا تحریر اخبار افواہ بازار

یا حکایت امصار محض بے اعتبار، بلکہ شہادتِ شرعیہ یا استفاضۂ شرعیہ درکار۔ (ص446)

سوال: چاند دیکھنے سے متعلق کچھ ضروری مسائل ارشاد فرمادیں۔

جواب: مسئلہ نمبر 1: 29 شعبان کو غروبِ آفتاب کے بعد ہلالِ رمضان کی تلاش فرض کفایہ ہے۔

فرض کفایہ، یعنی سب ترک کریں تو سب گناہگار، اور بعض بقدر کفایت کریں تو سب پر سے اُتر جائے، اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ شاید شعبان 29 کا ہو جائے تو کل سے رمضان ہے۔ اگر چاند کا خیال نہ کیا تو عجب نہیں کہ ہو جائے اور یہ بے خبر رہیں، تو کل شعبان سمجھ کر ناحق رمضان کا روزہ جائے۔

بقدر کفایت، فقیر نے یہ لفظ اس لیے زائد کر دیا کہ اگر التماس ہلال (چاند کی تلاش) ایسے شخص نے کیا جس کا بیان عندالشرع مقبول نہ ہو تو اُس کا التماس کرنا یہ کرنا نہ کرنا یکساں ہوا اور مقصودِ شرع کہ اُس کے ایجاب سے تھا یعنی ثبوتِ ہلال، وُہ حاصل نہ ہُوا۔ مثلاً صفائے مطلع کی حالت میں صرف ایک آدمی نے تلاش کیا یا ہلالِ عیدین میں فقط عورتوں یا غلاموں نے تلاش کی۔

مسئلہ نمبر 2: یوں ہی 29 رمضان کو ہلال عید کی۔

اگر چاند ہو گیا اور نہ دیکھا تو نادانستہ عید کے دن روزہ حرام میں مبتلا ہوں گے۔

مسئلہ نمبر 3: 29 ذیقعدہ کو ہلال ذی الحجہ کی تلاش بھی ضروری ہے۔

یہ یوں ضروری ہوا کہ حج و نماز عید و قربانی و تکبیراتِ تشریق کے اوقات جاننے اسی پر موقوف ہیں، تو اس کی تلاش عام لوگوں پر واجب کفایہ ہونی چاہئے اور اہلِ موسم پر فرض کفایہ کہ وہاں بے خیالی میں چاند 29 کا ہو گیا اور بنا رکھا 30 کا، تو وقوفِ عرفہ کہ حج کا فرضِ اعظم رُکن اکبر ہے، اپنے وقت سے باہر یوم النحر میں واقع ہوگا اور عام لوگوں کو کسی فرض میں خلل کا اندیشہ نہیں، پر واجبات میں دقت آئے گی، مثلاً کسی ضرورت سے نمازِ عید کی تاخیر بارہویں تک چاہی تو یہ جسے بارہویں سمجھے ہیں وُہ تیرہویں ہے۔ اور ایّام نماز کہ ایامِ نحر تھے گزر چکے، نماز بے وقت ہوئی، بہت لوگ بارہویں کو قربانی کرتے ہیں، ان کی قربانیاں بے وقت ہونگی، عرفہ کی صبح سے ہر نماز کے بعد تکبیر واجب ہوتی ہے، واقع میں جو عرفہ ہے یہ اُسے آٹھویں جان کر تکبیریں نہ کہیں گے۔

مسئلہ نمبر 4: 29 رجب کو ہلالِ شعبان، ۲۹ شوال کو ہلالِ ذیقعدہ کی بھی تلاش کریں۔

ہلالِ شعبان کی تلاش کا حکم خود حدیث میں ہے، حکمت اس میں یہ ہے کہ جب رمضان کا چاند بوجہ ابر نظر نہیں آیا تو حکم ہے کہ شعبان کی گنتی تیس پوری کرلیں، جب شعبان کا چاند بہ تحقق نہ معلوم ہوگا تو اس کی گنتی پر کیا یقین ہو سکے گا۔ یُوں ہی اگر ذی الحجہ کا چاند نظر نہ آئے تو ذیقعدہ کی گنتی تیس رکھیں گے، اور وہی بات یہاں پیش آئے گی۔

تنبیہ: لوگ تین قسم ہیں: (1) عادل (2) مستور (3) فاسق۔

عادل وُہ جو مرتکب کبیرہ یا خفیف الحرکات نہ ہو۔ اور مستور پوشیدہ حال جس کی کوئی بات مسقطِ شہادت معلوم نہیں۔ اور فاسق جو ظاہراً بدافعال ہے۔

عادِل کی گواہی ہر جگہ مقبول ہے اور مستور کی ہلالِ رمضان میں، اور فاسق کی کہیں نہیں۔ پر بعض روایات کے بعض الفاظ بظاہر اس طرف جاتے ہیں کہ رمضان میں فاسق کی شہادت بھی سُن لیں۔ ممکن ہے کہ اُس شہر کا حاکمِ شرع یہی خیال رکھتا ہو، اگر چہ محققین نے اِسے رَد کر دیا۔ تو جس فاسق کو معلوم ہو کہ یہاں کے حاکم کا یہ مسلک ہے اس پر بیشک گواہی دینی واجب ہوگی ورنہ نہیں، اور رمضان میں جبکہ عادل و مستور کا ایک حکم ہے، تو اِس وجوب میں بھی یکساں رہیں گے۔ رہا عادِل، جب وُہ دائم المقبول ہے تو اُس پر وجوب بھی مطلقاً ہے یعنی رمضان ہو خواہ عید الفطر خواہ عید الاضحیٰ۔

پھر وجوب کا سبب یہ ہے کہ اگر دیکھنے والے نے اسی شب گواہی نہ دی تو ہلال رمضان میں صبح کو لوگ بے روزہ اٹھیں گے اور ہلال فطر میں روزہ دار۔ اور یہ دونوں ناروا جس کا الزام گواہی نہ دینے والے پر ہوگا، (لہٰذا اس صورت میں گواہی میں تاخیر نہیں کرنا جائز نہیں)۔ مگر ہلال ذی الحجہ میں آٹھویں تک کوئی حاجت ایسی نہیں جو بوجہ تاخیر خلل پذیر ہو، بس یُوں معلوم ہو جانا چاہئے کہ فجر عرفہ سے لوگ تکبیر میں مشغول ہوں اور حجاج سامان وقوف کریں۔

مسئلہ نمبر 5: ہلال دیکھنے والے عادل پر مطلقاً اور مستور پر رمضان میں، اور فاسق پر جب سمجھے کہ حاکم میری گواہی مان لے گا' واجب ہے کہ رمضان و عید الفطر میں اسی شب' اور ذی الحجہ میں آٹھویں تک حاکمِ شرع کے پاس حاضر ہو کر رؤیت پر گواہی دے۔

مسئلہ نمبر 6: یہاں تک زن پردہ نشین (پردہ دار عورت) نکلے اگرچہ شوہر اذن (اجازت) نہ دے، اگرچہ کنیز اجازتِ مولیٰ نہ پائے۔ اگر سمجھیں کہ ثبوتِ رؤیت ہم پر موقوف ہے ورنہ یہ نکلنا ناجائز ہوگا۔

مسئلہ نمبر 7: جہاں ریاستیں اسلامی ہیں اُن بلاد میں جو عالمِ دین سُنّی المذہب سب سے زیادہ علمِ فقہ رکھتا ہو وہ بحکمِ شرع سردارِ مسلمانان ہے، مسلمانوں پر فرض ہے کہ اپنی دینی باتوں میں اُسی کی طرف رجوع کریں اور اُس کے فتووں پر عمل کریں، تو چاند دیکھنے پر بھی واجب ہے کہ اُس شب اُس کے حضور ہو کر ادائے شہادت کرے۔

تنبیہ: آج کل اسلامی ریاستوں میں بھی قضاۃ و حکام اکثر بے علم ہوتے ہیں، تو عالمِ دین اُن پر بھی مقدّم۔ اور وقتِ اختلاف فتوٰی عالم پر ہی عمل واجب۔

حکایت: امام الحرمین ابوالمعالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زمانے میں بادشاہِ وقت کے یہاں 29 کے ہلال پر گواہیاں گزریں۔ بحکم سلطان اعلان ہوا کہ کل عید ہے، یہ خبر امامِ الحرمین کو پہنچی۔ گواہیاں قابلِ قبول نہ تھیں، امام کے حکم سے معاً دوسرا اعلان ہوا کہ بحکم امام ابو

المعالی کل روزہ ہے۔ صبح کو تمام شہر روزہ دار تھا۔ حاسدوں نے یہ خبر خوب رنگ کر بادشاہ تک پہنچائی کہ [illegible] تو سخت مجنون تھا۔ ملاحظہ ہو کہ انہیں کا حکم مانا گیا اور حکمِ سلطان کی کچھ پروا نہ ہوئی۔ بادشاہ نے برافروختہ ہو کر چوبدار بھیجے کہ جیسے بیٹھے ہیں تشریف لائیں۔ امام ایک جبہ پہنے تھے، ایسے ہی دربار میں رونق افروز ہوئے، اشتعالِ شاہی دوبالا ہوا کہ لباس درباری نہ تھا، سوال ہوا فرمایا اطاعت اولوالامر واجب ہے۔ حکم تھا جیسے بیٹھے ہیں آئیں، میں یوں ہی بیٹھا تھا چلا آیا، کہا: اعلانِ خلاف پر کیا باعث تھا؟ فرمایا تحقیقِ دینیہ تمہارے سپرد ہے اور انتظامِ دین ہمارے متعلق۔ بادشاہ پر ہیبتِ حق طاری ہوئی۔ باعزاز تمام رخصت کیا اور بدگویوں پر [illegible]۔

تنبیہ: علمِ دین فقہ و حدیث ہے، منطق و فلسفہ کے جاننے والے علما نہیں، یہ امور متعلق بہ فقہ ہیں تو جو شخص فقیہ ہو وہی بڑا عالمِ دین ہے اگرچہ دوسرا حدیث و تفسیر سے زیادہ اشتغال رکھتا ہو۔ پھر عالمِ دین نہ ہوگا مگر سنی المذہب کہ فاسد العقیدہ جہلِ مرکب میں گرفتار جو جہلِ بسیط سے ہزار درجہ بدتر، خصوصاً غیر مقلدین کہ فقہ و فتوی میں ان پر اعتماد تو ایسا ہے جیسے چور کو پاسبان بنانا۔

مسئلہ نمبر8: جہاں کوئی عالم بھی نہ ہو، مجمع مسلمین مثلاً مسجد جامع وغیرہ میں گواہی دیں۔

مسئلہ نمبر9: جو بلاعذر گواہی دینے میں تاخیر کریگا پھر کہے گا میں نے دیکھا تھا اُس کی گواہی مردود ہوئی۔ عذر کی صورت یہ کہ مثلاً شہر میں نہ تھا، دیہات میں دیکھا، وہاں سے اب آیا ہے، تو اس کی گواہی سن لیں گے، اور تاخیر سے وہی مراد کہ وقت حاجت کے بعد پھر نہ اُٹھا رکھے کہ ہلال رمضان و عید الفطر میں پہلی ہی شب ہے۔

مسئلہ نمبر 10: جب چاند پر نظر پڑے اور دیکھنے والوں کی گواہی کفایت نہ کرتی ہو، فوراً جہاں تک بن پڑے ایسے مسلمانوں کو دکھا دیں، جن کی گواہی کافی ہو اور ویسے بھی دکھا دینا چاہئے کہ کثرت بہرحال بہتر ہے۔

(مثلاً) مطلع اگر صاف نہیں، دفعتاً ابر ہٹا اور اسے چاند نظر پڑا، اب یہ اس قابل نہیں کہ اس کی گواہی [illegible] خواہ فاسق ہے یا مستور یا اکیلا یا صرف عورتیں یا غلام ہیں اور ہلال ہلالِ عیدین تو ان لوگوں کا دیکھنا کافی نہ ہوگا۔ اور عجب [illegible] آ جائے۔ لہٰذا نہایت تعجیل کر کے ایسے معتمد مسلمانون کو دیکھا دے جن کی گواہیاں کفایت کر جائیں، اِس صورت میں [illegible] قدرت معتمدین کو دکھانا لازم ہونا چاہئے۔

اور اگر ایسا نہیں بلکہ خود ان کی گواہی بس ہے، تاہم اوروں کا دکھانا اچھا ہی ہے کہ کثرتِ شہود بہرحال بہتر ہے عجب کیا کہ یہ اپنے نزدیک اپنی گواہی کافی سمجھیں اور حاکمِ شرع کو کسی وجہ سے اعتبار نہ آئے تو اور شہود کی حاجت پڑے۔

مسئلہ نمبر11: جس شام احتمالِ ہلال ہو جب تک حکم حاکمِ شرعی یا فتویٰ عالمِ دین نہ ہو ہرگز ہرگز کسی وجہ سے بندوقیں یا آواز کی آتش بازی اپنے دنیوی کاموں کے لیے بھی ہرگز نہ کریں۔

(کیونکہ) اصطلاح یُوں ٹھہری ہُوئی ہے کہ جہاں اسلامی ریاست ہے بعد تحقیق ہلال توپ کے فیر ہوتے ہیں اور شہروں میں

بندوقیں یا ہوائیاں وغیرہ چھوڑتے ہیں، اب اگر ثبوتِ شرعی ہوگیا اور حاکمِ شرع نے بھی حکم دے دیا جب تو یہ فعل مستحسن ہے کہ ایک نیتِ صالحہ سے کیا جاتا ہے اور آتشبازی کا ناجائز ہونا بوجہِ اضاعت مال تھا' یہاں جاری نہیں کہ بعد غرض محمود کے اضاعت کہاں۔

ورنہ دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اعلانِ ہلال کے سوا اور کسی وجہ سے یہ فعل کریں، مثلاً دوست کے گھر بیٹا پیدا ہُوا، بندوقیں سرکیں، یا خالی بیٹھے مال ضائع کرنا چاہا، ہوائیاں، ناٹریاں، تومڑیاں چھوڑیں۔ یہ ممنوع ہے کہ اس میں مسلمانوں کو دھوکا ہوگا۔

دوسرے یہ کہ جاہلوں نے جو اپنے جاہلانہ مسئلوں سے بے حکمِ حاکم وفتوی عالم اپنے نزدیک رؤیت کی خبر ٹھیک جان کر پٹاخہ بازی شروع کردی۔ اور یہ بھی زیادہ ناجائز وحرام ہے کہ منصب رفیع شرع پر جرأت ہے۔

مسئلہ نمبر12: ہلال دیکھ کر اس کی طرف اشارہ نہ کریں، کہ افعالِ جاہلیت سے ہے۔

مسئلہ نمبر 13: ہلال دیکھ کر منہ پھیر لے۔ حدیث میں ہے ((ان النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کان اذارأی الھلال صرّف وجھہ عنہ)) ترجمہ: حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب نیا چاند دیکھتے اپنا منہ مبارک اس کی طرف سے پھیر لیتے۔ (سُنن ابی داؤد، ج2، ص339، آفتاب عالم پریس، لاہور)

شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ شرک چیز ہے یا یہ کہ کفار نے اُس کی عبادت کی اور شرع میں اُسے دیکھ کر اللہ جل جلالہٗ سے دُعا کرنی آئی، تو پسندیدہ ہُوا کہ منہ پھیر کر کی جائے تاکہ کفار سے مشابہت نہ لازم آئے۔ واللّٰہ و رسولہ اعلم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

مسئلہ نمبر 14: یہ جو جاہلوں میں مشہور ہے کہ فلاں چاند تلوار پر دیکھے فلاں آئینے پر۔ یہ سب جہالت وحماقت ہے، بلکہ حدیث میں جو دُعائیں وہ پڑھنی کافی ہیں۔

مسئلہ نمبر15: چاند جب بھی نظر پڑے تو اس کے شر سے پناہ مانگے۔

مسئلہ نمبر16: اہل ہیئات کی بات کا کچھ اعتبار نہیں اگرچہ عادل ہوں اگرچہ کثیر ہوں، نہ ہی خود اس پر عمل جائز۔

اہل ہیئت وہ لوگ جو آسمانوں کے حال اور ستاروں کی چال سے بحث کرتے ہیں، وہ اپنے حساب سے بتاتے ہیں کہ فلاں دن رؤیت ہوگی فلاں مہینہ انتیس 29 کا ہوگا فلاں تیس 30 کا۔ پھر اُن کی بات کہ ایک حساب ہے ٹھیک بھی پڑتی ہے، پر صحیح مذہب میں اُس کا کچھ اعتبار نہیں اگرچہ وہ ثقہ عادل ہوں، اگرچہ اُن کی جماعت کثیر یک زبان ایک ہی بات پر اتفاق کرے۔

مثلاً وہ 29 شعبان کو کہیں آج ضرور رؤیت ہوگی کل یکم رمضان ہے۔ شام کو ابر ہوگیا، رؤیت کی خبر معتبر نہ آئی، ہم ہرگز رمضان قرار نہ دیں گے، بلکہ وہی یومُ الشک ٹھہرے گا، یا وہ کہیں آج رؤیت نہیں ہوسکتی، کل یقیناً 30 شعبان ہے، پھر آج ہی رؤیت پر معتبر گواہی گزری، فوراً قبول کرلیں گے اور کچھ خیال نہ کریں گے کہ بربنائے ہیئت تو آج رؤیت ناممکن تھی۔ گواہ نے دیکھنے میں غلطی کی، یا غلط کہا، دلیل اس مسئلے اور اکثر مسائل آئندہ کی یہ ہے کہ شارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صوم وفطر کا حکم رؤیت پر معلّق فرمایا، صحیحین وغیرہما میں بطرقِ کثیرہ بہت صحابہ

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے مروی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ((صوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته فان اغمی علیکم فاکملوا عدّة شعبان ثلثین)) ترجمہ: چاند دیکھ روزہ رکھو، چاند دیکھ کر ختم کرو۔ اور اگر مطلع صاف نہ ہو تو تیس کی گنتی پوری کر لو۔

پس ہمیں اسی پر عمل فرض ہے، باقی رہا حساب، اسے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یک لخت ساقط کر دیا، صاف ارشاد فرماتے ہیں ((انا امیة لا نکتب ولا نحسب الشهر هکذا وهکذا والشهر هکذا وهکذا)) ترجمہ: ہم اُمّی امّت ہیں، نہ لکھیں نہ حساب کریں دونوں ہاتھوں کی انگلیاں تین بار اُٹھا فرمایا مہینہ یُوں اور یُوں اور یُوں ہوتا ہے۔ تیسری دفعہ میں انگوٹھا بند فرمایا یعنی انتیس، اور مہینہ یوں اور یوں ہوتا ہے، ہر بار سب انگلیاں کُھلی رکھیں یعنی تیس۔

ہم بحمد اللہ ولہ المنۃ اپنے نبی اُمّی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمّی اُمّت ہیں، ہمیں کسی کے حساب کتاب سے کیا کام، جب تک رؤیت ثابت نہ ہوگی نہ کسی کا حساب سُنیں، نہ تحریر مانیں، نہ قرائن دیکھیں، نہ اندازا جانیں۔

تنبیہ: اس مسئلہ کے یہ معنی ہیں کہ جو بات وہ بطور ہیأت کہیں مقبول نہیں ورنہ اگر شہادت رؤیت ادا کریں تو مثل اور لوگوں کے ہیں، جن شرائط سے اوروں کی گواہی سُنی جاتی ہے اُن کی بھی گواہی قبول ہوگی۔

پھر اُن کا قابل شہادت ہونا جبھی ہے کہ ہیأت و نجوم کی خلافِ شرع باتوں پر اعتقاد نہ کرتے ہوں صرف صناعی طور پر آسمان کی گردشوں، ستاروں کی چالوں، طلوع و غروب، جوع و استقامت، بطؤ و سرعت، قرآن، تسدیس تربیع، تثلیث، مقابلہ، اجتماع وغیرہ سے بحث کرتے ہوں، ورنہ مثلاً امورِ غیب پر احکام لگانا، سعد و نحس کے خرخشے اٹھانا، زائچہ کے راہ پر چلنا چلانا، اوتاد اربع، طالع رابع، عاشر سابع پر نظر رکھنا، زائلہ مائلہ کو جانچنا پرکھنا، شرعاً ہجر (ممنوع) ہے، اور اعتقاد کے ساتھ ہو تو قطعاً کفر، والعیاذ باللہ رب العالمین۔

اسی قبیل سے ہے ان کا کہنا کہ فلاں دن رؤیت واجب ہے فلاں دن محال۔ اگر وجوب و استحالہ عادی مراد لیتے ہیں تو خیر کہ سنۃ اللہ کیلئے تبدیل نہیں، ورنہ حقیقی و عقلی کا قصد معاذ اللہ کھلا ہوکفر ہے۔

مسئلہ نمبر 17: اخیر میں (چاند) دو ایک رات ضرور بیٹھتا ہے، پر شریعت میں اس پر مدارِ حکم نہیں۔

مہینہ انتیس کا ہوتا ہے تو ایک رات بیٹھتا ہے، تیس کا ہو تو دو رات، پھر آج صبح کو طلوعِ شمس سے پہلے چاند جانبِ شرق نظر آیا تھا اور آج شام کی نسبت شہادت شرعی رؤیت پر گزری، بلاشبہ قبول کی جائے گی اور یہ لحاظ نہ ہوگا کہ آج صبح تک تو چاند موجود تھا بن ڈوبے کیونکر ہلال ہوگیا۔

مسئلہ نمبر 18: انتیس 29 رات کی صبح کو چاند نظر نہیں آتا، شرع اِسے بھی نہیں سنتی۔

یہ دعوٰی دعوٰئ اول سے اخص ہے وہاں دو ایک رات بیٹھنا تھا، عام ازیں کہ 29 کو ڈوبے یا 30 کو، یہاں خاص دعوٰی ہے کہ 29 کو ضرور ڈوبتا ہے، شرع میں اس پر بھی لحاظ نہیں۔ مثلاً 29 شعبان روز یکشنبہ (اتوار) کو شام کے وقت ابر تھا، گواہانِ شرعی نے رؤیت

بیان کی، صبح کو رمضان ٹھہرا، اب جو گنتی ہوئی آئی تو 29 رمضان دوشنبہ (پیر) کو طلوعِ شمس سے پیشتر چاند موجود تھا، اس پر کوئی خیال کرے دوشنبہ کی پہلی ہوئی تو آج 29 کو چاند صبح کے وقت کیونکر نظر آتا' ضرور ہے کہ گواہوں نے غلطی کی شعبان 30 کا ہُوا، آج 28 ہے ابر ہُوا تو اسی حساب پر رمضان کے 30 پُورے ہوں گے، تو یہ خیال محض غلط ہوگا بلکہ وہی دوشنبہ کی 29 ٹھہرے گی اور اسی پر بناء احکام رہے گی۔

مسئلہ نمبر 19: دن کو دو پہر سے پہلے چاند جب ہی نظر آتا ہے کہ شب گزشتہ ہلال ہو چکا ہو، پر صحیح مذہب میں اس کا بھی لحاظ نہیں۔

مثلاً پنجشنبہ (جمعرات) 29 شعبان یا 29 رمضان کو ابر تھا رؤیت نہ ہوئی جمعہ کی دو پہر سے پہلے چاند نظر آیا تو اگرچہ قیاس یہی چاہتا ہے کہ شب جمعہ میں ہلال ہو گیا، ورنہ دو پہر سے پہلے نظر نہ آتا۔ تو آج پہلی ہونی چاہیے۔ مگر صحیح مذہب میں اس کا کچھ لحاظ نہ ہوگا اور آج تیس ہی ٹھہرے گی۔

مسئلہ نمبر 20: چاند کے بڑے ہونے کا کچھ خیال نہ چاہیے۔

بہت لوگ چاند کو بڑا دیکھ کر کہنے لگتے ہیں کہ کل کا ہے یا آج 29 نہ تھی 30 تھی کہ 29 کا چاند اتنا بڑا نہیں ہوتا، یہ اُن کی خام خیالی ہے، شرعی معاملے تو اوپر ہو چکے کہ وہاں قیاسی باتوں کا دخل نہیں اور بطور علم ہیأت ہی چلیے تو ان شاء اللہ تعالیٰ فقیر ثابت کر سکتا ہے کہ 29 کا چاند بعض 30 کے چاندوں سے بڑا ہونا ممکن۔ اور سب سے بڑھ کر دافع اوہام یہ ہے کہ طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضرت سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ((اقتــراب الســاعة انتــفــاخ الاهلة)) ترجمہ: قربِ قیامت ایک اثر یہ ہے کہ ہلال بڑے نظر آئیں گے۔ (کنز العمال بحوالہ المعجم الکبیر، ج 14، ص 220، مکتبۃ التراث الاسلامی، مصر)

مسئلہ نمبر 21: نہ اس کے اونچے ہونے پر نظر نہ اس کے دیر تک ٹھہرنے پر التفات۔

بہت لوگ چاند اونچا دیکھ کر بھی ایسی ہی اٹکلیں دوڑاتے ہیں، بعض کہتے ہیں اگر 29 کا ہوتا تو اتنا نہ ٹھہرتا۔ یہ سب بھی ویسے ہی اوہام ہیں جن پر شرع میں التفات نہیں، خصوصاً یہ باتیں تو از رُوئے ہیأت بھی کلیہ نہیں ہو سکتیں، میں ان شاء اللہ تعالیٰ ثابت کر سکتا ہوں کہ کبھی 29 کا 30 کے بعض ہلالوں سے اونچا اور دیر پا ہونا متصور۔

مسئلہ نمبر 22: آج کا ہلال شفق سے پہلے ڈوبتا ہے کل کا بعد کو، یہ بھی معتبر نہیں۔

شفق سے مراد شفقِ احمر ہے یعنی وُہ سرخی جو غروبِ آفتاب کے بعد جانبِ مغرب رہتی ہے۔ عادت یُوں ہے کہ جو ہلال اسی شب ہُوا وہ اس سُرخی کے غائب ہونے سے پہلے ڈوب جاتا ہے، اور جو کل ظاہر ہُوا تھا اس کے بعد غروب کرتا ہے۔ پھر یہ بھی تجربہ کی بات ہے، صحیح مذہب میں اس پر اعتماد نہیں۔

مسئلہ نمبر 23: تیسری رات عشاء سے پہلے چاند نہیں ڈوبتا، پر یہ بھی قابلِ لحاظ نہیں۔

عادت اکثری یُوں ہے کہ تیسری شب کا چاند غروب نہیں کرتا جب تک عشاء کا وقت نہ آجائے۔ پر معاملۂ ہلال میں شرعاً

اس پر بھی التفات نہیں مثلاً گواہی گزری کہ آج چاند ہوا، کل جمعہ کی یکم رمضان ہے اب شنبہ (ہفتہ) کے بعد جو شب یکشنبہ (اتوار کی رات) آئی کہ اس شہادت کی رُو سے تیسری شب تھی، اس میں دیکھا تو چاند مغرب ہی کے وقت عشاء کا وقت آنے سے پہلے ڈوب گیا جس کے سبب گمان ہوتا ہے کہ آج شبِ دوم ہے اس کا کچھ خیال نہ کریں گے اور تیسری ہی رات قرار دیں گے۔

مسئلہ نمبر 24: چودھویں کا سُورج ڈوبنے سے پہلے نکلتا ہے، پندرھویں کا بیٹھ کر، یہ دونوں بھی نا معتبر ہیں۔

حاکم شرع یا عالمِ دین نے شہادتِ شرعیہ لے کر شعبان کا مہینہ 29 کا ٹھہرایا اور کل بروز جمعہ رمضان کا حکم دیا، اب اس حساب سے شبِ جمعہ 15 کو چاند غروب سے پہلے نکلا، تو بہت جاہل اعتراض کرینگے کہ وُہ حکم غلط تھا بلکہ 30 کا چاند ہوا، اور ہفتہ کی پہلی، جب ہی تو آج چاند بیٹھ کر نہ چمکا، یا حاکم و عالم نے گواہی ناکافی سمجھ کر شعبان کی گنتی 30 پوری کی، شنبہ (ہفتہ) سے یکم رمضان رکھی۔ شبِ جمعہ میں چاند بیٹھ کر نکلا' جاہل لوگ کہیں گے کیوں صاحب! ہفتہ کی پہلی سے تو آج شبِ بدر ہوتی ہے یہ چاند بیٹھ کر کیوں نکلا، ضرور جمعہ کی پہلی تھی اور آج پندرھویں۔ یہ اور اس قسم کے سب خیالات محض مہمل و بیہودہ ہیں جن پر اصلاً مدارِ احکام نہیں، نہ حاکم و عالم پر شرع یہ لازم فرمائے کہ عنداللہ جو بات نفس الامر میں ہے اس پر مطلع ہو جائیں کہ یہ تکلیف مالا یطاق ہے، بلکہ شرع ان پر یہی فرض کرتی ہے کہ دلیل شرعی سے جو بات ثابت ہو اس پر عمل کرو، عام ازیں کہ عنداللہ کچھ ہو۔

علاوہ بریں چاند کا چودھویں کو غروبِ شمس سے پہلے نکلنا اگر چہ اکثری ہے، اور اسی لئے اسے بدر کہتے ہیں مگر بحساب ہیأت بھی اس کا خلاف ممکن۔

مسئلہ نمبر 25: غلط ہے کہ ہمیشہ رجب کی چوتھی رمضان کی پہلی ہو۔

عوام میں مشہور ہے کہ سال میں جس دن رجب کی چوتھی اسی دن آ کر رمضان کی پہلی پڑے گی۔ یہ بات محض بے اصل ہے، اس کا شرعی نہ ہونا تو خود ظاہر، تجربہ بھی خلاف پر شاہد۔ بعض دفعہ رجب کی تیسری اور رمضان کی پہلی مطابق ہوئی ہے۔

مسئلہ نمبر 26: رمضان کی پہلی ذی الحجہ کی دسویں ہونا بھی ضروری نہیں۔

کہیں مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے بعض آثار میں آ گیا کہ تمہارے روزہ کا دن وہی تمہاری قربانی کا دن ہے، یہ اُس سال کا ایک واقعی بیان تھا، نہ کہ ہمیشہ کے لیے حکم شرعی ہو، بارہا یکم رمضان و دہم ذی الحجہ مختلف پڑتی ہیں، مثلاً یکم رمضان جمعہ کی ہو اور رمضان شوال ذیقعدہ تینوں مہینے 29 کے تو عید اضحیٰ چہار شنبہ (بدھ) کی ہوگی اور دو 29 کے تو پنجشنبہ (جمعرات) کی، اور تینوں تیس 30 کے تو شنبہ (ہفتہ) کی۔ ہاں دو تیس کے اور ایک 29 کا، تو بے شک جمعہ کی پڑے گی۔ پھر یونہی ہونا کیا ضرور ہے!

مسئلہ نمبر 27: اکثری سہی کہ اگلے رمضان کی پانچویں اس رمضان کی پہلی ہوتی ہے، پر شرع میں اس پر اعتماد نہیں۔

مسئلہ نمبر 28: برابر چار مہینے سے زیادہ 29 کے نہیں ہوتے، پر اس پر بھی مدار نہیں۔

مثلاً ربیع الآخر ... جب تک چار مہینے 29 کے ہوتے آئے، اب شعبان کی 29 کو شہادت رؤیت گزری، بلاشُبہ مقبول ہوگی، اور یہ خیال نہ کریں گے کہ 5 برابر 29 کے ہوئے جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 29: ان امور میں خط کا اعتبار جس طرح عوام میں رائج محض مردود ہے اگر چہ مہر شدہ ہو اور کاتب ثقہ اور خط معروف۔

تنبیہ: خط بعض صورتوں میں مقبول ہوتا ہے، کتاب القاضی الی القاضی یعنی (حاکمِ شرع) حاکمِ شرع کو خط لکھے وہ بشرائط کثیر حجت ملزم ہے۔

مسئلہ نمبر 30: تار محض مہمل اور نا قابلِ التفات اگر چہ متعدد شہروں سے وار ہو۔

مسئلہ نمبر 31: بازاری افواہ اصلاً کوئی چیز نہیں۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ خبر رؤیت کا شہر میں شہرہ اور عام عوام کی زبان پر چاند چاند کا چرچا ہو گیا، پھر تحقیق کیجئے تو کچھ اصل نہ تھی، اسے افواہ کہتے ہیں، شرع تواتر وشہرت کو قبول فرماتی ہے وہ اور چیز ہے۔

مسئلہ نمبر 32: مجرد حکایت محض نا مسموع۔

گواہوں کا مجرد (صرف) بیان کہ فلاں شہر میں چاند ہُوا، یا فلاں فلاں نے چاند دیکھا، یا فلاں روز سے روزہ رکھا۔ مجرد حکایت ہے جس پر اصلاً التفات نہیں، بلکہ یا تو اپنے معائنہ کی شہادت ہو، یا شہادت پر شہادت، یا شرعی شہرت۔ یہ مسئلہ بہت ضروری الحفظ ہے۔ یہ صرف عوام بلکہ آج کل کے بہت مدعیانِ علم، بلکہ بعض ذی علم بھی ناواقف پائے۔

مسئلہ نمبر 33: یقین عرفی کچھ بکار آمد نہیں۔

یہ ایک نفیس مسئلہ ہے جس پر فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہٗ نے تنبیہ کی، یقین دو طرح کا ہوتا ہے: ایک شرعی کہ طریقہ شرع سے حاصل ہو۔ دوسرا عرفی کہ باوجود عدم طریقہ شرعی صرف اپنے مقبولات و مسلّمات یا تجربیات، مشہورات اور قرائن خارجیہ کے لحاظ سے اطمینان حاصل ہو جائے۔ ناواقف لوگ مدرک عرفی و شرعی مطہر نے شہادت میں عدد شرط کیا دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں ہوں' وہاں ہمارے اعظم کسی معتمد اجل متند نے جسے افضل اولیاء عالم جانیں، اور وُہ واقع میں بھی غوثِ زمانہ ہی ہو۔ شہادت دی کہ میرے سامنے ایسا ہُوا اور میں نے بچشمِ خود دیکھا، ہمیں جو اعتبار اس کے فرمانے پر آئے گا، ہرگز دو چار دس بیس کی بات پر بھی اس سے زیادہ نہ ہوگا مگر شرع دوسرا گواہ اور مانگے گی، اور معاملۂ زنا میں تین۔ تو اگر ایسے ہی تین گواہی دیں جب بھی نا مسموع کہ قرآن کریم نے ﴿بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ﴾ فرمایا، اگر چہ اس میں شک نہیں کہ سامع مطلع کو ان کے ارشاد میں اصلاً محلِ شک نہ ہوگا۔ اسی طرح ہزاروں نظیریں اس مسئلہ کی ہوں گی اور پھر قرائن بے چارے کسی گنتی شمار میں ہیں۔ ذی علم کو بارہا واقع ہوتا ہے کہ بہت امور خارجہ کے لحاظ سے چاند ہونے میں اطمینان کامل رکھتا ہے، مگر جب تک ثبوت شرعی نہ ہو ہرگز حکمِ رؤیت نہیں کرتا۔ یُوں ہی

جب ثبوت میزان شرعی پر ٹھیک اُترے گا مجبوراً حکمِ رؤیت کرے گا، اگر چہ بنظر امور دیگر کسی طرح ہلال کا ہونا دل پر نہ جمے۔ ایسی ہی جگہ عالم و جاہل کا فرق کھلتا ہے، جب قرائن اس کے خلاف ظاہر ہوتے ہیں، جہال حکمِ عالم پر اعتراض کرنے لگتے ہیں، حالانکہ وُہ جانتا ہے کہ جو میں نے کیا وہی رائے صائب تھی اور مجھ پر بہرحال مدرک شرعی کی پابندی واجب۔ (449 تا 478)

روزہ توڑدینے والی اشیاء

سوال: رمضان میں عورت کوئی دوا خشک اپنی فرج میں رکھے تو روزے میں کچھ فساد آئے گا یا نہیں؟

جواب: اگر روزے کی حالت میں یعنی طلوعِ صبح صادق سے غروبِ شمس تک رمضان خواہ غیر رمضان میں دوا خشک یا تر خواہ کوئی چیز فرج میں اس طرح رکھی گئی کہ فرج داخل کے اندر بالکل غائب کردی تو روزہ جاتا رہا، اور اگر مثلاً دوا کسی کپڑے میں باندھ کر فرج میں اس طرح رکھی کہ کپڑے کا سرا فرج داخل سے باہر رہا اگر چہ فرج خارج میں غائب ہوجائے تو روزہ نہ جائے گا جب تک دوا کا کوئی حصہ کپڑے سے چھین کر فرج داخل کے اندر نہ گرے یا دوا ایسی تر ہو کہ کپڑے میں ٹپک کر فرج داخل میں لگے یا حرکت کے سبب کپڑا چڑھ جائے کہ بالکل فرج داخل کے اندر غائب ہوجائے، ان صورتوں میں روزہ جاتا رہے گا۔ (ص 481)

سوال: عورت انگلی سے دوا اپنے جسم میں داخل کرے، یا مرد انگلی کرے تو روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟

جواب: انگلی فرج میں داخل کرنے سے عورت کا روزہ صرف چار صورت میں فاسد ہوگا:

ایک یہ کہ انگلی داخل کرنے سے اُسی حالت میں کہ انگلی فرج کو مَس کر رہی ہے عورت کو انزال ہوجائے۔ **دوسرے** یہ کہ انگلی پانی یا روغن کی مانند کسی شے سے ایسی تر ہو کہ اُس کی تری چھوٹ کر فرج داخل میں لگے۔ **تیسرے** یہ کہ خشک انگلی داخل کی وُہ فرج کی رطوبت سے ایسی تر ہوگئی کہ اب اس سے چھوٹ کر دوسری چیز میں لگے، بعدہ انگلی باہر کرکے ایسی ہی تری کی حالت میں پھر اندر کی کہ تری چھوٹ کر فرج داخل میں لگی۔ **چوتھے** یہ کہ انگلی کٹی ہوئی جسم سے جُدا تھی وہ فرج داخل کے اندر غائب کردی گئی کہ سرا باہر نہ رہا، یہ احکام بھی اُسی مسئلہ سے ظاہر ہیں ان میں برابر ہے خواہ انگلی مرد کی ہو یا عورت خود اپنی انگلی داخل کرے اگر چہ بدن صاف کرنے کو۔

تنبیہ: فتح القدیر و مراقی الفلاح و فتاوٰی ظہیریہ و فتاوٰی ہندیہ وغیرہا عامہ کُتب میں جو انگلی کی تری میں آب و روغن (پانی اور تیل) کا ذکر ہے محض تمثیل و تصویر ہے، نہ تخصیص و تقید کہ اگر دودھ یا گھی لعاب دہن میں تر ہو جب بھی بداہۃً حکم یہی ہے کہ مدار صرف کسی تری کا خارج سے جوف میں جا کر رہ جانا ہے، اور شک نہیں کہ فرج کی رطوبت جب انگلی سے لگ کر باہر آئی اب وُہ بھی رطوبتِ خارجہ ہوگئی، اب دوبارہ جو باہر سے جا کر فرج داخل کے اندر رہ جائے گی ضرور فسادِ صوم لائے گی جس طرح لعابِ دہن اگر قبل خروج اُسے نگل جائے روزہ میں خلل نہیں، اور اگر دہن سے جُدا کردینے کے بعد کھائے گا روزہ جائے گا۔

رہا علماء کا فرمانا کہ اگر کان سے میل نکالا اور میل لگی ہوئی سلائی دوبارہ سہ بارہ کان میں کی تو بالا جماع روزہ نہ جائے گا۔ وہ اس مسئلہ سے جدا ہے وہاں نہ ٹوٹنے کی وجہ یہ ہے کہ کان کریدنے میں سلائی دماغ تک نہیں جاتی تو میل جوف میں داخل نہ ہُوا بخلاف یہاں کے کہ فرج داخل خود جوف ہے۔ (ص482 تا484)

سوال: بیوی کو لپٹایا یا خیال باندھا کچھ دیر بعد جس وقت کہ خواہش بالکل نہ رہی بُوندیں خارج ہوئیں یا پیشاب کو جاتے وقت بعد پیشاب کے کچھ گاڑھا پانی سفید نکلے جس کی شکل منی کی سی ہو تو اس سے روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟

جواب: منی اپنی رنگت اور بُو اور قوام وغیرہا کے باعث اور پانیوں سے ممتاز ہو جاتی ہے، بہر حال صورت مستفسرہ میں جو کچھ نکلا اگرچہ منی ہی ہو جبکہ بالکل شہوت ساکن ہو جانے کے بعد بلا شہوت بعد پیشاب نکلا تو اس سے نہ غسل واجب ہو نہ روزے میں کچھ خلل آیا اور مجرد خیال باندھنے سے تو روزہ اصلاً نہیں جاتا اگرچہ اسی حالت تصوّر ہی میں شہوت کے ساتھ انزال ہو جائے، ہاں لپٹانے یا بوسہ لینے یا ہاتھ لگانے کی حالت میں اگر انزال ہو تو روزہ فاسد ہو کر قضا لازم آئے گی اور ان افعال کے ختم کے بعد شہوت ہنوز باقی رہی اور اس حالت میں کہ یہ عورت کے جسم سے جدا ہے منی اُتری اور بشہوت نکل گئی تو اگرچہ غسل واجب ہوگا مگر روزہ نہ جائے گا کہ یہ انزال اُن افعال سے نہ ہوا بلکہ مجرد تصوّر رہُوا۔ (ص485)

سوال: ایک شخص پان کھا کے اوّل شب میں سویا' صبح کو اُٹھ کر نیت روزہ کرتا ہے، روزہ درست ہوگا یا نہیں؟

جواب: اگر پان کھالیا تھا مُنہ میں صرف چند دانے چھالیا کے دانتوں میں لگے رہ گئے تو روزہ صحیح ہو جائے گا اور اگر صبح کے بعد بھی ایسا اُگال کثیر منہ میں تھا جس کا جرم خواہ عرق لعاب کے ساتھ حلق میں جانا مظنون ہے تو روزہ نہ ہوگا۔ (ص485)

سوال: جو لوگ پان یا تمباکو یا نسوار کے عادی ہیں وہ اگر روزہ کی حالت میں پان تمباکو نسوار منہ رکھ لیں اور اس کا جرم حلق کے اندر نہ جانے دیں تو روزہ ٹوٹ جائیگا یا نہیں؟ اور بصورت ٹوٹ جانے کے قضا لازم آئے گی یا کفارہ؟

جواب: پان جب مُنہ میں رکھا جائے گا اُس کا عرق ضرور حلق میں جائیگا، اور تمباکو جیسی کھائی جاتی ہے وہ اگر منہ میں ڈالی جائیگی تو یقیناً اس کا جرم لعاب کے ساتھ حلق میں جائے گا اور نسوار تو بہت باریک چیز ہے جب اوپر کو سُونگی جائے گی ضرور دماغ کو پہنچے گی اور ان طلب والوں کے مقاصد بھی یونہی بر آئیں گے اور فقہیات میں ایسا مظنون مثل متیقن ہے، یہ سب شیطانی وسوسے ہیں' ان چیزوں کے استعمال سے جو روزہ جائے اس کی فقط قضا نہیں بلکہ کفارہ بھی ضرور ہوگا کہ ان میں صلاح بدن وقضائے شہوت ہے اور اگر بالفرض ان میں احتیاط یقینی کی صورت متصور بھی ہوتی جب بھی ممانعت میں شک نہ تھا جیسے مباشرتِ فاحشہ کہ بے انزال ناقص نہیں مگر ممنوع ضرور ہے۔ (ص486)

سوال: اگر کوئی شخص سحری میں اتنا زیادہ کھالے کہ صبح کو اُسے کھٹّی ڈکاریں آئیں تو روزہ ہُوا یا نہیں؟ اور روزہ کس

طرح ٹوٹتا ہے؟

جواب: کھٹّی ڈکار سے روزہ نہیں جاتا، یہ کسی کتاب میں نہیں لکھا۔ روزہ تین باتوں سے جاتا ہے:

(1) جماع اگرچہ انزال نہ ہو۔ (2) اور مس ج... ۔(3) اور باہر سے کوئی چیز جوف میں اس طرح داخل ہو کہ باہر اُس کا علاقہ نہ رہے مثلاً ڈورے میں بوٹی باندھ کر نگل ... اور ڈور باہر ہے تو اگر اسے نکال لے گا روزہ نہ جائے گا اور اگر ڈور باہر نہ رہی نکالنے میں بوٹی یا اس کا کچھ حصہ جوف ... رہ گیا تو روزہ جاتا رہا۔ (ص486)

سوال: روزہ دار کو فصد کھلوانا اور سوزاک میں پچکاری لگوانا جائز ہے یا نہیں؟ اور فصد یا پچکاری لگوایا تو روزہ باطل ہوجائے گا یا نہیں؟

جواب: فصد سے روزہ نہ جائے گا، ہاں ضعف کے خیال سے بچے تو مناسب، اور پچکاری سے مرد کا روزہ نہ جائے گا عورت کا جاتا رہے گا۔ (ص487)

سوال: ایک ولی کے ... میں چند حضرات مل کر بعد 4 بجے دن کے فاتحہ کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور بوقتِ فاتحہ ہمیشہ مزار شریف سے کچھ فاصلہ پر لوبان جلایا جاتا ہے اور حاضرین مزار شریف کے قریب کھڑے ہوکر فاتحہ پڑھتے ہیں اگر بغیر قصد وارادے کے دُھواں ناک وحلق وغیرہ میں چلا جائے تو کیا روزہ فاسد ہوجائے گا؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

جواب: متون وشروح وفتاوٰی عامۂ کتب مذہب میں جن پر مدارِ مذہب ہے علی الاطلاق تصریحات روشن ہیں کہ دُھواں یا غبار حلق یا دماغ میں آپ چلا جائے کہ روزہ دار نے بالقصد اسے داخل نہ کیا ہو تو روزہ نہ جائے گا اگرچہ اس وقت روزہ ہونا یاد تھا۔ ہاں اگر صائم اپنے قصد وارادہ سے اگر یا لوبان خواہ کسی شے کا دُھواں یا غبار اپنے حلق یا دماغ میں عمداً بے حالتِ نسیانِ صوم داخل کرے، مثلاً بخور سلگائے اور اسے اپنے جسم سے متصل کرکے دُھواں سُونگھے کہ دماغ یا حلق میں جائے تو اس صورت میں روزہ فاسد ہوگا۔ بالجملہ مسئلۂ غبار ودخان میں دخول بلاقصد (بلاقصد خود ہی داخل ہونا) وادخال بالقصد (قصداً داخل کرنا) پر مدار کار ہے۔ اوّل اصلاً مفسد صوم نہیں اور ثانی ضرور مفطر (روزہ توڑنے والا)، اور بداہۃً واضح کی صورت مذکورۂ سوال صورتِ دخول ہے نہ کہ شکلِ ادخال، تو اس میں انتقاضِ صوم (روزہ ٹوٹنے) کا حکم محض بے سند وبے اصل خیال۔ (ص490تا494)

سوال: روزہ دار کو غوطہ لگانا چاہئے یا نہیں؟ ایک شخص کہتا ہے کہ غوطہ لگانے بلکہ ناف کے اُوپر پانی پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

جواب: وہ شخص غلط کہتا ہے، پانی بدن کے اُوپر ہونے سے روزہ جائے تو نہانے سے بھی جائے، وضو سے بھی جائے، ہاں جوف کے اندر مسام کے سوا منافذ سے پہنچے تو روزہ جائے گا مگر غوطے میں ایسا نہیں، غوطہ لگا کر کھلے ہوئے منفذ نتھنوں کو دیکھئے کہ ان میں بھی پانی نہیں پہنچتا۔ (ص511)

سوال: سُرمہ لگانا چاہیئے یا نہیں؟ ایک شخص کہتا ہے کہ سُرمہ بعد عصر لگانا چاہیئے اور ایک شخص نے یہ بھی کہا کہ سُرمہ لگا کر سونا نہ چاہیئے۔

جواب: سُرمہ بھی ہر وقت لگانے کی اجازت ہے اور لگا کر سو بھی سکتا ہے اور سونے سے بھی کبھار میں سُرمہ کی رنگت آجائے تو کچھ حرج نہیں کہ یہ مسام سے پہنچا اور آنکھوں میں معاذ اللہ کان یا ناک کے سوراخ نہیں کہ اُن میں داخل روزہ کو مضر ہو۔ (ص511)

سوال: روزہ دار کو خوشبو سونگھنا چاہیئے یا نہیں؟

جواب: روزہ دار خوشبو سونگھ سکتا ہے، سونگھنے سے جس کے اجزاء دماغ میں نہ چڑھیں بہ خلاف اگر لوبان کے دھوئیں کے کہ اسے سونگھ کر دماغ کو چڑھ جائے گا تو روزہ جاتا رہے گا۔ (ص511)

سوال: سر میں تیل ڈالنا چاہیئے یا نہیں؟ اور بدن پر تیل ملنا چاہیئے یا نہیں؟

جواب: روزہ دار سر میں روغن ڈال سکتا ہے کہ یہ بھی مسام میں کوئی منفذ نہیں، بدن پر بھی روغن مل سکتا ہے، مل کر خوب جذب کر سکتا ہے، ہاں مثلاً کان میں نہیں ڈال سکتا، اگر ڈالے گا روزہ جاتا رہے گا۔ (ص511)

سوال: روزہ دار مسواک کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور مسواک کی لکڑی چبانا چاہیئے یا نہیں؟

جواب: مسواک کرنا سنّت ہے، ہر وقت کر سکتا ہے، اگرچہ تیسرے پہر یا عصر کو چبانے سے لکڑی کے ریزے چھوٹیں یا مزہ محسوس ہو تو نہ چاہیئے۔ (ص511)

سوال: روزہ دار دانتوں میں خلال کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور منجن ملنا چاہیئے یا نہیں؟

جواب: خلال کرنے میں تو کوئی مضائقہ نہیں مگر رات کا دانتوں میں کچھ بچا رکھنا نہ چاہیئے جسے دن کو خلال سے نکالے، ہاں سحری کھا کر فارغ ہُوا تھا کہ صبح ہوگئی تو اب ہی خلل کرے گا اس کا حرج نہیں، روزہ میں منجن مَلنا نہ چاہیئے۔ (ص511)

قضا اور کفارے کا بیان

سوال: میّت کے نماز و روزہ وغیرہ کے کفارے کے عوض میں قرآن شریف کو حیلہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: یہ حیلہ دو طور پر ہے:

اوّل: یہ کہ نماز روزے وغیرہ جس قدر ذمۂ میّت ہوں سب کے کفارے میں خود قرآن مجید ہی مسکین کو دے دیا جائے یعنی مصحف مبارک ہی کو اُن فرائض کا معاوضہ و کفارہ بنالیا جائے، یہاں جہاں اسی طرح کرتے ہیں اُن کا خیال ہے کہ قرآن بے بہا چیز ہے اُس کی قیمت کا کون اندازہ کر سکتا ہے تو اگر لاکھوں کفارے ہوں ایک مصحف میں سب ادا ہو جائیں گے، ولہذا انہیں

میت کی عمر اور اس کی قضاء نمازوں روزوں کا حساب کرنے کی بھی حاجت نہیں ہوتی کہ حساب تو جب کیجئے کہ کچھ کمی کا احتمال ہو اور جہاں ہر طرح یقیناً زیادہ ہی چیز جا رہی ہے وہاں حساب کس لئے۔

یہ طریقہ یقیناً قطعاً باطل و مہمل ہے شرع مطہر نے کفارے میں مال معین فرمایا ہے کہ ہر نماز ہر روزے کے عوض نیم (آدھا) صاع گندم یا ایک صاع جَو یا اُن کی قیمت۔ اور اس سے مقصود شرع اِدھر نفع رسانی مساکین ہے اُدھر اپنی رحمتِ کاملہ سے ترکِ فرائض پر مالی جرمانہ لے کر اِن شاءاللہ بندہ تارک کو مطالبہ سے سبکدوش فرمانا، ولہٰذا ہر نماز روزہ کے ایک مقدار مال معیّن فرمائی کہ جرم کم و زائد میں امتیاز رہے، جس نے تھوڑے چھوڑے ہیں تھوڑا مال دے کر پاک ہو جائے، جس نے زیادہ چھوڑے اس پر اُسی حساب سے جرمانہ بڑھتا جائے۔

مصحف شریف میں دو لحاظ ہیں: ایک کاغذ و سیاہی و جلد کا اعتبار، اس لحاظ سے وہ ایک مال ہے اسی لحاظ سے اس کی بیع و شرا ہوتی ہے، بایں معنی اس کی قیمت وہی ہے جتنے پر بازار میں ہدیہ ہو، روپیہ دو روپیہ یا دس پندرہ جو حیثیت ہو اسی لحاظ سے وہ کفارے میں دیا جاسکتا ہے تو بازار کے بھاؤ سے جتنے داموں پر ہدیہ ہو اُسی قدر مال دینا ٹھہرے گا، اور کفارہ ادا ہوا تو صرف اُتنے ہی نماز روزوں کا ادا ہوگا جو ان داموں کے مقابل ہوں مثلاً روپے کے پانچ صاع گیہوں آتے ہیں اور یہ مصحف شریف کہ دیا گیا دو روپے ہدیہ کا تھا تو گویا دس صاع گیہوں دئے گئے صرف بیس نمازوں یا بیس روزوں کا عوض ہوئے، دو چار روپے مالیت کی چیز سے عمر بھر کی نمازوں کا کفارہ کیونکر ادا ہوسکتا ہے۔

دوسرا لحاظ اُس کلام کریم کا اعتبار ہے جو اُس میں لکھا ہے اصلاً مال نہیں بلکہ وُہ اس احد صمد جل وعلا کی صفت قدیمہ کریمہ اُس کی ذات پاک سے قائم اور اُس کے کرم سے ہمارے ورقوں، ہمارے سینوں، ہماری زبانوں، ہماری آنکھوں، ہمارے کانوں، ہمارے دلوں پر کتابت و حفظ و تلاوت و نظر و سماعت و فہم میں متجلی ہے۔

عوام نے سچ کہا کہ وُہ بے بہا ہے اور غلط سمجھا کہ اُس کی قیمت حد سے سوا ہے بلکہ وُہ بے بہا بایں معنٰی ہے کہ تقویم و مالیت سے پاک و درا ہے بایں معنٰی وہ کفارہ نہیں ہوسکتا کہ کفارہ مال سے ہوتا ہے اور وہ مال نہیں۔

دوسرا طریقہ: یہ کہ میّت پر جس قدر نماز روزے وغیرہا قضا ہوں سب کا حساب لگائیں اور اس کا کفارہ معین کریں کہ مثلاً ہزار من گندم ہوئے، مصحف شریف اُتنے گیہوں (گندم) یا اُن کی قیمت کے عوض مسکین کے ہاتھ بیچ کریں وُہ قبول کرلے مصحف تو اس نے پایا اور اس پر ہزار من گندم یا مثلاً تین ہزار روپے ثمن مصحف کے دین ہوگئے، اب اس سے کہیں کہ اتنے گیہوں یا روپے جو ہمارے تجھ پر واجب الادا ہیں وہ ہم نے فلاں میّت کے کفارہ میں تجھے دئے، فقیر کہے میں نے قبول کئے۔ یہ حیلہ قرآن عظیم کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر کتاب یا کپڑے یا برتن و امثالہا سے ہوسکتا ہے، دہلی کے متاخرین علماء نے یہ حیلہ لکھا مگر نظرِ فقہی میں یہ بھی صحیح نہیں آتا، کہ کفارے میں مال دینا چاہئے اور دین کہ ساقط کر دیا مال نہیں۔ بلکہ ضرور ہے کہ وہ دین اس سے وصول کر کے قبضہ میں لاکر کفارے میں دیں۔ (ص 513 تا 516)

سوال :12 رمضان المبارک کو ہم لوگوں کی آنکھ قریب ساڑھے چار بجے کھلی، جلد جلد ہم لوگوں نے کھانا یعنی سحری کھا کر حقّہ پی رہے تھے کہ یکا یک اذان ہوگئی فوراً کلی کر کے اور کاموں میں مصروف ہوگئے، صبح کسی نے بتایا کہ روزہ نہ ہوا، ہم نے دن میں بھی کھانا کھالیا، کیا حکم ہے؟ کفارہ دینا ہوگا یا قضا کرنی ہوگی؟

جواب: آج کل کہ آفتاب اوائل بُرج حمل میں ہے۔ بریلی بلگرام کے قریب قریب عرض کے شہروں میں سحری چار بجے تک کھانی چاہیئے، ساڑھے چار بجے کب کی صبح ہو چکتی ہے، اس وقت کچھ کھانے پینے کے معنی ہی نہ تھے، وہ روزہ یقیناً نہ ہوا، اُس کی قضا فرض ہے مگر غیر مریض و مسافر کو روزہ جاتے رہنے کی بھی حالت میں بوجہ ادب و حُرمت ماہ مبارک دن بھر مثل روزہ رہنا واجب تھا، دن کو پھر جو قصداً کھایا حرام تھا گناہ ہُوا، توبہ کی جائے، مگر روزہ تو تھا ہی نہیں جسے اس کھانے نے توڑا ہو، لہذا کفارے سے کچھ علاقہ نہیں۔ و اللہ تعالیٰ اعلم (ص517)

سوال :ایک مریض کو دن میں سخت تکلیف ہوئی، جس کی وجہ سے اسے دوا پلادی گئی، اب اس روزے کے بدلے اس مریض کو کیا کرنا چاہیئے، ساٹھ روزے رکھے یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے؟

جواب :اس صورت میں نہ ساٹھ روزے ہیں نہ ساٹھ مسکین غرض کفارہ نہیں صرف اُس روزہ کی جو توڑا اور ان روزوں کی جو نہ رکھے قضا ہے ہر روزہ کے بدلے ایک روزہ و بس۔ (ص517)

سوال : کیا ایک شہر کی رؤیت سے دوسرے شہر میں رمضان یا عید ہوسکتی ہے یا ہر شہر و علاقہ کے لیے علیحدہ علیحدہ رؤیت ہونا ضروری ہے؟

جواب :ہمارے ائمہ کرام کا مذہب صحیح و معتمد یہی ہے کہ دربارہ ہلالِ رمضان و عید اختلاف مطالع کا کچھ اعتبار نہیں، اگر مشرق میں رؤیت ہو مغرب پر حجت ہے، اور مغرب میں تو مشرق پر، مگر ثبوت بروجہ شرعی چاہیئے، خط یا تار یا تحریرِ اخبار یا افواہ بازار یا حکایتِ امصار محض بے اعتبار۔ (ص518)

سوال :ماہ رمضان المبارک میں ایک شخص نے سحری کا کھانا کھا کر روزے کی نیت کر کے کھانا پینا بند کیا، اس کے بعد اپنی منکوحہ سے خوش طبعی کرتے ہوئے اسے انزال ہوگیا، یہ معاملہ صبح صادق سے پہلے ہوا ہو یا بعد میں، بہرصورت اس کے اور اس کی عورت کے روزے کا کیا حکم ہے؟

جواب :عورت کے لئے کچھ حکم نہیں اور مرد پر بھی کفارہ نہیں، اور اگر انزال قبل صادق ہُوا تو قضا بھی نہیں، اور بعد صبح صادق ہوا اور اس وقت مس وغیرہ نہیں کر رہا تھا اُس کے بعد مجرد بقائے تصور سے واقع ہُوا جب بھی قضا نہیں، ورنہ اس روزہ کو پُورا کرے اور ایک روزہ اس کے عوض رکھے۔ و اللہ تعالیٰ اعلم (ص519)

سوال: اگر دو صاحب کسی شخص کا روزہ زبردستی تڑوا دیں ان کے لیے کیا حکم ہے؟ اور جو صاحب روزہ توڑ دیں وہ کیا کریں؟

جواب: بلاضرورت و مجبوری شرعی فرض روزہ زبردستی تڑوانے والا شیطان مجسم و مستحق نارِ جہنم ہے اور بغیر کسی مجبوری کے فقط کسی کے بارڈالنے یا زیر کرنے سے فرض روزہ توڑ دینے والے پر عذاب ہے، اور روزہ ادائے رمضان تھا تو حسب شرائط اس پر کفارہ واجب جس میں ساٹھ روزے لگا تار رکھنے ہوتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص520)

سوال: کوئی شخص روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھے، تو اس کے لیے کیا فدیہ ہے؟ اور کیا اس کی جگہ کوئی اور روزہ رکھ سکتا ہے؟

جواب: جو ایسا مریض ہے کہ روزہ نہیں رکھ سکتا روزہ سے اُسے ضرر ہوگا، مرض بڑھے گا یا دن کھنچیں گے، اور یہ بات تجربہ سے ثابت ہو یا مسلم طبیب حاذق کے بیان سے جو فاسق نہ ہو تو جتنے دنوں یہ حالت رہے اگرچہ پورا مہینہ وہ روزہ ناغہ کر سکتا ہے اور بعد صحت اس کی قضا رکھے، جتنے روزے چھوٹے ہوں ایک سے تیس تک۔ اپنے بدلے دوسرے کو روزہ رکھوانا محض باطل و بے معنی ہے۔ بدنی عبادت ایک کے کئے دوسرے پر سے نہیں اُتر سکتی، نہ مرد کے بدلے مرد کے رکھے سے نہ عورت کے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص520)

فدیے کا بیان

سوال: امام اگر عذر سے روزہ نہیں رکھتا ہے، اس کے بدلے ایک مسکین کو ہمیشہ کھانا کھلا دیتا ہے، اس کے کیا حکم ہے؟

جواب: بعض جاہلوں نے یہ خیال کر لیا ہے کہ روزہ کا فدیہ ہر شخص کے لئے جائز ہے جبکہ روزے میں اسے کچھ تکلیف ہو، ایسا ہرگز نہیں، فدیہ صرف شیخ فانی کے لیے رکھا ہے جو بہ سبب پیرانہ سالی حقیقۃً روزہ کی قدرت نہ رکھتا ہو، نہ آئندہ طاقت کی امید کہ عمر جتنی بڑھے گی ضعف بڑھے گا اُس کے لیے فدیہ کا حکم ہے، اور جو شخص روزہ خود رکھ سکتا ہو اور ایسا مریض نہیں جس کے مرض کو روزہ مضر ہو، اس پر خود روزہ رکھنا فرض ہے اگرچہ تکلیف ہو۔ بھوک پیاس گرمی خشکی کی تکلیف تو گویا لازم روزہ ہے اور اسی حکمت کے لیے روزہ کا حکم فرمایا گیا ہے، اس کے ڈر سے اگر روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہو تو معاذ اللہ روزے کا حکم ہی بیکار و معطل ہو جائے، امام مذکور اگر واقعی کسی ایسے مرض میں مبتلا ہے جسے روزہ سے ضرر پہنچتا ہے تو تا حصولِ صحت اُسے روزہ قضا کرنے کی اجازت ہے اُس کے بدلے اگر مسکین کو کھانا دے تو مستحب ہے ثواب ہے جبکہ اُسے روزہ کا بدلہ نہ سمجھے اور سچے دل سے نیت رکھے کہ جب صحت پائے گا جتنے روزے قضا ہوئے ہیں ادا کرے گا۔ اس صورت میں وہ امامت کر سکتا ہے اور اگر ویسا مریض نہیں اور کم ہمتی کے سبب روزے قضا کرتا ہے تو سخت فاسق ہے اور اسے امام بنانا گناہ، اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص521)

سوال: شیخ فانی روزوں کا فدیہ اکٹھا دے سکتا ہے یا ایک دن میں صرف ایک روزے کا فدیہ دے گا؟ اسی طرح بہت سارے روزوں کا فدیہ ایک شخص کو دے سکتے ہیں؟ نیز کیا ایک روزے کا فدیہ دو آدمیوں کو دے سکتے ہیں؟

جواب: سب صورتیں روا، مگر جس میں فقیر کو نصف صاع سے کم دینا ہو اس میں قول راجح عدم جواز ہے۔ (ص 527)

سوال: روزوں کا فدیہ کس کو دے سکتے ہیں؟

جواب: مصرف اس کا مثل مصرف صدقہ فطر و کفارہ یمین وسائر کفارات وصدقات واجبہ ہے بلکہ کسی ہاشمی مثلاً شیخ علوی یا عباسی کو بھی نہیں دے سکتے، غنی یا غنی مرد کے نابالغ فقیر بچے کو نہیں دے سکتے کافر کو نہیں دے سکتے، جو صاحب فدیہ کی اولاد میں ہے جیسے بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی، یا صاحب فدیہ جس کی اولاد میں جیسے ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی، انہیں نہیں دے سکتے، اور اقربا مثلاً بہن بھائی، چچا، ماموں خالہ، پھوپھی، بھتیجا، بھتیجی، بھانجا، بھانجی، ان کو دے سکتے ہیں جبکہ اور موانع نہ ہوں، یونہی نوکروں کو جبکہ اجرت میں محسوب نہ کریں۔ صدقاتِ واجبہ زوجین کو بھی نہیں دے سکتے۔

اقول: فدیہ نماز وروزہ جب بعد مرگ دیا جائے تو مقتضائے نظر فقہی یہ ہے کہ زوجہ کا فدیہ شوہر فقیر کو فوراً اور شوہر کا زوجہ فقیرہ کو بعد عدت گزرنے کے دینا جائز ہو کہ اب زوجیت نہ رہی اور شوہر زوجہ کے مرتے ہی اجنبی ہو جاتا ہے ولہذا اسے مَس جائز نہیں۔ (ص 528,529)

سوال: فدیہ میں قیمت دینا افضل ہے یا غلہ؟ اور دونوں کے احکام یکساں ہوں گے یا فرق ہوگا؟

جواب: قیمت افضل ہے مگر قحط میں کھانا دینا بہتر۔ باقی احکام نقد وغلّہ یکساں ہیں مگر وہ تفاوت جو خاص گندم وجَو میں بسبب اعتبار وزن معتبر، شرعی اسقاط میں لحاظ مالیت کا ہے مثلاً فرض کیجئے کہ نیم (نصف) صاع گندم کی قیمت دو آنہ ہے اور ایک صاع جَو کی ایک آنہ تو ایک آنہ کی قیمت کی کوئی چیز کپڑا، کتاب، چاول، باجرا وغیرہا بلحاظ قیمت جَو دے سکتے ہیں اگرچہ گندم کی قیمت نہ ہوئی مگر چہارم صاع گندم کافی نہیں اگرچہ قیمت اُن کی بھی ایک صاع جَو کے برابر ہوگئی کہ چار چیزیں جن پر نص شرعی وارد ہو چکی ہے یعنی گندم، جَو، خُرما (کھجور)، کشمش ان میں قیمت کا اعتبار نہیں، جتنا وزن شرعاً واجب ہے اُس قدر دینا ہوگا۔

قیمت میں نرخ بازار آج کا معتبر نہ ہوگا جس دن ادا کر رہے ہیں بلکہ روز وجوب کا مثلاً اُس دن نیم صاع گندم کی قیمت دو آنے تھی آج ایک آنہ ہے تو ایک آنہ کافی نہ ہوگا۔ دو آنے دینا لازم، اور ایک آنہ تھی اب دو آنے ہوگئی تو دو آنے ضرور نہیں ایک آنہ کافی۔ (ص 530,531)

سوال: اگر کسی فقیر کے ذمہ روپیہ کا قرض باقی ہو اور وہ فدیہ پانے کا مستحق ہو تو کیا یہ ہوسکتا ہے کہ فدیہ کی ادائیگی میں اسے معاف کر دیں؟

جواب: یہاں صورتیں متعدد ہیں، فدیہ والا اپنی حیات میں فدیہ ادا کرتا ہے جیسے شیخ فانی روزے کا یا اُس کے بعد وارث بلا وصیت بطور خود دیتا ہے یا بحکم وصیت ادا کیا جاتا ہے اور در صورت وصیت مدیون پر یہ دین بعد موت مورث، حادث ہوا ہے جیسے کسی نے ترکہ سے کوئی چیز غصب کر کے صرف کر ڈالی کہ اس کے تاوان کا اس پر دین آیا یا دین حیات مورث کا ہے تو یہ چار صورتیں ہیں۔

صورت اخیر میں عدم صحت کا حکم درمختار وغیرہ میں مصرح ہے یعنی زید پر نماز روزے وغیرہما کا فدیہ تھا اس نے وصیت کی کہ میرے مال سے ادا کرنا عمرو فقیر حیات زید سے زید کا مدیون تھا، وصی نے وہ دین فدیہ میں عمرو کو چھوڑ دیا فدیہ ادا نہ ہوا۔

باقی صور کا حکم قابل تفتیش و مراجعت ہے۔۔۔ جو مال کسی پر دین ہو جب تک وصول نہ ہو مال کامل نہیں ناقص ہے خصوصاً جبکہ کسی مفلس پر ہو کہ وہ تو گویا مردہ مال ہے ولہذا حاصل ملک مال کہ تمول وغنا نہیں ہوتا زید کے لاکھ روپے کسی مفلس پر قرض آتے ہوں جب تک پاس نصاب نہ ہو فقیر ہے خود زکوٰۃ لے سکتا ہے۔

بلکہ عرفاً دین کو مال ہی نہیں کہتے اگر لاکھوں قرض میں پھیلے ہوں اور پاس کچھ نہیں تو قسم کھا سکتا ہے کہ میرا کچھ مال نہیں۔

ولہذا کسی عین یعنی نصاب موجود کی زکوٰۃ، دین بہ نیت زکوٰۃ معاف کر دینے سے ادا نہیں ہوسکتی کہ نصاب موجود مال کامل ہے تو مال ناقص اس کی زکوٰۃ نہیں ہوسکتا بلکہ جو دین آئندہ ملنے کا ہے اس کی زکوٰۃ بھی معافی دین سے ادا نہ ہوگی کہ دین باقی، دین ساقط سے بہتر ہے، دین ساقط اب کبھی مال نہیں ہوسکتا اور دین باقی میں احتمال ہے شاید وصول ہو کر مال ہو جائے، ہاں جو نصاب کسی فقیر پر دین تھی وہ کل یا بعض اسے معاف کر دے تو قدر معاف شدہ کی زکوٰۃ ساقط ہوگئی کہ ناقص ناقص سے ادا ہوسکتا ہے۔

یہ تقریر منیر بتوفیق القدیر اقتضاء کرتی ہے کہ دین معاف کرنے سے فدیہ مطلقاً ادا نہ ہو جب تک وصول کر کے فدیہ میں نہ دی۔ (ص531تا536)

سوال: فدیہ دیتے وقت یہ کہنا ضروری ہے کہ یہ فلاں کے روزے کا فدیہ ہے یا نیت کافی ہے؟

جواب: دینے والے کی نیت کافی ہے لفظ کی حاجت نہیں۔ مگر زبان سے بھی کہہ دینے کو علماء مناسب بتاتے ہیں یہاں تک کہ طریقہ ادا میں میت کے باپ دادا تک کا نام لینا فرماتے ہیں کہ مسکین سے کہا جائے یہ مال تجھے فلاں بن فلاں کے اتنے روزوں یا اتنی نمازوں کے فدیہ میں دیا، وہ کہے میں نے قبول کیا۔ پُر ظاہر کہ یہ سب اولویتیں ہیں جن پر توقف ادا نہیں۔ (ص543,544)

سوال: کیا شیخ فانی اور میت کے فدیہ میں کچھ فرق ہے؟

جواب: متعدد فرق ہیں:

(1) شیخ فانی اپنی حیات میں روزہ کا فدیہ دے گا اور وہ کافی ہوگا۔ اگر زندگی میں عجز زائل ہو کر قوت نہ آ جائے مگر نماز کا فدیہ نہیں دے سکتا کہ اس سے عجز مستمر متحقق نہیں ہوتا مگر دم واپسیں کھڑے ہو کر نہ ہوسکے بیٹھ کر پڑھے، بیٹھ کر نہ ہوسکے لیٹ کر اشارہ سے پڑھے۔

(2) شیخ فانی پر روزہ کا فدیہ حیات میں دینا واجب ہے اگر قادر ہو، بعد مرگ وجوب نہیں جب تک اپنے مال میں وصیت نہ کرے۔

(3) شیخ فانی کہ زندگی میں روزہ کا فدیہ دے اس کے کافی ہونے پر یقین کیا جائے گا کہ اس میں صراحۃً نص وارد، یونہی اگر فدیہ روزہ کی وصیت کرے اور فدیہ روزہ بے وصیت اور فدیہ نماز بوصیت میں شبہہ ہے اور فدیہ نماز بے وصیت میں شبہہ

27

اقوی،وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

(4)زندگی میں فدیہ صوم شیخ فانی پراس کے کل مال میں ہے اور بعد مرگ بے وصیت، بے اجازت ورثہ ثلث سے زائد میں نافذ نہ ہوگی۔

ان کے سوااور فرق ہیں کہ مطالعہ بحرالرائق وغیرہ سے ظاہر۔مگر مقدار فدیہ وغیرہ۔۔میں فدیہ حیات وممات یکساں ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم (ص545,546)

سوال:کوئی شخص جو کہ شیخ فانی نہیں ہے، کیا اپنی زندگی میں اپنے فوت شدہ روزے کا فدیہ دے سکتا ہے؟

جواب:نہ، فقط غیرفانی پر قضافرض ہے پیش از قضا(قضاشدہ روزے کوادا کرنے سے پہلے) قضا(موت) آجائے توفدیہ کی وصیت واجب۔ (ص546)

سوال:ایک شخص کی عمر 75 سال کی ہے اور کمزوری کی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہیں، ایسی صورت میں اس کو کیا کرنا چاہئے اور اگر فدیہ دینا بنتا ہو تو اکٹھا دیا جائے یا ہر روزہ کا علیحدہ علیحدہ؟

جواب:طاقت نہ ہونا ایک تو واقعی ہوتا ہے اور ایک کم ہمتی سے ہوتا ہے کم ہمتی کا کچھ اعتبار نہیں، اکثر اوقات شیطان دل میں ڈالتا ہے کہ ہم سے یہ کام ہرگز نہ ہوسکے اور کریں گے تو مرجائیں گے، بیمار پڑجائیں گے، پھر جب خدا پر بھروسہ کرکے کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ادا کرادیتا ہے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچتا، معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیطان کا دھوکا تھا 75 برس عمر میں بہت لوگ روزے رکھتے ہیں، ہاں ایسے کمزور بھی ہوسکتے ہیں کہ ستر ہی برس کی عمر میں نہ رکھ سکیں تو شیطان کے وسوسوں سے بچ کر خوب صحیح طور پر جانچ چاہئے، ایک بات تو یہ ہوئی۔

دوسری یہ کہ ان میں بعض کو گرمیوں میں روزہ کی طاقت واقعی نہیں ہوتی مگر جاڑوں (سردیوں) میں رکھ سکتے ہیں یہ بھی کفارہ نہیں دے سکتے بلکہ گرمیوں میں قضا کرکے جاڑوں میں روزے رکھنا ان پر فرض ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ ان میں بعض لگاتار مہینہ بھر کے روزے نہیں رکھ سکتے مگر ایک دو دن بیچ کرکے رکھ سکتے ہیں تو جتنے رکھ سکیں اُتنے رکھنا فرض ہے جتنے قضا ہوجائیں جاڑوں میں رکھ لیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ جس جوان یا بوڑھے کو کسی بیماری کے سبب ایسا ضعف ہو کہ روزہ نہیں رکھ سکتے انہیں بھی کفارہ دینے کی اجازت نہیں بلکہ بیماری جانے کا انتظار کریں، اگر قبل شفا موت آجائے تو اس وقت کفارہ کی وصیت کردیں۔

غرض یہ ہے کہ کفارہ اس وقت ہے کہ روزہ نہ گرمی میں رکھ سکیں نہ جاڑے میں، نہ لگاتار نہ متفرق، اور جس عذر کے سبب طاقت نہ ہو اُس عذر کے جانے کی امید نہ ہو، جیسے وہ بوڑھا کہ بڑھاپے نے اُسے ایسا ضعیف کردیا کہ گنڈے دار روزے متفرق کرکے جاڑے میں بھی نہیں رکھ سکتا تو بڑھاپا تو جانے کی چیز نہیں ایسے شخص کو کفارہ کا حکم ہے۔۔اسے کفارہ کا اختیار ہے کہ روز کا روز

دے دے یا مہینہ بھر کا پہلے ہی ادا کر دے یا ختمِ ماہ کے بعد کئی فقیروں کو دے یا سب ایک ہی فقیر کو دے سب جائز ہے۔ (ص547)

سوال: شیخ فانی کی تعریف کیا ہے اور اُس کی عمر کی کچھ مقدار بھی معیّن ہے یا نہیں؟

جواب: شیخ فانی کی عمر اسّی یا نوّے سال لکھی ہے اور حقیقۃً بنائے حکم اس کی حالت پر ہے اگر سَو برس کا بوڑھا روزہ پر قادر ہے شیخ فانی نہیں اور اگر وہ ستّر برس میں بوجہ ضعف بیّنہ بڑھاپے سے ایسا زار و نزار ہو جائے کہ روزہ کی طاقت نہ رہے تو شیخ فانی ہے۔ غرض شیخ فانی وُہ ہے جسے بڑھاپے نے ایسا ضعیف کر دیا ہو، اور جب اُس ضعف کی علت بڑھاپا ہو گا تو اُس کے زوال کی اُمید نہیں، اُسے روزے کے عوض فدیہ کا حکم ہے باقی نماز وطہارت کے بارہ میں پیر و جوان (بوڑھے اور جوان) سب کا ایک حکم ہے، جو جس وقت جس حالت میں جتنی بات سے معذور ہو گا بقدر ضرورت تاوقتِ ضرورت اُسے تخفیف دی جائے گی۔ (ص549)

روزے کے مکروہات

سوال: روزے میں منجن (جو بادام، کوئلہ، سپاری وگل وغیرہ کا بنتا ہے) اُس کا استعمال کرنا کیسا ہے اور روزے میں مسواک کا کیا حکم ہے؟

جواب: مسواک مطلقاً جائز ہے اگرچہ بعدِ زوال، اور منجن ناجائز وحرام نہیں جبکہ اطمینان کافی ہو کہ اس کا کوئی جزو حلق میں نہ جائے گا، مگر بے ضرورتِ صحیحہ کراہت ضرور ہے۔ (ص551)

سوال: روزے میں اپنی عورت کو لپٹانا یا پاس لیٹنا جس سے خواہش غالب ہو اور مذی نکلے تو روزہ مکروہ ہو گا یا جاتا رہے گا؟

جواب: ان افعال سے روزہ جانے کی تو کوئی صورت ہی نہیں جب تک انزال نہ ہو اور خالی پاس لیٹنا جس میں بدن چھونا یا بوسہ لینا کچھ نہ ہو مکروہ بھی نہیں۔

رہا لپٹانا یا بوسہ لینا یا بدن چھونا ان میں اگر بہ سبب غلبۂ شہوت فسادِ صوم کا اندیشہ ہو یعنی خوف ہے کہ صبر نہ کر سکے گا اور معاذ اللہ جماع میں مبتلا ہو جائے گا یا بلا جماع ہی ان افعال کی حالت میں انزال ہو جائے گا تو یہ سب فعل مکروہ ممنوع ہیں اور اگر یہ اندیشہ نہ ہو تو کچھ حرج نہیں، مگر مباشرتِ فاحشہ یعنی ننگے بدن لپٹانا کہ ذکر فرج کو مس کرے روزے میں مطلقاً مکروہ ہے۔ اسی طرح سراج وہاج میں بوسہ فاحشہ کو بھی مطلقاً مکروہ فرمایا، بوسہ فاحشہ عورت کے لب اپنے لبوں میں لے کر چبائے، اور زبان چوسنا بدرجہ اولیٰ مکروہ جبکہ عورت کا لعابِ دہن جو اس کی زبان چوسنے سے اُس کے مُنہ میں آئے تھوک دے، اور اگر حلق میں اُتر گیا تو کراہت درکنار روزہ ہی جاتا رہے گا، اور اگر قصداً بحالتِ لذّت پی لیا تو کفارہ بھی لازم آئے گا۔ (ص552)

سوال: عورت کی شرمگاہ دیکھنا روزے کو توڑے گا یا نہیں؟

جواب: نہ، اگرچہ بار بار بتکرار دیکھے، یہاں تک کہ دیکھنے ہی کی حالت میں بے چھوئے انزال ہو جائے، ہاں اس صورت میں کراہت ضرور ہے۔ (ص553)

سوال: ایک شخص کو غسل کی حاجت ہے، روزہ اس نے رکھا مگر قصداً بوقت ظہر تک اُس نے غسل نہ کیا، نماز ظہر کے وقت غسل کیا، کیا اُس کا روزہ رہا؟

جواب: روزہ ہو جائے گا اگرچہ شام تک نہ نہائے، ہاں ترکِ نماز کے سبب سخت اشد کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص554)

سوال: زید نے رمضان شریف کا روزہ جنابت کی حالت میں رکھا اور قصداً دن بھر افطار کے وقت تک غسل نہیں کیا تو کیا یہ روزہ اُس کا بغیر کسی نقص کے درست ہوگا یا نہیں؟ اور روزے کے لیے طہارت شرط ہے یا نہیں؟ اور کیا کوئی ایسی عبادت بدنی بھی ہے جو بے طہارت صحیح ہو؟

جواب: وہ شخص نمازیں عمداً کھونے کے سبب سخت کبائر کا مرتکب اور عذابِ جہنم کا مستوجب ہُوا مگر اس سے روزے میں کوئی نقص وخلل نہ آیا طہارت باجماعِ ائمہ اربعہ شرطِ صوم نہیں۔

ہاں بوجہ ارتکاب کبیرہ اس کی نورانیت بالصوم میں فرق آئے گا، نہ اس لیے کہ جنب تھا کہ جنابت سے نورانیت میں تفاوت آتا تو بحالِ جنابت صبح کرنے سے بھی آتا بلکہ اس لیے کہ نماز فوت کی، یہاں تک کہ اگر نماز بحالِ جنابت ہوسکتی تو دن بھر بلکہ مہینہ بھر جنب رہنے سے بھی حصول نورانیت بصوم میں فرق نہ ہوتا، یہ فرق بوجہ فوت نماز ایسا ہوگا جیسے روزہ میں کسی کو ظلماً مارنے سے، مگر اس سے کوئی نہ کہے گا کہ نفسِ صوم میں کوئی نقص آ گیا، گناہ کے سبب روزے میں خلل آنا ظاہر یہ کا مذہب فاسد ہے، اس کی نظیر ایسی ہے کہ کوئی ریشمیں کپڑے پہن کر قرآن عظیم کی تلاوت کرے اس سے نہ تلاوت میں کوئی نقص ہُوا نہ اُس کے ثواب میں کمی، ہاں ظلمتِ گناہ ملنے کے باعث اُس کے لیے نورانیتِ خالصہ نہ رہی۔

بہت عبادات بدنیہ ہیں جن میں طہارت شرط نہیں، جیسے یاد پر تلاوت اور مسجد میں اعتکاف کہ ان دونوں میں وضو ضرور نہیں اور قرآن عظیم کو بے چھوئے دیکھنا، کعبہ معظّمہ پر بیرون مسجد سے نظر کرنا، عالم کو بنگاہِ تعظیم دیکھنا، ماں باپ کو بنظرِ محبت دیکھنا، عالم سے مصافحہ کرنا، یہ سب عباداتِ بدنیہ ہیں اور سب بحالِ جنابت بھی روا ہیں۔

اور افضل واعلیٰ تمام عباداتِ بدنیہ جن کے لیے طہارت صغری، نہ کبری کچھ شرط نہیں، ذکر الٰہی ہے اور دعا وذکر کا عبادت ہونا بدیہی ہے بلکہ ذکر ہی اصلِ جملہ عبادات ہے۔۔۔ اور ان کے لیے طہارت شرط نہ ہونا ظاہر۔

جنب کو بہ نیتِ دُعا وثنا الحمد وآیۃ الکرسی پڑھنے کی اجازت ہے۔ (ص554تا558)

سوال: جمعہ کا روزہ نفل رکھنا کیسا ہے؟ ایک شخص نے جمعہ کا روزہ رکھا دوسرے نے اُس سے کہا جمعہ عید المومنین ہے روزہ رکھنا اس دن میں مکروہ ہے اور باصرار بعد دوپہر کے روزہ تڑوا دیا، روزہ توڑنے اور تڑوانے والے کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب: جمعہ کا روزہ خاص اس نیت سے کہ آج جمعہ ہے اس کا روزہ بالتخصیص چاہئے مکروہ ہے مگر نہ وہ کراہت کہ توڑنا لازم ہُوا، اور اگر خاص بہ نیتِ تخصیص نہ تھی تو اصلاً کراہت بھی نہیں، اُس دوسرے شخص کو اگر نیتِ مکروہہ پر اطلاع نہ تھی جب تو اعتراض ہی سرے سے حماقت ہوا، اور روزہ توڑ دینا شرع پر سخت جرأت، اور اگر اطلاع بھی ہوئی جب بھی مسئلہ بتا دینا کافی تھا نہ کہ روزہ تڑوانا، اور وُہ بھی بعدِ دوپہر کے، جس کا اختیار نفل روزے میں والدین کے سوا کسی کو نہیں، توڑنے والا اور تڑوانے والا دونوں گنہ گار ہوئے، توڑنے والے پر قضا لازم ہے کفارہ اصلاً نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص559)

سحر وافطار کا بیان

سوال: سحری میں تاخیر کرنا کیسا؟ بعض حدیثوں میں جو ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالکل آخری وقت میں سحری فرمائی، کیا ہمارے لیے بھی یہی حکم ہے؟

جواب: سحری کی تاخیر مستحب ومسنون ہے، احادیثِ صحیحہ میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعجیلِ افطار و تاخیرِ سحور کا حکم فرمایا۔ مگر تعجیلِ افطار کے معنی یہ ہیں کہ جب غروبِ آفتاب پر یقین ہوجائے فوراً افطار کرلے وہم و وسوسہ کو دخل نہ دے نہ بلاوجہ رافضیوں کی طرح شب کا ایک حصہ داخل ہونے کا انتظار کرے، ایسی جلدی کہ ہنوز غروب میں شک ہو حرام ومفسدِ صوم۔ اور تاخیر سحری کے معنی یہ ہیں کہ اُس وقت تک کھائے جب تک طلوعِ فجر کا ظن غالب نہ ہو بخلاف افطار کے کہ وہاں بحالتِ شک روزہ جاتا رہتا ہے، وجہِ فرق یہ ہے کہ شرعِ مطہر کا قاعدہ کلیہ ہے کہ الیقین لایزول بالشک یعنی شک سے یقین زائل نہیں ہوتا، رات میں طلوعِ فجر کا جب تک شک نہ ہوا تھا بقائے لیل پر یقین تھا وقوعِ شک سے بھی یہ یقین زائل نہ ہوگا اور رات ہی کا حکم رہے گا جب تک طلوعِ فجر کا ظن غالب نہ ہو۔

اور افطار میں غروبِ شمس جب تک مشکوک نہ ہوا تھا دن پر یقین تھا تو حالتِ شک میں بھی وہی یقین حاصل، اور دن باقی سمجھا جائے گا اور اُس وقت روزہ کھولنا دن میں کھولنا ٹھہرے گا، زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اب تک انہیں قواعد پر عمل رہا ہے۔ عادتِ مستمرہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہی تاخیر تھی ہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر کسی کا علم نہیں ہوسکتا۔۔ اوقات حقیقۃً جن میں حدِ مشترک صرف ایک آن ہوتی ہے، اُن کا امتیاز حقیقی طاقتِ بشری سے خارج ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُس پر مطلع تھے، لہذا احیاناً ایسی تاخیر واقع ہُوئی کہ دوسرا اس پر قادر نہیں، ایک شب سحری تناول

فرمانے کے بعد صرف اتنے وقفہ پر کہ آدمی پچاس آیات پڑھ لے نمازِ صبح شروع فرمادی۔ ایسے امور میں اتباع کی قدرت نہیں، ہمارے لیے وہی حکم ہے جو مذکور ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص562,563)

سوال: روزے کا کفارہ کیا ہے؟

جواب: سب میں پہلے ایک غلام آزاد کرنا ہے، اس کی طاقت نہ ہو تو دو مہینے کے لگاتار روزے، یہ بھی نہ ہو سکے تو اخیر درجہ ساٹھ مسکین۔ (ص595)

سوال: روزے کی حالت میں کسی نے مشت زنی کی اور انزال نہ ہوا تو روزے کا کیا حکم ہے؟

جواب: جلق (مشت زنی) سے روزہ نہیں ٹوٹتا جب تک اس سے انزال نہ ہو۔ (ص596)

سوال: کیا جس طرح دودھ پلانے والی کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے، اسی طرح حاملہ کو بھی اجازت ہے؟

جواب: حاملہ کو بھی مثل مرضعہ روزہ نہ رکھنے کی اجازت اسی صورت میں ہے کہ اپنے یا بچے کے ضرر کا اندیشہ غلبہ ظن کے ساتھ ہو۔ (ص597)

سوال: حافظ کہ ایک بار ختم کر چکا اب دوسری تاریخوں میں دوسری جگہ سنانا چاہتا ہے جہاں ابھی لوگوں نے قرآن عظیم نہیں سن ا ہے، کیا سنا سکتا ہے؟ زید منع کرتا ہے اور دلیل میں کہتا ہے کہ وہ اب نفل سناتا ہے اور مقتدی واجب سننا چاہتے ہیں۔

جواب: حافظ کہ ایک بار ختم کر چکا اب دوسری تاریخوں میں دوسری جگہ سنانا چاہتا ہے جہاں ابھی لوگوں نے قرآن عظیم نہیں سُنا ہے تو مذہبِ صحیح و معتمد پر اس کے عدمِ جواز کی اصلاً کوئی وجہ نہیں نہ اس قرآن سُننے کا ثواب نہ ہونے کے کوئی معنی، ظاہر ہے کہ ان راتوں میں وہ بھی تراویح ہی پڑھے گا نہ کہ نفلِ محض، تو ضرور تراویح کا امام ہو سکتا ہے اور جب امامِ تراویح ہو سکے گا تو دوبارہ قرآن عظیم پڑھنے سے کیونکر ممنوع ہو سکتا ہے، اور جب اس سے ممنوع نہیں تو بلاشبہ جو کچھ قرآن عظیم اُس میں پڑھے گا وہ تراویح صحیحہ مسنونہ ہی میں ہوگا، پھر ثواب نہ ملنا چہ معنیٰ، اور اس کی یہ تعلیل کہ "وہ اب نفل سناتا ہے اور مقتدی واجب سُنتا چاہتے ہیں" اس سے بھی زیادہ فاسد و علیل۔ تراویح میں پہلا ختم بھی واجب نہیں صرف سنّت ہی ہے اور دوبارہ ختم کرنا اگرچہ حافظ پر سنّت مؤکدہ نہ تھا مگر یہ قبل ایقاع ہے بعد وقوع سنّت درکنار جتنا پڑھے گا فرض ادا ہوگا کہ نماز میں فرض ابتدائی اگرچہ ایک ہی آیت ہے مگر سارا قرآن عظیم اگر ایک رکعت میں پڑھے سب فرض ہی واقع ہوتا ہے لانہ فرد فاقرؤا ما تیسر من القران ترجمہ: کیونکہ یہ بھی (ارشاد باری تعالیٰ) "جو قرآن میں سے آسان ہے پڑھو" کا فرد ہے) ولہذا اگر سورت بھول کر رکوع میں چلا جائے پھر رکوع میں یاد آئے تو حکم ہے کہ رکوع کو چھوڑے اور کھڑا ہو کر سورت پڑھے اور پھر رکوع کرے حالانکہ ضم سورت صرف واجب تھا اور واجب کے لیے رفض فرض جائز نہیں جیسے قعدہ اولیٰ بھول کر جو سیدھا کھڑا ہو جائے اب اُسے عود حلال نہیں کہ قعدہ واجب تھا اور قیام فرض ہے مگر سورت جو پڑھے گا یہ بھی فرض واقع ہوگی تو

فرض کے لیے نفلِ فرض ہوا، ولہٰذا اگر کھڑا ہو کر سُورت پڑھے اور اس خیال سے کہ رکوع تو پہلے کر چکا ہوں دوبارہ رکوع نہ کرے نماز باطل ہو جائیگی کہ فرض کے لیے جو فرض چھوڑا گیا وہ جاتا رہا تھا اس پر فرض تھا کہ رکوع دوبارہ کرتا۔

ایک بار ختم کرکے دُوسری راتوں میں دوسرا ختم نئے لوگوں کو سنانا تو نہایت صاف امر ہے اگر بالفرض کوئی شخص آج اپنی تراویح پڑھ کر آج ہی رات اور لوگوں کی امامت تراویح میں کرے اور قرآن عظیم سنائے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس قرآن سُننے کا ثواب نہ ہوگا۔ روایتِ مختارہ امام قاضی خاں پر تو ظاہر ہے کہ وہ متنفل محض کے پیچھے تراویح کی اقتداء بلا کراہت جائز مانتے ہیں، صرف امام کے حق میں کراہت کہتے ہیں اگر نیتِ امامت کرے ورنہ اس پر بھی کراہت نہیں۔

اور روایت مختارہ امام شمس الائمہ سرخسی پر اگرچہ یہ ناجائز ہے اور ان لوگوں کی تراویح نہ ہوں گی۔۔ اور یہی اصح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ نماز ہی نہ ہوگی، تراویح نہ ہونا اور بات ہے اور نماز نہ ہونا اور بات۔

تو وہ نماز اگرچہ تراویح نہیں یقیناً نماز صحیح و نفل محض ہے اور نفل محض میں بھی استماعِ قرآن فرض ہے اور اس ادائے فرض پر ثواب نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں تو قرآن سننے کا ثواب یہاں بھی ہے ہاں روایت مفتی بہا پر اس صورت خاصہ میں یعنی جبکہ امام اپنی تراویح پڑھ کر اُسی رات اوروں کی امامت کرے یہ کہہ سکتے ہیں کہ تراویح میں ختمِ قرآن کا انہیں ثواب نہ ملے گا کہ یہ تراویح نہیں، اور صورتِ اولیٰ میں تو اس کی طرف بھی اصلا راہ نہیں کہ وہ نماز بلا شبہ تراویح اور ختم ختم فی التراویح ہے۔ (ص598تا600)

سوال: جس نے فرض یا تراویح جماعت سے نہ پڑھے ہوں تو کیا وہ وتروں کی جماعت میں شامل ہو سکتا ہے؟

جواب: تحقیق یہ ہے کہ جس نے فرض جماعت سے پڑھے اور تراویح تنہا وہ تو جماعتِ وتر میں شریک ہو سکتا ہے، اور جس نے فرض تنہا پڑھے ہوں اگرچہ تراویح جماعت سے پڑھی ہوں وہ وتر کی جماعت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ (ص605)

سوال: کیا بارہ سال کم عمر کا بچہ بالغین کی امامت کر سکتا ہے؟

جواب: بارہ برس سے کم عمر کی تخصیص نہیں بلکہ صحیح و مختار یہ ہے کہ نابالغ کے پیچھے بالغوں کی کوئی نماز جائز نہیں اگرچہ ایک دن کم پندرہ برس کا ہو، امامتِ بالغین کے لیے بلوغ شرط ہے خواہ یہ ظہور آثار مثل احتلام وانزال خواہ بتمامی پانزدہ سال۔ (ص607)

سوال: طعامِ سحری کا جب وقت نہیں رہتا ہے تو نقارہ بجایا جاتا ہے بعض کہتے ہیں کہ جائز ہے اور بعض کہتے ہیں ناجائز ہے، اس میں کیا حکم ہے؟

جواب: اجازت ہے کہ کہیں ممانعت نہیں۔ (ص625)

سوال: ایک شخص امام مسجد ہے، سب لوگ روزہ اُس کی اذان سے افطار کرتے ہیں اور وہ دیر سے افطار کا حکم دیتا ہے یہاں تک کہ کئی مرتبہ آزمایا گیا ہے کہ تارا نکل آیا اس کو تارا دکھا بھی دیا گیا تو اس پر بھی اس نے کہا کہ ابھی دو منٹ کی دیر ہے تو

اس حالت میں کچھ روزہ میں نقص تو واقع نہیں ہوتا ہے؟

جواب: جب آفتاب تمام وکمال ڈوبنے پر یقین ہوجائے فوراً روزہ کی افطار سنّت ہے۔۔۔مگر اتنی جلدی جائز نہیں کہ غروب مشکوک ہو اور افطار کرے یا سحری میں اتنی دیر لگائے کہ صبح کا شک پڑجائے۔

اور تارے کی سند نہیں بعض تارے دن سے چمک آتے ہیں ہاں، سیاروں کے سوا جو کواکب ہیں وہ اکثر ہمارے بلد میں غروبِ آفتاب کے بعد چمکتے ہیں اگر ان ستاروں میں سے کوئی ستارہ چمک آتا ہے اور پھر وہ افطار نہیں کردیتا اور دومنٹ کی دیر بتاتا ہے تو یہ رافضیوں کا طریقہ ہے، اور بہت محرومی و بے برکتی ہے، اُسے توبہ کرنی چاہیئے واللہ تعالیٰ اعلم اس صورت میں مسلمان اس پر نہ رہیں جب غروب پر یقین ہوجائے افطار کریں۔ و اللہ تعالیٰ اعلم (ص626)

سوال: روزہ افطار کرنا کس چیز سے مسنون ہے؟

جواب: خرمائے تر، اور نہ ہو تو خشک، اور نہ ہو تو پانی۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے ((کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یفطر قبل ان یصلی علی رطبات فان لم تکن رطبات فتمیرات وان لم تکن تمیرات فحساحسرات من ماء)) ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز ادا کرنے سے پہلے تر کھجور سے روزہ افطار فرماتے، اگر تر کھجوریں نہ ہوتیں تو خشک کھجوریں استعمال فرماتے، اگر کھجوریں نہ ہوتیں تو پانی کے چند گھونٹ پیتے۔ و اللہ تعالیٰ اعلم

(جامع ترمذی، ج1، ص88، امین کمپنی، دہلی) (سنن ابی داؤد، ج1، ص321، آفتاب عالم پریس، لاہور) (ص629)

سوال: رمضان مبارک میں روزہ افطار کے بعد مغرب نماز پڑھ کر بہت سے آدمی جمع ہو کر حقّہ پیتے ہیں جس سے بیہوش ہوتے ہیں کچھ خبر نہیں رہتی، ہاتھ پیروں میں رعشہ ہوجاتا ہے، آیا یہ حالت شرعاً سکر (نشہ) ہے یا نہیں؟ جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: ایسا حقّہ پینا کبھی ہو، حرام ہے، اور یہ حالتِ سکر نہیں بلکہ تفتیر ہے، اور سکر و تفتیر دونوں حرام۔ (ص629)

سوال: افطار کی دعا افطار کے بعد پڑھنی چاہیے یا پہلے؟

جواب: فی الواقع اس کا محل بعدِ افطار ہے۔ (ص629)

نفلی روزے

سوال: 27 رجب کا روزہ رکھنے کا ثبوت احادیث میں ہے یا نہیں؟

جواب: بیہقی شعب الایمان اور دیلمی نے مسند الفردوس میں سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ((فی رجب یوم ولیلة من صام ذلك الیوم وقام تلك اللیلة کان کمن صام من الدهر مائة سنة وقام مائة سنة وهو لثلث بقین من

رجب وفیہ بعث اللہ تعالیٰ محمدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم)) ترجمہ: جب میں ایک دن اور رات ہے جو اس دن کا روزہ رکھے اور وہ رات نوافل میں گزارے سَو برس کے روزوں اور سَو برس کے شب بیداری کے برابر ہو، اور وہ رجب ہے اسی تاریخ اللہ عزوجل نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ (الفردوس بما ثور الخطاب، ج3، ص142، دار الکتب العلمیہ، بیروت ☆ شعب الایمان، ج3، ص374، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

قال البیھقی منکر۔ ترجمہ: امام بیہقی نے اس روایت کو منکر کہا ہے۔ (کنز العمال، ج12، ص312، مکتبۃ التراث الاسلامی، بیروت)

نیز اسی میں بطریق ابان بن عیاش حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً مروی ((فی رجب لیلۃ یکتب للعامل فیھا حسنات مائۃ سنۃ وذٰلک لثلث بقین من رجب فمن صلی فیہ اثنتی عشرۃ رکعۃ یقرأ فی کل رکعۃ فاتحۃ الکتاب وسورۃ من القرأنہ ویتشھد فی کل رکعۃ ویسلم فی أخرھن، ثم یقول سبحٰن اللہ والحمدللہ ولاالٰہ الااللہ واللہ اکبر مائۃ مرۃ ویستغفر اللہ مائۃ مرۃ ویصلی عن النّبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مائۃ مرۃ ویدعولنفسہ ماشاء من امر دنیاہ وأخرتہ ویصبح صائما فان اللہ یستجیب دعاء کلہ الاان یدعوفی معصیۃ)) ترجمہ: رجب میں ایک رات ہے کہ اس میں عمل نیک کرنے والے کو سَو برس کی نیکیوں کا ثواب ہے اور وہ رجب کی ستائیسویں شب ہے جو اس میں بارہ رکعت پڑھے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور ایک سورت، اور ہر دو رکعت پر التحیات اور آخر میں بعد سلام سبحٰن اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر سو بار، استغفار سَو بار، درود سو بار، اور اپنی دنیا و آخرت سے جس چیز کی چاہے دعا مانگے اور صبح کو روزہ رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کی سب دعائیں قبول فرمائے سوائے اس دُعا کے جو گناہ کے لیے ہو۔ (شعب الایمان، ج3، ص374، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

قال البیھقی ھو اضعف من الذی قبلہ۔ ترجمہ: بیہقی فرماتے ہیں یہ روایت سابقہ روایت سے زیادہ ضعیف ہے۔ (کنز العمال، ج12، ص312، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

قال ابن حجر فیہ متھمان۔ ترجمہ: حافظ ابن حجر کہتے ہیں اس کے دو راوی متہم بالکذب ہیں۔

(ماثبت بالسنۃ، ص252، ادارہ نعیمیہ رضویہ لال کھوہ موچی گیٹ، لاہور)

فوائد ہناد میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ((بعث نبیا فی السابع والعشرین رجب فمن صام ذٰلک الیوم ودعا عند افطارہ کان لہ کفارۃ عشر سنتین)) اسنادہ منکر۔ ترجمہ: رجب کو مجھے نبوت عطا ہوئی جو اس دن کا روزہ رکھے اور افطار کے وقت دُعا کرے دس برس کے گناہوں کا کفارہ ہو۔ اس کی اسناد منکر ہے۔ (تنزیہ الشریعۃ بحوالہ فوائد ہناد، ج3، ص161، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

جزء ابی معاذ مروزی میں بطریق شہر ابن حوشب ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً مروی ((من صام یوم سبع وعشرین من رجب کتب اللہ لہ صیام ستین شھرا وھوالیوم الذی ھبط فیہ جبریل علی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالرسالۃ)) ترجمہ: جو رجب کی ستائیسویں کا روزہ رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ساٹھ مہینوں کے روزوں کا ثواب

لکھے، اور وُہ وُہ دن ہے جس میں جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لیے پیغمبری لے کر نازل ہُوئے۔

(تنزیہ الشریعۃ بحوالہ جزء ابی معاذ، ج3، ص161، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

تنزیہ الشریعۃ سے ما ثبت بالسّنۃ میں ہے "وھذا أمثل ماورد فی ھذا المعنی" ترجمہ: یہ اُن سب حدیثوں سے بہتر ہے جو اس باب میں آئیں۔ (ما ثبت بالسنۃ مع اردو ترجمہ، ص234، ادارہ نعیمیہ رضویہ لال کھوہ موچی گیٹ، لاہور)

بالجملہ اس کے لیے اصل ہے اور فضائلِ اعمال میں حدیثِ ضعیف باجماعِ ائمہ مقبول ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ص647 تا 649)

سوال: زید کہتا ہے کہ رمضان کے بعد سب سے افضل 27 رجب کا روزہ ہے، کیا اس کا یہ کہنا صحیح ہے؟

جواب: صوم وغیرہ اعمالِ صالحہ کے لیے بعد رمضان مبارک سب دنوں سے افضل عشرِ ذوالحجہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں ((مامن ایام العمل الصالح فیھن احب الی اللہ تعالٰی من ھذہ الایام العشر قالوا یا رسول اللہ ولا الجھاد فی سبیل اللہ قال ولا الجھاد فی سبیل اللہ الا رجلا خرج بنفسہ ومالہ ثم لم یرجع من ذٰلك بشئی)) ترجمہ: دس دنوں سے زیادہ کسی دن کا عمل صالح اللہ عزوجل کو محبوب نہیں، صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ اور نہ راہ خدا میں جہاد؟ فرمایا: اور نہ راہِ خدا میں جہاد مگر وُہ کہ اپنی جان و مال لے کر نکلے پھر ان میں سے کچھ واپس نہ لائے۔ (جامع الترمذی، ج1، ص94، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی)

خصوصاً روزِ عرفہ کہ افضل ایام سال ہے، اس کا روزہ صحیح حدیث سے ہزاروں روزوں کے برابر ہے اور دو سال کامل کے گناہوں کی معافی، ایک سال گزشتہ اور ایک سال آئندہ۔ ((عن ابی قتادۃ رضی اللہ عنہ قال سئل رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن صوم یوم عرفۃ قال یکفر السنۃ الماضیۃ والباقیۃ)) ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یوم عرفہ کے بارے دریافت کیا گیا تو فرمایا یہ سال گزشتہ اور آئندہ کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔ (صحیح مسلم، ج1، ص368، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

پھر سب دنوں سے افضل روزہ عاشورہ یعنی دہم محرم کا روزہ ہے اس میں ایک سال گزشتہ کے گناہوں کی مغفرت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں ((من صام یوم عرفۃ غفر لہ سنۃ امامہ وسنۃ خلفہ ومن صام عاشوراء غفر لہ سنۃ)) ترجمہ: جس نے عرفہ کا روزہ رکھا اس کے پہلے اور آئندہ کے سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور جس نے عاشوراء کا روزہ رکھا اس کے ایک سال کے گناہ معاف کر دئے جاتے ہیں۔ (الترغیب والترھیب بحوالہ المعجم اوسط، ج2، ص112، مصطفی البابی، مصر)

محرم کے ہر دن کا روزہ ایک مہینہ کے روزوں کے برابر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں ((افضل الصوم بعد رمضان شعبان لتعظیم رمضان)) ترجمہ: رمضان کے بعد سب سے افضل شعبان کے روزے ہیں تعظیم رمضان کے لیے۔ (جامع الترمذی، ج1، ص84، امین کمپنی، دہلی)

تو 27 رجب کے روزے بعدِ رمضان سب روزوں سے افضل کہنا صحیح نہیں، ہاں بعض احادیث اُس کی فضیلت میں مروی ہوئیں۔ (ص649تا652)

سوال: اور کن روزوں کے فضائل احادیث میں آئے ہیں؟ نفل روزے سے روکنا کیسا ہے؟

جواب: احادیث صحاح وحسن وصوالح میں اور بھی بہت روزوں کے فضائل آئے ہیں جیسے شش عید (عیدالفطر کے بعد کے چھ روزے) وایامِ بیض (ہر مہینے کی 13,14,14 کے روزے) کہ دونوں میں ہر ایک سال بھر کے روزوں کا ثواب لاتا ہے۔

روزہ دوشنبہ (پیر کا روزہ) وروزہ پنجشنبہ (جمعرات کا روزہ) وروزہ چہارشنبہ وپنجشنبہ (بدھ اور جمعرات کا روزہ) کہ دوزخ سے آزاد ہیں اور روزہ چہارشنبہ وپنجشنبہ وجمعہ (بدھ، جمعرات اور جمعہ کے روزے) کہ جنت میں گوہر ویاقوت وزبرجد کا گھر بناتے ہیں۔

بلکہ روزہ جمعہ یعنی جب اس کے ساتھ پنجشنبہ یا شنبہ (جمعرات یا ہفتہ) بھی شامل ہو مروی ہوا کہ دس ہزار برس کے روزوں کے برابر ہے۔

روزہ سے منع کرنا خیر سے منع کرنا اور مناع للخیر (خیر سے روکنے والا) کے وبال میں داخل ہونا ہے جب تک ذاتاً یا عارضاً ممانعتِ شرعیہ نہ ثابت ہو۔ (ص653)

سوال: عورتیں مشکل کشا علی کا روزہ رکھتی ہیں کیسا ہے؟

جواب: روزہ خاص اللہ عزّ وجل کے لیے ہے، اگر اللہ کا روزہ رکھیں اور اس کا ثواب مولا علی کی نذر کریں تو حرج نہیں مگر اس میں یہ کرتی ہیں کہ روزہ آدھی رات تک رکھتی ہیں، شام افطار نہیں کرتیں، آدھی رات کے بعد گھر کے کواڑ کھول کر کچھ دُعا مانگتی ہیں اُس وقت روزہ افطار کرتی ہیں، یہ شیطانی رسم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص653)

سوال: اعتکاف آخر عشرہ رمضان شریف کا پورے دس روز میں ادا ہوتا ہے یا تین چار روز آخر میں بھی جائز ہے؟

جواب: اعتکاف عشرہ اخیرہ کی سنتِ مؤکدہ علی وجہ الکفایہ ہے، جس پر حضور پُرنور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مواظبت ومداومت (ہمیشگی) فرمائی پورے عشرہ اخیرہ کا اعتکاف ہے، ایک روز بھی کم ہو تو سنّت ادا نہ ہوگی، ہاں اعتکافِ نفل کے لیے کوئی حد مقرر نہیں، ایک ساعت کا بھی ہوسکتا ہے، اگرچہ بے روزہ ہو۔ ولہٰذا چاہیے کہ جب نماز کو مسجد میں آئے نیتِ اعتکاف کرلے کہ یہ دوسری عبادت مفت حاصل ہوجائے گی۔ (ص654)

حج کا بیان

سوال: عورت کا حج کو جانا درست ہے یا نہیں؟

جواب: حج کی فرضیت میں عورت مرد کا ایک حکم ہے، جو راہ کی طاقت رکھتا ہو اُس پر فرض ہے مرد ہو یا عورت، جو ادا نہ کرے گا عذابِ جہنّم کا مستحق ہوگا۔ عورت میں اتنی بات زیادہ ہے کہ اُسے بغیر شوہر یا محرم کے ساتھ لیے، سفر کو جانا حرام، اس میں کچھ حج کی خصوصیت نہیں، کہیں ایک دن کے راستہ پر بے شوہر یا محرم جائے گی تو گنہگار ہوگی، ہاں جب فرض ادا ہو جائے تو بار بار عورت کو مناسب نہیں کہ وہ جس قدر پردے کے اندر ہے اُس قدر بہتر ہے۔۔۔ پھر یہ بھی اولویت کا ارشاد ہے نہ کہ عورت کو دُوسرا حج ناجائز ہے۔ (ص657)

سوال: زید خرچ زادِ راہ آمدورفت کا اپنی ذات خاص سے رکھتا ہے اگر والدین اجازتِ حج مکہ معظمہ کی نہ دیں تو حج کر سکتا ہے یا نہیں؟ والدین پر قرض بھی ہے۔

جواب: جبکہ زید اپنے ذاتی روپے سے استطاعت رکھتا ہے تو حج اس پر فرض ہے، اور حجِ فرض میں والدین کی اجازت درکار نہیں بلکہ والدین کو ممانعت کا اختیار نہیں، زید پر لازم ہے کہ حج کو چلا جائے اگرچہ والدین مانع ہوں، والدین پر قرض ہونا اس شخص پر فرضیّت میں خلل انداز نہیں۔ (ص658)

سوال: زید کو حج کی ترغیب دی گئی تو اس نے کہا کہ ہم نے حاجیوں کی اکثر مدد کی ہے پس ہم پر حج کرنا فرض نہیں ہے، اس کا کہنا کیسا ہے؟

جواب: یہ کلمہ کفر ہے، حاجیوں کی مدد کرنے سے حج ساقط نہیں ہو سکتا، اس شخص پر توبہ و تجدیدِ اسلام فرض ہے، تجدیدِ نکاح و تجدیدِ اسلام کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص658)

سوال: (امام اہلسنت علیہ الرحمہ کے پیر خانے سے ایک خاتون نے سوال کیا کہ) میں اس سال جو حج بیت اللہ کو جاتی ہوں تو بارادہ حجِ بدل اپنے پیرومرشد جناب نانا صاحب حضرت شاہ آلِ رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جاتی ہوں مارہرہ آ کر ایک بات پتا چلی کہ جناب مرحومہ مغفورہ والدہ صاحبہ جو بیت اللہ تشریف لے گئی تھیں وہاں جا کر ان کو مرض الموت پیدا ہوا اور بتاریخ آٹھویں ذی الحجہ مقامِ مِنٰی پہنچ کر انتقال ہوگیا اور حج نہیں ہوا، تو مجھ پر اب حجِ والدہ مغفورہ لازمی ہوگیا، چونکہ میں اپنے ہمراہ بھانجے کو لیے جاتی ہوں جس کی عمر 19 سال کی ہے اور یہ پہلی مرتبہ بیت اللہ جاتا ہے تو دریافت طلب آپ سے یہ امر ہے کہ میں اس بچہ سے حجِ والدہ مغفورہ کرادوں اور خود حج بعوض پیرومرشد کروں اور میں سابق میں اپنے شوہر اور اپنے والد مغفور کا حج کر کے آئی ہُوں اور میرا ذاتی حج عرصہ اٹھارہ سال ہُوا کہ ہو چکا تھا۔

جواب: اگر حضرت کی والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہا پر اُسی سال حج فرض ہوا تھا اس سے پہلے کسی برس میں مال وغیرہ اتنا نہ تھا کہ حج فرض ہوتا تو جب تو ان کا حج بفضلہ تعالٰی ادا ہو گیا، بلکہ ایسا ادا ہُوا کہ ان شاء اللہ قیامت تک ہر سال حج ادا کرتی رہیں گی، اور اگر اس سال سے پہلے فرض ہو چکا تھا تو البتہ حجِ فرض اُن پر باقی رہا، حضرت ان کی طرف سے ادا فرمائیں یا ادا کرا دیں تو اجرِ عظیم ہے، اب دیکھا جائے کہ یہ صاحبزادے جب سے بالغ ہوئے کسی سال زمانہ حج میں مال وغیرہ اتنا سامان اُن کے پاس تھا کہ ان پر حج فرض ہو گیا یا اب تک ان پر فرض نہ ہوا اور اگر ان پر اصلاً فرض نہ ہوا تو حضرت ان کو والدہ ماجدہ کی طرف سے حج کرا دیں اور خود پُر نور پیر و مرشد برحق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف سے کریں، اور اگر خود ان پر حج فرض ہولیا ہو تو یہ دوسرے کی طرف سے حج کرنے سے گنہگار ہوں گے مگر حج جس کی طرف سے کریں گے ادا ہو جائے گا ان پر گناہ رہے گا اور ایسی صورت میں اُن سے حجِ غیر کرانا بھی مکروہ ہے کہ ایک گناہ کا حکم دینا ہے۔ (ص659)

حجِ بدل کی شرائط

سوال: حجِ بدل کی کیا کیا شرائط ہیں؟

جواب: حجِ بدل یعنی نیابۃً دوسرے کی طرف سے حجِ فرض ادا کرنا کہ اُس پر سے اسقاطِ فرض کرے ان شرائط سے مشروط ہے:

(1) جس کی طرف سے حج کیا جائے قبل احجاج اس پر حج فرض ہو، اگر فقیر نے حج کرا دیا پھر غنی ہوا خود حج کرنا فرض ہوگا۔

(2) محجوج عنہ (جس کی طرف سے حج کیا جا رہا ہے) حجِ بدل یعنی نائب کے وقوفِ عرفہ کرنے سے پہلے خود ادا سے عاجز ہو، اگر بحالِ قدرت حج کرایا پھر عاجز ہو گیا از سرِ نو احجاج لازم ہوگا۔

(3) عجز اگر ممکن الزوال تھا مثل حبس و مرض، تو شرط ہے کہ تا دمِ مرگ دائم رہے، اگر بعد حج خود قادر ہوا خود ادا فرض ہوگی بخلاف اس عجز کے کہ قابلِ زوال نہیں، جیسے نابینائی اگر بطور خرقِ عادت بعد احجاج زائل بھی ہو جائے اعادہ ضرور نہیں۔

(4) حجِ بدل کرنے والا تنہا ایک محجوج عنہ کی طرف سے حج واحد کی نیت کرے، اگر اس کی طرف سے نیت نہ کی یا دو حج کی نیت کی ایک اس کی طرف سے ایک اپنی طرف سے یا دو شخصوں کی طرف سے نیت کی ایک اس کی جانب ایک منیب آخر کی جانب سے، تو کافی نہ ہوگا۔

(5) یہ حج بامر محجوج عنہ ہو بلا اجازت دوسرے کی طرف سے حج کافی نہ ہوگا مگر جبکہ وارث اپنے مورث کی طرف سے حج کرے یا کرائے۔

(6) مصارفِ آمد و رفت و سائر نفقۂ حج کل یا اکثر مال محجوج عنہ سے ہوں۔

(7) حج اگر بحیات محجوج عنہ ہو تو جسے اس نے امر کیا وہی حج کرے، وہ دوسرے سے کرا دے گا تو ادا نہ ہوگا اور اگر بعد وفات محجوج عنہ ہے تو مامور دوسرے کو بھی اپنی جگہ قائم کر سکتا ہے اگرچہ میت نے اس کا نام لے کر وصیت کی ہو کہ فلاں میری طرف سے حج کرے، ہاں اگر صراحۃً اس نے نفی کر دی تھی کہ وہی کرے، نہ دوسرا، تو اب دوسرا کافی نہیں۔

(8) حجِ بدل کرنے والا اکثر راستہ سواری پر طے کرے اگر باوصف گنجائش نفقہ پیادہ حج کرے گا، نفقہ واپس دے دے گا اور حج اس کی طرف سے نہ ہوگا۔

(9) محجوج عنہ جب اہل آفاق سے ہو تو لازم ہے کہ اس کی طرف سے حج آفاقی کیا جائے، اگر اس نے حج کو بھیجا اس نے عمرہ کا احرام باندھا بعد عمرہ مکہ معظمہ سے احرام حج باندھا اس کی طرف سے حج نہ ہوگا کہ یہ حج مکی ہوا نہ آفاقی، ہاں اگر قریب حج میقات کی طرف نکل کر احرامِ حج میقات سے باندھے تو جائز ہے کہ حج آفاقی ہوا نہ مکی۔

(10) مخالفت نہ کرے مثلاً تنہا حج کے لیے امر کیا تھا اس نے قران یا تمتع کیا نفقہ واپس دے گا اور حج اس کی طرف سے نہ ہوگا۔

(11) حجِ بدل کرنے والا حج صحیح اس دفعہ میں ادا کرے، نا عاقل بچے یا مجنون کا حج کافی نہیں، ہاں مراہق کا کافی ہے، یونہی اگر وہ حج فاسد کر دیا کافی نہ ہوگا اگر چہ قضا بھی کرے۔ بیس 20 شرطیں منسک متسوسط میں ہیں انہیں گیارہ میں آ گئیں۔ (ص 659،660)

واللہ تعالیٰ اعلم

سوال: ایک بیوہ پچپن برس کی عمر ہے، دوبارہ پہلے اپنی طرف سے لوگوں کو بھیج کر حج بدل کرا چکی ہے اُس سے بعض صاحبوں نے کہا کہ وہ حج نہ ہوئے خود حج کو جا، اُس نے محرم نہ ہونے کی وجہ سے نکاح کیا مگر ضعیفہ مریضہ ہے اس صورت میں اس کے وہ حج بدل ادا ہو گئے یا اب خود اس پر حج لازم ہے یا کیا حکم ہے؟

جواب: زندگی میں جو کوئی حجِ بدل اپنی طرف سے بوجہ عجز و مجبوری کرائے اس حج کی صحت کے لیے شرط ہے کہ وہ مجبوری آخر عمر تک مستمر رہے، اگر حج کے بعد مجبوری جاتی رہی اور بذاتِ خود حج کرنے پر قدرت پائی تو اس سے پہلے جتنے حجِ بدل اپنی طرف سے کرائے ہوں سب ساقط ہو گئے حج نفل کا ثواب رہ گیا فرض ادا نہ ہوا، اب اس پر فرض ہے کہ خود حج کرے پھر اگر غفلت کی اور وقت گزر گیا اور اب دوبارہ مجبوری لاحق ہوئی تو از سرِ نو حج بدل کرانا ضرور ہے، ہاں اگر کسی کی معذوری ایسی ہو جو عادۃً اصلاً زوال پذیر نہیں اور اس نے حجِ بدل کر لیا اور اس کے بعد محض قدرت الٰہی مثلاً کسی ولی کی کرامت سے وہ عذر نا قابل الزوال زائل ہو گیا مثلاً اندھے نے حجِ بدل کرایا تھا پھر رب العزۃ نے اسے آنکھیں دے دیں تو اس کا وہ حج بدل ساقط نہ ہوا وہی کافی ہے، خود اگر حج کرے سعادت ہے ورنہ فرض ادا ہو گیا، ایسا زوال عذر کہ کرامت خرقِ عادت ہو معتبر نہیں۔

مسئلہ شرعیہ تو یہ ہے اور صورتِ سوال سے ظاہر کہ عورت نے پہلے جو دو حج بدل کرائے یا تو وہ حقیقۃً ایسی مجبوری نہ تھی کہ خود نہ جا سکتی یا مرض و ضعف وغیرہا کی وجہ سے مجبوری تھی اور بعد کو وہ مجبوری زائل ہو گئی کہ اس نے خود حج کا قصد کیا جس پر دلیل روشن، اسی نیت سے اس کا نکاح کرنا ہے ورنہ پچپن سالہ عورت کو نکاح کی کیا حاجت تھی، بہر حال ان دونوں صورتوں میں کوئی شکل ہو وہ دونوں حجِ بدل یا تو سرے سے نا کافی تھے یا اب ساقط ہو گئے، صرف ثواب نفل رہا، فرض گردن پر باقی ہے خود ادا کرے، اور

مجبور و نا امید ہو تو پھر حج بدل کرائے۔ (ص661)

سوال: جو شخص جو اپنا فرض ادا کر چکا کسی دوسرے کی طرف سے حج بدل کر سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: کر سکتا ہے۔ (ص662)

سوال: جس پر حج فرض نہیں ہے حج بدل کے واسطے مقرر ہو سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: اس میں اختلاف ہے اور بہتر احتراز۔ (ص662)

سوال: میت کی طرف سے اس کے وارث نے حج بدل کرانا ہو، میت نے وصیت بھی نہ کی ہو، اس صورت میں کیا حج بدل کرنے والے کو خاص مکہ معظمہ میں وہاں کا زمانہ حج کا خرچ دے کر مقرر کر لینا کافی ہے یا نہیں؟

جواب: اس قسم کے حج بدل جو کرائے جاتے ہیں اُن سے فرض تو اُتر سکتا نہیں، حج عبادت بدنی اور مالی دونوں سے مرکب ہے، جس پر حج فرض تھا اور معاذ اللہ بے کئے مر گیا ظاہر ہے کہ بدنی حصہ سے تو عاجز ہو گیا رب عزوجل کی رحمت کہ صرف مالی حصہ سے اس کی طرف سے حج بدل قبول فرماتا ہے جبکہ وہ وصیت کر جائے اور رحمت پر رحمت یہ کہ وارث کا حج کرانا بھی قبول فرمایا جاتا ہے اگر چہ میّت نے وصیت نہ کی، حج بدل والے کو اسی شہر سے جانا چاہئے جو شہر میت کا تھا تا کہ مالی صرف پورا ہو، مکہ معظمہ سے حج کرا دینا اس میں داخل نہیں، رہا ثواب اس کی امید بھی بخیر ہے، حج کرانے والے صاحب اس پر اجرت لیتے ہیں اور جب اجرت لی ثواب کہاں، اور جب انہیں کو ثواب نہ ملا میت کو کیا پہنچائیں گے، خصوصاً بعض متہور یہ ظلم کرتے ہیں کہ چار چار شخصوں سے حج بدل کے روپے لے لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت فرمائے، واللہ تعالیٰ اعلم (ص662)

سوال: ایک شخص عازمِ بیت اللہ شریف ہے اور اس کے ایک عارضہ یہ ہے کہ بعد اجابت قطراتِ سرخ زائد از ایک گھنٹہ برابر آیا کرتے ہیں کہ بغیر لنگوٹ نہیں رہ سکتا ہے، بعد ایک گھنٹے کے جب قطرات موقوف ہوں تب استنجا کر کے کپڑا پہنتا ہے، تو ایسا شخص جو بغیر لنگوٹ نہیں رہ سکتا احرام کیونکر باندھے کیونکہ لنگ احرام تو روز ناپاک ہوا کرے گا اور بسبب پیری اور بیماریوں کے غسل سے بھی مجبور ہے تو کیا صرف تیمم کرلے؟ نیز سردیوں میں سوا چادر احرام کے کوئی کمبل وغیرہ اوپر سے اوڑھ سکتا ہے یا کیا؟

جواب: احرام میں لنگوٹ باندھنا مطلقاً جائز ہے سلا نہ ہو کہ ممانعت لبس مخیط بروجہ معتاد سے ہے یا سر اور منہ کے چھپانے سے اور نادوختہ لنگوٹ میں دونوں باتیں نہیں۔

اور ایسی ضرورت شدیدہ کی حالت میں تو اگر لنگوٹ ناجائز بھی ہوتا اجازت دی جاتی۔

کمل یا بانات یا اونی چادر وغیرہ بے سلے کپڑے اگر چہ دو چار ہوں اوڑھنے کی اجازت ہے بلکہ سوتے وقت اُوپر روئی کا انگرکھا چغہ لبادہ چہرہ چھوڑ کر بدن پر ڈال لینا یا نیچے بچھا لینا بھی ممنوع نہیں بلکہ بیداری میں بھی انہیں کندھوں پر ڈال سکتا ہے جبکہ

آستین میں ہاتھ نہ ڈالے، نہ بند باندھے، نہ کسی اور ذریعہ سے بندش کرے

ضعیف کمزور کو دو تدبیریں اور طور ارہیں تو انسب:

اولاً تمتع کرے کہ تنہا حج کرنے سے افضل بھی ہے اور احرام کی مدت بھی کم ہوگی یعنی محاذات یلملم سے۔۔۔ صرف عمرے کا احرام باندھے، مکہ معظمہ پہنچتے ہی طواف وسعی سے عمرہ بجالا کر احرام کھول دے، اب بلا تکلف ہشتم ذی الحجہ تک بلا احرام مکہ معظمہ میں قیام کرسکتا ہے جو چاہے پہنے، اوڑھے، سر سے عمامہ باندھے، جو چاہے کرے۔۔۔ بعدہ آٹھویں کو پھر احرام حج کا باندھے منیٰ کو جائے، عرفات و مزدلفہ سے پلٹ کر دسویں تاریخ جب پھر منیٰ میں آئیگا اور جمرۃ العقبہ کی رمی کر کے قربانی جو اس پر بوجہ تمتع واجب تھی بجالا ئیگا، اس کے بعد سر منڈائے یا بال کتروائے، احرام کھل گیا سوا عورتوں کے (کہ بعد طواف زیارت حلال ہوں گی) جو کچھ احرام نے حرام کیا تھا سب حلال ہوگیا، تو یہ احرام پورے تین دن بھی نہ رہا۔

ثانیاً: یہاں بمبئی سے دالان کی شکل کی ایک چیز کھپچیوں کی بنوالے جس کی تین دیواریں ہوں ہر ایک آدھ گز یا قدرے زائد کی اور اوپر چھت پٹی ہو اور دروازہ زمین بالکل خالی ہو، تینوں دیوار اور چھت کو رُوئی وغیرہ جس سے چاہیں منڈھ لیں، سوتے وقت سرہانے اس مکان کو رکھ کر سر اس کے دروازہ سے داخل کریں کہ چہرہ اس کے سائے میں رہے، باقی بدن پر کپڑا اڈال لیں، اب اس مکان کی وجہ سے سر ہوائے سرد سے محفوظ ہوگیا اور رو (چہرے)، و سر کا چھپانا بھی لازم نہ آیا۔

جنابت سے طہارت کے لیے تو آپ ہی تیمم کرے گا، جبکہ نہانے پر قادر نہ ہو، اور احرام کے وقت جو غسل مسنون ہے اس پر قدرت نہ ہو تو اس کے عوض تیمم مشروع نہیں کہ وہ غسل نظافت کے لیے ہے نہ طہارت کے لیے، کہ طہارت تو حاصل ہے اور تیمم سے طہارت ہوتی نہ نظافت بلکہ بدن پر غبار لگنا خلاف نظافت ہے، تو ایسا شخص اس غسل کے عوض کچھ نہ کرے صرف وضو کافی ہے۔ (ص664,665)

سوال: منیٰ اور مزدلفہ سے روانگی میں کافی مسائل ہوتے ہیں، لے جانے والے مانتے ہی نہیں، کیا کیا جائے؟ نیز کیا عورت کی طرف سے رمی کی جاسکتی ہے؟

جواب: اگر اہل قافلہ مل کر یا ایک ہی شخص جوان کے نزدیک ذی وجاہت ہو مجبور کریں تو ان کو ماننا پڑتا ہے، فقیر کو اس کا تجربہ ہے اور اگر نہ مانیں اور مجبوری ہو تو نویں رات منیٰ میں صبح تک ٹھہرنا اور آفتاب چمکنے پر عرفات کو چلنا سنت ہے مجبورانہ اس کے ترک سے حج میں کوئی نقص نہ آئے گا مزدلفہ کی حدود کے اندر دسویں تاریخ کے طلوع صبح صادق سے طلوع آفتاب تک کسی طرح موجود ہونا اگر چہ ایک لحظہ ہو ادائے واجب کے لیے کافی ہے تو اگر حدود مزدلفہ سے نکل جانے سے پہلے صبح صادق ہوگئی تو واجب ادا ہوگیا اگر چہ سنت ترک ہوگئی، ہاں اگر اتنی رات سے چل دیا کہ صبح صادق نہ ہونے پائی اور مزدلفہ کی حدود سے نکل گیا

تو بے شک واجب ترک ہوا، قربانی دینی آئے گی مگر بدوی ایسا نہیں کرتے۔

اور عورتوں اور نہایت کمزور مردوں اور بیماروں کو بخوف ہجوم خود شرع بھی رات سے چل دینے کی اجازت فرماتی ہے، انہیں کوئی جرمانہ دینا نہ ہوگا، بارہویں تاریخ قبل زوال چل دینے کی ضرور اب وہاں عادت نکالی ہے، اور یہ ہمارے مذہب وظاہر الروایۃ میں گناہ ہے، فقیر نے تو جمالوں کو مجبور کیا اور بحمد اللہ ان کو رکنا پڑا کہ میں اور میرے ساتھ کے سب مرد وعورت بعد زوال رمی کر کے روانہ ہوئے جہاں وہ ہرگز نہ مانیں اور پیچھے رہ جانے میں اندیشہ صحیح ہو تو یہ صورت مجبوری کی ہے، ضعیف روایت پر عمل کر کے قبل زوال رمی کر کے جاسکتا ہے۔

عورت ہونا رمی میں نیابت کے لیے عذر نہیں، ہاں ایسا بیمار ہو کہ رمی کو نہ جاسکے تو اس سے اجازت لے کر دوسرا اس کی طرف سے رمی کرسکتا ہے یا جو غشی میں ہو تو اسکی بلا اجازت اسکی طرف سے رمی ہوسکتی ہے۔ (ص666,667)

سوال: حج میں ایک اونٹ آٹھ آدمیوں نے شریک ہو کر قربانی کی تو حج ہوا یا نہیں اور قربانی دوبارہ کریں یا نہیں؟

جواب: حج ہوگیا پھر احرام باندھتے وقت تنہا حج کی نیت باندھی تھی تو قربانی اصلاً ضرور نہ تھی نہ اب اس کے بدلے کسی چیز کی حاجت ہے، ہاں اگر احرام میں حج اور عمرہ دونوں کی نیت ایک ساتھ باندھی تھی یا احرام میں فقط عمرہ کی نیت کر کے ادا کر کے پھر حج کا احرام مکہ معظمہ میں باندھا تھا تو البتہ قربانی واجب تھی اور ایک اونٹ میں سات سے زیادہ شریک نہ ہوسکتے تھے تو وہ قربانی نہ ہوئی، اس صورت میں البتہ دو قربانیاں لازم ہیں ایک اصل اور ایک جرمانہ کی، ان کی قیمت بھیج کر حرم شریف میں کرائی جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص669)

سوال: ایک حاجی نے دم شکریہ کے عوض اس کی قیمت خیرات کی، اب یہ دم شکریہ اس کی جانب سے ادا ہوا یا نہیں؟ دوسرے صاحب نے دم تقصیر کی قیمت خیرات کی، اس کی ذمہ سے دم ادا ہوا یا نہیں؟

جواب: نہ، کہ یہاں خود ذبح مقصود ہے اور اللہ عزوجل کے لیے جان دینا، تو قیمت اس کے بدلے میں کافی نہیں۔ (ص670)

سوال: اگر وہ صاحب جنہوں نے دم شکریہ اور دم تقصیر منیٰ میں نہ ذبح کیا وہ یہاں آکر ایک گائے خرید کر ذبح کردیں، تو کیا وہ بری الذمہ ہوجائیں گے؟

جواب: اگر ہندوستان میں ہزار گائیں یا اونٹ ذبح کردیں ادا نہ ہوگا کہ اس کے لیے حرم شرط ہے۔ (ص670)

سوال: جو شخص دور دراز سفر کر کے حج نفل کرے اور زیارتِ سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والصلوٰۃ نہ کرے تو وہ مصداق اس حدیث کا ہوسکتا ہے کہ "جو شخص حج کرے اور میری زیارت نہ کرے تو اس نے مجھ پر ظلم کیا" جو لوگ کہ ساکن مکہ معظمہ کے ہیں اور نفل حج کے بعد روضہ اقدس کی زیارت نہ کریں تو اس حدیث کے مصداق ہیں یا نہیں؟

جواب: مَن حجّ (جس نے بھی حج کیا۔) یقیناً عام ہے مکی و آفاقی سب کو شامل اور تکرار سبب تکرار حکم کو

مستلزم۔۔۔نظرِ ایمانی میں بلاشبہ ہر بار زیارت لازم، اوراسی پر مسلمین کا عمل لا جرم۔ (ص671) 28

سوال :رمضان میں جو شخص عمرہ کرے کیا اس کا ثواب بھی ایام حج کی طرح ایک لاکھ گنا ہوگا؟ رمضان میں طواف کا زیادہ ثواب ہے یا ایامِ حج میں؟

جواب :حرم محترم کے اعمال کا ثواب اُس زمین پاک کے اعتبار سے ہے، نہ زمانِ حج کی خصوصیت سے، ایک نیکی پر لاکھ کا ثواب جیسے زمانہ حج میں ہوگا ویسے ہی دیگر اوقات میں۔

اور طوافِ کعبہ معظمہ جو حج میں کیا جائے گا اگر وہ طواف فرض ہے جب تو ظاہر ہے کہ فرض کے ثواب کو دوسری چیز نہیں پہنچ سکتی اور اگر وہ طوافِ عمرہ ہے تو رمضان مبارک میں اس کا طواف ذی الحجہ سے بہت زیادہ ہوگا لاختلاف العلماء فی نفس جواز العمرة شهر الحج (کیونکہ علماء کا حج کے مہینے میں جوازِ عمرہ کے بارے میں اختلاف ہے۔) حدیث میں ہے حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((عمرة فی رمضان تعدل حجة معی)) ترجمہ: رمضان مبارک میں ایک عمرہ میرے ساتھ حج کے برابر۔ واللہ تعالیٰ اعلم (صحیح مسلم، ج1، ص409، قدیمی کتب خانہ، کراچی) (ص672)

سوال :پہلے حج کرے یا مدینہ منورہ میں روضہ انور پر حاضری؟

جواب :علمائے کرام نے دونوں صورتیں لکھی ہیں چاہے پہلے سرکارِ اعظم میں حاضر ہو اُس کے بعد حج کرے یہ ایسا ہوگا جیسے صبح کے فرضوں سے سنتیں مقدم ہیں اور حاضری بارگاہِ مقدس اس کے لیے قبول حج کا سامان فرمادے گی ان شاء اللہ الکریم ثم رسولہ الرؤف الرحیم علیہ وعلیٰ آلہ اکرم الصّلوٰۃ والتسلیم، اور چاہے تو حج کے بعد حاضر ہو یہ ایسا ہوگا جیسے مغرب کے فرضوں کے بعد سنتیں۔ حج اگر مبرور ہے اُسے گناہوں سے پاک کر کے اس قابل کردے گا کہ زیارت قبرِ انور کرے۔

یہ سب اس صورت میں ہے کہ مکہ معظمہ کو جاتے میں مدینہ طیبہ راستہ میں نہ پڑے اور اگر ایسا ہے جیسا شام سے آنے والوں کے لیے تو پہلے حاضری دربارِ انور ضروری ہے، خلافِ ادب ہے کہ بے حاضر ہوئے حج کو چلا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص673)

سوال :امام اہلسنت کے دور میں حجازِ مقدس میں ترکوں کی خدمت تھی، وہاں ٹرین کے انتظام کے لیے مسلمان چندہ جمع کرکے بھیج رہے تھے، اس کے بارے میں آپ علیہ الرحمہ سے سوال ہوا، اور اس بات کا خدشہ ظاہر کیا کہ درمیانے لوگ مال کھانہ جائیں، تو امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے اس کا جواب دیا۔

جواب :حجاز ریلوے مسلمانوں کے نفع وآرام کی چیز ہے، نیت صالحہ سے اس میں شرکت ان شاء اللہ تعالیٰ باعثِ اجر وبرکت ہے۔ بعض حاجیوں کو یہ خیال کہ ریل بننا ہی غلط ہے بلکہ بیچ کے لوگوں نے یہ شعبدہ اٹھا رکھا ہے روپیہ جو جاتا ہے تغلب خائنان میں آتا ہے، اس میں پہلا فقرہ محض غلط وسوئے ظن ہے وہ بھی صریح یقین کے مقابل، اور پچھلا فقرہ اگرچہ بعض مواضع پر صحیح ہونا

ممکن، اور تجربہ شاہد ہے کہ ضرور کہیں صحیح ہوگا، ایسے معاملات میں بہت کاذب وخائن کھڑے ہوجاتے ہیں، مگر نہ سب یکساں ہیں نہ بعد حصول ذرائع اطمینان، اجازت سوئےگمان ہے اور بالفرض ہو بھی، تو مسلمان جس نے لوجہ اللہ تعالیٰ دیا اپنی نیت پر اجر پائے گا۔

فقیر نے اس میں اعانت پر کبھی انکار نہ کیا، البتہ بعض جاہلان علم ادعا نے یہ کہہ دیا تھا کہ اس کی اعانت فرض ہے کہ بے امنیِ راہ کے باعث فرضیتِ حج میں خلل ہے، ریل کا بننا اس خلل کا ازالہ کرے گا، اور مقدمہ فرض فرض ہوتا ہے اس کا میں نے رد کیا تھا کہ یہ محض جہالت ہے، اوّل بحمد اللہ تعالیٰ ہرگز راہ میں بے امنی نہیں، جسے حق سبحانہ نے وہ سفرِ کریم بخشا اور اس کے ساتھ ایمان کی آنکھ اور عقلِ سلیم عطا کی ہے اُس نے موازنہ کیا اور معلوم کرلیا ہے وہاں باآنکہ بارہ منزل کے اندر صرف دو ایک چوکیاں ہیں، بحمدہٖ تعالیٰ وہ امن وامان رہتی ہے کہ یہاں قدم قدم پر چوکی پہرے کی حالت میں ہو۔

جس قافلہ میں یہ فقیر اپنے رب کے دربار سے اس کے حبیب کی سرکار میں حاضر ہوتا تھا جل جلالہ، وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، قافلہ بعد زوال ظہر وعصر پڑھ کر وہاں ہوتا اور وقتِ مغرب خفیف قیام کرتا کہ لوگ مغرب وعشاء کے فرض و وتر پڑھ لیتے، شافعیہ اپنے مذہب پر ایسا کرتے اور حنفیہ بضرورت تقلید غیر پر عامل ہوتے کہ بحالتِ ضرورت اُن شرائط پر کہ فقہ میں مفصل ہیں ایسا روا ہے، مگر یہ فقیر بحمد اللہ اپنے امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق مذہب، ہر نماز خاص اُس کے وقتِ مقرر ہی میں پڑھتا جن کی تعیین اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمادی ہے، مجھے عصر وعشاء کے لیے اُترنا پڑتا، قافلہ دُور نکل جاتا، میں جلدی کرکے مل جاتا، قضائے حاجت کے لیے بھی لوگ اس خیال سے کہ قافلہ بعید نہ ہوجائے نزدیک ہی بیٹھ جاتے ہیں، مجھے یہ پسند نہ آتا اور دور کسی پیڑ یا پہاڑ کی آڑ میں جاتا اس میں بھی لوگ، قافلہ دور نکل جاتا، دن کی تنہائیوں اور رات کی اندھیریوں میں بارہا بدوی ملے وہ مسلّح تھے اور میں نہتا، مگر کبھی سوا السلام علیکم و علیکم السلام ،مساکم اللہ بالخیر والسعادۃ صبحکم اللہ بالرضاء والنعیم (تم پر سلام ہو اور تم پر بھی سلام ہو، اللہ تعالیٰ رات خیر اور صبح مبارک کرے، اللہ اپنی خوشنودی اور انعامات سے نوازے۔) کے اصلاً کسی نے کوئی تعرض نہ کیا وللہ الحمد، اتفاقاً کہیں کوئی واقعہ ہوجانا بدامنی نہیں کہلاتا، یہاں شہر سے اسٹیشن کو جاتے ہوئے شب میں متعدد وارادات ہوچکیں اور رات کو آنولے سے بدایوں جانے میں تو کتنے ہی وقائع ہوئے، کوئی عاقل ایسے اتفاقیات پر شہر یا راہ میں بدامنی نہ مانے گا پھر وہاں اس حال پر کہ بارہ منزل تک بیچ میں صرف ایک قلعہ رابغ ملتا ہے جگہ جگہ چوکی پہروں کا نشان نہیں، اگر اتفاقی واردات ہوجائیں تو اُس کے باعث بدامنی ماننا، فرضیت حج میں خلل جاننا، ضعفِ ایمان نہیں، تو کیا ہے، لئیم الطبع لوگ جو قافلوں میں بدویوں سے دنائت وخست کا برتاؤ کرتے ہیں اور اس کے سبب وہ ان کی خدمت گزاری کہ ان پر شرعاً عرفاً کسی طرح لازم نہیں، پوری نہیں کرتے (حالانکہ مشاہدہ وہ تجربہ ہے کہ وُہ کریم الطبع بندے قلیل پر کثیر راضی ہوجاتے اور ادنیٰ خدمت گار سے بڑھ کر کام دیتے ہیں، ہاں خسیس دنی الطبع کو ضرور مکروہ رکھتے ہیں) اس باعث سے اگر کوئی تکلیف ان سفہاء کو پہنچ جاتی ہے تو انہیں کی لوم وخست کا نتیجہ ہے اسے طرح طرح کی رنگ آمیزیوں کے ساتھ یہاں آکر بیان کرتے اور محض بے اصل نئی پرانی افواہ اپنے

حواشی بڑھا کر مسلمانوں کو سناتے اورانہیں حاضریِ بارگاہِ خدا ورسول سے بددل کرتے ہیں یہ اُن کی ایمانی حالت کا خاکہ ہے۔

اور اگر معاذ اللہ بدامنی اس حد کی فرض کی جائے، کہ مانع فرضیت حج ہو، تو اب یہ ریل اگر مورثِ امن وامان بھی لی جائے تو مقدمہ فرض نہ ہوگی کہ بسبب بے امنی حج فرض ہی نہیں، ہاں مقدمہ فرضیت ہوگی کہ یہ ہو جائے تو حج فرض ہو اور مقدمہ فرضیت، فرض در کنار مستحب بھی نہیں ہوتا، مثلاً اتنا مال جمع کرنا کہ حوائج اصلیہ سے بچ کر قدر نصاب رہے اور اس پر سال گزرے، مقدمہ فرضیت زکوٰۃ ہے کہ ایسا ہو تو زکوٰۃ فرض ہو مگر وہ اصلاً مستحب نہیں، غرض ہر عاقل جانتا ہے کہ اسباب ادائے واجب کا مہیّا کرنا واجب ہوتا ہے، نہ کہ اسباب وجوب کا۔

یہ ان جاہلان عالم نما کی جہالت کا رد تھا ورنہ نفس ریل واعانتِ چندہ پر فقیر نے کبھی اعتراض نہ کیا، مسلمانوں کو اتنا ضرور ہے کہ اس امرِ خیر میں ہمت کریں تو ذرائع اطمینان حاصل کرلیں۔ (ص674تا676)

سوال :ایک شخص جس کے ایسے والدین اور دو بیٹیاں ہیں جو معاشی اعتبار سے اس شخص کی محتاج نہیں، وہ چاہتا ہے کہ وہ تنہا حرمین شریفین (اللہ تعالیٰ ان کے شرف وعظمت میں اوراضافہ فرمائے) ہجرت کر جائے اور وہ گمان رکھتا ہے کہ اگر ان اپنے والدین سے ہجرت کی اجازت چاہئے گا تو وہ اجازت نہیں دیں گے، صورت مسئولہ میں اس کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب :والدین کے ساتھ حسن سلوک اعظم واجبات اور اہم عبادات میں سے ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کی شکرگزاری کو اپنے شکریہ کے ساتھ متصل فرماتے ہوئے یہ حکم دیا﴿ اشکر لی ولوالدیک ﴾ میرے شکر گزار بنو اور والدین کے۔

اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے والدین کے ساتھ نیکی کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد سے افضل قرار دیا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں ((سألت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ای العمل احب الی اللہ قال الصلوٰۃ علی وقتھا قلت ثم ای، قال بر الوالدین، قلت ثم ای، قال الجھاد فی سبیل اللہ)) ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا: اللہ تعالیٰ کے ہاں کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا: وقت پر نماز، میں نے عرض کیا: اس کے بعد کون سا عمل ہے؟ فرمایا: والدین کے ساتھ حسن سلوک۔ عرض کیا: اس کے بعد؟ فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد۔ (صحیح بخاری، ج2، ص882، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

(امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں نیکی ان کے ساتھ یہ نہیں کہ ان کے حکمِ صریح کی تو نافرمانی نہ کی جائی اور اس کے علاوہ میں ان کی مخالفت کی جائے، ہاں نیکی یہ ہے کہ کسی معاملہ میں بھی انہیں پریشان نہ کیا جائے اگرچہ وہ اولاد کو کسی معاملہ کا حکم نہ دیں، کیونکہ طاعت اور راضی کرنا دونوں واجب ہیں اور نافرمانی اور ناراض کرنا دونوں حرام ہیں اور یہ ناراض اور راضی کرنا ان کے صریح حکم کے ساتھ ہی مخصوص نہیں، جیسا کہ مخفی نہیں۔ اس پر دلیل یہ روایت ہی کافی ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت، کہ رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ((رضی الرب فی رضی الوالد وسخط الرب

فی سخط الوالد)) رب کی رضا والد کی راضا میں ہیں اور رب کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے۔

کچھ لوگوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس رہنے کی اجازت چاہی آپ نے انھیں والدین کی خدمت کا حکم دیا، ان احادیث میں یہ کہیں تصریح نہیں کہ والدین ان کی خدمت کے محتاج تھے۔((جاء رجل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فاستاذنہ فی الجہاد فقال احی والداہ قال نعم، قال ففیہما فجاہد)) ترجمہ: ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر جہاد پر جانے کی اجازت چاہی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟ عرض کی: ہاں۔ فرمایا: جاؤ ان کی خدمت میں محنت کرو۔ (صحیح مسلم، ج2، ص313، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

ابوداؤد میں ہے((جاء رجل الیٰ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال جئت ابایعک علی الھجرۃ و ترک ابوی یبکیان، قال فارجع الیہما فاضحکہما کما ابکیتہما)) ترجمہ: ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا میں آپ کے پاس ہجرت پر بیعت کے لیے آیا ہوں اس حال میں کہ میں والدین کو روتے ہوئے چھوڑ آیا ہوں، فرمایا: ان کی خدمت میں واپس جاؤ اور اس طرح خوش کرو جیسے تم نے انھیں رُلایا ہے۔ (سنن ابوداؤد، ج1، ص342، آفتاب عالم پریس، لاہور)

اس میں ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے((ان رجلاھا جرمن الیمن الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال ھل لک احد بالیمن، فقال ابوای، قال اذنالک قال لا، قال فارجع الیہما فاستاذنہما فان اذنا لک فجاھد والا فبرھما)) ترجمہ: ایک شخص یمن سے ہجرت کرکے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آیا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا: یمن میں تیرا کوئی عزیز ہے؟ عرض کیا: میرے والدین ہیں، فرمایا: انھوں نے تجھے اس بات کی اجازت دی ہے؟ عرض کیا: نہیں، فرمایا: ان کی خدمت میں جاکر اجازت طلب کرو اگر تجھے اجازت دے دیں تو جہاد پر جاؤ اور اگر اجازت نہ دیں تو والدین کی خدمت کرو۔ (سنن ابوداؤد، ج1، ص342، آفتاب عالم پریس، لاہور)

ذرا غور کیجئے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو اپنے آباء اور امہات کی خدمت میں لوٹنے کا کس انداز میں حکم دیا ہے، یہ ملاحظہ بھی کیجئے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص کو کیا حکم دیا جو والدین سے اجازت لیے بغیر آیا تھا کہ واپس جاؤ اور اجازت لو، اس پر یہ بھی توجہ کیجئے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص کی کتنی پیاری رہنمائی فرمائی جو اپنے والدین کو روتا ہوا ان چھوڑ کر آیا تھا کہ جاؤ ان کو اسی طرح ہنساؤ جس طرح انھیں رلایا ہے، جب آپ نے یہ سب کچھ پڑھ لیا تو اب صورت مذکورہ میں اگر والدین سے اجازت مانگے وہ اجازت نہیں دے رہے تو واضح بات ہے کہ وہ تمھاری جدائی پر سخت پریشان وغمگین ہوں گے جبھی تو وہ آپ کو اجازت نہیں دے رہے، تو اب روتے ہوئے چھوڑ کر جانا ہرگز جائز نہیں۔

یہ تو احادیث تھیں، باقی رہے فقہاء تو علامۃ البحر نے بحرالرائق میں تفصیلاً رخصت کی تفصیل تحریر کی، اور اجازت والد کے

بغیر اولاد کو حج کرنے سے منع کیا پھر فرمایا" ھذا کلہ فی حج الفرض اما حج النفل فطاعۃ الوالدین اولی مطلقا کما صرح بہ فی الملتقط "ترجمہ: یہ تمام بحث حج فرض میں ہے، رہا نفل حج، تو اس میں اطاعتِ والدین ہر حال میں اولیٰ ہے جیسا کہ ملتقط میں ہے۔ (بحرالرائق، ج2، ص309، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

میں کہتا ہوں یہ انھوں نے حج کے بارے میں حکم دیا ہے جس میں تو واپسی کا ارادہ رکھتا ہے، یہ کیسے جائز ہوسکتا ہے جبکہ تو واپس نہ ہونے کا عزم رکھتا ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ایسے مسائل کے بارے میں بہت عمدہ ضابطہ بیان کیا ہے، وہ یہ ہے" لابن البالغ یعمل عملا لاضرر فیہ دینًا ولا دُنیا بوالدیہ وھما یکرھا نہ فلا بد من الاستیذان فیہ اذا کان لہ عند بد "ترجمہ: بالغ اولاد کوئی دینی یا دینوی ایسا کام نہ کرے جو والدین کے لیے غیر مضر اور ناپسند ہو، اور اگر ضروری ہو تو والدین سے اجازت لینا ضروری ہوگا۔

یعنی اگر چہ نقصان دہ نہ بھی ہو تب بھی والدین کی اجازت کے بغیر چارہ نہیں۔

یہ تو مسئلہ کا حکم تھا لیکن مجھے اس میں کلام نہیں ہے اور جبکہ میں یہ کہتا ہوں کہ مجاورت اس صورت میں بھی جائز نہیں جبکہ والدین اجازت دیں تو اس وقت کیسے جائز ہوگی جب وہ اسے پسند نہ کریں اور اس پر پریشان ہوں، اور یہی امام صاحب کا قول ہے محتاط اور خائف اہل علم نے آپ کے اسی قول کو اختیار کیا ہے جیسا کہ شامی میں احیاء سے ہے۔ مجمع وغیرہ میں اس پر جزم کا اظہار کیا ہے۔ (ص678تا687)

شرائط حج

سوال: زید ستر سال کا بوڑھا، مریض رعشہ کہ تنہا سفر کے قابل نہیں، کبھی اپنے زمانہ صحت و جوانی میں اتنے مال کا مالک نہ ہوا کہ اس پر حج فرض ہوتا، اب کہ حالت یہ ہے اس نے اپنا مال وغیرہ بیچا اور پانچ سو روپے اس کے پاس ہو گئے کہ یہی کُل سرمایہ اس کا ہے۔ بوجہ ضعف و امراض دوسرے شہر میں جہاں اس کے اعزہ ہیں سکونت کرنا اور وہاں مکان خریدنا چاہتا ہے، اس صورت میں اس پر خود حج کو جانا یا روپیہ دے کر حج بدل کرانا واجب ہے یا نہیں؟

جواب: صورت مستفسرہ میں زید پر حج اصلاً واجب نہیں، ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب مصحح ظاہر الروایۃ میں تو ایسی تندرستی جو اس سفر مبارک کے قابل ہو شرط وجوب ہے کہ بغیر اس پر حج سرے سے واجب ہی نہ ہوتا، نہ خود جاتا نہ دوسرے کو بھیجتا، اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے مذہب مصحح میں اگر چہ تندرستی مذکور شرط وجوب نہیں، شرط وجوب ادا ہے کہ وہ نہ ہو تو خود جانا لازم نہیں مگر اپنے عوض اپنے روپے سے اپنی حیات میں یا بعد موت حج کرانا واجب ہے۔

مگر مال جملہ حاجات سے فاضل، جانے آنے کے قابل باتفاق فقہائے کرام شرط وجوب ہے کہ بے اس کے حج واجب ہی نہیں ہوتا، اور مکان حاجات اصلیہ سے ہے اس کی خریداری یا بنانے کے بعد اس زمانے میں کہ اب مصارف حج بہت

قریب گزرے ہوئے زمانے سے تقریباً دو چند ہو گئے

اتنا پہنچا کہ اس سے حج کے لیے جانے آنے رہنے کے بھی تمام مصارف ہوں اور زید کے لیے اس حالت میں کہ نہ اور مال، نہ کسب پر قدرت، کچھ ذریعہ معاش بچ بھی رہے معقول نہیں، لہذا بالاتفاق ورنہ علی التنزیل صاحبِ مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب صحیح مرجح پر تو بلاشبہہ زید پر حج کرانا بھی نہیں اور خود حج کو جانا تو بالاجماع اصلاً صورت وجوب نہیں رکھتا۔ (ص699,700)

سوال: ادائے حج ہندہ پر مدت سے فرض تھا اب جانے کا قصد کیا تو یہ جانے کے لیے کوئی صالح محرم نہیں، ایک محرم ہے مگر فاسق ہے، یا شوہر کا بھتیجا ہے یا پھر ایک عورت متقیہ کا ساتھ جانا ممکن ہے، کیا کرے؟

جواب: عورت کو بغیر محرم کے حج خواہ کسی اور کام کے واسطے سفر کرنا ناجائز ہے اور بھتیجا شوہر کا محرم نہیں، اور محرم فاسق بیکار ہے اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے اور معیت زنِ متقیہ کی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کافی نہیں لیکن اگر بغیر محرم کے چلی گئی اور حج کر لیا تو فرض ساقط اور حج مع الکراہۃ ادا، اس فعلِ ناجائز کی معصیت جُدا۔

پس جب ہندہ پر بسبب اجتماع شرائط کے حج فرض ہو گیا تھا اور اب معیت محرم کی نہیں ملتی تو چارہ کار یہی ہے کہ نکاح کرے، اگر یہ خوف ہو کہ شاید اس نے نکاح کر لیا اور پھر نہ گیا تو یہ پھنس گئی اور حج بھی نہ ہوا، یا اندیشہ ہو کہ شوہر موافق مزاج نہ نکلے چاہئے تو تھا چند روز کے لیے اور پابند ہو گئی عمر بھر کی، یا سرے سے اسے پابندِ شوہر رہنا منظور ہی نہ ہو، صرف اس ضرورت کی رفع تک نکاح چاہئے۔

تواقول (میں کہتا ہوں) اس کی تدبیر یہ ہے کہ اس شرط پر نکاح کرے کہ اگر تو اس سال میرے ساتھ حج کو نہ جائے تو مجھ پر ایک طلاق بائن ہو اور جب بعد حج میں واپس آؤں اور اپنے مکان میں قدم رکھوں تو فوراً مجھ پر طلاق بائن ہو، یوں اگر وہ نہ گیا تو طلاق ہو جائے گی اور اگر گیا تو واپسی پر عورت جو وقت اپنے مکان میں قدم رکھے گی نکاح سے نکل جائے گی۔

اور بہتر اور آسان تر یہ ہے کہ اس شرط پر نکاح کرے کہ مجھے ہر وقت اپنے نفس کا اختیار ہو کہ جب کبھی چاہوں اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے لوں، یوں اس کے نہ جانے یا واپس آنے پر اور اس کے بعد بھی ہر وقت عورت کو اختیار رہے گا مرضی ہو اس کی زوجیت میں رہے، نہ مرضی ہو اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر جُدا ہو جائے۔ (ص701,702)

سوال: میری بھاوج بیوہ فی الحال ارادہ حج کو جانے کا رکھتی ہیں مگر ہمراہ ان کے کوئی شخص محرم نہیں ہے، جو شخص کہ ان کے ہمراہ جاتا ہے وہ ان کے دور کے رشتہ کا بھائی ہے اور عرصہ سے بھاوج صاحبہ کے پاس ملازم ہے مگر شخص مذکور محتاط نہیں ہے۔ کیا اس کے ساتھ جا سکتی ہیں؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((لا یحل لا مرأۃ تؤمن باللہ والیوم الاخر ان تسافر مسیرۃ یوم ولیلۃ الامع ذی رحم محرم یقوم علیھا)) ترجمہ: حلال نہیں اس عورت کو کہ ایمان رکھتی ہو اللہ اور قیامت پر

کہ منزل کا بھی سفر کرے مگر محرم کے ساتھ جو اس کی حفاظت کرے۔ (صحیح بخاری، ج1، ص147، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی بچہ یا مجنون یا مجوسی یا بے غیرت فاسق نہ ہو ایسا اگر محرم ہو تو اس کے ساتھ بھی سفر حرام ہے کہ اس سے حفاظت نہ ہو سکے گی یا نا حفاظی کا اندیشہ ہوگا، حج کا جانا ثواب کے لیے ہے اور بے محرم جانے میں ثواب کے بدلے ہر قدم پر گناہ لکھا جائے گا۔

میں خاص اس موقع کے لیے نہیں کہتا بلکہ عام مسئلہ بتاتا ہوں کہ جو عورت حج کو جانا چاہے اور محرم نہ پائے اور شوہر نہ رکھتی ہو اس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی کفو سے نکاح کر کے اسے ساتھ لے جائے پھر اگر نکاح کو باقی رکھنا نہ چاہے اور اندیشہ ہو کہ دوسرے کی پابند ہو جائیگی تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ (فلاں) کفو کے ساتھ نکاح کرنے کا اس شرط پر کہ جب میں سفر حج سے اپنے مکان پر واپس آؤں مکان میں قدم رکھتے ہی فوراً مجھ پر ایک طلاق بائن ہو، پھر وکیل کرے یہ وکیل یونہی نکاح کرے یعنی ان سے کہے میں نے فلانہ بنت فلاں بن فلان اپنی موکلہ کو اتنے مہر کے عوض اس شرط پر تیرے نکاح میں دیا کہ جب وہ عورت بعد حج اپنے گھر واپس آئے مکان میں داخل ہو فوراً اس پر ایک طلاق بائن ہو، شوہر کہے میں نے اسے اس شرط پر قبول کیا، اب بعد واپسی گھر میں آتے ہی فوراً اس کے نکاح سے نکل جائے گی جسے وہ کسی طرح نہیں روک سکتا، اور جسے مکہ معظّمہ سے واپسی پر محرم ملنے کا یقین ہو یوں شرط کرے کہ مکہ معظمہ پہنچتے ہی مجھ پر طلاق بائن ہو مکہ معظّمہ پہنچتے ہی طلاق بائن واقع ہو جائے گی، مگر اگر بیچ میں خلوت واقع ہوئی تو تا انقضائے ایام عدت وہاں (مکہ معظّمہ) قیام لازم ہوگا اور خلوت نہ ہو تو یہ دقت بھی نہ ہوگی اور ہر حال میں جو عورت ولی رکھتی ہو اس کے لیے یہ ضرور ہوگا کہ نکاح مذکور ایسے شخص سے کرے جو قوم یا مذہب یا پیشے یا چال چلن میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح اس کے ولی کے لیے باعث ننگ و عار ہو، یا اگر ایسا شخص ہے تو ولی اس کے اس حال پر مطلع ہو کر پیش از نکاح صریح اجازت دے دے ورنہ نکاح نہ ہوگا۔ (ص704,705)

سوال: ایک عورت ضعیفہ ستر سال یا نو جوان عفیفہ نے تن تنہا یا غیر محرم کے ساتھ بقصد حج حرمین کا سفر کیا، جب بہت کچھ مسافت طے کر چکی پھر اس کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب: عورت اگرچہ عفیفہ یا ضعیفہ ہو اسے بے شوہر یا محرم سفر کو جانا حرام ہے، یہ عفیفہ ہے تو جن سے اس پر اندیشہ ہے وہ تو عفیفہ نہیں، اور یہ ضعیفہ ہے تو سفر خصوصاً حج میں اور زیادہ محتاج محرم ہے کہ جہاز یا اونٹ پر چڑھانے اتارنے کے لیے ضعیفہ کو دوسرے شخص کی زیادہ حاجت ہے۔

ہاں اگر چلی جائے گی گنہ گار ہوگی، ہر قدم پر گناہ لکھا جائے گا، مگر حج ہو جائے گا کہ معیت محرم شرطِ صحتِ حج نہیں، رہی واپسی اگر اس کا شوہر یا محرم اس کے ساتھ حج کو جا سکتا ہے تو یہی مناسب ہے۔ اس صورت میں واپسی کو نا مناسب نہیں، اگر زوج یا محرم کوئی نہیں یا ہے مگر حج کو نہیں جا سکتا تو اگر ابھی مدت سفر تک نہیں گئی ہے واپسی لازم ہے، اور اگر مدت سفر تک قطع کر چکی تو شوہر یا محرم ہو تو واپس لائیں کہ اس میں ازالۂ گناہ ہے اور ازالۂ گناہ فرض ہے۔

اور اگر شوہر و محرم نہیں رکھتی تو اگر اتنی دور پہنچ گئی کہ مکہ معظمہ تک مدت سفر نہیں مثلا جدہ پہنچ گئی تو اب چلی جائے اور واپس نہ ہو کہ واپسی میں سفر بلا محرم ہے اور وہ حرام ہے۔

پھر بعد حج مکہ معظمہ میں اقامت کرے بلا محرم گھر کو واپس آنا بلکہ مدینہ طیبہ کی حاضری ناممکن ہے، یہ وہ عورت ہے جس نے خود اپنے آپ کو بلا میں ڈالا، اس کے لیے چارۂ کار نہیں مگر یہ کہ اس کا کوئی محرم جا کر اسے لائے، یوں کہ اس سال وہ جانا چاہتا تھا اس سال گیا یا یوں کہ اس سال تک اس کا کوئی محرم نابالغ تھا اب بالغ ہوا اور لا سکتا ہے، اور یہ بھی نہ ہو تو چارۂ کار نکاح ہے نکاح کرے پھر شوہر کے ساتھ چاہے واپس آئے یا وہیں مقیم رہے۔

اور اگر دونوں طرف مدت سفر ہے تو بلا سخت تر ہے اور جانا یا آنا کوئی بھی بے گناہ نہیں ہو سکتا، مگر یہ حصول محرم یا تحصیل شوہر، شوہر کے قبضے میں اگر ہمیشہ رہنا نہ چاہے تو اس کا یہ علاج ہے کہ اس شرط پر نکاح کرے کہ میرا کام میرے ہاتھ میں رہے گا جب چاہوں اپنے آپ کو طلاق بائن دے لوں، اور اگر یہ بھی ناممکن ہو تو سب طرف سے دروازے بند ہیں پوری مضطرہ ہے، اگر ثقہ معتمدہ واپسی کے لیے ملیں تو مذہب امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عمل کر کے ساتھ واپس آئے، اور جانے کے لیے ملیں تو ان کے ساتھ جائے انھیں کے ساتھ واپس آئے کہ تقلید عند الضرورۃ بلا شبہہ جائز ہے۔ (ص706تا708)

سوال: جس کے پاس رشوت کا روپیہ حاجت سے زائد اتنا ہے کہ وہ حج کر سکے تو کیا اس پر حج فرض ہے؟ ان پیسوں سے حج کرے تو قبولیت کی امید ہے؟

جواب: اگر اس کے پاس مال حلال کبھی اتنا نہ ہوا جس سے حج کر سکے اگر چہ رشوت کے ہزار ہا روپے ہوئے تو اس پر حج فرض ہی نہ ہوا کہ مالِ رشوت مثل مغصوب ہے وہ اس کا مالک ہی نہیں، اور اگر مال حلال اس قدر اس کے پاس ہے یا کسی موسم میں ہوا تھا تو اس پر حج فرض ہے مگر رشوت وغیرہ حرام مال کا اس میں صرف کرنا حرام ہے اور وہ حج قابل قبول نہ ہوگا اگر چہ فرض ساقط ہو جائے گا، حدیث میں ارشاد ہوا جو مالِ حرام لے کر حج کو جاتا ہے جو لبیک کہتا ہے فرشتہ جواب دیتا ہے ((لا لبيك ولا سعديك حتى تردما في يديك وحجك مردود عليك)) ترجمہ: نہ تیری حاضری قبول نہ تیری خدمت قبول، اور تیرا حج تیرے منہ پر مردود، جب تک تو یہ حرام مال جو تیرے ہاتھ میں ہے واپس نہ دے۔ (ارشاد الساری الی مناسک الملاعلی قاری، ص323، دار الکتاب العربی، بیروت)

اس کے لیے چارہ کار یہ ہے کہ قرض لے کر فرض ادا کرے۔ (ص708)

سوال: جس پر حج فرض ہے اور اب مالِ حرام کے علاوہ کچھ نہیں، آپ کے فرمانے کے مطابق وہ قرض لے لیتا ہے، مگر واپس کہاں سے کرے گا کیوں کہ اس کے پاس تو صرف حرام روپیہ ہی ہے، نیز اگر وہ قرض مالِ حرام سے ادا کرتا ہے تو یہ قرض کیسے حلال ہوگا؟

جواب: روپیہ کہ قرض لیا گیا کہ ایک مال حلال ہے کہ عقد صحیح شرع سے حاصل کیا تو اس میں خبث کی کوئی وجہ نہیں، عالمگیری وغیرہ کتب معتمدہ میں تصریح ہے کہ جس کا مال حرام ہے وہ اگر زید کی دعوت کرے یا اسے کچھ دے اور کہے "ورثتہ او استقرضتہ" یہ مال مجھے ترکہ میں ملا ہے یا میں نے قرض لیا ہے، تو اس کا لینا اور دعوت کھانا حلال ہے اور جب حج اس کے فرض ہو چکا تھا اور اب اس کے پاس مالِ حلال نہ رہا صرف مال حرام ہے اور مال حرام سے حج مردود ہے، تو چارہ کار سوا اس کے کیا ہے کہ کسی ذریعہ سے حلال مال حاصل کرکے حج کو جائے اور فرض ادا کرے، قرض بھی ذریعہ حلال ہے، یہ فرض تو ادا ہو گیا، ہاں ادائے قرض میں اس پر دقت ہے کہ مال حرام کو اپنے کسی مصرف میں صرف کرنا اسے جائز نہیں، مگر یہ مسئلہ جداگانہ ہے حج سے اسے تعلق نہیں، اپنی نجات چاہے تو مال حرام اس کے مالک کو یا وارثوں کو پہنچائے اور نہ ملیں تو تصدق کرے اور وجہ حلال سے مال پیدا کرکے قرض ادا کرے اگر ادا ہو گیا فبہا ورنہ حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ حج یا جہاد یا نکاح کے لیے قرض لے وہ قرض اللہ عزوجل کے ذمہ کرم پر ہے، اور اگر پیروی نفس کی اور مال حلال کی طرف توجہ نہ کی اسی حرام سے قرض ادا کیا اور اپنے مصارف میں صرف کرتا رہا تو یہ ایک گناہ ہے اور حج ادا نہ کرتا تو دو گناہ تھے ایک گناہ سے بچ گیا یہ کیا کم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص710)

سوال: جس شخص کے پاس حاجت سے زائد حج کرنے کے لیے پیسے موجود ہیں مگر معذور ہونے کی وجہ سے حج نہیں کرسکتا، اس کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب: عذر اگر ایسا ہو کہ مانع سفر ہے مثلاً آنکھیں یا پاؤں نہیں اور اس عذر کے زوال کی کوئی امید نہیں تو اپنی طرف سے حج بدل کرادے، اور اگر عذر مانع سفر نہیں تو خود جائے، اور اگر مانع سفر ہے مثلاً زوال کی امید ہے جیسے تپ شدید یا درد وغیرہ تو حج بدل نہیں کراسکتا بلکہ زوال کا انتظار کرے، جب شفاء ہو جائے خود جائے، اور اگر قبل شفا وقت (موت) آجائے تو حج بدل کی وصیت کر جائے، اگر اپنی طرف سے کوئی تقصیر نہ کی تھی یعنی جب سے حج فرض ہوا تھا نہ مانع سفر لاحق تھا اور قبل زوال وقت آگیا پر مواخذہ نہ ہوگا، اور اگر ایک سال بھی ایسا گزر گیا تھا کہ جاسکتا تھا اور نہ گیا تو گنہ گار رہا، استغفار واجب ہے۔ اور حج بدل کرانا فرض ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص709)

سوال: اگر راستہ میں جنگ وغیرہ کی وجہ سے امن نہ ہو تو کیا وجوبِ حج کا حکم دیں گے؟

جواب: افواہ کا اعتبار نہیں، اگر واقعی ثابت ہو کہ راستہ میں امن نہیں تو وجوب نہ ہوگا کہ ﴿من استطاع الیہ سبیلہ﴾ (جو اس کی طرف جانے کی استطاعت رکھے) صادق نہ آیا مگر یہ اس کے لیے ہے جس پر اسی سال وجوب حج ہوتا اور جن پر پہلے سے واجب ہولیا ہے اور اپنی کاہلی سے اب تک ادا نہ کیا ان پر سے وجوب ساقط نہیں ہوسکتا، غایت یہ کہ جس سال امن نہ ہونا ثابت ہو، وجوب ادا نہ ہوگا جب باذنہ تعالیٰ امن ہو جائے واجب الاداء ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص710)

سوال: مدینہ منورہ افضل ہے یا مکہ مکرمہ؟

جواب: تُربت اطہر یعنی وہ زمین کہ جسمِ انور سے متصل ہے کعبہ معظّمہ بلکہ عرش سے بھی افضل ہے، باقی مزار شریف کا بالائی حصہ اس میں داخل نہیں۔ کعبہ معظّمہ مدینہ طیبہ سے افضل ہے۔

ہاں اس میں اختلاف ہے کہ مدینہ طیبہ سوائے موضع تربتِ اطہر اور مکہ معظّمہ سوائے کعبہ مکرمہ ان دونوں میں کون افضل ہے، اکثر جانب ثانیہ ہیں اور اپنا مسلک اول پر، یہی مذہب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے، طبرانی کی حدیث میں تصریح ہے کہ ((المدینة افضل من مکة)) ترجمہ: مدینہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) مکہ سے افضل ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی، ج4، ص288، المکتبۃ الفیصلیہ، بیروت)(ص711)

جنایاتِ حج کا بیان

سوال: جو شخص احرام میں سر پر بُھولے سے کپڑا ڈال لے تو کیا حکم ہے؟ حج میں تو خلل نہیں آئے گا؟ اور اگر کسی عذر کے سبب سر چھپانا پڑے تو کیا حکم ہے؟

جواب: جو مرد اپنا سارا یا چوتھائی سر بحالت احرام چُھپائے جسے عادۃً سر چھپانا کہیں، جیسے ٹوپی پہننا، عمامہ سر باندھنا، سر سے چادر اوڑھنا، دُھوپ کے باعث سر پر کپڑا ڈالنا، درد کے سبب سر کسنا، زخم کی وجہ سے پٹی باندھنا (نہ گٹھڑی یا صندوق یا خوان وغیرہ کا سر پر اٹھانا کہ یہ سر چھپانے میں داخل نہیں) اس پر مطلقاً جُرمانہ واجب ہے اگر چہ بھولے سے، اگر چہ سوتے میں، اگر چہ بیہوشی میں اگر چہ صحت حج میں خلل نہیں، ہاں ایک طرح کا قصور ہے جس کی تلافی کو جُرمانہ مقرر ہوا، جیسے نماز میں سہواً ترک واجب سے سجدہ۔

عذر و بے عذر میں اتنا فرق ہے اگر بے عذر ایک دن کامل یا ایک رات کامل یا اس سے زائد سر چھپا رہا تو خاص حرم میں ایک قربانی ہی کرنی ہوگی جب چاہے کرے، دُسرا طریقہ کفارہ کا نہیں اور عذر مثلاً بخار یا زخم یا درد کے سبب اتنی مدت چھپایا تو اختیار ہوگا حرم میں قربانی کرے یا جہاں چاہئے جب چاہئے تین صاع گیہوں یا مثلاً چھ صاع جَو، چھ مسکینوں کو دے یا تین روزے جس طرح چاہے رکھ لے۔

اور اگر کامل دن یا رات کی مدت سے کم چھپا رہا اگر چہ کتنی ہی تھوڑی دیر کو، تو بے عذری کی صورت میں صدقۂ فطر کی طرح خاص صدقہ ہی لازم ہوگا، یعنی نیم صاع (نصف صاع) گیہوں یا مثلاً ایک صاع جَو کہ جہاں چاہے دے اور بصورتِ عذر مختار ہوگا چاہے یہ صدقہ دے یا ایک روزہ جہاں چاہے رکھ لے۔

ایک صاع دوسو ستر تولے کا ہوتا ہے اور سکہ انگریزی روپیہ سوا گیارہ ماشے کا، تو جہاں سَو روپے بھر کا سیر ہے جیسے ہمارے شہر بریلی میں ہو وہاں کی تول سے صاع پانچ ماشے پانچ رتی اوپر آدھ پاؤ پونے تین سیر کا ہوا، اور نصف صاع دو ماشے ساڑھے چھ رتی اوپر تین چھٹانک سوا سیر کا یعنی کچھ کم ڈیڑھ سیر، اس نصف صاع کے آدھے کو عربی میں مُد اور منّ کہتے ہیں۔ (ص713)

سوال: محرم کو احرام میں جوڑ لگانا عندالشرع جائز ہے یا نہیں؟

جواب: سلی ہوئی چیز سے بچنا چاہیے اور حالت ضرورت مستثنیٰ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص718)

سوال: عورتیں حالتِ احرام میں منہ پر پنکھا کھجور کا لگالیتی ہیں یانہیں وہ پنکھا کنپٹی اور ناک اور منہ سے لگتا ہے اور چہرہ پوشیدہ بھی رہتا ہے کیا کرنا چاہیے؟ نماز پڑھتے وقت جبکہ پردہ کی جگہ نہ ہو پنکھا اونچا اٹھا ہو مشکل سے رکے گا، علاوہ ازیں چہرہ نامحرمان کی نظر سے مخفی رکھنا دشوار ہے اس کے متعلق ارشاد فرمائیں۔

جواب: پنکھا سر پر مضبوط باندھیں کہ اٹھا رہے اور بڑا ہو کہ اٹھار ہنے کی عادت میں چہرہ اجانب سے چھپا رہے پھر بھی اگر احیاناً چہرہ پر ڈھلک آئے یا کنپٹی یا ناک یا منہ سے لگے اگر منہ کی ٹکلی کے چہارم تک نہ پہنچے تو کفارہ کچھ نہیں، نہ قربانی نہ صدقہ کہ نہ چہارم منہ چھپایا نہ چار پہر تک اسے دوام رہا، اس صورت میں کراہت و معصیت ہوتی مگر جبکہ ہو بلا قصد ہے اور اسے قائم نہ رکھا گیا تو مواخذہ نہیں، ہاں اگر چہارم منہ کی ٹکلی چھپ جائے گی تو ضرور صدقہ دینا آئے گا، احکام جو شرح مطہر نے ارشاد فرمائے صدقِ دل سے ان کا اہتمام ہو تو وہی جس کے احکام ہیں مدد فرماتا اور آسان کر دیتا ہے۔

سوال: احرام کی حالت میں خوشبودار تمباکو کا استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: تمباکو کے قوام میں خوشبو ڈال کر پکائی گئی جب تو اس کا کھانا مطلقاً جائز ہے اگر چہ خوشبو دیتی ہو، ہاں خوشبو ہی کے قصد سے اسے اختیار کرنا کراہت سے خالی نہیں اور نظر جانب خوشبو نہ ہو بلکہ حسب عادت دیگر منافع تمباکو کی طرف تو کچھ حرج نہیں اور اگر بے پکائے خوشبو مشک وغیرہ اس میں شامل ہوا اور خوشبو دے رہا ہو جب بھی کفارہ کچھ نہیں البتہ کراہت ضرور ہے، یہ کراہت پیک نگلنے پر موقوف نہیں کہ خوشبو کا آنچل میں باندھنا بھی ناجائز ہے، ہاں اگر مشک اتنی کم پڑی کہ خوشبو نہ دے یا مدت گزرنے سے اتر گئی کہ اب خوشبو جاتی رہی تو کراہت بھی نہیں۔

سوال: عورت پر حج فرض ہے، اس کا حج پر جانے کا ارادہ بھی ہے اور سگا بھائی بھی اس سال جا رہا ہے، مگر شوہر اجازت نہیں دے رہا، اس کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب: جبکہ عورت پر حج فرض ہے اجازت شوہر کی ہرگز حاجت نہیں۔ فان الاصح ان افتراض الحج فوری ترجمہ: اصح قول پر حج کا وجوب فوری ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ((لا طاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ)) ترجمہ: اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔ (مسند احمد بن حنبل، ج5، ص27، دار الفکر، بیروت)

عورت کے لیے ایک بڑی شرط شوہر یا محرم کا ساتھ رہنا ہے، اس وقت تو اس کا بھائی جا رہا ہے کیا معلوم کہ آگے کوئی محرم ساتھ کو نہ ملے تو حج سے محروم رہے، نہایت جلدی کرے اور فوراً بھائی کے ساتھ چلی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ص717)

سوال: حاجی کے لیے روضہ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کا کیا حکم ہے؟ اور جو قدرت کے

باوجود نہ کرے اس کا کیا حکم ہے؟ نیز کو دوسروں کو منع کرے اور اس کی فضیلت کا انکار کرے اس کا کیا حکم ہے؟

جواب : زیارت سراپا طہارت حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالقطع والیقین باجماع مسلمین افضل قربات واعظم حسنات سے ہے جس کی فضیلت وخوبی کا انکار نہ کرے گا مگر گمراہ بد دین یا کوئی سخت جاہل، سفیہ، غافل، سخرۂ شیاطین والعیاذ باللہ رب العالمین، اس قدر پر تو اجماع قطعی قائم، اور کیوں نہ ہو، خود قرآن عظیم اس کی طرف بلاتا اور مسلمانوں کو رغبت دلاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ولو انهم اذظلموا انفسهم جاؤک فاستغفروا الله واستغفرلهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما﴾ یعنی اگر ایسا ہو کہ وہ جب اپنی جانوں پر ظلم یعنی گناہ و جرم کریں تیری بارگاہِ بیکس پناہ میں حاضر ہو پھر خدا سے مغفرت مانگیں اور مغفرت چاہے ان کے لیے رسول، تو بیشک اللہ عزوجل کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔ (۴/۶۴)

امام سبکی شفاء السقام اور شیخ محقق جذب القلوب میں فرماتے ہیں ''علماء نے اس آیت سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حال حیات و حال وفات دونوں حالتوں کو شمول سمجھا اور ہر مذہب کے ائمہ مصنفین مناسک نے وقت حاضری مزار پُر انوار اس آیت کی تلاوت کو آدابِ زیارت سے گنا'' (جذب القلوب، ص211، نولکشور لکھنؤ)

ہماری کتب مذہب میں مناسک فارسی وطرابلسی وکرمانی واختیار شرح مختار وفتاویٰ ظہیریہ وفتح القدیر وخزانۃ المفتین ومنسک متوسط ومسلک متقسط ومنح الفلاح وحاشیہ طحطاویہ علی المراقی ومجمع الانہر وسنن الہدیٰ وعالمگیری وغیرہ میں اس کے قریب واجب ہونے کی تصریح کی بلکہ خود صاحب مذہب سیدنا امام اعظم سے اس پر نص منقول۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی)) ترجمہ: جو حج کرے اور میری زیارت کو نہ آئے بے شک اس نے مجھ پر جفا کی۔ (کامل ابن عدی، ج7، ص2480، دار الفکر، بیروت) (ص718,719)

(حج کے مسائل پر امام اہل سنت علیہ الرحمہ کا جامع اور مختصر رسالہ ہے)

انوار البشارۃ کا خلاصہ

فصل اوّل: آداب سفر

(1) جس کا قرض آتا ہو یا امانت پاس ہو ادا کرے، جن کے مال ناحق لیے ہوں واپس دے یا معاف کرائے، پتا نہ چلے تو مال فقیروں کو دے دے۔

(2) نماز، روزہ، زکوٰۃ جتنی عبادات ذمہ پر ہوں ادا کرے اور تائب ہو۔

(3) جس کی بے اجازت سفر مکروہ ہے جیسے ماں، باپ، شوہر، اسے رضا مند کرے جس کا اس پر قرض آتا ہے، اس وقت نہ دے سکے

تو اس سے بھی اجازت لے، پھر بھی حج کسی کی اجازت نہ دینے سے رک نہیں سکتا، اجازت میں کوشش کرے نہ ملے جب بھی چلا جائے۔

(4) اس سفر سے مقصود صرف اللہ و رسول ہوں۔

(5) عورت کے ساتھ جب تک شوہر یا محرم بالغ قابل اطمینان نہ ہو جس سے نکاح ہمیشہ کو حرام ہے سفر حرام ہے، اگر کرے گی حج ہو جائے گا مگر ہر قدم پر گناہ لکھا جائے گا۔

(6) توشہ مال حلال سے ہو ورنہ قبولِ حج کی امید نہیں اگر چہ فرض اتر جائے گا۔

(7) حاجت سے زیادہ توشہ لے کر رفیقوں کی مدد اور فقیروں پر صدقہ کرتا چلے، یہ حج مبرور (مقبول) کی نشانی ہے۔

(8) عام کتبِ فقہ بقدر کفایت ساتھ لے ورنہ کسی عالم کے ساتھ چلا جائے، یہ بھی نہ ملے تو کم از کم یہ رسالہ ہمراہ ہو۔

(9) آئینہ، سُرمہ، کنگھا، مسواک ساتھ رکھے کہ سنت ہے۔

(10) اکیلا سفر نہ کرے کہ منع ہے، رفیق دیندار ہو کہ بددین کی ہمراہی سے اکیلا بہتر ہے۔

(11) حدیث میں ہے: جب تین آدمی سفر کو جائیں اپنے میں ایک کو سردار بنالیں، اس میں کاموں کا انتظام رہتا ہے، سردار اسے بنائیں جو خوش خلق، عاقل دیندار ہو، سردار کو چاہیے رفیقوں کے آرام کو اپنی آسائش پر مقدم رکھے۔

(12) چلتے وقت اپنے دوستوں عزیزوں سے ملے اور اپنے قصور معاف کرائے، اور ان پر لازم ہے کہ دل سے معاف کردیں، حدیث میں ہے کہ جس کے پاس اس کا مسلمان بھائی معذرت لائے واجب ہے کہ قبول کرلے ورنہ حوضِ کوثر پر آنا نہ ملے گا۔ (الترغیب الترھیب، ج3، ص491، دارالکتاب العربی، بیروت)

(13) وقتِ رخصت سب سے دعا لے کر برکت پائے گا۔

(14) ان سب کے دین، جان، اولاد، مال، تندرستی، عافیت خدا کو سونپے۔

(15) لباس سفر پہن کر گھر میں چار رکعت نفل، الحمد و قل سے پڑھ کر باہر نکلے، وہ رکعتیں واپس آنے تک اس کے اہل و مال کی نگہبانی کریں گی۔

(16) جدھر سفر کو جائے جمعرات یا ہفتہ یا پیر کا دن ہو، اور صبح کا وقت مبارک ہے، اور اہل جمعہ کو روز جمعہ قبل جمعہ سفر اچھا نہیں۔

(17) جس شہر میں جائے وہاں کے سُنی عالموں اور باشرع فقیروں کے پاس ادب سے حاضر ہو، مزارات کی زیارت کرے، فضول سیر تماشے میں وقت نہ کھودے۔

(18) جس عالم کی خدمت میں جائے وہ مکان میں ہو تو آواز نہ دے باہر آنے کا انتظار کرے اس کے حضور بے ضرورت کلام نہ کرے، بے اجازت لیے مسئلہ نہ پوچھے، اس کی کوئی بات اپنی نظر میں خلاف شرع ہو تو اعتراض نہ کرے اور دل

میں نیک گمان رکھے، مگر یہ سُنّی عالم کے لیے، بد مذہب کے سامنے سے بھاگے۔

(19) ذکرِ خدا سے دل بہلائے کہ فرشتہ ساتھ رہے گا، نہ کہ شعر ولغویات سے کہ شیطان ساتھ ہوگا، رات کو زیادہ چلے کہ سفر جلد طے ہوتا ہے۔

(20) دوستوں کے لیے کچھ نہ کچھ تحفہ ضرور لائے اور حاجی کا تحفہ تبرکات حرمین شریفین سے زیادہ کیا ہے اور دوسرا تحفہ دعا کہ مکان میں پہنچنے سے پہلے استقبال کرنے والوں اور سب مسلمانوں کے لیے کرے کہ قبول ہے۔

فصل دوم: احرام اور اس کے احکام

(1) ہندیوں (پاک وہند کے رہنے والوں) کے لیے میقات (جہاں سے احرام باندھنے کا حکم ہے) کوہ یلملم کی محاذات ہے یہ جگہ کامران سے نکل کر سمندروں میں آتی ہے، جب جدہ دو تین میل رہ جاتا ہے جہاز والے اطلاع دیتے ہیں پہلے سے احرام کا سامان تیار کر رکھیں۔

(2) جب وہ جگہ قریب آئے خوب مل کر نہائیں اور نہ نہا سکیں تو صرف وضو کر لیں۔

(3) چاہیں تو مرد سر منڈا لیں کہ احرام میں بالوں کی حفاظت سے نجات ملے گی ورنہ کنگھی کر کے خوشبودار تیل ڈالیں۔

(4) ناخن کتریں، خط بنوائیں، موئے بغل وزیر ناف دور کریں۔

(5) خوشبو لگائیں کہ سنت ہے۔

(6) مرد سلے کپڑے اتاریں، ایک چادر نئی یا دُھلی اوڑھیں اور ایک ایسا ہی تہبند باندھیں، یہ کپڑے سفید بہتر ہیں۔

(7) جب وہ جگہ آئے دو رکعت بہ نیتِ احرام پڑھیں، پہلی میں فاتحہ کے بعد قُلْ یَاۤاَیُّهَا الْکَافِرُوْن، دوسری میں قُلْ هُوَ اللّٰه۔

(8) اب حج تین طرح کا ہوتا ہے۔

ایک یہ کہ نرا حج کرے اسے افراد کہتے ہیں، اس میں بعد سلام یوں کہے ((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ فَیَسِّرْهُ لِیْ وَتَقَبَّلْهُ مِنِّیْ نَوَیْتَ الْحَجَّ مُخْلِصًالِلّٰهِ تَعَالٰی)) ترجمہ: الٰہی! میں حج کا ارادہ کرتا ہوں تو اسے میرے لیے آسان کردے اور مجھ سے قبول فرما، میں نے خاص اللہ تعالیٰ کے لیے حج کی نیت کی۔

دوسرا یہ کہ یہاں سے نرے عمرے کی نیت کرے، مکہ معظمہ میں حج کا احرام باندھے اسے تمتع کہتے ہیں اس میں بعد سلام یو کہے ((اَللّٰهُمَّ اُرِیْدُ الْعُمْرَةَ فَیَسِّرْ هَالِیْ وَتَقَبَّلْهَا مِنِّیْ نَوَیْتُ الْعُمْرَةَ مُخْلِصًالِلّٰهِ تَعَالٰی)) ترجمہ: الٰہی! میں عمرہ کا ارادہ کرتا ہوں تو اسے میرے لیے آسان کردے اور مجھ سے قبول فرما، میں نے خاص اللہ تعالیٰ کے لیے عمرہ کی نیت کی۔

تیسرا یہ کہ حج وعمرہ کی یہیں سے نیت کرے اور یہ سب افضل ہے اسے قِران کہتے ہیں، اس میں بعد سلام یوں

کہے ((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ فَیَسِّرْھُمَا لِیْ وَتَقَبَّلْھُمَا مِنِّیْ نَوَیْتُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ لِلّٰہِ تَعَالٰی)) ترجمہ: الٰہی! میں حج اور عمرہ کا ارادہ کرتا ہوں تو اسے میرے لیے آسان کردے اور مجھ سے قبول فرما، میں نے خاص اللہ تعالیٰ کے لیے حج اور عمرہ کی نیت کی۔

اور تینوں صورتوں میں اسی نیت کے بعد لبیک بآواز کہے، لبیک یہ ہے ((لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ ط لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ ط اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ ط لَا شَرِیْکَ لَکَ))

(9) یہ احرام تھا اس کے ہوتے ہی یہ کام احرام ہوگئے: (۱) عورت سے صحبت، (۲) بوسہ، (۳) مساس (چھونا)، (۴) گلے لگانا، (۵) اس کی اندام نہانی پر نگاہ، جبکہ یہ چاروں باتیں بشہوت ہوں، (۶) عورتوں کے سامنے اس کا نام لینا، (۷) فحش گناہ، ہمیشہ حرام تھے اب اور سخت حرام ہوگئے، (۸) کسی سے دینوی لڑائی جھگڑا، (۹) جنگل کا شکار، (۱۰) اس کی طرف شکار کرنے کو اشارہ کرنا (۱۱) یا کسی طرح بتانا، (۱۲) بندوق یا بارود (۱۳) یا اس کے ذبح کے لیے چھری دینا، (۱۴) اس کے انڈے توڑنا، (۱۵) پر اکھاڑنا، (۱۶) پاؤں یا بازو توڑنا، (۱۷) اس کا دودھ دوہنا، (۱۸) اس کا گوشت یا انڈے پکانا، (۱۹) بھوننا، (۲۰) بیچنا، (۲۱) خریدنا، (۲۲) کھانا، (۲۳) ناخن کترنا، (۲۴) سر سے پاؤں تک کہیں سے کوئی بال جدا کرنا، (۲۵) منہ یا کسی کپڑے وغیرہ سے چھپانا، (۲۶) بستر یا کپڑے کی بقچی یا گٹھڑی سر پر رکھنا، (۲۷) عمامہ باندھنا، (۲۸) برقع پہننا، (۲۹) موزے یا جرابیں وغیرہ جو پنڈلی اور اقدام کے جوڑ کو چھپائے پہننا، (۳۰) سِلا کپڑا پہننا، (۳۱) خوشبو بالوں یا بدن یا کپڑوں میں لگانا، (۳۲) ملاگیری یا کسم کیسر غرض کسی خوشبو کے رنگے کپڑے پہننا جبکہ ابھی خوشبو دے رہے ہوں، (۳۳) خالص خوشبو مشک، عنبر، زعفران، جاوتری، لونگ، الائچی، دارچینی، زنجبیل وغیرہ کھانا، (۳۴) ایسی خوشبو کا آنچل میں باندھنا جس میں فی الحال مہک ہو، جیسے مشک، عنبر، زعفران، (۳۵) سر یا ڈاڑھی خطمی یا کسی خوشبودار ایسی چیز سے دھونا جس سے جوئیں مرجائیں، (۳۶) وسمہ یا مہندی کا خضاب لگانا، (۳۷) گوند وغیرہ سے بال جمانا، (۳۸) زیتون یا تل کا تیل اگرچہ بے خوشبو ہو بدن یا بالوں میں لگانا، (۳۹) کسی کا سر مونڈنا اگرچہ اس کا احرام نہ ہو، جوں مارنا پھینکنا، (۴۰) کسی کو اس کے مارنے کا اشارہ کرنا، (۴۱) کپڑا اس کے مارنے کو دھونا یا دھوپ میں ڈالنا، (۴۲) بالوں میں پارہ وغیرہ اس کے مرنے کو لگانا، غرض جوں کے ہلاک پر کسی طرح باعث ہونا۔

(10) احرام میں یہ باتیں مکروہ ہیں: (۱) بدن کا میل چھڑانا، (۲) بال یا بدن کھلی یا صابون وغیرہ بے خوشبو کی چیز سے دھونا، (۳) کنگھی کرنا، (۴) اس طرح کھجانا کہ بال ٹوٹے یا جوں گرے، (۵) انگرکھا، کرتا یا جبہ پہننے کی طرح کندھوں پر ڈالنا، (۶) خوشبوں کی دھونی دیا ہوا کپڑا کہ ابھی خوشبو دے رہا ہو پہننا، اوڑھنا، (۷) قصداً خوشبو سونگھنا اگرچہ خوشبودار پھل یا پتہ ہو جیسے لیموں، نارنگی، پودینہ، عطردانہ، (۸) سر یا منہ پر پٹی باندھنا، (۹) غلاف کعبہ معظمہ کے اندر اس طرح داخل ہونا کہ غلاف شریف سر یا منہ سے لگے، (۱۰) ناک وغیرہ کا کوئی حصہ کپڑے سے چھپائے، (۱۱) یا کوئی ایسی چیز کھانا پینا جس میں خوشبو پڑی ہو اور نہ وہ پکائی گئی ہو

نہ زائل ہوگئی ہو، بے سلا کپڑا رفو کیا یا پیوند لگا ہوا پہننا، تکیہ پر منہ رکھ کر اوندھا لیٹنا، (۱۲) مہکتی خوشبو ہاتھ سے چھونا جبکہ ہاتھ میں نہ لگ جائے ورنہ حرام ہے، (۱۳) بازو یا گلے پر تعویز باندھنا اگرچہ بے سلے کپڑے میں لپیٹ کر (۱۴)، بلا عذر بدن پر پٹی باندھنا، (۱۵) سنگھار کرنا، (۱۶) چادر اوڑھ کر اس کے آنچل میں گرہ دے لینا، تہبند باندھ کر بند سے کسنا۔

(11) **یہ باتیں احرام میں جائز ھیں:** (۱) انگرکھا، کُرتا، چغہ لپیٹ کر اوپر سے اس طرح ڈال لینا کہ سر اور منہ نہ چھپے، (۲) ان چیزوں یا پاجامہ کا تہبند باندھنا، (۳) ہمیانی یا پٹی باندھنا، (۴) بے میل چھڑائے حمام کرنا، (۵) کسی چیز کے سائے میں بیٹھنا، (۶) چھتری لگانا، (۷) انگوٹھی پہننا، (۸) بے خوشبو کا سرمہ لگانا، (۹) فصد بغیر بال مونڈے، (۱۰) پچھنے لینا، (۱۱) آنکھ میں جو بال نکلے اسے جدا کرنا، (۱۲) سر یا بدن اس طرح کھجانا کہ بال نہ ٹوٹے، (۱۳) جوں نہ گرے، (۱۴) احرام سے پہلے خوشبو لگائی اس کا لگا رہنا، (۱۵) پالتو جانور اونٹ، گائے، بکری، مرغی کا ذبح کرنا، پکانا، کھانا، اس کا دودھ دوہنا، انڈے توڑنا، بھوننا، کھانا، (۱۶) کھانے کے لیے مچھلی کا شکار کرنا، کسی دریائی جانو کا مارنا دوا یا غذا کے لیے نہ ہو، نری تفریح منظور ہو جس طرح لوگوں میں رائج ہے تو شکار دریا ہو یا جنگل خود ہی حرام ہے، اور احرام میں سخت تر حرام، (۱۷) منہ اور سر کے سوا کسی اور جگہ زخم پر پٹی باندھنا (۱۸) سر یا گال کے نیچے تکیہ رکھنا (۱۹) سر یا ناک پر اپنا یا دوسرے کا ہاتھ رکھنا، (۲۰) کان کپڑے سے چھپانا، (۲۱) ٹھوڑی سے نیچے داڑھی پر کپڑا آنا، (۲۲) سر پر سینی اور بوری اٹھانا، (۲۳) جس کھانے کے پکنے میں مشک وغیرہ پڑے ہوں اگرچہ خوشبو دیں یا (۲۴) بے پکائے جس میں خوشبو ڈالی اور وہ بو نہیں دیتی اس کا کھانا پینا، (۲۵) گھی یا چربی یا کڑوا تیل یا ناریل یا بادام یا کدو یا کاہو کا تیل کہ بسایا نہ ہو بدن یا بالوں میں لگانا، (۲۶) خوشبو کے رنگے کپڑے پہننا جبکہ ان کی خوشبو جاتی رہی ہو مگر کسم کیسر کا رنگ مرد کو ویسے ہی حرام ہے، (۲۷) دین کے لیے لڑنا جھگڑنا بلکہ حسب حاجت فرض وواجب ہے، (۲۸) جوتا پہننا جو پاؤں کے جوڑ کو نہ چھپائے، (۲۹) بے سلے کپڑے میں لپیٹ کر تعویز گلے میں باندھنا، (۳۰) آئینہ دیکھنا، (۳۱) ایسی خوشبو کا چھونا جس میں فی الحال مہک نہیں جیسے اگر لوبان، صندل یا (۳۲) اس کا آنچل میں باندھنا، (۳۳) نکاح کرنا۔

(12) ان مسائل میں مرد عورت برابر ہیں مگر عورت کو چند باتیں جائز ہیں: (۱) سر چھپانا، بلکہ نامحرم کے سامنے اور نماز میں فرض ہے تو سر پر بستر بقچہ اٹھانا، بدرجہ اولیٰ، (۲) گوند وغیرہ سے بال جمانا، (۳) سر وغیرہ پر پٹی خواہ بازو یا گلے پر تعویز باندھنا اگرچہ سی کر، (۴) غلافِ کعبہ کے اندر یوں داخل ہونا کہ سر پر رہے منہ پر نہ آئے، (۵) دستانے موزے سلے کپڑے پہننا، (۶) عورت اتنی آواز سے لبیک نہ کہے کہ نامحرم سنے، ہاں اتنی آواز ہر پڑھنے میں ہمیشہ سب کو ضرور ہے کہ اپنے کان تک آواز آئے۔

تنبیہ: احرام میں منہ چھپانا عورت کو بھی حرام ہے، نامحرم کے آگے کوئی پنکھا وغیرہ منہ سے بچا ہوا سامنے رکھے۔

(13) جو باتیں احرام میں جائز ہیں وہ اگر کسی عذر سے یا بھول کر ہوں تو گناہ نہیں، مگر ان پر جو جرمانہ مقرر ہے ہر طرح دینا آئے گا اگرچہ بے قصد ہوں سہواً یا جبراً یا سوتے میں۔

29

(14) وقت احرام سے رمی تک (جس کا ذکر آئے گا) اکثر اوقات لبیک کی بے شمار کثرت رکھے خصوصاً چڑھائی پر چڑھتے اترتے، دو قافلوں کے ملتے، صبح وشام، پچھلی رات، پانچوں نمازوں کے بعد، مرد بآواز کہیں مگر اتنی بلند کہ اپنے آپ یا دوسرے کو تکلیف نہ ہو۔

(15) جب حرم کے متصل پہنچے سر جھکائے، آنکھیں شرمِ گناہ سے نیچی کیے، خشوع وخضوع سے داخل ہو، اور ہو سکے تو پیادہ ننگے پاؤں اور لبیک ودعا کی کثرت رکھے، اور بہتر یہ کہ دن کو داخل ہو نہا کر۔

(16) مکہ مکرمہ کے گرداگرد کئی کوس کا جنگل ہے، ہر طرف اس کی حدیں بنی ہوئی ہیں ان حدوں کے اندر تر گھاس اکھاڑنا، خودرو پیڑ کا کاٹنا، وہاں کے وحشی جانوروں کو تکلیف دینا حرام ہے۔ یہاں تک کہ اگر سخت دھوپ ہو اور ایک ہی پیڑ ہے، اس کے سایہ میں ہرن بیٹھا ہے تو جائز نہیں کہ اپنے بیٹھنے کے لیے اسے اٹھائے، اور اگر کوئی وحشی جانور بیرونِ حرم کا اس کے ہاتھ میں تھا اسے لیے ہوئے حرم میں داخل ہو گیا، اب وہ جانور حرم کا ہو گیا، فرض ہے کہ فوراً اسے آزاد کرے، مکہ معظمہ میں جنگلی کبوتر بکثرت ہیں ہر مکان میں رہتے ہیں، خبردار ہرگز انھیں نہ اڑائے نہ ڈرائے نہ کوئی ایذا پہنچائے، بعض ادھر ادھر کے لوگ جو مکے میں بسے کبوتروں کا ادب نہیں کرتے، ان کی ریس نہ کرے، مگر برا انھیں بھی نہ کہے، جب وہاں کے جانوروں کا ادب ہے تو مسلمان انسان کا کیا کہنا۔

(17) جب رب العالمین جل جلالہ کا شہر نظر پڑے ٹھہر کر دعا مانگے اور درود شریف کی کثرت کرے اور افضل یہ ہے کہ نہا دھو کر داخل ہو اور مدفونین جنت المعلیٰ کے لیے فاتحہ پڑھے۔

(18) جب مدعیٰ پہنچے جہاں کعبہ معظمہ نظر آئے اللہ اکبر یہ عظیم قبول واجابت کا وقت ہے صدق دل سے اپنے اور تمام عزیزوں دوستوں مسلمانوں کے لیے مغفرت وعافیت مانگے۔

فصل سوم: طواف وسعی صفا ومروہ کا بیان

اب کہ مسجد الحرام میں داخل ہوا گر جماعت قائم ہو یا نماز فرض خواہ وتر یا سنتِ موکدہ کے فوت ہونے کا خوف نہ ہو تو سب کاموں سے پہلے متوجہ طواف ہو، کعبہ شمع ہے اور تو پروانہ، دیکھتا نہیں کہ پروانہ شمع کے گرد کیسے قربان ہوتا ہے تو بھی اس شمع پر قربان ہونے کے لیے مستعد ہو جا۔

(1) شروع طواف سے پہلے مرد اضطباع کرے یعنی چادر کی سیدھی جانب دہنی بغل کے نیچے سے نکالے کہ سیدھا شانہ کھلا رہے اور دونوں آنچل بائیں کندھے پر ڈال لے۔

(2) اب روبہ کعبہ حجرِ اسود کی بائیں طرف رکنِ یمانی کی جانب سنگِ اسودِ اقدس کے قریب یوں کھڑا ہو کہ تمام پتھر اپنے سیدھے ہاتھ کو رہے، پھر طواف کی نیت کرو: اللهم انی ارید طواف بیتك المحرم فیسره لی و تقبله منی۔

(3) اس نیت کے بعد کعبہ کو منہ کیے اپنی داہنی سمت چلو، جب سنگِ اسود کے مقابل ہو (اور یہ بات ادنیٰ حرکت سے

29
29

حاصل ہوجائے گی) کانوں تک ہاتھ اس طرح اٹھاؤ کہ ہتھیلیاں حجر کی طرف رہیں اور کہو: بسم اللہ و الحمد للہ و اللہ اکبر ط والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ۔

(4) میسر ہو سکے تو حجرِ اسود مطہر پر دونوں ہتھیلیاں اور ان کے بیچ میں منہ رکھ کر یوں بوسہ دو کہ آواز پیدا نہ ہو سکے، تین بار ایسا ہی کرو، یہ نصیب ہو تو کمال سعادت ہے، یقیناً تمہارے محبوب و مولی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے بوسہ دیا اور روئے اقدس اس پر رکھا ہے، زہے خوش نصیبی کہ تمہارا منہ وہاں تک پہنچے، اور ہجوم کے سبب نہ ہو سکے تو نہ اوروں کو ایذا دو اور نہ آپ دبو کچلو، بلکہ اس کے عوض ہاتھ سے اور ہاتھ نہ پہنچے تو لکڑی سے سنگِ اسود مبارک چھوکر اسے چوم لو، یہ بھی نہ بن پڑے تو ہاتھوں سے اس کی طرف اشارہ کر کے اسے بوسہ دے، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منہ رکھنے کی جگہ پر نگاہیں پڑ رہی ہیں، یہی کیا کم ہے!

(5) اللھم ایمانا بک وتباعا لسنۃ نبیک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، کہتے ہوئے درِ کعبہ تک بڑھو، جب حجر مبارک کے سامنے سے گذر جاؤ، سیدھے ہولو خانہ کعبہ کو اپنے بائیں ہاتھ پر لے کر یوں چلو کہ کسی کو ایذا نہ دو۔

(6) مرد رمل کرتا چلے یعنی جلد جلد چھوٹے قدم رکھتا شانے ہلاتا جیسے قوی و بہادر لوگ چلتے ہیں، نہ کودتا، نہ دوڑتا، جہاں زیادہ ہجوم ہو جائے اور رمل میں اپنی یا غیر کی ایذا ہو اتنی دیر رمل ترک کرو،

(7) طوف میں جس قدر خانہ کعبہ سے نزدیک ہو بہتر ہے مگر نہ اتنے کہ پشتۂ دیوار پر جسم یا کپڑا لگے اور نزدیکی میں کثرتِ ہجوم کے سبب رمل نہ ہو سکے تو دوری بہتر ہے۔

(8) جب ملتزم، پھر رکنِ عراقی، پھر میزاب الرحمۃ، پھر رکنِ شامی کے سامنے آؤ تو یہ سب دعا کے مواقع ہیں، ان کے لیے خاص خاص دعائیں کہ جو جواہر البیان شریف میں مذکور ہیں سب کا یاد کرنا دشوار ہے اس سے وہ اختیار کرو جو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سچے وعدے سے تمام دعاؤں سے بہتر و افضل ہے یعنی یہاں اور تمام مواقع میں اپنے لیے دعا کے بدلے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجو، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ((اذا یکفی ھمك ویغفر لك ذنبك)) ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ تیرے سب کام بنا دے گا اور تیرے گناہ معاف فرما دے گا۔ (الترغیب والترہیب، ج2، ص501، مصطفی البابی، مصر)

(9) طواف میں دعا درود کے لیے رکو نہیں بلکہ چلتے میں پڑھو۔

(10) دعا درود چلا چلا کر نہ پڑھو جس طرح مطوف پڑھاتے ہیں بلکہ آہستہ اس قدر کہ اپنے کان تک آواز آئے۔

(11) جب رکنِ یمانی کے پاس آؤ تو اسے دونوں ہاتھ یا دہنے ہاتھ سے تبرکاً چھوؤ، نہ صرف بائیں ہاتھ سے، اور چاہو تو اسے بوسہ بھی دو، اور نہ ہو سکے تو یہاں لکڑی سے چھونا یا اشارہ کر کے ہاتھ چومنا نہیں۔

(12) جب اس سے بڑھو تو یہ مستجاب (ہے) جہاں ستر ہزار فرشتے دعا پر آمین کہیں گے، اپنے اور سب احباب

مسلمین اور اس حقیر و ذلیل کی نیت سے صرف درود شریف کافی ہے۔

(13) اب جو دوبارہ حجر تک آئے یہ ایک پھیرا ہوا، یونہی سات پھیرے کرو، مگر باقی پھیروں میں وہ نیت کرنا نہیں کہ نیت تو ابتداء میں ہو چکی، اور رمل صرف اگلے (پہلے) تین پھیروں میں ہے، اور باقی چار میں آہستہ بے جنبشِ شانہ معمولی چال سے چلو۔

(14) جب ساتوں پھیرے ہو جائیں، آخر میں پھر حجر اسود کو بوسہ دو یا وہی طریقے ہاتھ یا لکڑی کے برتو۔

(15) بعدِ طواف مقام ابراہیم میں آ کر آیہ کریمہ ﴿ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ﴾ (اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ) پڑھ کر دو رکعت طواف کہ واجب ہیں قُلْ یٰٓا اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ سے پڑھو، اگر وقت کراہت مثلاً طلوع صبح سے بلندی آفتاب تک یا دوپہر یا نمازِ عصر کے بعد غروب تک نہ ہو، ورنہ وقت نکل جانے پر بعد کو پڑھو، یہ رکعتیں پڑھ کر دعا مانگو۔

(16) پھر ملتزم پر جاؤ اور قریب حجر اس سے لپٹو اور اپنا سینہ اور پیٹ اور کبھی دہنا رخسارہ، کبھی بایاں رخسارہ اس پر رکھو اور دونوں ہاتھ سر سے اونچے کر کے دیوار پر پھیلاؤ، یا داہنا ہاتھ دروازے اور بایاں سنگِ اسود کی طرف، اور یہاں کی دعا یہ ہے ((یَاوَاجِدُ یَامَاجِدُ لَاتُزِلْ عَنِّیْ نِعْمَۃً اَنْعَمْتَ بِھَاعَلَیَّ)) ترجمہ: اے قدرت والے اے عزت والے مجھ سے زائل نہ کر جو نعمت تو نے مجھے بخشی ہے۔

حدیث میں فرمایا: میں جب چاہتا ہوں جبریل کو دیکھتا ہوں کہ ملتزم سے لپٹے ہوئے یہ دعا کر رہے ہیں۔

(17) پھر زمزم پر آؤ اور ہو سکے تو خواہ ایک ڈول کھینچو ورنہ بھرنے والوں سے لے لو اور کعبہ کو منہ کر کے تین سانسوں میں پیٹ بھر کے جتنا پیا جائے پیو، ہر بار بسم اللہ سے شروع اور الحمد اللہ پر ختم، باقی بدن پر ڈال لو اور پیتے وقت دعا کرو کہ قبول ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: زمزم جس مراد سے پیا جائے اسی کے لیے ہے، حاضری مکہ معظمہ تک پینا تو بار بار نصیب ہوگا، قیامت کی پیاس سے بچنے لے لیے پیو، کبھی عذاب قبر سے محفوظی کو، کبھی محبتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو، کبھی وسعتِ رزق، کبھی شفائے امراض، کبھی حصول علم وغیرہا خاص مرادوں کے لیے پیو۔

(18) وہاں جب پیو خوب پیٹ بھر کر پیو، حدیث میں ہے: ہم میں اور منافقوں میں یہ فرق ہے کہ وہ زمزم کو کھ بھر کر نہیں پیتے۔

(19) چاہِ زمزم کے اندر بھی نظر کرو کہ بحکمِ حدیث دافعِ نفاق ہے۔

(20) اب اگر کوئی عذر تکان وغیرہ کا نہ ہو تو ابھی ورنہ آرام لے کر صفا مروہ میں سعی کے لیے پھر حجر اسود کے پاس آؤ اور اسی طرح تکبیر وغیرہ کہہ کر چومو، اور نہ سکے تو اس کی طرف منہ کر کے فوراً باب صفا سے جانب صفا روانہ ہو، دروازے سے پہلے بایاں پاؤں نکالو اور دہنا پہلے جوتے میں ڈالو، اور یہ ادب ہر مسجد سے باہر آتے ہمیشہ ملحوظ رکھو۔

(21) ذکر و درود میں مشغول صفا کی سیڑھیوں پر اتنا چڑھو کہ کعبہ معظمہ نظر آئے (اور یہ بات جہاں پہلی ہی سیڑھی سے حاصل ہے) پھر رخ بہ کعبہ ہو کر دونوں ہاتھ دعا کی طرح پہلے شانوں تک اٹھاؤ اور دیر تک تسبیح و تہلیل و درود و دعا کرو کہ محلِ اجابت

ہے، پھراتر کرذکرودرود میں مشغول مروہ کو چلو۔

(22) جب پہلا میل آئے مرد دوڑنا شروع کریں (مگر نہ حد سے زائد نہ کسی کو ایذا دیتے) یہاں تک کہ دوسرے میل سے نکل جائیں۔

(23) دوسرے میل سے نکل کر پھر آہستہ ہولو یہاں تک کہ مروہ پہنچو، یہاں پہلی سیڑھی چڑھنے بلکہ اس کے قریب کھڑے ہونے سے مروہ پر صعود مل جاتا ہے، یہاں اگرچہ عمارتیں بن جانے سے کعبہ نظر نہیں آتا مگر رو بہ کعبہ ہو کر جیسا صفا پر کیا تھا کرو، یہ ایک پھیرا ہوا۔

(24) پھر صفا کو جاؤ پھر آؤ، یہاں تک کہ ساتواں پھیرا مروہ پر ختم ہو، ہر پھیرے میں اسی طرح کریں، اس کا نام سعی ہے۔ واضح ہو کہ عمرہ صرف انہی افعال طواف وسعی کا نام ہے، قران وتمتع والے کے لیے بھی یہی عمرہ ہو گیا اور افراد والے کے لیے یہ طواف قدوم ہوا یعنی حاضری دربار کا مجرا۔

(25) قارن یعنی جس نے قِران کیا ہے اِس کے بعد طواف قدوم کی نیت سے ایک طواف وسعی اور بجالائے۔

(26) قارن اور مفرد جس افراد کیا تھا لبیک کہتے ہوئے احرام کے ساتھ مکہ میں ٹھہریں، ان کی لبیک دسویں تاریخ رمی جمرہ کے وقت ختم ہوگی، جبھی احرام سے نکلیں گے جس کا ذکر ان شاء اللہ تعالیٰ آتا ہے، مگر متمتع جس نے تمتع کیا تھا وہ اور معتمر یعنی نرا عمرہ کرنے والا شروع طواف کعبہ معظمہ سے سنگ اسود شریف کا پہلا بوسہ لیتے ہی لبیک چھوڑ دیں اور طواف وسعی مذکور کے بعد حلق یعنی مرد سارا سر منڈا دیں یا تقصیر یعنی مرد وعورت بال کتروائیں اور احرام سے باہر آئیں، پھر متمتع چاہے تو آٹھویں ذی الحجہ تک بے احرام رہے، مگر افضل یہ ہے کہ جلد حج کا احرام باندھ لے، اگر یہ خیال نہ ہو کہ دن زیادہ ہیں یہ قیدیں نہ نبھیں گی۔

تنبیہ: طواف قدوم میں اضطباع و رمل اور اس کے بعد صفا و مروہ میں سعی ضرور نہیں، مگر اب نہ کرے گا تو طواف الزیارت میں کہ حج کا طواف فرض ہے جس کا ذکر ان شاء اللہ آتا ہے، یہ سب کام کرنے ہوں گے، اور اس وقت ہجوم بہت ہوتا ہے عجب نہیں کہ طواف میں رمل اور مسعیٰ میں دوڑنا نہ ہو سکے اور اس وقت ہو چکا تو طواف میں ان کی حاجت نہ ہوگی، لہٰذا ہم نے ان کو مطلقاً داخل ترکیب کر دیا۔

(28) مفرد و قارن تو حج کے رمل وسعی سے طواف قدوم میں فارغ ہو لیے مگر متمتع نے جو طواف وسعی کیے وہ عمرہ کے تھے، حج کے رمل وسعی اس سے ادا نہ ہوئے اور اس پر طواف قدوم ہے نہیں کہ قارن کی طرح اس میں یہ امور کر کے فراغت پالے، لہٰذا اگر وہ بھی پہلے سے فارغ ہو لینا چاہے تو جب حج کا احرام باندھے گا اس کے بعد ایک نفل طواف میں رمل وسعی کرے اب اسے طواف الزیارت میں ان کی حاجت نہ ہوگی۔

(28) اب یہ سب حجاج (قارن، متمتع، مفرد، کوئی ہو) کہ منیٰ جانے کے لیے مکہ معظمہ میں آٹھویں تاریخ کا انتظار کر

رہے ہیں، ایام اقامت میں جس قدر ہو سکے نرا طواف بے اضطباع ورمل وسعی کرتے رہیں، باہر والوں کے لیے یہ سب سے بہتر عبادت ہے اور ہر سات پھیروں پر مقامِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں دو رکعت پڑھیں۔

(29) اب خواہ منیٰ سے واپسی پر جب کبھی رات میں جتنی بار کعبہ معظمہ پر نظر پڑے لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ تین تین بار کہیں اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجیں، دعا کریں کہ یہ وقت قبول ہے۔

(30) طواف اگرچہ نفل ہو اس میں یہ باتیں حرام ہیں: (۱) بے وضو طواف کرنا، (۲) کوئی عضو جو ستر میں داخل ہے اس کا چہارم کھلا ہونا مثلاً ران یا آزاد عورت کا کان، (۳) بے مجبوری سواری پر یا کسی کی گود میں یا کندھوں پر طواف کرنا، (۴) بلا عذر بیٹھ کر سرکنا یا گھٹنوں چلنا، (۵) کعبہ کو داہنے ہاتھ پر لے کر الٹا طواف کرنا، (۶) طواف میں حطیم کے اندر ہو کر گزرنا، (۷) سات پھیروں سے کم کرنا۔

(31) یہ باتیں طواف میں مکروہ ہیں: (۱) فضول بات کرنا، (۲) بیچنا، خریدنا، (۳) حمد و نعت و منقبت کے سوا کوئی شعر پڑھنا، (۴) ذکر یا دعا یا تلاوت یا کوئی کلام بلند آواز سے کرنا۔ (۵) ناپاک کپڑے میں طواف کرنا، (۶) رمل یا اضطباع یا بوسہ سنگِ اسود جہاں جہاں ان کا حکم ہے ترک کرنا، (۷) طواف کے پھیروں میں زیادہ فاصلہ دینا یعنی کچھ پھیرے کر لیے پھر دیر تک ٹھہر گئے یا اور کسی کام میں لگ گئے، باقی پھیرے بعد کو کیے مگر وضو جاتا رہا تو کر آئے یا جماعت قائم ہوئی اور اس نے نماز ابھی نہ پڑھی ہو تو شریک ہو جائے بلکہ جنازہ کی جماعت میں بھی طواف چھوڑ کر مل سکتا ہے، باقی جہاں سے چھوڑا تھا آ کر پورا کرے، یوں ہی پیشاب پاخانہ کی ضرورت ہو تو چلا جائے وضو کر کے باقی پورا کرے، (۸) ایک طواف کے بعد جب تک اس کی رکعتیں نہ پڑھ لیں دوسرا طواف شروع کر دینا مگر کراہت نماز کا وقت ہو جیسے صبح صادق سے طلوع آفتاب یا نماز عصر پڑھنے کے بعد سے غروب آفتاب تک کہ اس میں متعدد طواف بے فصل نماز جائز ہیں، وقت کراہت نکل جائے تو ہر طواف کے لیے دو رکعت ادا کرے، (۹) خطبہ امام کے وقت طواف کرنا، ہاں اگر خود پہلی جماعت میں پڑھ چکا تو باقی جماعتوں کے وقت طواف کرنے میں حرج نہیں اور نمازیوں کے سامنے سے گزر سکتا ہے کہ طواف بھی مثل نماز ہی ہے، (۱۰) طواف میں کچھ کھانا، (۱۱) پیشاب یا پاخانہ یا ریح کے تقاضے میں طواف کرنا۔

(32) یہ باتیں طواف وسعی دونوں میں مباح ہیں: (۱) سلام کرنا، (۲) جواب دینا، (۳) پانی پینا، (۴) حمد و نعت و منقبت کے اشعار آہستہ پڑھنا، (۵) اور سعی میں کھانا کھا سکتا ہے۔ (۶) حاجت کے لیے کلام کرنا، فتویٰ پوچھنا، فتویٰ دینا۔

(33) طواف کی طرح سعی بھی بلا ضرورت سوار ہو کر یا بیٹھ کر نا جائز و گناہ ہے۔

(34) سعی میں یہ باتیں مکروہ ہیں: (۱) بے حاجت اس کے پھیروں میں زیادہ فصل دینا مگر جماعت قائم ہو تو چلا جائے، یونہی شرکتِ جنازہ یا قضائے حاجت یا تجدید وضو کو اگرچہ سعی میں ضرور نہیں، (۲) خرید و فروخت، (۳) فضول کلام، (۴) صفا یا مروہ پر نہ چڑھنا، (۵) مرد کا مسعیٰ میں بلا عذر نہ دوڑنا، (۶) طواف کے بعد بہت تاخیر کر کے سعی کرنا، (۷) ستر

عورت نہ ہونا، (۸) پریشان نظری یعنی ادھراُدھر فضول دیکھنا سعی میں بھی مکروہ ہے اور طواف میں اور زیادہ مکروہ۔

مسئلہ: بے وضو بھی سعی میں کوئی حرج نہیں، ہاں باوضو مستحب ہے۔

(35) طواف وسعی کے سب مسائل مذکورہ میں عورتیں بھی شامل ہیں مگر اضطباع، رمل، سعی میں دوڑنا ان کے لیے نہیں، مزاحمت کے ساتھ بوسہ سنگ اسود یا مس رکنِ یمانی یا قرب کعبہ یا زمزم کے اندر نظر یا خود پانی بھرنے کی کوشش نہ کریں، یہ باتیں یوں مل سکیں کہ نامحرم سے بدن نہ چھوئے تو خیر ورنہ الگ تھلگ رہنا اس کے لیے سب سے بہتر ہے۔

فصل: چہارم منیٰ کی روانگی اور عرفہ کا وقوف

(1) ساتویں تاریخ مسجد حرام میں بعد نماز ظہر امام خطبہ پڑھے گا اسے سنو۔

(2) یوم الترویہ کہ آٹھ تاریخ کا نام ہے جس نے احرام نہ باندھا ہو باندھ لے اور ایک نفل طواف میں رمل وسعی جیسا کہ اوپر گزرا۔

(3) جب آفتاب نکل آئے منیٰ کو چلو اور ہو سکے تو پیادہ کہ جب تک مکہ معظمہ پلٹ کر آؤ گے ہر قدم پر سات سو نیکیاں لکھی جائیں گی، سو ہزار کا لاکھ، سو لاکھ کا کروڑ، سو کروڑ کا ارب، سو ارب کا کھرب، یہ نیکیاں تخمیناً 78 کھرب 40 ارب ہوتی ہیں، اور اللہ کا فضل اس نبی کے صدقہ میں اس امت پر بے شمار ہے جل وعلا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ والحمد الله رب العالمین۔

(4) راستے بھر لبیک دعا اور درود وثنا کی کثرت کرو۔

(5) جب منیٰ نظر آئے کہو: اَللّٰهُمَّ هٰذِهٖ مِنًى فَامْنُنْ عَلَيَّ بِمَا مَنَنْتَ بِهٖ عَلٰى اَوْلِيَائِكَ ترجمہ: الٰہی! یہ منیٰ ہے تو مجھ پر وہ احسان کر جو تو نے اپنے دوستوں پر کئے۔

(6) یہاں رات کو ٹھہرو، آج ظہر سے نویں کی صبح تک پانچ نمازیں مسجد خیف میں پڑھو، آج کل بعض مطوفوں نے یہ نکالی ہے کہ آٹھویں کو منیٰ نہیں ٹھہرتے سیدھے عرفات پہنچتے ہیں، ان کی نہ مانے اور اس سنتِ عظیمہ کو ہرگز نہ چھوڑے، قافلہ کے اصرار سے ان کو بھی مجبور ہونا پڑے گا۔

(7) شب عرفہ منیٰ میں ذکر وعبادت سے جاگ کر صبح کرو، سونے کے بہت دن پڑے ہیں، اور نہ ہو تو کم از کم عشاء وصبح تو جماعت اولیٰ سے پڑھو کہ شب بیداری کا ثواب ملے گا، اور باوضو سوؤ کہ روح عرش تک بلند ہو گی۔

(8) صبح تک مستحب وقت نماز پڑھ کر لبیک وذکر ودرود میں مشغول رہو یہاں تک کہ آفتاب کوہِ ثبیر پر کہ مسجد خیف شریف کے سامنے ہے چمکے، اب عرفات کو چلو، دل کو خیال غیر سے پاک کرنے میں کوشش کرو کہ آج وہ دن ہے کہ کچھ کا حج قبول کریں گے اور کچھ ان کے صدقے بخش دیں گے، محروم وہ جو آج محروم رہا، وسوسے آئیں تو ان سے لڑائی نہ باندھو کہ یوں بھی دشمن کا مطلب حاصل ہے وہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم اور خیال میں لگ جاؤ، لڑائی باندھی جائے جب بھی تو اور خیال پڑے، بلکہ ان کی طرف دھیان ہی نہ کرو، یہ سمجھ لو کہ کوئی اور

وجو ہے جو ایسے خیالات لا رہا ہے، مجھے اپنے رب سے کام ہے یوں ان شاء اللہ وہ مردود نا کام واپس جائے گا۔

(9) راستے بھر ذکر و درود میں بسر کرو، بے ضرورت کچھ بات نہ کرو، لبیک کی بار بار کثرت کرتے چلو۔

(10) جب نگاہ جبل رحمت پر پڑے ان امور میں اور زیادہ کوشش کرو کہ ان شاء اللہ تعالیٰ وقت قبول ہے۔

(11) عرفات میں اس کوہ مبارک کے پاس یا جہاں جگہ ملے شارع عام سے بچ کر اترو۔

(12) آج کے ہجوم میں کہ لاکھوں آدمی، ہزاروں ڈیرے خیمے ہوتے ہیں، اپنے ڈیرے سے جا کر واپسی میں اس کا ملنا دشوار ہوتا ہے اس لیے پہچان کا نشان قائم کرلو کہ دور سے نظر آئے۔

(13) مستورات ساتھ ہوں تو ان کے برقعہ پر بھی کوئی خاص کپڑا اعلامت چمکتے رنگ کا لگا دو کہ دور سے دیکھ کر تمیز کر سکو اور دل میں تشویش نہ رہے۔

(14) دوپہر تک زیادہ وقت اللہ کے حضور زاری اور با اخلاص نیت حسبِ استطاعت تصدق و خیرات و ذکر و لبیک و درود دعا و استغفار و کلمہ توحید میں مشغول رہو، حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: سب سے بہتر وہ چیز جو آج کے دن میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء نے کہی یہ ہے: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيْتُ ط وَ هُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ ط بِيَدِهِ الْخَيْرِ ط وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، وہ ایک اکیلا، اس کا کوئی ساجھی نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے سب خوبیاں، وہی جلائے وہ مارے، اور وہ زندہ ہے کہ کبھی نہ مرے گا، سب بھلائیاں اسی کے قبضہ میں ہیں اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

(15) دوپہر سے پہلے کھانے پینے وغیرہ ضروریات سے فارغ ہو لو کہ دل کسی طرف لگا نہ رہے، آج کے دن جیسے حاجی کو روزہ مناسب نہیں کہ دعا میں ضعف ہوگا، یونہی پیٹ بھر کر کھانا سخت ضرر اور غفلت و کسل (سستی) کا باعث ہے، تین روٹی کی بھوک والا ایک ہی کھائے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو ہمیشہ کے لیے یہی حکم دیا ہے، اور خود دنیا سے تشریف لے گئے اور جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہ کھائی حالانکہ اللہ کے حکم سے تمام جہان اختیار میں تھا اور ہے، اور اگر انوار و برکات لینا چاہو تو صرف آج بلکہ حرمین شریفین میں جب تک حاضر ہو تہائی پیٹ سے زیادہ ہرگز نہ کھاؤ، مانو گے تو اس کا فائدہ، نہ مانو گے تو اس کا نقصان آنکھوں سے دیکھ لو گے، ہفتہ بھر اس پر عمل کر کے تو دیکھو، اگلی حالت سے فرق نہ پاؤ جبھی کہنا، جی بچے تو کھانے پینے کے بہت دن ہیں، یہاں تو نور و ذوق کے لیے جگہ خالی رکھو، بھر اتن دوبارہ کیا بھرے گا۔

(16) جب دوپہر قریب آئے نہاؤ کہ سنتِ مؤکدہ ہے اور نہ ہو سکے تو صرف وضو۔

(17) دوپہر ڈھلتے ہی بلکہ اس سے پہلے کہ امام کے بقریب جگہ ملے مسجد نمرہ جاؤ سنتیں پڑھ کر خطبہ سن کر امام کے ساتھ ظہر پڑھو، بیچ میں سلام و قیام تو کیا معنی سنتیں بھی نہ پڑھو، اور بعد عصر بھی نفل نہیں، یہ ظہر و عصر ملا کر پڑھنا جبھی جائز ہے کہ نماز یا تو سلطان خود پڑھائے یا وہ حج میں اس کا نائب ہو کر آتا ہے، جس نے ظہر اکیلے یا اپنی خاص جماعت سے پڑھی اسے وقت سے

پہلے عصر پڑھنا حلال نہ ہوگا، اور جس حکمت کے لیے شرع نے یہاں ظہر کے ساتھ عصر ملانے کا حکم فرمایا ہے یعنی غروب آفتاب تک دعا کے لیے وقت خالی ملنا وہ جاتی رہے گی۔

(18) خیال کرو جب شرع کو یہ وقت دعا کے لیے فارغ کرنے کا اس قدر اہتمام ہے تو اس وقت اور کام میں مشغولی کس قدر بیہودہ ہے، بعض احمقوں کو دیکھا ہے کہ امام تو نماز میں ہے یا نماز پڑھ کر موقف کو گیا اور وہ کھانے پینے حقے چائے اڑانے میں مصروف ہیں خبردار ایسا نہ کرو، امام کے ساتھ نماز پڑھتے ہی فوراً موقف کو روانہ ہو جاؤ، اور ممکن ہو تو اونٹ پر کہ سنت بھی ہے اور ہجوم میں دبنے کچلنے سے محافظت بھی۔

(19) بعض مطوف اس مجمع میں جانے سے منع کرتے ہیں اور طرح طرح سے ڈراتے ہیں ان کی نہ سنو کہ وہ خاص نزول رحمتِ عام کی جگہ ہے، ہاں عورات اور کمزور مرد یہیں کھڑے ہوئے دعا میں شامل ہوں کہ بطن عرنہ (یہ عرفات میں حرم کے نالوں میں سے ایک نالہ ہے مسجد نمرہ کے مغرب یعنی مکہ معظمہ کی طرف وہاں موقف محض ناجائز ہے) کے سوا یہ سارا میدان موقف ہے اور یہ لوگ بھی تصور یہی کریں کہ ہم اس مجمع میں حاضر ہیں اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ نہ سمجھیں، اس مجمع میں یقیناً بکثرت اولیاء بلکہ الیاس وخضر علیہم الصلوٰۃ والسلام بنی اللہ موجود ہیں، یہ تصور کریں کہ انوار وبرکات جو اس مجمع میں ان پر اتر رہے ہیں ان کا صدقہ ہم بھکاریوں کی بھی پہنچتا ہے، یوں الگ ہو کر بھی شامل رہیں گے، اور جس سے ہو سکے تو وہاں کی حاضری چھوڑنے کی چیز نہیں۔

(20) افضل یہ ہے کہ امام سے نزدیک جبل رحمت کے قریب جہاں سیاہ پتھر کا فرش ہے روبقبلہ پس پشت امام کھڑا ہو جبکہ ان فضائل کے حصول میں دقت یا کسی کی اذیت نہ ہو ورنہ جہاں اور جس طرح ہو سکے وقوف کرو۔ امام کی دہنی جانب اور بائیں روبرو سے افضل ہے، یہ وقوف ہی حج کی جان اور اس کا بڑا رکن ہے۔

(21) بعض جاہل یہ حرکت کرتے ہیں کہ پہاڑ پر چڑھ جاتے ہیں اور وہاں کھڑے رومال ہلاتے رہتے ہیں اس سے بچو اور ان کی طرف بھی برا خیال نہ کرو، یہ وقت اوروں کے عیب دیکھنے کا نہیں اپنے عیبوں پر شرمساری اور گریہ وزاری کا ہے۔

(22) اب وہ کہ یہاں ہیں اور کہ ڈیروں میں ہیں سب ہمہ تن صدق دل سے اپنے کریم مہربان رب کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور میدان قیامت میں حساب اعمال کے لیے اس کے حضور حاضری کا تصور کرو، نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ لرزتے، کانپتے، ڈرتے، امید کرتے، آنکھیں بند کیے، گردن جھکائے، دستِ دعا آسمان کی طرف سر سے اونچے پھیلاؤ، تکبیر، تہلیل، تسبیح، لبیک، حمد، ذکر، دعا، توبہ، استغفار میں ڈوب جاؤ، کوشش کرو کہ ایک قطرہ آنسوؤں کا ٹپکے کہ دلیل اجابت وسعادت ہے ورنہ رونے کا سا منہ بناؤ کہ اچھوں کی صورت بھی اچھی، اثنائے دعاو ذکر میں لبیک کی بار بار تکرار کرو۔ آج کے دن کی دعائیں بہت منقول ہیں، اور سب سے بہتر یہ ہے کہ سارا وقت درود، ذکر، تلاوت قرآن میں گزارو کہ بوعدہ حدیث دعا والوں سے زیادہ پاؤ گے، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دامن پکڑو، غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے توسل

کرو، اپنے گناہ اور اس کی قہاری یاد کرو، بید کی طرح لرزو اور یقین جانو کہ اس کی مار سے اسی کے پاس پناہ ہے۔ اس سے بھاگ کر کہیں جا نہیں سکتے، اس کے در کے سوا کہیں ٹھکانا نہیں، لہٰذا ان شفیعوں کا دامن لیے اس کے عذاب سے اسی کی پناہ مانگو اور اسی حالت میں رہو کہ کبھی اس کی رحمتِ عام کی امید سے مرجھایا دل نہال ہوا جاتا ہے اور یونہی تضرع وزاری میں رہو یہاں تک کہ آفتاب ڈوب جائے اور رات کا لطیف جز آجائے اس سے پہلے کوچ منع ہے، بعض جلد باز دن ہی سے چل دیتے ہیں ان کا ساتھ نہ دو۔ غروب تک ٹھہرنے کی ضرورت نہ ہوتی تو عصر ظہر سے ملا کر پڑھنے کا حکم کیوں ہوتا، اور کیا معلوم کہ رحمت الٰہی کس وقت توجہ فرمائے، اگر تمھارے چل دینے کے بعد اتری تو معاذ اللہ کیسا خسارہ ہے، اور اگر غروب سے پہلے حدودِ عرفات سے نکل گئے جب تو پورا جرم ہے اور جرمانے میں قربانی دینی آئے گی، بعض مطوّف یوں ڈراتے ہیں کہ رات میں خطرہ ہے یہ دو ایک کے لیے ٹھیک ہے اور جب قافلہ کا قافلہ ٹھہرے گا تو ان شاء اللہ کچھ اندیشہ نہیں۔

(23) ایک ادب واجب الحفظ اس روز کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سچے وعدوں پر بھروسا کر کے یقین کرے کہ آج میں گناہوں سے ایسا پاک ہوگیا جیسا جس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا، اب کوشش کروں کہ آئندہ گناہ نہ ہوں اور جو داغ اللہ تعالیٰ نے محض رحمت میری پیشانی سے دھویا ہے پھر نہ لگے۔

(24) یہاں یہ باتیں مکروہ ہیں: (۱) غروب آفتاب سے پہلے وقوف چھوڑ کر روانگی جب کہ غروب تک حدودِ عرفات سے باہر نہ ہو جائے ورنہ حرام ہے۔ (۲) نماز ظہر وعصر ملانے کے بعد موقوف کو جانے میں دیر (۳) اس وقت سے غروب تک کھانے پینے یا توجہ بخدا کسی کام میں مشغول ہونا، (۴) کوئی دنیوی بات کرنا، (۵) غروب پر یقین ہو جانے کے بعد روانگی میں تاخیر کرنا، (۶) مغرب یا عشاء عرفات میں پڑھنا۔

تنبیہ: موقوف میں چھتری لگانے یا کسی طرح سایہ چاہنے سے حتی المقدور بچو، ہاں جو مجبور ہے معذور ہے۔

تنبیہ ضروری، اشد ضروری: بدنگاہی ہمیشہ حرام ہے، نہ کہ احرام میں، نہ کہ موقف میں، یا مسجد الحرام میں، نہ کہ کعبہ معظمہ کے سامنے، نہ کہ طواف، بیت الحرام میں، یہ تمھارے بہت امتحان کا موقعہ ہے، عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ یہاں منہ نہ چھپاؤ اور تمھیں حکم دیا گیا ہے کہ ان کی طرف نگاہ نہ کرو، یقین جانو کہ یہ بڑے عزت والے بادشاہ کی باندیاں ہیں اور اس وقت تم اور وہ سب خاص دربار میں حاضر ہو، بلاتشبیہ شیر کا بچہ اس کی بغل میں ہو اس وقت کون اس کی طرف نگاہ اٹھا سکتا ہے، تو اللہ تعالیٰ واحد قہار کی کنیزیں کہ اس کے خاص دربار میں حاضر ہیں ان پر بدنگاہی کس قدر سخت ہوگی وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (اور اللہ تعالیٰ ہی کی شان سب سے بلند ہے) ہاں ہاں ہوشیار، ایمان بچائے ہوئے، قلب ونگاہ سنبھالے ہوئے، حرم وہ جگہ ہے جہاں گناہ کے ارادے پر پکڑا جاتا ہے اور ایک گناہ لاکھ گناہ کے برابر ٹھہرتا ہے، الٰہی! خیر کی توفیق دے۔ آمین!

فصل پنجم: منیٰ ومزدلفہ وباقی افعالِ حج

(1) جب غروب آفتاب کا یقین ہو جائے فوراً مزدلفہ کو چلو، اور امام کا ساتھ افضل ہے مگر وہ دیر کرے تو اس کا انتظار نہ کرو۔

(2) راستے بھر ذکر، درود و دعا و لبیک وزاری و بکا میں مصروف رہو۔

(3) راستہ میں جہاں گنجائش پاؤ اور اپنی یا دوسرے کی ایذا کا احتمال نہ ہو تو اتنی دیر اتنی دور تیز چلو، پیادہ (پیدل) ہو خواہ سوار۔

(4) جب مزدلفہ نظر آئے بشرط قدرت پیادہ ہو لینا بہتر ہے اور نہا کر داخل ہونا افضل ہے۔

(5) وہاں پہنچ کر حتی الامکان جبلِ قزح کے پاس راستے سے بچ کر اترو، ورنہ جہاں جگہ ملے۔

(6) غالباً وہاں پہنچتے پہنچتے شفق ڈوب جائے گی، مغرب کا وقت نکل جائے گا، اونٹ کھولنے اسباب اتارنے سے پہلے امام کے ساتھ مغرب و عشاء پڑھو، اور اگر وقت باقی رہے جب بھی ابھی مغرب ہرگز نہ پڑھو نہ راہ میں کہ اس دن یہاں نماز مغرب وقت مغرب میں پڑھنا گناہ ہے، اگر پڑھ لو گے عشاء کے وقت پھر پڑھنی ہوگی، غرض یہاں پہنچ کر مغرب و عشاء میں بہ نیت ادا نہ کہ بہ نیت قضاء حتی الامکان امام کے ساتھ پڑھو، اس کا سلام ہوتے ہی معاً عشاء کی جماعت ہوگی، عشاء کے فرض پڑھو، اس کے بعد مغرب و عشا کی سنتیں اور وتر پڑھو، اگر امام کے ساتھ نماز مل سکے تو اپنی جماعت کر لو اور نہ ہو سکے تو تنہا پڑھو۔

(7) باقی رات ذکر لبیک و درود و دعا میں گزارو کہ یہ بہت افضل جگہ ہے اور بہت افضل رات ہے زندگی ہو تو اور سونے کو بہت سی راتیں ملیں گی اور یہاں یہ رات خدا جانے دوبارہ کسے ملے اور نہ ہو سکے تو خیر باطہارت سو رہو کہ فضول باتوں سے سونا بہتر ہے اور اتنے پہلے اٹھ کر صبح چمکنے سے پہلے ضروریات و طہارت سے فارغ ہو لو، آج نماز صبح بہت اندھیرے سے پڑھی جائے گی، کوشش کرو کہ جماعت امام بلکہ پہلی تکبیر فوت نہ ہو کہ عشاء و صبح جماعت سے پڑھنے والا پوری شب بیداری کا ثواب پاتا ہے۔

(8) اب دربارِ اعظم کی دوسری حاضری کا وقت آیا، ہاں ہاں کرم کے دروازے کھولے گئے ہیں کل عرفات میں حقوق اللہ معاف، یہاں حقوق العباد معاف فرمانے کا وعدہ ہے۔ مشعر الحرام میں یعنی خاص پہاڑی پر اور جگہ ملے تو اس کے دامن میں، اور نہ ہو سکے تو وادیِ محسر کے سوا جہاں گنجائش پاؤ وقوف کرو اور تمام باتیں کہ وقوف عرفات میں مذکور ہوئیں ملحوظ رکھو۔

(9) جب طلوع آفتاب میں دو رکعت پڑھنے کا وقت رہ جائے امام کے ساتھ منیٰ کو چلو اور یہاں سے سات چھوٹی چھوٹی کنکریاں دانہ خرما (کھجور کی گٹھلی) کے برابر پاک جگہ سے اٹھا کر تین بار دھو لو، کسی پتھر کو توڑ کر کنکریاں نہ بناؤ۔

(10) راستے بھر بدستور ذکر و دعا و درود و بکثرت لبیک میں مشغول رہو۔

(11) جب وادی محسر پہنچو پانچ سو پینتالیس ہاتھ بہت جلدی تیزی کے ساتھ چل کر نکل جاؤ مگر نہ وہ تیزی جس سے کسی کو ایذا ہو اور اس عرصہ میں یہ دعا کرتے جاؤ: اَللّٰھُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُھْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ۔ ترجمہ: الٰہی! اپنے غضب سے ہمیں قتل نہ کر اور اپنے عذاب سے ہمیں ہلاک نہ کر اور اس سے ہمیں عافیت دے۔

(12) جب منیٰ نظر آئے وہی دعا پڑھو جو مکہ سے آتے منیٰ کو دیکھ کر پڑھی تھی۔

(13) جب منیٰ پہنچو سب کاموں سے پہلے جمرۃ العقبہ کو جاؤ جو ادھر سے پچھلا جمرہ ہے اور مکہ معظمہ سے پہلے نالے کے وسط میں، سواری پر جمرے سے پانچ ہاتھ ہٹے ہوئے یوں کھڑے ہو کہ منیٰ داہنے ہاتھ پر اور کعبہ بائیں کو اور جمرہ کی طرف منہ ہو، سات کنکریاں جدا جدا سیدھا ہاتھ خوب اٹھا کر کہ سپیدی بغل ظاہر ہو ہر ایک پر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر مارو، بہتر یہ ہے کہ کنکریاں جمرہ تک پہنچیں ورنہ تین ہاتھ کے فاصلے پر گریں۔ اس سے زیادہ فاصلے پر گری تو وہ کنکری شمار میں نہ آئے گی۔ پہلی کنکری سے لبیک موقوف کرو۔

(14) جب سات پوری ہو جائیں وہاں نہ ٹھہرو، فوراً ذکر کرو، دعا کرتے پلٹ آؤ۔

(15) اب قربانی میں مشغول ہو، یہ وہ قربانی نہیں جو عید میں ہوتی ہے کہ وہ تو مسافر پر اصلاً نہیں اور مقیم مالدار پر واجب ہے اگرچہ حج میں ہو بلکہ یہ حج کا شکرانہ ہے، قارن و متمتع پر واجب اگرچہ فقیر ہو۔ اور مفرد کے لیے مستحب اگرچہ غنی ہو، جانور کی عمر و اعضاء میں وہی شرطیں ہیں جو عید کی قربانی میں۔

(16) ذبح کرنا آتا ہو تو آپ ذبح کرو کہ سنت ہے ورنہ وقتِ ذبح حاضر رہو۔

(17) رو بقبلہ لٹا کر خود بھی رو بقبلہ رہو اور تکبیر کہتے ہوئے نہایت تیز چھری سے بہت جلد اتنی پھیرو کہ چاروں رگیں کٹ جائیں، زیادہ ہاتھ نہ بڑھاؤ کہ بے سبب کی تکلیف ہے۔

(18) بہتر یہ ہے کہ وقتِ ذبح قربانی والے جانور کے دونوں ہاتھ اور ایک پاؤں باندھ لو، ذبح کر کے کھول دو۔

(19) اونٹ ہو تو اسے کھڑا کر کے سینہ میں گلے کے انتہا پر تکبیر کہہ کر نیزہ مارو کہ سنت یونہی ہے اور اس کا ذبح کرنا مکروہ، مگر حلال ذبح سے بھی ہو جائے گا اور گلے پر ایک جگہ اسے ذبح کرے۔ جاہلوں میں جو مشہور ہے کہ اونٹ تین جگہ سے ذبح ہوتا ہے غلط و خلافِ سنت اور مفت کی اذیت و مکروہ ہے۔

(20) کسی ذبیحہ کو جب تک سرد نہ ہو کھال نہ کھینچو، اعضاء نہ کاٹو کہ ایذا ہے۔

(21) یہ قربانی کر کے اپنے اور تمام مسلمانوں کے حج و قربانی قبول ہو جانے کی دعا کرو۔

(22) بعد قربانی رو بقبلہ بیٹھ کر مرد حلق کریں یعنی سارا سر منڈائیں کہ افضل ہے یا بال کتروائیں کہ رخصت ہے۔ اور عورتوں کو حلق حرام ہے ایک پور برابر بال کتروا دیں۔

(23) حلق ہو یا تقصیر دہنی طرف سے ابتداء کرو اور اس وقت اَللّٰہُ اَکْبَر ط اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ ط وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ ط اَللّٰہُ اَکْبَرُ ط وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ ط بعد فراغت بھی کہو، سب مسلمانوں کی بخشش مانگو۔

(24) بال دفن کرو اور ہمیشہ بدن سے جو چیز بال، ناخن، کھال جدا ہو دفن کرو۔

(25) یہاں حلق یا تقصیر سے پہلے ناخن نہ کتراؤ، خط نہ بنواؤ۔

(26) اب عورت سے صحبت کرنے، شہوت سے ہاتھ لگانے، گلے لگانے، بوسہ لینے، دیکھنے کے سوا جو کچھ احرام نے حرام کیا تھا سب حلال ہو گیا۔

(27) افضل یہ ہے کہ آج دسویں ہی تاریخ فرض طواف کے لیے جسے طواف الزیارۃ کہتے ہیں مکہ معظمہ جاؤ بدستور مذکورہ پیادہ باطہارت وسترِ عورت طواف کرو مگر اس طواف میں اضطباع نہیں۔

(28) قارن ومفرد طواف قدوم میں اور متمتع بعد احرام حج کسی طواف نفل میں حج کے رمل وسعی دونوں خواہ صرف سعی کر چکے ہوں تو اس طواف میں رمل وسعی کچھ نہ کریں اور اگر اس میں رمل وسعی کچھ نہ کیا ہو یا صرف رمل کیا ہو یا جس طواف میں کیے تھے وہ عمرہ کا تھا جیسے قارن ومتمتع کا پہلا طواف یا وہ طواف بے طہارت کیا تھا تو ان چاروں صورتوں میں رمل وسعی دونوں اس طواف فرض میں کریں۔

(29) کمزور اور عورتیں اگر بھیڑ کے سبب دسویں کو نہ جائیں تو اس کے بعد گیارھویں کو افضل ہے اور اس دن یہ بڑا نفع ہے کہ مطاف خالی ملتا ہے، گنتی کے بیس بیس آدمی ہوتے ہیں۔ عورتوں کو بھی باطمینانِ تمام ہر پھیرے میں سنگ اسود کا بوسہ ملتا ہے۔

(30) جو گیارھویں کو نہ جائے بارھویں کو کر لے۔ اس کے بعد بلا عذر تاخیر گناہ ہے۔ جرمانہ میں ایک قربانی ہوگی، ہاں مثلاً عورت کو حیض یا نفاس آ گیا تو وہ ان کے ختم کے بعد کرے۔

(31) بہر حال بعد طواف دو رکعت ضرور پڑھیں۔ اس طواف سے عورتیں بھی حلال ہو جائیں گی، حج پورا ہو گیا کہ اس کا دوسرا رکن یہ طواف تھا۔

(32) دسویں، گیارھویں، بارھویں راتیں منیٰ ہی میں بسر کرنا سنت ہے، نہ مزدلفہ میں نہ مکہ میں نہ راہ میں، تو جو دس یا گیارہ کو طواف کے لیے گیا واپس آ کر رات منیٰ ہی میں گزارے۔

(33) گیارھویں تاریخ بعد نماز ظہر امام کا خطبہ سن کر پھر رمی کو چلو، ان ایام میں رمی جمرۃ اولیٰ سے شروع کرو جو مسجد خیف سے قریب مزدلفہ کی طرف ہے اس کی رمی کو راہ مکہ کی طرف سے آ کر چڑھائی پر چڑھو کہ یہ جگہ بہ نسبت جمرۃ العقبہ کے بلند ہے، یہاں رو بہ کعبہ سات کنکریاں بطور مذکور مار کر جمرہ سے کچھ آگے بڑھ جاؤ اور دعا میں ہاتھ یوں اٹھاؤ کہ ہتھیلیاں قبلہ کو رہیں، حضور قلب سے حمد ودرود ودعا واستغفار میں کم سے کم بیس آیتیں پڑھنے قدر مشغول ہو ورنہ پون پارہ یا سورۂ بقر پڑھنے کی مقدار تک۔

(34) پھر جمرہ وسطیٰ پر جا کر ایسا ہی کرو۔

(35) پھر جمرہ عقبےٰ پر، مگر یہاں رمی کر کے نہ ٹھہرو، معاً پلٹ آؤ۔ پلٹنے میں دعا کرو۔

(36) بعینہٖ اسی طرح بارھویں تاریخ تینوں جمرے بعد زوال رمی کرو، بعض لوگ آج دوپہر سے پہلے رمی کر کے مکہ

معظمہ کو چل دیتے ہیں، یہ ہمارے اصل مذہب کے خلاف اور ایک ضعیف روایت ہے۔

(37) بارھویں کی رمی کرکے غروب آفتاب سے پہلے اختیار ہے کہ مکہ معظمہ روانہ ہو جاؤ، مگر بعد غروب چلا جانا معیوب ہے، اب ایک دن اور ٹھہرنا اور تیرھویں کو بدستور دوپہر ڈھلے رمی کرکے مکہ جانا ہوگا اور یہی افضل ہے مگر عام لوگ بارھویں کو چلے جاتے ہیں تو ایک رات دن یہاں قیام میں قلیل جماعت کو دقت ہے۔

(38) حلق رمی سے پہلے جائز نہیں۔

(39) گیارھویں بارھویں کی رمی دوپہر سے پہلے اصلاً صحیح نہیں۔

(40) رمی میں یہ امور مکروہ ہیں: (۱) دسویں کی رمی دوپہر بعد کرنا، (۲) تیرھویں کی رمی دوپہر سے پہلے کرنا، (۳) رمی میں بڑا پتھر مارنا، (۴) توڑ کر بڑے پتھر کی کنکریاں مارنا، (۵) جمرہ کے نیچے جو کنکریاں پڑی ہیں اٹھا کر مارنا کہ یہ مردود کنکریاں ہیں جو قبول ہوتی ہیں، قیامت کے دن نیکیوں کے پلے میں رکھنے کو اٹھائی جاتی ہیں ورنہ جمروں کے گرد پہاڑ جمع ہو جاتے، (۶) ناپاک کنکریاں مارنا، (۷) سات سے زیادہ مارنا، (۸) رمی کے لیے جو جہت مذکور ہوئی اس کا خلاف کرنا، (۹) جمرہ سے پانچ ہاتھ سے کم فاصلہ پر کھڑا ہونا، زیادہ کا مضائقہ نہیں، (۱۰) جمروں میں خلافِ ترتیب کرنا، (۱۱) مارنے کے بدلے کنکری جمرے کے پاس ڈال دینا۔

(41) اخیر دن یعنی بارھویں خواہ تیرھویں کو جب منٰی سے رخصت ہو کر مکہ معظمہ چلو تو وادی محصب میں کہ جنۃ المعلیٰ کے قریب ہے سواری سے اتر لو بے اترے کچھ دیر ٹھہر کر مشغولِ دعا ہو، اور افضل تو یہ ہے کہ عشاء تک نمازیں یہیں پڑھو ایک نیند لے کر داخل مکہ معظمہ ہو۔

(42) اب تیرھویں کے بعد جب تک مکہ میں ٹھہرو اپنے پیر استاد، ماں باپ خصوصاً حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کے اصحاب وعترت اور حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہم کی طرف سے جتنے ہو سکیں عمرے کرتے رہو، تنعیم کو جو مکہ معظمہ سے شمال یعنی مدینہ طیبہ کی طرف تین میل کے فاصلے پر ہے جاؤ وہاں سے عمرہ کا احرام اوپر بیان ہوا باندھ کر آؤ اور طواف وسعی حسب دستور کرکے حلق یا تقصیر کرلو عمرہ ہو گیا، جو حلق کر چکا اور مثلاً اسی دن دوسرا عمرہ کیا وہ سر پر استرا پھروالے کافی ہے۔ یوں ہی وہ جس کے سر پر قدرتی بال نہ ہوں۔

(43) مکہ معظمہ میں کم از کم ایک بار ختم قرآن مجید سے محروم نہ رہے۔

(44) جنۃ المعلیٰ حاضر ہو کر ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ ودیگر مدفونین کی زیارت کرے۔

(45) مکانِ ولادت اقدس حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بھی زیارت سے مشرف ہو۔

(46) حضرت عبد المطلب کی زیارت کریں اور ابو طالب کی قبر پر نہ جاؤ، یونہی جدہ میں جو لوگوں نے حضرت حوا رضی اللہ عنہا کا مزار کئی سو ہاتھ کا بنا رکھا ہے وہاں بھی نہ جاؤ کہ بے اصل ہے۔

(47) علماء کی خدمت سے شرف لو۔

(48) کعبہ معظمہ کی داخلی کمال سعادت ہے اگر جائز طور پر نصیب ہو، حرم عام میں داخلی ہوتی ہے مگر سخت کش مکش کمزور مرد کا کام ہی نہیں، نہ عورتوں کو ایسے ہجوم میں جرأت کی اجازت، زبردست مرد اگر آپ ایذا سے بچ بھی گیا تو اوروں کو دھکے دے کر ایذا دے گا اور یہ جائز نہیں، نہ یوں حاضری میں کچھ ذوق ملے اور خاص داخلی بے لین دین میسر نہیں اور اس پر لینا بھی حرام اور دینا بھی، حرام کے ذریعہ ایک مستحب ملا بھی تو وہ بھی حرام ہو گیا، ان مفاسد سے نجات نہ ملے تو حطیم شریف کی حاضری غنیمت جانے او پر گزرا کہ وہ بھی کعبہ ہی کی زمین ہے اور اگر شاید بن پڑے یوں کہ خدام کعبہ سے ٹھہر جائے کہ داخلی کے عوض میں کچھ نہ دیں گے۔ اس کے بعد یا قبل چاہے ہزاروں روپے دے دو تو کمال آداب ظاہر و باطن کی رعایت سے آنکھیں نیچے کیے، گردن جھکائے گناہوں پر شرماتے۔ جلال رب البیت سے لرزتے کانپتے بسم اللہ کہہ کر پہلے سیدھا پاؤں بڑھا کر داخل ہو اور سامنے کی دیوار تک اتنا بڑھو کہ تین ہاتھ کا فاصلہ رہے، وہاں دو رکعت نفل غیر وقت مکروہ میں پڑھو کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مصلے ہے۔ پھر دیوار پر رخسار اور منہ رکھ کر حمد و درود اور دعا میں کوشش کرو۔ یوں ہی نگاہیں نیچے کیے چار گوشوں پر جاؤ اور دعا کرو اور ستونوں سے چمٹو اور پھر اس دولت کا ملنا اور حج و زیارت کا قبول مانگو اور یونہی آنکھیں نیچے کیے واپس آؤ، اوپر یا ادھر ادھر ہرگز نہ دیکھو اور بڑے فضل کی امید کرو کہ وہ فرماتا ہے جو اس گھر میں داخل ہوا وہ امان میں، والحمد للہ۔

(49) بچی ہوئی بتی وغیرہ جو یہاں یا مدینہ طیبہ میں خدام دیتے ہیں ہرگز نہ لو بلکہ اپنے پاس سے بتی وہاں روشن کر کے باقی اٹھا لو۔

(50) جب عزم رخصت ہو طواف وداع بے رمل و سعی و اضطباع بجا لاؤ کہ باہر والوں پر واجب ہے۔ ہاں وقت رخصت عورت حیض و نفاس میں ہو تو اس پر نہیں۔ پھر دو رکعت مقامِ ابراہیم میں پڑھو۔

(51) پھر زمزم پر آ کر اسی طرح پانی پیو، بدن پر ڈالو۔

(52) پھر دروازہ کعبہ پر کھڑے ہو کر آستانہ پاک کو بوسہ دو اور قبول و بار بار حاضری کی دعا مانگو اور وہی دعائے جامع پڑھو۔

(53) پھر ملتزم پر آ کر غلاف کعبہ تھام کر اُسی طرح چمٹو ذکر و درود اور دعا کی کثرت کرو۔

(54) پھر حجر اسود کو بوسہ دو اور جو آنسو رکھتے ہو گراؤ۔

(55) پھر الٹے پاؤں رخ بہ کعبہ یا سیدھے چلنے میں بار بار پھر کر کعبہ کو حسرت سے دیکھتے، اس کی جدائی پر روتے یا رونے کا منہ بناتے مسجد کریم کے دروازے سے بایاں پاؤں پہلے بڑھا کر نکلو اور دعائے مذکور پڑھو اور اس کے لیے بہتر باب الحزورہ ہے۔

(56) حیض و نفاس والی دروازے پر کھڑے ہو کر کعبہ کو بہ نگاہ حسرت دیکھے اور دعا کرتی پلٹے۔

(57) پھر بقدر قدرت فقرائے مکہ معظمہ پر تصدق کر کے متوجہ سرکار اعظم مدینہ طیبہ ہو، وباللہ التوفیق۔

فصل ششم: جُرم اور ان کے کفارے:

تنبیہ: اس فصل میں جہاں دم کہیں گے اس سے مراد ایک بھیڑ یا بکری ہوگی، اور بدنہ اونٹ یا گائے، یہ سب جانور انھیں شرائط کے ہوں جو قربانی میں ہوں، (اور صدقہ سے مراد صدقۂ فطر کی مقدار ہے)۔

مسئلہ: جہاں دم کا حکم ہے وہ جرم اگر بیماری یا سخت گرمی یا شدید سردی یا زخم یا پھوڑے یا جوؤں کے ایذا کے باعث ہوگا تو اسے جرم غیر اختیاری کہتے ہیں اس میں اختیار ہوگا کہ دم کے بدلے چھ مسکینوں کو ایک ایک صدقہ دے دے یا تین روزے رکھ لے، اور اگر اس میں صدقہ کا حکم ہے اور بہ مجبوری کیا تھا اختیار ہوگا کہ صدقے کے بدلے ایک روزہ رکھ لے۔

اب احکام سنئے:

(1) سِلا کپڑا یا خوشبو کا رنگا چار پہر کامل (ایک دن یا ایک رات مثلاً طلوع سے غروب یا غروب سے طلوع) یا لگاتار زیادہ دنوں پہنا تو دم واجب ہے، اور چار پہر سے کم اگرچہ ایک لحظہ تو صدقہ۔

(2) اگر دن کو پہنا اور رات کو گرمی کے باعث اتار ڈالا، یا رات کو سردی کے سبب پہنا دن کو اتار دیا اور باز آنے کی نیت سے اتارا دوسرے دن پھر پہنا تو دوسرا جرمانہ ہوگا، اسی طرح جتنی بار کرے۔

(3) بیماری کے سبب پہنا تو جب تک وہ بیماری رہے گی ایک جرم ہے اور اگر وہ بیماری یقیناً جاتی رہی دوسری بیماری شروع ہوگئی اور اس میں بھی پہننے کی ضرورت ہے جب بھی یہ دوسرا جرم ہوگا مگر غیر اختیاری۔

(4) بیماری وغیرہ سے اگر سر سے پاؤں تک سب کپڑے پہننے کی ضرورت ہوئی تو ایک ہی جرم غیر اختیاری ہے اور اگر مثلاً ضرورت صرف عمامہ کی تھی اور اس نے کرتا بھی پہنا تو دو جرم ہیں عمامہ کا غیر اختیاری اور کرتا کا اختیاری۔

(5) مرد سارا سر یا چہارم یا مرد خواہ عورت منہ کی ٹکلی ساری یا چہارم چار پہر یا زیادہ لگاتار چھپائیں تو دم ہے اور چہارم سے کم چار پہر تک یا چار پہر سے کم اگرچہ سارا سر یا منہ تو صدقہ ہے اور چہارم سے کم کو چار پہر سے کم تک چھپائیں تو گناہ ہے کفارہ نہیں۔

(6) خوشبو اگر بہت سی لگائی جسے دیکھ کر بہت لوگ بتائیں اگرچہ عضو کے تھوڑے ٹکڑے پر یا کوئی بڑا عضو جیسے سر یا منہ یا ران یا پنڈلی پورا سان دیا اگرچہ تھوڑی ہی خوشبو سے، جب تو اس پر دم ہے، اور اگر تھوڑی سی خوشبو تھوڑے حصے میں لگائی تو صدقہ ہے۔

مسئلہ: سنگِ اسود شریف پر خوشبو ملی جاتی ہے وہ اگر بوسہ لینے میں بحالت احرام منہ کو بہت سی لگ گئی تو دم دینا ہوگا اور تھوڑی سے صدقہ۔

(7) سر پر تیل مہندی کا خضاب کیا کہ بال نہ چھپائے تو ایک دم ہے اور اگر گاڑھی تھوپی اور چار پہر گزرے تو مرد پر دو دم ہیں اور چار پہر سے کم تو ایک صدقہ اور ایک دم، اور عورت پر بہر حال ایک دم۔

(8) ایک جلسہ میں کتنے ہی بدن پر خوشبو لگائے ایک جرم اور مختلف جلسوں میں ہر بار نیا جرم۔

(9) تھوڑی سی خوشبو بدن کے متفرق حصوں پر لگائی اگر جمع کرنے سے ایک بڑے عضو کامل کی مقدار ہو جائے تو دم ہے ورنہ صدقہ۔

(10) خوشبودار سرمہ تین بار یا زیادہ بار لگایا تو دم ہے ورنہ صدقہ۔

(11) اگر خالص خوشبو کی چیز اتنی کھائی کہ اکثر منہ میں لگ گئی تو دم ہے ورنہ صدقہ۔

(12) کھانے میں خوشبو اگر پکنے میں پڑی یا فنا ہو گئی جب تو کچھ نہیں ورنہ اگر خوشبو کے اجزاء زیادہ ہوں تو وہ خالص خوشبو کے حکم میں ہے، اور اگر کھانے کا حصہ زیادہ ہے تو عام کتابوں میں مطلق حکم دیا کہ اس میں کفارہ کچھ نہیں، ہاں خوشبو آئی تو کراہت ہے۔

(13) پینے کی چیز میں خوشبو ملائی اگر خوشبو کا حصہ غالب ہے یا تین بار یا زیادہ پیا تو دم ہے ورنہ صدقہ۔

مسئلہ: خمیرہ تمبا کو نہ پینا بہتر مگر منع یا کفارہ نہیں۔

(14) اگر چہارم سر یا داڑھی کے بال زیادہ کسی طرح دور کیے تو دم ہے اور کم میں صدقہ۔

(15) اگر چندلا ہے یا داڑھی بہت ہلکی چھدری تو یہ دیکھیں کہ اتنے بال اس جگہ کی چہارم مقدار تک پہنچتے ہیں یا نہیں؟

(16) یونہی چند جگہ سے دور کیے تو ملا کر چہارم کی مقدار دیکھیں گے۔

(17) اگر سارے بدن کے بال ایک جلسہ میں دور کیے تو ایک ہی جرم ہے اور مختلف جلسے تو ہر بار نیا جرم۔

(18) مونچھیں اگر چہ پوری ہوں صرف صدقہ ہے۔

(19) گردن یا ایک بغل پوری ہو تو دم ہے اور کم میں اگر چہ نصف یا زائد ہو صدقہ۔ یونہی موئے زیر ناف۔ چہارم کو سب کے برابر ٹھہرانا صرف سر اور داڑھی میں ہے۔

(20) دونوں بغلیں پوری منڈائے جب بھی ایک ہی دم ہے۔

(21) سر اور داڑھی اور زیر ناف اور بغل کے سوا باقی اعضاء کے منڈنے میں صرف صدقہ ہے۔

(22) مونڈنا، کترنا، موچنہ سے لینا، نورہ لگانا سب کا ایک حکم ہے۔

(23) عورت اگر سارے یا چہارم سر کے بال ایک پورہ برابر کترے تو دم ہے اور کم میں صدقہ۔

(24) وضو کرنے یا کھجانے یا کنگھی کرنے میں جو بال گرے اس پر بھی پورا صدقہ ہے۔ اور بعض نے کہا دو تین بال تک ہر بال کے لیے ایک مٹھی اناج یا ایک روٹی کا ٹکڑا یا ایک چھوہارا۔

(25) بال آپ گر جائے بے اس کا ہاتھ لگائے یا بیماری سے تمام بال گر پڑیں تو کچھ نہیں۔

(26) ایک ہاتھ ایک پاؤں کے پانچوں ناخن کترے یا بیسوں ایک ساتھ تو ایک دم ہے۔ اور اگر کسی ہاتھ پاؤں کے پورے پانچ نہ کترے تو ہر ناخن پر ایک صدقہ، یہاں تک کہ چاروں ہاتھ پاؤں کے چار چار کترے تو سولہ صدقے دے مگر یہ کہ

30 صدقوں کی قیمت ایک دم کے برابر ہو جائے تو کچھ کم کرلے۔

(27) اگر ایک جلسہ میں ایک ہاتھ یا پاؤں کے کترے، دوسرے میں دوسرے کے، تو دو دم دے، یونہی چار جلسوں میں چاروں کے تو چار دم۔

(28) کوئی ناخن ٹوٹ گیا کہ اب اگنے کے قابل نہ رہا اس کا بقیہ اس نے کاٹ لیا تو کچھ نہیں۔

(29) شہوت کے ساتھ بوس و کنار و مساس میں دم ہے اگرچہ انزال نہ ہو اور بلاشہوت میں کچھ نہیں۔

(30) اندامِ نہانی پر نگاہ کرنے سے کچھ نہیں اگرچہ انزال ہو جائے، مکروہ ضرور ہے۔

(31) جلق سے انزال ہو جائے تو دم ہے ورنہ مکروہ ہے۔

(32) طواف فرض کل یا اکثر جنابت میں یا حیض و نفاس میں کیا تو بدنہ ہے، اور بے وضو تو دم ہے اور پہلی صورت میں طہارت کے ساتھ اس کا اعادہ واجب، دوسری میں مستحب۔

(33) نصف سے کم پھیرے بے طہارت کے کئے تو ہر پھیرے کے لیے ایک صدقہ۔

(34) طواف فرض کل یا اکثر بلا عذر اپنے پاؤں چل کر نہ کیا بلکہ سواری یا گود میں یا بیٹھے بیٹھے۔

(35) یا بے ستر عورت کیا مثلاً عورت کی چہارم کلائی یا چہارم سر کے بال کھلے تھے۔

(36) یا کعبہ کو دہنے ہاتھ پر لے کے الٹا کیا۔

(37) یا اس میں حطیم کے اندر ہو کر گزرا۔

(38) یا بارھویں کے بعد کیا تو ان پانچوں صورتوں میں دم دے۔

(39) اس کے چار سے کم پھیرے بالکل نہ کیے تو دم دے دے اور بارھویں کے بعد کیے تو ہر پھیرے پر صدقہ ہے۔

(40) طواف فرض کے سوا اور کوئی طواف ناپاکی میں کیا تو دم ہے، اور بے وضو تو صدقہ۔

(41) فرض وغیرہ کوئی طواف ہو جیسے ناقص طور پر کیا کہ کفارہ لازم ہوا، جب کامل اعادہ کر لیا کفارہ اتر گیا مگر بارھویں کے بعد ہونے سے جو نقصان طواف فرض کے سوا کسی پھیرے میں آیا اس کا اعادہ ناممکن، بارھویں تو گزر گئی۔

(42) نجس کپڑوں سے طواف مکروہ ہے کفارہ نہیں۔

(43) سعی کے چار پھیرے یا زیادہ بلا عذر اصلاً نہ کئے، یا سواری پر کیے تو دم دے اور حج ہو گیا اور چار سے کم میں ہر پھیرے پر صدقہ دے۔

(44) طواف سے پہلے سعی کر لی پھر کرے، نہ کرے گا تو دم لازم۔

(45) دسویں کی صبح بلا عذر مزدلفہ میں وقوف نہ کیا تو دم دے۔ ہاں کمزور یا عورت بخوف زحمت ترک کرے تو جرمانہ نہیں۔

(46) حلق حرم میں نہ کیا، حدود حرم سے باہر کیا یا بارھویں کے بعد کیا تو دم ہے۔

(47) رمی سے پہلے حلق کر لیا دم دے۔

(48) قارن یا متمتع رمی سے پہلے قربانی یا قربانی سے پہلے حلق کریں تو دم دیں۔

(49) اگر رمی کسی دن اصلاً نہ کی۔

(50) یا کسی ایک دن کی بالکل یا اکثر ترک کر دی مثلاً دسویں کو تین کنکریوں تک ماریں یا گیارھویں کو دس کنکریوں تک۔

(51) یا کسی ایک دن کی بالکل یا اکثر اس کے بعد دوسرے دن کی، تو ان صورتوں میں دم دے، اور اگر کسی دن کی رمی اس کے بعد آنے والی رات کر لی تو کفارہ نہیں۔

(52) اگر کسی دن کے نصف سے کم رمی مثلاً دسویں کی تین کنکریاں اور دن کی دس بالکل چھوڑ دیں یا دوسرے دن کیں، تو ہر کنکری پر ایک صدقہ دے۔ ان صدقوں کی قیمت دم کے برابر ہو جائے تو کچھ کم کر لے۔

(53) احرام والے نے کسی دوسرے کے بال مونڈے یا ناخن کترے اگر وہ بھی احرام میں ہے تو یہ صدقہ دے اور وہ صدقہ یا دم اسی تفصیل پر کہ اوپر گزری۔ اور اگر وہ احرام میں نہیں تو کچھ خیرات کر دے اگرچہ ایک مٹھی، اور وہ کچھ نہیں۔

(54) اور اگر اس کو سلے کپڑے پہنائے یا خوشبو اس طرح لگائی کہ اپنے نہ لگی تو اس پر کفارہ نہیں، ہاں گناہ ہوگا، اگر وہ بھی احرام میں تھا۔ اور وہ حسب تفصیل مذکور دم یا صدقہ دے گا۔

(55) وقوف عرفہ سے پہلے جماع کیا تو حج نہ ہوا اسے حج ہی کی طرف پورا کر کے دم دے اور پھر فوراً ہی سال آئندہ اس کی قضا کر لے۔ عورت بھی احرام حج میں تھی تو اس پر لازم ہے اور مناسب ہے کہ حج کے احرام سے ختم تک دونوں اس طرح جدا رہیں کہ ایک دوسرے کو نہ دیکھے اگر خوف ہو کہ پھر اس بلا میں پڑ جائیں گے اور وقوف کے بعد صحبت کرنے سے حج تو نہ جائے گا مگر اگر حلق وطواف سے پہلے کیا تو بُدنہ دے اور دونوں کے بیچ میں کیا تو دم، اور بہتر اب بھی بدنہ ہے اور دونوں کے بعد کچھ نہیں۔

(56) عمرہ میں طواف کے چار پھیروں سے پہلے جماع کیا تو عمرہ جاتا رہا، دم دے اور عمرہ پھر کرے اور چار کے بعد دم دے عمرہ صحیح ہے۔

(57) اپنی جوں اپنے بدن یا کپڑوں میں ماری یا پھینک دی تو ایک میں روٹی کا ٹکڑا دے، اور دو ہوں تو مٹھی بھر اناج اور زیادہ میں صدقہ دے۔

(58) جوئیں مارنے کو سر یا کپڑا دھویا یا دھوپ میں ڈالا جب بھی یہی کفارے جو خود قتل میں تھے۔

(59) یونہی دوسرے نے اس کے کہنے یا اشارہ کرنے سے اس کی جوں کو مارا، جب بھی اس پر کفارہ ہے اگرچہ وہ دوسرا احرام میں نہ ہو۔

(60) زمین وغیرہ پر گری ہوئی جوں یا دوسرے کے بدن یا کپڑوں کی مارنے میں اس پر کچھ نہیں اگرچہ وہ دوسرا بھی احرام میں ہو۔

مسئلہ: جہاں ایک دم یا صدقہ ہے قارن پر دو ہیں۔

مسئلہ: کفارہ کی قربانی یا قارن و متمتع کے شکرانہ کی غیر حرم میں نہیں ہوسکتی مگر شکرانہ کی قربانی سے آپ کھائے، غنی کو کھلائے، اور کفارہ کی صرف محتاجوں کا حق ہے۔

نصیحت: کفارے اس لیے ہیں کہ بھول چوک سے یا سونے میں یا مجبوری سے جرم ہوں تو کفارہ سے پاک ہو جائیں، نہ اس لیے کہ جان بوجھ کر بلا عذر جرم کرو اور کہو کفارہ دے دیں گے، دینا تو جب بھی آئے گا، مگر قصداً حکمِ الٰہی کی مخالفت سخت ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ، حق سبحانہ توفیق طاعت عطا فرما کر مدینہ کی زیارت کرائے۔ آمین!

وصل ہفتم: حاضری سرکار اعظم مدینہ طیبہ حضور حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

(1) زیارتِ اقدس قریب بواجب ہے، بہت لوگ دوست بن کر طرح طرح ڈراتے ہیں، راہ میں خطرہ ہے وہاں بیماری ہے، خبردار! کسی کی نہ سنو، اور ہرگز محرومی کا داغ لے کر نہ پلٹو، جان ایک دن جانی ضرور ہے اس سے کیا بہتر ہے کہ ان کی راہ میں جائے۔ اور تجربہ ہے کہ جوان کا دامن تھام لیتا ہے اسے اپنے سایہ میں بآرام لے جاتے ہیں کیل کا کھٹکا نہیں ہوتا۔ والحمدللہ۔

(2) حاضری میں خاص زیارت اقدس کی نیت کرو یہاں تک کہ امام ابن الہمام فرماتے ہیں اس بار مسجد شریف کی بھی نیت نہ کرے۔

(3) راستہ بھر درود و ذکر شریف میں ڈوب جاؤ۔

(4) جب حرم مدینہ نظر آئے بہتر یہ ہے کہ پیادہ (پیدل) ہو لو۔ روتے، سر جھکاتے، آنکھیں نیچی کیے، اور ہو سکے تو ننگے پاؤں چلو بلکہ جائے۔

سراست اینکہ تو پامی نہی پائے نہی بینی کہ کجا می نہی
حرم کی زمین اور قدم رکھ کے چلنا ارے سر کا موقعہ ہے او جانے والے

(5) جب قبۂ انور پر نگاہ پڑے درود و سلام کی کثرت کرو۔

(6) جب شہر اقدس تک پہنچو جلال و جمال محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصور میں غرق ہو جاؤ۔

(7) حاضری مسجد سے پہلے تمام ضروریات جن کا لگاؤ دل بٹنے کا باعث ہو نہایت جلد فارغ ہو، ان کے سوا کسی بیکار بات میں مشغول نہ ہو۔ معاً وضو اور مسواک کرو اور غسل بہتر، سفید و پاکیزہ کپڑے پہنو اور نئے بہتر، سرمہ اور خوشبو لگاؤ اور مشک افضل ہے۔

(8) اب فوراً آستانہ اقدس کی طرف نہایت خشوع و خضوع سے متوجہ ہو، رونا نہ آئے تو رونے کا منہ بناؤ، اور دل کو بزور رونے پر لاؤ اور اپنی سنگدلی سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف متوجہ کرو۔

(9) جب در مسجد پر حاضر ہو صلوٰۃ وسلام عرض کر کے تھوڑا ٹھہرو جیسے سرکار سے حاضری کی اجازت مانگتے ہو، بسم اللہ کہہ کر سیدھا پاؤں پہلے رکھ کہ ہمہ تن ادب ہو کر داخل ہو۔

(10) اس وقت جو ادب و تعظیم فرض ہے ہر مسلمان کا دل جانتا ہے کہ آنکھوں کان، زبان، ہاتھ، پاؤں، دل سب خیالِ غیر سے پاک کرو۔ مسجد اقدس کے نقش و نگار نہ دیکھو۔

(11) اگر کوئی ایسا سامنے آجائے جس سے سلام کلام ضرور ہو تو جہاں تک بنے کترا جاؤ، ورنہ ضرورت سے زیادہ نہ بڑھو، پھر بھی دل سرکار ہی کی طرف ہو۔

(12) ہرگز ہرگز مسجد اقدس میں کوئی حرف چلا کر نہ نکلے۔

(13) یقین جانو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سچی حقیقی دنیاوی جسمانی حیات سے ویسے ہی زندہ ہے جیسے وفات شریف سے پہلے تھے۔ ان کی اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی موت صرف وعدہ خدا کی تصدیق کو ایک آن کے لیے تھی۔ ان کا انتقال صرف نظر عوام سے چھپ جانا ہے۔

(14) اگر غلبہ شوق مہلت دے اور اس وقت کراہت نہ ہو تو دو رکعت تحیۃ المسجد و شکرانہ حاضری دربارہ اقدس صرف قل یا اور قل سے بہت ہلکی مگر رعایت سنت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کی جگہ جہاں اب وسط کریم میں محراب بنی ہے اور وہاں نہ ملے تو جہاں تک ہو سکے اس کے نزدیک ادا کرو، پھر سجدہ شکر میں دعا کرو کہ الٰہی! اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادب اور ان کا اور اپنا قبول نصیب کر۔ آمین!

(15) اب کمال ادب میں ڈوبے ہوئے گردن جھکائے آنکھیں نیچی کیے، لرزتے، کانپتے، گناہوں کی ندامت سے پسینہ پسینہ ہوتے حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عفو و کرم کی امید رکھتے، حضور والا کی پائیں یعنی مشرق کی طرف سے مواجہہ عالیہ میں حاضر ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مزار انور میں روبقبلہ جلوہ فرما ہیں اس سمت سے حاضر ہو کہ حضور کی نگاہ بیکس پناہ تمھاری طرف ہوگی اور یہ بات تمہارے لیے دونوں جہاں میں کافی ہے۔ والحمد اللہ۔

(16) اب کمال ادب و ہیبت و خوف و امید کے ساتھ زیرِ قندیل اس چاندی کی کیل کے جو حجرہ مطہرہ کی جنوبی دیوار

میں چہرہ انور کے مقابل لگی ہے کم از کم چار ہاتھ کے فاصلہ سے قبلہ کو پیٹھ اور مزار انوار کو منہ کرکے نماز کی طرح ہاتھ باندھے کھڑے ہو، لباب وشرح لباب واختیار شرح مختار، فتاوائے عالمگیری وغیرہا معتمد کتابوں میں اس کی تصریح فرمائی کہ ''یقف کمافی الصلوٰۃ'' حضور کے سامنے ایسا کھڑا ہو جیسا نماز میں کھڑا ہوتا ہے۔

(17) خبردار جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو کہ خلافِ ادب ہے بلکہ چار ہاتھ فاصلہ سے زیادہ قریب نہ جاؤ یہ ان کی رحمت کیا کم ہے کہ تم کو اپنے حضور بلایا اور اپنے مواجہ اقدس میں جگہ بخشی، ان کی نگاہ کریم اگر چہ ہر جگہ تمہاری طرف تھی اب خصوصیت اور اس درجہ قرب کے ساتھ ہے والحمد اللہ۔

(18) الحمد اللہ اب کہ دل کی طرح تمہارا منہ بھی اس پاک جالی کی طرف ہے جو اللہ عزوجل کے محبوب عظیم الشان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آرام گاہ ہے نہایت ادب ووقار کے ساتھ باآواز حزیں وصورت درد آگیں، ودل شرمناک وجگر چاک چاک، معتدل آواز سے نہ بلند وسخت (کہ ان کے حضور آواز بلند کرنے سے عمل اکارت ہو جاتے ہیں) نہ نہایت نرم وپست (کہ سنت کے خلاف ہوں اگر چہ وہ تمہارے دلوں کے خطروں تک سے اگاہ ہیں)، مجرا وتسلیم بجالاؤ اور عرض کرو: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَاخَیْرَ خَلْقِ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَاشفیع الْمُذْنِبِیْن۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ وَاُمَّتِكَ اَجْمَعِیْن ۔ترجمہ: اے پیارے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت وبرکات ہوں، اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام ہو۔ اے مخلوق خدا میں سب سے بہتر آپ پر سلام ہو۔ اے گنہ گاروں کی شفاعت فرمانے والے آپ پر سلام ہو۔ آپ پر۔ اور آپ کے آل واصحاب پر اور تمام امت پر سلام ہو۔

(19) جہاں تک ممکن ہو اور زبان یاری دے اور ملال وکسل نہ ہو صلوٰۃ وسلام کی کثرت کرو۔ حضور سے اپنے لیے اور اپنے ماں باپ، پیر، استاد، اولاد، عزیزوں، دوستوں اور سب مسلمانوں کے لیے شفاعت مانگو، بار بار عرض کرو۔ اَسْئَلُكَ الشَّفَاعَۃَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ (اے اللہ کے رسول! آپ سے شفاعت کا سوالی ہوں۔)

(20) پھر اگر کسی نے عرضِ سلام کی وصیت کی بجالاؤ، شرعا اس کا حکم ہے۔ اور یہ فقیر ذلیل ان مسلمانوں کو جو اس رسالہ کو دیکھیں وصیت کرتا ہے کہ جب انھیں حاضری بارگارہ نصیب ہو فقیر کی زندگی میں یا بعد کم از کم تین بار مواجہہ اقدس میں ضرور الفاظ عرض کرکے اس نالائق ننگ خلائق پر احسان فرمائیں، اللہ ان کو دونوں جہاں میں جزا بخشے۔ آمین: اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَعَلٰی اٰلِكَ وَذُرِّیَّتِكَ فِیْ کُلِّ اٰنٍ وَلَحْظَۃٍ عَدَدَکُلِّ ذَرَّۃٍ اَلْفَ اَلْفِ مَرَّۃٍ مِنْ عُبَیْدِكَ اَحْمَدَ رَضَا ابْنِ نَقِیْ عَلِیْ یَسْئَلُكَ الشَّفَاعَۃَ فَاشْفَعْ لَہٗ وَلِلْمُسْلِمِیْنَ ۔ترجمہ: اے اللہ کے رسول آپ پر صلوٰۃ وسلام ہو، آپ کی آل وذریت پر بھی ہر ذرہ کے برابر، لاکھوں مرتبہ آپ کے غلام احمد رضا بن نقی علی پر، اور وہ آپ سے شفاعت کا خواستگار ہے اس کی اور تمام مسلمانوں کی شفاعت فرمائے۔

(21) پھر اپنے دہنے ہاتھ یعنی مشرق کی طرف ہاتھ بھر ہٹ کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرہ نورانی کے سامنے

کھڑے ہوکر عرض کرو: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاخَلِيفَةَ رَسُوْلِ اللهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاصَاحِبَ رَسُوْلِ اللهِ فِي الْغَارِ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ ۔ترجمہ: اے اللہ کے رسول کے خلیفہ! آپ پر سلام۔اے رسول اللہ کے یار غار! آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت وبرکات کا نزول ہو۔

(22) پھر اتنا ہی اور ہٹ کر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے روبرو کھڑے ہوکر عرض کرو: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاأَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنِ ط اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَامُتَمِّمَ الْاَرْبَعِيْنِ ط اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاعِزَّ الْاِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ ترجمہ: اے امیر المومنین آپ پر سلام، اے چالیس مسلمان پورے فرمانے والے! آپ پر سلام۔اے اسلام اور مسلمانوں کی عزت! آپ پر سلام اور رحمت وبرکاتِ الٰہی کا نزول ہو۔

(23) پھر بالشت بھر مغرب کی طرف پلٹو اور صدیق وفاروق کے درمیان کھڑے ہوکر عرض کرو: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمَا يَاخَلِيْفَتَيْ رَسُوْلَ اللهِ ط اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمَا يَا وَزِيْرَيْ رَسُوْلِ اللهِ ط اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمَا يَاضَجِيْعَيْ رَسُوْلِ اللهِ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ ط اَسْئَلُكُمَا الشَّفَاعَةَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلَيْكُمَا وَبَارِكْ وَسَلَّمَ ۔ترجمہ: اے رسول اللہ کے دونوں خلیفو! تم پر سلام ہو، اے رسول اللہ کے دونوں وزیرو! تم پر سلام ہو۔اے رسول اللہ کے پہلو میں لیٹنے والو! تم پر سلام اور اللہ کی رحمتوں وبرکات کا نزول ہو، آپ دونوں سے درخواست ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وعلیکما وبارک وسلم کی خدمت اقدس میں میرے لیے شفاعت کا وسیلہ اور سہارا بنو۔

(24) یہ سب حاضریاں محل اجابت ہیں دعا میں کوشش کرو، درود پر قناعت بہتر ہے۔

(25) پھر منبر اطہر کے قریب دعا مانگو۔

(26) پھر روضہ جنت میں (یعنی جو جگہ منبر وحجرہ منورہ کے درمیان ہے اور اسے حدیث میں جنت کی کیاری فرمایا) آکر دو رکعت نفل غیر وقت مکروہ میں پڑھ کر دعا کرو۔

(27) یونہی مسجد شریف کے ہر ستون کے پاس نماز پڑھو اور دعا مانگو کہ محل برکات ہیں خصوصاً بعض میں خاص خصوصیت۔

(28) جب تک مدینہ طیبہ کی حاضری نصیب ہر ایک سانس بیکار نہ جائے ،ضروریات کے سوا اکثر وقت مسجد شریف میں باطہارت حاضر ہو، نماز وتلاوت ودرود میں وقت گزارو، دنیا کی بات کسی مسجد میں نہیں چاہیے نہ کہ یہاں۔

(29) ہمیشہ ہر مسجد میں جاتے اعتکاف کی نیت کرلو۔یہاں تمھاری یاددہانی ہی کو دروازے سے بڑھتے ہی یہ کتبہ ملے گا۔نَوَيْتُ سُنَّةَ الْاِعْتِكَافِ ط ترجمہ: میں سنت اعتکاف کی نیت کرتا ہوں۔

(30) مدینہ طیبہ میں روزہ نصیب ہو خصوصاً گرمی میں تو کیا کہنا کہ اس پر وعدۂ شفاعت ہے۔

(31) یہاں ہر نیکی ایک کی پچاس ہزار لکھی جاتی ہے لہذا عبادت میں زیادہ کوشش کرو، کھانے پینے کی کمی ضرور کرو۔

(32) قرآن مجید کا کم سے کم ایک ختم یہاں اور حطیم کعبہ معظمہ میں کرلو۔

(33) روضۂ انور پر نظر بھی عبادت ہے جیسے کعبہ معظمہ یا قرآن مجید کا دیکھنا تو ادب کے ساتھ اس کی کثرت کرو اور درود وسلام عرض کرو۔

(34) پنجگانہ یا کم از کم صبح وشام مواجہہ شریف میں عرضِ سلام کے لیے حاضر رہو۔

(35) شہر میں یا شہر سے باہر جہاں کہیں گنبد مبارک پر نظر پڑے فوراً دست بستہ ادھر منہ کر کے صلوٰۃ وسلام عرض کرو بغیر اس کے ہرگز نہ گزرو کہ خلافِ ادب ہے۔

(36) صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((جسے میری مسجد میں چالیس نمازیں فوت نہ ہوں اس کے لیے دوزخ ونفاق سے آزادیاں لکھی جائیں)) (مسند احمد بن حنبل، ج3، ص155، دار الفکر، بیروت)

(37) قبر کریم کو ہرگز پیٹھ نہ کرو اور حتی الامکان نماز میں بھی ایسی جگہ کھڑے ہو کہ پیٹھ کرنی نہ پڑے۔

(38) روضۂ انور کا طواف کرو نہ سجدہ، نہ اتنا جھکنا کہ رکوع کے برابر ہوں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ان کی اطاعت میں ہے۔

(39) بقیع واُحد وقبا کی زیارت سنت ہے، مسجد قبا کی دو رکعت کا ثواب ایک عمرے کے برابر ہے اور چاہو تو یہیں حاضر رہو، سیدی ابن ابی جمرہ قدس سرہٗ جب حضور ہوتے، آٹھوں پہر برابر حضوری میں کھڑے رہتے۔ ایک دن بقیع وغیرہ کی زیارت کا خیال آیا پھر فرمایا یہ ہے اللہ کا دروازہ بھیک مانگنے والوں کے لیے کھلا ہے اسے چھوڑ کر کہاں جاؤں۔

(40) وقت رخصت مواجہہ انور میں حاضر ہو اور حضور سے بار بار اس نعمت کی عطا کا سوال کرو، اور تمام آداب کہ کعبہ معظمہ سے رخصت میں گزرے ملحوظ رکھو اور سچے دل سے دعا کرو کہ الٰہی! ایمان وسنت پر مدینہ طیبہ میں مرنا اور بقیع پاک میں دفن ہونا نصیب ہو۔ (ص725تا769)